

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وہ اپنے رب سے کہتا ہوں کہ تم میرے لئے یہ کتاب لکھو جو میری زندگی کا ایک عظیم ترین لمحہ ہے۔ یہ کتاب میری زندگی کی ساری باتوں کو بیان کرے گی۔ یہ کتاب میری زندگی کی ساری باتوں کو بیان کرے گی۔ یہ کتاب میری زندگی کی ساری باتوں کو بیان کرے گی۔

پودہ سناک

(معاذقہ)

حضرت چہار معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی

مؤلف کا

تاج انگلیں نجم اور عظیم نور تجلیکا ہے خیر العلماء حضرت خاندانِ مطہرین علیہم السلام کے لئے لکھی ہوئی یہ کتاب ان کے حقیقی اور حقیقی
مظہر اعلیٰ، پاکستان مجلس علماء مہاجرین ہندوستان حکومت پاکستان

ناشران

امامیہ کتب خانہ

منزل حویلی اندرون موچیرواڑہ

لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

ہوتے نہ کہ ازل میں "چودہ ستارے" ہادی
مشتی خراب ہوتی آدم سے ہسنا کی

چودہ ستارے سے مراد حضرات چہارہ معصومین علیہم السلام ہیں جن میں سرخیل انبیاء خاتم النبیین
حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وشیفیع روز جزا خالقون جنت حضرت فاطمہ الزہراء صلوات اللہ علیہا
اور بارہ امام علیہم السلام شامل ہیں۔ یہ وہ ذوات ہیں جو خالق کائنات کی طرح بے مثل و بے نظیر ہیں۔
یہ جب عالم نور میں تھے، انھوں نے ملائکہ کو تسبیح و تہجد کا سبق دیا۔ جبریل کو علم معرفت سے بہرہ ور کیا
آدم و حوا جو گرسے ہوئے آنسوؤں کی طرح بے وقعت ہو چکے تھے انھیں شرف انسانی میں توبہ
کے ذریعہ سے عروج و فروع بخشا، اور جب عالم ظہور میں آئے تو عقول انسانی کو علم و معرفت کی
جلادے کر چمکایا۔ مگر انہوں کو رہبری کا جادہ مستقیم بتایا۔ جنت میں جانے کا راستہ دکھایا۔

ان کی مدح سرائی کے لیے زبان قدرت ناطق۔ ان کے وضاحت حالات کے لیے اوراق قرآن
شاہد۔ انسان کی کیا مجال کہ ان کے کشف حالات کے لیے قلم اٹھاسکے۔ حالات و اوصاف ان کے لکھے
جاسکتے ہیں جن کی کڑ معلوم اور حقیقت آشکار ہو، اور جن کو دنیا میں آزاد زندگی بسر کرنے کا موقع ملا ہو
یہ وہ ذوات ہیں جن کے سمجھنے سے عقل انسانی قاصر اور فہم انسانی معذور ہے۔ میں نے اس کتاب میں جو کچھ
لکھا ہے دعائے توفیق اور کتب کی مدد سے لکھا ہے مجھے ہرگز اس کا دعویٰ نہیں کہ میں ان حضرات کے
حالات کا ایک شمر بھی لکھ سکا ہوں۔ بہر حال احباب کی خواہش تھی کہ میں ان کے حالات قلم بند کروں۔
اس لیے قلم اٹھایا اور کچھ نہ کچھ لکھ دیا۔ ع

مگر قبول افتد زہے عز و شرف

میں نے اس کی پوری سعی کی ہے کہ واقعات صحیح الفاظ و عبارت موجز و مختصر اور حالات و صورت
لکھے جائیں۔ تاریخ و ولادت و شہادت کی صحت پر بھی پوری قوت صرف کی جائے اور میں نے اس کی سعی
بلخ میں بھی دریغ نہیں کیا کہ صحیح تاریخ منظر عام پر آجائے۔ میں نے اپنی بساط کے مطابق اس کی بھی کوشش
کی ہے کہ جو واقعات بعض معاصرین نے غیر مناسب لکھ دیئے ہیں، وہ بھی صاف ہو جائیں اور اعتراض

کی گنجائش باقی نہ رہے۔ میں نے ایسا بھی کیا ہے کہ جن معصومین کے کوائف و حالات مشہور ہیں انہیں زیادہ اختصار سے لکھا ہے اور جو زیادہ پرہیزگاریوں پرہیزگاریوں میں اُن کی قدرے وضاحت کی ہے۔

میں نے اس کتاب کو حضرت حجت علیہ السلام سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ آپ وارث الانبیاء و اوصیاء ہونے کے ساتھ ساتھ حاضر و ناظر اور حیاتِ ظاہریہ سے بہرہ مند ہیں۔

مجھے اس کی ہرگز توقع نہ تھی کہ اس ناپہنچیدہ کو اتنی شہرت و مقبولیت حاصل ہو جائے گی جتنی حاصل ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ میں نے پاکستان کے فحول علماء کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کتاب ”چودہ ستارے“ ہمارے پاس ہر وقت رہتی ہے۔ ہم بوقتِ ضرورت اس سے استفادہ کرتے ہیں، مجھے اس کی بھی خوشی ہے کہ کتاب پوری آب و تاب کے ساتھ منظرِ عام پر آ رہی ہے، قابلِ مبارکباد ہیں۔ جناب شیخِ راحت علی صاحب وغیرہ جنہوں نے امیہ کتب خانہ کی طرف سے اسے آفٹ پر چھپوایا ہے، بہترین کاغذ لگایا ہے اور خوش منظر بنایا ہے۔

میں نے اس ایڈیشن میں بہت سے اضافے کروئے ہیں جن میں بعض وہ اضافے ہیں جن کی کمی میں شدت سے محسوس کرتا تھا جیسے (۱) حضرت رسول کریم صلعم کی زندگی کے ابتدائی حالات (۲) حضرت رسول کریم کے سبب وفات کی تحقیق (۳) ہندوستان میں اسلام کے پہنچنے کا فریضہ اور سندھ سے آکر محمدؐ کا علاقہ اور اہلِ سندھ سے اُن کی دلچسپی (۴) حضرت فاطمہ الزہرا کی کنیز جنابِ فضہ کے حالات (۵) حضرت زینب و اُم کلثوم صلوٰۃ اللہ علیہما کے حالات، اُن کی تاریخِ ولادت و وفات اور اُن کا مدفن (۶) فاطمی خلفاء کے حالات (۷) قم کی تاریخ اور حضرت معصومہ قم کے حالات (۸) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزند ارجمند جناب موسیٰ میر تقی کے حالات وغیرہ وغیرہ۔

والسلام

شیخ محمد الحسن کراروی

۱۵ شعبان ۱۳۹۳ھ

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۵	خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۲	پیش لفظ
"	آنحضرت کی ولادت باسعادت	۴	فہرست مضامین
۲۶	آنحضرت کی ولادت کے وقت	۲۰	انتساب
۲۷	حیرت انگیز واقعات کا نظور	۲۱	تقریب مجتہد اعظم مرجع تقلید آقا سید محمد تقی شریعت مار قم ایران
۲۸	آپ کی تاریخ ولادت	۲۲	خطیب اعظم تہذیب و تمدن مولانا سید محمد صاحب قیصر دہلوی کے ایک خط کا اقتباس
"	آپ کی پرورش و پرورش اور آپ کا بچپن	۲۳	تقریب بعض حضرات علماء پاکستان
۲۹	آپ کی سایہ مادری سے محرومی	۲۴	چودھو سارے ایک نظر میں
"	حضرت ابوطالب کو حضرت عبدالمطلب کی وصیت	۲۸	چودھو سارے کے آئندہ
"	حضرت ابوطالب کے تجارتی سفر شام میں	۳۰	پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ کے خاندانی حالات
"	آنحضرت کی ہمراہی اور ہجرت راب کا واقعہ	۳۵	قصی
۵۰	آنحضرت کا مکہ کو رومیوں کے اقتدار سے بچانا	۳۶	عبد مناف
"	خانہ کعبہ میں حجر اسود کو نصب کرنے	"	ہاشم
"	میں آنحضرت صلعم کی حکمت عملی	۳۷	جناب اسد
۵۱	جناب خدیجہ کی شادی خانہ آبادی	"	جناب عبدالمطلب
"	کوہ حرا میں آنحضرت کی عبادت گزاری	۳۸	جناب عبد اللہ
۵۲	آپ کی بعثت	"	حضرت ابوطالب
"	دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ	۳۹	جناب عباس
۵۳	اور اعلیٰ رسالت و وزارت	۴۱	جناب حمزہ
۵۴	موتوخ ابو القحطانی کی تحریر پر میرا وضاحتی نوٹ	۴۲	حضرت ابوطالب کے بیٹے
۵۵	ہجرت حبشہ (سید بعثت)	۴۵	باب ۱

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۶۱	۳۱ ہجری کے اہم واقعات	۵۶	حضرت رسول کریم و اولاد اہل بیت (۳۱) بیعت
"	واقعہ بدر معونہ	"	حضرت رسول کریم شعب ابی طالب میں (۳۱) بیعت
"	غزوہ بنی نضیر	"	رومیوں کی شکست پر آنحضرت کی کامیاب
"	غزوہ ذات الرقاع	۵۸	{ پیشین گوئی (۳۱) بیعت
۶۹	۳۲ ہجری کے اہم واقعات	۵۹	آپ کا مجروح شوق القمر (۳۱) بیعت
"	جنگ خندق	"	حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہ کی وفات
۷۱	غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ اٹاک	۵۹	{ (۳۱) بیعت
"	۳۳ ہجری کے اہم واقعات	"	قبیلہ خزرج کا ایک گروہ خدمت
"	صلح حدیبیہ و واقعہ حرم	۶۰	{ رسول میں (۳۱) بیعت
۷۲	۳۴ ہجری کے اہم واقعات	۶۱	آنحضرت کی معراج جسمانی (۳۱) بیعت
"	جنگ نبیر	"	بیعت عقبہ اولیٰ (۳۱) بیعت
۷۳	حضرت علیؑ کے لیے جنت شمس	۶۲	بیعت عقبہ ثانیہ (۳۱) بیعت
۷۵	تیلغنی خطوط	"	ہجرت مدینہ (۳۱) بیعت
۷۶	حصول نذک	۶۳	حضرت کا مقام قبایلیں پہنچنا
"	ایک واقعہ	۶۳	مدینہ میں داخلہ
"	۳۵ ہجری کے اہم واقعات	"	مسجد نبوی کی تعمیر
"	جنگ موتہ	"	نماز اور زکوٰۃ کا حکم
۷۷	ذات السلاسل	"	۳۶ ہجری کے اہم واقعات
"	منبر نبوی کی ابتدا	"	اذان و اقامت
"	فتح مکہ	"	عقد موافقات
۷۸	وعدت بنی خزیمہ	۶۵	۳۷ ہجری کے اہم واقعات
۷۹	جنگ حنین	"	جناب سیدہ کا نکاح
۸۰	علیمہ سعیدہ کی سفارش	"	تعمیر کعبہ
"	۳۸ ہجری کے اہم واقعات	"	جہاد
"	نکس کی تباہی	"	جنگ بدر
"	غزوہ بتوک	۶۶	۳۹ ہجری کے اہم واقعات
۸۱	واقعہ عقبہ	"	جنگ احد
"	تیلغنی سورۃ برات	۶۷	مدینہ نام کہہ بنی

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۹۳	حضرت فاطمہ الزہراء کی شادی	۸۱	جنگِ وادی الرمل
۹۵	جناب سیدہ کا ہمیز	۸۱	دُفود
۹۶	جلوسِ رخصت	۸۲	وصولی صدقات
۹۶	حضرت فاطمہؑ کا نظامِ عمل	۸۲	سلسلہِ حجری کے اہم واقعات
۹۷	فاطمہ الزہراء اور پردہ	۸۲	یمن میں تبلیغی سرگرمیاں
۹۷	جناب سیدہ کا جہاد	۸۲	یمن میں حضرت علی کی شاندار کامیابی پر
۹۷	حضرت فاطمہؑ اور امور خانہ داری	۸۲	مخالفوں کی حسد ساز روشیں
۹۸	حضرت فاطمہؑ اور باہمگذاری زویہ و خاوند	۸۲	یمن کا نظامِ حکومت
۹۸	سائنس بھوکے تعلقات	۸۳	غذیر نجھ میں اصحاب کا تاریخی اجتماع اور اعلانِ خلافت
۹۸	آپ کی اولاد	۸۳	حجۃ الوداع
۹۸	آپ کی عبادت	۸۳	واقعہ مہابہ
۹۸	فاطمہ الزہراءؑ پیغمبرِ اسلام کی نظر میں	۸۳	سرورِ کائنات کے آخری لمحاتِ زندگی
۹۹	حضرت فاطمہؑ رب العزت کی نگاہ میں	۸۵	واقعہ قرطاس
۹۹	حضرت فاطمہؑ عہد رسالت میں	۸۶	وصیت اور احتضار
۱۰۰	فاطمہ الزہراءؑ رسولِ اسلام کے بعد	۸۷	رسولِ کریمؐ کی شہادت
۱۰۲	آپ کی علالت	۸۸	وفات اور شہادت کا اثر
۱۰۳	آپ کی وصیت	۸۸	آنحضرتؐ کی شہادت کا سبب
۱۰۳	آپ کی وفات حسرتِ آیات	۸۹	ازواج
۱۰۵	آپ کا جنازہ	۸۹	اولاد
۱۰۵	حضرت فاطمہؑ کے شرکارِ جنازہ	۹۱	
۱۰۶	حضرت فاطمہؑ کا مدفن	۹۱	باب ۲
۱۰۶	حضرت فاطمہؑ کی قبر پر حضرت علیؑ کا مہر	۹۱	حضرت فاطمہ الزہراء علیہما السلام
۱۰۶	آپ کے روضہ کا اہتمام	۹۱	
۱۰۶	حضرت فاطمہؑ کی کنیز جناب فضہ کے مختصر حالات	۹۲	آپ کی ولادت
۱۰۶	جناب فضہ اور فنِ کیمیاگری	۹۲	آپ کا اکلوتی بیٹی ہونا
۱۰۸	جناب فضہ کی شادی	۹۲	بچپن اور تربیت
۱۰۸	جناب فضہ اور ضیافتِ حضرت رسولؐ	۹۳	آپ کی عصمت
۱۰۸	جناب فضہ اور امدادِ شیبی	۹۳	آپ کی والدہ کی وفات
۱۰۹	جناب فضہ اور سورہ اہلِ اتی	۹۳	ہجرتِ فاطمہؑ
۱۱۰	حضرت عمرؓ سے نبوتِ رسولؐ کا زخمی ہونا اور فضہؑ کی کارنا	۹۳	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۲۴	جنگ بصرہ کے علم	۱۱۰	عسکری بیسٹہ میں فضیلت کی شرکت
۱۲۵	اسلام پر علیؑ کے احسانات	=	حضرت بیسٹہ کا آخری سفر اور فضیلت
۱۲۶	دنیا حضرت علیؑ کی نگاہ میں	۱۱۱	جناب فضیلت حضرت فاطمہؑ کی شہادت کے بعد
=	کسب حلال کی جدوجہد	=	کربلا میں حکم فضیلت سے شیر کا برآمد ہونا
۱۲۷	حضرت علیؑ اخلاق کے میدان میں	=	کربلا میں فضیلت کا حضرت زینب کو سوار کرانا
=	حضرت علیؑ اخلاق عالم کی نظر میں	=	دربار شام میں پشت فضیلت پر تازیانہ
۱۲۸	علیؑ کی شان میں مشہور آیات	۱۱۲	فضیلت کی دعا اور بیان واقعہ شہادت فاطمہؑ
=	حضرت علیؑ رسول خداؐ کی نگاہ میں	۱۱۳	عمر بن خطاب اور اعتراف علمیت فضیلت
=	علیؑ کی شان میں مشہور احادیث	=	جناب فضیلت اور قرآن مجید
=	نقش خاتم رسولؐ اور علیؑ ولی اللہ	۱۱۵	جناب فضیلت کی وفات اور ان کا مدفن
۱۲۹	نیابت رسولؐ	=	جناب فضیلت کی ایک نواسی کا واقعہ
=	جانشین بنانے کا حق صرف خدا کو ہے	=	جناب فضیلت کے وطن "افریقہ" سے انبیاءؑ اور اسلام کا عقلم
۱۳۰	۱۸ ذی الحجہ	۱۱۹	باب ۳
=	دستاویز خلافت	=	حضرت علیؑ علیہ السلام
=	خليفة کا تقرر اور تواریخ فرنگ	=	آپ کی ولادت
۱۳۲	حضرت علیؑ کے فضائل	=	آپ کا نام نامی
۱۳۵	مولوی طغر علیؑ کا ایک شعر اور اس کی رو	۱۲۰	کنیت والقباب
۱۳۶	حضرت علیؑ کی علمی حیثیت	=	آپ کی پرورش و پرداخت
۱۳۸	حضرت علیؑ کی تصنیفات	=	اظهار ایمان
۱۳۹	آپ کی علمی مرکزیت	=	علیہ مبارک
۱۴۱	آپ کا زہد و تقویٰ	۱۲۲	آپ کی شادی خانہ آبادی
۱۴۲	آپ کی اصابت رائے	=	سہواری اور سیادت علیؑ کی صفت ذاتی ہے
=	آپ کی سیاست	=	ماں کی وفات
=	حلم و صداقت رسولؐ	۱۲۳	آپ کے والد ماجد کا انتقال
۱۴۳	مولائے کائنات حضرت علیؑ کے بعض کرامات	=	حضرت علیؑ کے جنگی کارنامے
=	آپ کا گوارا میں کلمہ اژدہ و پارہ کرنا	۱۲۴	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۶۵	محمد بن ابی بکر کی عبرت ناک موت	۱۴۳	ساتھی گوشہ اور سنگ خارا
۱۶۶	امام زین العابدین کی ولادت	۱۴۴	مولانا اور انسان کی قلب ناپسند
		"	عین اللہ علیؑ کے گورنر اور زاد کو چشم بینا سے وی
	ہندوستان میں اسلام سب سے پہلے	۱۴۵	مشکل کشا کی مشکل کشائی
	حضرت علیؑ کے ذریعے پہنچا۔	"	ایک مشلول کی شفایابی
۱۶۷	علاقہ سندھ سے آل محمدؑ خصوصاً علاقہ	۱۴۶	آپ کی سایہ رحمت سے محرومی
	رابطہ۔	"	وفات رسولؐ کے بعد علیؑ کا خطبہ
		۱۴۷	رفیقہ حیات کی جدائی
۱۶۹	بادشاہ شہنشاہ بن حرقی کا دست علی پر پیمانہ لانا	"	حضرت علیؑ کا خطبہ
۱۷۰	اولاد شہنشاہ کی عمل بی آئید سے بیزاری	۱۴۸	حضرت علیؑ کی گوشہ نشینی
"	اولاد شہنشاہ کی دشمنی آل محمدؑ سے جنگ	۱۴۹	غصب خلافت کے بعد تلوار نہ اٹھانے کی وجہ
"	حضرت امام حسینؑ کی راہ کوڑے سے	۱۵۰	حضرت علیؑ کا قرآن پیش کرنا
"	سندھ جلنے کی خواہش	۱۵۱	حضرت علیؑ کے محافظ اسلام مشورے
"	حضرت امام زین العابدین کی ایک	۱۵۲	مشوروں کے متعلق علماء اسلام کی رائیں
"	بیوی کا سندھی ہونا۔	۱۵۲	مشوروں کے علاوہ جانی امداد
		۱۵۳	حضرت علیؑ اور اسلام میں بزرگوں کی تعمیری بنیاد
۱۷۱	حضرت علیؑ کی شہادت (سلسلہ ۱)	۱۵۴	حضرت عثمان کی خلافت اور وفات
۱۷۲	حضرت علیؑ کی شہادت پر مشیر	۱۵۴	حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری
۱۷۲	حضرت کی ازواج و اولاد	۱۵۷	گورنروں کی تقرری
		۱۵۸	جنگ جمل (سلسلہ ۱)
۱۷۸	باب ۲	۱۶۰	میدان کارزار
		۱۶۲	خراسان پر حضرت علیؑ کی تاخت اور شہر بانو کی آمد
۱۷۸	حضرت امام حسن علیہ السلام	۱۶۲	جنگ صفین (۳۷ - ۳۶ ھ)
۱۷۸	آپ کی ولادت	۱۶۴	یلۃ الہریہ
۱۷۸	آپ کا نام نامی	۱۶۵	حکمین کا فیصلہ
۱۷۹	زبان رسالت و معن امامت میں	"	جنگ نہروان

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۹۶	امام حسن پر کثرت از دواہج کا الزام	۱۷۹	آپ کا عقیدہ
۱۹۸	اموی عہد کی تاریخ کے متعلق اہل یورپ کی رائے	"	کینت و القاب
۱۹۹	حضرت امام حسن کی شہادت	"	امام حسن، پیغمبر اسلام کی نظر میں
۲۰۰	معاویہ سجدہ شکر میں	۱۸۰	امام حسن کی سرداری جنت
"	امام حسن کی تجہیز و تکفین	۱۸۱	جذبہ اسلام کی فراوانی
۲۰۳	آپ کی ازواج و اولاد	"	امام حسن اور ترجمانی وحی
"	شیخ عبدالقادر جیلانی	۱۸۲	امام حسن کا بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرنا
۲۰۴	معاویہ بن ابی سفیان کا تاریخی تعارف	"	خلیفہ اول کو مہر رسول سے اترنے کا حکم
۲۱۲	باب ۵	"	امام حسن کا بچپن اور مسائل علمیہ
۲۱۲	حضرت امام حسین علیہ السلام	۱۸۵	امام حسن اور تفسیر قرآن
۲۱۲	آپ کی ولادت	۱۸۶	امام حسن کی سایہ رحمت سے محرومی
۲۱۳	آپ کا اسم گرامی	"	مشابہت رسول
"	آپ کا عقیدہ	"	امام حسن کی عبادت
"	کینت و القاب	۱۸۷	آپ کا زہد
۲۱۳	آپ کی رضاعت	"	آپ کی سخاوت
"	خداوند عالم کی طرف سے ولادت	۱۸۷	توکل کے متعلق آپ کا ارشاد
"	امام حسین کی نہایت اور تعزیرت	"	امام حسن علم اور اخلاق کے میدان میں
۲۱۵	فطر کس کا واقعہ	۱۸۸	احسان کا بدلہ احسان
۲۱۶	امام حسین کا روئے تابان	۱۸۸	عہد امیر المومنین میں امام حسن کے اسلامی خدمات
"	جناب ابراہیم کا امام حسین پر قربان ہونا	۱۸۹	حضرت علی کی شہادت اور امام حسن کی بیعت
"	حسین کی باہم زور آزمائی	۱۹۱	صلح
۲۱۷	خاک قدم حسین اور حبیب ابن مظاہر	۱۹۲	شرائط صلح
"	امام حسین کے لیے سچے آہو کا آنا	۱۹۲	صلح نامہ بردستخط
۲۱۸	امام حسین سینہ رسول پر	۱۹۳	شرائط صلح کا حشر
		۱۹۳	کوڈ سے امام حسن کی مدینہ کو روانگی
		۱۹۴	صلح حسن اور اس کے وجوہ و اسباب
		۱۹۵	صلح حسن اور جنگ حسین

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۳۴	محمد و ابراہیم کی شہادت	۲۱۸	حسین میں خوش نویسی کا مقابلہ
۲۳۶	مکہ معظمہ میں امام حسین کی جان نہ بچ سکی	"	جنت کے کپڑے اور فرزندان رسول کی عید
"	امام حسین کی مکتے روانگی	۲۱۹	گریہ حبیبی اور صدمہ رسول
۲۳۷	حزین یزید ریاحی	"	امام حسین کی سرداری جنت
۲۳۸	کر بلا میں درود	۲۲۰	امام حسین عالم خاتر میں پشت رسول پر
۲۳۹	امام حسین کا خط اہل کوفہ کے نام	"	حدیث حسین منی
"	عبداللہ ابن زیاد کا خط امام حسین کے نام	"	مکتوبات باب جنت
"	دوسری محرم سے نویں محرم تک کے حالات	۲۲۱	امام حسین اور صفات حسد کی مرکزیت
۲۳۹	دوسری محرم الحرام سلسلہ ہجری	"	حضرت عمر کا اعتراف شرف آل محمد
۲۴۰	تیسری محرم الحرام یوم جمعہ	۲۲۲	ابن عمر کا اعتراف شرف حبیبی
"	چوتھی محرم الحرام یوم شنبہ	"	امام حسین کی رکاب ابن عباس کے ہاتھوں میں
"	پانچویں محرم الحرام یوم یکشنبہ	"	امام حسین کی گرد قدم اور جناب ابوہریرہ
"	چھٹی محرم الحرام یوم دو شنبہ	۲۲۳	امام حسین کا ذریت نبی میں ہونا
۲۴۱	ساتویں محرم الحرام یوم رشتنبہ	"	کرم حسین کی ایک مثال
"	آٹھویں محرم الحرام یوم پہار شنبہ	"	امام حسین کی ایک کرامت
۲۴۲	نویں محرم الحرام یوم پنجشنبہ	۲۲۴	امام حسین کی نصرت کے لیے حکم رسول
۲۴۳	شب عاشورا	"	امام حسین کی عبادت
۲۴۴	مجاہدین کر بلا کی آخری سحر	۲۲۵	امام حسین کی سخاوت
"	صبح عاشورا	"	امام حسین کا عمرو بن عاص کو جواب
۲۴۵	جناب سحر کی آمد	"	حضرت عمر کی وصیت کہ سند غلامی
"	امام حسین اور ان کے اصحاب و اعزاء	۲۲۶	اہل بیت کا نوشتہ میرے کفن میں کھا جائے
"	کی حشر آئندہ میں جنگ	"	امام حسین کی مناجات اور خدا کی طرف سے جواب
۲۴۶	جنگ مغلوبہ	۲۲۷	جنگ صفین میں امام حسین کی جدوجہد
۲۴۷	حضرت امام حسین کے مشہور اصحاب کی شہادت	"	حضرت امام حسین کو اب مصائب میں
"	حبیب ابن مظاہر	"	واقفہ کر بلا کا آغاز
"	زبیر ابن قین	"	حضرت مسلم بن عقیل
"	نافع ابن ہلال	۲۳۱	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۷۱	باب ۶	۲۴۸	مسلم بن عوسجہ
"	"	"	عابس شاکری
"	حضرت امام زین العابدین علیہ السلام	"	بربر ہمدانی
۲۷۲	آپ کی ولادت باسعادت	۲۴۹	امام حسینؑ کے اعوار و اقربا اور اولاد کی شہادت
"	نام کینیت - انقب	۲۵۰	عبدالکریم حضرت عباس کی شہادت
"	لقب زین العابدین کی توجیہ	۲۵۱	حضرت علی اکبر کی شہادت
۲۷۳	لقب، سجاد کی توجیہ	۲۵۲	حضرت علی اصغر کی شہادت
"	حضرت امام زین العابدین کی نسب بنی بلندی	۲۵۳	امام حسینؑ کی رخصت آخری
۲۷۴	جناب شہر بانو کی تشریف آوری کی بحث	۲۵۵	حضرت امام حسینؑ میدان جنگ میں
۲۷۶	امام زین العابدین کے بچپن کا ایک واقعہ	۲۵۶	امام حسینؑ کی نبرد آزمانی
۲۷۷	آپ کے عہد حیات کے بادشاہان وقت	۲۵۸	امام حسینؑ اپنے مقتول بہادروں کو پکارتے ہیں
۲۷۷	امام زین العابدین کا عہد طفولیت	۲۵۸	بارگاہِ احدیت میں امام حسینؑ کے دل کی آواز
۲۷۸	آپ کا خلیفہ مبارک	۲۵۹	امام حسینؑ عرش زینین سے فرش زینین پر
"	حضرت امام زین العابدین کی شانِ عبادت	۲۶۱	شام غریبان
۲۷۹	آپ کی حالت و وضع کے وقت	۲۶۳	صبح یازدہم
"	عالم نمازیں میں آپ کی حالت	۲۶۵	حضرت امام حسینؑ کی بہن جناب زینب اور جناب ام کلثوم کی مختصر حالات
۲۸۰	امام زین العابدین کی شبانہ روزم	۲۶۶	حضرت زینب کی ولادت
"	ایک ہزار رکعتیں	"	حضرت زینب کی ولادت پر رسول کریمؐ کا تاثر
۲۸۱	امام زین العابدین منصبِ امامت پر فائز ہونے سے پہلے -	۲۶۷	ولادت زینب پر علی بن ابی طالب کا تاثر
"	واقعہ کربلا کے سلسلہ میں امام زین العابدین کا سنا ہوا کردار -	۲۶۹	حضرت زینب کی وفات
۲۸۲	واقعات کربلا اور حضرت امام زین العابدین کے خطبات	"	حضرت زینب کا مدفن
		"	حضرت ام کلثوم کی ولادت، وفات اور ان مدفن

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۹۹	امام زین العابدین اور عبد الملک بن مروان کا حج	۲۸۳	کوفہ میں آپ کا خطبہ
۳۰۰	بد کردار اور ریاض کار حاجیوں کی شکل	۲۸۴	مسجد دمشق (شام) میں آپ کا خطبہ
"	امام زین العابدین اور ایک مرد بے بختی	۲۸۶	مدینہ کے قریب پہنچ کر آپ کا خطبہ
۳۰۱	امام زین العابدین اخلاق کی دنیا میں	۲۸۷	روضہ رسول پر امام علیہ السلام کی فریاد
۳۰۲	امام زین العابدین اور صحیفہ کاملہ	"	امام زین العابدین اور خاک شفا
"	ہشام بن عبد الملک اور قصیدہ فرزوق	"	امام زین العابدین اور محمد حنفیہ
۳۰۵	فرزند رسول امام زین العابدین اور مختار آل محمد -	۲۸۸	کے درمیان حجر اسود کا فیصلہ
۳۰۷	امام زین العابدین عمر بن عبد العزیز کی نگاہ میں	۲۸۸	ثبوت امامت میں امام زین العابدین کا کنکری پر ہنس فرمانا
"	امام زین العابدین کی شہادت	"	واقعہ حرہ اور امام زین العابدین
"	آپ کی اولاد	۲۸۹	واقعہ حرہ اور آپ کی قیام گاہ
۳۰۸	جناب زید شہید	"	خاندانی دشمن مروان کے ساتھ
۳۰۹	جناب یحییٰ بن زید	۲۹۰	آپ کی کرم ستری
۳۱۱	باب ۷	"	امام زین العابدین اور سلم بن عقبہ
"	حضرت امام محمد باقر علیہ السلام	"	امام زین العابدین سے بیعت کا سوال نہ کرنے کی وجہ
۳۱۲	آپ کی ولادت باسعادت	"	دشمن ازلی حصین بن نمیر کے ساتھ
"	اسم گرامی - کنیت اور القاب	۲۹۱	آپ کی کرم نوازی
"	باقر کی وجہ تسمیہ	"	امام زین العابدین اور فقر مدینہ کی کفالت
"	بادشاہان وقت	۲۹۲	حضرت امام زین العابدین اور زراعت
۳۱۳	واقعہ سکر بل میں امام محمد باقر کا حصہ	"	امام زین العابدین اور فقہ ابن زبیر
"	حضرت امام محمد باقر اور جابر بن عبد اللہ کی ملاقات	۲۹۳	معاویہ بن یزید بن معاویہ کی تخت نشینی اور امام زین العابدین
۳۱۴	سات سال کی عمر میں امام محمد باقر کا حج کعبہ	۲۹۷	عبد الملک بن مروان اور امام زین العابدین
"	حضرت امام محمد باقر اور اسلام میں سکے کی ابتداء	"	امام زین العابدین اور بنیاد کعبہ اور نصب حجر اسود
۳۱۷	ولید بن عبد الملک کی آل محمد پر ظلم آفرینی	۲۹۸	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۳۹	۳۱۸	۳۱۸	آپ کے والد ماجد کی وفات حسرت آیات
۳۴۰	۳۲۰	۳۲۰	حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی حیثیت
۳۴۱	۳۲۳	۳۲۳	آپ کے بعض علمی ہدایات و ارشادات
۳۴۲	۳۲۵	۳۲۵	امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب ابوحنیفہ کا امتحان
۳۴۳	۳۲۶	۳۲۶	امام محمد باقر کے بعض کرامات
۳۴۵	۳۲۷	۳۲۷	آپ کی عبادت گزار اور آپ کے عام حالات
۳۴۷	۳۲۸	۳۲۸	حضرت امام محمد باقر اور ہشام بن عبد الملک ہشام کا سوال اور اس کا جواب
۳۴۸	۳۲۹	۳۲۹	امام محمد باقر اور ہشام کی مشکل کشائی
۳۴۹	۳۳۱	۳۳۱	حضرت امام محمد باقر کی دمشق میں طلبی و دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا سامان ہونا
۳۵۰	۳۳۲	۳۳۲	امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت
۳۵۱	۳۳۳	۳۳۳	ازواج و اولاد
۳۵۲	۳۳۵	۳۳۵	باب ۸
۳۵۳	۳۳۶	۳۳۶	حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
۳۵۴	۳۳۷	۳۳۷	آپ کی ولادت باسعادت
۳۵۵	۳۳۸	۳۳۸	اسم گرامی - کنیت - القاب
۳۵۶	۳۳۹	۳۳۹	بادشاہان وقت
۳۵۷	۳۴۰	۳۴۰	عبد الملک بن مروان کے عہد میں
۳۵۸	۳۴۱	۳۴۱	آپ کا ایک منظرہ
۳۵۹	۳۴۲	۳۴۲	ابو شاکر دیصانی کا جواب
۳۶۰	۳۴۳	۳۴۳	امام جعفر صادق اور حکیم بن عیاش کلبی
۳۶۱	۳۴۴	۳۴۴	
۳۶۲	۳۴۵	۳۴۵	
۳۶۳	۳۴۶	۳۴۶	
۳۶۴	۳۴۷	۳۴۷	
۳۶۵	۳۴۸	۳۴۸	
۳۶۶	۳۴۹	۳۴۹	
۳۶۷	۳۵۰	۳۵۰	
۳۶۸	۳۵۱	۳۵۱	
۳۶۹	۳۵۲	۳۵۲	
۳۷۰	۳۵۳	۳۵۳	
۳۷۱	۳۵۴	۳۵۴	
۳۷۲	۳۵۵	۳۵۵	
۳۷۳	۳۵۶	۳۵۶	
۳۷۴	۳۵۷	۳۵۷	
۳۷۵	۳۵۸	۳۵۸	
۳۷۶	۳۵۹	۳۵۹	
۳۷۷	۳۶۰	۳۶۰	
۳۷۸	۳۶۱	۳۶۱	
۳۷۹	۳۶۲	۳۶۲	
۳۸۰	۳۶۳	۳۶۳	
۳۸۱	۳۶۴	۳۶۴	
۳۸۲	۳۶۵	۳۶۵	
۳۸۳	۳۶۶	۳۶۶	
۳۸۴	۳۶۷	۳۶۷	
۳۸۵	۳۶۸	۳۶۸	
۳۸۶	۳۶۹	۳۶۹	
۳۸۷	۳۷۰	۳۷۰	
۳۸۸	۳۷۱	۳۷۱	
۳۸۹	۳۷۲	۳۷۲	
۳۹۰	۳۷۳	۳۷۳	
۳۹۱	۳۷۴	۳۷۴	
۳۹۲	۳۷۵	۳۷۵	
۳۹۳	۳۷۶	۳۷۶	
۳۹۴	۳۷۷	۳۷۷	
۳۹۵	۳۷۸	۳۷۸	
۳۹۶	۳۷۹	۳۷۹	
۳۹۷	۳۸۰	۳۸۰	
۳۹۸	۳۸۱	۳۸۱	
۳۹۹	۳۸۲	۳۸۲	
۴۰۰	۳۸۳	۳۸۳	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۳۷۲	فانمی شفا	۳۵۸	علم منطق الطیر
۳۷۳	(۱) عبید اللہ المہدی باللہ	۳۵۹	حضرت امام جعفر صادق اور علم الاجسام
۳۷۴	(۲) محمد نزار قائم بامر اللہ		صادق آل محمد نے جنت میں گھر بنوا دیا
۳۷۴	(۳) اسماعیلی منصور باللہ		دست صادق میں اعجاز ابراہیمی
۳۷۵	(۴) معز لدین اللہ		خط و کتابت اور درخواست کے بارے میں اچکی ہدایات
۳۷۷	(۵) نزار عزیز باللہ		درخواست لکھنے کا طریقہ
۳۷۸	(۶) حاکم بامر اللہ		بسم اللہ کے لکھنے کا طریقہ
۳۷۸	(۷) علی ظاہر لا عزہ از دین اللہ	۳۶۰	خط اور جواب خط
۳۷۹	(۸) معد مستنصر بامر اللہ		حضرت امام جعفر صادق کی
"	(۹) احمد مستعلی باللہ		انجام بینی اور دور اندیشی
۳۸۰	(۱۰) منصور امیر احکام اللہ	۳۶۱	خليفة منصور دوانیقی اور حضرت امام جعفر صادق
"	(۱۱) میمون حافظ لدین اللہ	۳۶۲	منصور عباسی کی سادات کشتی
۳۸۱	(۱۲) اسماعیل ظافر بامر اللہ		منصور کاج اور امام جعفر صادق
"	(۱۳) علیسی فاتر بنصر اللہ	۳۶۶	پیرستان سراسری
۳۸۲	(۱۴) عاصد لدین اللہ		امام جعفر صادق کا دربار منصور میں
۳۸۵	باب ۹		ایک طیب ہندی سے تیار اور خیالات
"	حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام	۳۶۹	امام جعفر صادق کو بان پھون
۳۸۶	آپ کی ولادت باسعادت		سمیت جلاوینے کا منصوبہ
"	اسم گرامی - کنیت - القاب	۳۷۰	۳۷۰ اسم حج میں منصور کاج اور صادق
۳۸۷	لقب "باب الحجاج" کی وجہ		آل محمد کے قتل کا عزم یا کجزم
۳۸۸	بادشاہان وقت		امام جعفر صادق کی دربار منصور میں ساتویں بار طبعی
"	نشو و نما اور تربیت	۳۷۱	امام جعفر صادق اور شیر دربار
"	آپ کے بچپن کے بعض واقعات		امام علیہ السلام کے دربار میں
۳۹۰	حضرت امام موسیٰ کاظم کی امامت	۳۷۲	قتل کے سجانے کا بند و بست
			حضرت امام جعفر صادق کی شہادت
			آپ کی اولاد

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۱۸	باب ۱۰	۳۹۲	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے بعض کرامات (واقعہ شقیقہ بلخی)
"	حضرت امام علی رضا علیہ السلام	۳۹۵	خلیفہ ہمدی عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
۴۱۹	حضرت امام علی رضاؑ کی ولادت باسعادت	"	امام موسیٰ کاظمؑ کی بغداد میں قتل کے لیے طلبی
۴۲۰	نام - کنیت - القاب	۳۹۷	امام موسیٰ کاظمؑ، ہادی عباسی کی قید میں
"	لقب رضا کی توجیہ	"	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے اخلاق و عادات
"	آپ کی تربیت	۳۹۹	امام موسیٰ کاظمؑ کی تصنیفات
"	بادشاہان وقت	۴۰۰	آپ کی مرویات
۴۲۱	جانشینی	"	خلیفہ ہارون رشید اور حضرت امام موسیٰ کاظمؑ
"	امام موسیٰ کاظمؑ کی وفات اور امام رضاؑ	۴۰۱	ہارون رشید کا پہلا حج اور
"	کے دورِ امامت کا آغاز -	۴۰۳	امام علیہ السلام کی پہلی گرفتاری
"	ہارونی فوج اور خانہ امام رضاؑ	"	قید خانہ سے آپ کی رہائی
۴۲۵	امام رضا کا حج اور ہارون عباسی	۴۰۴	امام موسیٰ کاظمؑ اور علی بن یقطینؑ بغدادی
"	حضرت امام رضاؑ کا مجدد مذہب الامیہ ہونا	۴۰۵	علی بن یقطین کو اڑنا و ضرور کرنے کا حکم
۴۲۶	حضرت امام رضاؑ کے اخلاق و عادات وغیرہ	"	وزیر اعظم علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظمؑ کی نمائش
۴۲۸	حضرت امام رضاؑ کے بعض کرامات	۴۰۶	امام موسیٰ کاظمؑ کے حکم سے بادل کا
۴۳۰	حضرت رسول خداؐ اور حضرت امام رضاؑ (واقعہ قرصیمانی)	"	مرد مومن کو چین سے طالقان پہنچانا
۴۳۱	حضرت امام رضاؑ کا علمی کمال	۴۰۸	امام موسیٰ کاظمؑ اور فدک کے حدود اربعہ
۴۳۳	حضرت امام رضاؑ اور حروف تہجی	"	ہارون رشید عباسی کی سادات کشی
۴۳۴	امام رضاؑ اور وقت نکاح	۴۰۹	امام موسیٰ کاظمؑ کی دوبارہ گرفتاری
"	حضرت امام رضاؑ کے بعض مرویات و ارشادات	۴۱۳	امام علیہ السلام کا قید خانے میں امتحان
۴۳۵	حضرت امام رضاؑ اور مجلس شہداء کر بلا	۴۱۴	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ علیہ السلام کی شہادت
۴۳۷	تخلیہ مامون رشید عباسی اور امام رضاؑ	۴۱۵	آپ کی تاریخ وفات
۴۳۸	مامون رشید کی مجلس مشاورت	۴۱۶	آپ کی تعداد اولاد

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۶۴	شہادت امام رضا کے موقع پر امام محمد تقی کا خراسان پہنچنا۔	۲۴۰	ماموں کی طلبی سے قبل امام رضا کی زوضہ زینب رسول پر منسیاد
۲۶۵	بحث و نظر	"	امام رضا کی مدینہ سے مرقومین طلبی
۲۶۶	حضرت امام رضا کی تعداد اولاد	۲۴۱	امام رضا کی مدینہ سے روانگی
۲۶۸	قم کی مختصر تاریخ اور محصورہ قم کے مختصر حالات	۲۴۳	حضرت امام رضا کا ہمیشہ پور میں ورود مسعود
"	قم کی وجہ تسمیہ	۲۴۵	شہر خراسان میں نزول اجلال
۲۶۹	قم اور اہل قم کے فضائل	"	شہر طوس میں آپ کا نزول و ورود
۲۷۰	دار التبلیغ الاسلامی قم ایران	۲۴۶	قریہ سنا میں حضرت کا نزول کرم
"	محصورہ قم کے متعلق امام جعفر صادق کی پیشگوئی	"	امام رضا کا دارالافتاء قم میں نزول
"	قم میں حضرت محصورہ قم کی آمد	۲۴۷	جلسہ ولیمہ کی کا انعقاد
۲۷۱	محصورہ کی زیارت کی اہمیت	۲۴۸	حضرت امام رضا کی ولیمہ کی کاوشمنوں پر اثر
۲۷۳	باب ۱۱	۲۴۹	واقعہ حجاب
"	حضرت امام محمد تقی علیہ السلام	"	حضرت امام رضا اور نماز عید
۲۷۴	امام عید السلام کی ولادت باسعادت	۲۵۰	امام رضا کی طرح سرائی اور عمیل والبولوس
۲۷۵	نام - کنیت اور القاب	۲۵۳	مذہب عالم کے علماء سے امام رضا کے علمی مناظرے۔
"	بادشاہان وقت	"	عالم نصاریٰ سے مناظرہ
"	امام محمد تقی کی نشوونما اور تربیت	۲۵۴	عالم یہود سے مناظرہ
۲۷۶	والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محرومی	"	عالم مجوس سے مناظرہ
۲۷۷	ماموں رشید اور امام محمد تقی کا پہلا سفر عراق	۲۵۷	حضرت امام رضا اور عصمت انبیاء
۲۷۷	باز اور مچھلی کا واقعہ	"	آپ کی تصانیف
۲۷۸	امام محمد تقی سے علمائے اسلام کا مناظرہ	۲۵۸	حضرت امام رضا اور شیر قالیبن
۲۸۲	امام محمد تقی کے ساتھ ام الفضل کا عقد و نیکاح	۲۵۹	حضرت امام رضا کے ساتھ ام حبیب کی شادی
"	امام محمد تقی کی رخصتی اور امام محمد تقی کی مدینہ کو واپسی	۲۶۰	ماموں رشید عباسی اور امام رضا کی شہادت
۲۸۳	اور حضرت کے اخلاق، اوصاف، عادات و خصائل	۲۶۱	آپ کی تاریخ شہادت
		۲۶۲	شہادت امام رضا کے متعلق ابوہریرہ کی کا بیان

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۰۵	امام علی نقیؑ اور سال کے چار ایام روزے	۴۸۶	امام محمد تقیؑ اور علی الارض
۵۰۶	امام علی نقیؑ اور متوکل کی تخت نشینی	۴۸۷	حضرت امام محمد تقیؑ کے بعض کرامات
۵۰۷	امام علی نقیؑ اور صحیفہ کا طے کی ایک روایت	۴۸۹	امام محمد تقیؑ کے ہدایات و ارشادات
"	امام کے آباء اجداد کی قبروں کے ساتھ متوکل کا سوگ	۴۹۱	امام محمد تقیؑ کی ایک روایت
۵۱۱	حکومت کی طرف سے امام کی سامراج میں طلبی	"	ماموں کی وفات، محقق کی خلافت اور امام کی گرفتاری -
۵۱۲	امام علی نقیؑ کی نظر بندی	۴۹۳	امام محمد تقیؑ کی نظر بندی، قید اور شہادت
"	امام علی نقیؑ کا جذبہ بھلائی	"	آپ کی ازواج اور اولاد
۵۱۵	امام علی نقیؑ کی حالت، سامراج پیچھے کے بعد	۴۹۴	سلسلہ سادات رضویہ
۵۱۶	امام علی نقیؑ اور سواری کی سبق رفتاری	"	جناب موسیٰ میر تقی کے مختصر حالات
"	دو ماہ قبل عزت قاضی کی خبر	۴۹۷	موقوفہ کا شجرہ نسب
"	آپ کا احترام جانوروں کی نظر میں	۴۹۸	
"	امام علی نقیؑ اور خواب کی علمی تعبیر	۵۰۰	باب ۱۲
۵۱۷	امام علی نقیؑ اور فقہائے مسلمین	"	حضرت امام علی نقیؑ علیہ السلام
۵۱۸	شاہ روم کو امام علی نقیؑ کا جواب	"	امام علیہ السلام کی ولادت باسعادت
۵۱۹	متوکل کے کھنے سے ابن سبیت اور ابن کثیم کا امام علی نقیؑ سے سوال	"	اسم گرامی، کنیت اور القاب
"	قضا و قدر کے متعلق امام علی نقیؑ کی رہنمائی	"	آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت
۵۲۰	علمائے امامیہ کی فخر واریوں کے متعلق امام کا ارشاد -	۵۰۱	امام محمد تقیؑ کا سفر بغداد اور امام علی نقیؑ کی ولی عہدی
"	حضرت امام علی نقیؑ کی عمارت تلامشی	"	امام علی نقیؑ کا علم لدنی، چھین کا ایک واقعہ
۵۲۱	امام علی نقیؑ اور شیر قالیبن	۵۰۲	امام علی نقیؑ کے کرامات اور آپ کا علم باطن
۵۲۲	امام علی نقیؑ اور عبدالرحمن مصری کا ذہنی انقلاب	۵۰۳	عہد واثق کا ایک واقعہ
۵۲۳	امام علی نقیؑ اور برکت السباع	۵۰۴	تہتر زبانوں کی تعلیم
۵۲۴	امام علی نقیؑ اور متوکل کا علاج	۵۰۵	امام علی نقیؑ کے ہاتھوں ریت کی قباب مابیت
۵۲۵	امام علی نقیؑ کی دوبارہ خانہ تلامشی	"	امام علی نقیؑ اور اسم اعظم
"	امام علی نقیؑ کے تصور حکومت پر نواف خد کا غلبہ	"	

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۲۱	امام حسن عسکریؑ اور خصوصیات مذہب	۵۲۷	قبر حسینؑ کے ساتھ متوکل کی دوبارہ بے ادبی
۵۲۲	امام حسن عسکریؑ اور عید تہم ریح الاول	۵۲۸	متوکل کا قتل
"	امام حسن عسکریؑ کے پندرہ سو مند	"	امام علی نقیؑ کو پیدل چلنے کا حکم
۵۲۳	امام محمد علیہ السلام کی ولادت باسعادت	۵۲۹	حضرت امام علی نقیؑ کی شہادت
"	معتز عباسی کی خلافت اور	"	آپ کی ازواج و اولاد
"	امام حسن عسکریؑ کی گرفتاری	۵۳۱	باب ۱۳
۵۲۵	اسلام پر امام حسن عسکریؑ کا احسان عظیم	"	حضرت امام حسن عسکریؑ علیہ السلام
"	(واقفہ قحط)	"	امام حسن عسکریؑ کی ولادت اور
۵۲۶	واقفہ قحط کے بعد	"	بچپن کے بعض حالات -
۵۲۷	امام حسن عسکریؑ اور عید اللہ وزیر معتز عباسی	۵۳۲	آپ کی کنیت اور آپ کے القاب
۵۲۹	امام حسن عسکریؑ کی دوبارہ گرفتاری	"	آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت
۵۵۰	حجت خدا درندوں میں	۵۳۳	چار ماہ کی عمر اور منصب امامت
"	امام حسن عسکریؑ علیہ السلام کی شہادت	"	چار سال کی عمر میں آپ کا سفر عراق
۵۵۱	شہادت کے بعد	"	یوسف آل محمد کنوئیں میں
۵۵۲	باب ۱۴	"	امام حسن عسکریؑ اور کسی میں عروج نگر
"	حضرت امام محمد مہدیؑ علیہ السلام	"	امام حسن عسکریؑ کے ساتھ بادشاہان وقت
"	صاحب الزماں	۵۳۴	کا سلوک -
۵۵۵	حضرت امام محمد مہدیؑ علیہ السلام	۵۳۶	امام علی نقیؑ کی شہادت اور
"	کی ولادت باسعادت -	"	امام حسن عسکریؑ کا آغاز امامت
۵۵۷	آپ کا نسب نامہ	۵۳۸	اپنے عقیدت مندوں میں حضرت کا دورہ
۵۵۸	آپ کا اسم گرامی	"	امام حسن عسکریؑ کا پتھر پر چہرہ لگانا
۵۵۹	آپ کی کنیت	۵۳۹	امام حسن عسکریؑ کے علمی خدمات
"	آپ کے القاب	"	امام حسن عسکریؑ کا عراق کے ایک
"	آپ کا حلیہ مبارک	۵۴۰	عقدا فلسفی کو شکست دینا

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۷۹	امام ہمدیؑ کی مومنین سے ملاقات	۵۶۰	تین سال کی عمر میں "حجت اللہ" ہونے کا دعویٰ
۵۸۰	علامہ محمد باقر داماد کا امام عصر سے استفادہ کرنا	۵۶۰	پانچ سال کی عمر میں خاص الخاص اصحاب سے آپ کی ملاقات
"	جناب بحر العلوم کا امام زمانہ سے ملاقات کرنا	۵۶۱	امام ہمدیؑ نبوت کے آئینے میں
"	امام ہمدی علیہ السلام کا واقعہ انار	۵۶۲	امام حسن عسکریؑ کی شہادت
"	حمایت مذہب فرمانا	۵۶۳	حضرت امام ہمدیؑ کی غیبت اور اس کی ضرورت
"	امام عصر کا واقعہ کربلا بیان کرنا	۵۶۳	غیبت امام ہمدیؑ پر علمائے اہل سنت کا اجماع
۵۸۲	امام ہمدی علیہ السلام کے طول عمر کی بحیث	۵۶۴	آپ کی غیبت اور آپ کا وجود و ظہور قرآن کی روشنی میں
۵۸۳	حدیث نقل اور امام عصرؑ	۵۶۴	امام ہمدیؑ کا ذکر کتب آسمانی میں
۵۸۴	علامات ظہور ہمدیؑ کے متعلق	۵۶۸	امام ہمدیؑ کی غیبت کی وجہ
"	ارباب عصمت کے ارشادات	۵۶۹	غیبت امام ہمدیؑ جعفر جامع کی روشنی میں
"	حضرت امام ہمدی علیہ السلام کا ظہور موفور السرور	۵۷۱	غیبت صفحہ کبریٰ و کبریٰ اور آپ کے سفر
۵۹۰	امام ہمدیؑ کا سن ظہور	۵۷۲	سفر اجماعی کے اسماء
"	ظہور کے وقت امام علیہ السلام کی عمر	۵۷۳	امام ہمدیؑ کی غیبت کے بعد
"	آپ کا جھنڈا	"	۳۷۰ھ میں آپ کا حجر سود نصب کرنا
۵۹۳	ظہور کے بعد	۵۷۴	اسحاق بن یعقوب کے نام امام عصر کا خط
۵۹۵	دجال اور اسس کا خروج	۵۷۵	شیخ نجیان محمد کے نام امام زمانہ کا مکتوب گرامی
۵۹۷	نزول حضرت عیسیٰؑ	۵۷۶	ان حضرات کے نام جنہوں نے زمانہ غیبت سفر کئی میں امام کو دیکھا ہے
۵۹۸	حضرت امام ہمدیؑ اور حضرت عیسیٰؑ	۵۷۷	زیارت ناجیہ اور اصول کافی
"	بن مریم کا دورہ	"	غیبت کبریٰ میں امام ہمدیؑ کا مرکزی مقام
"	حضرت امام ہمدیؑ کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا	۵۷۸	جزیرہ خضر میں امام علیہ السلام سے ملاقات
۵۹۹	یا جوج ماجوج اور ان کا خروج	"	امام قاسم کا ہر جگہ حاضر ہونا
"	امام ہمدی علیہ السلام کی مدت حکومت اور خاتمہ دنیا	۵۷۹	امام ہمدیؑ اور حج کعبہ
۶۰۰	حکومت اور خاتمہ دنیا	"	زمانہ غیبت کبریٰ میں امام ہمدیؑ کی بیعت
۶۰۳	قطععات تاریخ		
۶۰۵	اشہادات		

انتساب

میں اپنی اس حقیر تالیف کو جنتِ یکانہ ، امام زمانہ
 ناخدا نے کشتیِ اسلام صاحب العصر والزمان حضرت
 امام محمد مہدی علیہ السلام کے وجودِ مقدس اور
 نامِ نامی و اسمِ گرامی سے معنون و منسوب کرتا ہوں۔

احقر الزمین

السید نجم الحسن صین عن المحسن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقرظ



ملاؤ الشیعہ، سلطان الشریعہ، مرجع تقلید عالم شیعیت
آیتہ اللہ العظمیٰ محمد اعظم، سرکار شریعتدار، مجتہد اعظم
حضرت الحاج آقا السید محمد کاظم مدظلہ زعمیم جوڑا
علیہ و دار التبلیغ الاسلامی قم (ایران)
تاریخ کو عالم انسانیت میں خاص اہمیت حاصل
ہے۔ انسان واقعات گذشتہ سے آشنا ہو کر اپنے

مستقبل کو روشن بنا سکتا ہے۔ گذشتگان کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے کسی بھی موجودہ مسئلہ میں
اختیار و اجتناب میں مختار ہوتا ہے۔ موجودہ زندگی گزری ہوئی کی زندگی سے درس حاصل کرتی ہے
کیا کہنے ان کی زندگی کے جو مخصوص من اللہ نمونہ عمل اور پیکر انسان میں افتخار ملا کہ ہوں اور ان کی زندگی سے
درس حاصل کرنا خوشنودی الہی کا سبب بھی ہو تو یقیناً ہر انسان کے حال و مستقبل دونوں بہتر ہوں گے
جس کے لیے ضروری ہے کہ چارہ مضموین علیہم السلام کی سوانح حیات کو ہر زبان میں ترجمہ کر کے
اشاعت فرمائی جاتی ہے۔

حجۃ الاسلام الحاج آقائے مولانا سید نجم الحسن کراروی دامت افاضاتہ کی یہ تالیف
جو نظر ثانی اور اضافہ کے ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ انشاء اللہ مزید مفید ثابت ہوگی۔ البتہ تاریخی اختلافات
جو عقائد اور حشمت و عظمت مضموین علیہم السلام کے خلاف نہ ہوں تو زیادہ گرفت و انتشار کے قابل نہیں ہیں
ہم دعا کرتے ہیں کہ یہ کوشش عثمانیہ مقبول اور مضموین علیہم السلام کے سامنے میسر ہو
و نیا و آخرت میں جہز انبیر کا سبب بنے اور مومنین اس کتاب کا مطالعہ کر کے سیرت مضموین
علیہم السلام کے مطابق باعمل زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔
خداوند متعال مومنین کو ہر آفت ارضی و سماوی سے محفوظ رکھے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سید محمد کاظم شریعت مدار

سید محمد کاظم شریعت مدار

مؤلف پروفیسر کے متعلق خطیب اعظم قائد ملت حضرت الحاج مولانا سید محمد حنیف (علیہ السلام) صاحب قلم دہلوی شریف

پاکیزہ تاثرات

① آپ کی تصانیف لاجواب ہیں ② مطالبات کے سلسلے میں آپ کے خدا قوم فراموش ذکر کے گی ③ قوم آپ کے حوالے

۱۲ ستمبر ۱۹۷۷ء کے ایک اہم مکتوب کا اقتباس

حاجی ملت جعفری خطیب العصر ادا م اللہ عمرہ

تسلیم مسنون! والا نارہ پنچا، صدر سے ایک گھنٹہ کی ملاقات معلوم ہوئی۔ جزاک اللہ ورحمہ
 ایں کاراز تو آید و مردان چینی کنند... بھائی میں آپ کی زیری، سوجھ بوجھ اور قومی و
 دینی خدمات کا پہلے سے معترف ہوں۔ پاکستان بننے کے بعد جو وہ ستارے، ذکر العباس
 مختار آل محمد وغیرہ کی تصنیف نے "سوئے پرہاگ" کا کام کیا ہے، سچ یہ ہے کہ آپ کی
 تصانیف لاجواب ہیں اور ماشار اللہ تقریر میں تو خطیب العصر میں ہی...
 بھائی میں لب گور ہوں اب یہ کام آپ ہی چند حضرات ہیں جو سنبھال لیں گے
 قوم آپ کے حوالے ہے... آپ مطالبات کے لیے اول یوم سے جو کچھ کر رہے ہیں قوم
 سے فراموش ذکر کے گی... خبر نامہ میں خود نکال رہا ہوں، فوراً جواب دیجئے کہ میں اس میں
 صدر صاحب سے آپ کی ملاقات کا حال لکھوں؟... آپ نے باوجود دل شکستہ ہونے
 کے جو کام کیا ہے اس کی جزا آئندہ معصومین دیں گے... میں نے اول میں کھا ہے کہ میں
 تقریباً زخمہ درگور ہوں اور الحمد للہ کہ اب آپ یہ کام اپنے کا ندھوں پر خوب اٹھا
 رہے ہیں... میں آپ کی حسن کارکردگی سے بہت خوش ہوں اور آپ کو آقائے ملت
 کا خطاب دیتا ہوں کہتے قبول ہے... آپ نے باوجود بے اعتنائی اہل کورم جو کام ان کے
 اسیران کی رہائی کے لیے کیا ہے وہ آپ کے خلوص اور قوت ایمانی کو بتلاتا ہے، خداوند کریم آپ
 کی ذات کا سایہ مومنین پر سلامت رکھے۔

والسلام
 سید محمد دہلوی
 کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب

پہچوہ ستارے

معرفہ



حقائق و تحقیقات سے مملو اور حوالوں سے مریض ہے
اس کی تالیف نے ملت اسلامیہ کے خزانہ میں ایک
قدر بے بہا کا اضافہ کر دیا ہے

جوہر الاسلام حضرت علامہ مزاراؤوسف حسین صاحب

صدر مجلس عمل علماء شیعہ پاکستان

کا

ارشاد گرامی

یوں تو قدرت ہر دور میں ملت حق کی بقا و فروغ کے لیے نامساعد حالات اور ناخوشگوار ماحول کے باوجود کفر و نفاق کے اندھیروں میں ایسے چراغ روشن کرتی رہی ہے جنہوں نے کبھی ظلمات کو توڑ پر غالب نہیں ہونے دیا اور یکے بعد دیگرے ایسی ہستیاں عالم وجود میں آکر اور دولت علم سے مالا مال ہو کر اپنی زبان و قلم سے دین حق کی تبلیغ کا حق ادا کرتی رہی ہیں، جیسا کہ عربی، فارسی، اردو اور دوسری زبانوں میں ان کے عظیم الماثال تصنیفات و تالیفات کا وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ جو آج تک مشعل راہ کا کام دیتا رہا ہے۔

میرے قلم اور عزیز دوست عالی جناب الحاج مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراوی صدر الافاضل مبلغ مدرسہ الواعظین لکھنؤ سے پاکستان و ہندوستان میں شایہ رہی کوئی مجلس بیت ہو جسے شرف تعارف حاصل نہ ہو، آپ کی خدا وادوقابلیت، حقائق کی تلاش میں شب و روز ریاضت، انداز تحریر کی پختگی، دلچسپ اور دل آویز طرز نگارش اور اس کے ساتھ ساتھ کمنہ مشقی ان کے وہ خصوصیات ہیں جن کا ہر صاحب نظر و انصاف کو اعتراف کرنا پڑتا ہے آپ ان ہستیوں میں وحید و بیخ خصوصیات سے شرف و ممتاز ہیں جن کے ذریعہ آج ملت بیضا مصطفویہ کی تبلیغ کے فرائض ادا ہو رہے ہیں اور انشاء اللہ آنے والی نسلیں بھی اس سے مستفیض ہوتی رہیں گی۔

آج سے چند سال قبل آپ نے ایک جامع کتاب "چوہہ ششارے" کے نام سے تالیف کی تھی جس میں چہارہ معضوین علیہم السلام کے سوانح حیات، اختصار اور جامعیت اور دلچسپ طریقے سے درج فرماتے تھے جس سے اہل علم اور عوام دونوں مستفیض اور لطف اندوز ہوتے رہے، کتاب حقائق و تحقیقات سے نملو اور سوالوں سے مَرصع ہونے کے علاوہ اس قدر صاف اور سادہ اور دلکش انداز میں لکھی گئی تھی کہ ایک نظر پڑ جانے کے بعد جب تک ختم نہ ہو جائے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کتاب کیا ہے حضرت رسول کریم اور ان کی آل پاک کا اہلنا ہوا باغ ہے جس میں ہر قسم کے گل وریحان کی خوشبوئیں دل و دماغ کو معطر کر دیتی ہیں۔ کتب ماخذ کے حوالے کس درج ہیں مگر عربی عبارت بالکل نہیں کہ پڑھنے میں عوام کو الجھن نہ ہو۔

اگرچہ اس موضوع کے لیے پانچ چھ سو صفحات بہت کم تھے۔ مگر یہ بھی ایک مجزہ تحریر ہے کہ ناپید کنار سمندر کو کوزہ میں ممو دیا ہے۔ یہ کتاب کی مقبولیت کا نتیجہ ہے کہ کسی مرتبہ زیور طبع مَرصع ہوئی اور ہاتھوں ہاتھ نکل گئی، اب پھر وہ زیر طبع ہے اور طباعت بھی آفسٹ پر ہو رہی ہے۔ اس مرتبہ آپ نے خصوصی توجہ سے اس میں اس قدر اضافے فرمائے ہیں کہ اب یہ کتاب نئی معلوم ہوتی ہے، اس لیے اب اس کی جامعیت اور دل آویزی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے اور حجم میں بھی مجھے یقین کمال ہے کہ یہ اور اشاعتوں سے کہیں زیادہ مقبول ہوگی انشا۔ اللہ تعالیٰ۔ خدا شاہد ہے کہ اسے دیکھ کر بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

میری دعا ہے کہ خداوند عالم آپ کو اس سے بھی بہتر خدمات کی توفیق عطا فرمائے اور فرزندِ انِ اسلام کو اس چشمہ فیض سے مستفیض ہونے کا بیش از بیش موقع بخشے اور ہمارے دوسرے اہل علم کو بھی ایسی ہی توفیقات سے سرفراز فرمائے تاکہ اسلام کا خزانہ مدح اہلیت رسول سے معمور اور دولت معرفت خدا و رسول و آئمہ طہرین علیہم السلام سے مال رہے اور اس خدمت کے صلہ میں خداوند عالم بہترین جزا مرحمت فرمائے (آمین)

والسلام

مرزا یوسف حسین عفی عنہ (لاہور)

۴ دسمبر ۱۹۷۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ماشاء اللہ ”چوہہ ستارے“ نامی کتاب اپنے مندرجات کی طلعت سے جگمگا رہی ہے!

ثقہ الاسلام حضرت الحاج علامہ محمد اشیر صاحب قلب انصاری دام ظلہ العالی

صدر پاکستان شیعہ مجلس علماء



کا

ارشادِ گرامی

جناب عزیز محترم ناظم اعلیٰ پاکستان مجلس علماء، الحاج مولانا السید نجم الحسن صاحب قبلہ
 کراوی صدر الافاضل واعظ مدرستہ الواعظین لکھنؤ، کی ذات ستودہ صفات سے پاک
 و سند کے حضرات مومنین بخوبی متعارف ہیں۔ موصوف کچھ عرصہ اخبار الواعظ لکھنؤ کے
 فرائض ادارت بھی انجام دیتے رہے ہیں، متولی منتظم مدرستہ الواعظین حضرت سرکار صدر الشریعہ
 محکمہ اہلیتہ، اعلیٰ اللہ مقام نے آپ کی فرمائش، لیاقت، وسعت نظر اور
 مدرسہ بڑا کے عظیم کتب خانے میں کثرت مطالعہ سے عظیم استفادہ کے پیش نظر نشر و اشاعت
 کے فرائض آپ سے مشعلق کئے تھے، اس لیے آپ کی کتب مؤلفہ اپنی افادیت میں ممتاز
 ہوتی ہیں، کثرت تفحص و شدت تجسس کتب متداولہ سے مضامین میں اتکار و ندرت ہوتی
 ہے۔ ماشاء اللہ ”چوہہ ستارے“ موضوعاً نامی کتاب اپنے مندرجات کی طلعت سے
 جگمگا رہی ہے، جس کی ضیاء سے ہر خانہ مومن روشن اور ”چوہہ ستاروں“ کے
 انوار شیعہ سے قلوب مومنین منور ہوں گے۔
 فقط

غریق تقصیر محمد اشیر، انصاری (قلمبر) ٹیکسلا

۲۰ اکتوبر ۱۹۷۳ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کتاب "چودہ ستارے" تاریخی واقعات کے ساتھ ساتھ حقائق
کے اثبات کا مرکز و منبع ہے
حجۃ الاسلام حضرت الحاج مولانا سید صادق علی شاہ صاحب
بجفی امام الجمعۃ و الجماعۃ جامع محمدی
حالی روڈ - گلبرگ لاہور



ارشادِ گرامی

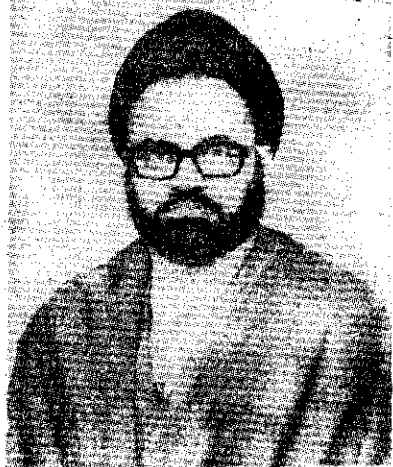
علمی دنیا میں ان حضرات کا مقام بہت بلند ہے جنہوں نے مختلف زمانوں میں بنی نوع انسان کی راہِ حق اور صراطِ سقیم کی
جانب راہنمائی کے اسباب مہیا کیے اور سخت سے سخت حالات میں بھی اعلا کلمۃ حق کا فریضہ ادا کیا، یقیناً اہل ایمان کے قلوب
پر ان کی محبت کے ایسے نقوش موجود ہیں جو کبھی محو نہیں ہو سکتے۔
ہدایت کا حقیقی سرچشمہ حضرت اطمینت طاہرین علیہم السلام کی ذواتِ مقدسہ ہیں جن کی قربانیوں نے
اسلام کو حیاتِ جاوید بخشی اور انسان کو معراجِ انسانیت تک پہنچنے کے اصولوں کی تعلیم دی۔ عربی اور فارسی زبانوں میں ان
کے حالات سے متعلق کتب کا عظیم ذخیرہ موجود ہے۔ لیکن اردو زبان میں ان بستیوں کے حالات پر مشتمل کوئی کتاب نہ تھی جس کی شدید
ضرورت تھی، لہذا اس ضرورت کو بخیر الہ اعظمین عالی جناب الحاج مولانا سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی
کی تالیف و تصنیف "چودہ ستارے" نے پورا کیا ہے۔

اس کتاب میں تاریخی واقعات کے ساتھ حقائق کا اثبات بھی بطریق احسن موجود ہے، کتاب کی جلد خصوصیت ہی کی وجہ سے
اسے خاص عام میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہو چکی ہے، بہت کم کسی اردو کتاب کے حصے میں آئی ہے۔
یہ جناب مولانا کی محنت، خلوص اور چہارہ معصومین علیہم السلام کی خصوصی توجہ کا نتیجہ ہے۔ میری دعا ہے کہ خداوندِ متعال
مولانا کی مذہبی اور ملی خدمات کو قبول فرمائے۔ اس کتاب میں دیگر تالیفات و تصنیفات کو باقیاتِ صالحات میں قرار
دے اور مومنین کو ان کے موافقت سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

والسلام

صادق علی بجفی
گلبرگ - لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



کتاب چودہ تنکے" تاریخ کے علاوہ اردو ادب میں بھی اپنے مقام پر شاہکار ہے۔ اس کے پڑھنے سے نظر، قلب اور ایمان کو سرور حاصل ہوا ہے

حجۃ الاسلام الحاج عالی جناب مولانا سید شمیم السبطین رضی اللہ عنہما قبلہ رضوی سبزواری بی سہ فاضل عراق و ایران، استاذ حوزہ علمیہ قم، معتقد خاص مجتہد اعظم آقا شہید ارشد مدظلہ قم ایران کا

ارشاد گرامی

حجۃ الاسلام جناب آقائے الحاج مولانا سید نجم الحسن کراروی دام مجدہ کی یہ ستارہ تالیف چودہ معصومین علیہم السلام کی سوانح حیات مع اضافہ اور نظر ثانی کے بعد یقیناً زیادہ مفید اور قابل قدر ہوگی جو تاریخ کے علاوہ اردو ادب میں اپنے مقام پر شاہکار ہے۔ جس طرح خود مولانا سید نجم الحسن رضوی کراروی دامت افاضۃ کی گفتار و رفتار میں منہا و شہر آوی ہے، اسی طرح تلمذ بھی ان اوصاف سے متصف ہے جتنے جتنے نظر کتاب پر ڈالی، مگر پیوستہ ہوئی۔ نظر کو قلب کو اور ایمان کو سرور حاصل ہوا۔ واقعاً معصومین علیہم السلام کے کردار و اخلاق کو اپنانے کے لیے بخیر و سعادت رکھنے والے حضرات بھی کتاب سے استفادہ کامل کر سکتے ہیں۔ خداوند متعال سے دعا کرتا ہوں کہ مومنین کو اس کتاب کے پڑھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ موصوف کے لیے توشہ آخرت بنے۔

خادم الشریعۃ

سید شمیم السبطین رضوی

سید شمیم السبطین رضوی

حوزہ علمیہ قم ایران

کتاب چوہ ستارے

شجرہ

مصدقہ حضرت فخر المحققین آقائے ملت حجۃ الاسلام

اسمائے معصومین	مشہور لقب	کنیت	اہمات	تعداد اولاد	تاریخ ماہ و سنت ولادت
پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ	مصطفیٰ	ابو القاسم	حضرت آمنہ بنت وہب	فاطمہ الزہراء و طہ و طاہرہ و قائم و ابراہیم	۱۲ ربیع الاول ۱۰ سنہ عام الفیل
ام اللہ بنت فاطمہ	زہرا	ام الحسین بیتہ النساء	حضرت عقیقہ العبری	حسن و حسین و زینب و ام کلثوم و اسحاق و محسن	۲۰ جمادی الثانی ۱۰ سنہ بعثت
ابولہاد حضرت علیؑ	امیر المومنین	ابو الحسن ابوتراب	حضرت فاطمہ بنت اسد	۱۱ پسر ۱۶ دختر	۱۳ ربیع الثانی ۱۰ عام الفیل یوم جمعہ
حضرت امام حسنؑ	مجتبای	ابو محمد	حضرت فاطمہ الزہراء	۸ پسر ۷ دختر	۱۵ رمضان ۱۰ سنہ
حضرت امام حسینؑ	بیت الشہداء	ابو عبد اللہ	حضرت فاطمہ الزہراء	۶ پسر ۴ دختر	۳ شعبان ۱۰ سنہ (بنا بر مشہور)
حضرت امام علیؑ	زین العابدین	ابو محمد	حضرت شہر بانو بنت یزدجرد و بانو شاہ ایران	۱۱ پسر ۴ دختر	۱۵ جمادی الثانی ۱۰ سنہ بقول ۱۵ جمادی الاول ۱۰ سنہ
حضرت امام محمدؑ	باقر	ابو جعفر	فاطمہ بنت امام حسن	۵ پسر ۲ دختر	یکم رجب ۱۰ سنہ ۴ھ
حضرت امام جعفرؑ	صادق	ابو عبد اللہ ابو اسماعیل	ام ذرہ بنت تمام بن محمد ابن ابی بکر	۷ پسر ۳ دختر	۴ ربیع الاول ۱۰ سنہ ۳ھ
حضرت امام موسیٰؑ	کاظم	ابو الحسن ابو ابراہیم	حمیدہ خاتون	۱۹ پسر ۱۸ دختر	یوم عرفة المظفر ۱۰ سنہ ۱۲ھ
حضرت امام علیؑ	رضا	ابو الحسن	ام البنین	امام محمد تقی	۱۱ ربیع الثانی ۱۰ سنہ ۵۳ھ
حضرت امام محمدؑ	تقی	ابو جعفر	خیزران خاتون (دریجانہ)	۲ پسر ۲ دختر	۱۰ رجب ۱۰ سنہ ۱۹۵ھ
حضرت امام علیؑ	نقی	ابو الحسن	سمانہ خاتون	۵ پسر	۵ رجب ۱۰ سنہ ۲۱۳ھ
حضرت امام حسنؑ	عسکری	ابو محمد	حدیثہ خاتون	حضرت صاحب الامر	۱۱ ربیع الثانی ۱۰ سنہ ۲۳۲ھ ہجری
حضرت امام محمدؑ	مندی بحجۃ نظام صاحب الزمان	ابو القاسم	زینب خاتون	العلم عند اللہ	۱۵ شعبان ۱۰ سنہ ۲۵۵ھ ہجری بقول ۲۵۶ھ

ایک نظر میں

طیبہ
الحاج مولانا سید محمد الحسن صاحب قبلہ کراروی

جائے ولادت	تاریخ و ماہ و سنہ وفات	مدت حیات	بادشاہ وقت	سبب شہادت	جائے دفن
شعبان طالب (مکہ معظمہ)	۲۸ صفر ۱۱۰۰ھ	۶۳ سال	و۔ زین العابدین عادل ش۔ ہرقل بادشاہ قیصر روم	دو ایلیں زہری کی آ میر شمس	مدینہ طیبہ
علا معظہ	۳ جمادی الثانیہ ۱۱۰۰ھ	۱۸ سال ۱۵ دن	و۔ یزد و جرد ش۔ ابن ابی صفوان	خیلیہ دوم کے حکم سے پہلو پر حلقا ہوا و روانہ کرنا نیز زہریہ سے تازا نہ	جنت البقیع (مدینہ)
زین عابدین کعبہ	۲۱ رمضان ۱۱۰۰ھ	۶۳ سال	و۔ شہر یاز ش۔ معاویہ	حضرت ابن حجر بسا از امیر شام بمقام مسجد کوفہ	جنت البقیع (عراق)
مدینہ منورہ	۸ صفر ۱۱۰۰ھ	۴۷ سال	و۔ یزد و جرد ش۔ معاویہ	زہرا و ابن جندبہ شہادت پر شہر زوری خلیفہ اول حکم امیر شام معاویہ	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۰ محرم ۱۱۰۰ھ	۵۷ سال	و۔ یزد و جرد ش۔ یزید	زخمی ہائے شہدائے تمام کربلا (بجز حضرت زین العابدین)	کربلائے معلیٰ (عراق)
مدینہ منورہ	۲۵ محرم ۱۱۰۰ھ	۵۷ سال	بادشاہ دین و دنیا امیر المومنین حضرت علی	زہرا و ابن ولید بن عبدالملک بن مروان	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۷ ذی الحجہ ۱۱۰۰ھ	۵۷ سال	و۔ معاویہ ش۔ ہشام	زہرا و امیر مومنین ولید حکم ہشام بن عبدالملک	جنت البقیع (مدینہ)
مدینہ منورہ	۱۵ شوال الحکم ۱۱۰۰ھ	۶۵ سال	و۔ عبدالملک بن مروان ش۔ منصور و واقع	زہرا منصور و واقع دو واقعی	جنت البقیع (مدینہ)
ابوار مابین مکہ مدینہ	۲۵ رجب ۱۱۰۰ھ	۵۵ سال	و۔ مروان الحجاج ش۔ ہارون رشید	زہرا ہارون رشید عباسی بزرگوار ہندی بن شاہک	کامطین (عراق)
مدینہ منورہ	۲۳ ذی قعدہ ۱۱۰۰ھ	۵۰ سال	و۔ منصور و واقع ش۔ مامون رشید	زہرا مامون رشید عباسی	مشہد مقدس (خراسان ایران)
مدینہ منورہ	۲۹ ذی قعدہ ۱۱۰۰ھ	۲۵ سال ۱۲ دن	و۔ محمد الامین عباسی ش۔ معتصم باللہ عباسی	زہرا معتصم بزرگوار ام الفضل بنت مامون رشید	کامطین (عراق)
سمرقند مدینہ منورہ	۲ رجب ۱۱۰۰ھ	۴۰ سال	و۔ مامون رشید ش۔ معتصم باللہ	زہرا معتصم باللہ	سمرقند (عراق)
مدینہ منورہ	۸ ربیع الاول ۱۱۰۰ھ	۲۸ سال ۲ ماہ	و۔ واقف باللہ ش۔ معتصم علی اللہ	زہرا معتصم علی اللہ	سمرقند (عراق)
سمرقند (عراق)	بحکم خدا زنده ہیں	ماشاء اللہ	و۔ معتصم علی اللہ	☆	جائے شہادت سمرقند (عراق)

کتاب "چودہ ستارے" کے ماخذ

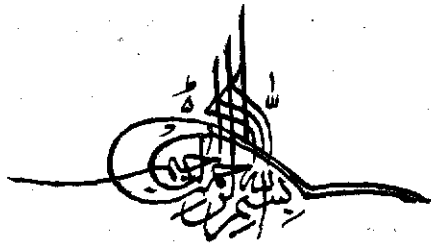
۱۔ قرآن مجید	۲۲۔ تاریخ کامل	۲۷۔ اکتفا عامی	۲۸۔ تاریخ المودت
۲۔ زبور (حضرت داؤد)	۲۵۔ باب التویل	۲۸۔ روضۃ الصفا	۳۱۔ تہذیب الیاض
۳۔ قرین (حضرت موسیٰ)	۳۶۔ معالم التنزیل	۲۹۔ حبیب المیر	۳۲۔ تفسیر فتح البیان
۴۔ انجیل (حضرت عیسیٰ)	۲۷۔ بحوث المحافل	۵۰۔ معارج النور	۳۳۔ کبریٰ التمر
۵۔ صحیفہ شعیان	۲۸۔ تفریح الاذکار	۵۱۔ مدارج النبوت	۳۴۔ الیواقیت والجزاہر
۶۔ شیخ الیوغ	۲۹۔ تنقید الکلام	۵۲۔ ازالۃ الخفا	۳۵۔ علم ترجمہ سلم
۷۔ اصول کافی	۳۰۔ خصائص نسائی	۵۳۔ کتاب ابن بسنہ	۳۶۔ نیل الاوطار شوکانی
۸۔ معتقد الامامیہ	۳۱۔ مستدرک احمد حنبلی	۵۴۔ ثمرات الادواق	۳۷۔ صحیح مسلم
۹۔ روضۃ الاحباب	۳۲۔ کنز العمال	۵۵۔ سفینۃ البحار	۳۸۔ الرق فی الاسلام
۱۰۔ سیرۃ حللیہ	۳۳۔ سیرت ابن اسحاق	۵۶۔ بحار الانوار	۳۹۔ تاریخ اسلام عباسی
۱۱۔ حیات القلوب	۳۴۔ تفسیر ابن ابی حاتم	۵۷۔ حیات الحيوان	۴۰۔ شواہد النبوت
۱۲۔ الاعتقودی	۳۵۔ دلائل بیہقی	۵۸۔ سنن ابن ماجہ	۴۱۔ شرح شفا قاضی عیاض
۱۳۔ تاریخ ابوالفداء	۳۶۔ مناقب امام احمد	۵۹۔ تفسیر قمی	۴۲۔ صواعق محرقة
۱۴۔ مفردات امام راغب	۳۷۔ مصنف ابن ابی شیبہ	۶۰۔ فہرست ابن تیم	۴۳۔ وغار الوفا
۱۵۔ مجمع البحرین	۳۸۔ تاریخ نجیس	۶۱۔ نشر الطیب صفوانی	۴۴۔ فتاویٰ عزیز
۱۶۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین	۳۹۔ تفسیر ابن مردودہ	۶۲۔ تاریخ خضریٰ	۴۵۔ شرح مواقف
۱۷۔ مناقب ابن شہر آشوب	۴۰۔ تفسیر واحدی	۶۳۔ صحیح بخاری	۴۶۔ معجم البلدان
۱۸۔ مواہب لدنیہ	۴۱۔ تفسیر سراج منیر	۶۴۔ غیث اللغات	۴۷۔ شرح المسلم نووی
۱۹۔ تقریب التہذیب	۴۲۔ تفسیر امام شعبلی	۶۵۔ ریاض النضرہ	۴۸۔ الفاروق شبلی
۲۰۔ تاریخ ابن خلدون	۴۳۔ جلیۃ الاولیاء	۶۶۔ سیرۃ النبی	۴۹۔ میزان الکبریٰ
۲۱۔ استیعاب	۴۴۔ ذخیرۃ المال مجلی	۶۷۔ تلخیص سیرۃ النبی	۵۰۔ عجائب القصص
۲۲۔ اسد الغابہ	۴۵۔ مختار صیاد مقدسی	۶۸۔ درمشورہ	۵۱۔ فتح الباری
۲۳۔ تاریخ طبری	۴۶۔ تہذیب الآثار طبری	۶۹۔ لغات سردری	۵۲۔ خصائص نسائی

٩٢ - روض الألف	١٢٠ - نور الأنوار شرح سجاديه	١٤٢ - رساله حضرت فقهه	١٤٢ - عين الحيات مجلسي
٩٣ - قره العين	١٢١ - تذكرة خواص الامته	١٤٨ - مصابيح القلوب	١٤٥ - تاريخ بغداد
٩٥ - خلافت و امامت	١٢٢ - تكليف المكلفين	١٤٩ - رياض القدس	١٤٦ - كتاب الشفا تافه عياض
٩٦ - تاريخ ابن الوردي	١٢٣ - وسائل الشيعة	١٥٠ - معالي السبطين	١٤٤ - نعيم الرياض
٩٤ - عرائس ثعلبي	١٢٤ - مكارم الاخلاق	١٥١ - تفسير كشاف	١٤٨ - شرح مشکوة
٩٨ - جامع عباسي	١٢٥ - سنن ترمذي	١٥٢ - تفسير فيضاوي	١٤٩ - كتاب خلافت
٩٩ - اختيارات مجلسي	١٢٦ - مطالب السفل	١٥٣ - تفسير برهان	١٨٠ - جزل مشرقي
١٠٠ - نور الابصار	١٢٤ - زاد العقيلي	١٥٢ - ذكر العباس	١٨١ - انساب بكتريه
١٠١ - صراح	١٢٨ - الامامت والسياس	١٥٥ - لسان الواعظين	١٨٢ - اسيرت آفت اسلام
١٠٢ - اجامات الامته	١٢٩ - الملل والنحل	١٥٦ - خلاصة المصاب	١٨٣ - منح كميته
١٠٣ - ابن خلكان	١٣٠ - شرح ابن ابى الحديد	١٥٤ - مستررك امام حاكم	١٨٣ - سلبيل فصاحت
١٠٤ - سر العالمين	١٣١ - كتاب الاكفار	١٥٨ - كشف الغم	١٨٥ - اجيار العلوم غزالي
١٠٥ - مكتوبات شيخ احمد برندي	١٣٢ - انسان اليعون	١٥٩ - روضة الشهداء	١٨٦ - فتوح بصائر
١٠٦ - محرم نام حسن نظامي	١٣٣ - انوار الحسينيه	١٦٠ - كفاية الطالب	١٨٤ - تفسير كبير
١٠٤ - مودة القرني	١٣٤ - روايات صادقه	١٦١ - تاريخ آئمه	١٨٨ - اربعين رازي
١٠٨ - ارجح المطالب	١٣٥ - تفسير الفارسي	١٦٢ - ميزان الاعتدال	١٨٩ - جاري اردو
١٠٩ - المترضي	١٣٦ - مشكل الاشار طحاوي	١٦٣ - فصول مهمه	١٩٠ - شرح مواقف
١١٠ - ربيع الابرار زحمشري	١٣٤ - بلايين قاطعه	١٦٤ - معارف الملة (حاشي)	١٩١ - انوار اللغات
١١١ - اسعاف الراجين	١٣٨ - اشقة المعاني	١٦٥ - اصابه	١٩٢ - مهذب مكالمه
١١٢ - لوامع التنزيل	١٣٩ - الزهراء، البونصر	١٦٦ - اسنى المطالب	١٩٣ - خلفاء رسول
١١٣ - صحاح المصابيح	١٣٠ - شرح بخاري عيني	١٦٤ - نضال اجتهاد	١٩٢ - تاريخ عرب
١١٤ - مشکوة شريف	١٣١ - فقهى الآمال	١٦٨ - كنز الواعظين برعالي	١٩٥ - اعجاز التنزيل
١١٥ - دمع ساكبه	١٣٢ - دلائل الامامته	١٦٩ - جنات الخلود	١٩٦ - معالم العلماء
١١٦ - تاريخ مروج الذهب	١٣٣ - ناسخ التواريخ	١٦٠ - حريث قدسي	١٩٤ - الشيعة وفنون الاسلام
١١٤ - مرجع الانس بدخشاني	١٣٤ - عمدة المطالب	١٦١ - ديزية المعاجز	١٩٨ - اعيان الشيعة
١١٨ - سوانح حيات سيده	١٣٥ - الانوار العلويه	١٦٢ - روح القرآن	١٩٩ - تاريخ تمدن اسلامي
١١٩ - اعلام الوري	١٣٦ - مشارق الانوار	١٦٣ - عجقات الانوار	٢٠٠ - امام مبين

۲۸۲- مسند امام رضا	۲۵۵- مقال الطالبيين	۲۲۸- التکرار (شامی)	۲۰۱- ترجمہ نوح البلاغہ (شعبہ)
۲۸۳- نینتہ الطالبيين	۲۵۶- عقد الفريد	۲۲۹- رحمة للعالمين	۲۰۲- ترجمہ نوح البلاغہ (سنی)
۲۸۴- کشف المحجوب	۲۵۷- روضة المناظر	۲۳۰- الاخبار الطوال	۲۰۳- بريت محمدية
۲۸۵- مجمع الحیثی	۲۵۸- نزل الابرار	۲۳۱- کشف الافرار	۲۰۴- ارشاد مفید
۲۸۶- ذخائر العقبی	۲۵۹- مناقب ابن سمان	۲۳۲- مرقات الایقان	۲۰۵- خصائص سیوطی
۲۸۷- میزان الکبری	۲۶۰- شجرة الودیاء	۲۳۳- عقد الفريد	۲۰۶- تارخ اعظم کوفی
۲۸۸- کنوز الحقائق من لای	۲۶۱- مقیاس الافوار	۲۳۴- روضة ابن حیرة قسسی	۲۰۷- آفتاب سیوطی
۲۸۹- فضائل الخمسة	۲۶۲- خصایح کافیر	۲۳۵- سیف المقلدین	۲۰۸- تاریخ اسلام امیر علی
۲۹۰- طبقات ابن سعد	۲۶۳- دیوان حسان بن ثابت	۲۳۶- عمل الشرائع	۲۰۹- الغفاری
۲۹۱- سخن کے آفسو	۲۶۴- الحریت فی الاسلام	۲۳۷- اختراق الحق	۲۱۰- تنبیہ ابن اثیر
۲۹۲- شجرة طوبی	۲۶۵- تطهیر الجنان	۲۳۸- تاریخ الخلفاء	۲۱۱- کتاب فتوحات
۲۹۳- کبریت احمر	۲۶۶- تفسیر نیشاپوری	۲۳۹- روضة الواعظین	۲۱۲- احسن الانتخاب
۲۹۴- منتخب طریحی	۲۶۷- منتخب اللغات	۲۴۰- مرآة الجنان	۲۱۳- شرائع الاسلام
۲۹۵- شہید عظیم عبدالمجید خاں	۲۶۸- اغانی ابوالفرج	۲۴۱- کامل مترو	۲۱۴- مجمع البحار
۲۹۶- سر الشہداء	۲۶۹- احوال سیوطی	۲۴۲- کفایة الاثر مجلسی	۲۱۵- تحفة سلیمانیه
۲۹۷- نور العین	۲۷۰- کامل السیفیة	۲۴۳- ترجمہ ابن خلدون	۲۱۶- مناقب خطیب خوارزمی
۲۹۸- مخزن البکار	۲۷۱- حدیقہ سنائی	۲۴۴- تسکین الضمیر	۲۱۷- نہایت الارباب لفقہدی
۲۹۹- جلا العیون	۲۷۲- فرائد السمعیین	۲۴۵- دراسات البیب	۲۱۸- صحائف ابن قتیبة
۳۰۰- اشارة الاحزان	۲۷۳- منہاج السنن	۲۴۶- سوانح امام حسن	۲۱۹- مجمع نامہ علمی
۳۰۱- کشکول بہائی	۲۷۴- انوار المصیبة	۲۴۷- معجم الطالب	۲۲۰- فتوح البلدان
۳۰۲- البدایہ والنهاية	۲۷۵- تفریح الاحباب	۲۴۸- محامضت المصنفاتی	۲۲۱- تاریخ سنده
۳۰۳- مقتل ابن مثنف	۲۷۶- المدخل ابن الحاج	۲۴۹- سوط الثمین طبری	۲۲۲- تاریخ قرشہ
۳۰۴- تذکرہ	۲۷۷- سنن ترمذی	۲۵۰- سنن ابی داؤد	۲۲۳- طبقات ناصری
۳۰۵- مقتل عوام	۲۷۸- سرایۃ ایمان لابی	۲۵۱- تاریخ عرب (شعی)	۲۲۴- کتاب زید شہید
۳۰۶- تارخ اسلام	۲۷۹- موضوعات ثلاثی قاری	۲۵۲- تاریخ ساراسینر کلی	۲۲۵- تاریخ الفخری
۳۰۷- انسانیّت موت کے وقت	۲۸۰- تفسیر صافی	۲۵۳- سیرۃ الحسن	۲۲۶- تذکرہ محمد و آل محمد
۳۰۸- وسائل مظفری	۲۸۱- مصباح طوسی	۲۵۴- ابصار العین	۲۲۷- مناقب مرتضوی

۳۰۹ - ماتین کنٹوری	۳۳۶ - ریاض القدس	۳۶۳ - انوار اللغۃ	۳۸۹ - رجال طوسی
۳۱۰ - میح الاعمران	۳۳۷ - مصباح المتجدد	۳۶۴ - جلیۃ الابار	۳۹۰ - النضال بالیوم
۳۱۱ - نوہین ترجمہ سقراتی	۳۳۸ - الحسین جلان ہنری	۳۶۵ - الوسائل محمد علی	۳۹۱ - جلیۃ المتقین
۳۱۲ - انوار الشہادت	۳۳۹ - الامام الناصب	۳۶۶ - اسوۃ الرسول	۳۹۲ - تہذیب الاسلام
۳۱۳ - ناموس اسلام	۳۴۰ - تحریر الشہادتین	۳۶۷ - جامع الاخبار	۳۹۳ - سوانح چارہ حصویں
۳۱۴ - تاریخ حسین	۳۴۱ - غلامۃ الطاعات	۳۶۸ - حج اکرام عبدی حسن	۳۹۴ - شرح شایبہ
۳۱۵ - تہذیب التہذیب	۳۴۲ - تفسیر امام حسن عسکری	۳۶۹ - تاریخ صغیر بخاری	۳۹۵ - مشارق الانوار برسی
۳۱۶ - سرر الشہادت و بیعتی	۳۴۳ - احتجاج طبرسی	۳۷۰ - سیرۃ النعمان شبلی	۳۹۶ - فتوح الشام و اقدی
۳۱۷ - الحسین ابن نصر	۳۴۴ - صحیفہ کاملہ	۳۷۱ - مصفی شرح موطا	۳۹۷ - تحفۃ الناظرین
۳۱۸ - زینب اخت الحسین	۳۴۵ - ریاض السالکین	۳۷۲ - تذکرۃ المعصومین	۳۹۸ - انوار الاخبار
۳۱۹ - بطلۃ کربلا	۳۴۶ - شرح حلقات زعفرانی	۳۷۳ - صادق آل محمد	۳۹۹ - انوار نعمانیہ
۳۲۰ - سلسلۃ الذہب	۳۴۷ - دیوان حماد	۳۷۴ - تحفۃ الزائر	۴۰۰ - اخبار الخلفاء ابی دہلی
۳۲۱ - خصائص زینبیہ	۳۴۸ - عجائب الادب	۳۷۵ - تصویر عزا	۴۰۱ - سوانح امام زین العابدین
۳۲۲ - کتاب زینب	۳۴۹ - تاریخ احمدی	۳۷۶ - ادب الکتاب ابن قتیبہ	۴۰۲ - المنازع و التمام
۳۲۳ - حقائق الحقیقہ	۳۵۰ - مجالس المؤمنین	۳۷۷ - الاعلام زرنگی	۴۰۳ - رواج المصطفیٰ
۳۲۴ - حیات الزہراء	۳۵۱ - تاریخ فتح خنصری	۳۷۸ - معارف القرآن و جدی	۴۰۴ - کشف الظنون
۳۲۵ - وسیلۃ النجات	۳۵۲ - المنجد	۳۷۹ - کتاب کتاب تائذہ نسوی	۴۰۵ - جہنم المعجزات
۳۲۶ - طبقات الحافظہ بیہی	۳۵۳ - رجال کشی	۳۸۰ - طبقات الامم	۴۰۶ - اثنا عشریہ (ایضاً در سل)
۳۲۷ - عیون اخبار رضا	۳۵۴ - اعلام المؤمنین بن قسیم	۳۸۱ - اخبار الحكماء	۴۰۷ - لغۃ الضیاء
۳۲۸ - مجمع البحرین	۳۵۵ - تحائف شیلادی	۳۸۲ - انسیا سکریٹیا سلوک	۴۰۸ - جامع الاصول
۳۲۹ - بفرع النبی عیدتی حسن	۳۵۶ - الخرائج الیوسف	کیبشری -	۴۰۹ - شرح جامع صغیر
۳۳۰ - فصل الخطاب	۳۵۷ - تہذیب الراوی	۳۸۳ - مجمع المطبوعات	۴۱۰ - تحفۃ رضویہ
۳۳۱ - فتوح الجسم	۳۵۸ - آثار باقرہ	۳۸۴ - غلامۃ الاقوال علی	۴۱۱ - کینز الانساب ابی مخنف
۳۳۲ - فتوحات اسلامیہ	۳۵۹ - مقدمہ ابن خلدون	۳۸۵ - منہج المقال	۴۱۲ - سوانح امام رضا
۳۳۳ - تحفہ حسینہ بسطامی	۳۶۰ - وفيات الاحیاء	۳۸۶ - مؤلفو الشیعہ فی صدہ الاسلام	۴۱۳ - الامون
۳۳۴ - لوف	۳۶۱ - سفر نامہ حج و زیارات	۳۸۷ - المعبر محقق علی	۴۱۴ - تہذیبہ الانبیاء
۳۳۵ - حسن اقتضی	۳۶۲ - تحفۃ اثنا عشریہ	۳۸۸ - رجال ابن عقیلہ	۴۱۵ - شرح تجرید

۲۹۲ - تاریخ ابن طولون	۲۴۰ - زندگانی محمد	۲۲۳ - فضل المبین (محمد طوی)	۲۱۶ - کاشف النقاب
۲۹۵ - انساب سمعانی	۲۴۱ - شرح عقائد نسفی	۲۲۳ - مفتاح النجا بدشتانی	۲۱۷ - تاریخ فخری
۲۹۶ - قیامت نامہ طوی	۲۴۲ - معارج العرفان	۲۲۵ - مرآة الاسرار	۲۱۸ - فتی الایمال
۲۹۷ - تاریخ اسلام علم سولہ	۲۴۳ - تفسیر بیضاوی	۲۲۶ - ہدایۃ السعداء	۲۱۹ - تاریخ آل محمد
۲۹۸ - احسن التقاسیم مقدسی	۲۴۴ - تاریخ اسلام	۲۲۷ - موالید الائمة جمعی	۲۲۰ - خلاصہ تہذیب الکمال
۲۹۹ - کفایۃ الاثر	عبدالحکیم نشتر	۲۲۸ - مرقات شرح مشکوات	۲۲۱ - مختصر اخبار الخلفاء
۵۰۰ - رسالہ جزیریہ حضرت	۲۴۵ - دلائل الامت	۲۲۹ - براہین سابطیہ	۲۲۲ - سوانح محمد تقی
۵۰۱ - اکمال الدین	۲۴۶ - جمع الفوائد	۲۵۰ - کتاب الواقع (شرح حسن)	۲۲۳ - آمد اشاعت (ابن طولون)
۵۰۲ - تاریخ جمال آرا	۲۴۷ - الکھمرۃ بن حزم	۲۵۱ - مکاشفات	۲۲۴ - کتاب شجرۃ سادات کردی
۵۰۳ - ریاض الحمار	۲۴۸ - تہذیب الاسما	۲۵۲ - کتاب نوادر (محدث طوی)	۲۲۵ - بدر مشمش
۵۰۴ - کفایۃ المہدی	۲۴۹ - مقتول ابن نما	۲۵۳ - تاریخ خمیس (سمنانی)	۲۲۶ - اثبات الوصیت
۵۰۵ - کشف القناع	۲۵۰ - شرح فقہ اکبر	۲۵۴ - کتاب شرح میبذی	۲۲۷ - تاریخ گویدہ
۵۰۶ - ریاض المؤمنین	۲۵۱ - تاریخ القرآن کردی	۲۵۵ - کتاب بیان الاحسان	۲۲۸ - تقیام زخار
۵۰۷ - سراج القلوب	۲۵۲ - انوار المجالس	۲۵۶ - تاریخ اسلام (دوبی)	۲۲۹ - انالی شیخ طوسی
۵۰۸ - جواہر البیان جردنی	۲۵۳ - جواہر الکلام بغدادی	۲۵۷ - ابطال الباطل (روزبہان)	۲۳۰ - تاریخ قرمان قلمی
۵۰۹ - بدایح الاخبار سردی	۲۵۴ - نجوم زاہرہ	۲۵۸ - تفسیر حسینی	۲۳۱ - دوسوی امام
۵۱۰ - ارشاد الطالبین	۲۵۵ - المصائد	۲۵۹ - اشاعت اسلام دیوبندی	۲۳۲ - ترجمہ سنن ابن ماجہ
۵۱۱ - عربی ماہنامہ الہادی قم	۲۵۶ - مہناج الدعوی	۲۶۰ - المنطق امام الشہسی	۲۳۳ - البشری شرح مؤدۃ القربی
۵۱۲ - اخبار پانیر کھنؤ	۲۵۷ - ریاضین الشریعتہ	۲۶۱ - دینی باتین (ذاکر حسین)	۲۳۴ - فتی الارب
۵۱۳ - سرفراز کھنؤ	۲۵۸ - سیدہ کل عظمت	۲۶۲ - روضۃ الناظر	۲۳۵ - القما صلیق حسن
۵۱۴ - اخبار پیام اسلام کھنؤ	مولانا کوثر نیازی	۲۶۳ - حق الیقین	۲۳۶ - مناقب امیرالمومنین و طوی
۵۱۵ - ابجواد بنارس	۲۵۹ - مناقب ابوحنیفہ	۲۶۴ - معانی الاخبار	۲۳۷ - غایۃ المقصود
۵۱۶ - اہل حدیث امرتسر	۲۶۰ - سلاطین اسلام	۲۶۵ - شرح مواقف	۲۳۸ - کتاب قبائل (ابن طوسی)
۵۱۷ - آجکل کھنؤ	لیسن پول	۲۶۶ - انوار القلوب	۲۳۹ - لوائح الافوار
۵۱۸ - انقلاب لاہور	۲۶۱ - غایۃ الاختصار	۲۶۷ - الافی محسن فیض	۲۴۰ - فتوحات کیتہ
۵۱۹ - طلوع اسلام کراچی	۲۶۲ - صحاح الاخبار	۲۶۸ - تہذیب الاحکام	۲۴۱ - کفایۃ الطالب
	۲۶۳ - در المصائب	۲۶۹ - محسن اعظم و محبتین	۲۴۲ - البیان فی اخبار صاحب مان



الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ عَلَىٰ أَهْلِهَا

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مختصر خاندانی حالات

پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت ابراہیم ہوانہ۔ بابل یا عراق کے ایک قریہ "کوٹہ" میں طوفان نوح سے ۱۰۸۱ سال بعد پیدا ہوئے جب آپ کی عمر ۸۶ سال کی ہوئی تو آپ کے یہاں بطن جناب ہاجرہ سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور ۹ سال کی عمر میں جناب سارہ سے حضرت اسحاق متولد ہوئے۔ حضرت ابراہیم نے دونوں بیویوں کو ایک جگہ رکھنا مناسب نہ سمجھ کر سارہ کو مچ اسحاق شام میں چھوڑا اور ہاجرہ کو مچ اسماعیل حجاز کے شہر مکہ میں حکم خدا پہنچا آئے۔ اسحاق کی شادی شام میں اور اسماعیل کی مکہ میں قبیلہ جرہم کی ایک لڑکی سے ہوئی۔ اس طرح اسحق کی نسل شام میں اسماعیل کی نسل مکہ میں بڑھی۔ جب حضرت ابراہیم کی عمر ۱۰۰ سال کی ہوئی اور جناب ہاجرہ کا انتقال بھی ہو گیا تو آپ کو تشریف لائے اور اسماعیل کی مود سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ توخین کا کہنا ہے کہ یہ تعمیر ہجرت نبوی سے ۲۷۹۳ سال قبل ہوئی تھی۔ انھوں نے ایک خواب کے حوالہ سے حکم خدا اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کرنا چاہتا تھا۔ جس کے رد عمل میں خدا نے ذنب بھیج کر فرمایا کہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ ابراہیم سنو! ہم نے تمہارے ذبیہ (اسماعیل) کو ذبح عظیم امام حسین سے بدل دیا ہے۔ توخین کا کہنا ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدم کے دنیا میں آنے کے ۳۲۳۵ سال بعد کا ہے۔ اس کے بعد چند باتوں میں آپ کا امتحان لیا گیا جس میں کامیابی کے بعد آپ کو درجہ امامت پر فائز کیا گیا۔ آپ نے خواہش کی کہ یہ عہدہ میری نسل میں مستقر کر دیا جائے۔ ارشاد ہوا بہتر ہے لیکن تمہاری نسل میں جو ظالم ہوں گے وہ اس سے محروم رہیں گے۔ آپ کا لقب خلیل اللہ تھا اور آپ اولوالعزم پیغمبر تھے۔ آپ صاحب شریعت تھے اور خدا کی بارگاہ میں آپ کا یہ درجہ تھا کہ خاتم الانبیاء کو آپ کی شریعت کے باقی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے ۵۷ سال کی عمر میں انتقال فرمایا اور مقام قدس جمیل (خیل الرحمن) میں دفن کئے گئے وفات سے قبل

آپ نے اپنا جانشین حضرت اسماعیل کو قرار دیا۔

مؤرخین فرنگ کا کہنا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی ولادت جناب مسیح سے ۱۹۱۱ سال قبل ہوئی تھی۔ حضرت اسماعیل کے خصوصی امتیازات ہیں کہ وہ انھیں کی وجہ سے مکہ آباد ہوا (۲) چاہ زمزم برآمد ہوا۔ (۳) حج کعبہ کی عبادت کا آغاز ہوا۔ ۱۰۰ ذی الحجہ کو عید قربان کی سنت جاری ہوئی۔ آپ کا انتقال ۱۳ سال کی عمر میں ہوا۔ اور آپ حجر اسماعیل (مکہ) کے قریب دفن ہوئے۔ آپ نے بارہ فرزند چھوڑے۔ آپ کی وفات کے بعد خانہ کعبہ کی نگرانی و دیگر خدمات آپ کے فرزند ہی کرتے رہے۔ ان کے فرزندوں میں قیدار کو نمایاں حیثیت حاصل تھی غرضیکہ اولاد حضرت اسماعیلؑ مکہ معظمہ میں بڑھتی اور نشوونما پاتی رہی۔ یہاں تک کہ تیسری صدی عیسوی میں ایک شخص فرنامی پیدا ہوا جو انتہائی بالکمال تھا۔ اس نسل سے پیغمبر اسلام متولد ہوئے۔ علامہ طبری کا کہنا ہے کہ اسی فرنامی اس کے دادا نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بحر الہند سے اس نے ایک بہت بڑی مچھلی شکار کی تھی جس کو قریش کہا جاتا تھا۔ اور اسے لاکڑے میں رکھ دیا تھا جسے لوگ دیکھنے کے لیے دُور دُور سے آتے تھے۔ لفظ فرجیرانی ہے۔ اور اس کے معنی پتھر کے ہیں اور قریش کے معنی قدیم عربی میں "سوداگر" کے ہیں۔

قصی | پانچویں صدی عیسوی میں ایک بزرگ نسل سے گزرے ہیں جن کا نام "قصی" تھا۔ شبلی نعمانی کا کہنا ہے کہ انہیں قصی کو قریش کہتے ہیں۔ لیکن میرے نزدیک یہ غلط ہے قصی کا اصل نام زید اور کنیت ابوالمغیرہ تھی۔ ان کے باپ کا نام کلاب اور ماں کا نام فاطمہ بنت سعد اور بیوی کا نام عامکہ بنت خالنج بن لیک تھا۔ یہ نہایت ہی نامور بلند حوصلہ۔ جوان مرد عظیم الشان بزرگ تھے۔ انھوں نے زبردست عزت و اقتدار حاصل کیا تھا۔ یہ نیک چلن بامروت، سخی اور دلیر تھے۔ ان کے خیالات پاک اور بے لوث تھے۔ ان کے اخلاق بلند شائستہ اور مذہب تھے۔ ان کی ایک بیوی جسی بنت خلیل خزاعی تھیں۔ یہ خلیل بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ اس نے وفات کے وقت خانہ کعبہ کی تہ تیہ کو سپرد کر دینا چاہی۔ اس نے اپنی کمزوری کے حوالہ سے انکار کر دیا پھر اُس نے اپنے ایک رشتہ دار ابو بوشان خزاعی کے سپرد کی۔ اُس نے اس اہم خدمت کو قصی کے ہاتھوں فروخت کر دیا اس طرح قصی ابن کلاب اس عظیم شرف کے بھی مالک بن گئے۔ انھوں نے خانہ کعبہ کی خدمت کرائی اور دارالندوہ بنوایا۔ رفاہ عام کے سلسلہ میں بے شمار خدمات کیں۔ مکہ میں کنواں کھدوایا جس کا نام محمول تھا۔ قصی کا انتقال ۴۰۰ھ میں ہوا۔ مرنے کے بعد انھیں منقام جحون میں دفن کیا گیا اور ان کی قبر زیارت گاہ بن گئی۔ قصی اگر چہ نبی یا امام نہ تھے۔ لیکن جلال اور محمدی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان فضیلت کے آفتاب بن گئے۔

عبد مناف | قصی کے چھ بیٹے تھے جن میں عبد اللہ اور سب سے بڑا اور عبد المناف سب سے لائق تھا۔ انھوں نے مرنے وقت بڑے بیٹے کو تمام مناصب سپرد کئے۔ لیکن عبد مناف نے اپنی بیعت

کی وجہ سے سب میں شرکت حاصل کر لی۔ یہ قریش کے مسلم اثبوت سردار بن گئے۔ بعد مناف کا اصل نام مغیرہ اور کنیت ابو عبد شمس تھی اور ماں کا نام جہی بنت خلیل تھا۔ انھوں نے عاتکہ بنت مرہ سلمیہ بن حلال سے شادی کی انھیں حسن و جمال کی وجہ سے "قمر" ماہِ شباب کہا جاتا تھا۔ "دیارِ کبریٰ" کا کوٹنا ہے کہ عبد مناف کو مغیرہ کہتے تھے۔ وہ تقویٰ و صلہ رحم کی تلقین کیا کرتے تھے۔ باپ اور بیٹے دونوں ایک ہی عقیدہ پر تھے اور انھوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی۔ یہ بھی اپنے باپ قصی کی طرح مناف بے حد اور فضائل بے شمار کے مالک اور نور محمدی کے حامل تھے۔ انھوں نے مکہ شام کے مقام غزوہ میں انتقال کیا۔

عبد مناف کے جیسے جی تو کوئی جھگڑا اٹھا نہیں۔ ان کے بعد ان کی اولاد جن میں ہاشم مطلب عبد شمس اور نوفل نمایاں حیثیت رکھتے تھے، میں یہ جذبہ ابھر پڑا کہ عبد الدار کی اولاد سے وہ مناصب لے لینے چاہئیں جن کے وہ اہل نہیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے بنی عبد الدار سے مناصب کی واپسی یا تقسیم کا سوال کیا انھوں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جنگ کا میدان ہوا رہ گیا۔ بالآخر اس بات پر صلح ہو گئی کہ زیادہ مصلحت کی قیادت بنی عبد مناف کے قبضہ میں ہے اور حجابت اور لوا برداری کا منصب بنی عبد الدار کے پاس رہے۔ اور دارالندوہ کی صدارت مشترک ہو۔

ہاشم آپ کا نام عمر و کنیت ابو نفلہ تھی۔ آپ کے والد عبد مناف اور والدہ عاتکہ بنت مرہ سلمیہ تھیں۔ آپ کو علم تہذیب کی وجہ سے عمر و العلاء بھی کہتے تھے۔ آپ اور عبد شمس وہ دونوں اس طرح جڑواں پیدا ہوئے تھے کہ ان کے پاؤں کا پنجر عبد شمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا۔ جسے تلوار کے ذریعہ سے علیحدہ کیا گیا۔ اور بے انتہا خون بہا، جس کی تعبیر نجومیوں نے باہمی خونریزی جنگ سے کی جو بالکل صحیح اتری اور دونوں خاندانوں کے درمیان ہمیشہ جنگ متواتر رہی جس کا اختتام ۳۳ھ میں ہوا۔ بنی عباس (ہاشمی) اور بنی امیہ (شمسی) میں ایسی خونریزی جنگ ہوئی جس نے بنی امیہ کی قوت و طاقت اور بلندی اقبال کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل کر دیا۔

آپ فطرتاً سیر چشم اور فیاض تھے۔ دولت مندی میں بھی بڑی حیثیت کے مالک تھے۔ حجاج کی خدمت آپ کی زندگی کا کارنامہ تھا۔ تو زمین کا کوٹنا ہے کہ آپ کو ہاشم اس لیے کہتے ہیں کہ آپ نے ایک شدید قحط کے موقع پر اپنی ذاتی دولت سے شام جا کر برت کافی لیک خریدنا تھا اور اسے لاکر تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ اسے شوربا میں توڑ کر کھا جاؤ۔ ہاشم کے معنی توڑنے کے ہیں۔ لہذا ہاشم کہے جانے لگے۔ آپ نے اپنی شادی اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے کی، جس سے حضرت اسد پیدا ہوئے۔ دوسری شادی خزیمہ بنی سہل سے ایک مشہور قبیلہ بنی عدی ابن نجار بئر شرب (مدینہ) کی نجیب الطرفین دختر سے کی۔ اسی کے بطن سے ایک باوقار لڑکا پیدا ہوا جو آگے چل کر عبد المطلب شیبہؓ محمد سے پکارا گیا۔ عبد المطلب ابھی دودھ ہی پیتے تھے کہ حجاب ہاشم کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی اولاد کے متعلق حضرت جبہ بن جہل کا کہنا ہے کہ میں نے مشرق و

مغرب کو چھان کر دیکھا ہے کہ محمد مصطفیٰ سے بہتر کوئی نہیں ہے اور بنی ہاشم سے بہتر کوئی خاندان نہیں ہے۔
جناب ہاشم نے ۱۰۵ ع میں بمقام غزوہ شام میں انتقال فرمایا۔

جناب اسد آپ حضرت ہاشم کے بڑے بیٹے تھے۔ آپ کی ولادت ۳۹ھ سے قبل ہوئی تھی۔ آپ میں انسانی ہمدردی سیکہ کمال پہنچی ہوئی تھی۔ فخر الدین رازی کا بیان ہے کہ جناب اسد نے ایک دن اپنے ایک دوست کو سخت جھوکا پا کر (جو بے بنی خنوم سے تھا) اپنی والدہ سے کہا کہ اس کے لیے کھانے کا بندوبست کرو۔ انھوں نے پیر اور آٹا وغیرہ کافی مقدار میں اس کے گھر بھجوا کر اسے سکون بخشا۔ پھر اسی واقعہ سے متاثر ہو کر جناب ہاشم نے اہل مکہ کو جمع کیا اور ان میں تجارت کا جذبہ و شوق پیدا کیا۔ اسد کے معنی شیر کے ہیں۔ ابن خالویر کا یہ کہنا ہے کہ "شیر" کے پانچ سونام ہیں جن میں ایک اسد بھی ہے۔ شیر بھوک اور پیاس پر صابر ہوتا ہے۔ علامہ طبری کا کہنا ہے کہ شیر کی اولاد کم ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ حضرت اسد کے اولاد کم تھی بلکہ اولاد کو زکوٰۃ وغیرہ اور غالباً صرف قاطرہ بنت اسد ہی تھیں جو بعد میں حضرت علیؑ کی والدہ گرامی قرار پائیں۔

جناب عبدالمطلب آپ حضرت ہاشم کے نہایت جلیل القدر صاحبزادے تھے ۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ والد کا انتقال بچپن میں ہی ہو چکا تھا۔ پرورش کے فرائض آپ کے چچا مطلب کی کنار عاطفت میں ادا ہوئے اور خوش قسمتی سے آخر میں عرب کے سب سے بڑے سردار قرار پائے۔ آپ کے والد ہی کی طرح آپ کی والدہ بھی (جن کا نام سلمیٰ) تھا۔ شرافت و عظمت میں انتہائی بلندی کی مالک تھیں۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ وہ وقار خاندانی کی وجہ سے اپنے نکاح کو اس شرط سے مشروط کرتی تھیں کہ جب چاہیں گی گھر چلی جائیں گی۔ علامہ طبری کا کہنا ہے کہ وہ یہ شرط بھی لگاتی تھیں کہ زوید کے موقع پر اپنے میکے میں رہوں گی۔ جناب عبدالمطلب کا ایک نام شیبہ بن محمد بھی تھا۔ کیونکہ آپ کی ولادت کے وقت آپ کے سر پر سفید بال تھے۔ اور شیبہ سفیدی سر کو کہتے ہیں۔ حملہ اسے اسے مضاف اس لیے کیا کہ آگے چل کر بے انتہا مدوح ہونے کی ان میں علامتیں دیکھی جا رہی تھیں۔ آپ سن شعور تک پہنچتے ہی جناب ہاشم کی طرح نامور اور مشہور ہو گئے۔ آپ نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح اپنے پر شراب حرام کر رکھی تھی اور غار حرا میں میٹھ کر عبادت کرتے تھے۔ آپ کا دسترخوان اتنا وسیع تھا کہ انسانوں کے علاوہ پرندوں کو بھی کھانا کھلایا جاتا تھا مصیبتوں کی امداد اور پاجوں کی خبر گیری ان کا خاص شیوہ تھا۔ آپ نے بعض ایسے طریقے رائج کئے جو بعد میں مذہبی نقطہ نظر سے انسانی زندگی کے اصول بن گئے۔ مثلاً ایثار نذر۔ نکاح محرم سے اجتناب، دسترکشی کی ممانعت، خمر و زنا کی حرمت اور قطع ید سارق۔ عبدالمطلب کا عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے چاہے زہم کو جو مرد زمانہ سے بند ہو چکا تھا۔ پھر کھدوا کر جاری کیا۔

آپ کے عہد کا ایک اہم واقعہ کعبہ معظمہ پر لشکر کشی ہے۔ مورخین کا کہنا ہے کہ ابراہیم بن الحارث بن عبدالمطلب نے

بادشاہ تھا۔ اس میں مذہبی تعصب بے حد تھا۔ خانہ کعبہ کی عظمت و حرمت دیکھ کر آتش حسد سے جھڑک اٹھا۔ اور اس کے ذقار کو گھٹانے کے لیے مقام "صنعا" میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا۔ مگر اس کی لوگوں کی نظر میں خانہ کعبہ والی عظمت نہ پیدا ہو سکی تو اس نے کعبہ کو ڈھانے کا فیصلہ کیا۔ اور اسود بن قیس جوشی کی زیر نگرانی ایک عظیم الشان لشکر مکہ کی طرف روانہ کر دیا۔ قریش، کنانہ، خزاعہ اور ہذیل پہلے تو لڑنے کے لیے تیار ہوئے۔ لیکن لشکر کی کثرت دیکھ کر ہمت ہار بیٹھے اور مکہ کی پہاڑیوں میں اہل و عیال سمیت جا چھپے۔ البتہ عبدالمطلب اپنے چند ساتھیوں سمیت خانہ کعبہ کے دروازے میں جا کھڑے ہوئے اور کہا۔ مالک تیرا گھر ہے اور صرف تو ہی بچانے والا ہے۔ اسی دوران میں لشکر کے سردار نے مکہ والوں کے کھیت سے بے بسی دیکھی تھی جن میں عبدالمطلب کے دو سو اونٹ بھی تھے۔ الغرض ابرہہ نے حناط حیمیری کو مکہ والوں کے پاس بھیجا اور کہا کہ تم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارا ارادہ صرف کعبہ ڈھانے کا ہے۔ عبدالمطلب نے پیغام کا یہ جواب دیا کہ میں بھی لڑنے سے کوئی غرض نہیں اور اس کے بعد عبدالمطلب نے ابرہہ سے ملنے کی درخواست کی۔ اس نے اجازت دی یہ داخل دربار ہوئے۔ ابرہہ نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور ان کے ہمراہ تخت سے اتر کر فرش پر بیٹھا۔ عبدالمطلب نے دوران گفتگو میں اپنے اونٹوں کی رہائی اور واپسی کا سوال کیا۔ اس نے کہا تم نے اپنے آبائی مکان کعبہ کے لیے کچھ نہیں کہا۔ انھوں نے جواب دیا: "انارت الابل وللبيت ربنا سيمنعنا" میں اونٹوں کا مالک ہوں اپنے اونٹ مانگتا ہوں جو کعبہ کا مالک ہے اپنے گھر کو خود بچائے گا عبدالمطلب کے اونٹ ان کو مل گئے اور وہ واپس آ گئے۔ اور قریش کو پہاڑیوں پر بھیج کر خود وہیں ٹھہر گئے۔ غرضیکہ ابرہہ عظیم الشان لشکر لے کر خانہ کعبہ کی طرف بڑھا اور جب اس کی دیواریں نظر آنے لگیں تو دھاوا بول دینے کا حکم دے دیا۔ خدا کا کرنا دیکھتے کہ جیسے ہی گستاخ و بیباک لشکر نے قدم بڑھایا مکہ کے غزلی سمت سے خداوند عالم کا ہوائی لشکر "ابابیل" کی صورت میں نمودار ہوا۔ ان پرندوں کی چوچ اور پنجوں میں ایک ایک لنگری تھی۔ انھوں نے یہ لنگریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانا شروع کیں۔ چھوٹی چھوٹی لنگریوں نے بڑی بڑی گولیوں کا کام کر کے سارے لشکر کا کام تمام کر دیا۔ ابرہہ جو محمد و نامی سرخ ہاتھی پر سوار تھا۔ زخمی ہو کر یمن کی طرف بھاگا لیکن راستہ ہی میں

لے صنعا، یمن کا دارالحکومت ہے۔ اسے قدیم زمانے میں انالی بھی کہتے تھے۔ تمام عرب میں سب سے عمدہ اور خوب صورت شہر ہے۔ عدن سے ۲۶۰ میل کے فاصلہ پر ایک زرخیز وادی میں واقع ہے، اس کی آب و ہوا معتدل اور خوشگوار ہے۔ اس کے جنوب مشرق میں تین دن کی مسافت پر شہر قارب ہے جس کو "سبا" بھی کہتے ہیں۔ صنعا کے شمال مغرب میں ۶۰ فرسخ پر "صوہ" ہے یہاں کا چمڑا دور دراز ملکوں میں تجارت کو جاتا ہے۔ صنعا کے مغرب میں حیرة قلام سے ایک منزل کی مسافت پر شہر "زید" واقع ہے جہاں سے تجارت کے واسطے "قومہ" اطراف میں جاتا ہے۔ زید سے ۴۰ منزل اور صنعا سے ۶۰ منزل پر "بیت العقیقہ" واقع ہے۔ زید کے شمال مشرق میں شہر "حجم" ہے صنعا سے ۶۰ منزل کے فاصلہ پر زید کے جنوب میں "قلعہ تعز" ہے۔ صنعا کے شمال میں ۱۰ منزل کی مسافت پر "نجران" ہے۔

واصل جہنم ہوگا۔ یہ واقعہ ۵۷۰ھ کا ہے۔ چونکہ ابراہیم ہاتھی پر سوار تھا اور عرب نے اس سے قبل ہاتھی نہ دیکھا تھا اس لیے کہ بڑے بڑے ہاتھیوں کو چھوٹے چھوٹے بزدلوں کی ہتھی گھنٹیوں سے محکم خدا تباہ کر کے خاک کو گھسایا اس لیے اس واقعہ کو ہاتھی کی طرف منسوب کیا گیا اور اسی سے سنہ عام الفیل کہا گیا۔ ہندی کا خنصاب مجدد ^{المطلب} نے ایجاد کیا ہے۔ ابن ندیم کا کہنا ہے کہ آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط مامون رشید کے کتب خانہ میں موجود تھا علامہ مجلسی اور مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ آپ نے ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی اور مقام حج میں دفن ہوئے۔ میرے نزدیک آپ کا سن وفات ۵۷۸ عیسوی ہے۔

جناب عبداللہ

آپ جناب عبدالطلب کے بیٹے تھے۔ کنیت ابواسمعی۔ آپ کی والدہ کا نام فاطمہ تھا جو عمر بن عاص بن عمر بن مخزوم کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے کنی بھائی تھے۔ جن میں ابوطالب کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ جناب عبداللہ ہی وہ عظیم المرتبت بزرگ ہیں جن کو ہمارے نبی کریم ﷺ کے والد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نہایت متین، سنجیدہ اور شریف طبیعت کے انسان تھے اور نہ صرف جلالِ نسب بلکہ مکارمِ اخلاق کی وجہ سے تمام جوانانِ قریش میں امتیاز کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ مجاسن اعمال اور شمالِ مطبوع میں خرد تھے۔ حرکاتِ موزوں اور لطف و گفتار میں اپنا نظیر رکھتے تھے جناب عبدالطلب آپ کو سب سے زیادہ چاہتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ عبدالطلب نے یہ نذرانی کر کے کہ اگر خدا نے مجھے دس بیٹے دیئے تو میں ان میں سے ایک راہِ خدا میں قربان کروں گا۔ اور اس کی تکمیل میں عبداللہ کو ذبح کرنے چلے لوگوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ آپ قربانی کے لیے قرعہ ڈالیں۔ چنانچہ بار بار عبداللہ کے ذبح پر ہی قرعہ نکلا۔ بار عبدالطلب نے سخت اصرار کے ساتھ انھیں ذبح کرنا چاہا۔ لیکن اونٹوں کی تعداد بڑھا کر قرعہ کے لیے ۱۰۰ تک لے گئے۔ بالآخر تین بار عبداللہ کے مقابلہ میں ۱۰۰ اونٹوں پر قرعہ نکلا۔ اور عبداللہ ذبح سے بچ گئے۔ اس کے بعد آپ کی شادی قبیلہ زہرا میں وہب ابن عبدمناف کی صاحبزادی "آمنہ" سے ہو گئی۔ شادی کے وقت جناب عبداللہ کی عمر تقریباً ۱۸ سال کی تھی۔ آپ نے ۲۸ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ آپ کو سے سلسلہ تجارت دینہ تشریف لے گئے تھے۔ وہیں آپ کا انتقال ہو گیا۔ اور آپ مقام البراء میں دفن کئے گئے۔ آپ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی، جس کا نام "کنت" اور عرف ام ایمن تھا۔

حضرت ابوطالب

آپ حضرت ہاشم کے پوتے، عبدالطلب کے بیٹے اور جناب عبداللہ کے سگے بھائی تھے۔ آپ کا اصلی نام عمران تھا۔ کنیت ابوطالب تھی۔ آپ کی مادرِ گرامی فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں شمس العلماء زہرا رحمہا کا کہنا ہے کہ عبدالطلب کے اولاد ذکر میں سب سے زیادہ باوقار اور عقلمند تھے۔ عبدالطلب کے بعد پیغمبر اسلام کی پرورش آپ نے شروع کی اور تاحیات ان کی نصرت و حمایت کرتے رہے۔ مولوی شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب کا یہ طریقہ تازیت رہا کہ آنحضرت کو اپنے

ساتھ سلاتے تھے۔ اور جہاں جاتے تھے ساتھ لے جاتے تھے۔ کفار قریش اور انصار یہود سے آپ نے آنحضرت کی حفاظت کی اور انھیں کسی قسم کا گزند نہیں پہنچنے دیا۔ مورخ ابن اثیر کا کہنا ہے کہ سفر شام کے موقع پر ایک راہب کی نظر آپ پر پڑی۔ اُس نے ان میں بزرگی کے آثار دیکھے اور ابوطالب سے کہا کہ انھیں جلد واپس وطن لے جاؤ۔ مبادا انھیں یہود قتل کر ڈالیں۔ ابوطالب نے اپنا سارا سامان تجارت فروخت کر کے وطن کی راہ لی۔ مورخ دیار بکری کا کہنا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ انجناب ابوطالب کی تحریک سے جناب خدیجہؓ کا مال برائے فروخت شام کی طرف لے جایا کرتے تھے۔ چند دنوں میں خدیجہؓ نے شادی کی خواہش کی اور نسبت ٹھہر گئی۔ جناب ابوطالب نے آنحضرت کی طرف سے خطبہ نکاح پڑھا۔ ابوطالب کے خطبہ کی ابتداء ان لفظوں سے ہے۔ الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراہیم تمام تعریفیں اُس خدا کے لیے ہیں جس نے ہمیں ذریت ابراہیم میں قرار دیا۔ چار سو دینار شرح پر عقد ہوا۔ عقد نکاح کے بعد فرح ابوطالب فرحاً شدیداً حضرت ابوطالب بست ہی خوش ہوئے۔ علامہ طبری کا بحوالہ امام جعفر صادق علیہ السلام کہنا ہے کہ ابوطالب ایمان کے تحفظ میں اصحاب کف کے مانند تھے شمس العلماء زبیر اسحاق کا کہنا ہے کہ عبدالمطلب اور ابوطالب دین فطرت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھے۔ علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ "ان ابا النبی لم یکن فیہ لمہ مشرک" آنحضرت کے آباؤ اجداد میں ایک شخص بھی مشرک نہیں تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ اے نبی ہم نے تم کو سجدہ کرنے والوں کی پشت میں رکھا۔ ابوطالب کے متعلق شمس العلماء زبیر اسحاق کا کہنا ہے کہ وہ دل سے پیغمبر کو سچا پیغمبر اور اسلام کو خدائی دین سمجھتے تھے۔ شمس العلماء شبلی کا کہنا ہے کہ ابوطالب مرتے وقت بھی کلمہ پڑھ رہے تھے لیکن بخاری کی ایک ایسی مرسل روایت کی بنا پر جس میں مسیب شامل ہے انھیں غیر مسلم کہا جاتا ہے۔ جو قابلِ صحت لائق تسلیم نہیں ہے۔ غرض کہ آپ کے مومن اور مسلمان ہونے پر منصف مورخین کا اتفاق ہے۔ ابوطالب کے دو شعر قابلِ ملاحظہ ہیں۔

و دعوتنی و عملت انک صادقاً و لقد صدقت فلننت قبل امینا

و لقد علمت بان دین محمد من خیر ادیان البریہ دینا

(ترجمہ) اے محمد! تم نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی اور میں غائب جانتا ہوں کہ تم یقیناً سچے ہو کیونکہ تم اس عہد نبوت کے اظہار سے قبل بھی لوگوں کی نظر میں سچے رہے ہو۔ میں اچھی طرح جانے ہوئے ہوں کہ اے محمد! تمہارا دین دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت اسد تھیں جو سلسلہ بعثت میں ایمان لائیں اور سلسلہ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ انتقال فرما گئیں اور خود آپ کا انتقال ۸۵ سال کی عمر میں شوال سنہ بعثت میں ہوا۔ آپ کے انتقال کے سال کو رسول اللہ نے "عام الحزن" سے موسوم کر دیا تھا۔

آپ جناب عبدالمطلب کے بیٹے اور پیغمبر اسلام کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ جناب عتبہؓ | فقیہ تھیں۔ آپ رسول خدا صلعم سے ۲ یا ۳ سال بڑے تھے۔ آپ کا قد طویل

اور بدلی خوب صورت تھا۔ آپ ہجرت سے قبل اسلام لائے تھے۔ آپ بڑے صاحب الرائے تھے۔ آپ نے فتح مکہ اور غزوہ حنین میں شرکت کی تھی۔ آپ کے دس بیٹے اور کئی بیٹیاں تھیں۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ نے ۸۸ سال کی عمر میں بتاریخ ۱۲ رجب ۳۲ھ بمقام مدینہ منورہ انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں دفن کئے گئے۔ آپ کا قبور کھودا گیا ہے لیکن نشان قبر اب بھی باقی ہے۔ یونان نے ان کے مرقع کو چھین لیا ہے۔

جناب حمزہ | آپ جناب عبدالمطلب کے صاحبزادے اور آنحضرت صلعم کے چچا تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب تھا جو کہ جناب آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ آپ نے بعثت کے

پچھٹے سال اسلام قبول کیا تھا۔ آپ نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی اور بڑے کارہائے نمایاں کئے تھے۔ آپ جنگ اُحُد میں بھی شریک ہوئے اور زبردست نبرد آزمائی کی۔ ۳۱ کافروں کو قتل کرنے کے بعد آپ کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گر پڑے جس کی وجہ سے پشت سے زہ ہٹ گئی اور موقع پاکر ایک وحشی نامی وحشی نے تیر مار دیا اور آپ اسی دن بلکہ اسی وقت بتاریخ ۵ شوال ۳ھ شہید ہو گئے۔ کافروں نے آپ کو مشکہ کر ڈالا اور امیر معاویہ کی ماں ہندہ نے آپ کا جگر نکال کر چبا ڈالا۔ اسی لیے امیر معاویہ کو "ابن اکثمہ الاکباد" کہتے ہیں۔ آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی۔ نماز جنازہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔

تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ سلسلہ میں جب امیر معاویہ نے نہر کھدوائی تو شہدار احد کی قبریں کھد گئیں اور اسی سلسلہ میں ایک تیشہ جناب حمزہ کے پیر پر لگا جس سے خون تازہ جاری ہو گیا تھا۔

حضرت ابوطالب کے بیٹے | ابن قتیبہ کا کننا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹے تھے، ابوطالب (۲) عقیل (۳) جعفر (۴) حضرت علی ان میں چھٹائی بڑائی دس سال

کی تھی۔ دیار بکری کا کننا ہے کہ دو بیٹیاں تھیں۔ ام ہانی اور حمانہ۔ طالب نے جنگ بدر میں مسلمانوں سے نہ لڑنے کے لیے اپنے کو سمندر میں گرا کر ڈوبا دیا۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ عقیل آپ ۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو زید تھی حدیبیہ کے موقع پر اسلام ظاہر کیا۔ اور ۳۰ھ میں مدینہ آگئے۔ آپ نے جنگ موتہ میں بھی شرکت کی تھی۔ آپ زبردست نساب تھے۔ آپ نے ادائے قرض کے لیے معاویہ سے ملاقات کی تھی اور بروایت ابن قتیبہ بین لاکھ اشرفیاں حاصل کر لی تھیں۔ آپ بڑے حاضر جواب تھے۔ آخری عمر میں آپ پناہ ہو گئے تھے۔ آپ نے ۹۶ سال کی عمر میں ۳۰ھ مطابق ۶۷ھ انتقال کیا۔ جعفر آپ صورت و سیرت میں رسول اللہ سے بہت مشابہ تھے۔ آپ نے شروع ہی میں ایمان ظاہر کیا تھا۔ آپ نے ہجرت جیشہ اور ہجرت مدینہ دونوں میں شرکت کی تھی۔ آپ کو جمادی الاول ۳۰ھ میں جنگ موتہ کے لیے بھیجا گیا۔ آپ نے علم لے کر زبردست جنگ کی۔ آپ کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ علم دانتوں سے پھیلا بلا آخر شہید ہو گئے۔ آپ کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انھیں ان کے ہاتھوں کے عوض خدا نے جنت میں دو زمر دین پر عطا فرمائے ہیں اور آپ فرشتوں کے ساتھ اڑا کرتے ہیں۔ آپ کے شہید ہونے ہی پیغمبر اسلام اور فاطمہ زہرا سلاما

بنت عیسیٰ کے پاس ادا کے تعزیت کے لیے گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ جعفر کے گھر کھانا بھجیو۔ آپ نے ۴۱ سال کی عمر میں شہادت پائی۔ آپ کے جسم پر نوے زخم تھے۔ آپ نے اٹھ بیس چھوڑے جن کی ماں اسمائت بنت عیسیٰ تھیں۔ جن میں عبد اللہ بن جعفر اور محمد بن جعفر زیادہ نمایاں تھے۔ یہی عبد اللہ حضرت زینب کے اور محمد حضرت اُمّ کلثوم بنت فاطمہ کے شوہر تھے، ہم حضرت علیؑ آپ کا ذکر آئندہ کیا جائے گا۔

البلاغ المبین

حصہ اول مع حصہ سوم

مصنف :- آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ڈسٹرکٹ و سیشن جج ریٹائرڈ

اہل حق کے لیے یہ اطلاع باعث مسرت ہوگی کہ کتاب "البلاغ المبین" حصہ اول مع حصہ سوم بعد نولف ممدوح کی نظر ثانی اور مفید اضافات کے طبع ہو گئی ہے۔ کئی جگہ سے تقریباً از سر نو لکھی گئی ہے۔ چنانچہ باب ششم کا بہت بڑا حصہ از سر نو لکھا ہے۔ چونکہ اس طویل عرصہ میں تمام قوم اس کتاب سے بہت اچھی طرح واقف ہو گئی ہے۔ لہذا مزید تفصیل بے فائدہ ہے۔ کتاب کے حجم اور کاغذ کی گرانی کو دیکھتے ہوئے اس کی بہت کم جلدیں طبع ہوئی ہیں۔ لہذا اگر فوراً ہی آرڈر روانہ کیا گیا تو پھر انتظار کی مدت سب طویل ہو جائے گی۔

حجم ۸۸ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔

بدیہ قسم دوم اخباری کاغذ مجلد

بدیہ قسم اول سفید کاغذ مجلد

البلاغ المبین

حصہ دوم

مصنف :- آغا محمد سلطان مرزا ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ڈسٹرکٹ و سیشن جج ریٹائرڈ

حجم ۶۰ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ۔

بدیہ قسم اول سفید کاغذ مجلد

ملنے کا پتہ :- امامیہ کتب خانہ۔ مغل جوہلی۔ اندرون موچی دروازہ لاہور۔



پیغمبر اسلام
ابو اسلم

حقیقت
مصطفیٰ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

دو ٹکڑے اک اشک سے جس کے قریب ہوا جس در پہ جھک گئی ہے جہیں آفتاب کی
تفسیر اس کی زلف ہے والیس کی ندا کیا شان ہے جناب رسالت مآب کی

(تذکرہ گلشنی و پشاور)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب ۱

خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اے نور کے پتلے تجھے کیا خاک سے نسبت
احسان ترا ہے جو زمیں پر رُتر آیا

خلاق عالم نے اپنے بندوں کی رہبری اور رہنمائی کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہادی بھیجے جن میں ۳۱۳ رسول، باقی نبی تھے، رسولوں میں ۵ اولوالعزم تھے، ان انبیاء و رسل پر ایمان ضروری ہے۔ انہیں مخصوص منصوص عالم لہنی اور افضل کائنات قرار دیا گیا تھا، یہ نہ صرف لطن مادر بلکہ بد و فطرت میں ہی نبی بنائے گئے تھے۔ انہیں انبیاء و رسل میں ہمارے نبی و رسول ابوالقاسم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تھے، جنہیں خلاق عالم نے اپنے نور عظمت و جلال سے پیدا کیا تھا، وہ نوری تھے، ان کے جسم کا سایہ نہ تھا۔

خلاق کائنات نے ان کی نبوت و رسالت کو دوام وے کر اس سلسلہ کو ختم کر دیا لیکن چونکہ سلسلہ تخلیق کا جاری رہنا مسلم تھا اور ضرورت تبلیغ کی بقا لازمی تھی۔ لہذا اس وانا و مینا خدا نے اپنے ازل فیصلے کے مطابق باب نبوت بند کر کے امامت کا لابدی دروازہ کھول دیا اور بارہ اماموں کے ان اسماء کی بزبان رسول وضاحت کرا دی جو "لوح محفوظ" میں لکھے ہوئے تھے۔

یہ نوری مخلوق بھی سائے سے بے نیاز تھی، اسے بھی خدا نے معصوم، منصوص، عالم علم لہنی اور افضل کائنات قرار دیا ہے۔ یہ حجت خدا بھی ہے اور امام زمانہ بھی، اسے خدا نے اسلام کی حفاظت، دین کی صیانت، کائنات کی امامت اور رسول خدا کی خلافت کی ذمہ داری سونپی ہے اور اس سلسلہ کو قیامت تک کے لیے قائم کر دیا ہے۔

آپ کے نور وجود کی خلقت، بروایتی حضرت آدم کی تخلیق سے ۹ لاکھ برس پہلے اور بروایتی ۵۵ لاکھ سال قبل ہوئی تھی،

آنحضرت کی ولادت باسعادت

آپ کا نور اقدس، اصحاب طاہرہ اور ارحام مطہرہ میں ہوتا ہوا جب صلب جناب عبداللہ بن عبدالمطلب تک پہنچا تو آپ کا ظہور و شہود بشکل انسان لطن جناب "آمنہ بنت وہب" سے کہ معظمہ میں ہوا۔

آنحضرت کی ولادت کے وقت حیرت انگیز واقعات کا ظہور

آپ کی ولادت سے متعلق بہت سے ایسے امور رونما ہوئے جو حیرت انگیز ہیں۔ مثلاً آپ کی والدہ ماجدہ کو بارجل محسوس نہیں ہوا اور وہ تولید کے وقت کٹافتوں

سے پاک تھیں، آپ منٹوں اور نواف بریدہ تھے۔ آپ کے ظہور فرماتے ہی آپ کے جسم سے ایک ایسا نور ساطع ہوا جس سے ساری دنیا روشن ہو گئی، آپ نے پیدا ہوتے ہی دونوں ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر سجدہ خالق ادا کیا۔ پھر آسمان کی طرف سر بلند کر کے تکبیر کہی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّا نَسُودُ لَكَ رَبِّانِ** پر جاری کیا۔ بروایت ابن واضح المتوفی ۲۹۲ھ حج شیطاں کو رجم کیا گیا۔ اور اس کا آسمان پر جانا بند ہو گیا، ستارے تسلسل ٹوٹنے لگے۔ تمام دنیا میں ایسا زلزلہ آیا کہ تمام دنیا کے کتبے اور دیگر غیر اللہ کی عبادت کرنے کے مقامات منہدم ہو گئے، جاؤ اور کہانت کے ماہر اپنی عقلیں کھو بیٹھے۔ اور ان کے مولک مجوس ہو گئے۔ ایسے ستارے آسمان پر نکل آئے جنہیں کبھی کسی نے دیکھا نہ تھا۔ ساوہ کی وہ جھیل جس کی پرستش کی جاتی تھی جو کاشان میں ہے وہ خشک ہو گئی۔ وادی سماوہ جو شام میں ہے اور ہزار سال سے خشک پڑی تھی اس میں پانی جاری ہو گیا، وجہ میں اس قدر طغیانی ہوئی کہ اس کا پانی تمام علاقوں میں پھیل گیا۔ محل کسریٰ میں پانی بھر گیا اور ایسا زلزلہ آیا کہ ایران کسریٰ کے ۱۳ کنگرے زمین پر گر پڑے اور طاق کسریٰ شگافتہ ہو گیا، اور فارس کی وہ آگ جو ایک ہزار سال سے مسلسل روشن تھی، فوراً بجھ گئی۔ (تاریخ اشاعت اسلام) دہندی ۷۱۸ھ مطبعہ امسی رات کو فارس کے عظیم عالم نے جسے (موبدان موبد) کہتے تھے، خواب میں دیکھا کہ تند و کوش اور وحشی اونٹ، عربی گھوڑوں کو کھینچ رہے ہیں اور انہیں بلاد فارس میں متفرق کرتے ہیں، اس نے اس خواب کا بادشاہ سے ذکر کیا۔ بادشاہ نوشیرواں کسریٰ نے ایک قاصد کے ذریعے سے اپنے حیرہ کے گورنر نغان بن منذر کو کلا بھیجا کہ ہمارے عالم نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا ہے تو کسی ایسے عقلمند اور ہوشیار شخص کو میرے پاس بھیج دے جو اس کی اطمینان بخش تعبیر دے کر مجھے مطمئن کر سکے۔ نغان بن منذر نے عبدالمسیح بن عمر الغسانی کو جو کہ بہت لائق تھا بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔ نوشیرواں نے عبدالمسیح سے تمام واقعات بیان کئے اور اس سے تعبیر کی خواہش کی۔ اس نے بڑے غور و غوض کے بعد عرض کی۔ "کہاے بادشاہ، شام میں میرا مول "سطح کاہن" رہتا ہے وہ اس فن کا بہت بڑا عالم ہے۔ وہ صحیح جواب دے سکتا ہے اور اس خواب

لے سطح، ایک عجیب الخلق انسان تھا، اس کے جسم میں مفاصل یعنی جوڑ بند نہ تھے۔ وہ اٹھ بیٹھ نہیں سکتا تھا۔ گھٹنے کے وقت اٹھ بیٹھتا تھا۔ اس کے بدن میں کھوڑی کے سوا کوئی ہڈی نہ تھی۔ اس کے سر و گردن نہ تھے۔ اور منہ سینہ میں تھا۔ وہ "سائیز" میں رہتا تھا۔ جب اسے کہیں لے جانا ہوتا تھا تو اسے گھڑی کی طرح بازو دیتے تھے۔ جب اس سے کچھ پوچھنا قصور ہوتا تھا تو اسے خوب جھنجھوڑتے تھے۔ پھر وہ اذہا جو کہ غیب کی باتیں بتاتا تھا۔ دونوں فرقوں کے علماء کا بیان ہے کہ وہ کاہن تھا

کی تعبیر بتا سکتا ہے۔ نوشیرواں نے عبدالمسیح کو حکم دیا کہ فوراً شام چلا جائے۔ چنانچہ وہ روانہ ہو کر دمشق پہنچا اور بروایت ابن واضح "باب جاہلیہ" میں اس سے اس وقت ملا جبکہ وہ عالم احتضار میں تھا، عبدالمسیح نے کان میں چیخ کر اپنا دمعا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ایک عظیم مستی دنیا میں آچکی ہے۔ جب نوشیرواں کی تسلی کے ۱۴ مرد و نزن حکمران ننگروں کے عدد کے مطابق حکومت کر چکیں گے تو یہ ملک اس خاندان سے نکل جائے گا۔ ثند "فاختت نفسہ"۔ یہ کہہ کر وہ مر گیا۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۵۶، سیرت علیہ ج ۱ ص ۸۲، حیات القلوب ج ۲ ص ۲۲۱ یعقوبی ص ۹)۔

آپ کی تاریخ ولادت
 آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض مسلمان ۲ ربیع الاول
 بعض ۶ بعض ۹ اور بعض ۱۲ بتاتے ہیں لیکن جمہور علماء اہل تشیع اور بعض
 علماء اہل تسنن ۷ ربیع الاول سلسلہ عام الغیل مطابق ۵۷۰ء کو صحیح سمجھتے ہیں۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ حیات القلوب
 ج ۲ ص ۲۲۱ میں تحریر فرماتے ہیں کہ علماء امامیہ کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ آپ ۷ ربیع الاول سلسلہ عام الغیل
 یوم جمعہ بوقت شب یا بوقت صبح صادق "شعب ابی طالب" میں پیدا ہوئے ہیں۔ اس وقت نوشیرواں کسری
 کی حکومت کا بیالیسواں سال تھا۔

آپ کی پرورش و پرورش و پرورش
اور آپ کا پچھنا
 مؤرخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ بروایت آپ کے پیدا ہونے سے
 پہلے اور بروایت آپ دو ماہ کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ آپ
 کے والد "عبد اللہ" کا انتقال بمقام مدینہ ہو گیا کیونکہ وہاں تجارت
 کے لیے گئے تھے۔ انھوں نے سوائے پانچ اونٹ اور چند بھڑوں اور ایک جیشی کینز بزرگ (ام ایمن) کے
 اور کچھ ورش میں نہ چھوڑا۔ حضرت آمنہ کو حضرت عبد اللہ کی وفات کا اتنا صدمہ ہوا کہ دو دوہن خشک ہو گیا۔
 چونکہ مکہ کی آب و ہوا بچوں کے واسطے چنداں موافق نہ تھی۔ اس واسطے نوح کی بد و عورتوں میں سے دو دوہلانے
 اور کمانت کے معنی غیب کی خبر دینے کے ہیں۔ بروایت سفینۃ البحار اس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور
 حضرت علی کی خلافت اور حضرت ہمدی کی غیبت کی بھی خبر دی تھی۔ اس کی عمر بروایت روضۃ الاحباب ۶ سو برس اور بروایت
 حیات القلوب ۹ سو برس کی تھی۔

ان دونوں علماء کے بیان میں فرق اس لیے ہے کہ اس کی ولادت بندہ عمر کے ٹوٹنے کے وقت ہوئی تھی اور بندہ عمر کے
 ٹوٹنے کو بعض مؤرخین سابقین نے حضرت یسح سے ۳۰۲ برس پہلے اور بعض نے پہلی صدی مسیح کے آغاز میں لکھا ہے
 مجمع البحرین میں ہے کہ کاہن کے معنی ساحر کے ہیں یعنی کاخیال ہے کہ کاہن کے جن تالاج ہوتے تھے بعض کاخیال ہے
 کہ کہانت ایک علم ہے جو حساب سے تعلق رکھتا ہے یعنی کاخیال ہے کہ شیطان جب آسمان پر جاتا تھا تو وہاں سے خبری لاتا
 تھا۔ اور شیطان انفراد کو بتاتا تھا۔ دنیا میں دو بڑے کاہن گزرے ہیں۔ ایک شوق دوسرا سبط، رسول کریم کی ولادت کے بعد
 نبی کمانت ختم ہو گیا تھا۔

کے واسطے تلاش کی گئی۔ آتا کے دستیاب ہونے تک ابوالسب کی کثیرک، ثوربہ نے آنحضرت کو تین چار مہینے تک دودھ پلایا۔ اقوام بڑوں کی عادت تھی کہ سال میں دو مرتبہ موسم بہار اور موسم خزاں میں دودھ پلانے اور بچے پلانے کی نوکری کی تلاش میں آیا کرتی تھیں۔ آخر حلیمہ سعیدہ کے نصیب نے زور کیا۔ اور وہ آپ کو اپنے گھر لے گئیں اور آپ حلیمہ کے پاس پرورش پانے لگے۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۲۱۰ تاریخ ابوالفوارج ص ۲۱۰)۔
مجھے اس تحریر کے اس مجرہ سے کہ رسول خدا کو ثوربہ اور حلیمہ نے دودھ پلایا، اتفاق نہیں ہے۔
توضیح کا بیان ہے کہ آپ میں نوکری قوت اپنے سن کے اعتبار سے بہت زیادہ تھی جب تین ماہ کے ہوئے تو کھڑے ہونے لگے۔ اور جب سات ماہ کے ہوئے تو چلنے لگے، آنکھوں میں مینے اچھی طرح بولنے لگے۔ یوں مہینے

۱۔ اگرچہ ثوربہ با تمام توضیح نے ثوربہ اور حلیمہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت رسول کریم کو دودھ پلایا تھا اور تھوڑے دنوں میں بلا کافی عرصہ تک پلایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ دنیا کی کسی تاریخ میں یہ نہیں ہے کہ کسی نبی کو اس کی ماں کے علاوہ کسی اور نے دودھ پلایا ہو۔ حضرت فرج سے حضرت عیسیٰ اسک کے حالات دیکھ جا سکتے ہیں۔ کوئی ایک مثال بھی ایسی نہ ملے گی جس سے رسول خدا کو حلیمہ وغیرہ کے دودھ پلانے کی تائید ہوتی ہو، اور ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ جیسے قدرت کو اس امر پر اصرار شدید تھا کہ وہ اپنے نبی کو اس کی ماں ہی کا دودھ پلاوے۔ مثال کے لیے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا واقعہ دیکھ لیجئے اور اعجازہ لگائیے کہ کن ناسازگار حالات و واقعات میں ان کی ماؤں کو دودھ پلانے کے لیے ان تک پہنچایا گیا اور جب ایسا دیکھا کہ ماں کے پینچنے میں دیر ہو رہی ہے تو خود اسی بچے کے انگوٹھے سے دودھ پیدا کر دیا، جیسا کہ حضرت ابراہیم کے لیے ہوا۔ مطلب یہ تھا کہ اگر بچے کو ماں کا دودھ دستیاب نہ ہو سکے تو کسی دوسرے طریقے سے شکم سیری ہو جائے۔ دین حالات میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے طریقے اور اصول سے بہت کر رسول کریمؐ کو ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت کے دودھ پلانے کو کیونکر تسلیم کر لیا جائے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ یہ تسلیم شدہ ہو "لحمۃ الرضاع حکمتہ النسب" دودھ سے جو گوشت پیدا ہوتا ہے وہ نسب کے گوشت و پوست کے مانند ہوتا ہے۔ "وینحرم من الرضاع ما یحرم من النسب" اور دودھ پینے سے وہ رشتہ ناجائز ہو جاتا ہے جو نسب سے ناجائز ہوتا ہے۔ (مفردات امام رابع اصفہانی ص ۱۱۰) اور پھر ایسی صورت میں جب کہ ماں موجود تھیں اور عذر رضاعت کے بعد تک زرعہ رہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کو جناب آمنہؑ نے دودھ پلایا تھا اور ثوربہ و حلیمہ نے ان کی پرورش و پرورش کی تھی۔

میرے اس نظریے کو اس سے اور تقویت پہنچتی ہے کہ خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کے لیے ارشاد فرماتا ہے کہ "سحرنا علیہ المرابع من قبل" ہم نے دودھ پلانے جانے کے سوال سے پہلے ہی تمام دایوں کے دودھ کو موسیٰ کے لیے حرام کر دیا تھا۔ (پٹ - رکوع ۴)۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ خداوند عالم حضرت موسیٰؑ کو ماں کے علاوہ کسی کے بھی دودھ پینے سے بچانے کا اتنا اہتمام کرے اور پھر موسیٰؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ ایسی عورتیں انھیں دودھ پلائیں جن کا اسلام بھی واضح نہیں ہے ۱۲ منہ۔

اس فصاحت سے کلام کرنے لگے کہ سنیے والوں کو حیرت ہوتی تھی۔

آپ کی سایہ مادری سے محرومی

آپ کی عمر جب چھ سال کی ہوئی تو سایہ مادری سے محروم ہو گئے۔ آپ کی والدہ جناب آمنہ بنت وہب حضرت

عبداللہ کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئی تھیں۔ وہاں انھوں نے ایک ماہ قیام کیا، جب واپس آنے لگیں تو بمقام البواہر (جو کہ مدینہ سے ۲۲ میل دور مکہ کی جانب واقع ہے) انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ کی خاموش مہم امین، آپ کو لے کر مکہ آئیں۔ (روضۃ الاحیاء ص ۶۷)۔

جب آپ کی عمر ۸ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا "عبدالمطلب" کا ۲۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے بڑے چچا جناب ابوطالب اور آپ کی چچی جناب فاطمہ بنت اسد نے فراتھن تربیت اپنے اوپر عائد کئے۔ اور اس شان سے تربیت کی کہ دنیا نے آپ کی مدد دی اور خلوص کا لہا مان لیا۔ عبدالمطلب کے بعد ابوطالب بھی شانہ کبیر کے محافظ اور متولی اور سردار قریش تھے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ کوئی غریب اس شان کا سردار نہیں ہوا جس شان و شوکت کی سرداری میرے پدر محترم کو خدائے دی تھی۔ (البیہقوی ج ۲ ص ۷۷)۔

حضرت ابوطالب کو حضرت عبدالمطلب کی وصیت و ہدایت

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کا وقت وفات قریب پہنچا تو انھوں نے اس شخصیت کو اپنے سینے سے لگایا اور سخت گریہ کیا اور اپنے فرزند ابوطالب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ "اے ابوطالب یہ تیرے حقیقی بھائی کا بیٹا ہے اس دریا گناہ کی حفاظت کرنا، اسے اپنا نور نظر اور نعت جگر سمجھنا، اس کے فقہ و خبر گیری میں کوتاہی نہ کرنا اور دست و زبان اور جان و مال سے اس کی اعانت کرتے رہنا" (روضۃ الاحیاء)۔

حضرت ابوطالب کے تجارتی سفر شام میں آنحضرت کی ہمراہی اور بحیرہ راسب کا واقعہ

حضرت ابوطالب جو تجارتی سفر میں اکثر جایا کرتے تھے جب ایک دن روانہ ہونے لگے، تو آنحضرت کو جن کی عمر اس وقت

بروایت طبری وابن اثیر ۹ سال اور بروایت ابوالفداء وابن خلدون ۱۳ سال کی تھی، اپنے بال بچوں میں چھوڑ دیا۔ اور چاہا کہ روانہ ہو جائیں۔ یہ دیکھ کر آنحضرت نے اصرار کیا کہ مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلئے آپ نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ میرا بھتیجہ تمہیں سے انہیں اپنے ہمراہ لے لیا۔ اور چلتے چلتے جب شہر بصرہ کے قریب اکثر پہنچے جو کہ شام کی سرحد پر ۶ میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو اس وقت بہت بڑی منڈی تھی اور وہاں نسٹوری عیسائی رہتے تھے۔ وہاں ان کے ایک نسٹوری راہبوں کے معبد کے پاس قیام کیا۔ راہبوں نے آنحضرت اور ابوطالب کی بڑی خاطر داری کی۔ پھر ان میں سے ایک نے جس کا نام جبرئیل در کفیت

”ابوعداس“ اور لقب ”بجیرا رب“ تھا۔ آپ کے چہرہ مبارک سے آثار عظمت و جلال اور اعلیٰ درجے کے کمالات عقلی اور محامد اخلاق نمایاں دیکھ کر اور ان صفات سے موصوف پاکر جو اس نے تواریخ اور انجیل اور دیگر کتب سماویہ میں پڑھی تھیں، پہچان لیا کہ یہی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ابھی اس نے اظہار خیال نہ کیا تھا کہ ناگاہ کہ اب کو سایہ فلکینی کرتے ہوئے دیکھا، پھر شانہ کھلو کر ہر نبوت پر نگاہ کی، اس کے بعد فوراً ہر نبوت کا بوسہ لیا اور نبوت کی تصدیق کر کے ابوطالب سے کہا کہ اس فرزندِ ارجمند کا دین تمام عرب و عجم میں پھیلے گا اور یہ دنیا کے بہت سے حصے کا مالک بن جائے گا۔ یہ اپنے ملک کو آزاد کرانے کا اور اپنے اہل وطن کو نجات دلانے کا۔ اے ابوطالب اس کی بڑی حفاظت کرنا اور اس کو اعداء کے شر سے بچانے کی پوری کوشش کرنا، دیکھو کہ میں ایسا نہ ہو کر یہودیوں کے ہاتھ لگ جائے۔ پھر اس نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ تم شام نہ جاؤ اور اپنا مال ہمیں فروخت کر کے مکہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ ابوطالب نے اپنا مال بائز کالہ وہ حضرت کی برکت سے آسما فانا بہت زیادہ نفع پر فروخت ہو گیا اور حضرت ابوطالب واپس مکہ چلے گئے۔ (روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۱۷۱ تنقید الکلام ص ۲۳) تفریح الاذکار وغیرہ۔

آنحضرت کا مکہ کو رومیوں کے اقتدار سے بچانا

تھا کہ آپ نے مکہ معظمہ کو اس خفیہ سازش سے بچایا جو اس کی آزادی کو مٹانے کے لیے کی گئی تھی جس میں عثمان بن حریث کو بڑا دخل تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کے دریا قیصری میں جا کر دین مسیحی قبول کر لیا تھا اور قیصر روم سے مال و زر لے کر حجاز واپس آیا تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ مکہ پر یونانیوں کا اقتدار قائم کرادے۔ وہ خفیہ سعی کر رہا تھا۔ لیکن راز فاش ہو گیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت نے اس کا مقصد اپنے ذرائع سے معلوم کر لیا تھا۔ بالآخر وہ ان کی حسن سعی سے ناکام میاب ہو گیا۔

اہل فرنگ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اپنے مولد و مسکن کو قسطنطنیہ کے قیصر روم کے دستِ اقتدار سے بچا کر مسلمانوں پر عظیم احسان کیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ابدی شکرگزاری کے مستحق ہیں۔ (تنقید الکلام ص ۲۳) یہی کچھ مورخ ابن خلدون نے بھی تحریر کیا ہے۔

خانہ کعبہ میں حجرا سود کو نصب کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی

تواریخ کا بیان ہے کہ بعثت پیغمبر سے قبل قریش نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو منہدم کر کے از سر نو اس کی تعمیر کی جائے اور اسے بلند کر دیا جائے چنانچہ اسے گرا کر اس کی تعمیر شروع کر دی گئی۔ پھر جب عمارت حجرا سود کے نصب کرنے کی جگہ تک پہنچی اور اس کے نصب کرنے کا سوال پیدا ہوا تو قریش میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا۔ ہر قبیلہ کا سربراہ یہ چاہتا تھا کہ اس شرف کو وہ حاصل کرے۔ بالآخر کافی جدوجہد اور بحث و تمحیص کے بعد یہ طے پایا کہ کل جو سب سے پہلے

داخل حرم ہوا سے حکم بنا کر اس جھگڑے کو ختم کیا جائے اور وہ نصب حجر کے بارے میں جو فیصلہ دے دے
اُس کی پابندی ہر ایک کو کرنا ہوگی۔

غرضیکہ جب صبح ہوئی تو حضرت رسول کریمؐ سب سے پہلے داخل حرم ہوئے۔ بنا بریں انھیں کو حکم
بنا دیا گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک مضبوط چادر لائی جائے اور اُس میں حجرِ اسود کو رکھا جائے اور اُس کے
گوشوں کو ہر قبیلہ کا سردار پکڑ کر اُسے اٹھائے اور مقامِ حجر تک لائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

پھر جب حجرِ اسود قریب بیت اللہ آ گیا تو حضرت محمد مصطفیٰؐ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھوں
سے اٹھا کر اسے نصب کر دیا۔ حضورؐ کی اس حکمتِ عملی سے فتنہ عظیم کا سدِ باب ہو گیا۔ (تاریخ ابوالفدا ج ۲
ص ۲۶ و المعقبول ج ۲ ص ۱۳۰)۔

جب آپؐ کی عمر ۲۵ سال کی ہوئی اور آپؐ کے حسن سیرت، آپؐ
کی راستبازی، صدق اور دیانت کی عام شہرت ہو گئی اور آپؐ
کو صادق و امین کا خطاب دیا جا چکا۔ تو جناب خدیجہ بنت خویلدہ

جناب خدیجہؓ کے ساتھ
آپؐ کی شادی خانہ آبادی

نے جو انتہائی پاکیزہ نفس، خوش اخلاق اور خاندانِ قریش میں سب سے زیادہ دولت مند تھیں۔ ایسے
حال میں اپنی شادی کا پیغام پہنچایا جب کہ اُن کی عمر چالیس سال کی تھی۔ پیغام عقد منظور ہوا، اور حضرت
ابوطالبؓ نے نکاح پڑھا۔ (تخصیص سیرت النبیؐ علامہ شبلی ص ۹۹ طبع لاہور ۱۹۶۵ء)۔ مورخ ابنِ واضح
المتوفی ۲۹۶ھ کا بیان ہے کہ حضرت ابوطالبؓ نے جو خطبہ نکاح پڑھا تھا اُس کی ابتدا اس طرح تھی:۔

الحمد لله الذي جعلنا من نزرع ابراهيم وذريته اسمعيل الخ تمام تعریفیں اُس خدائے واحد
کے لیے ہیں جس نے ہمیں نسلِ ابراہیم اور ذریتِ اسمعیل سے قرار دیا ہے۔ (المعقبول ج ۲ ص ۱۶ طبع نجف شریف
مونیخ کا بیان ہے کہ حضرت خدیجہؓ کا مہر بارہ اونس سونا اور ۲۵ اونٹ مقرر ہوا جسے حضرت

ابوطالبؓ نے اسی وقت ادا کر دیا۔ (مسلمانانِ عالم ص ۳۸ طبع لاہور) تواریخ میں ہے کہ جناب خدیجہؓ کی
طرف سے عقد پڑھنے والے اُن کے چچا عمرو بن اسد اور حضرت رسولؐ خدا کی طرف سے جناب ابوطالبؓ
تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۸۷ طبع لاہور ۱۹۶۶ء)

ایک روایت میں ہے کہ شادی کے وقت جناب خدیجہؓ باکرہ تھیں۔ یہ واقعہ نکاح ۵۹۵ھ کا ہے۔
مناقب ابنِ شہر آشوب میں ہے کہ رسولؐ خدا کے ساتھ خدیجہؓ کا یہ پہلا عقد تھا۔ سیرت ابنِ ہشام ج ۱ ص ۱۱۹
میں ہے کہ جب تک خدیجہؓ زندہ رہیں رسولؐ کریمؐ نے کوئی عقد نہیں کیا

تواریخ میں ہے کہ آپؐ نے ۳۸ سال کی عمر میں
کوہِ حرا میں آنحضرتؐ کی عبادت گزاری
کوہِ حرا "جسے جبلِ ثور بھی کہتے ہیں کو اپنی

عبادت گزاری کی منزل قرار دیا اور اس کے ایک غار میں بیٹھ کر جس کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی ڈیڑھ ہاتھ تھی عبادت کرتے اور خانہ کعبہ کو دیکھ کر لذت محسوس کرتے تھے۔ یوں تو دو دو، چار چار شبانہ روز وہاں رہا کرتے تھے۔ لیکن ماہ رمضان سارے کا سارا وہیں گزارتے تھے۔

آپ کی بعثت

تورخین کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی عالم تنہائی میں مشغول عبادت تھے کہ آپ کے کانوں میں آواز آئی "یا محمد" آپ نے ادھر ادھر دیکھا کوئی دکھائی نہ دیا۔ پھر آواز آئی، پھر آپ نے ادھر ادھر دیکھا۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک نورانی مخلوق پر پڑی وہ جناب جبریلؑ تھے۔ انھوں نے کہا کہ "اقراء" پڑھو، حضورؐ نے ارشاد فرمایا "ما اقراء" کیا پڑھوں انھوں نے عرض کی "اقراء باسم ربك الذي خلق" پھر آپ نے سب کچھ پڑھ دیا۔ کیونکہ آپ کو علم قرآن پہلے سے حاصل تھا۔ جبریلؑ کے اس تحریک اقرار کا مقصد یہ تھا کہ نزول قرآن کی ابتدا ہو جائے۔ اُس وقت آپ کی عمر چالیس سال ایک یوم کی تھی۔ اس کے بعد جبریلؑ نے وضو اور نماز کی طرف اشارہ کیا اور اس کی تعلیم کی طرف بھی حضورؐ کو متوجہ کیا۔ چنانچہ حضورؐ والائے وضو کیا اور نماز پڑھی۔ آپ نے سب سے پہلے جو نماز پڑھی وہ ظہر کی تھی۔ پھر حضرت وہاں سے اپنے گھر تشریف لائے۔ اور خدیجہ الکبریٰ اور علی بن ابی طالب سے واقعہ بیان فرمایا۔ ان دونوں نے اظہار ایمان کیا اور نماز عصر ان دونوں نے جماعت ادا کی۔ یہ اسلام کی پہلی نماز جماعت تھی۔ جس میں رسول کریمؐ امام اور خدیجہ اور علیؑ ماموم تھے۔

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب کے سابق الاسلام ہونے کے متعلق اتنے کثیر روایات و شواہد موجود ہیں کہ اگر انھیں جمع کیا جائے تو ایک کتاب بن سکتی ہے۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس کی تصدیق فرمائی ہے چنانچہ انور قاضی نے البیہقہ ص ۱۰۱ امام احمد نے حضرت عمرؓ سے حاکم نے معاذ سے، عقیلی نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمایا ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے علیؑ ہیں۔ حضرت علیؑ خود ارشاد فرماتے ہیں۔

سبقتکم الی الاسلام طرا غلاماً ما بلغت اوان حللی

میں نے تم سب سے پہلے اسلام کی طرف بڑھ کر اس کا غیر مقدم کیا ہے۔ یہ واقعہ ہے اس وقت کا جبکہ میں بالغ بھی نہ ہوا تھا۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی، تقریب التہذیب طبع دہلی کے ص ۳۳ پر چند اقوال کھنکھنے کے بعد لکھتے ہیں "المرح انہ اول من اسلم" تریح اسی کو ہے کہ آپ نے سب سے پہلے اسلام ظاہر کیا۔ علامہ عبدالرحمن ابن خلدون بصراحت لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد حضرت علیؑ ابن ابی طالب ایمان لائے (تاریخ ابن خلدون ۲۹۵ طبع لاہور) مؤرخ ابوالفداء لکھتے ہیں کہ واضح ہو کہ جناب خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اقول ایمان لانے میں اور سلمان ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ مگر اختلاف ان کے بعد میں ہے کہ نبیؐ کو نبی خدیجہؓ کے بعد کون اول ایمان لایا۔ صاحب سیرت اور بہت سے اہل علم بیان کرتے ہیں کہ مردوں میں

آپ درج نبوت پر بوفطرت ہی سے فائز تھے، ۲۷ رجب کو مبعوث برسالت ہوئے حیات القلوب
کتاب المنتقی، مواہب اللدنیہ) اسی تاریخ کو نزول قرآن کی ابتداء ہوئی۔

بعثت کے بعد آپ نے تین سال تک نہایت رازداری اور
پوشیدگی کے ساتھ فرائض کی ادائیگی فرمائی۔ اس کے بعد کھلے
بندوں تبلیغ کا حکم آگیا۔ فاصدع بسا تو موباء جو حکم دیا گیا ہے

دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ اور اعلان رسالت و وزارت

اس کی تکمیل کرو۔ میں اس مقام پر "تاریخ ابوالفداء کے اس ترجمہ کی لفظ بہ لفظ عبارت نقل کرتا ہوں جسے
مولانا کریم الدین حنفی انپکے مدارس پنجاب نے ۱۸۴۶ء میں کیا تھا۔

”واضح ہو کہ تین برس تک پیغمبر خدا دعوت طرف اسلام مخفی کرتے رہے مگر جب کہ یہ
آیت نازل ہوئی ”وانذرا عشیرتک الا قریبین“ یعنی ڈرا اپنے کنبے والوں کو جو قریب
رشتہ کے ہیں۔ اس وقت حضرت نے بموجب حکم خدا کے اظہار کرنا دعوت کا شروع کیا۔ بعد
نازل ہونے اس آیت کے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علیؑ سے ارشاد کیا کہ ”لے علیؑ
ایک پیاز کھانے کا میرے واسطے تیار کر اور ایک بکری کا پیر اس پر چھو الے اور ایک بڑا کانس
دودھ کا میرے واسطے لا اور عبدالمطلب کی اولاد کو میرے پاس بلا کر لا۔ تاکہ میں اُس سے
کلام کروں اور سنوں ان کو وہ حکم کہ جس پر جناب باری سے مامور ہوا ہوں۔ چنانچہ حضرت

اول حضرت علیؑ بن ابی طالب و یا ۱۰ یا ۱۱ برس کی عمر میں سب سے اول مسلمان ہوئے۔ بحقیق کندی کی روایت سے بھی اسی
کی تصدیق ہوتی ہے جس میں انھوں نے چشم دید گواہ کی حیثیت سے وضاحت کی ہے کہ ”میں نے رسول خدا کو نماز پڑھتے
ہوئے بعثت کے فوراً بعد اس عالم میں دیکھا کہ ان کے پیچھے جناب خدیجہ اور حضرت علیؑ کھڑے تھے۔ اس وقت کوئی اور
اسلام نہ لایا تھا“ اس روایت کو علامہ ابن عبدالبر قرطبی نے استیعاب ج ۲ ص ۲۵۵ طبع حیدرآباد دکن میں علامہ ابن
اثیر جوزی نے اسدالغابہ ج ۲ ص ۱۱۳ طبع مصر میں۔ علامہ ابن جریر طبری نے تاریخ کبیر ج ۲ ص ۱۱۳ طبع مصر میں علامہ
ابن اثیر نے، تاریخ کامل ج ۲ ص ۲۰ میں درج کیا ہے۔

صاحب تفریح الاذکار نے حجتہ المحافل سے نقل کیا ہے کہ دو شنبہ کو رسول خدا مبعوث برسالت ہوئے پہل اور
اسی دن آخر وقت حضرت علیؑ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ یہی کچھ روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۸۳ میں بھی ہے۔ علامہ عبدالبر نے
دعویٰ کیا ہے کہ ”بالانفاق ثابت ہے کہ خدیجہ کے بعد سب سے پہلے حضرت علیؑ مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں“ علامہ اقبال کہتے ہیں
مسلم اول شہ مردان علیؑ عشق را سرمایہ ایمان علیؑ

واضح ہو کہ حضرت علیؑ ازل سے ہی مسلمان اور مومن تھے، ان کے لیے ”اسلام لانے کا“ جملہ مناسب نہیں ہے
لہذا جہاں کہیں بھی تاریخ میں ان کے متعلق اسلام یا ایمان لانے کا جملہ ہے۔ اس سے اظہار اسلام و ایمان سمجھنا چاہیے۔ ۱۲ ص ۱۲

علی کرم اللہ وجہہ نے وہ کھانا ایک سپاڑہ بموجب حکم تیار کر کے اولاد عبدالمطلب کو جو قریب چالیس آدمی کے تھے بلایا، ان آدمیوں میں حضرت کے چچا ابوطالب اور حضرت حمزہ اور حضرت عباس بھی تھے۔ اس وقت حضرت علی نے وہ کھانا جو تیار کیا تھا لاکر حاضر کیا۔ حسب کھالی کر سیر ہو گئے۔ حضرت علی نے ارشاد کیا کہ جو کھانا ان سب آدمیوں نے کھایا ہے وہ ایک آدمی کی بھوک کے موافق تھا۔ اس اثنا میں حضرت چاہتے تھے کہ کچھ ارشاد کریں۔ کہ ابواسب جلد بول اٹھا اور یہ کہا کہ محمد نے بڑا جاؤ کیا۔ یہ مہلتے ہی تمام آدمی الگ الگ ہو گئے تھے، چلے گئے پیغمبر خدا کچھ کہنے نہ پائے تھے۔ یہ حال دیکھ کر جناب رسالت مآب نے ارشاد کیا کہ اے علی دیکھا تو نے اس شخص نے کیسی سبقت کی۔ مجھ کو بولنے ہی نہ دیا اب پھر علی کو تیار کر جیسا کہ آج کیا تھا اور پھر ان کو بلا کر جمع کر چنانچہ حضرت علی نے دوسرے روز پھر موافق ارشاد آنحضرت کے وہ کھانا تیار کر کے سب لوگوں کو جمع کیا، جب وہ کھانے سے فراغت پا چکے اس وقت رسول اللہ نے ارشاد کیا کہ تم لوگوں کی بہت اچھی قسمت اور نصیب ہے۔ کیونکہ ایسی چیز میں اللہ کی طرف سے لایا ہوں کہ اس سے تم کو فضیلت حاصل ہوتی ہے اور لے آیا ہوں۔ تمہارے پیغمبر دنیا اور آخرت میں اچھا۔ خدا تعالیٰ نے مجھ کو تمہاری ہدایت کا حکم فرمایا ہے۔ کوئی شخص تم میں سے اس امر کا اقتدار کر کے میرا بھائی اور وصی اور خلیفہ بنا چاہتا ہے۔ اس وقت سب موجود تھے اور حضرت پر ایک ہجوم تھا۔ اور حضرت علی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے دشمنوں کو نذرہ ماروں گا اور آنکھیں ان کی پھوڑوں گا۔ اور پیٹ پیروں گا اور ٹانگیں کاٹوں گا اور آپ کا وزیر ہوں گا۔ حضرت نے اس وقت علی رضی اللہ عنہ کی گردن پر ہاتھ مبارک رکھ کر ارشاد کیا کہ "یہ میرا بھائی ہے اور میرا وصی ہے اور میرا خلیفہ ہے تمہارے درمیان اس کی سنو اور اطاعت قبول کرو۔" یہ سن کر سب قوم کے لوگ از روئے تسخر کے ہنس کر کھٹے ہو گئے۔ اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ اپنے بیٹے کی بات سن اور اطاعت کریں تجھے حکم ہوا ہے الخ ص ۳۳ تا ص ۳۶ طبع لاہور۔

آیۃ انذنا عشیٰ بئناک الا قریبین کے نزول کی تفصیل حضرت علی علیہ السلام کی خلافت بلا فضل کی بنیاد قائم کرتی ہے۔ اس پر عمل رسول، فعل

مؤرخ ابوالفداء متوفی ۷۳۲ھ کی تحریر پر میرا وضاحتی نوٹ

رسول اور قول رسول نے ثابت کر دیا کہ حضرت علی ہی رسول کریم صلعم کے خلیفہ اول اور خلیفہ بلا فضل ہیں، انہیں کو انھوں نے اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا جس کی تجدید اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں فرمائی

رہے۔ یہاں تک کہ نص منہرج آیہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیہ من ربک کے ذریعے ظہیر
خم میں حج آخر کے موقع پر آخری اعلان فرمایا اور واضح کر دیا کہ میرے بعد علی بن ابی طالب ہی میرے جانشین
اور خلیفہ ہیں۔

مؤرخ ابوالفدا نے اسلام کی اس پہلی اور بنیادی دعوت تبلیغ کی مناسب وضاحت فرمادی ہے
اور صاف لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ حضرت رسول کریم نے حضرت علی کو اپنا جانشین اور خلیفہ اسی
بنیادی دعوت کے موقع پر بنا دیا تھا اور لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ "فاسمعوا لہ واطیعوا"
ان کی بات کان دھر کر سنو اور ان کی اطاعت کرو۔

کچھ کم و بیش لفظوں کے ساتھ یہ واقعہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۵۔ تاریخ کامل بن اثیر ج ۲ ص ۱۲۲
باب ان ویل ج ۵ ص ۱۰۶ معالم التنزیل برعاشیہ خازن ج ۶ ص ۱۰۵۔ خصائص نسائی ص ۱۳ مسند
احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۶۰۔ کنز العمال ج ۶ ص ۳۹۴، سیرت ابن اسحاق۔ تفسیر ابن حاتم۔ دلائل بہیقی
مناقب امام احمد مصنف ابوبکر ابن ابی شیبہ۔ تاریخ خمیس۔ تفسیر ابن مرویہ۔ تفسیر
سراج منیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ جلیۃ الاویار۔ ذخیرۃ المال علی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب اللغات
طبری۔ اکتفار حاصمی۔ روضۃ الصفا۔ حبیب السیر۔ معارج النبوت۔ مدارج النبوت۔ ازالۃ الخفا
تاریخ اسلام عبدالحکیم نشر جلد ۱ ص ۲۲ وغیرہ میں موجود ہے۔

ان اسلامی کتب کے علاوہ اس کا تذکرہ اہل فرنگ کی تصنیفات میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو ابوالرحمن جانی ٹولین
پورٹ ص ۵ کا دلائل ص ۹۱۔ خلفار محمد، ایرونک ص ۳۳ تاریخ گبن ج ۳ ص ۲۹۹۔ اوکلی ص ۱۵۔
دعوت ذوالعشیرہ کے سلسلہ میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس اہم واقعہ کا ذکر امام بخاری نے اپنی صحیح
میں نہیں کیا جس سے ان کی ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ نیز یہ کہ جبر میں جو تاریخ طبری چھپی ہے اس کی
جلد ۹ ص ۶۱ میں وصی و خلیفتی کے بجائے "کذا وکذا" درج ہے جس سے اہل مصر کی تحریفی جدوجہد
کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

واضح ہو کہ دعوت ذوالعشیرہ کا واقعہ مسلمہ بعثت کا ہے۔

اعلان نبوت کے بعد عرب کی زمین اور عرب کے آسمان
ہجرت جلد ۱ (۱) بعثت

یعنی اپنے پرانے سب دشمن ہو گئے۔ ان دشمنوں میں
ابوسفیان، ابوہریرہ اور ابولہب نمایاں تھے۔ ان لوگوں نے آپ پر گندگی ڈالی اور آپ کو سامر و جینوں
کہہ کر تانا اپنا وظیرہ بنا لیا تھا۔ بعض تو نہیں کا کہنا ہے کہ دشمنوں نے ایک دفعہ کھیل اور ٹھاکر مار ڈالنے
کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس قسم کے مصائب و آلام سے جب آنحضرت اور آپ کے پیرو دوچار ہوئے اور
آپ نے محسوس کیا کہ مسلمان کی حیثیت سے کہ میں زندگی کے ایام گزارنا مشکل ہے تو ہجرت جلد ۱ (۱) بعثت کا

فیصلہ کر کے اپنے اصحاب کو ہجرت کا حکم دیا۔ چنانچہ سہ ماہ بعثت میں تو مروزن نے ہجرت کی۔ اور حبش پہنچ گئے حبش کا بادشاہ نجاشی تھا جو بطوری فریق کا عیسائی تھا۔ اس نے ان لوگوں کی اذیت کی اور ان کا خیر مقدم کیا۔ مگر دشمنوں نے وہاں پہنچ کر کوشش کی کہ یہ لوگ ٹھہرنے نہ پائیں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ ان ہجرت کرنے والوں میں جعفر طیار بھی تھے جو ان میں سربراہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ لوگ سہ ماہ ہجرت تک وہیں مقیم رہے۔ اور فتح خیبر کے موقع پر واپس آئے، ان کی واپسی پر رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کہ میں حیران ہوں کہ دو خوشیوں میں سے کس کو ترجیح دوں۔ آیا فتح خیبر کی خوشی کو اہم سمجھوں یا جعفر طیار وغیرہ کی واپسی کو اہمیت دوں

الغرض ہجرت بعثت کے سلسلہ میں کفار مکہ کو جب معلوم ہوا کہ یہاں کے وہ باشندے جو مسلمان ہوئے ہیں چپکے سے حبش چلے جاتے ہیں اور وہاں آرام سے بسر کرتے ہیں تو ان کی دشمنی اور ضد و کد اور بڑھ گئی۔ اور انھوں نے بروایت ابن اشیر عبدالشہر بن امیہ کو عمر عاصؓ کے ساتھ نجاشی اور اراکین سلطنت کے واسطے ہدایا و تحائف دے کر روانہ کیا، ان دونوں نے حبش پہنچ کر نجاشی کو مختلف ذرائع اور طریقوں سے بھڑکانا چاہا۔ مگر وہ نہ بھڑکا اور مسلمانوں کی حمایت کرتا رہا۔ بالآخر یہ لوگ غائب و خاسر واپس آئے۔

حضرت رسول کریمؐ دارالارقم میں ۴۔ بعثت

مورخ ذاکر حسین جو اس سیرت ابن ہشام کہتے ہیں کہ "جب مسلمان بعثت کی طرف ہجرت کر گئے تو بھی رسول اللہؐ برابر وعظ فرماتے رہے اور نئے نئے

لوگ دین اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ کفار نے یہ دیکھ کر آنحضرتؐ کو اور زیادہ ستانا شروع کیا، ناچار آنحضرتؐ اپنے بقیہ اصحاب کو ساتھ لے کر "ارقم بن ابی ارقم بن عبد مناف بن اسد" کے مکان میں جا چھپے اور اس مکان میں ایک مہینہ تک رہے۔ یہ مکان کوہ صفا کے اوپر واقع تھا، آپ وہاں لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام ج ۲ ص ۵۲)۔

حضرت رسول کریمؐ شعب ابی طالب میں
(محرم ۱۲ بعثت)

مورخین کا بیان ہے کہ جب کفار قریش نے دیکھا کہ اسلام روز افزوں ترقی کرتا چلا جا رہا ہے۔ تو سخت مضطرب ہونے پہلے

۱۔ نجاشی کا اصل نام برداشتے، احمد بن بصری اور روایت کحول ابن صہ تھا ۱۲۔

۲۔ عمر عاص حضرت رسول کریمؐ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا، یہ تک کہ ایک کسی عورت کا فرزند تھا، جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی ماں کے پانچ یاروں نے اس کی الوت کا دعویٰ کیا تھا۔ مگر چونکہ اس کی شکل عاص سے ملتی جلتی تھی۔ لہذا اسے اسی کا فرزند قرار دیا گیا۔ یہ عرب کا مشہور شاعر تھا اور رسول کریمؐ کی جہوں اشعار کا کرتا تھا۔ ملاحظہ ہو

تو چند قریش دشمن تھے۔ اب سب کے سب مخالف ہو گئے اور بروایت ابن ہشام و ابن اثیر و طبری ابو جہل بن ہشام، شیبہ، عقبہ بن ربیعہ، نصر بن حارث، عاص بن وائل، اور عقبہ بن ابی معیط ایک گروہ کے ساتھ رسول خدا کے قتل پر کمر باندھ کر حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور صاف لفظوں میں کہا کہ محمدؐ نے ایک نئے مذہب کا اختراع کیا ہے۔ اور وہ ہمارے خداؤں کو ہمیشہ برا بھلا کہا کرتے ہیں۔ لہذا انہیں ہمارے حوالے کر دو۔ ہم انہیں قتل کر دیں یا پھر آمادہ بہ جنگ ہو جاؤ۔ حضرت ابوطالب نے اس وقت انہیں ٹال دیا اور وہ لوگ واپس چلے گئے، اور رسول کریمؐ اپنا کام برابر کرنے رہے چند دنوں کے بعد دشمن پھر آئے۔ اور انہوں نے آکر شکایت کی اور حضرت کے قتل پر اصرار کیا حضرت ابوطالب نے آنحضرتؐ سے واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ اسے چچا میں جو کہتا ہوں، کہتا ہوں گا میں کسی کی دھمکی سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی لالچ میں پھنس سکتا ہوں۔ اگر میرے ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے پر ماہتاب رکھ دیا جائے۔ جب بھی میں تمہیں حکم خداوندی سے باز نہ آؤں گا میں جو کہتا ہوں حکم خدا سے کرتا ہوں، وہ میرا محافظ ہے۔ یہ نہیں کہ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ ”یہ تم جو کرتے ہو کرتے رہو، میں جب تک زندہ ہوں تمہاری طرف کوئی نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد بروایت ابن ہشام و ابن اثیر، کفار نے ابوطالب سے کہا کہ تم اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دو ہم اسے قتل کر دیں۔ اور اس کے بدلے میں ایک نوجوان ہم سے بنی مخزوم میں سے لے لو۔ حضرت ابوطالب نے فرمایا کہ تم بیعہ از حقل باتیں کرتے ہو، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں تمہارے لڑکے کو لے کر اس کی پرورش کروں۔ اور تم ہمارے بیٹے کو لے کر قتل کر دو۔ یہ یہ سن کر ان کی آتش غضب اور برا فروختہ ہو گئی اور وہ ان کے ستانے پر بھر پور تل گئے۔ حضرت ابوطالب نے اس کے رد عمل میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے امداد چاہی اور دشمنوں سے کہلا بھیجا کہ کعبہ و محرم کی قسم اگر محمدؐ کے پاؤں میں تمہاری طرف سے کانٹا بھی چھبنا تو میں سب کو ہلاک کر دوں گا۔ حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر دشمن کے دلوں میں آگ لگ گئی اور وہ آنحضرتؐ کے قتل پر پوری طاقت سے تیار ہو گئے۔

حضرت ابوطالب نے جب آنحضرتؐ کی جان کو غیر محفوظ دیکھا تو فوراً ان لوگوں کو لے کر جنھوں نے حمایت کا وعدہ کیا تھا۔ جن کی تعداد بروایت حیات القلوب چالیس تھی۔ محرم سے بعثت میں ”شعب ابی طالب“ کے اندر چلے گئے اور اس کے اطراف کو محفوظ کر دیا

کفار قریش نے ابوطالب کے اس عمل سے متاثر ہو کر ایک عہد نامہ مرتب کیا جس میں بنی ہاشم اور بنی مطلب سے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ تھا۔ طبری میں ہے کہ اس عہد نامہ کو منصور بن عکرمہ بن ہاشم نے لکھا تھا جس کے بعد ہی اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

تواریخ میں ہے کہ دشمنوں نے شعب کا چاروں طرف سے بھرپور محاصرہ کر لیا تھا۔ اور انھیں مکمل قید میں مقید کر دیا تھا۔ اس قید نے اہل شعب پر بڑی مصیبت ڈالی جسمانی اور روحانی تکلیف کے علاوہ رزق کی تنگی نے انھیں تباہی کے کنارے پہنچا دیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ دیندار درختوں کے پتے کھانے لگے۔ ماتے، کنبے والے اگر چوری چھپے کچھ کھانے پینے کی چیز پہنچا دیتے اور انھیں معلوم ہو جاتا تو سخت سزائیں دیتے۔ اسی حالت میں مین سال گزر گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب اہل شعب کے بچے بھوک سے بے چین ہو کر چیختے اور چلاتے تھے تو پڑوسیوں کی مہند حرام ہو جاتی تھی۔ اس حالت میں بھی آپ پر وحی نازل ہوتی رہی، اور آپ کا رسالت انجام دیتے رہے۔ تین سال کے بعد ہشام بن عمر بن حرث کے دل میں یہ خیال آیا کہ ہم اور ہمارے بچے کھاتے پیتے اور عیش کرتے ہیں۔ اور بنی ہاشم اور ان کے بچے ناقہ کشی کر رہے ہیں، یہ ٹھیک نہیں ہے۔ پھر اس نے اور چند آدمیوں کو ہم خیال بنا کر قریش کے اجتماع میں اس سوال کو اٹھایا۔ ابو جہل اور اس کی بیوی "ام جمیل" جسے بزبان قرآن "حماۃ المحط" کہا جاتا ہے نے مخالفت کی لیکن عوام کے دل سچ اٹھے اسی دوران میں حضرت ابوطالب آگئے اور انھوں نے کہا کہ محمدؐ نے بتایا ہے کہ تم نے جو عہد نامہ لکھا ہے اسے دیکھ چرگئی ہے اور کاغذ کے اس حصے کے سوا جس پر اللہ کا نام ہے سب ختم ہو گیا ہے اسے قریش بس ظلم کی حد ہو چکی، تم اپنے عہد نامہ کو دیکھو اگر محمدؐ کا لکنا سچ ہو تو انصاف کرو۔ اور اگر جھوٹ ہو تو جو چاہے کرو۔

حضرت ابوطالب کے اس کہنے پر عہد نامہ منگوا گیا۔ اور حضرت رسول کریمؐ کا ارشاد اس کے بارے میں صحیح صحیح ثابت ہوا جس کے بعد قریش شرمندہ ہو گئے اور شعب کا حصار ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد ہشام بن عمر بن حرث اور اس کے چار ساتھی، زبیر بن ابی امیہ مخزومی اور طعم بن عدی ابو البختری بن ہشام، زعب بن الاسود بن المطلب بن اسد شعب ابی طالب میں گئے اور ان تمام لوگوں کو جو اس میں حضور تھے ان کے گھروں میں پہنچا دیا۔ (تاریخ طبری، تاریخ کامل، روضۃ الاحباب)۔
تورخ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ھ کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد "اسلم یوم مشی خلق من الناس عظیم" بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ (البعقوبی ج ۲ ص ۲۵ طبع نجف ۱۳۸۳ھ)۔

تورخین لکھتے ہیں کہ سب بعثت میں لبرانیوں نے رومیوں کو شکست دی اور چونکہ ایرانی آتش پرست اور رومی عیسائی اہل کتاب تھے۔ اس لیے کفار یہ کہہ کر اس واقعہ سے خوشی ہوئی اور مسلمانوں کو رنج ہوا۔ مسلمانوں کے رنج کو حضرت رسول کریمؐ نے اپنی تسلی سے دور کیا اور ان سے بطور پیشین گوئی فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ۳ اور ۹ سال کے درمیان

رومیوں کی شکست پر آنحضرت صلعم کی کامیاب پیشین گوئی (۸۰ بعثت)

رومی، ایرانیوں کو شکست دے کر کامیاب ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ۹ برس گزرنے سے پہلے رومی ایرانیوں پر غالب آئے۔ اس پیشین گوئی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ میرے نزدیک اس پیشین گوئی کی صحت نے حقیقت قرآن اور حقیقت رسالت کو آجا کر دیا ہے۔

گبن اور دیگر عیسائی مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ لڑائی جس میں ایرانیوں نے فتح پائی تھی ۳۱۶ء سے ۳۱۷ء تک جاری رہی اور جس میں رومیوں نے فتح پائی۔ وہ ۳۱۶ء سے ۳۱۷ء تک جاری رہی۔ ایرانیوں نے ۳۱۶ء تک تمام ایشیائے کوچک اور مصر فتح کر لیا تھا اور قسطنطنیہ سے ایک میل کے فاصلے پر پڑاؤ ڈال دیا تھا اور آگے بڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے، صرف ابنائے ناسفروس حد فاصل تھا مگر ۳۱۶ء میں رومیوں نے ایرانیوں کو بھاری شکست دے کر اپنے علاقے واپس لینے شروع کر دیے۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۶ میں ہے کہ اس واقعہ کے متعلق قرآن میں لفظ "بضع سنین" آیا ہے جس کے معنی دس سال کے ہیں یعنی فتح دس سال کے اندر ہو گئی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

آپ کا معجزہ شق القمر
(۹۷ بعثت)

ابن عباس، ابن مسعود، انس بن مالک، خذیفہ بن عمر، جبیر بن مطعم کا بیان ہے کہ شق القمر کا معجزہ کوہ البقیس پر ظاہر ہوا تھا، جب کہ البجلی نے بہت سے یہودیوں کو ہمراہ لاکر حضرت

سے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ یہ واقعہ چودھویں رات کو ہوا تھا جبکہ آپ کو موسم حج میں شعب ابی طالب سے نکلنے کی اجازت مل گئی تھی۔ اہل سیر لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ ۹ بعثت کا ہے، اس معجزہ کا ذکر "تاریخ فرشتہ میں بھی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ "جب اعتقاد وقوع علم" اس معجزہ کے واقع ہونے پر ایمان واجب ہے۔ (سیفینۃ البحار ج ۱ صفحہ ۷۹) اس معجزہ کا ذکر عزیز لکھنوی مرحوم نے کیا خوب کیا ہے

معجزہ شق القمر کا ہے "بیتہ" سے عیاں مرنے شق ہو کر لیا ہے دین کو آسوش میں

حضرت ابوطالبؑ اور جناب خدیجہ الکبریٰؑ کی وفات
(۱۰ بعثت)

حیوۃ الہیوان دہری میں ہے کہ شعب ابی طالب نے نکلنے کے ۸ مہینے ۱۱ دن بعد وسط

ماہ شوال میں حضرت ابوطالب نے انتقال کیا۔ روایت ابن واضح اس وقت ان کی عمر ۸۶ سال کی تھی (البعقوبی ج ۲ صفحہ ۷۸)۔ کثیر تراویح میں ہے کہ ان کی وفات کے تین دن بعد جناب خدیجہ الکبریٰؑ نے بھی انتقال فرمایا، اس وقت ان کی عمر ۶۵ سال کی تھی (البعقوبی ج ۲ صفحہ ۷۸)۔

ان دو عظیم مہر دوں اور مددگاروں کے انتقال پر ملال سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت رنج پہنچا، آپ نے اسی شدید رنج و غم اور صدمہ و الم کے تاثر میں اس کا نام "عام الحزن" سال

غم رکھ دیا۔

مومن قریش حضرت ابوطالب اور جناب خدیجہ الکبریٰ کی قبر مکہ کے قبرستان "جحون" میں ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ یہ قبریں پہلے گنبد والی نہ تھیں۔ بروایت مورخ ذاکر حسین مرزا اصغر علی فصیح کھنوی نے تیرھویں صدی کے وسط میں مومنین کی مدد سے ان پر گنبد تیار کرایا تھا۔

اسی سلسلہ بعثت میں، ابوطالب کے انتقال کے بعد قریش نے یہ دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی مضبوط حامی اور مددگار نہیں ہے۔ آنحضرتؐ پر دستِ ظلم و تعدی اور بھی زیادہ دراز کر دیا۔ اور بنی ہاشم اپنے رئیس کے مرجانے سے آپؐ کی کما حقہ، حفاظت و اعانت نہ کر سکے اور دشمنوں کی ایذا رسانی عروج کی پہنچ گئی۔ بروایت تاریخ خمیس حضرت کی یہ حالت پہنچ گئی کہ آپؐ نے گھر سے نکلنا چھوڑ دیا۔ پھر یہ خیال کر کے کہ طائف میں بنی ثقیف رہتے ہیں۔ اور وہیں چچا عباسؓ کی زمین ہے، طائف چلے جاتے کا قصد کر لیا اور اپنے غلام آزاد، زید بن حارثہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں بنی بکر اور بنی قحطان میں ٹھہرنا چاہا مگر کوئی صورت نظر نہ آئی بالآخر طائف چلے گئے جو مکہ سے ستر میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں توفیق کے خلاف سخت دشمنی کا مظاہرہ دیکھا۔ کوسل یوم اور بروایت ایک ماہ بمشکل گزارا۔ بالآخر غلاموں، کیمٹوں اور غنڈوں نے آپؐ پر پتھر اڑ کر کے آپؐ کو زخمی کر دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پتھر مارتے ہوئے فضیل شہر سے باہر نکال دیا۔ آپؐ کے پاؤں زخمی ہو گئے اور زید کا ہر پھینٹ گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کے سر پر اتنے پتھر لگے تھے کہ آپؐ کے سر کا ٹخن اڑی سے بہ رہا تھا، الغرض وہاں سے بارادہ مکہ روانہ ہو کر جب بطنِ نحر میں پہنچے جو مکہ سے ایک شب کی مسافت پر قبل واقع ہے۔ تو رات کو وہیں قیام کیا اور قرآن پڑھنے لگے نصیب سے بے امن جاتے ہوئے جنوں کے ایک گروہ نے کلامِ خدا سنا اور وہ مسلمان ہو گئے، پھر آپؐ نے زید کو مکہ بھیجا کہ کسی حامی کا شراغ لگائے، مگر کوئی نہ ملا۔ البتہ مطعم بن عدیؓ حامی بھری اور آپؐ مکہ واپس آ گئے۔ (روضۃ الاحباب)

اسی سلسلہ بعثت میں وفاتِ خدیجہؓ کے بعد آنحضرتؐ نے "سودہ بنت زمرہ" سے نکاح کیا اور اسی سال حضرت عائشہؓ بنت ابی بکر سے بھی عقد فرمایا۔ تو رضین کا کہنا ہے کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ۶ سال کی تھی اسی لیے سلسلہ میں جبکہ آپؐ ۹ سال کی ہو گئی تھیں زفات واقع ہوا۔ (روضۃ الاحباب)

ایک روایت میں حضرت عائشہؓ کا یہ قول مروی ہے کہ میری ماں مجھے ککڑی کھلاتی تھیں تاکہ میں جلدی زفات کے قابل بن جاؤں۔ (سنن ابن ماجہ ج ۲ مترجم باب القشار والرطب ج ۶۲ ص ۱۱۱)۔

ماہِ رجب میں ایک روز آنحضرتؐ منامیں کھڑے تھے کہ ناگاہ ایک گروہ اہلِ یثرب کا قبیلہ خزرج سے حضرت کے پاس آیا۔ یہ گروہ

قبیلہ خزرج کا ایک گروہ خدمتِ رسولؐ میں
سلسلہ بعثت

لے یثرب یعنی مدینہ میں اوس و خزرج دو عرب قبیلے رہتے تھے۔ دونوں ایک باپ کی اولاد تھے۔ ان کا معنی تعلیم

چھ افراد پر مشتمل تھا۔ حضرت ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اسلام کے محاسن بیان کئے، وہ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے یثرب میں جا کر کافی تبلیغ کی اور وہاں کے گھروں میں اسلام کا پھر چا ہو گیا۔

۲۷ رجب ۱۲ بعثت کی رات کو خداوند عالم نے جبریل کو بھیج کر براق کے ذریعہ آنحضرت صلعم کو "قاب قوسین" کی منزل پر بلایا۔ اور وہاں علی بن ابی طالب کی خلافت و امامت کے

آنحضرت صلعم کی معراج جسمانی
(۱۲ بعثت)

متعلق ہدایات دیں۔ (تفسیر قمی) اسی مبارک سفر اور عروج کو معراج کہا جاتا ہے۔ یہ سفر ام ہانی کے گھر سے شروع ہوا تھا۔ پہلے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے پھر وہاں سے آسمان پر روانہ ہوئے منازل آسمانی کو طے کرتے ہوئے ایک ایسی منزل پر پہنچے جس کے آگے جبریل کا جانا ممکن نہ ہوا، جبریل نے عرض کی حضور! لودنوت آملتہ لاحتوت" اب اگر ایک انگل بھی آگے بڑھوں گا تو بل جاؤں گا۔ اگر یک سر ہوئے رتر روم بنور جسمی بسوزد پر دم

پھر آپ براق پر سوار آگے بڑھے ایک منزل پر براق رک گیا اور آپ "رفرف" پر بیٹھ کر آگے روانہ ہو گئے۔ یہ ایک نورانی تخت تھا جو نور کے دریا میں جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ منزل مقصود پر آپ پہنچ گئے۔ آپ جسم سمیت گئے اور فوراً واپس آئے۔ قرآن مجید میں "اسری بعبدہ" آیا ہے۔ بعد کا اطلاق جسم اور رُوح دونوں پر ہوتا ہے وہ ہیں لوگ جو معراج رُوحانی کے قائل ہیں وہ غلطی پر ہیں شرح عقیدہ نسفی معراج کا ذکر اور اس کا اعتقاد ضروریات دین سے ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو معراج کا منکر ہو اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ (سینۃ البحار ج ۲ ص ۱۷۱) ایک روایت میں ہے کہ پہلے صرف دو نمازیں واجب تھیں۔ معراج کے بعد پانچ وقت کی نمازیں مقرر ہوئیں

اسی سلسلہ بعثت کے موسم حج میں ان چھ آدمیوں میں سے جو سال گذشتہ مسلمان ہو کر مدینہ واپس گئے تھے۔ پانچ آدمیوں کے ساتھ سات آدمی

بیعت عقبہ اولیٰ

مدینہ والوں میں سے اور اگر مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت کی حمایت کا عہد کیا۔ یہ بیعت بھی اسی مکان عقبہ میں ہوئی۔ جو مکہ سے تھوڑے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، مورخ ابوالفداء لکھتا ہے کہ اس عہد پر بیعت ہوئی کہ خدا کا کوئی شریک نہ کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ جب وہ بیعت کر چکے تو حضرت نے مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبدمناف ابن عبدالمطلب کو تعلیم قرآن اور طریقہ اسلام بتانے کے لیے مامور فرمایا الخ۔ (تاریخ ابوالفداء ج ۲ ص ۵۲)۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰)

میں تھا۔ رسول کریم جب مکہ مدینہ نہیں پہنچے یہ شہر یثرب کے نام سے مشہور تھا، جو نبی رسول کریم وہاں تشریف لے گئے اُس کا نام مدینۃ الرسول ہو گیا، پھر بعد میں مدینہ کلمانے لگا۔ یہ شہر مکہ کے شمال کی طرف ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۱۲

بیعت حقیقہ ثنائیہ ۳۔ بعثت

۱۳۔ بعثت کے ماہ ذی الحجہ میں مصعب بن عمیر، ۷۳ مراد اور دو عورتوں کو مدینہ سے لے کر مکہ آئے اور انھوں نے مقام عقبہ پر رسول کریم کی خدمت میں ان لوگوں کو پیش کیا وہ مسلمان ہو چکے تھے انھوں نے بھی حضرت کی حمایت کا عہد کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی، ان میں اوس اور خزیمہ دونوں کے افراد شامل تھے۔

۱۴۔ بعثت مطابق ۱۲۔۱۳ء میں حکم رسول کے مطابق مسلمان چوری چھپے مدینہ کی طرف جانے لگے۔ اور وہاں پہنچ کر انھوں نے اچھی منزل حاصل کر لی

قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ میں اسلام زور پکڑ رہا ہے تو "دارالندوہ" میں جمع ہو کر یہ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ کسی نے کہا محمدؐ کو یہیں قتل کر دیا جائے تاکہ ان کا دین ہی ختم ہو جائے۔ کسی نے کہا جلا وطن کر دیا جائے۔ ابو جہل نے رائے دی کہ مختلف قبائل کے لوگ جمع ہو کر بیک ساعت ان پر حملہ کر کے انھیں قتل کر دیں تاکہ قریش ٹھون بہا نہ لے سکیں۔ اسی رائے پر بات ٹھہر گئی، اور سب نے مل کر آنحضرتؐ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ پروردگار کی ہدایت کے مطابق جو حضرت جبریلؑ کے ذریعہ پہنچی۔ آپؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے بستر پر لٹا دیا اور ایک مٹھی مٹھی لے کر گھر سے باہر نکلے اور ان کی آنکھوں میں جھونکتے ہوئے اس طرح نکل گئے جیسے کفر سے ایمان نکل جائے۔ علامہ شبلی کہتے ہیں کہ یہ سخت خطرہ کا موقعہ تھا۔ جناب امیر کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپؐ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسول اللہؐ کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرشتہ لگ تھا۔ (تیسرا نسخہ ۱۲۵ء) صحیح ہے کہ وہ مشن دروازہ توڑ کر داخل خانہ ہوئے تو علیؑ کو سوتا ہوا پایا۔ پوچھا محمدؐ کہاں ہیں؟ جواب دیا جہاں میں خدا کی امان میں ہیں۔ طبری میں ہے کہ علیؑ تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ اور سب گھر سے نکل بھاگے۔ احبار العلوم غزالی میں ہے کہ علیؑ کی حفاظت کے لیے خاندان جبریل اور میکائیل کو بھیج دیا تھا۔ یہ دونوں ساری رات علیؑ کی خواب گاہ کا پہرہ دیتے رہے۔ حضرت علیؑ کا فرمان ہے کہ مجھے شب بھرت

جیسے نیند آئی ساری عمر نہ آئی تھی۔ تفاسیر میں ہے کہ اس موقع کے لیے آیت "ومن الناس من ایشریٰ" نازل ہوئی ہے۔ الغرض آنحضرتؐ کے روانہ ہوتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے ان کا پیچھا کیا۔ آپؐ نے رات کے اندھیرے میں یہ سمجھ کر کہ کوئی دشمن آ رہا ہے اپنے قدم تیز کر دیئے۔ پاؤں میں ٹھوکر لگی خون جاری ہو گیا پھر آپؐ نے محسوس کیا کہ ابن ابی قحافہ آ رہے ہیں۔ آپؐ کھڑے ہو گئے۔ صحیح بخاری ج ۱ حصہ ۳ ص ۶۹ میں ہے کہ رسول خداؐ نے ابوبکرؓ بن ابی قحافہ سے یہ قیمت ناقہ خریدا۔ اور مہاجر النبوت میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے دو سو درہم کی خریدی ہوئی اونٹنی آنحضرتؐ کے ہاتھ نو سو درہم کی فروخت کی اس کے بعد یہ دونوں غار ثور تک پہنچے یہ غار مدینہ کی طرف مکہ سے ایک گھنٹہ کی راہ پر ۲ یا تین میل جنوب کی طرف

واقع ہے بس پہاڑ کی چوٹی تقریباً ایک میل بلند ہے سمندر وہاں سے دکھائی دیتا ہے۔ (مختص سرت النبی
۱۶۹ و زرقانی)۔

یہ حضرات غار میں داخل ہو گئے۔ خدا نے ایسا کیا کہ غار کے منہ پر بول کا درخت اگا دیا۔ کڑی نے
جالالتا۔ کبوتری نے انڈا دیا، اور غار میں داخلہ کا شبہ نہ رہا۔ جب دشمن اس غار پر پہنچے تو وہ یہی
سب کچھ دیکھ کر واپس ہو گئے۔ عجائب القصاص صفحہ ۲۵۷ میں ہے کہ اسی موقع پر حضرت نے کبوتر کو
خانہ کعبہ پر اکر بسنے کی اجازت دی۔ اس سے قبل دیگر پرندوں کی طرح کبوتر بھی اوپر سے گز نہیں سکتا تھا
مختصر یہ کہ یکم ربیع الاول سالہ بعثت یوم پختہ وقت شب قریش نے آنحضرت کے گھر کا محاصرہ
کیا تھا۔ صبح سے کچھ پہلے ۱۲ ربیع الاول یوم جمعہ کو غار ثور میں پہنچے۔ یوم یکشنبہ ۱۲ ربیع الاول تک غار
میں رہے حضرت علیؑ آپ لوگوں کے لیے رات میں کھانا پہنچاتے رہے۔ چوتھے روزہ ربیع الاول
یوم دو شنبہ کو عبداللہ ابن اریقط اور عامر بن فہیرہ بھی آپہنچے اور یہ چاروں اشخاص معمولی راستہ چھوڑ
کر بحیرہ قلم کے کنارے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ کفار مکہ نے انعام مقرر کر دیا تھا کہ جو شخص آپ
کو زندہ پکڑ کر لائے گا۔ یا آپ کا سر کاٹ کر لائے گا تو سزا اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے اس پر
سراقہ ابن مالک آپ کی کھوج لگا تا ہوا غار تک جا پہنچا۔ اُسے دیکھ کر حضرت ابو بکرؓ رونے لگے۔
تو حضرت نے فرمایا روتے کیوں ہو۔ "خدا ہمارے ساتھ ہے" سراقہ قریب پہنچا ہی تھا کہ اُس کا گھوڑا
تباہ و زخمی زمین میں دھنس گیا اُس وقت حضرت روانگی کے لیے بلند ہو چکے تھے۔ اس نے معافی مانگی حضرت
نے معافی دے دی۔ گھوڑا زمین سے نکل آیا۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ اور کافروں سے کہہ دیا کہ میں نے
بہت تلاش کی مگر محمدؐ کا سراغ نہیں ملتا۔ اب دوہی صورتیں ہیں۔ "یا زمین میں ساگنے یا آسمان پر
اڑ گئے۔ لہ

حضرت کا مقام قیام میں پہنچنا

۱۲ ربیع الاول یوم دو شنبہ بوقت دوپہر آپ مقام قیام
میں پہنچے جو مدینہ سے دو میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی
ہے۔ آپ کا ناقہ اس مقام پر خود بخود ٹھہر گیا۔ اور آگے نہ بڑھا۔ آپ اتر پڑے۔ وہاں کے باشندوں
نے جوش مسرت میں نعرہ ہیکیر بلند کیا۔ آپ نے یہاں ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔

اسی مقام پر حضرت علیؑ بھی مکہ سے امانتوں کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل کرنے کے بعد
آپہنچے۔ آپ کے ہمراہ عورتیں اور بچے تھے۔ عورتیں اور بچے ناقوں پر سوار تھے اور حضرت علیؑ پیادہ
تھے۔ اسی وجہ سے آپ کے پیروں پر ورم تھا۔ اور بقول ابن خلدون آپ کے پیروں سے خون جاری

لہ علامہ روضی کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کے مشورے سے بن ہجری کی ابتداء ہوئی ہے (غیاث اللغات)

تھا۔ آنحضرتؐ کی نظر جب علیؑ کے پیروں پر پڑی تو آپؐ رونے لگے اور لعاب دہن لگا کر اچھا کر دیا۔

مدینہ میں داخلہ | مقام قبایں میں ۴ یوم قیام کے بعد آپؐ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ۱۶ ربیع الاول یوم جمعہ داخل مدینہ ہو گئے۔ محلہ بنی سالم میں نماز کا وقت آگیا۔ آپؐ نے نماز جمعہ یہیں ادا فرمائی۔ یہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جمعہ تھی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں اب بھی مسجد نبوی واقع ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر | مدینہ میں داخلہ کے بعد آپؐ نے سب سے پہلے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی جو کمال سادگی کے ساتھ تیار کی گئی۔ اس کی زمین ابو ایوب انصاری نے خریدی اور اس میں مزدوروں کی حیثیت سے دیگر اصحاب کے ساتھ آنحضرتؐ بھی کام کرتے رہے۔ مسجد کے ساتھ ساتھ حجرے بھی تیار کئے گئے۔ اور ایک مسقف چبوترہ جسے صُفّہ کہتے تھے، یہی وہ جگہ تھی جہاں نو مسلم ٹھہرائے جاتے تھے۔ انھیں لوگوں کو اصحاب صُفّہ کہا جاتا تھا اور ان کی پرورش صدقہ وغیرہ سے کی جاتی تھی۔

نماز و زکوٰۃ کا حکم | مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد نماز کی رکعتوں کی بھی مکمل تعیین کر دی گئی یعنی پہلے مغرب کے علاوہ سب نمازیں دو رکعتی تھیں۔ پھر سترہ رکعتیں معین کر دی گئیں اور ان کے اوقات بتا دیئے گئے۔ ان خلدوں کے مطابق اسی سال زکوٰۃ بھی فرض کی گئی۔

سلسلہ ہجری کے اہم واقعات

اذان و اقامت | سلسلہ ہجری میں اذان مقرر کی گئی۔ جسے حضرت علیؑ نے حکم رسولؐ سے بلالؓ کو تعلیم کر دی اور وہ مستقل موذن قرار پائے۔ نیز اقامت کا تقرر بھی ہوا۔

عقد مواخات | ہجرت کے ۵ یا ۸ ماہ بعد مہاجرین مکہ کی دلہستگی کے لیے آنحضرتؐ نے پچاس مہاجر و انصار میں باہمی مواخات (بھائی چارگی) قائم کر دی۔ جس طرح ایک بار مکہ میں کرچکے تھے۔ تاریخ خمیس اور ریاض النضرہ میں ہے کہ وہاں حضرت ابو بکرؓ کو عمرؓ کا طلحہ کو زیرہؓ کا۔ عثمانؓ کو عبد الرحمنؓ کا۔ حمزہؓ کو ابن حارثہ کا اور علیؑ کو خود اپنا بھائی بنایا تھا۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے اتحاد، مذاق، طبیعت اور فطرت کے لحاظ سے ایک دوسرے کو بھائی بنایا تھا۔ مذاق نبوت کا اتحاد فطرت امامت ہی سے ہو سکتا تھا۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ اپنا بھائی علیؑ کو ہی منتخب فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ سے فرمایا کرتے تھے: "أنت أخي في الدنيا والآخرة" تم دنیا اور آخرت دونوں میں میرے بھائی ہو۔

۲۔ ہجری کے اہم واقعات

جناب یتدہ کا نکاح | ۱۵ رجب ۱۰ھ ہجری کو جناب یتدہ کا عقد حضرت علی علیہ السلام سے ہوا۔ اور ۱۹ رزی الحجہ کو آپ کی رخصتی ہوئی۔ بیعت النبی میں ہے کہ جب حضرت یتدہ کی شادی کی سلسلہ جنیائی ہوئی تو سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ نے پیغام بھیجا۔ کنز العمال ۷/۳۱۱ میں ہے کہ ان پیغامات سے آنحضرت غضب ناک ہوئے اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ ریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۸۲ میں ہے کہ آنحضرت نے علیؓ سے خود فرمایا کہ اے علیؓ مجھے خدا نے کہہ دیا ہے کہ ناطقہؓ کی شادی تمہارے ساتھ کر دوں۔ یہ تمہیں منظور ہے۔ عرض کی کہ بیشک! الغرض عقد ہوا اور شہنشاہ کائنات نے یتدہ عالیاں کو ایک بان کی چار پائی۔ ایک چڑے کا گدا۔ ایک مشک دو چکیاں۔ دو مٹی کے گھرے وغیرہ کی رخصت کیا۔ اس وقت علیؓ کی عمر ۲۴ سال اور ناطقہؓ کی عمر ویشس سال تھی۔

تحويل کعبہ | ماہ شعبان ۱۰ھ ہجری میں بیت المقدس کی طرف سے قبلہ کا رخ کعبہ کی طرف موڑ دیا گیا۔ قبلہ چونکہ عالم نمازیں بدلا گیا۔ اس لیے آنحضرتؐ کا ساتھ حضرت علیؓ کے علاوہ اور کسی نے نہیں دیا۔ کیونکہ وہ آنحضرتؐ کے ہر فعل و قول کو حکم خدا سمجھتے تھے۔ اسی لیے آپ مقام فخر میں فرمایا کرتے تھے۔ انا مصلی القبلتین میں ہی وہ ہوں جس نے ایک نماز بیک وقت دو قبلوں کی طرف پڑھی۔

ہجرت

جب قریش کو معلوم ہوا کہ رسول اسلامؐ بخیر و خوبی مدینہ پہنچ گئے اور ان کا مذہب دن و رات ترقی کر رہا ہے تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا اور دنیا اندھیر ہو گئی اور وہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ مل کر کوشش کرنے لگے کہ اس بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دیں۔ اس کے نتیجہ میں حضرت کو مشرکین قریش اور یہودیوں کے ساتھ بہت سی دفاعی لڑائیاں لڑنی پڑیں جن میں سے اہم موقعوں پر حضرت خود فوج اسلام کے ساتھ تشریف لے گئے۔ ایسی مہموں کو غزوة کہتے ہیں اور جن موقعوں پر آپ اصحاب میں سے کسی کو فوج کا سردار بنا کر بھیج دیا کرتے ان کو "سریہ" کہا جاتا ہے۔ غزوات کی مجموعی تعداد چھبیس ہے۔ جن میں بدر - احد - خندق - خیبر اور حنین بہت مشہور ہیں اور سریوں کی تعداد پچیس تھی جن میں سب سے مشہور "موتہ" ہے جس میں حضرت جعفر طیار شہید ہوئے۔

جنگ بدر | مدینہ منورہ سے تقریباً اسی میل پر بسا ایک گاؤں تھا۔ مدینہ میں خبر پہنچی کہ قریش

بڑی آبادی کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں اور سننے میں آیا کہ ابوسفیان تیس سو اربوں کے ساتھ ہزار آدمیوں کے خانقہ کے ہمراہ شام سے اسباب تجارت لکھ لیے جا رہا ہے اور فوج مدینہ سے گزرنے لگا۔ حضرت رسولؐ خدا (۳۱۳) ہمراہیوں کے ساتھ روانہ ہوئے، اور مقام بدر پر جا اترے۔ قریش نو سو پچاس (۹۵۰) آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ ابوسفیان سے ملنے کے لیے روانہ ہوئے۔ لڑائی ہوئی۔ خدا نے مسلمانوں کو مدد دی، جس سے یہ فتح یاب ہوئے۔ کفار مارے گئے، یہی اسیر ہوئے۔ چھتیس کافروں کو حضرت علیؑ نے قتل کیا۔ اس لڑائی میں ابو جہل اور اس کا بھائی عاص اور وقتہ شیبہ ولید بن عقبہ نیز اسلام کے بہت سے دشمنی مارے گئے۔ اس پہلی اسلامی جنگ کے علمبردار حضرت علیؑ تھے۔ قیدیوں میں نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط قتل کر دیئے گئے اور باقی لوگوں کو زبردستی لے کر چھوڑ دیا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس غزوہ میں جنگ نہیں کی۔ غزوہ بدر کے بعد کفار کا گھر گھر ماتم کدہ بن گیا۔ اور مشقوں کے انتقام کا جذبہ کہہ کے پیر و جوان میں پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں احد کا معرکہ رونما ہوا۔

یہ جنگ ماہ رمضان ۳ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اسی ۳ھ میں روزے فرض کئے گئے اور عید الفطر کے احکام نازل ہوئے۔ اور غزوہ بنو قینقاع سے واپسی پر عید الاضحیٰ کے احکام آئے اور خمس واجب کیا گیا۔

۳ھ ہجری کے اہم واقعات

جنگ احد جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لیے ابوسفیان نے تین ہزار کی فوج سے مدینہ پر چڑھائی کی۔ ایک حصہ کا حکمہ ابن ابی جہل اور دوسرے کا خالد بن ولید سردار تھا۔ حضرت کے ساتھ پورے ایک ہزار آدمی بھی نہ تھے۔ "احد" پر لڑائی ہوئی جو مدینہ سے پچھیل کے فاصلہ پر ہے۔ آنحضرتؐ صلعم نے مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ کامیابی کے بعد بھی پشت کے تیر اندازوں کا دستہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے۔ مسلمانوں کو فتح ہونے کو تھی ہی کہ تیر اندازوں کا وہی دستہ جس کے سرکنے کی ممانعت تھی، خلاف حکم خدا و رسولؐ مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گیا جس کے نتیجے میں فتح و کامرانی شکست و نامرادی سے بدل گئی۔ حضرت حمزہؓ "اسد اللہ" شہید ہو گئے۔ میدان میں جگہ ڈر پڑ گئی۔ بڑے بڑے مدعیان شجاعت سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ اور کسی نے رسولؐ اسلام کی طرف توجہ نہ دی۔ تاریخ میں ہے کہ تمام صحابہ رسولؐ خدا کو میدان میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ بروایت ابی یعقوبی ۳۱۳ صرف تین صحابی رہ گئے۔ جن میں حضرت علیؑ اور دو اور تھے۔ بروایت بخاری حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی بھاگ نکلے۔ درنوشورج ۲۵۵ کنز العمال ج ۱ ص ۲۳۵ میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ساڑھی چوٹی پر

یہ بڑھ گئے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں چوٹی پر اس طرح اچک رہا تھا جیسے پہاڑی بکری اچکتی ہے قرآن مجید میں ہے کہ یہ سب بھاگ رہے تھے اور رسولؐ پھلا رہے تھے کہ مجھے تنہا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو مگر کوئی منہ پھیر کر نہ دیکھتا تھا۔ (بک رکوع، آیت ۱۵۲)۔ ایک شخص نے گچھنہ میں رکھ کر آنحضرتؐ کی طرف پتھر مارا جس کی وجہ سے آپؐ کے دو دانت شہید ہو گئے اور پیشانی مبارک مجروح ہو گئی۔ تلواروں کے کئی زخم بھی آئے اور آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ جب سب بھاگ رہے تھے۔ حضرت علیؑ عجب جواد تھے اور تحفظ رسالتؐ بھی کر رہے تھے۔ بالآخر کفار کو ہٹا کر آنحضرتؐ صلعم کو پہاڑی پر لے گئے۔ رات ہو چکی تھی۔ دوسرے دن صبح کے وقت مدینہ کو روانہ ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمان مارے گئے۔ اور ستر ہی زخمی ہوئے۔ اور کفار صرف تیس قتل ہوئے جن میں بارہ کافر علیؑ کے قتل کے ہوئے تھے۔ اس جنگ میں بھی غدیر داری کا عہدہ شیر خدا حضرت علیؑ کے ہی پر ہو تھا۔

تو زمین کا اتفاق ہے کہ حضرت علیؑ عجب جنگ رہے آپ کے جسم پر رسولؐ میں لگیں اور آپ کا ایک ہاتھ ٹوٹ گیا تھا۔ آپ بہت کافی زخمی ہونے کے باوجود تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفوں کو اٹھتے جاتے تھے۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۱۷۱)۔ اسی دوران میں آنحضرتؐ نے فرمایا: "علیؑ تم کیوں نہیں بھاگ جاتے؟" عرض کی مولاؑ! کیا ایمان کے بعد کفر اختیار کر لوں۔ (مدارج النبوت) مجھے تو آپؐ پر قربان ہونا ہے۔ اسی موقع پر حضرت علیؑ کی تلوار ٹوٹی تھی۔ اور ذوالفقار دستیاب ہوئی تھی۔ (تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۰۶) و تاریخ کامل ج ۲ ص ۵۸)۔ "ناد علیؑ" کا نزول بھی ایک روایت کی بنا پر اسی جنگ میں ہوا تھا۔ تو زمین کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ کے زخمی ہوتے ہی کسی نے یہ خبر ڈالی کہ آنحضرتؐ صلعم شہید ہو گئے۔ اس خبر سے آپؐ کے فدائی مقام اُحد پر آ پہنچے، جن میں آپؐ کی تخت بلکہ حضرت فاطمہؑ بھی تھیں۔ کثیر تواریخ میں ہے کہ دشمنان اسلام کی عورتوں نے مسلم اموات کے ساتھ بہت برا سلوک کیا امیر معاویہ کی ماں نے مسلمان لاشوں کے ناک کان کاٹ لیے اور ان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا اور امیر حمزہ کا جگر نکال کر چھایا۔ اسی لیے مادر معاویہ "بہند" کو بگڑنوارہ کہتے ہیں۔

علاؤ شہلی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ مدینہ میں تشریف لائے تو تمام مدینہ مدینہ ماتم کدہ بن گیا | آپ جس طرف سے گزرتے تھے گھروں سے ماتم کی آوازیں آتی تھیں۔ آپ کو ہجرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہیں۔ لیکن حمزہ کا کوئی فوج خواں نہیں ہے۔ رقت کے جوش میں آپؐ کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ "اما حمزہ فلا یوں کی لہ"۔ افسوس حمزہ کو رونے والا کوئی نہیں۔ انصار نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھے۔ سب نے جا کر اپنی عورتوں کو حکم دیا کہ وہ دولت کدہ پر جا کر حضرت حمزہ کا ماتم کریں۔ آنحضرتؐ نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینان کی بیٹھ تھی اور حمزہ کا ماتم بلند تھا۔ ان کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا کہ میں

تھوڑی ہمدردی کا شکر گزار ہوں۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۸۳)۔

یہ جنگ یوم بدر شنبہ ۱۵ شوال ۳ ہجری میں واقع ہوئی ہے حضرت امام حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور رسول خدا کا نکاح حفصہ بنت عمر کے ساتھ ہوا اور غزوہ بدر الاسد کے لیے آپ برآمد ہوئے حضرت علی علیہ السلام تھے۔

سلسلہ ہجری کے اہم واقعات

محرم سلسلہ ہجری میں نبی اسد نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا۔ جسے روکنے کے لیے آپ نے ابوسلمہ کو بھیجا انھوں نے دشمنوں کو مار چھڑکایا۔ پھر سفیان بن خالد نے حملہ کا ارادہ کیا جس کے مقابلہ کے لیے عبداللہ ابن ابی اسد بھیجے گئے۔

صفر سلسلہ ہجری میں ابوبرار عامر بن مالک کلابی کی درخواست پر آنحضرت نے ستر انصار کو تبلیغ کے لیے انھیں کے ہمراہ روانہ کیا۔ یہ لوگ مقام بیڑ معونہ پر ٹھہرے جو مدینہ سے ۴ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ایک شخص عامر بن طفیل کے پاس بھیجا اس نے قاصد کو قتل کر دیا۔ پھر ایک بڑا لشکر بھیج کر تمام صحابہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

واقعہ بیڑ معونہ

عمر بن امیہ نے قبیلہ عامر کے دو آدمی قتل کر دیئے تھے اور ان کا خون بہا اب تک باقی تھا۔ بروایت طبری آنحضرت اس کے مطالبہ کے لیے چند اصحاب کے ہمراہ نبی نصیر کے پاس گئے۔ انھوں نے مطالبہ تو قبول کر لیا، لیکن آپ کو قتل کر دینے کا یہ نصیخہ پروگرام بنایا۔ کہ ایک شخص کو ٹھٹھے پر جا کر ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے۔ چنانچہ عمر بن خطاب نے اس شخص پر گویا حضرت کو اس کی اطلاع مل گئی۔ اور آپ وہاں سے مدینہ تشریف لے آئے۔

غزوہ بنی نصیر

بنی نصیر ایک قلعہ میں رہتے تھے جس کا نام زہرہ تھا۔ یہ قلعہ مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ حضرت نے اس کی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے جلاوطنی کا حکم دے دیا۔ آپ نے کھلا بھیجا کہ دس یوم کے اندر یہ قلعہ خالی کر دو۔ انھوں نے عبداللہ بن ابی خزرجی منافق کے درغلانے سے سرتابی کی۔ قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا۔ بالآخر وہ لوگ پھر یوم میں مفرد ہو گئے۔

اسی سلسلہ ہجری ماہ جمادی الاول میں قبیلہ انمار و ثعلبہ اور غطفان نے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا آنحضرت اصحاب کو لے کر ان کی پیش قدمی کو

غزوہ ذات الرقاع

روکنے کے لیے آگے بڑھے۔ لیکن وہ سامنے نہ آئے اور بھاگ نکلے۔ اسی موقع پر ایک شخص نے بارادہ قتل آنحضرت سے تلوار مانگی تھی اور آپ نے دسے دی تھی مگر وہ قتل کی جرأت نہ کر سکا۔ (ابوالفدا ص ۸۸) اسی سلسلہ ہجری میں غزوہ بدر ثانی بھی پیش آیا۔ لیکن جنگ نہیں ہوئی۔ اس غزوہ میں بھی

حضرت علی علیہ السلام علمبردار تھے۔ اسی سال ماہ شعبان میں حضرت امام حسین علیہ السلام متولد ہوئے اور ام سلمہ کا رسول کریم کے ساتھ عقد ہوا، اور فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی۔

شہ ہجری کے اہم واقعات

جنگِ خندق | اس جنگ کو غزوہٴ احزاب بھی کہتے ہیں۔ یہ جنگ ذیقعد ۵ھ میں واقع ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل کے متعلق اربابِ تواریخ لکھتے ہیں کہ مدینہ سے نکالے ہوئے بنی نضیر کے یہودی جو خیبر میں سکونت پذیر تھے وہ شب و روز اور صبح و شام مسلمانوں سے بدلا لینے کے لیے ایسکیمیں بنایا کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسی شکل پیدا ہو جائے جس سے مسلمانوں کا تخم تک نہ رہے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگ مکہ چلے گئے اور ابوسفیان کو ملا کر بنی عطفان اور قیس سے رشتہٴ انھوت قائم کر لیا۔ اور ایک معاہدہ میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلے کے سورا اکٹھے ہو کر مدینہ پر حملہ کریں تاکہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت کا قلع مچ ہو جائے۔ ایسکیم مکہ ہونے کے بعد یہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ابوسفیان چار ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا۔ اور یہود کے دیگر قبائل نے چھ ہزار کے لشکر سے پیشقدمی کی۔ غرضیکہ دس ہزار کی جمعیت مدینہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آگے بڑھی۔

آنحضرتؐ کو اس حملے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ اسی لیے آپ نے مدینہ سے نکل کر کوہِ صلح کو پشت پر لے لیا اور جناب سلمان فارسی کی رائے سے پانچ گز چوڑی اور پانچ گز گہری خندق کھدوائی اور خندق کھودنے میں خود بھی کمال جانفشانی کے ساتھ لگے رہے۔ اس جنگ میں اندرونی خلفشار اور منافقوں کی ریشہ دوانیاں بھی جاری ہیں۔ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ اندرونی حالات کے تحت قحط کے لیے آنحضرتؐ نے جناب ابو بکرؓ پھر عمرؓ کو بھیجا چاہا۔ لیکن ان حضرات کے انکار کر دینے کی وجہ سے حضرت نے حذیفہؓ کو بھیجا (در منثور جلد ۵ ص ۱۸۵)

خندق کی کھدائی کا کام چھ روز تک جاری رہا۔ خندق تیار ہوئی ہی تھی کہ کفار کا لشکر عظیم آپہنچا۔ لشکر کی کثرت دیکھ کر مسلمانوں کے اوسانِ خطا ہونے لگے۔ کفار یہ ہمت تو نہ کر سکے کہ دفعتاً حملہ کر کے مسلمانوں کو تباہ کر دیتے۔ لیکن اکاؤڈ کا خندق پار کر کے حملہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اور یہ سلسلہ تین روز تک جاری رہا۔ ایک دن عمرو بن عبدود جو لوی بن غالب کی نسل سے تھا اور عرب میں ایک ہزار بہادری کے برابر مانا جاتا تھا۔ خندق چھاندا کر لشکرِ اسلام تک آپہنچا۔ اور اہل من مبارزہ کی صدا دی۔ عمرو بن عبدود کی آواز سننے ہی عمر بن خطابؓ نے کہا یہ تو ایک ہزار قزاق کا ایلا مقابلہ کرتا ہے یعنی بہت ہی بڑا بہادر ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے رہے سے ہوش بھی جاتے رہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اس کی صدائے

مبارزت پر لشکر اسلام کو مخاطب کر کے مقابلہ کی ہمت دلائی۔ لیکن ایک نوجوان بہادر کے علاوہ کوئی نہ سنا۔ تاہم تین تیس، روضۃ الاحباب اور روضۃ الشفا میں ہے کہ تین مرتبہ آنحضرت نے اپنے اصحاب کو مقابلہ کے لیے نکلنے کی دعوت دی۔ مگر حضرت علیؑ کے سوا کوئی نہ بولا۔ تیسری مرتبہ آپ نے علیؑ سے کہا کہ عمر بن عبدود ہے۔ آپ نے عرض کی۔ میں بھی علیؑ ابن ابی طالب ہوں۔

الغرض آنحضرت نے حضرت علیؑ کو میدان میں نکلنے کے لیے تیار کیا۔ اپنی زرہ پہنائی۔ اپنی تلوار کمز میں حامل کی۔ اپنا عمامہ اپنے ہاتھوں سے علیؑ کے سر پر باندھا اور دُعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر عرض کی خُدا یا! جنگِ بدر میں عبیدہ کو، جنگِ احد میں حمزہ کو دے چکا ہوں۔ پلنے والے اب میرے پاس علیؑ رہ گئے ہیں۔ مالک ایسا نہ ہو کہ آج ان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھوں۔ دُعا کے بعد علیؑ کو پیادہ روانہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ کہا بئز الایمان کلمۃ الی الکفر کلمۃ۔ آج کل ایمان کل کفر کے مقابلہ میں جا رہا ہے۔ (حیوۃ الجیوان جلد ۱ ص ۲۳۸ و سیرۃ محمدیہ جلد ۲ ص ۱۲۴)۔

الغرض آپ روانہ ہو کر عمر کے مقابلہ میں پہنچے۔ علامہ شبلی کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ نے عمر سے پوچھا کیا واقعاً تیرا یہ قول ہے کہ میدانِ جنگ میں اپنے مقابل کی تین باتوں میں سے ایک ضرور قبول کرتا ہے اس نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اسلام قبول کر اس نے کہا۔ ناممکن ہے۔ پھر فرمایا۔ اچھا جنگ گاہ سے واپس جا۔ کہا۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پھر فرمایا۔ اچھا اتر آ۔ اور مجھ سے نبرد آزما ہو۔ وہ اتر پڑا۔ لیکن کہنے لگا مجھے امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے کوئی شخص بھی مجھ سے یہ کہہ سکتا ہے جو تم کہہ رہے ہو۔ مگر دیکھو میں تمہاری جان لینا نہیں چاہتا۔ غرض جنگ شروع ہو گئی اور شرواروں کی نوبت آئی۔ بالآخر اس کی تلوار علیؑ کی سپر کاٹتی ہوئی ستر تک پہنچی۔ علیؑ نے جو سنبھل کر ہاتھ مارا تو عمر بن عبدود زمین پر لوٹنے لگا۔ مسلمانوں کو اس دستِ بدست لڑائی کی بڑی فکر تھی۔ ہر ایک دُعا میں مانگ رہا تھا۔ جب عمر سے حضرت علیؑ اڑ رہے تھے تو خاک اس قدر اڑ رہی تھی کہ کچھ نظر نہ آتا تھا۔ گرو غبار میں ہاتھوں کی صفائی تو نظر نہ آئی۔ ہاں تکبیر کی آواز سن کر مسلمان سمجھے کہ علیؑ نے فتح پائی۔

عمر و ابن عبدود مارا گیا اور اُس کے ساتھی خندق کو ڈکڑھاگ نکلے۔ خبر فتح جب حضرت تک پہنچی تو آپ خوشی سے بارغ بارغ ہو گئے۔ اسلام کے تحفظ اور علیؑ کی سلامتی کی مسرت میں آپ نے فرمایا۔

”ضربت علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلين“ آج کی ایک ضربت علیؑ میری ساری امت وہ چاہے زمین میں بستی ہو یا آسمان میں رہتی ہو سکی تمام عبادتوں سے بہتر ہے۔

بعض کتابوں میں ہے کہ عمر بن عبدود کے سینے پر حضرت علیؑ سوار ہو کر سر کاٹا ہی چاہتے تھے کہ اُس نے چہرہ اقدس پر لعابِ دہن سے بے ادبی کی۔ حضرت کو غصہ آ گیا۔ آپ یہ سوچ کر فوراً سینے سے اتر آئے کہ کارِ خدا میں جذبہ بغض شامل ہو رہا تھا، جب غصہ فرو ہوا تب سر کاٹا۔ اور زرہ اُتارے بغیر حضرت

رسالت مآب میں جا پہنچے۔ آنحضرتؐ نے علیؑ کو سینے سے لگایا۔ جبریلؑ نے بروایت سلیمان قدوسی آسمان سے انار لاکر تحفہ عنایت کیا جس میں سبز رنگ کا رومال تھا۔ اور اس پر "علیؑ اللہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام میدان جنگ سے کامیاب و کامران واپس ہوئے۔ اور عمرو بن عبدود کی بہن بھائی کی لاش پر پہنچی اور خود وزرہ بدستور اس کے جسم پر دیکھ کر کہا "ما قتلتہ الا کفؤ کرمیہ" سے کسی بیت ہی معزز بہادر نے قتل کیا ہے۔ اس کے بعد چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اے عمرو! اگر تجھے اس قاتل کے علاوہ کوئی اور قتل کرتا تو میں ساری عمر تجھ پر گریہ کرتی۔ معارج النبوة اور روضۃ الصفا میں ہے کہ فتح کے بعد جب حضرت علیؑ واپس ہوئے تو حضرت ابو بکرؓ نے اٹھ کر آپ کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا۔

آنحضرتؐ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ بنی مصطلق مدینہ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ آپ اُسے روکنے کے لیے ارض شیبان

غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ انک

کوان کی طرف بڑھے۔ حضرت علیؑ علیہ السلام کے گھمسان کی جنگ ہوئی مسلمان کامیاب ہوئے۔ واپسی کے موقع پر حضرت عائشہؓ اسی جنگ میں رہ گئیں۔ جو بعد میں ایک شخص صفوان ابن محصل کے ساتھ ناکہ پر بیٹھ کر آنحضرتؐ تک پہنچیں۔ آنحضرتؐ نے اسے محسوس کیا اور لوگوں نے شکوک کا چرچا کر دیا۔ بروایت تاریخ آئمہ آنحضرتؐ کو بھی شک ہو گیا تھا۔ اور آپؐ کچھ عرصہ کشیدہ رہے۔ پھر فرمایا مجھے جہاں تک معلوم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی اور کچھ نہیں پاتا۔ اور جس مرد یعنی صفوان ابن محصل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں میں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں پاتا۔ وہ بے شک میرے گھر میں آمد و رفت رکھتا تھا مگر ہمیشہ میرے حضور میں (اہمات الامم ص ۱۶۶)

اسی شعبہ میں غزوہ بنی قریظہ۔ سہریہ سیف البحر۔ غزوہ بنی عیان بھی واقع ہوئے ہیں اور تیمم کا حکم بھی نازل ہوا ہے اور بقول محی الدین ابن ابی اسحاقؒ میں بموقع فتح خندق آنحضرتؐ نے خود اذان میں "حتی علی خیر العمل" کا حکم دیا ہے۔ کبریٰ آئینہ برعاشیہ ابوابیت والحوار جلد ۱ ص ۱۲۱ و ۱۲۲ ترجمہ مسلم ص ۵۲۵ و کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۶۔

واضح ہو کہ "حتی علی خیر العمل" رسول کریمؐ کی تشکیل اذان کا جزو ہے لیکن حضرت عمرؓ نے اُسے اپنے عہد میں اذان سے خارج کر دیا ملاحظہ ہو۔ (ذیل الادوار امام شوکانی ج ۱ ص ۳۳۹ و صحیح مسلم ترجمہ ج ۱ ص ۱۲۱)

شعبہ ہجری کے اہم واقعات

ذیقعد شعبہ ہجری مطابق ۶۲۵ء میں آنحضرتؐ حج کے ارادے سے مکہ کی طرف چلے۔ قریش کو خبر ہوئی تو جانے سے روکا۔ حضرت ایک کنوئیں پر جس کا حیدریہ نام تھا

صلح حیدریہ

رک گئے اور صحابہ سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ اسی کو بیعت الرضوان کہتے ہیں اور بیعت کرنے والوں کو اصحاب سمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قریش کے ایچی "عروہ" نے کہا کہ اس سال حج سے باز آئیں اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے ہمراہ ایسے لوگ دیکھ رہا ہوں جو ابواشس ہیں اور جنگ سے بھاگ نکلیں گے یہ سُن کر حضرت ابو بکر نے بغزالات چوسنے کی گالی دی۔ اس کے بعد آنحضرت نے بروایت ابن اثیر حضرت عمر کو قریش کے پاس اس لیے بھیجنا چاہا کہ وہ انھیں سمجھا بھجا کر صلح کرنے پر راضی کر لیں۔ لیکن وہ نہ گئے اور حضرت عثمان کو بھیجنے کی رائے دی حضرت عثمان جو ابوسفیان کے بھتیجے تھے۔ ان کے پاس گئے، ان کی اچھی طرح آد بھگت ہوئی، لیکن انھیں گرفتار ہو گئے اور جلد ہی چھوٹ کر چلے آئے۔ آخر عمرو قریش کی طرف سے پیغام صلح لایا اور حضرت نے صلح کر لی۔ صلح نامہ حضرت علیؑ نے لکھا۔ طرفین سے شہادتیں لے لی گئیں۔ اس صلح کے بعد قریش بے کھٹکے مسلمان ہونے لگے۔ اور مکہ میں بلا مزاحمت قرآن پڑھا جانے لگا۔ کیونکہ امن قائم ہو گیا اور رسول کا نام لینا حرم نہ رہا۔ ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ اور اسلام کا نیا دور شروع ہو گیا۔ (تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۵۱ اور درمستور جلد ۱ ص ۱۷۱ میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عمر نے کہا کہ محمدؐ کی نبوت میں جیسا مجھے آج شک ہوا ہے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ انھوں نے اس لیے کہا کہ وہ صلح پر راضی نہ تھے۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ ان کے اس طرز عمل سے حضرت رسولؐ خدا سخت رنجیدہ ہوئے (تاریخ ابن خلدون ص ۳۶۱)۔

تاریخ اسلام احسان اللہ عباسی میں ہے کہ حدیبیہ سے واپس ہوتے ہوئے راہ میں سورۃ اِنشَاء فَتَحْتُمَا الْكَلْبَ فَتَحْتُمَا مَيْدَانًا۔ نازل ہوا۔ اسی سال غزوہ ذی قرد۔ سر یہ دو مئتا الجندل، سر یہ فندک سر یہ وادی الثری۔ سر یہ عزیز بھی واقع ہوئے ہیں۔

اسی سلسلہ ہجری میں حضرت رسول کریمؐ نے زید بن حارثہ کی زیر پروردگی چالیس آدمیوں کی ایک جماعت حموم کی طرف روانہ کی جس نے قبیلہ مزینہ کی ایک عورت حلیمہ اور اس کے شوہر کو گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں حاضر کیا۔ آپ نے میاں بیوی دونوں کو آزاد کر دیا۔ تاریخ کمال بن اثیر جلد ۲ ص ۱۷۱ والرق فی الاسلام مصنفہ عتیق الرحمن عثمانی جلد ۱ ص ۱۰۱۔

سہ ہجری کے اہم واقعات

جسیر مدینہ منورہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر یہودیوں کی بستی تھی اس کے باشندے یونہی اسلام کے عروج و اقبال سے جل نہیں رہے تھے کہ مدینہ میں جلاوطن یہودیوں نے ان سے مل کر ان کے حوصلے بلند کر دیئے۔ انھوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کے بھروسہ پر مدینہ کو تباہ و برباد کر ڈالنے کا منصوبہ بنا دیا اور اس کے لیے مکمل فوجی تیاریاں کر لیں۔ جب آنحضرتؐ کو ان کے عزم و

جنگِ جسیر

ارادہ کی خبر ہوئی تو آپ ۱۴ صفر ۱۰ صفر ۱۰ ہجری کو چودہ سو پیدل اور دو سو سوار لے کر فتنہ کو فرو کرنے کے لیے مدینہ سے براہِ کمر ہوئے اور خیبر میں پہنچ کر قلعہ بندی کر لی اور مسلمان انھیں محاصرہ میں لے کر ان سے مسلسل لڑتے رہے۔ لیکن قلعہ قنوص فتح نہ ہو سکا۔

تاریخ طبری و خمیس اور شواہد النبوة صفحہ ۵۵ میں ہے کہ آنحضرت نے فتح قلعہ کے لیے حضرت عمر کو بھیجا۔ پھر حضرت ابو بکر کو روانہ کیا۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر کو حکم جہاد دیا لیکن یہ حضرات ناکام واپس آئے۔ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۹۳ میں ہے کہ تیسری مرتبہ جب علم اسلام پوری حفاظت کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں پہنچ رہا تھا۔ راستہ میں بھاگتے ہوئے لشکر والوں نے سپہ سالار کی بزدلی پر اجماع کر لیا۔ اور سالار لشکر ان لشکریوں کو بزدل کہہ رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آنحضرت نے فرمایا: کل میں علم اسلام ایسے بہادر کو دوں گا جو مرد ہوگا۔ اور بڑھ بڑھ کر حملہ کرنے والا ہوگا۔ اور کسی حال میں بھی میدانِ جنگ سے نہ بھاگے گا۔ وہ خدا و رسول کو دوست رکھتا ہوگا۔ اور خدا و رسول اس کو دوست رکھتے ہوں گے اور وہ اس وقت تک میدان سے نہ پلٹے گا۔ جب تک خداوندِ عالم اس کے دونوں ہاتھوں پر فتح نہ دے دے گا۔

پیغمبر اسلام کے اس فرمانے سے اہل اسلام میں ایک خاص کیفیت پیدا ہو گئی اور ہر ایک کے دل میں یہ امنگ آ موجود ہوئی کہ کل علم اسلام کسی صورت سے مجھ ہی کو ملنا چاہیے۔ طبری جلد ۳ کے صفحہ ۹۳ میں ہے کہ حضرت عمر کہتے ہیں کہ مجھے سرداری کا حوصلہ آج کے روز سے زیادہ کبھی نہ ہوا تھا۔ مورخ کا بیان ہے کہ تمام اصحاب نے انتہائی بے چینی میں رات گزاری اور علی الصبح اپنے کو آنحضرت کے سامنے پیش کیا۔ اصحاب کو اگرچہ توقع نہ تھی لیکن بتائے ہوئے صفات کا تقاضا تھا کہ علی کو آواز دی جائے کہ ناگاہ زبانِ رسالت "ابن علی ابن ابی طالب کی آواز بلند ہوئی لوگوں نے کہا حضور وہ تو آشوبِ چشم میں مبتلا ہیں انہیں کتے حکم ہوا کہ جا کر کہو رسول خدا بلا تے ہیں۔ بیغی میرے آواز رسالت گوش امیر المؤمنین میں پہنچائی اور آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصحاب کے کندھوں کا سہارا لے کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے علی کا سر اپنے زانو پر رکھا۔ اور بخار اتر گیا۔ لعاب دہن لگایا، آشوبِ چشم جاتا رہا۔ حکم ہوا، علی میدانِ جنگ میں جاؤ۔ اور قلعہ قنوص کو فتح کرو۔ علی نے روانہ ہوتے ہی پوچھا حضور! کب تک لڑوں اور کب واپس آؤں۔ فرمایا۔ جب تک فتح نہ ہو۔

حکم رسول پاک علی میدان میں پہنچے۔ پتھر پر علم نصب کیا۔ ایک یہودی نے پوچھا آپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا "علی ابن ابی طالب" اس نے اپنوں سے کہا کہ تو ریت کی قسم یہ شخص ضرور فتح کرے گا کیوں کہ اس قلعہ کے فاتح کے جو صفات تو ریت میں بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل درست ہیں اس میں سب صفات پائے جاتے ہیں۔ الغرض حضرت علی کے مقابلہ کے لیے لوگ نکلنے لگے، اور فنا کے گھاٹ اترنے لگے سب

سے کہ ان کے سوا کسی اور کو بلایا جائے گا کیونکہ علی بیمار تھے۔

سے پہلے حارث نے جنگ آزمائی کی، اور ایک دو واروں کی رو بدلی میں ہی واصل جہنم ہو گیا۔ حارث چونکہ مرحب کا بھائی تھا اس لئے مرحب نے جوش میں آکر رجز کہتے ہوئے آپ پر چل دیا۔ آپ نے اس کے تین بھالے والے نیزے کے وار کو رد کر کے ذوالفقار کا ایسا فار کیا کہ اس سے آہنی خود، سر اور سینے تک دو ٹکڑے ہو گئے۔ مرحب کے مرنے سے اگرچہ جہنم ختم ہو گئی تھی۔ لیکن جنگ جاری رہی اور عنتر ریح۔ یا سر جیسے پہلوان میدان میں آتے اور موت کے گھاٹ اترتے رہے۔ آخر میں جگہ و جگہ گئی۔ مورخین کا بیان ہے کہ دوران جنگ میں ایک شخص نے آپ کے دست مبارک پر ایک ایسا حمل کیا کہ سپر چھوٹ کر زمین پر گر گئی۔ اور ایک دوسرا یہودی اُسے لے بھاگا۔ حضرت کو جلال آگیا آپ آگے بڑھے۔ اور قلعہ خیبر کے آہنی در پر بائیں ہاتھ رکھ کر زور سے دیا۔ آپ کی انگلیاں اُس کی چوکھٹ میں اس طرح در آئیں جیسے موم میں لوہا در آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے جھٹکا دیا اور خیبر کے قلعہ کا دروازہ جسے چالیس آدمی حرکت زدے سکتے تھے، جس کا وزن بروایت معارج النبوة آٹھ سو من اور بروایت روضة الصفا تین ہزار من تھا اکھڑ کر آپ کے ہاتھ میں آگیا۔ اور آپ کے اس جھٹکے سے قلعہ میں زلزلہ آگیا۔ اور صفیر بنت حسنیٰ ابن اخطب منہ کے بل زمین پر گر پڑی۔ چونکہ یہ عمل انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اس لیے آپ نے فرمایا "میں نے در قلعہ خیبر کو قوت ربانی سے اکھاڑا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے سپر بنا کر جنگ کی اور اسی در کو پیل بنا کر لشکر اسلام کو اُس پار اتار دیا۔ معارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲۱ میں ہے کہ جب حمل فتح کے بعد آپ واپس تشریف لے گئے۔ تو پیغمبر اسلام آپ کے استقبال کے لیے نکلے اور علی کو سینے سے لگا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور فرمایا کہ اے علی خدا اور رسول، جبرائیل و میکائیل بلکہ تمام فرشتے تم سے راضی و خوش ہیں۔ علامہ شیخ قدوسی کتاب نیایح المودۃ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اے علی! تمہیں خدا نے وہ فضیلت دی ہے کہ اگر میں اسے بیان کرتا تو لوگ تمہاری خاک قدم بطور تبرک اٹھا کر رکھتے۔ تاریخ میں ہے کہ فتح خیبر کے دن حضور کو دوہری خوشی ہوئی تھی ایک فتح خیبر کی اور دوسری حبش سے مراجعت جعفر طیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ اسی موقع پر ایک عورت یثرب بنت حارث نامی نے آنحضرت کو بٹھتے ہوئے گوشت میں زہر دیا تھا اور اسی جنگ سے واپسی میں بمقام صبار بخت شمس ہوئی تھی۔ (شواہد النبوة صفحہ ۸۶-۸۷)۔

حضرت علیؑ کے لیے رجعت شمس
مورخین کا بیان ہے کہ جب آنحضرت لشکر سمیت خیبر سے واپسی میں مقام وادی القریٰ کی طرف جاتے ہوئے مقام صہبا میں پہنچے اور وہاں قیام پذیر ہوئے تو ایک دن آپ پر وحی کے نزول کا سلسلہ ایسے وقت میں شروع ہوا کہ غروب آفتاب سے قبل ختم نہ ہوا۔ حضرت رسول کریمؐ حضرت علیؑ کی

آغوش میں سر رکھے ہوئے تھے۔ جب سلسلہ وحی منقطع ہوا تو آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے پوچھا کہ اے علیؑ تم نے نمازِ عصر بھی پڑھی یا نہیں عرض کی، مولانا زکیسے پڑھتا، آپ کا سر مبارک زانو پر تھا اور وحی کا سلسلہ جاری تھا۔ یہ سن کر حضرت رسول کریمؐ نے دست و عابد کیا اور کہا کہ ”بار اَلِہَا عَلٰی تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا۔ اس کے لیے سورج کو پلٹا دے تاکہ یہ نمازِ عصر ادا کر لیں۔ چنانچہ سورج پلٹ آیا اور علیؑ نے نمازِ عصر ادا کی۔ (حجیب اسیر، روضۃ الصفا۔ روضۃ الاحباب شرح شفا قاضی عیاض تاریخ نجف) بعض روایات میں یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ سورج کو حکم دو۔ وہ پلٹے گا، چنانچہ علیؑ نے حکم دیا۔ اور سورج پلٹ آیا۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں یہ حدیث رحمت شمس صحیح ہے۔ ثقہ راویوں سے مروی ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

آن کہ در آفاق گرد و بوتراب باز گرداند ز مغرب آفتاب

تبلیغی خطوط

حضرت کو ابھی صلح حدیبیہ کے ذریعہ سے سکون نصیب ہوا ہی تھا کہ آپ نے ستر ہجری میں ایک مہر بنوائی جس پر ”مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ“ کندہ کرایا۔ اس کے بعد شاہانِ عالم کو خطوط لکھے۔ ان دنوں عرب کے ارد گرد چار بڑی سلطنتیں قائم تھیں۔ حکومت ایران جس کا اثر وسط ایشیا سے عراق تک پھیلا ہوا تھا، حکومت روم جس میں ایشیائے کوچک، فلسطین، شام اور یورپ کے بعض حصے شامل تھے۔ (۳) مصر (۴) حکومت حبش جو مصری حکومت کے جنوب سے لے کر بحیرہ قلزم کے مغربی ساحل پر حجاز و یمن کے متوازی قائم تھی اور اس کا اثر صحرائے اعظم افریقہ کے تمام علاقوں پر تھا۔ حضرت نے بادشاہ حبش نجاشی۔ شاہ روم قیصر ہرقل، گورنر مصر جریح ابن مینا قبلی عرف مقوقش۔ بادشاہ ایران خسرو پرویز اور گورنر یمن باذان، والی دمشق حارث وغیرہ کے نام خطوط روانہ فرمائے۔

آپ کے خطوط کا مختلف بادشاہوں پر مختلف اثر ہوا۔ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا۔ شاہ ایران نے آپ کا خط پڑھ کر غیظ و غضب کے تحت خط کے ٹکڑے اڑا دے قاصد کو نکال دیا، اور گورنر یمن کو لکھا کہ مدینہ کے دیوانہ (آنحضرتؐ) کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دے۔ اُس نے دو سپاہی مدینہ بھیجے تاکہ حضورؐ کو گرفتار کریں۔ حضرت نے فرمایا، جاؤ تم کیا گرفتار کرو گے۔ تمہیں خبر بھی ہے تمہارا بادشاہ انتقال کر گیا۔ سپاہی جو یمن پہنچے تو سنا کہ شاہ ایران داعی اجل کو لبیک کہہ چکا ہے۔ آپ کی اس خبر وہی سے بہت سے کافر مسلمان ہو گئے۔ قیصر روم نے آپ کے خط کی تعظیم کی۔ گورنر مصر نے آپ کے قاصد کی بڑی مدارات کی اور بہت سے تحفوں سمیت اُسے واپس کر دیا۔ ان تحفوں میں ماریہ قبلیہ (زوجہ آنحضرتؐ)

اور ان کی ہمیشہ شیریں (زوجہ حسان بن ثابت) ایک دلدل نامی جانور برائے حضرت علی، یحضور نامی دراز گوش بالور نامی خواجہ سرا شامل تھے۔

حصول فدک

فدک نواح خیبر میں ایک قریہ ہے فتح خیبر کے بعد آنحضرت نے علیؑ کو فدک

واوں کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ انھیں دعوت اسلام دے کر مسلمان کریں۔ ان

لوگوں نے اس بات پر صلح کرنی چاہی کہ نصف زمین آنحضرت کو دے دیں اور نصف پر خود قابض رہیں حضرت نے اُسے منظور فرمایا۔ طبری جلد ۲ صفحہ ۹۵ میں ہے کہ چونکہ یہ فدک بلا جنگ و جدال ملا تھا۔

اس لیے آنحضرت کا خالصہ قرار پایا۔ درمشور جلد ۷ ص ۱۱۱ میں ہے کہ فدک کے قبضہ میں آتے ہی حکم خدا نازل ہوا: "وات ذالقریٰ حقہ" اپنے قرابت دار کو حق دے دو۔ شرح مواقف کے صفحہ ۳۵ میں ہے

کہ آنحضرت نے "اعطاہاندک نخلتہ" فاطمہ زہرا کو بطور عطیہ فدک دے دیا۔ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۳۷۷، معارج النبوة رکن ۲ ص ۲۲۱ میں ہے کہ آنحضرت نے تحریری تصدیق نامہ یعنی بذریعہ دستاویز

جائداد فدک جناب سیدہ کے نام ہیہ کر دی۔ یہی کچھ صواعق شمرقہ ص ۲۱-۲۲، وفار الوفا راج ۲ ص ۲۲۰-۲۲۱، فتاویٰ عزیزی ص ۱۲۳، روضۃ الصفا ج ۲ ص ۱۳۵، معارج النبوت معین کاشفی رکن ۲ ص ۲۲۱

معجم البلدان میں اس زمین کو بہت زرخیز بتایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ زمین بہت سے چشموں سے سیراب ہوتی تھی۔ اس میں کافی نخلستان بھی تھے۔ ابو داؤد کے کتاب خرّج میں اس کی آمدنی چار ہزار دینار

(اشرفی) سالانہ نکھی ہے۔

ایک واقعہ

اسی سال مقام صہبائے واپسی میں غزوہ وادی القریٰ واقع ہوا۔ یہودیوں سے لڑائی

ہوئی اور بہت سامان غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی سال مسلمانوں کے مشہور واضح حدیث

ابو ہریرہ سے مروی ہے۔ یہ اسلام کے قبل یہودی تھے تین سال عہد رسالت میں زندگی بسر کی آپ نے ۵۳۰ء حیدرین نقل کی ہیں۔ شرح مسلم نووی ص ۳۷۷ صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۰۹، الفاروق جلد ۲ ص ۱۰۵، میزان الکبریٰ جلد ۱ ص ۱۱۱ میں ہے کہ عبد اللہ بن عمر حضرت عائشہ اور حضرت علیؑ انھیں جھوٹا جانتے تھے۔

شہ ہجری کے اہم واقعات

جنگ موتہ

جنگ موتہ اس مشہور جنگ کو کہتے ہیں جس میں اسلام کے تین سپہ سالار پے درپے

شہید ہوئے جن میں نمایاں درجہ حضرت جعفر طیار کو حاصل تھا۔ موتہ یہ شام کے علاقہ

بلقا کا ایک قریہ ہے۔ اس جنگ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلعم نے اسلامی دعوت نامہ دیگر سلاطین اور روسا کی طرح شام کے حاکم عیسائی شرجیل بن عمرو عسائی کے پاس بھی بھیجا۔ اُس نے حضور کے قاصد حارث

ابن عمیر کو بمقام موتہ قتل کر دیا چونکہ اس نے اسلامی توہین کے ساتھ ساتھ رومیا کے بین الاقوامی قانون کے

غلاف کیا تھا۔ لہذا آنحضرت صلعم نے تین ہزار کی فوج دے کر اپنے غلام زید کو روانہ کیا اور یہ پروگرام بنا دیا کہ جب یہ قتل ہو جائے تو جعفر طیار پھر ان کے بعد عبداللہ ابن رواحہ علیہ داری کریں۔ میدان میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ مقابلہ کے لیے ایک لاکھ کا لشکر آیا ہے۔ حکم رسولؐ تھا، زید نے جنگ کی اور شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر نے علم سنبھالا اور انتہائی بہادری اور بے جگرگی کے ساتھ وہ لڑنے لگے۔ فوج میں ہچل ڈال دی۔ لیکن سینے پر توڑے زخم کھا کر تاب نہ لاسکے اور زمین پر آگرے۔ عبداللہ ابن رواحہ نے علم سنبھالا اور مشغول نبرد آزمانی ہوئے۔ بالآخر انھوں نے بھی شہادت پائی۔ پھر اور ایک بہادر نے علم سنبھالا۔ کامیابی کے بعد مدینہ واپسی ہوئی۔ مسلمانوں خصوصاً آنحضرتؐ کو اس جنگ میں تین سپہ سالاروں کے قتل ہونے کا سخت طلال ہوا۔ جعفر طیار کے لیے آپ نے فرمایا: "خدا نے انھیں جنت میں پرواز کے لیے جو زمرہ کے پر عطا کئے ہیں۔ تو زمین کا کنا ہے کہ اسی لیے آپ کو جعفر طیار کہا جاتا ہے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ آنحضرتؐ جب جعفر کے گھر گئے تو ان کی بیوی کو محو کر دیکھ کر اپنے گھر پہنچے تو فاطمہ کو لڑتے دیکھا۔ حضورؐ نے سب کو تسلی دی اور جعفر طیار کے گھر کھانا پکوا کر بھیجا۔ یہ جنگ جمادی الاول ۳ھ حج میں واقع ہوئی ہے۔

ذات السلاسل | اسی جمادی الاول ۳ھ میں یہ سیرت ذات السلاسل بھی واقع ہوئی ہے آنحضرتؐ نے تین سو سپاہیوں کے ہمراہ عمر و عاص کو قیاد قضا عہ کی سرکوبی کے لیے بھیجا مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ تو ابو عبیدہ بن جراح کو روانہ فرمایا۔ انھوں نے کامیابی حاصل کی۔

منبر نبوی کی ابتدا | اب سے پہلے آنحضرتؐ کے لیے مسجد میں کوئی منبر نہ تھا۔ آپ۔ ستون سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ آپ کے لیے عائشہ انصاریہ نے تین درجے کا منبر اپنے رومی غلام "باقوم" نامی سے جو نجاری کا کام جانتا تھا بنا دیا۔

فتح مکہ

صلح حدیبیہ کی رو سے دس سال تک باہمی جنگ و جدال منسوخ ہونے کے باوجود قریش کے حلیف قبیلہ بنو مکر نے آنحضرتؐ کے حلیف بنو خزاعہ پر چڑھائی کر دی اور قریش کی مدد سے انھیں تباہ و برباد کر ڈالا۔ بالآخر حالات سے مجبور ہو کر بنی خزاعہ نے آنحضرتؐ سے مدد مانگی۔ آنحضرتؐ نے دس ہزار پر مشتمل لشکر تیار کر کے مکہ کا ارادہ کیا۔ ابوسفیان نے جب یہ تیاری دیکھی تو یہ درخواست پیش کرنے کے لیے کہ صلح نامہ حدیبیہ کی تجدید کر دی جائے۔ مدینہ آیا اور اپنی بیٹی ام حبیبہ زوجہ رسولؐ کے گھر گیا۔ انھوں نے یہ کہہ کر اسے بستر رسولؐ سے شاد دیا کہ تو کافر و مشرک ہے۔ (ابوالفوار) پھر آنحضرتؐ کے پاس گیا۔ آپ نے خاموشی اختیار کی۔ پھر حضرت علیؑ سے بلا انھوں نے بھی ممنونہ لگایا۔ پھر حضرت

فاطمہ کے پاس پہنچا اور امام حسن علیہ السلام کے واسطے سے امان مانگی، انھوں نے بھی کوئی سہارا نہ دیا اس کے بعد مسجد میں تجدید صلح کا اعلان کر کے واپس چلا گیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے پوری توہمہ کے ساتھ جنگ کی خفیہ تیاریاں کر لیں۔ مگر یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ کس طرف جانے کا ارادہ ہے۔ اسی خفیہ تیاری کی اسکیم کے ماتحت آپ نے مکہ کی آمد و رفت مطلقاً بند کر دی تھی۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ اگر مکہ والوں کو قبل از وقت اطلاع مل جائے گی تو کامیابی مشکل ہو جائے گی۔ مگر ایک چٹانخور صحابی مطاب ابن بلتعہ نے جس کے بچے مکہ میں تھے۔ ایک عورت کے ذریعہ سے حملہ کا مکمل حال لکھ بھیجا۔ وہ تو کہتے کہ حضرت کو اطلاع مل گئی۔ آپ نے علی کو تعاقب میں بھیج کر خط واپس کرایا۔

الغرض ۱۰ رمضان شہد حج کو آپ غیر معروف راستوں سے اپنا مکہ پہنچے اور مکہ سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ”مرانظران“ پر پڑاؤ ڈالا۔ لشکر کی کثرت کا چرچہ ہو گیا۔ ابوسفیان حضرت عباس کے مشورے سے مسلمان ہو گیا۔ آنحضرت نے اُس کے لیے یہ رعایت کر دی کہ جو اس کے گھر میں فتح مکہ کے موقع پر پناہ لے اُسے چھوڑ دیا جائے۔ ابوسفیان مکہ واپس گیا اور اس نے آنحضرت کی طرف سے اعلان کر دیا کہ جو مکہ میں میرے مکان میں پناہ لے گا محفوظ رہے گا۔ جو ہتھیار لگائے بغیر سامنے آئے گا۔ اُس پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے گا۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور تھوڑی سی مزاحمت کے بعد مکہ پر قبضہ ہو گیا۔ پھر سالار لشکر حضرت علیؑ تھے۔ آنحضرت ناقہ قصویٰ پر سوار مکہ میں داخل ہوئے۔ اور زبیر کے لگتے ہوئے اسلامی جھنڈے کے قریب جا کر اترے۔ نیچے نصب ہوئے۔ آپ نے قریش سے فرمایا تاؤ تمھارے ساتھ کیا سلوک کروں سب نے متفق القفظ کہا۔ آپ کریم ابن کریم ہیں۔ ہمیں معاف فرمائیں۔ آپ نے معافی دی۔ اور آپ سات مرتبہ طواف کے بعد داخل حرم کعبہ ہو گئے۔ اور اُن تمام بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑا جو میچے تھے۔ اور اونچے بتوں کو توڑنے کے لیے حضرت علیؑ کو اپنے کندھے پر چڑھایا، علیؑ نے تمام بتوں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا۔ گویا پتھر کے خداؤں کو مٹی میں ملا دیا۔ توحش کا بیان ہے کہ جس جگہ ہر بت تھی، اور جہاں معراج کی شب کتبہ رسول پر ہاتھ رکھا ہوا محسوس ہوا تھا، اسی جگہ علیؑ نے پاؤں رکھ کر بت شکنی کی۔ اُن کا یہ بھی بیان ہے کہ حضرت علیؑ کو رسولؐ نے اپنی پشت پر سوار کیا اور جبریلؑ نے بت شکنی کے بعد اپنے ہاتھوں سے اُتارا۔ (تاریخ نجس جلد ۲ ص ۹۷)

زندگانی محمد ص ۷۷ عجائب القصاص ص ۲۷۸ میں ہے کہ کعبہ میں ۳۶۰ بت تھے۔

مکہ معظمہ فتح ہو جانے کے بعد آنحضرتؐ نے چند افراد کو تبلیغ اسلام کے لیے بعض اطراف میں بھیجا۔ جن میں خالد بن ولید بھی تھے۔ یہ لوگ جب بنی خزیمہ کے پاس پہنچے تو انھوں نے اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلایا۔ لیکن ابن ولید نے کوئی پرواہ نہ کی اور ان پر غیر اخلاقی حملہ کیا۔ آنحضرتؐ نے جب اس تعدی کی خبر سنی تو آپ نے اپنے بری الذمہ ہونے کا اعلان

کیا۔ اور حضرت علیؑ کو بھیج کر مہر قسم کا ساواں ادا کیا۔ اور خون بہا دیا۔ (طبری جلد ۲ ص ۱۲۲)

جنگِ حنین

حنین مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر طائف کی طرف ایک وادی کا نام ہے۔ فتح مکہ کی خبر سے بنی ہوازن، بنی ثقیف، بنی جشم اور بنی سعد نے باہمی اجماع میں فیصلہ کیا کہ سب مل کر مسلمانوں سے لڑیں۔ انھوں نے اپنا سردار لشکر مالک ابن عوف لغزی اور علمبردار "الوجردل" کو قرار دیا۔ اور وہ اپنے ہمراہ "دو میدانِ حتمہ" نامی ۱۲۰ برس کا تجربہ کار سپاہی برائے مشورہ لے کر پانچ ہزار آدمیوں پر مشتمل لشکر سمیت حنین اور طائف کے درمیان مقام "اوطاس" پر جمع ہو گئے۔ جب آنحضرتؐ کو اس اجتماع کی اطلاع ملی تو آپ ۱۲ یا ۱۶ ہزار کا لشکر لے کر جس میں مکہ کے دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے۔ ۶ شوال ۶۱۰ء کو مکہ کو ودل پر سوار مکہ سے نکل پڑے۔ حضرت علیؑ حسب معمول علمبردار لشکر تھے۔ میدان میں پہنچ کر حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ ہم اتنے کثیر ہیں کہ آج شکست نہیں کھا سکتے۔ میدانِ جنگ میں اس قسم کے منصوبے باندھے جا رہے تھے۔ کہ وہ دشمن جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ نکل آئے اور تیروں نیزوں اور پتھروں سے ایسے حملے کئے کہ بڑوں کے جان کے لالے پڑ گئے۔ سب سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ کسی کو رسولِ خدا کی خبر نہ تھی۔ وہ پکار رہے تھے۔ اے بیعت رضوان والو! کہاں جا رہے ہو لیکن کوئی نہ مستنہ تھا۔ غرض کہ ایسی بھگدڑ مچی کہ اصولی جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی حضرت علیؑ حضرت عباسؑ، ابن حارث اور ابن مسعود کے علاوہ سب بھاگ گئے۔ (سیرت جلد ۲ ص ۱۲۹) اس موقع پر ابوسفیان کہہ رہا تھا۔ کہ ابھی کیا ہے مسلمان سمندر پار بھاگیں گے۔ حبیب السیر اور روضۃ الاحباب میں ہے کہ سب سے پہلے خالد ابن ولید بھاگے۔ ان کے پیچھے قریش کے نو مسلم چلے پھر ایک ایک کر کے ہاجرہ و انصار نے راہ فرار اختیار کی۔ اسی دوران میں دشمنوں نے آنحضرتؐ پر حملہ کر دیا جسے جان نثاروں نے روک دیا۔ حالات کی نزاکت کو دیکھ کر رسول اللہؐ خود لڑنے کے لیے آگے بڑھے۔ مگر حضرت عباسؑ نے گھوڑے کی لجام تھام لی۔ اور مسلمانوں کو پکارا۔ آپ کی آواز پر سو مسلمان واپس آگئے اور دشمن بھی سب کے سب مقابل ہو گئے۔ گھمسان کی جنگ شروع ہوئی۔ الوجردل علمبردار لشکر نے مقابل طلب کیا حضرت علیؑ علمبردار لشکر اسلام مقابلہ میں تشریف لائے اور ایک ہی آہ میں اُسے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ مسلمانوں کے جو صلے بڑھے اور کامیاب ہو گئے۔ سیرت ابن ہشام جلد ۲ ص ۲۶۱ میں ہے کہ اس جنگ میں چار مسلمان اور ۷۰ کا قتل ہوئے۔ جن میں سے ۴۰ حضرت علیؑ کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اس جنگ میں غیبی امداد ملی تھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔

اس کے بعد مقام اوطاس میں جنگ ہوئی اور وہاں بھی مسلمان کامیاب ہوئے۔ ان دونوں جنگوں

میں کافی مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اوطاس میں اسما ربنت علیہ سعیدہ بھی ہاتھ آئیں۔

حلیہ سعیدہ کی سفارش | جنگِ حنین کی سچی ہوتی فوج طائف میں پناہ گزین ہو گئی۔ آپ نے شوال ۳ھ میں اس کے محاصرہ کا حکم دیا اور ۲۰ یوم تک محاصرہ

جاری رہا۔ اس کے بعد آپ نے محاصرہ اٹھایا اور مقام جواز پر چلے گئے۔ وہاں ۵۰ ذیقعد کو بنی ہوازن کی طرف سے درخواست آئی کہ ہم آپ کی اطاعت قبول کرتے ہیں۔ آپ ہماری عورتیں اور مال واپس کر دیجئے۔ بنی ہوازن کی سفارش میں جنابِ حلیہ سعیدہ بھی آئیں۔ آنحضرت نے ان کی سفارش منظور فرمائی۔

۹۔ ہجری کے اہم واقعات

فلس کی تباہی | قبیلہ بنی غنیمت میں مشہور سخی حاتم طائی پیدا ہوا تھا۔ "فلس" نامی قبیلہ کو چھوٹا تھا فتح مکہ کے کچھ دنوں بعد آنحضرت نے ڈیڑھ سو سواروں سمیت یربیع اولیٰ ۳ھ

میں اس کی طرف حضرت علیؑ کو بھیجا۔ عدی بن حاتم جو سردار قبیلہ تھا، مفرور ہو گیا۔ بہت سا مال غنیمت اور قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت علیؑ نے انسان اور مال لشکر میں تقسیم فرمایا اور عدی کی بہن یعنی حاتم طائی کی بیٹی "سفانہ" کو نہایت عزت و احترام کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں پہنچایا اُس نے شرافت خاندان کا حوالہ دے کر رحم کی درخواست کی۔ آپ نے اسے آزاد کر دیا۔ اور زادِ سفر دے کر اس کو اُس کے بھائی عدی کے پاس بھجو دیا۔ آپ کے اس حسنِ اخلاق سے عدی بہت متاثر ہوا اور سلسلہ ہجرت میں آکر مسلمان ہو گیا۔

غزوة تبوک

"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ۱۲-۱۳ منزل پر تھا۔ حضرت کو اطلاع ملی کہ نصاریٰ شام نے ہرقل بادشاہ روم سے چالیس ہزار فوج منگوا کر مدینہ پر حملہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ آپ نے غنیمت کے پیش نظر پیش قدمی کی۔ مدینہ کا نظام حضرت علیؑ کے سپرد فرمایا، اور تیس ہزار فوج لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ روانگی کے وقت حضرت علیؑ نے عرض کی۔ مولا! مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑنے جاتے ہیں۔ فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں تمہیں اسی طرح اپنا جائنشدین بنا کر جاؤں جس طرح جنابِ موسیٰ اپنے بھائی ہارون کو بنا کر جایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری کتاب المغازی) اے علیؑ خدا کا حکم ہے کہ مدینہ میں رہیں یا تم رہو۔ (فتح الباری جلد ۳ ص ۳۸۷)۔

غزوة تبوک آپ روانہ ہو کر منزل تبوک تک پہنچے۔ آپ نے وہاں ۱۰ دنوں کا ۲۰ یوم انتظار کیا لیکن کوئی بھی مقابلہ کے لیے نہ آیا۔ دورانِ قیام میں اطراف و جوانب میں دعوتِ اسلام کا سلسلہ جاری رہا۔

بالآخر واپس تشریف لائے۔ یہ واقعہ جب سترہ ہجری کا ہے۔

واقعہ عقبہ

بتوک سے واپسی میں ایک گھائی پڑتی تھی جس کا نام عقبہ ذمی فتن تھا۔ یہ گھائی ط سواری کے لیے انتہائی خطرناک تھی۔ اندیشہ یہ تھا کہ کہیں ناقہ کا پاؤں پھسل نہ جائے۔ کہ حضرت کو گزند پہنچے۔ اسی بنا پر منادی کراوی گئی۔ کہ جب تک حضرت کا ناقہ گزر نہ جائے کوئی بھی گھائی ط کے قریب نہ آئے۔ غرض کہ روانگی ہوئی۔ حضرت سوار ہوئے۔ حذیفہ نے ہمارے پیڑھی۔ عمار ہنگاتے ہوئے روانہ ہوئے۔ یہ حضرات سمجھ رہے تھے کہ نہایت پُر امن جا رہے ہیں۔ ناگاہ بجلی چمکی اور اُن کی نظر چشت ایسے سواروں پر پڑی جو چہروں کو کپڑے سے چھپاتے ہوئے تھے۔ حضرت نے فرمایا اسے حذیفہ تم نے پہچانا۔ یہ منافق میری جان لینا چاہتے تھے۔ پھر آپ نے سب کے نام بتا دیے۔ اور کہا کسی سے کہنا نہیں ورنہ فساد ہوگا۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ وہ اکابر صحابہ تھے۔

تبلیغ سورۃ برات

سترہ ہجری میں آنحضرت نے تین سو آدمیوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر کو حج اور تبلیغ سورۃ برات کے لیے بھیجا۔ ابھی آپ زیادہ دور نہ جانے پائے تھے کہ واپس بلالے گئے اور یہ سعادۃ حضرت علیؑ کے سپرد کر دی گئی۔ حضرت ابوبکر کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے خدا کا یہی حکم ہے کہ میں جاؤں یا میری آل میں سے کوئی جائے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ شخصیں دونوں کے دونوں مامور تھے۔ مگر معزول کئے گئے۔ قرۃ العین ۲۳۲ صحیح بخاری پ ۲۳۸ کنز العمال جلد ۱۲۱ درمنشور جلد ۳ ص ۳۱۰ تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۱۵۴ خصائص نسائی ص ۱۱۱ روضۃ الاحباب جلد ۲ ص ۲۲۵۔ طبری جلد ۳ ص ۱۵۲۵ ریاض المنظرہ ص ۱۴۷۔

جنگ وادی الرمل

وادی الرمل مدینہ سے ۵ منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ وہاں عربوں کی ایک بڑی جمعیت نے مدینہ پر شہنشاہ مارنے اور اچانک شہر پر قبضہ کر کے اسلامی قوت کو پاش پاش کر دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ حضرت کو جو نہی اطلاع ملی آپ نے اُن کی طرف ایک لشکر بھیج دیا اور علمبرداری حضرت ابوبکر کے سپرد کی۔ انھیں ہزیمت ہوئی۔ پھر حضرت عمر کو علمدار بنایا۔ وہ بھی خیر سے گھر کو آگئے۔ پھر عمر بن عاص کو روانہ کیا وہ بھی شکست کھا گئے۔ جب کامیابی کسی طرح نہ ہوئی تو آنحضرت نے حضرت علیؑ کو علم دے کر روانہ کیا۔ خدا نے حضرت علیؑ کو شاندار کامیابی عطا کی۔ جب علیؑ واپس ہوئے تو آنحضرت نے خود حضرت علیؑ کا استقبال کیا۔ (معیب السیر معارج النبوت)۔

وفود

سترہ ہجری میں وفود آنا شروع ہوئے اور آنحضرت کی وفات سے پہلے تقریباً عرب کا بڑا حصہ مسلمان ہو گیا۔ اسی سن میں حکم نجاست مشرکین بھی نازل ہوا۔

وصولی صدقات

اسی سلسلہ میں بنی طے سے عدی بن حاتم طائی، بنی خنظلہ سے مالک
ابن نویرہ بنی بخران سے حضرت علیؑ جزیرہ صدقات وصول کرنے
گئے اور مال بھجوا یا۔ (ابن خلدون)۔

سلسلہ ہجری کے اہم واقعات

یمن میں تبلیغی سرگرمیاں | سلسلہ ہجری میں آنحضرتؐ نے خالد بن ولید کو تبلیغ دین کے خیال سے
یمن بھیجا۔ یہ وہاں جا کر چھ ماہ تک ادھر ادھر پھرتے رہے اور کوئی کام

نہ کر سکے یعنی ان کی تبلیغ سے کوئی بھی مسلمان نہ ہو سکا۔ تو حضرت علیؑ عید الفطر کو بھیجا گیا۔ آپ نے زور
علم اور سلیقہ تبلیغی کی وجہ سے سارے قبیلہ ہمدان کو مسلمان کر لیا۔ اس کے بعد اہل یمن مسلسل داخل اسلام
ہونے لگے جب آنحضرتؐ کو یہ شاندار کامیابی معلوم ہوئی تو آپؐ نے سجدہ شکر ادا کیا اور قبیلہ ہمدان
کے لیے دو عاکی۔ اور فرمایا خدا قبیلہ ہمدان پر سلامتی نازل کرے۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۹)۔

یمن میں حضرت علیؑ کی شاندار کامیابی | مورخین کا بیان ہے کہ یمن میں خالد بن ولید مطلقاً
کامیاب نہیں ہوئے۔ پھر جب حضرت علیؑ کو
شاندار کامیابی نصیب ہوئی تو بعض لوگوں نے

پر مٹھانوں کی حاسدانہ روش

حضرت علیؑ پر مال غنیمت کے سلسلہ میں اعتراض کیا۔

کتاب خلافت و امامت کے صفحہ ۷۹ طبع لاہور میں ہے کہ ”جب جناب امیر تبلیغ اہل یمن کے لیے
مامور کئے گئے تھے اور آپ کے خلاف چند لوگوں کی شکایت سن کر حضرت نے فرمایا تھا کہ مجھ سے علیؑ
کی بُرائی نہ کرو۔“ فافہ منی وانامنہ وهو ولیکم بعدی“ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں
اور وہ میرے بعد تمہارا حاکم ہے بعض احادیث میں الفاظ ”وہو ولیکم بعدی“ کے نہیں پائے جاتے اور بعض میں
وہو مولیٰ کل مومن و مومنتہ پائے جاتے ہیں شکایت یہ تھی کہ جناب امیر نے خمس میں سے ایک لاندھی منتخب کر
لی تھی۔ امام بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شکایت سن کر رسول اللہؐ نے یہ بھی فرمایا تھا۔ فان لہ
فی الخمس اکثر من ذلک“ علیؑ کا حصہ خمس میں اس سے بھی زیادہ ہے، یہ حدیث بھی اہل تسنن کی تمام سنی کتابوں
میں پائی جاتی ہے اور اس سے جو منزلت جناب امیرؑ کی ظاہر ہوتی ہے وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔

یمن کا نظام حکومت | اسی سلسلہ ہجری میں باذان حاکم یمن نے انتقال کیا۔ اس کی وفات کے بعد یمن کو
مختلف حصوں میں مختلف حاکموں کے سپرد کر دیا گیا اور صفحہ کا گورنر باذان کے

بیٹے کو (۱) ہمدان کا عامل عامر ابن شمر سہبانی کو (۲) مارب کا حاکم ابو موسیٰ اشعری کو (۳) جند کا افسر علی ابن امیر کو
(۴) ملک و اشعر میں طاہر ابن ابی ہالہ کو (۵) بخران میں عمر ابن خرم کو (۶) بخران، زمخ، زبید کے درمیان سعید ابن
عاص کو (۷) سکا تک و سکون میں عکاشہ ابن ثور کو مقرر کر دیا گیا۔

اصحاب کا تاریخی اجتماع اور تبلیغ رسالت کی آخری منزل

حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خلاق عالم نے انتخابِ خلافت کو اپنے لیے مخصوص رکھا ہے اور اس میں لوگوں کا دسترس نہیں ہونے دیا۔ فرماتا ہے۔ ریک یخلق ما یشاء ویختار ما کان اللہ الخلیفۃ سبحان اللہ تعالیٰ عتیا یشرکون۔ تمہارا رب ہی پیدا کرتا اور جس کو چاہتا ہے (نبوت و خلافت) کے لیے منتخب کرتا ہے۔ یاد رہے کہ انسان کو نہ انتخاب کا کوئی حق ہے اور نہ وہ اس میں خدا کے شریک ہو سکتے ہیں (پنٹا حد کوع ۱۰)۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اپنے تمام خلفاء آدم سے خاتم تک خود مقرر کئے ہیں اور ان کا اعلان اپنے ہیوں کے ذریعہ سے کرایا ہے۔ (روضۃ الصفا، تاریخ کامل۔ تاریخ ابن الاوردی۔ عمر المسّ ثعلبی وغیرہ اور اس میں تمام انبیاء کے کردار کی موافقت کا انا لحاظ رکھا ہے۔ کہ تاریخ اعلان تک میں فرق نہیں آنے دیا۔ علامہ بہائی و علامہ غلجی کہتے ہیں تمام انبیاء نے خلافت کا اعلان ۱۸ ذی الحجہ کو کیا ہے (جامع عباسی و اختیارات مجلسی) تو زمین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۲ ذی الحجہ کو بمقام غدیر خم حکم خدا سے حضرت علیؑ کے جانشین ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔

حجۃ الوداع

حضرت رسول کریم صلعم ۲۵ ذی قعدہ سنہ ہجری کو حجِ آخر کے ارادے سے روانہ ہو کر ۱۲ ذی الحجہ کو مکہ معظمہ پہنچے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی تمام بیٹیاں اور حضرت سیدہ سلام اللہ علیہما تھیں۔ روانگی کے وقت ہزاروں صحابہ ساتھ روانہ ہوئے اور بہت سے مکہ ہی میں جا ملے۔ اس طرح آپ کے اصحاب کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہو گئی۔ حضرت علیؑ مین سے مکہ پہنچے۔ حضور صلعم نے فرمایا کہ تم قربانی اور مناسک حج میں میرے شریک ہو۔ اس حج کے موقع پر لوگوں نے اپنی آنکھوں سے آنحضرت صلعم کو مناسک حج ادا کرتے ہوئے دیکھا اور معرکہ آلا راز خطبے سنے۔ جن میں بعض باتیں یہ تھیں۔ (۱) جاہلیت کے زمانہ کے دستور کچل ڈالنے کے قابل ہیں (۲) عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں (۳) مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں (۴) غلاموں کا خیال ضروری ہے۔ (۵) جاہلیت کے تمام خون معاف کر دیے گئے۔ (۶) جاہلیت کے تمام واجب الادا سود باطل کر دیے گئے۔

غرض کہ حج سے فراغت کے بعد آپ مدینہ کے ارادہ سے ۱۲ ذی الحجہ کو روانہ ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب آپ کے ہمراہ تھے۔ حج کے قریب مقام غدیر پر پہنچتے ہی آیۂ بلخ کا نزول ہوا۔ آپ نے پلان اشتر کا منبر بنایا اور بلالؓ کو حکم دیا کہ "حی علیٰ خیر العمل" کہہ کر آواز دیں۔ صحیح

سمٹ کر نقطہ اعتدال پر آ گیا۔ آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ فرمایا۔ جس میں حمد و ثنا کے بعد اپنی فضیلت کا اقرار کیا اور فرمایا کہ میں تم میں دو گنا قدر چیریزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسرے اہل بیت۔ اس کے بعد علی کو اپنے نزدیک بلا کر دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔ اور اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل ظاہر ہو گئی۔ پھر فرمایا: "من کنت مولاً فهذا علی مولاً"۔ جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی بھی مولا ہے۔ خدایا علی بدھڑ ٹھٹھیں حق کو اسی طرف موڑ دینا۔ پھر علیؑ کے سر پر سیاہ عمامہ باندھا۔ لوگوں نے مبارکباد دینی شروع کیں۔ سب آپ کی جانشینی سے مسرور ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے بھی نمایاں الفاظ میں مبارکباد دی۔ جبریلؑ نے بھی بزبان قرآن اکمال دین اور اتمام نعمت کا مشورہ فرمایا۔ سیرۃ حلبیہ میں ہے کہ یہ جانشینی ۱۸ ذی الحجہ کو واقع ہوئی ہے۔ نور الایضار صفحہ ۷۸ میں ہے کہ ایک شخص حارث بن نعمان قنزی نے حضرت کے عمل غدیر خم پر اعتراض کیا تو اسی وقت آسمان سے اس پر ایک پتھر گرا اور وہ مر گیا۔ واضح ہو کہ اس واقعہ غدیر خم کو امام الحدیثین حافظ ابن عبدہ نے ایک صحابہ سے اس حدیث غدیرہ کی روایت کی ہے۔ امام جزری و شافعی نے اسی صحابیوں سے امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور طبری نے پچتر صحابیوں سے روایت کی ہے علاوہ اس کے تمام اکابر اسلام مثلاً ذہبی صنعانی اور علی القاری وغیرہ اسے مشہور اور متواتر مانتے ہیں۔ مسج الوصول صدیق حسنؑ تفسیر علی فتح البیان صدیق حسن جلد ۱ ص ۲۸۔

واقعہ مباحثہ | بخران میں ایک مقام ہے وہاں عیسائی رہتے تھے۔ اور وہاں ایک بڑا کلیسا تھا۔ آنحضرت صلعم نے انھیں بھی دعوت اسلام بھیجی، انھوں نے تحقیق حالات کے لیے ایک وفد زیر قیادت جبرائیل عاقب مرینہ بھیجا۔ وہ وفد مسجد نبوی کے صحن میں آ کر ٹھہرا۔ حضرت سے مباحثہ ہوا مگر وہ قائل نہ ہوئے حکم خدا نازل ہوا۔ فقل تعالوا ندع ابنائنا لم اے پیغمبران سے کہہ دو کہ دونوں اپنے بیٹوں اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو لا کر مبارک کریں۔ چنانچہ فیصلہ ہو گیا اور ۲۴ ذی الحجہ سنہ ۱۱ھ کو پختن پاک جھوٹوں پر لعنت کرنے کے لیے نکلے۔ نصارائی کے سردار نے جو نبی ان کی شکلیں دکھیں کانپنے لگا اور مبارک سے باز آیا۔ خراج دینا منظور کیا۔ جزیرہ سے کر رعایا بے نفاق قبول کیا۔ (معارج العرفان ۱۳۵، تفسیر بیضاوی ص ۷۷)۔

سرور کائنات کے آخری لمحاتِ زندگی

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد آپ کی وہ علالت جو بروایت مشکوٰۃ غیر میں دیے ہوئے زہر کے کروٹ لینے سے ابھرا کرتی تھی۔ مستمر ہو گئی۔ آپ اکثر طویل رہنے لگے۔ بیماری کی خبر کے عام ہوتے ہی جو شخص مدعی نبوت پیدا ہونے لگے۔ جن میں سلیمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلحہ۔ سبحان زیادہ نمایاں تھے۔ لیکن خدا نے انھیں ذلیل کیا۔ اسی دوران میں آپ کو اطلاع ملی کہ حکومت روم مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ

تیار کر رہی ہے۔ آپ نے اس خطہ کے پیش نظر کہہ سکیں وہ حملہ نہ کر دیں، اسامہ ابن زید کی سرکردگی میں ایک لشکر بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اور حکم دیا کہ حملی کے علاوہ احمیان، ماجرا و انصار میں سے کوئی بھی مدینہ میں نہ رہے۔ اور اس روانگی پر اتنا زور دیا کہ یہ تک فرمادیا: "لئن اشد من تخلف عنها" جو اس جنگ میں نہ جائے گا اُس پر خدا کی لعنت ہوگی۔ اس کے بعد آنحضرت نے اسامہ کو اپنے ہاتھوں سے تیار کر کے روانہ کیا۔ انھوں نے تین میل کے فاصلہ پر مقام حبر میں کیمپ لگایا اور احیان صحابہ کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن وہ لوگ نہ آئے۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۸۸ و تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۳ و طبری جلد ۳ ص ۱۸۸ میں ہے کہ نہ جانے والوں میں حضرت ابو بکر و حضرت عمر بھی تھے۔ مدارج النبوت جلد ۲ ص ۴۹۲ میں ہے کہ آخر صفر میں جب کہ آپ کو شدید درد سر تھا۔ آپ رات کے وقت اہل بیعہ کے لیے دعا کی خاطر تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے سمجھا کہ میری باری میں کسی اور بیوی کے وہل چلے گئے ہیں۔ اس پر وہ تلاش کے لیے نکلیں تو آپ کو بیعہ میں محمود دُعا پایا۔

اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کیا اچھا ہوتا اے عائشہ کہ تم مجھ سے پہلے مر جاتیں اور میں تمہاری اچھی طرح تجہیز و تکفین کرتا۔ انھوں نے جواب دیا کہ آپ جانتے ہیں میں مر جاؤں تو آپ دوسری شادی کریں۔ اسی کتاب کے ص ۴۹۵ میں ہے کہ آنحضرت کی تیمارداری آپ کے اہل بیت کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ اہل بیت کو تیمارداری میں پیچھے رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔

حجۃ الوداع سے واپسی پر بمقام غدیر خم اپنی جانشینی کا اعلان کر چکے تھے۔

واقعہ قرطاس

اب آخری وقت میں آپ نے یہ ضروری سمجھتے ہوئے کہ اُسے دستاویزی شکل دیدوں اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم و دوات اور کاغذ دے دو تاکہ میں تمہارے لیے ایک ایسا نوشتہ لکھ دوں جو تمہیں گمراہی سے ہمیشہ ہمیشہ بچانے کے لیے کافی ہو۔ یہ سُن کر اصحاب میں باہمی بیگونی

لے حجۃ الاسلام امام ابو العباس محمد اعجازی اپنی کتاب "سرا العالین" طبع ہوئی کے سوا پر لکھتے ہیں کہ "غدیر خم میں حضرت رسول کریم کے من کنت مولاً فهذا علی مولی" فرمانے کے بعد اور موقع پر مبارک باد دینے کے بعد جب لوگوں پر خلافت کی ہوا ہو س غالب آگئی تو انھوں نے غدیر خم کی تمام باتیں بھلا دیں۔ پھر جب رسول خدا کے انتقال کا وقت آیا اور انھوں نے وفات سے قبل فرمایا: "ایتنی بی بد وفات و بی امن لازیل عنک انشکال الامراض و کس لکم من المستحق لہا بعد منی قال عمر و عمار علیہ السلام لیس لکما لیس" انہ مجھے قلم و دوات کاغذ دے دو۔ تاکہ میں دستاویزی طور پر خلافت کے اشکال کو دور کر دوں اور تمہیں تحریر جاوے کہ میرے بعد خلافت کا حق دار کون ہے؟ یہ سُن کر حضرت عمر نے کہا کہ اس مرد کو چھوڑ دو یہ بڑیاں کب رہا ہے؟ یہی کچھ مختلف الفاظ میں صحیح بخاری طبع کر چکی جلد ۱۳۲-۱۳۵ و جلد ۲ ص ۶۹۹ و جلد ۳ ص ۸۲۲-۸۲۳ و صحیح مسلم جلد ۵ ص ۶۸ و فتح الباری شرح بخاری عسقلانی ج ۱ ص ۱۲۹ بر حاشیہ و جلد ۱ ص ۱۱۸ و نسیم الریاض شرح شفا حاضی عیاض طبع مصر ج ۲ ص ۲۸ و شرح شفا

ہونے لگیں۔ لوگوں کے رجحانات قلم و دوات دے دینے کی طرف دیکھ کر حضرت عمر نے کہا: "ان الرجال یلمیحو بحسبنا کتاب اللہ" مرد ہڈیاں بک رہا ہے۔ ہمارے لیے کتاب خدا کافی ہے (صحیح بخاری ص ۲۲۲) علامہ شبلی لکھتے ہیں: روایت میں بجر کا لفظ ہے جس کے معنی ہڈیاں کے ہیں... حضرت عمر نے آنحضرت کے اس ارشاد کو ہڈیاں سے تعبیر کیا تھا۔ (الفاروق ص ۱۱۱) لغت میں ہڈیاں کے معنی "یہودہ گفتن" یعنی کجواس کے ہیں۔ (صراح جلد ۲ ص ۱۳۳) شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں: "جن کے دل میں تمناے خلافت چٹکیاں لے رہی تھی۔ انھوں نے تو دھینکا مشتی سے مضمویہ ہی چٹکیوں میں اڑا دیا۔ اور مزاحمت کی یہ تاویل کی کہ ہماری ہدایت کے لیے قرآن بس کرتا ہے اور چونکہ اس وقت پیغمبر صاحب کے حواس برجا نہیں ہیں۔ کاغذ قلم دوات کالا نا کچھ ضروری نہیں۔ خدا جانے کیا کیا لکھوادیں گے۔ (امہات الامۃ صفحہ ۹۲) اس واقعہ سے آنحضرت کو سخت صدمہ ہوا اور آپ نے بھینچلا کر فرمایا۔ قوموا عنی میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ نبی کے روبرو شور و غل انسانی ادب نہیں ہے۔ علامہ طبری لکھتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں پانچ افراد نے حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ ابوعبیدہ۔ عبد الرحمن۔ سالم غلام حذیفہ نے متفقہ عہد و پیمان کیا تھا کہ "لا نؤدی هذا الامر فی بخی ہاشم۔ پیغمبر کے انتقال کے بعد خلافت بنی ہاشم میں نہ جانے دیں گے (صحیح البخاری ص ۱۰۱) کتابوں کو یقین کر سکتا ہے کہ جیش اسامہ میں رسول سے سزائی کرنے والوں جس میں لعنت تک کی گئی ہے اور واقعہ قرطاس میں حکم کو کجواس بتلانے والوں کو رسول خدا نے نماز کی امامت کا حکم دے دیا ہوگا میرے نزدیک امامت نماز کی حدیث ناقابل قبول ہے۔

وصیت اور احتضار حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آخری وقت آپ نے فرمایا۔ میرے وصیب کو بلاؤ۔ میں نے اپنے باپ ابوبکر پھر عمر کو بلا دیا۔ انھوں نے پھر میری فرمایا تو میں نے علی کو بلا بھیجا۔ آپ نے علی کو چادر میں لے لیا اور آخر تک بیٹھنے سے لپٹائے رہے۔ (ریاض المنضرہ ص ۱۸۰) مورخین لکھتے ہیں کہ جناب سیدہ اور حسین کو طلب فرمایا اور حضرت علی کو بلا کر وصیت کی اور کہا جیش اسامہ کے لیے میں نے فلاں یہودی سے قرض لیا تھا۔ اُسے ادا کر دینا اور اسے علی تمہیں میرے بعد سخت خدمات پہنچیں گی۔ تم صبر کرنا اور دیکھو جب اہل دنیا دنیا پرستی کریں تو تم میں

(لقیہ حاشیہ ص ۵۲) علی قادری بر حاشیہ نسیم الریاض و مدارج النبوت طبع کا پورہ ص ۵۲، وصیب السیرج، صفحہ ۱۰۱ و کتابت شیخ احمد سرمدی مجدد الواعظ ثانی ص ۱۱۱ وغیرہ میں ہے۔ انھیں کتب کی روشنی میں شمس العلماء خواجہ حسن نظامی دہلوی لکھتے ہیں اسی بخاری کے نمانے میں ایک دن بہت سے لوگ حضرت صلعم کے پاس جمع تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "لاؤ کاغذ میں تم کو کچھ لکھ دوں تاکہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو جاؤ... یہ سن کر (حضرت عمر) بولے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بخار کی تکلیف کا غلبہ ہے اس کے سبب ایسا فرماتے ہیں۔ وصیت نامے کی کچھ ضرورت نہیں ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے۔ (محمد نامہ ص ۱۰۱)۔

اختیار کئے رہنا۔ (روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۵۵۹ مدارج النبوة جلد ۲ ص ۵۱۱ و تاریخ بغداد جلد ۱ ص ۲۱۹۔

حضرت علی علیہ السلام سے وصیت فرمانے کے بعد آپ کی حالت متغیر ہو گئی۔ حضرت فاطمہ جن کے زالو پر سر مبارک رسالت مآب

رسول کریم کی شہادت

تھا۔ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ انتہائی پریشانی میں تھے کہ ناگاہ ایک شخص نے افہام حضوری چاہا۔ میں نے داخلہ سے منع کر دیا، اور کہا اے شخص یہ وقت ملاقات نہیں ہے۔ اس وقت واپس چلا جا۔ اس نے کہا میری واپسی ناممکن ہے۔ مجھے اجازت دیجئے کہ میں حاضر ہو جاؤں۔ آنحضرت کو جو قدرے آفاقر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اے فاطمہ اجازت دے دو۔ یہ ملک الموت ہیں۔ فاطمہ نے اجازت دے دی۔ اور وہ داخل خانہ ہوئے۔ پیغمبر کی خدمت میں پہنچ کر عرض کی۔ مولانا یہ پہلا دروازہ ہے جس پر میں نے اجازت مانگی ہے۔ اور اب آپ کے بعد کسی کے دروازے پر اجازت طلب نہ کر دوں گا۔ (عجائب القمص علامہ عبدالواحد ص ۲۸۲ و روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۱۶ و انوار القلوب ص ۱۸۵)۔

الغرض ملک الموت نے اپنا کام شروع کیا اور حضور رسول کریم نے تاریخ ۲۸ صفر ۱۱ صفر ۱۱ ہجری ۱۰ م و شنبہ بوقت دوپہر ظاہری خلعت حیات اتار دیا۔ (مودۃ القرنی ص ۲۹ م ۱۲ اطبع بمبئی ۱۳۱۳ ہجری ۱۰ م) کرام میں رونے کا کرام مچ گیا۔ حضرت ابو بکر اس وقت اپنے گھر محلہ سبخ گئے ہوئے تھے۔ جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر تھا۔ حضرت عمر نے واقعہ وفات کو نشر ہونے سے روکا اور جب حضرت ابو بکر آگئے تو دونوں سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور باطل پریشوں کے لیے بنایا گیا تھا۔ (حیات اللغات) اور انھیں کے ساتھ ابو عبیدہ بھی چلے گئے۔ جو عسال تھے غرض کہ اکثر صحابہ رسول خدا کی لاکش چھوڑ کر ہنگامہ خلافت میں جا شریک ہوئے۔ اور حضرت علی نے غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ حضرت علی غسل دینے میں فضل ابن عباس حضرت کا پیرا بن آؤنچا کرنے میں۔ عباس اور قثم کروٹ بدلوانے میں اور اسامہ و شقران پانی ڈالنے میں مصروف ہو گئے۔ اور انھیں چھ آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی اور اسی حجرہ میں آپ کے جسم اطہر کو دفن کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے وفات پائی تھی۔ ابو طلحہ نے قبر کھودی۔ حضرت ابو بکر و حضرت عمر آپ کے غسل و کفن اور نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ کیونکہ جب حضرت سقیفہ سے واپس آئے تو آنحضرت کی لاش مٹھر سپرد خاک کی جا چکی تھی۔ کنز العمال جلد ۳ ص ۱۴۔ ازج المطالب ص ۶۷۔ الترضی ص ۳۹۔ فتح الباری جلد ۶ ص ۱۱۱۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال کی تھی۔ (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۱۵۲)۔

۱۰ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۳۳۶ میں ہے کہ انصار نے جب حضرت علی کی بیعت کرنا چاہی تو حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کا

ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی اور کہا کہ آپ بھی قریشی ہیں اور ہم میں سزاوار ترین ہیں۔ ۱۲

وفات اور شہادت کا اثر

سرور کائنات کی وفات کا اثر لوگوں کو تو تمام لوگوں پر ہوا۔ اسی

بھی روئے اور حضرت عائشہؓ نے بھی ماتم کی۔ (مسند احمد بن

حبیب جلد ۶ ص ۲۷۴ و تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۲۲ و تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۹۷)۔ لیکن جو صدر حضرت علامہ

کو پہنچا اس میں وہ متفرد تھیں۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات سے عالم علوی اور عالم سفلی

بھی متاثر ہوئے اور ان میں جو چیزیں ہیں ان میں بھی اثرات ہویدا ہوئے۔ علامہ زرخشتری کا بیان ہے

کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ام مہجد کے وہاں قیام فرمایا۔ آپ کے وُصو کے پانی سے ایک درخت اُگا۔

جو بہترین پھل لاتا رہا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ اس کے پتے جھڑے ہوئے ہیں اور بیوسے گسے ہوئے ہیں۔

میں حیران ہوئی کہ نگاہِ خبر وفاتِ سرورِ عالم پہنچی۔ پچتریس سال بعد دیکھا گیا کہ اس میں تمام کانٹے اُگ آئے تھے

بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے شہادت پائی۔ پھر مدتِ مدید کے بعد اس کی جڑ سے خون تازہ اُبلتا ہوا دیکھا

گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ نے شہادت پائی ہے۔ اس کے بعد وہ خشک ہو گیا۔ (عجائب القصاص

ص ۲۵۹ بحوالہ بیح الابرار زرخشتری)۔

آنحضرتؐ کی شہادت کا سبب

یہ ظاہر ہے کہ حضرات چہارہ معصومین علیہم السلام میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہو

ہو۔ حضرت رسول کریمؐ سے لے کر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام تک سب ہی شہید ہوئے ہیں۔ کوئی

زہر سے شہید ہوا، کوئی تلوار سے شہید ہوا۔ ان میں ایک خاتون تھیں حضرت فاطمہ بنت رسولؐ وہ ضرب

شہید سے شہید ہوئیں۔ ان چودہ معصوموں میں تقریباً تمام کی شہادت کا سبب واضح ہے۔ لیکن حضرت

محمد مصطفیٰ صلعم کی شہادت کے سبب اکثر حضرات ناواقف ہیں اس لیے میں اس پر روشنی ڈالتا ہوں۔

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد الغزالی کی کتاب سر العالمین کے ص ۲ طبع بمبئی سن ۱۳۱۷ھ اور کتاب

مشکوٰۃ شریف کے باب ۳ ص ۵۵ سے واضح ہے کہ آپ کی شہادت زہر کے ذریعہ سے ہوئی ہے اور

بخاری شریف کی ج ۲ طبع مصر ۱۳۱۷ھ کے باب اللدود ص ۱۲۷ کی کتاب الطب سے استفاد اور مستنبط ہوتا

ہوتا ہے کہ "آنحضرتؐ کو دو امیں ملا کر زہر دیا گیا تھا۔

میرے نزدیک رسول کریمؐ کے بسترِ علالت پر ہونے کے وقت کے واقعات و حالات کے یہ نظر

دوا میں زہر ملا کر دیا جانا غیر متوقع نہیں ہے۔ علامہ محسنِ فضیل "کتاب الوافی" کی جلد ۱ ص ۱۲۶ میں

بحوالہ تہذیب الاحکام تحریر فرماتے ہیں کہ حضورِ مدینہؐ میں زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ الخ مجھے ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ خیبر میں زہر خوردانی کی تشہیر اخفائے جرم کے لیے کی گئی ہے۔

ازواج

چند کمیزوں کے علاوہ جنھیں ماریہ اور ریحانہ بھی شامل تھیں آپ کے گیارہ بیویاں تھیں جن میں سے حضرت فدیجہؓ اور زینب بنت خزیمہ نے آپ کی زندگی میں وفات پائی تھی اور نو (۹) بیویوں نے آپ کی وفات کے بعد انتقال کیا۔ آنحضرتؐ کی بیویوں کے نام درج ذیل ہیں:-

(۱) خدیجہ الکبریٰ (۲) سوہہ (۳) عائشہ (۴) حفصہ (۵) زینب بنت خزیمہ (۶) ام سلمہ (۷) زینب بنت جحش (۸) جویریہ بنت حارث (۹) ام جعیبہ (۱۰) صفیہ (۱۱) امیونہ۔

اولاد

آپ کے تین بیٹے تھے اور ایک بیٹی تھی۔ جناب ابراہیم کے علاوہ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے۔ سب بچے حضرت خدیجہ کے بطن سے تھے حضور کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت قاسم طیب۔ آپ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور دو سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۲۔ جناب عبد اللہ۔ جو طاهر کے نام سے مشہور تھے۔ بعثت سے قبل مکہ میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

۳۔ جناب ابراہیم۔ شہہ ہجری میں پیدا ہوئے اور شہہ ہجری میں انتقال کر گئے۔

۴۔ حضرت فاطمہ الزہرا۔ آپ پیغمبر اسلام کی اکلوتی بیٹی تھیں۔ آپ کے شوہر حضرت علیؓ اور بیٹے

حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ تھے۔ اس جناب کی نسل سے گیارہ امام پیدا ہوئے اور ان ہی کے ذریعے رسول اللہ صلعم کی نسل بڑھی اور آپ کی اولاد کو سیادت کا شرف نصیب ہوا۔ اور وہ قیامت تک "سید" کہی جائے گی۔

حضرت رسول کریمؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت میں میرے سلسلہ نسب کے علاوہ سارے سلسلے

ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا۔ (صواعق محرقة ص ۹۳) علامہ حسین واعظ کا شعنی

لکھتے ہیں کہ تمام انبیاء کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے، ہمارے نبی اس سلسلے میں سب سے

زیادہ حق دار ہیں۔ (روضۃ الشهداء ص ۴۱۴) امام المسلمین علامہ جلال الدین، فرماتے ہیں کہ "حضرت حسینؓ

کی اولاد کے لیے سیادت مخصوص ہے۔ مرد و بیوا عورت جو بھی ان کی نسل سے ہے وہ قیامت تک

"سید" رہے گا۔ "و یحب علی اجمع الخلق تعظیم لہ ابدی" اور ساری کائنات واجب

ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتی رہے۔ (دلائح التنزیل ج ۳ ص ۲۰۰ اسعاف الراغبین بر حاشیہ

نور الابصار شبلنجی ص ۱۱۳ طبع مصر)۔



اُمِّ الْاِمْتَانِ

حضرت

فاطمہ زہرا

صَلِّوْا عَلَیْهَا

خَاتُوْنَ جَنَّت

غریبہ کوئی بی بی نبی کو بضعتہ مستی ہوتی تھیں تین عمل تنظیم ایساں ہمیں
رسالت آمد زہرا پہ یہ اعلان کرتی تھیں کہیں گی فاطمہ کا یہ رسالت منسکوں میں
(صاحب تحفایانی دہراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۲

حضرت فاطمہ زہرا علیہ السلام

جلوہ نمائے شمع حقیقت میں فاطمہؑ آئینہ کمال نبوت میں فاطمہؑ
یہ مانتا ہوں۔ ان کو رسالت نہیں ملی لیکن شریک کار رسالت ہیں فاطمہؑ

حضرت فاطمہؑ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب خدیجہ الکبریٰ کی اکلوتی بیٹی حضرت علیؑ کی رفیقہ۔ حیات اور امام حسنؑ و امام حسینؑ، جناب زینبؑ و ام کلثومؑ کی مادر گرامی اور نو اماموں کی جدہ ماجدہ تھیں۔ آپ کی مشہور کنیت ام المومنین اور امام حسینؑ اور امام سبطین تھی مشہور القاب زہرا و سیدۃ النساء تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کی کنیت ”ام ابیہا“ بھی تھی جو میرے نزدیک ”ام ابیہا“ ہے یعنی حسن و حسین کی ماں۔

آپ کی ولادت | آپ کا نور وجود نور رسالت کے ساتھ خلقت کائنات سے بہت پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ البتہ آپ کے ظاہری نمود و شہود کے لیے علمائے کھابے کہ آپ معراج رسالت مآب کے بعد ۶۰ ہجرت میں بتاریخ ۲۰ جماد الثانی یوم جمعہ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ آپ کا سال ولادت عام الفیل کے لحاظ سے ۶۱۰ء اور عیسوی نقطہ نگاہ سے ۶۱۳ء - ۶۱۵ء تھا۔ آپ کی ولادت کے وقت جنت سے حوروں اور آسیہ بنت مزاحم مریم بنت عمران صفورا بنت شعیب، کلثوم ہشیرہ موسیٰ کا آنا کتبوں سے ثابت ہے۔ جناب خدیجہ کا بیان ہے کہ چونکہ میں نے اپنے قبیلہ کے منشار کے برخلاف سرور کائنات سے شادی کر لی تھی۔ اس لیے میری قوم نے میرا بایںکاٹ کر دیا تھا۔ میں نے ولادت کے وقت حسب دستور اطلاع دی لیکن کوئی نہ آیا۔ اللہ کی رحمت شامل حال ہوئی حوروں اور پاک بیبیوں نے تباہ اور وایہ کا کام کیا۔ بچی پیدا ہوئی۔ رحمۃ للعالمین کا گھر بقیعہ نوزین گیا (تاریخ خمیس جلد ۱ ص ۳۱۳، دومہ ساکبہ ص ۵۴)۔

آپ کا اکلوتی بیٹی ہونا | مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ جناب خدیجہ کے ساتھ جب آنحضرتؐ کی شادی ہوئی تو آپ باکرہ تھیں۔ تسلیم شدہ امر ہے کہ

فاسم عبداللہ یعنی طیب و طاہر اور فاطمہ زہرا بطین خدیجہ سے رسول اسلام کی اولاد میں تھیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ زینب، رقیہ ام کلثوم آنحضرت کی لڑکیاں تھیں، یا انہیں یہ مسلم ہے کہ یہ لڑکیاں ظہور اسلام سے قبل کافروں غیبہ۔ عقیبہ پسران ابولہب اور ابوالعاص ابن ربیع کے ساتھ بیاباں تھیں۔ جیسا کہ مواہب لدنیہ ج ۱ ص ۱۹۷ طبع مصر و مروج الذهب مسعودی ج ۲ ص ۲۹۵ طبع مصر سے واضح ہے یہ مانا نہیں جاسکتا کہ رسول اسلام اپنی لڑکیوں کو کافروں کے ساتھ بیاہ دیتے۔ لہذا یہ مانے بغیر چارہ میں کہ یہ عورتیں ہالہ بنت خویلد ہمشیرہ جناب خدیجہ کی بیٹیاں تھیں۔ ان کے باپ کا نام ابولہب تھا جیسا کہ علامہ معتزہ بخشتانی نے مہربان اللہ میں لکھا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ یہ لڑکیاں زمانہ کفر میں ہالہ اور ابولہب میں باہمی چپقلش کی وجہ سے جناب خدیجہ کے زیر کفالت اور تحت تربیت رہیں اور ہالہ کے مرنے کے بعد مطلقاً انھیں کے ساتھ ہو گئیں اور خدیجہ کی بیٹیاں کہلائیں۔ اس کے بعد بذریعہ جناب خدیجہ آنحضرت سے منسلک ہو کر اسی طرح رسول صلعم کی بیٹیاں کہلائیں۔ جس طرح جناب زید محاورہ عرب کے مطابق رسول کے بیٹے کہلاتے تھے۔ میرے نزدیک ان عورتوں کے شوہر مطابق دستور عرب و اہل عرب کے جانے کا حق رکھتے ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں مانا جاسکتا کہ یہ رسول کی صلیبی بیٹیاں تھیں۔ کیونکہ حضور سرور عالم کا نکاح جب نبی بنی خدیجہ سے ہوا تھا، تو آپ کے اعلان نبوت سے پہلے ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو چکا تھا اور حضور سرکارِ دو عالم کا نکاح ۲۵ سال کے سن میں خدیجہ سے ہوا۔ اور تیس سال کے سن تک کوئی اولاد نہیں ہوئی اور چالیس سال کے سن میں آپ نے اعلان نبوت فرمایا۔ اور ان لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے آپ کی چالیس سال کی عمر سے پہلے ہو چکا تھا، اور اس دس سال کے عرصہ میں آپ کے فرزند کا بھی پیدا ہونا اور ان میں لڑکیوں کا پیدا ہونا محرم بریکر گیا ہے۔ جیسا کہ مدارج النبوت میں تفصیل سے موجود ہے۔ جہلا عورتوں کی عمر سے چار پانچ اولادیں بھی پیدا ہو گئیں اور اتنی عمر بھی ہو گئی کہ نکاح مشرکوں سے ہو گیا۔ کیا یہ عقل و فہم میں آنے والی بات ہے کہ چار سال کی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا اور حضرت عثمان سے بھی ایک لڑکی کا نکاح حالت شرک ہی میں ہو گیا۔ جیسا کہ مدارج النبوت میں مذکور ہے۔ اس حقیقت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکیاں حضور صلعم کی نہ تھیں۔ بلکہ ہالہ ہی کی تھیں اور اس عمر میں تھیں کہ ان کا نکاح مشرکوں سے ہو گیا تھا۔ (سوانح حیات سیدہ ص ۲۷)۔

بچپن اور تربیت

جناب سیدہ میں بچپن کے وہ آثار ہی نہ تھے جو عام لڑکیوں میں ہوا کرتے ہیں۔ ام سلمہ سے کہا گیا کہ فاطمہ کو اصول تہذیب سکھائیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں جیسے تر عصمت و طہارت کو اخلاق و عادات کی کیا تعلیم دے سکتی ہوں۔ میں تو خود اس کم سن بچی سے تعلیم اصول حاصل کیا کرتی ہوں۔ کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا بچپن

عبادت اور خدمت والدین میں گزارا۔ ایک مرتبہ آنحضرت صحن کعبہ میں نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابوہل جو حضرت عمر کا ماموں تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) کی نظر آپ پر پڑی تو اس نے حالت سجدہ میں اونٹ کی اوجھڑی کو بھر کر پشت حضور پر رکھ دی۔ فاطمہ کو خبر ملی آپ دوڑی ہوئی آئیں اور پشت رسالت سے اوجھڑی ہٹادی اور پشت مبارک کو پانی سے دھو دیا۔ رسول کریم نے فرمایا۔ بیٹی! ایک دن دشمن بھی مغلوب ہوں گے اور خدا میرے دین کو انتہائی بلندی عطا کرے گا۔ تاریخ میں ہے کہ حضرت خدیجہؓ کسی کی شادی میں جانے کے لیے تیار ہوئیں اور کپڑے پہننے لگیں، تو پتہ چلا کہ جناب سیدہ کے لیے کپڑے نہیں ہیں۔ ماں اسی تو دین تھی کہ بیٹی کو احساس ہو گیا۔ عرض کی ماورگامی! میں پرانے ہی کپڑوں میں چلوں گی۔ کیونکہ باباجان فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمان لڑکیوں کا بہترین زیور حیات تقویٰ ہے اور بہترین آرائش شرم و حیا ہے۔

فاطمہ زہرا کا سارا بچپن فقر و فاقہ اور تنگی و مصائب میں گزارا۔ آپ کو سب حضرات سے تربیت ملی وہ یہ ہیں۔ (۱) خدیجہ الکبریٰ (۲) سرور کائنات (۳) فاطمہ بنت اسد (۴) ام الفضل زویہ عباس۔ (۵) اسماء بنت عمیس زویہ جعفر طیار (۶) ام ہانی ہمشیرہ جناب ابوطالب (۷) ام ایمن (۸) صفیہ بنت جناب حمزہ۔

مدارج النبوة میں ہے کہ حضرت رسول اکرم جناب سیدہ کو جبکہ وہ کسب نہیں۔ اکثر اپنی آغوش میں بٹھایا کرتے تھے اور ان کے لبوں کو بوسہ دیتے تھے۔ اس پر حضرت عائشہ نے کہا کہ جناب فاطمہ کے بوسے دیتے ہیں اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے دیتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا، تمہیں معلوم نہیں، جب میں معراج پر گیا تھا جبریلؑ نے مجھے ایک سیب جنت دیا تھا۔ میں نے اسے کھا یا کھنا اور اسی سے فاطمہ کا نقطہ وجود قائم ہوا تھا۔ اسے عائشہ جب میں جنت کا مشاق ہوتا ہوں تو فاطمہ کی خوشبو سونگھتا ہوں اور درسن فاطمہ سے میوہ جنت کا لطف اٹھاتا ہوں۔ مدارج ص ۱۲۲ و اعلام الوری ص ۱۹۰ عصمت کوئی ایسی صفت نہیں جو کسی عمل پر موقوف ہو، یہ خدا کا عطیہ ہوتا ہے اور بدو فطرت میں عطا ہوا کرتا ہے۔ ملائکہ انبیاء اور اوصیاء جنس کے علاوہ یہ پاکیزہ صفت جن اہم شخصیتوں کو عطا ہوئی، ان میں حضرت فاطمہ کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ علماء کا اتفاق ہے کہ جس طرح ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اور بارہ امام دنیا میں ہدایت خلق کے لیے بھیجے گئے اور سب معصوم تھے۔ اسی طرح صنف نازک کے لیے حضرت مریم اور حضرت فاطمہ زہراؑ تشریف لائیں اور یہ دونوں بیبیان معصوم تھیں اور دونوں کی عصمت پر قرآن گواہ ہے۔

آپ کی عصمت

آپ کی والدہ جناب خدیجہ الکبریٰ تھیں۔ حضرت فاطمہ کو پانچ سال ماں کی آغوش میں تربیت نصیب رہی جناب خدیجہ کی

آپ کی والدہ کی وفات

علاقت سے جناب یتدہ کو بے حد رنج ہوا۔ آپ ان کی تیمارداری میں شب و روز لگی رہتی تھیں اور ان کے چہرہ پر نظر جمائے انہیں کو دیکھا کرتی تھیں۔ ماں کا چہرہ بجال دیکھا تو خوش ہو گئیں۔ ماں کی شکل پڑمڑوہ دیکھی بخیرہ ہو گئیں۔ یہی طرز عمل رہا کہ ایک دن خدیجہ نے فاطمہ کو اپنے سینے سے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ بیٹی نے پوچھا۔ اماں جان آج آپ کے رونے کا انداز کچھ نرالا ہے فرمایا۔ بیٹی! میں تجھ سے رخصت ہو رہی ہوں۔ انسو کس تجھے دامن نہ دیکھ سکی۔ ماں بیٹی میں المناک گفتگو جاری تھی کہ ماتھے پر موت کا پسینہ آ گیا اور خدیجہ ۱۰ رمضان سنہ بعثت کو انتقال فرما گئیں موت کے وقت آپ کی عمر ۶۵ سال کی تھی۔ آپ کو مقبرہ حجون میں دفن کیا گیا۔ خدیجہ کے انتقال سے فاطمہ زہرا کو انتہائی رنج پہنچا اور آپ سے زیادہ سرور کائنات کو صدمہ ہوا۔ اسی وجہ سے آپ نے اس سال کو ”عام الحزن“ کہا ہے۔ صحیح بخاری جلد ۳ ص ۴۱۹ میں ہے کہ آنحضرتؐ جناب خدیجہ کی یاد میں گوسفند ذبح کر کے ان کی سیلیوں کے پاس بھیجا کرتے تھے۔۔۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ اس بڑھی عورت کو جس کے منہ میں دانت بھی نہ تھے۔ کب تک یاد کرتے رہو گے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ غضب ناک ہو گئے۔ اور فرمایا کہ اس سے بہتر مجھے کوئی عورت نصیب نہیں ہوئی۔ وہ اس وقت ایمان لائیں جب کہ سب کافر تھے۔ اس وقت میری تصدیق کی جب سب جھٹلاتے تھے اور اس وقت میرے لیے مال صرف کیا۔ جب لوگ مجھے محروم رکھنا چاہتے تھے۔ حیات القلوب میں ہے حضرت ابوطالب اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تھا۔

ہجرت فاطمہ
 سنہ بعثت شب جمعہ یکم ربیع الاول کو آنحضرتؐ صلعم نے ہجرت فرمائی اور ۱۶ ربیع الاول یوم جمعہ کو داخل مدینہ ہوئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد آپ نے زید بن حارثہ اور ابورافع کو ۵ سوہم اور دو اونٹ دے کر مکہ کی طرف روانہ کیا کہ حضرت فاطمہ، فاطمہ بنت اسد، ام المومنین سوہ اور ام ایمن وغیرہ کو لے آئیں چنانچہ یہ بیبیاں چند دنوں کے بعد مدینہ پہنچ گئیں آپ کے عقد میں اس وقت صرف دو بیبیاں تھیں۔ ایک سوہ اور دوسری عائشہ۔ سلسلہ ہجری میں آپ نے ام سلمہ سے عقد کیا۔ ام سلمہ نے نگہداشت فاطمہ کا بیڑا اٹھایا اور اس انداز سے خدمت گذاری کی کہ فاطمہ زہرا سے ماں کو بٹلا دیا۔

حضرت فاطمہ زہرا کی شادی

پیغمبر اسلامؐ نے علیؑ کی ولادت کے وقت علیؑ کو زبان دے دی تھی اور بعد میں فرمایا تھا کہ میری بیٹی کا کفو خانہ زاد خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ (نور الانوار شرح صحیفہ بجاویہ) حالات کا تقاضا اور نسلی و خاندانی شرافت کا مقتضی یہ تھا کہ فاطمہ کی خواستگاری کے سلسلہ میں علیؑ کے سوا کسی کا تذکرہ تک نہ

آتا۔ لیکن کیا کیا جائے کہ دنیا اس اہمیت کو سمجھنے سے قاصر رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمہ کے سن پونچھ تک پہنچتے ہی لوگوں کے پیغامات آنے لگے۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر نے پھر حضرت عمر نے درخواست کی اور ان کے بعد عبدالرحمن نے پیغام بھیجا۔ حضرت شیخین کے جواب میں رسول اکرم غضبناک ہوئے۔ اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ (کنز العمال جلد ۷، ص ۱۳۱) اور عبدالرحمن سے فرمایا کہ فاطمہ کی شادی حکم خدا سے ہوگی، تم نے جو مہر کی زیادتی کا حوالہ دیا ہے وہ افسوس ناک ہے تمہاری درخواست قبول نہیں کی جاسکتی (بخاری الانوار جلد ۱۰، ص ۱۱۱)۔ اس کے بعد حضرت علی نے درخواست کی تو آپ نے فاطمہ کی مرضی دریافت فرمائی۔ وہ چھپ ہو رہی ہیں، یہ ایک طرح کا اظہارِ رضامندی تھا۔ (سیرۃ النبی جلد ۱ ص ۲۶۱) بعض علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے خود علی سے فرمایا کہ اے علی مجھے خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی نخت جگر کا عقد تم سے کروں، کیا تمہیں منظور ہے؟ عرض کی جی ہاں؟ اس کے بعد شادی ہو گئی۔ (ریاض المنظرہ جلد ۲، صفحہ ۱۸۲ طبع مصر) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ پیغام محمود نامی ایک فرشتے کے آیا تھا۔ (بخاری الانوار جلد ۱ ص ۲۵۵) بعض علماء نے جبریل کا حوالہ دیا ہے۔

غرض کہ حضرت علی نے ۵۰۰ درہم میں اپنی زہرہ عثمان غنی کے ہاتھوں فروخت کی اور اسی کو مہر قرار دے کر تاریخ نکاح ذی الحجہ ۳۳ ہجری حضرت فاطمہ زہرا کے ساتھ عقد کیا۔ مذکورہ رقم آج کل کے لحاظ سے ایک سو سات روپے ہوتی ہے جو ہمارے نزدیک شرعی مہر ہے۔

نکاح کے تھوڑے عرصہ بعد ۲۴ ذی الحجہ کو حضرت سیدہ کی شخصیت ہمیں **جناب سیدہ کا جہیز** سرور کائنات نے اپنی اکلوتی اور قیمتی بیٹی کو جو جہیز دیا اس کی تفصیل

یہ ہے۔
 (۱) ایک قمیض قیمتی سات درہم (۲) ایک مقنع (۳) ایک سیاہ کبیل (۴) ایک بستر کھجور کے پتوں کا بنا یا ہوا (۵) دو موٹے ٹاٹ (۶) چھڑے کے چار تکیے (۷) آٹھ پیٹے کی چکی (۸) کپڑا دھونے کی ٹن۔
 (۹) ایک مشک (۱۰) ٹکڑی کا بادیر (۱۱) کھجور کے پتوں کا بنا ہوا ایک برتن (۱۲) دو مٹی کے آنچولے (۱۳) ایک مٹی کی صراحی (۱۴) چھڑے کا فرش (۱۵) ایک سفید چادر (۱۶) ایک لوطا۔
 یہ ظاہر ہے کہ رسول کریم اعلیٰ درجے کا جہیز دے سکتے تھے، مگر اپنی امت کے غمراہ کے خیال سے اسی پر اکتفا فرمایا۔

کھانے پینے کے بعد جلوس روانہ ہوا۔ اشہب نامی ناقد پر حضرت فاطمہ سوا **جلوسِ نخصت** تھیں۔ سلمان ساربان تھے۔ ازواج رسول ناقہ کے آگے آگے تھیں۔ بنی ہاشم سنگی تلواریں لیے جلوس میں تھے۔ مسجد کا طواف کرایا اور علی کے گھر میں فاطمہ کو اتار دیا۔ اس کے بعد آنحضرت نے فاطمہ سے ایک برتن میں پانی منگایا۔ کچھ دعائیں دم کیں اور اسے فاطمہ کے اور علی کے سر

سینے اور بازو پر چھڑکا اور بارگاہِ احمدیت میں عرض کی بارالہا انھیں اور ان کی اولاد کو شیطانِ رحیم سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ (صواعقِ محرقہ ص ۷۷)۔ اس کے بعد فاطمہ سے کہا۔ دیکھو علی سے بے جا سوال نہ کرنا۔ یہ دنیا میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ لیکن دولت مند نہیں ہے اور علی سے کہا کہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ کوئی ایسی بات نہ کرنا کہ اسے طلال ہو۔ تذکرۃ الخواص سبط ابن جوزی کے ص ۳۶۵ میں ہے کہ فاطمہ کے ساتھ جس وقت علی کی شادی ہوئی اُن کے گھر میں ایک چمڑا تھا۔ رات کو چھاتے تھے اور دن میں اس پر اونٹ کو چارہ دیا جاتا تھا۔

حضرت فاطمہ کا نظامِ عمل | شوہر کے گھر جانے کے بعد آپ نے جس نظامِ زندگی کا نمونہ پیش کیا ہے وہ طبقہٴ نسواں کے لیے ایک مثالی حیثیت

رکھتا ہے۔ آپ گھر کا تمام کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں۔ جھاڑو دینا، کھانا پکانا، چرخہ کاتنا، چکی پیسنا اور بچوں کی تربیت کرنا یہ سب کام اور اہل سیدہٴ عالم۔ لیکن نہ کبھی تیوری پر بل آئے اور نہ کبھی شوہر سے اپنے لیے مددگار یا خادمہ کی فرمائش کی۔ پھر جب سیدہٴ مجری میں پیغمبرِ خدا نے ایک خادمہ عطا کی جو فضہ کے نام سے مشہور ہیں، تو رسول اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدہٴ عالم فضہ کے ساتھ ایک کینز کا سا نہیں، بلکہ ایک عزیز رفیقہ کا جیسا برتاؤ کرتی تھیں اور ایک دن گھر کا کام خود کرتی تھیں اور ایک دن فضہ سے کام لیتی تھیں اور اس طرح خادمہ کو خادمہ ہونے کا تصور پیدا نہ ہونے دیتی تھیں۔ دراصل یہ اساداتِ محمدی کی اعلیٰ مثال ہے۔ (سیدہ کی عظمت، مصنفہ مولانا کوثر نازی ص ۱۰)

فاطمہ زہرا اور پردہ | آپ نے عورتوں کی معراجِ پردہ داری کو بتایا ہے اور خود بھی ہمیشہ اس پر عمل رہی ہیں اور انہی سختی کے ساتھ کہ مسجدِ رسولؐ

سے بالکل متصل قیام رکھنے اور مسجد کے اندر گھر کا دروازہ ہونے کے باوجود کبھی اپنے والد بزرگوار کے پیچھے نمازِ جماعت میں شرکت یا آپ کے موعظ کے سننے کے لیے بھی مسجد میں تشریف نہیں لائیں ایک مرتبہ پیغمبر نے مہر پر یہ سوال پیش فرما دیا۔ کہ عورت کے لیے سب سے بہتر کیا چیز ہے؟ یہ بات سیدہ تک پہنچی۔ آپ نے جواب دیا کہ عورت کے لیے سب سے بہتر یہ بات ہے کہ نہ اس کی نظر کسی غیر مرد پر پڑے، اور نہ کسی غیر مرد کی نظر اس پر پڑے۔ رسولؐ کے سامنے یہ جواب پیش ہوا تو آپ نے فرمایا، کیوں نہ ہو، فاطمہ میرا ہی ایک جزدو ہے۔

جناب سیدہ کا جہاد | اسلام میں عورت کا جہاد مرد سے مختلف ہے اس لیے سیدہ نے کبھی میدانِ جنگ میں قدم نہیں رکھا۔ مگر رسولؐ جب کبھی زخمی

ہو کر گھر واپس تشریف لاتے تھے تو پیغمبر کے زخموں کو دھلانے والی، اور علیؑ جب خون میں ڈوبی ڈوبی ہوتی تلوار لے کر آتے تھے تو ان کی تلوار کو صاف کرنے والی فاطمہ زہرا ہی ہوتی تھیں۔ ایک

مترتبہ نصرتِ اسلام کے لیے میدان میں گئیں۔ مگر اُس پر امن معاملہ میں جو نصاریٰ کے مقابلہ میں ہوا تھا۔ اور جس میں صرف روحانی فتح کا سوال تھا۔ اسی جہاد کا نام مبادلہ ہے۔ اور اس میں پردہ داری کے تمام امکانی تقاضوں کی پابندی کے ساتھ سیدۂ عالم باپ بیٹوں اور شوہر کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ (وسائل الشیعہ جلد ۲ ص ۱۱۷)۔

عورتوں کا جوہر ذاتی شوہروں کی خدمت اور امور خانہ داری میں کمال حاصل کرنا ہے۔ فاطمہ زہرا

حضرت فاطمہؑ اور امور خانہ داری

نے علیؑ کی ایسی خدمت کی کہ مشکل سے اس کی مثال مل سکے گی۔ ہر مصیبت اور تکلیف میں فخر و داری پر نظر رکھی۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا۔ کہ جس طرح جناب خدیجہؓ نے اسلام اور پیغمبرِ اسلامؐ کی خدمت کی، اسی طرح بنتِ رسولؐ نے اسلام اور علیؑ کی خدمت کی۔ یہی وجہ ہے کہ جس طرح رسولِ کریمؐ نے خدیجہؓ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا۔ حضرت علیؑ نے بھی فاطمہؑ کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کیا (صواعق محرقة ص ۵۵) و مناقب ص ۵۔ حضرت علیؑ سے کسی نے پوچھا کہ فاطمہؑ آپ کی نظر میں کیسی تھیں فرمایا۔ خدا کی قسم وہ جنت کا پھول تھیں۔ دنیا سے اٹھ جانے کے بعد بھی میرا دماغ اُن کی خوشبو سے معطر ہے۔ امور خانہ داری میں جناب سیدہ آپ ہی اپنی نظیر تھیں۔ سب سے ہم تک آپ کے پاس کوئی کینز نہ تھی۔ کینز ہونے کی صورت میں گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ جھاڑو دیتیں۔ پانی بھرتیں۔ چکی پیستیں۔ آٹا چھاتیں۔ آٹا گوندھتیں۔ منور روشن کر کے روٹی پکاتی تھیں۔ حضرت علیؑ سویرے اٹھ کر مسجد چلے جاتے تھے۔ اور وہاں سے مزدوری کی فکر میں نکل جاتے تھے۔ فضلہ کے آجانے کے بعد کام تقسیم کر لیا گیا تھا۔ بلکہ باری باندھ لی تھی۔ ایک دفعہ سرورِ عالم خانہ سیدہ میں تشریف لائے۔ دیکھا کہ سیدہؑ کو دس بچے کو لیے چلی پھرتی رہی ہیں۔ فرمایا۔ بیٹی ایک کام فضلہ کے حوالے کر دو۔ عرض کی بابا جان! آج فضلہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب ص ۱۱۷)۔

حضرت فاطمہؑ اور باہم گذاری زوجہ و خاوند

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ
"جہاد المرأة حسن التبعل" عورت کا جہاد شوہر
کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ (وسائل الشیعہ جلد ۱۲ ص ۱۱۷)

ایک حدیث میں ہے کہ "لا تودی المرأة حق الله حتی تودی حق زوجها" عورت اگر خاوند کا حق ادا نہیں کرتی تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ کے حقوق بھی ادا نہیں کر سکتی۔ (مکارم الاخلاق ص ۲۴)۔
رسولِ کریمؐ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کے علاوہ کسی کو سجدہ جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کیا کریں۔ (وسائل جلد ۱۲ ص ۱۱۷)۔

حضرت فاطمہؑ حقوقِ خاوند سے جس درجہ واقف تھیں کوئی بھی واقف نہ تھا۔ انھوں نے ہر موقع پر

اپنے شوہر حضرت علیؑ کا لحاظ و خیال رکھا ہے۔ انھوں نے کبھی اُن سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا جس کے پُر کرانے سے حضرت علیؑ عاجز رہے ہوں۔

کتاب ”ریاضین الشریعۃ“ میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؑ بیمار پڑیں تو حضرت علیؑ نے اُن سے فرمایا کچھ کھانے کو دل چاہتا ہو تو بناؤ، حضرت یتیمہ نے عرض کی کسی چیز کو دل نہیں چاہتا۔ حضرت علیؑ نے اصرار کیا تو عرض کی، میرے پدر بزرگوار نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ سے کسی چیز کا سوال نہ کروں۔ ممکن ہے آپ اُسے پورا نہ کر سکیں تو آپ کو رنج ہو۔ اس لیے میں کچھ نہیں کہتی حضرت علیؑ نے جب قسم دی تو انار کا ذکر کیا۔

یہ تاریخ کا مسئلہ امر ہے کہ حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ میں کبھی کسی بات پر شکر رنجی نہیں ہوئی اور دونوں نے باہم دگر خویش گوار زندگی گزارا ہے۔

سلسلہ بہو کے تعلقات
فاطمہ زہرا کی شادی کے وقت جناب فاطمہ بنت اسد زعمہ تھیں ساس بہو کے تعلقات اکثر و بیشتر نامعوش گوار ہو جایا کرتے ہیں لیکن فاطمہ نے ایسا دستور اور رویہ اختیار کیا کہ کبھی بھی تعلقات میں کشیدگی پیدا نہ ہونے پائی۔ فاطمہ بنت اسد کے سپرد اعزاز و اقربا کی ملاقات، شادی اور غمی میں شرکت وغیرہ قرار دیا۔ اور اپنے دفتر امور خانہ داری، مثلاً چکی پیسنا، روٹی پکانا وغیرہ رکھ لیا تھا۔ تاریخ میں ان دونوں کی باہمی کشیدگی کا سراغ نہیں ملتا۔

آپ کی اولاد
آپ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ ۱۵ رمضان ۱۰ سلسلہ ہجری کو امام حسنؑ اور ۳ شعبان ۱۰ سلسلہ ہجری کو امام حسینؑ اور ۱۰ جمادی اول ۱۰ سلسلہ ہجری میں حضرت زینبؑ اور ۱۰ سلسلہ ہجری میں جناب ام کلثومؑ اور ۱۰ سلسلہ ہجری میں اسقاط محسنؑ ہوا۔ علمائے کھابے کہ زینب کا عقد عبد اللہ بن جعفر سے اور ام کلثوم کا عقد محمد بن جعفر سے ہوا تھا۔ ابن ماجہ ابو داؤد۔ ابن حجر اور اسعاف الرجبین بر حاشیہ نور الابصار ص ۱۰۰ طبع مصر۔ بروایت بسط ابن جوزی حضرت زینب کے بطن سے عون و عبد اللہ پیدا ہوئے اور ام کلثوم لا ولد فرمت ہوئیں۔ (تذکرہ خواص ص ۱۰۰)

آپ کی عبادت
آپ بے شمار نمازیں شب و روز پڑھاتی تھیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کے ہمراہ ۱۰ سلسلہ ہجری میں آخری حج فرمایا تھا۔

فاطمہ زہراؑ پیغمبر اسلام کی نظر میں

فاطمہ زہراؑ کی فضیلت اور ان کے مدارج کے سلسلہ میں قرآن مجید کی آیتیں اور بے شمار حدیثیں موجود ہیں۔ میں اس وقت چند احادیث اور پیغمبر اسلام کے بعض طرز عمل پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ کا

ارشاد ہے کہ فاطمہ بہشت میں جانے والی عورتوں کی سردار ہیں۔ تمام جہان کی عورتوں کی سردار ہیں آپ کی رضا سے اللہ راضی ہوتا ہے جس نے آپ کو ایذا دی اس نے رسول کو ایذا دی۔ خدا نے آپ کی بدولت آپ کے ماننے والوں کو جہنم سے چھڑوایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مردوں میں بہت لوگ کمال گذرے ہیں۔ لیکن عورتوں میں صرف چار عورتیں کمال گذری ہیں۔ (۱) مریم (۲) آسیہ (۳) خدیجہ (۴) فاطمہ، اور ان میں سب سے بڑا درجہ کمال فاطمہ کو حاصل ہے۔

علماء کا بیان ہے کہ حضرت پیغمبر اسلام آپ سے انتہائی محبت رکھتے تھے اور کمال عزت بھی کرتے تھے۔ محبت کے مظاہروں میں سے ایک یہ تھا کہ جب کسی غزوہ میں تشریف لے جاتے تھے تو سب سے آخر میں فاطمہ سے رخصت ہوتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو سب سے پہلے فاطمہ زہرا کو دیکھنے تشریف لے جاتے تھے اور عزت و احترام کا مظاہرہ یہ تھا کہ کانت فاطمہ اذا دخلت علی رسول اللہ قام الیہا فقبلہا واجلسہا فی جلسہ۔ جب حضرت فاطمہ آتی تھیں تو آپ تعظیم کو کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اپنی جگہ پر بیٹھتے تھے۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۲۲۹ طبع مصر۔ مطالب السؤل ص ۲۲ طبع مکتبہ مختلف کتب صحاح میں موجود ہے کہ آنحضرت نے فرمایا۔ فاطمہ میرا مجز ہے جو اسے اذیت پہنچائے گا وہ مجھے اذیت پہنچائے گا۔ مؤرخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ نزول آیہ تطہیر کے بعد سرور دو عالم در فاطمہ پر ۹ ماہ مسلسل بوقت نماز صبح جا کر آواز دیا کرتے اور فرط مسترت میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ خدا نے تمہیں ہر طرح کی گندگی سے پاک و پاکیزہ کیا ہے۔ (زاد العقبی ترجمہ مودۃ القرنی مودت ۱۱ ص ۱)۔

حضرت فاطمہؑ، رب العزت کی نگاہ میں

محمدین کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہؑ کو پروردگار عالم اپنی کنیز خاص جانتا تھا اور

ان کی بے حد عزت کرتا تھا۔ بارہا دیکھا گیا ہے کہ حضرت سیدہ نماز میں مشغول ہوتی تھیں اور فرشتے ان کے پتوں کی گوارہ جنبانی کیا کرتے تھے اور جب وہ قرآن پڑھنے میں مشغول ہوتی تھیں تو فرشتے ان کی چکی پسیا کرتے تھے۔ حضرت رسول کریم نے گوارہ جنبانی کرنے والے فرشتے کا نام جبریل اور چکی پسنے والے کا نام "اوقابیل" بتایا ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۲۵ طبع طہان)

فاطمہ عہد رسالت میں

پیغمبر اسلام کے حین حیات فاطمہ زہرا کی قدر و منزلت، عزت و توقیر کی کوئی حد نہ تھی۔ انسان تو درکنار ملائک کا یہ حال تھا کہ

آسمانوں سے اتر کر زمین پر آتے اور فاطمہ کی خدمت کرتے تھے۔ کبھی جنت کے طبق لائے کبھی حسین کا جھولا جھلا کر فاطمہ کی اعانت کی۔ اگر ان کے منہ سے عید کے موقع پر نکل گیا کہ بچو! تمہارے پوشے درزی لائے گا۔ تو خازن بہشت کو درزی بن کر آنا پڑا۔ حد ہے کہ ملک الموت بھی آپ کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے تھے۔ علامہ عبدالمومن جنفی لکھتے ہیں کہ سرور کائنات کے وقت اخیر فاطمہ کے زانو

پر سراسر مات مآب تھا۔ ملک الموت نے وقتِ اُباب کیا اور اذینِ حسوسِ جاہلہ فاطمہ نے انکار کر دیا۔ ملک الموت دروازے پر گر گئے۔ لیکن مکان میں داخل ہونے پر اصرار کرتے رہے۔ فاطمہ کے متواتر انکار پر ملک الموت نے قدرے لہجہ بدل کر آواز دی۔ فاطمہ رو پڑیں، آپ کے آنسو رخسارِ رسالت پر گرے۔ پیغمبر نے پوچھا کیا بات ہے۔ آپ نے واقعہ بتایا۔ حکم ہوا اجازت دو۔ یہ ملک الموت ہیں (عجائب القصاص ص ۲۸۲)۔

فاطمہ زہرا رسولِ اسلام کے بعد

۲۸ صفر ۱۱ھ کو رسولِ اسلام کا انتقال ہوا۔ آپ کے انتقال کے بعد آپ کے اہل بیت پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ اس درجہ متاثر ہوئیں کہ اپنی کشتی حیات چھتر دن سے زیادہ نہ کھینچ سکیں۔ آپ کے سر پر پٹی بندھی رہا کرتی تھی اور آپ شب دروز گریہ و زاری فرمایا کرتی تھیں۔ آپ کے لیے سرورِ کائنات کی وفات ہی کا صدمہ کیا کم تھا کہ اس پر مستزاد یہ کہ دنیا داروں نے آماجگاہِ آلام بنا دیا۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ باپ کے انتقال کے بعد کفن و دفن کی مصیبت سے ڈکھ درد کی ماری بیٹی کو بے نیاز کر دیا جاتا اور سارا نظامِ میت سنبھال کر اس فریضہ ترفین و تکفین کو بحسن طریق انجام دیا جاتا۔ لیکن انسوس! اس کے برعکس دنیا والوں نے رسول کی میت یوں ہی گھر میں چھوڑ دی اور خدا اور رسول کے منشاء کے خلاف اپنی حکومت کی بنیاد قائم کرنے کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ چلے گئے۔ رسول کی میت پڑی رہی، بالآخر آلِ محمد اور دیگر چند ماننے والوں نے اس فریضہ کو ادا کیا۔ یہ واقعہ بھلانے کے قابل نہیں جبکہ حضرت ابو بکر غلیفہ بن کر اور حضرت عمر غلیفہ بنا کر واپس لوٹے تو سرورِ کائنات کی لاشِ مطہرہ سپردِ خاک کی جا چکی تھی۔ ان حضرات نے اس طرف توجہ نہ کی اور کسی طال کا اظہار نہ کیا اور سب سے پہلے جس چیز کی کوشش شروع کی وہ حضرت علی سے بیعت لینے کی تھی۔ حضرت علی اور اعیانِ داکا برصحابہ جن میں کل بنی ہاشم۔ زبیر۔ عقبہ بن ابی لہب۔ خالد بن سعید۔ مقداد بن عمرو۔ سلمان فارسی۔ ابوذر غفاری۔ عمار یاسر۔ بلال بن عازب۔ ابی ابن کعب اور ابو سفیان قابلِ ذکر ہیں (تاریخ ابوالفدا جلد ۱ ص ۳۴۵)۔

یہ لوگ چونکہ خلافتِ منصوبہ کے مقابل سقیفائی خلافت کو تسلیم نہ کرتے تھے لہذا خانہ فاطمہ میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اس پر حضرت عمر آگ اور ٹکڑیاں لے کر آئے اور کہا گھر سے نکلو ورنہ ہم آگ لگا دیں گے۔ یہ سن کر فاطمہ دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا کہ اس گھر میں رسول کے نواسے حسین بھی موجود ہیں کہا ہونے دیجیئے۔ (تاریخ طبری والامامت والسیاست جلد ۱ ص ۱۲) اس کے بعد برابر شور و غل ہوتا رہا اور علی کو گھر سے باہر نکالنے کا مطالبہ ہوتا رہا۔ مگر علی نے نکلے۔ فاطمہ کے گھر کو آگ

لگا دی گئی سبب شعلے بلند ہونے لگے تو فاطمہ دوڑ کر دروازہ کے قریب آئیں اور فرمایا۔ ارے میرے
 باپ کا کفن بھی میلانہ ہونے پایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ یہ سن کر فاطمہ کے اوپر دروازہ گرا دیا گیا۔ جس
 کے باعث معصومہ کے شکم پر ضرب لگی اور فاطمہ کے بطن میں محسن نامی پتھر شہید ہو گیا۔ (کتاب الملل
 والنحل شہرستانی طبع مصر ص ۲۰) علامہ ملا معین کا شفی لکھتے ہیں کہ "یہاں مرض فاطمہ از جہاں رحلت فرمود
 فاطمہ اسی ضرب حضرت عمر سے رحلت کر گئیں۔ ملاحظہ ہو معارج النبوت رکن چار باب ۳ ص ۲۲۔
 اس کے بعد یہ لوگ حضرت فاطمہ کے گھر میں ڈرانہ داخل ہو گئے اور علی کو گرفتار کر کے ان کے گلے
 میں رستی باندھی (ابن ابی الحدید) اور لے کر دربار خلافت میں پہنچے، اور کہا کہ بیعت کرو۔ ورنہ
 خدا کی قسم تمھاری گردن مار دیں گے (روضۃ الاحیاء)۔ حضرت علی نے کہا۔ تم کیا کر رہے ہو
 اور کس قاعدہ اور کس بنیاد پر مجھ سے بیعت لے رہے ہو۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ (الامامت لسیات
 جلد ۳) بعض تو خین کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے خانہ یتیم میں گھس کر دھاچھو کڑی مچا دی۔ بالآخر
 بروایت ابن واضح "فخرت فاطمہ فقالت والله لتجن جن اولاکشفن شعری ولا یجتن
 الی اللہ" فاطمہ بنت رسول صحن خانہ میں نکل آئیں اور کہنے لگیں خدا کی قسم گھر سے نکل جاؤ۔ ورنہ
 میں اپنے سر کے بال کھول دوں گی۔ اور خدا کی بارگاہ میں سخت فریاد کروں گی۔ (تاریخ الیعقوبی جلد
 ص ۱۱)۔ ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت علی کو گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا تو حضرت فاطمہ بنت
 رسول نے فریاد کرتے ہوئے کہا تھا کہ "خللی ابا الحسن" ابو الحسن کو چھوڑ دو ورنہ اپنے سر کے بال
 کھول دوں گی۔ طبری لکھتے ہیں کہ اس کہنے پر مسجد نبوی کی دیوار قد آدم بلند ہو گئی تھی۔ اس کے بعد حضرت
 فاطمہ کو اطلاع ملی کہ آپ کی وہ جائداد جس کا نام فدک تھا۔ جو حکم خدا بدست رسول ہاتھ آئی تھی۔
 اور جس کی آمدنی فقراء و مساکین پر ہمیشہ سے خرچ ہوتی آئی جس کا محل وقوع مدینہ منورہ سے شمال
 کی طرف دو سو میل ہے پر خلیفہ وقت نے قبضہ کر لیا ہے۔ (مجموع البلدان صحیح بخاری جلد ۲
 ص ۲۸۸) یہ معلوم کر کے آپ حد درجہ غضب ناک ہوئیں (بخاری) اور یہ معلوم کر کے اور زیادہ بخیرہ
 ہوئیں کہ ایک فرضی حدیث غضب فدک کے جواز میں گواہی ہے۔ الغرض آپ نے دربار خلافت میں
 اپنا مطالبہ پیش کیا اور انکار ہبہ پر بطور ثبوت حضرت علی، حضرت امام حسن، امام حسین، ام امین،
 اور رباح کو گواہی میں پیش کیا۔ لیکن سب کی گواہیاں مسترد کر دی گئیں اور کہا گیا علی شوہر ہیں حسین فرزند
 ہیں۔ ام امین وغیرہ کینز و غلام ہیں۔ ان کی گواہی نہیں مانی جاسکتی۔ (کتاب الاستفسار) انسان العیون
 صواعق ص ۳۲)۔ ایک روایت کی بنا پر حضرت ابو بکر نے ہبہ کا تصدیق نامہ لکھ کر فاطمہ کو دے دیا۔
 وہ لے کر جانے ہی والی تھیں کہ ناگاہ حضرت عمر آگئے۔ پوچھا کیا ہے؟ کہا تصدیق ہبہ نامہ آپ نے
 وہ خط ہاتھ سے لے کر چاک کر ڈالا اور بروایت زمین پر پھینک کر اس پر تھوک دیا اور پاؤں سے رگڑ ڈالا

(سیرت علیہ ص ۱۸۵) اور مقدمہ خارج کر دیا، (السان العیون جلد ۲ ص ۲۴ طبع مصر) اسی سلسلہ میں آپ کا خطبہ بلکہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے تھوڑے دن بعد حضرت ابو بکر اور حضرت عمر امیر المؤمنین حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ہم نے فاطمہ کو ناراض کیا ہے۔ ہمارے ساتھ چلنے ہم ان سے معافی مانگ لیں۔ حضرت علی ان کو ہمراہ لے کر آئے اور فرمایا اے فاطمہ یہ دونوں پہلے آئے تھے۔ اور تم نے انھیں اپنے مکان میں گھسنے نہیں دیا۔ اب مجھے لے کر آئے ہیں اجازت دو کہ داخل خانہ ہو جائیں۔ حکم علیؑ سے اجازت تو دے دی۔ لیکن جب یہ داخل خانہ ہوئے تو فاطمہ نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا اور سلام کا جواب تک نہ دیا اور فرمایا خدا کی قسم تا زندگی نماز کے بعد تم دونوں پر بددعا کرتی رہوں گی۔ غرض کہ فاطمہ نے معاف نہ کیا اور یہ لوگ مایوس واپس گئے۔ (الامامت والسیاست، مولفہ ابن ابی قتیبہ متوفی ۲۶۷ھ جم جلد ۱ ص ۱۱۷) امام بخاری کہتے ہیں کہ فاطمہ نے تاحیات ان لوگوں سے کلام نہیں کیا اور غضب ناک ہی دنیا سے رحلت کر گئیں۔

آپ کی علالت

ہم اوپر بحوالہ علامہ شہرستانی و علامہ عینی کا شفقی تحریر کر آئے ہیں کہ حضرت عمر نے سیدۃ النساء حضرت فاطمہ پر دروازہ گرا دیا تھا اور شکم مبارک پر ضرب لگائی تھی جس کی وجہ سے اسقاط حمل ہوا تھا اور اسی سبب سے آپ علیل ہوئیں اور بالآخر وفات پا گئیں۔ اب آپ کی خدمت میں ڈپٹی منڈیر احمد کی تحریر کا اقتباس پیش کرتے ہیں وہ لکھتے ہیں۔

جو شخص (وفات رسولؐ) سے سب سے زیادہ متاثر ہوا وہ فاطمہ تھیں۔ والدہ پہلے انتقال کر چکی تھیں۔ اب ماں اور باپ دونوں کی جگہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور باپ بھی کیسے دین و دنیا کے بادشاہ۔ ایسے باپ کا سایہ سر سے اٹھنا اس پر حضرت علیؑ کا خلافت سے محروم رہنا ترکہ پوری فکر کا دعویٰ کرنا اور مقدمہ ہار جانا... انھیں بچوں میں گھل گھل کر انتقال فرما گئیں۔ (روایے صادقہ فصل ۱۴) آپ اس قدر روئیں کہ اہل محلہ متاثر ہوئے۔ بالآخر حضرت علیؑ نے آپ کے رونے کے لیے مدینہ سے باہر ”بیت الاحزان“ بنوا دیا تھا۔ (انوار المحیئینہ صفحہ ۲۳ طبع بمبئی)۔

حالات سے متاثر ہو کر حضرت سیدہ نے اپنے والد بزرگوار کا جو مشیہ کہا ہے اس کا ایک شعر ہے

حببت علیؑ مصائب لوانہا حببت علیؑ الایام صرنا لیا لیا
(ترجمہ) آبا جان آپ کے بعد مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر... دونوں پر پڑتیں تو مثل شب کے تارک

ہو جاتے۔ (نور الابصار ص ۱۱۷ و مدارج جلد ۲ ص ۵۲)

آپ کی وصیت

فاطمہ زہراؑ نے اسما بنت عمیس سے فرمایا کہ اے اسما مجھے مسلمانوں کی عورتوں کی میت کے لئے طے کا طریقہ بتا دینا ہے یہ تختے پر لکھ کر پڑھا کر لے جاتے ہیں۔ اسما نے کہا۔ میں حبشہ میں بہت اچھا تابوت دیکھ آئی ہوں فرمایا۔ اس کی نقل بنا دو۔ اسما نے تابوت بانس کی قچیوں سے تیار کیا۔ فاطمہ غمگین ہو گئیں۔ اس کے بعد آپ نے حضرت علیؑ کو بلایا اور وصیت کی۔ آپ نے کہا مجھے غم غسل دینا۔ کفن پہنانا۔ میرا جنازہ رات کو اٹھانا۔ جن لوگوں نے مجھے بتایا ہے ان کو میرے جنازے میں شریک نہ ہونے دینا۔ میرے بعد شادی کرنا تو ایک رات میرے بچوں کے پاس اور ایک رات اپنی بیوی کے پاس گزارنا۔

شمس العلماء مسٹر نذیر احمد دہلوی لکھتے ہیں کہ فاطمہ نے ابو بکر وغیرہ سے بات چیت کرنا چھوڑ دی۔ مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے رات کے وقت دفن کرنا اور یہ لوگ میرے جنازے پر نہ آنے ہائیں (احیاء الامتہ ص ۹۹) علامہ عبدالمبرک لکھتے ہیں کہ فاطمہ کی یہ وصیت تھی کہ عائشہ بھی شریک جنازہ نہ ہونے پائیں۔ استیعاب جلد ۲ ص ۷۷) جناب سیدہ کی حضرات شیخین سے ناراضگی کے لیے مزید ملاحظہ ہو۔ تیسرے القاری ترمذی بخاری ۱۲ ص ۱۸-۲۱ و ۲۱ ص ۲۱۔ مشکل الآثار طحاوی ج ۱ ص ۱۷۲ ترجمہ صحیح مسلم جلد ۵ ص ۲۵۔ روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۲۳۲۔ اذالۃ الخفاء جلد ۲ ص ۵۷۔ براہین قاطعہ ترجمہ صوتی حضرت ۱۲ اشعۃ المعانی جلد ۳ ص ۴۸۔ الزہراء عمرا بن نصر (اردو ترجمہ) ص ۱۹۔ جمع الفوائد جلد ۲ ص ۱۸۔ طبع میرٹھ۔

آپ کی وفات

دنیا نے اسلام کے قدیم مورخ ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت سرور کائنات کی وفات کے بعد صرف ۷۵ دن زندہ رہ کر انتقال فرما گئیں۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ صفحہ ۱۴)۔ علامہ بہائی کا جامع عباسی ص ۷۹ میں بیان ہے کہ تنو دن بعد انتقال ہوا ہے۔ آپ کی تاریخ وفات یوم یکشنبہ ۳۱ جمادی الثانیہ ۱۱ سالہ ہجری ہے (الانوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۳۹ طبع نجف) آپ کے واقعہ وفات کے متعلق حضرت ابن عباس صحابی رسول کا بیان ہے کہ جب فاطمہ زہرا کی وفات کا وقت قریب آیا تو نہ محصورہ کو بخارا آیا، اور نہ دروہ سر عارض ہوا۔ بلکہ آپ نے امام حسن اور امام حسین کے ہاتھ پکڑے اور دونوں کو لے کر قبر رسول پر گئیں اور قبر و منبر کے درمیان دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر دونوں کو اپنے سینے سے لگایا اور فرمایا اے میرے بچو! تم دونوں ایک ساعت اپنے باپ کے پاس بیٹھو، امیر المؤمنین اس وقت مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ پھر وہاں سے گھر آئیں اور آنحضرت کی چادر اٹھائی غسل کر کے حضرت کا سچا کفن کیا یا لباس پہنا۔ بعد ازاں زوجہ حضرت جعفر طیار (اسما) کو آواز دی، اسما نے عرض کی بی بی حاضر ہوتی ہوں۔ جناب فاطمہ نے فرمایا، اسما تم مجھ سے الگ نہ ہونا۔ میں ایک ساعت اس حجرہ میں

لیٹنا چاہتی ہوں۔ جب ایک ساعت گزر جائے اور میں باہر نہ نکلوں تو مجھ کو تین آوازیں دینا۔ اگر میں جواب دوں تو اندر چل آنا۔ ورنہ سمجھ لینا کہ میں رسولِ خدا سے ملحق ہو چکی ہوں۔ بعد ازاں رسولِ خدا کی جگہ پر کھڑی ہوئیں اور دو رکعت نماز پڑھی پھر لیٹ گئیں اور اپنا منہ چادر سے ڈھانپ لیا۔ بعض جہاں کہا کہنا ہے کہ سیدہ نے سجدہ ہی میں وفات پائی۔ الغرض جب ایک ساعت گزری تو اسار نے جناب سیدہ کو آواز دی۔ اے حسن و حسین کی ماں! اے دخترِ رسولِ خدا! مگر کچھ جواب نہ ملا۔ تب اسلمہ اس حجرہ میں داخل ہوئیں۔ کیا دیکھتی ہیں کہ وہ معصومہ رحلت کر چکی ہیں۔ اسار نے اپنا گریبان پھاڑ لیا اور گھر سے باہر نکل پڑیں۔ حسن و حسین آپہنچے۔ پوچھا اسار ہماری اماں کہاں ہیں۔ عرض کی حجرہ میں ہیں۔ شاہزادے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ مادرِ گرامی انتقال فرما چکی ہیں۔ شاہزادے روتے پھیلتے مسجد میں پہنچے۔ حضرت علیؑ کو خبر دی۔ آپ صدمہ سے بے حال ہو گئے۔ پھر وہاں سے باحال پریشان گھر پہنچے۔ دیکھا کہ اسار سر ہانے بیٹھی رو رہی ہیں۔ آپ نے چہرہ الزکوٰۃ کھولا۔ سر ہانے ایک رقمہ ملا۔ جس میں شہادتین کے بعد وصیت پر عمل کا حوالہ تھا اور تاکید تھی کہ مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دینا۔ حنوط کرنا۔ کفن پہنانا۔ رات کے وقت دفن کرنا اور دشمنوں کو میرے دفن کی خبر نہ دینا اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں تمہیں خدا کے سپرد کرتی ہوں اور اپنی ان تمام اولادوں (سادات) کو سلام کرتی ہوں جو قیامت تک پیدا ہوں گی۔

جب رات ہوئی تو حضرت علیؑ نے غسل دیا کفن پہنایا۔ نماز پڑھی اور بنا بر روایت مشہورہ جنت البقیع میں لے جا کر دفن کر دیا۔ (زاوالعقبی ترجمہ مودۃ القرنی علی بھدانی شافعی ص ۱۲۵ تا ۱۲۹ طبع لاہور) ایک روایت میں ہے کہ آپ کو منبر اور قبر رسولؐ کے درمیان دفن کیا گیا۔ (انوار الحسینہ جلد ۲ ص ۳۹) کتب متفائل میں ہے کہ غسل کے وقت حضرت علیؑ نے پشت و بازوئے فاطمہ پر دوڑہ عمری کا نشان لکھا تھا اور بیخ مار کر روئے تھے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت علیؑ نے فاطمہ کو رات کے وقت دفن کر دیا۔ ولعمریٰ وہاں ابابکر و سلمیٰ علیہما۔ ابوبکر وغیرہ کو شرکت جنازہ کی اجازت نہیں دی۔ نیز دفن کی بھی اطلاع نہیں دی اور نماز خود پڑھی۔ علامہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ حضرت علیؑ نے جناب فاطمہ کی وصیت کے مطابق کیا تھا۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابوبکر وغیرہ سے ناراض ہو گئیں اور ان سے ترک تعلق کر لیا اور مرتے دم تک بیزار رہیں امام ابن تیمیہ کا بیان ہے کہ خلفا کو فاطمہ کی ناراضی کا علم تھا۔ وہ کوشش کرتے رہے کہ راضی ہو جائیں ایک دفعہ معافی مانگنے کے لیے بھی گئے۔ "فاستاذنا علی فاطمہ فلہ تازن" اور ان حضوری چاہا۔ آپ نے طے سے انکار کر دیا۔ اور ان کے سلام تک کا جواب نہ دیا اور فرمایا تازنگل تم پر بڑھاکو لگی اور بابا جان سے تمہاری شکایت کروں گی۔ (الامامت والسیاست جلد ۱ ص ۱۱۸ طبع مصر)۔

آپ کا جنازہ

غسل و کفن کے بعد حضرت علیؑ اپنی اولاد اور اپنے اعدا سمیت جنازہ لے کر رواد ہوئے۔ ہمارا انوار کتاب الفتن میں ہے کہ راستہ دیکھنے کے لیے ایک شمع

ساتھ تھی اور حضرت زینب جو کافی کمسن تھیں، سیاہ لباس میں لپٹی ہوئی اس سایہ میں چل رہی تھیں جو شمع کی وجہ سے تابوت کے نیچے زمین پر پڑ رہا تھا۔ مودۃ القرنیٰ ص ۱۱۹ میں ہے کہ حضرت علیؑ جب جنت البقیع میں پہنچے تو ایک سمت سے آواز آئی اور کھدی کھدائی قبر نمایاں ہو گئی۔ حضرت علیؑ نے اسی قبر میں حضرت فاطمہؑ کی لاش مطہر و دفن کی اور اس طرح زمین برابر کر دی کہ نشان قبر معلوم نہ ہو سکے۔

کتاب منتهی الآمال شیخ عباس قمی ص ۱۳۹ میں ہے کہ جب جناب سیدہ کی لاش قبر میں اتاری گئی تو رسول خدا کے ہاتھوں کی مانند دو ہاتھ برآمد و نمودار ہوئے اور انھوں نے جسم مطہر سیدہ کو سنبھال لیا۔ دلائل الامتہ میں ہے کہ چونکہ قبر فاطمہ کے ساتھ بے ادبی کا اندیشہ تھا اس لیے چالیس قبریں بنائی گئیں۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ہے کہ چالیس قبریں اس لیے بنائی گئیں کہ صحیح قبر معلوم نہ ہو سکے اور فاطمہ کو ستانے والا قبر پر بھی نماز نہ پڑھ سکے ورنہ سیدہ کو اذیت ہوگی۔ اس کے باوجود لوگوں نے قبر کھود کر نماز جنازہ پڑھنے کی سعی کی۔ جس کے رد و عمل میں حضرت علیؑ تنگی تلوار لے کر زرد لباس پہنے ہوئے قبر پر جا بیٹھے۔ اس وقت آپ کے منہ سے کف جاری تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی ہتھیں پست ہو گئیں اور آگے نہ بڑھ سکے۔ (ناسخ التواریخ وغیرہ) وفات کے وقت جناب سیدہ طاہرہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔

وفات رسول کے بعد جناب سیدہ کے ساتھ جو کچھ کیا گیا۔ اس پر شمس العلماء ڈیپٹی

مذہب احمد ایل ایل ڈی مترجم قرآن مجید نے اپنی کتاب ”رویائے صادقہ“ میں نہایت

نتیجہ

مفصل اور مکمل تبصرہ فرمایا ہے۔ جس کے آخری جملے یہ ہیں۔

”سخت افسوس ہے کہ اہمیت نبویؐ کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے نالام آفاقات پیش آئے کہ ان کا وہ ادب و لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اس میں ضعف آ گیا اور شدہ شدہ منجر ہوا۔ اس ناقابل برداشت واقعہ کہ بلا کی طرف جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ ایسی نالائق حرکت مسلمانوں سے ہوئی ہے۔ کہ اگر سچ پوچھو تو دنیا میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔“

چرخ و شمس فرمود شخصے ایل لطفہ کہ شتہ شد حسین اندر سقیفہ

علامہ حافظ محمد بن علی شہر آشوب المتوفی ۵۸۸ھ حج تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے جنازہ

حضرت فاطمہ کے شہر کا۔ جنازہ

میں امیر المؤمنین۔ امام حسن۔ امام حسین۔ عقیل۔ سلمان فارسی۔ ابوذر۔ مقداد۔ عمار اور بریدہ شریک تھے۔

اور انھیں لوگوں نے نماز جنازہ پڑھی، ایک روایت میں عباس، فضل، خلیفہ اور ابن مسعود کا اضافہ ہے
طبری میں ابن زبیر کا بھی تذکرہ ہے۔ (عمدة المطالب ترجمہ مناقب ج ۲ ص ۱۵۰ طبع مکتان)

جیسا کہ اوپر گزرا، حضرت فاطمہ صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا کے جائے دفن میں
اختلاف ہے۔ کوئی جنت البقیع، کوئی منبر و قبر رسول کے درمیان کوئی

حضرت فاطمہ کا دفن

قبر اور گھر کے درمیان قبر بتاتا ہے۔ مشہور یہی ہے کہ جنت البقیع میں آپ دفن ہوئی ہیں۔ لیکن اصحاب
محمد بن ابی نصر نے ابوالحسن حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت
فاطمہ اپنے گھر میں مدفون ہوئی ہیں۔ جب بنی امیہ نے مسجد کی توسیع کی تو ان کی قبر روضہ رسول کے
اندر آگئی ہے۔ (ترجمہ مناقب ابن شہر آشوب ج ۲ ص ۱۵۰)

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام نے
وفات سیدہ پر بے انتہار غم کا اظہار فرمایا اور بے پناہ
غم و الم کا احساس کیا۔ انھوں نے قبر پر جو مٹی پڑھا وہ یہ ہے

حضرت فاطمہ کی قبر پر حضرت علی کا مٹیہ

لکل اجتماع من خلیلین فوقہ وکل الذی دون الفراق قلیل

دو دوستوں کے ہر اجتماع کا نتیجہ جدائی ہے اور ہر مصیبت دلوں کی جدائی کی مصیبت سے کم ہے

وان افتقادی فاطمہ بعد احمد دلیل علی ان لا یدونم خلیل

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد میری رفیقہ رحیمات فاطمہ کا

دارغ فراق دے جانا اس امر کا ثبوت واضح ہے کہ کوئی دوست ہمیشہ نہیں رہے گا۔

علامہ شیخ عباس مکی کہتے ہیں کہ حضرت سیدہ کو سپردِ خاک کرنے کے بعد حضرت امیر المومنین قبر جناب
سیدہ کے پاس بیٹھ گئے اور بے انتہا روئے آپس عباس عموی آنحضرت دستش را گرفت و از سر قبر او
ببروید یہ دیکھ کر چچا عباس بن عبدالمطلب نے ان کا ہاتھ پکڑ کر انھیں قبر کے پاس سے اٹھایا۔ اور گھر لے گئے
(منہجی الامال جلد ۱ ص ۱۳۰ طبع نجف اشرف)۔

عمار کا بیان ہے کہ ایک عرصہ گزرنے کے بعد آپ کی قبر
آپ کے روضہ کا انہدام

سے تقریباً ۲۳ سال قبل ابن سعود امیر سعود عرب نے آپ کے روضہ مبارک کو جذبہ واپسیت سے متاثر
ہو کر منہدم کر ڈالا۔ شیخ العراقین محمد رضا کا بیان ہے کہ ابن سعود نے مکہ میں ۹ اور مدینہ میں ۱۹ مقدس
مقامات کو منہدم کرایا تھا۔ جن میں خانہ سیدہ روضہ سیدہ اور بیت الاحزان بھی تھے۔ ملاحظہ ہو،
انوار الحینیہ جلد ۵ ص ۵۲ طبع ممبئی ۱۳۲۶ھ۔

حضرت فاطمۃ الزہرا کی کنیز جناب فضہ کے مختصر حالات

جناب فضہ کا اصل نام میمونہ تھا۔ حضرت رسول کریم نے ان کا نام فضہ رکھا۔ فضہ کے معنی چاندی کے ہیں۔ گویا رسول کریم نے ان کے ستیاہ نام ہونے کے باوجود انھیں چاندی بنا دیا اور روشن ضمیر کر دیا۔ جناب فضہ حبش کے رہنے والی تھیں۔ علامہ شیخ جعفر بن محمد بن جعفر زاری لکھتے ہیں: ”ہی کانت بنت ملک من ملوک الحبشة“ وہ حبشہ کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کی دختر نیک اختر تھیں (الانوار العلویہ ص ۱۰۶ طبع نجف اشرف) علامہ رجب علی برسی نے کتاب مشارق الانوار میں انھیں ہندوستان کے ایک بادشاہ کی لڑکی لکھا ہے۔ لیکن یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ (رسالہ حضرت فضہ ص ۱۰۶ طبع لاہور)۔

جناب فضہ اور فنِ کیمیاگری

موضوعین کا بیان ہے کہ جناب فضہ فنِ کیمیاگری میں ماہر تھیں۔ علامہ رجب علی برسی کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ یہ جب حضرت فاطمۃ الزہرا صلوات اللہ علیہا کے خانہ اقدس میں آئیں اور ان کی ظاہری غربت و افلاس کو دیکھا تو کیمیا کا ذریعہ نکالا اور تانبے کے ٹکڑے پر اس کیمیا کو استعمال کیا جس سے تانبا بہترین سونابن گیا اور جناب فضہ اس کو لے کر حضرت امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اے فضہ تم نے بہترین سونابنایا ہے لیکن اگر تم تانبے کو بھی گھلا دیتیں تو اس سے زیادہ بہتر سونابن جاتا، فضہ نے اذروئے تعجب کہا کہ مولا آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ آپ نے امام حسین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عیلم تو ہمارا پتھر بھی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے فضہ تم تمام علوم سے واقف ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور زمین کا ٹکڑا بہترین سونے اور قیمتی جواہر میں تبدیل ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ ”یا فضہ ما لہذا خلقنا“۔ اے فضہ ہم اس کے لیے پیدا نہیں کئے گئے۔ (انوار العلویہ و مدد ساکبہ ص ۱۳) مطلب یہ تھا کہ ہم زر و جواہر اور مال و دولت کے لیے پیدا نہیں کئے گئے۔ ہماری غرض خلقت تبلیغ دین اور فروغِ انسانیت ہے۔

جناب فضہ کی شادی

جناب فضہ جب حضرت فاطمہ کی خدمت میں آئی تھیں تو غیر شادی تھیں۔ انھوں نے شاہی تھاڑ باٹھ کو خیر باد کہہ کر حضرت فاطمہ زہرا کی خدمت کو اپنا فریضہ بنالیا تھا۔ وہ پاکیزہ دل کی خاتون تھیں اور پاک گھرانے کی خدمت کو دنیا و آخرت کی عزت سمجھتی تھیں۔ حضرت فاطمہ جب تک زندہ رہیں انھوں نے اپنی شادی نہیں کی البتہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی کے اصرار پر شادی پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کی تزویج کر دی گئی۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کانت لفاطمۃ الزہرا جاربتہ یقال

لہا فضة فصارت بعد ہا علی فزوجہا من ابی ثعلبۃ الحبشی فاولدہا ابنا ثمرات
 عنہا ابو ثعلبۃ فتزوجہا من بعدہ ابوسلیک العطفانی " حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی ایک
 کینز تھیں جن کو "فضہ" کہتے تھے۔ جب بی بی فاطمہ کا انتقال ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ کی خدمت گزار
 کرنے لگیں۔ حضرت علیؑ نے ان کی شادی ابو ثعلبہ حبشی کے ساتھ کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا،
 پھر ابو ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت علیؑ علیہ السلام نے ان کا عقد ابوسلیک عطفانی کے
 ساتھ کر دیا۔ (انوار علویہ ص ۵۹)

جناب فضہ اور ضیافت حضرت رسول کریمؐ

مترجمین کا بیان ہے کہ جناب فضہ
 بظاہر کینز تھیں۔ لیکن وہ محمدؐ و آل محمدؐ
 کی نگاہ میں بڑی ممتاز تھیں اور ان کے نگاہ کرم کی وجہ سے نگاہ قدرت میں بھی باعزت تھیں۔
 ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ "ماہ رمضان کی ایک شب کو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے آنحضرت
 صلعم کی خدمت میں درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلعم جس قدم سے آپ نے عرش معلیٰ کو (شب معراج)
 مشرف فرمایا ہے۔ آج اس قدم کے ذریعہ ہمارے گھر کو مشرف بخشیں۔ آنحضرت نے دعوت قبول
 فرمائی اور خانہ امیر المومنین میں روزہ افطار فرمایا۔ اگلے روز کے لیے حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعوت
 اور انھوں نے قبول فرما کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر امام حسنؑ نے دعوت دی اس کے بعد امام حسینؑ نے
 درخواست کی، آپ نے ان شہزادوں کی خواہش پوری کی۔ یہ دیکھ کر جناب فضہ نے بھی دعوت طعام
 دی حضرت نے قبول فرمائی، جب نماز مغرب کے بعد آپ اپنے گھر ہو کر جناب فضہ کے وہاں جانے
 کا ارادہ کیا تو جبریلؑ نے کہا کہ آپ سیدھے فضہ کے گھر تشریف لے جائیں، یہ رب جلیل کی خواہش
 ہے۔ کیونکہ فضہ دروازہ سیدہ پر منتظر کھڑی ہیں۔ چنانچہ حضور اکرمؐ سیدھے جناب سیدہ کے مکان
 پر تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے تعظیم کی اور آداب بجالائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آج فضہ کا مکان
 ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنین نے فضہ سے کہا کہ تم نے مجھ سے نہیں بتایا کہ حضورؐ کو مدعو کیا ہے۔ مجھ سے
 ہوتا تو تم تمھاری مدد کرتے۔ فضہ نے عرض کی مولا میں آپ ہی کی کینز ہوں۔ سب انتظام ہو جائے گا،
 اس کے بعد وہ اندر گئیں اور مصیبتا بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی،
 مالک اپنے جیب کی دعوت کا بند و بست فرمادے۔ "دعا قبول ہوئی اور مادہ آسمانی نازل ہوا وہ
 اُسے لے کر باہر آئیں اور سب نے طعام جنت تناول فرمایا۔ حضرت نے کھانے کے بعد ارشاد کیا۔
 "الحمد للہ" کہ خدا نے مریم بنت عمران کی طرح میری بیٹی کی کینز کو بھی جنت سے طعام منگوانے کا
 شرف بخشا ہے۔ (مصباح القلوب، ریاض القدس جلد ۲ ص ۲۷ طبع ایران)۔

جناب فضہ اور امدا و علیؑ | ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ جناب فضہ اپنی باری کے دن خانگی کا دیا

کے سلسلہ میں لکڑیوں کا ایک گٹھراٹھا کر لانا چاہتی تھیں لیکن زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے وہ ان سے اٹھ نہیں رہا تھا۔ انھوں نے فوراً وہ دُعا پڑھی جو انھیں رسول کریمؐ نے تعلیم دی تھی جس کی ابتداء یہ ہے۔ "یا واحد یا احد لیس کشلہ شیء الہ"۔ اس دُعا کا پڑھنا تھا کہ ایک اعرابی نمودار ہوا اور اُس نے ایندھن اٹھا کر حضرت سیدہ کے دروازے پر لا پھینکا۔ (معالی السبطين جلد ۲ ص ۱۳۶)۔

سورہ حل اتی، جو اہل بیت کی مدح و ثنا میں نازل ہوا
جناب فضہ اور سورہ حل اتی ہے۔ اس میں جناب فضہ بھی شامل ہیں۔

مفسرین لکھتے ہیں کہ ابن عباس کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرات حسینؑ بیمار ہوئے تو رسول خداؐ کو لوگوں کے ساتھ عیادت کو تشریف لائے اور جناب امیر سے فرمایا کہ بہتر ہوتا اگر تم اپنے لڑکوں کی صحت کے واسطے نذر کرتے، یہ سنتے ہی جناب امیر فاطمہ الزہراؑ اور فضہ نے تین تین روزوں کی نذر کی غرضیکہ جب دونوں صاحبزادے اچھے ہوئے اور نذر کے پورے کرنے کا وقت آیا تو گھر میں کچھ نہ تھا۔ جناب امیر نے شمعوں بیہودی سے تین صاع جو قرض لیے، جناب سیدہ نے ایک صاع جو پھیا اور پانچ روٹیاں پکائیں۔ شام کو کھانا ہی چاہتے تھے کہ ایک سائل نے آواز دی "السلام علیکم یا اہلبیتا محتد"۔ میں ایک مسلمان سکین ہوں مجھے کھانا دو، خدا تمہیں جنت کے نوان عطا کرے گا یہ سنتے ہی سب نے اپنے اپنے آگے کی روٹیاں دے دیں فقط پانی پی کر سو رہے۔ اور دوسرے دن پھر روزہ رکھا جسبانی دوسرے دن جناب سیدہ نے پانچ روٹیاں پکائیں اور کھانے بیٹھے کہ ایک تیمم نے آواز دی اور سب نے اپنی اپنی روٹیاں اُس کو دے دیں اور صرف پانی سے افطار کیا، تیسرے روز پھر روزہ افطار کرنے بیٹھے تھے کہ ایک قیدی نے آواز دی اور تیسرے دن پھر سب بزرگوں نے اپنی اپنی روٹیاں دے دیں۔ چوتھے دن صبح کو جناب امیر نے صاحبزادوں کے ہاتھ پکڑے اور حضرت رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسول اللہؐ کی نظر پڑی کہ بھوک کی شدت سے کانپ رہے ہیں تو فرمایا کہ میں تم لوگوں کو کس قدر تکلیف کی حالت میں دیکھ رہا ہوں، پھر خود اٹھے اور ان کے ساتھ جناب سیدہ کے مکان میں آئے تو فاطمہ کو مخراب عبادت میں دیکھا کہ ان کا پیٹ پیٹھ سے مل گیا ہے اور سونگھیں دھنس گئی ہیں، یہ دیکھ کر حضرت کو بہت رنج ہوا کہ یکایک حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور کہا کہ لیجئے یا رسول اللہؐ آپ کو مبارک ہو خدا نے یہ سورہ آپ کے اہلبیت کی شان میں نازل کیا ہے۔ اور سورہ دھر کی تلاوت فرمائی۔ (تفسیر کشاف جلد ۳ ص ۲۳۹ و تفسیر بیضاوی) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یعنی علیؑ و فاطمہؑ والحسن والحسین و جارتہم فضتہ" اس آیت "یوفون بالندرا" میں جناب امیر، جناب فاطمہ، امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور ان کی

کینز فضہ کو مراد لیا ہے۔ (تفسیر برہان جلد ۴ ص ۱۱۶۲ طبع قدیم)

ضربِ عمری سے بنتِ رسول کا زخمی ہونا اور فضہ کو پکارنا

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمر نے فاطمہ کے گھر میں آگ لگا دی تھی اور حضرت یتدہ کے بطن پر دروازہ گرا دیا تھا جس سے اُن کے بطن میں جنابِ محسن شہید

ہو گئے تھے (الملل والنخل) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ "جب نبی یتدہ کے پلو پر دروازہ گرا اور بنتِ رسول زخمی ہو کر زمین پر گریں تو منہ سے بے ساختہ یہ جملے نکلے تھے "یا رسول اللہ! ہکذا یفعل بجمیلتک وابتنتک، یا فضة الیک فخذیخی واما ظہری فندیخی فقل و اللہ قتل ما فی احشائی" اے رسول خدا آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ اے فضہ درامجھ کو سنبھالو اور میری پشت کی طرف سے مجھے سہارا دو" خدا کی قسم میرے بطن میں میرا بچہ (محسن) شہید ہو گیا ہے۔ (سما را لاوار جلد ۸ طبع ایران)۔

غسلِ یتدہ میں فضہ کی شرکت

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ جب عمر بن خطاب کے ضرب سے شدید زخمی ہو کر

فاطمہ بنت رسول علیل ہوئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ میں اب نہ بچوں گی تو مجھے چند وصیتیں کیں۔ ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ میرے غسل وکفن میں تمہارے اور حسن و حسین اور زینب و ام کلثوم اور فضہ و اسماء بنت عمیس کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (معالی السبطین جلد ۲ ص ۱۳۶) ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے۔

حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضرت یتدہ نے جہاں مجھ سے اور بہت سے عہد لیے تھے اُن میں ایک یہ تھا کہ میری وفات کے بعد مردوں میں عبد اللہ بن عباس، سلمان فارسی، عمار یا سر، مقداد بن اسود، ابوذر غفاری، حذیفہ یمانی اور عورتوں میں ام سلمہ، ام ایمن اور فضہ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے اور نہ کسی کو خبر دی جائے۔ ایک روایت میں فضل اور ابن مسعود کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے ایسا ہی کیا۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶)۔

حضرت یتدہ کا آخری دیدار اور فضہ

تو میں نے چہرہ یتدہ کو بند کرتے ہوئے، جہاں زینب ام کلثوم اور حسن و حسین کو آواز دی تھی وہاں فضہ کو بھی پکارا تھا کہ "ہلمی اتوزروا من امکم" آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ (سفینۃ البحار)

جنابِ فضہ حضرت فاطمہ الزہرا کی شہادت کے بعد

شہادت حضرت فاطمہ الزہرا کے بعد جنابِ فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد حضرت زینب وغیرہ کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے لیا۔ علامہ ہمدی حائری لکھتے ہیں: "لمامات فاطمہ العظمت الی زینب وکانت تخذ ملہا فی بیتہا وتارۃ فی بیت الحسن وتارۃ فی بیت الحسين فلما خرجت عقيلة القریش مع اخيها الحسين من المدينة الی العراق خرجت فضة معها حتی انت کربلاء" حضرت فاطمہ کی وفات کے بعد جنابِ فضہ حضرت زینب کی کنیزی میں آگئیں اور ان کے خانہ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام دینے لگیں اور بعض اوقات امام حسن اور امام حسین کے گھر میں بھی خدمت فرائض انجام دیتی تھیں، پھر جب عقیدہ القریش حضرت زینب اپنے بھائی کے ہمراہ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جنابِ فضہ ان کے ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔

کربلا میں حکمِ فضہ سے شیر کا برآمد ہونا

کتبِ مقاتل میں ہے کہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے بعد جب ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑائے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جنابِ زینب کے مطابق جنابِ فضہ نے ابوالمحارث نامی شیر کو آواز دی تھی اور اُس نے برآمد ہو کر نعشِ مبارک کی حفاظت کی تھی۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۳۶۵) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ "ذکر العباس" طبع لاہور۔

کربلا میں جنابِ فضہ کا حضرت زینب کو سوار کرانا

شہادت حضرت امام حسین کے بعد جب گیارہ محرم الحرام کو اہلبیت کی روانگی کا وقت آیا تو حضرت زینب نے تمام محذرات اور بچوں کو سوار کرا دیا تھا۔ لیکن حضرت زینب کو ناقہ پر سوار کرنے والا کوئی نہ تھا۔ راوی کہتا ہے کہ اُس وقت میں نے دیکھا کہ "اذاجاریۃ مسنة سوداء اقبلت الی زینب فارکتبھا فسالت عنہا فقالواھی قضاۃ جاریۃ فاطمۃ" ایک سیاہ رنگ کی سن رسیدہ کنیز کے بڑھی اور اُس نے حضرت زینب کو سوار کیا، میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے انھوں نے کہا یہ فضہ ہیں جو حضرت فاطمہ زہرا کی کنیز ہیں۔ (معالی السبطین جلد ۲ ص ۵۴ ورسالہ فضہ ص ۱۳ طبع لاہور)۔

دیباچہ میں کشت جنابِ فضہ پر تازیانہ

کتبِ مقاتل میں ہے کہ جنابِ فضہ واقعہ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھیں۔ سید الشہداء جب رخصتِ آخر کے لیے خیمہ میں آئے تھے اور انھوں نے سب کو سلام آخر کیا تھا

تو جناب فضہ کو بھی سلام کیا تھا اور کہا تھا کہ اے فضہ میری بہن زینب کا خیال رکھنا۔ چنانچہ وہ ہر عمل پر اس ارشاد کی طرف متوجہ رہیں خصوصاً اُس وقت خاص کردار ادا کیا جبکہ یزید نے بھرے دربار میں حضرت زینب سے کلام کرنا چاہا تھا اُس وقت فضہ اڑے آئی تھیں اور یزید ملعون کو اس بد تمیزی میں کامیاب نہیں ہونے دیا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ایک محل ایسا بھی آگیا تھا جس میں فضہ کوتا زیا نہ کھانا پڑا، علامہ محمد علی کاظمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت زینب کو دربارِ شام میں تیس دن کینزیں اپنے حلقہ میں لیے ہوئے تھیں۔ یزید نے اپنے غلام ابو عبیدہ کو حکم دیا کہ ان کینزیں کو زینب کے سامنے سے ہٹا دے۔ چنانچہ وہ نازیبا نہ لے کر آگے بڑھا۔ سب کینزیں تو مٹ گئیں۔ لیکن جناب فضہ نے زینب کے سامنے سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔ "فغضب ابو عبیدہ و ضربہا ضرباً بالسطوح حتی انکبت علی الارض" ابو عبیدہ نے غصہ میں آکر ایک ایسا تازیبا نہ جناب فضہ کے پشت پر مارا کہ وہ زمین پر گر پڑیں، اور چیخ کر کہا "وادیلہ ما احل من قوم النوب ہلہنا حتی فوطی جزاء دس تلث" ہائے مصیبت کیا یہاں کوئی جہشی قوم کا آدمی نہیں ہے جسے غیرت آئے اور تجھ کو اس ظلم کی سزا دے۔ یہ سن کر ساتھ جہشی غلاموں میں سے جو یزید کے دربار میں موجود تھے ایک آگے بڑھا اور اُس نے ابو عبیدہ کو فنی النار کر دیا۔ (کتاب لسان الراضین ص ۶۸)

فضہ کی دُعا اور بیان واقعہ شہادتِ فاطمہؑ

علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ، درق بن عبد اللہ از دی سے روایت کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کو گیا۔ عالم طواف میں ایک عورت کو دیکھا جس کا رنگ گہرا گندمی تھا اور چہرہ

نورانی تھا، اس کی گفتگو نہایت فصیح تھی اور وہ یہ دُعا مانگ رہی تھی۔ "اللہم تدب اللعۃ المحرام" اے کعبہ محترم کے رب، اے کرام الکاتبین کے رب۔ اے زفرم و مشاعر حرام کے رب۔ اے محمد خیر الانام کے رب۔ فجر کو میرے مظلوم و معصوم سادات اور ان کے مبارک چہروں والے میٹوں کے ساتھ محسوس فرما۔ میں نے دُعا کو سن کر یہ سمجھ لیا کہ یہ کوئی محبِ اہل بیت ہے، اس کے بعد میں اُس کے قریب گیا اور میں نے اُس سے پوچھا کہ تو عجمانِ آلِ محمد میں سے کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں حضرت فاطمہ زہرا کی کینز "فضہ" ہوں۔ میں نے کہا، اے فضہ میں عرصہ سے تمہارے کلامِ مستفیض کا شائق ہوں، اے بی بی میں تم سے ایک اہم سوال کرنا چاہتا ہوں تم ہر بانی کر کے طواف کے بعد فلاں مقام پر آجائیں وہیں حاضر ہو کر سوال کروں گا، چنانچہ وہ آگئیں اور میں بھی حاضر ہو گیا۔

میں نے عرض کی "یا فضة انجری بنی عن مولاتک فاطمة الزہراء وما الذی راہبت منها عند وفاتها بعد موت ابیہا" اے فضہ مجھے بتاؤ کہ وفاتِ رسول کے بعد ان کی بیٹی فاطمہؑ

پر کیا گزری؟ یہ سننا تھا کہ "تغریرت عیناھا بالدموع" فضہ کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک اُٹھیں اور وہ چیخ مار کر روئیں اور کہنے لگیں اسے ورقہ تم نے ہمارے غم کو تازہ کر دیا اور ہمارے دل کو زخموں سے بھر دیا، اسے ورقہ تم کو کیا بتاؤں کہ سیدہ پر کیا گزری، اچھا ستوا، یہ کہہ کر انھوں نے تمام داستان غم دھرا دی۔ (بخارا انوار جلد ۱۰ ص ۵۳ و سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۳۶)۔

عمر بن خطاب اور علمیت فضہ کا اعتراف

علامہ شیخ جعفر نزاری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فضہ کا عمر بن خطاب سے کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہو گیا اور فضہ نے اپنی علمیت کی قوت سے انھیں مجروح کر دیا تو انھوں نے اڑوٹے

تعبیب کہا کہ "شعورۃ من آل ابی طالب انفہ من جمیع آل خطاب" آل ابوطالب کا ایک معمولی سا بال بھی تمام آل خطاب سے فقہ جاننے والا ہے۔ (انوار علویہ ص ۵۸)۔

جناب فضہ اور قرآن مجید

ان کجالات و واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن مجید کی حافظ تھیں کیونکہ ان کے لیے یہ مسئلہ ہے کہ انھوں نے بیس سال تک قرآن مجید کی آیات میں کلام کیا تھا۔ علامہ مجلسی بخارا انوار میں اور شیخ عباس قمی سفینۃ البحار میں لکھتے ہیں کہ "ما تکلمت عشرين سنتا الا بالقرآن" یہ بیس سال تک قرآن مجید کے علاوہ کچھ بولیں ہی نہیں یعنی جو گفتگو کرتی تھیں وہ قرآن مجید کی آیات میں کرتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ جو سوال و جواب اور اپنی جی زندگی کے مقامات تکلم میں بلکہ حیات کی ہر منزل میں صرف قرآن مجید سے گفتگو کرے اس کے حافظ قرآن ہونے میں کیونکر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ میں مثال کے طور پر ان کے قرآن مجید کی آیات میں کلام کرنے کا ایک واقعہ لکھتا ہوں۔

علامہ حافظ محمد بن علی شہر آشوب المتوفی ۵۸۵ھ بحوالہ البواقی القاسم قشیری تحریر کرتے ہیں کہ ایک شخص جسے عبد اللہ بن مبارک نے بیان کیا کہ میں سفر میں تھا اتفاقاً اپنے قافلے سے رہ گیا اور جنگل کی طرف نکل گیا۔ میں نے اس جنگل میں ایک عورت کو پریشان حال دیکھا تو میں یہ سمجھا کہ یہ بھی ہماری طرح گم کردہ لادہ ہے میں نے اس سے پوچھا۔

(۱) تم کون ہو؟ اُس نے جواب دیا، قل سلام فسوف تعلمون، تم سلام کہو عنقریب جان لو گے میں نے سلام کیا۔

(۲) اب اس جنگل میں پھر کیوں رہی ہو، اُس نے کہا، من یهدی اللہ فلا مضل لہ، جسے اللہ ہدایت دے اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، میں سمجھا کہ یہ راہ جھٹکی ہوئی ہے۔

(۳) تم جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے، اُس نے کہا، یا ابی آدم خذ وازینتکم" ایسے نبی آدم اپنی زینت کو سنبھالو۔ میں سمجھا کہ اپنا انسان ہونا بتا رہی ہے۔

(۴) تم کہاں سے آئی ہو؟ اُس نے کہا۔ ”تادون من مکان بعید“۔ وہ دُور سے پکار رہے ہیں میں سمجھا کہ بہت دُور سے آئی ہے۔

(۵) کہاں جانے کا ارادہ ہے، اُس نے کہا۔ ”وَلَّحْنَا عَلَى النَّاسِ حِجَّ الْبَيْتِ“ اللہ کے لیے لوگوں پر حج واجب ہے، میں سمجھا کہ حج کو جا رہی ہیں۔

(۶) تم قافلہ سے کب جدا ہوئی ہو۔ اُس نے کہا۔ ”وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ“ ہم نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا ہے، میں سمجھ گیا کہ چھ دن سے بھٹکی ہوئی ہے۔

(۷) تم کچھ کھا نا چاہتی ہو، اُس نے کہا۔ ”وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ“ ہم نے ان کو جسم قرار دیا وہ کھانا کھاتے ہیں، میں سمجھ گیا کہ کھانا مطلوب ہے۔

(۸) کھا نا کھلا کر میں نے کہا جلد سوار ہو جاؤ، اُس نے کہا۔ ”لَا يَكُفُّ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا“ اللہ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، میں سمجھا کہ وہ ایک جانور پر زیادہ بار پسند نہیں کرتی۔

(۹) تم میرے ساتھ ایک ہی اونٹ پر بیٹھ جاؤ، اُس نے کہا۔ ”لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا“ اگر زمین و آسمان میں اللہ واحد سے زیادہ خدا ہوتے تو دونوں تباہ ہو جاتے، میں سمجھا کہ ایک ساتھ بیٹھنا نہیں چاہتی۔

(۱۰) میں نے اپنی سواری سے اتر کر کہا کہ تم سوار ہو جاؤ۔ چنانچہ سوار ہو کر اُس نے کہا۔ ”سُبْحَانَ الَّذِي مَسَخَرْنَا هَذَا“ پاک ہے وہ خدا جس نے ہمیں اس پر سوار ہونے کا موقع دیا اور اُسے ہمارے قابو میں کیا۔

(۱۱) جب ہم قافلہ میں مل گئے یعنی اس کا قافلہ مل گیا تو میں نے پوچھا کہ اس قافلہ میں تمہارا کوئی اپنا بھی ہے تو اُس نے کہا، یا داؤد انا جعلناك خليفة في الارض، وما حملنا لارسلنا يا يحيى خذ الكتاب، يا موسى اني انا الله، میں سمجھ گیا کہ اس کے چار آدمی ہیں داؤد اور محمد اور یحییٰ اور موسیٰ، چنانچہ میں نے ان کو زور سے پکارا، سب حاضر ہو گئے۔

(۱۲) پھر میں نے پوچھا یہ چاروں تمہارے کون ہیں؟ اُس نے کہا، المال والبنون زينة الحيات الدنيا، مال اور اولاد زندگی دنیا کی زینت ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ چاروں اس کے بیٹے ہیں۔

پھر اُس عورت نے یہ آیت پڑھی، ”يا ايت استاجرہ ان خير من استاجرت القومحالمين“ یعنی اُس نے ان سے کہا کہ اس شخص کو کچھ اجرت دے دو، چنانچہ انھوں نے مجھے کچھ مال دیا، میں نے اُسے کم سمجھ کر کہا کہ اللہ جسے چاہتا ہے دوگنا دیتا ہے۔ یہ سُن کر انھوں نے مزید اجرت دی۔ پھر میں نے اُن

سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے ؟ اور اس کا کیا نام ہے۔ انھوں نے کہا کہ حضرت فاطمہ بنت رسولؐ کی آزاد کنیز ہے، اس کا نام ”فضہ“ ہے اور یہ ہماری مال ہے۔ یہ بیس سال سے آیات قرآنی کے ذریعہ سے بات چیت کرتی ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۲۱۰ و مستطرف امام الشہی جلد ۱ ص ۱۰۰)

جناب فضہ کی حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں حاضری کا واقعہ اور ان کا سن ولادت و وفات نیز ان کے مدفن کا تاریخ سے شراغ نہیں ملتا تاہم بروایت ”خلاصۃ المصاب“ یہ ہے کہ انھوں نے حضرت زینب کبریٰ کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد انتقال کیا تھا اور انھیں کے قریب شام میں دفن ہوئی تھیں۔

جناب فضہ کی وفات اور ان کا مدفن

جناب فضہ کے ۴ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں۔ داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ۔ لڑکی کا نام ”مسک“ تھا۔ اس لڑکی کی ایک دختر تھی جس کا نام ”شہرت“ تھا۔

جناب فضہ کی ایک نواسی کا واقعہ

شہرت ایک دن حج کو جا رہی تھی راستے میں اس کی سواری ٹھک کر بیٹھ گئی۔ اس نے آسمان کی طرف مڑ کر کہا ”خدا یا!“ تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ اب نہ گھر واپس جا سکتی ہوں نہ مکہ پہنچ سکتی ہوں، راوی مالک بن دینار کہتا ہے کہ اس کہنے کے فوراً بعد جنگل کے درختوں سے ایک شخص ایک اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے برآمد ہوا، اور اسے بچھا کر کولے گیا۔ (بحار الانوار، سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۳۶۵ و مناقب جلد ۲ ص ۳۱۰)۔

جناب فضہ کے وطن ”افریقہ“ سے انبیاء، ائمہ اور اسلام کا علاقہ

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عظیم افریقہ کا اعیانہ، ائمہ اور اسلام سے بہت گہرا اور قدیمی تعلق ہے، حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ جیسے بڑے پیغمبروں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ افریقہ ہی میں بسر کیا ہے۔ ہمارے نبیؐ کی جدہ عالیہ حضرت ہاجرہ افریقہ کے ملک مصر کی شاہزادی تھیں۔ جب ہمارے نبیؐ کو محمد مصطفیٰؐ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کافروں نے آپ کو اور آپ کے ماننے والے مسلمانوں کو سنا سنا شروع کیا۔ آپ نے یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں کو حضرت جعفر طیار کے ساتھ حبش (افریقہ) بھیج دیا۔ وہاں کے بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی اور ان مومنوں کی ریشہ دہانیوں کو مسترد کیا جو کہ سے جا کر شاہ حبش کو مسلمانوں سے بظن کرنا چاہتے تھے۔

رسول اللہ صلعم کی ایک زوجہ ”ماریہ قبطیہ“ افریقہ کی رہنے والی تھیں آپ افریقہ کے مشہور قبیلہ ”نوبہ“ سے تھیں اور رسول اللہؐ کو وہیں کھلانے والی ”ام ایمن“ (برکت) افریقہ ہی کی رہنے والی تھیں، ان کے ایک

بیٹے، امین، جنگ خیر میں شہید ہوئے۔ ان کے دوسرے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنایا تھا جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے اور آپ کے ایک خاص صحابی اور مؤذن حضرت بلال بھی افریقہ کے باشندے تھے۔ بلال، اسلام کے پہلے مؤذن ہیں۔ آج بھی افریقہ میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش، خاص اسلامی ملک ہیں۔ مغربی افریقہ میں، گنی اور نائیجیر یہ ہیں مسلمانوں کی حکومت ہے مشرقی افریقہ میں سمالیہ اور زنجبار میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں، مشرقی افریقہ کے ممالک، زنجبار، یوگنڈا، کینیا، اور ٹانگانیکا میں کافی شیعہ اثنا عشری بھی آباد ہیں۔

شمالی افریقہ کا سب سے اہم اسلامی ملک "مصر" ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مصر کے بادشاہوں کو "فرعون" کہتے تھے حضرت موسیٰ نے ایک فرعون ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ مصر کی "راجدہانی" قاہرہ ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کی سب سے پرانی لائبریری "الازھر" موجود ہے جو ایک ہزار سال سے علم کا گوارہ بنی ہوئی ہے۔

قاہرہ میں مشہد "راس الحسین" نام کی ایک عمارت ہے جہاں ہزاروں مصری روزانہ جمع ہو کر امام حسین علیہ السلام سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔

مصر کے جنوب میں "سوڈان" ہے۔ یہ بھی ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ مصر اور سوڈان میں دریائے نیل بہتا ہے۔ یہ وہی دریائے جس پر حضرت موسیٰ نے عصا مارا تھا تو دریا کا پانی پھٹ گیا تھا اور حضرت موسیٰ اپنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل گئے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔

مصر کے مغرب میں "لیبیا" ہے۔ جہاں سنوسی عربوں کی حکومت ہے۔ لیبیا سے مغربی سمت میں تونس ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور اب وہاں بھی ایک آزاد اسلامی حکومت قائم ہے۔ تونس کے مغرب میں "الجزائر" ہے جو اپنی پیداوار اور معدنیات کے لیے بہت مشہور ہے۔ الجزائر کے مغرب میں مراکش ہے جہاں ایک آزاد مسلمان سلطان کی حکومت ہے۔ مراکش سے ہی مسلمانوں میں پہلی مرتبہ یورپ پر حملہ کیا تھا اور "اسپین" پر قبضہ کر لیا تھا، جہاں صدیوں تک مسلمان حکومت کرتے رہے۔ شمالی افریقہ کی طرح مغربی اور وسطی افریقہ کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مغربی افریقہ میں نائیجیر، یوگنڈا، گنی کی آزاد مسلمان حکومتیں قائم ہیں۔ صحارا، مالی اور کانگو کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

مشرقی افریقہ میں زنجبار کی مسلم ریاست بہت قدیمی ہے۔ یہاں عوجہ اثنا عشری آبادی بھی کافی ہے اور ساری دو مساجد اور کئی امام باڑے موجود ہیں۔

ٹانگانیکا میں بھی مسلم اکثریت ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ اثنا عشری شیعہ بھی موجود

ہیں، ٹانگانیکا کے دارالحکومت "دارالسلام" میں اور دوسرے تمام بڑے شہروں عروشر، موشی
 ٹانگانیکا وغیرہ میں شیعوں کی مساجد اور امام باڑے موجود ہیں اور ان میں زور شور سے
 عزاداری ہوتی ہے کینیا اور "یوگنڈا" میں بھی شیعہ آبادیاں موجود ہیں۔ مثلاً کمپالہ - سروٹی -
 ارواہیمہ - نگورا وغیرہ ان کی مساجد اور امام باڑے محصور نظر آتے ہیں۔ براعظم افریقہ کا صرف
 جنوبی علاقہ ایسا ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔ افریقہ پر اسلامی اثرات کی نمایاں نشانی
 عربی زبان ہے۔ شمالی افریقہ کی عام زبان عربی ہے، اور مشرقی افریقہ کی سواحلی زبان میں بیشتر
 عربی الفاظ موجود ہیں۔ مشرقی افریقہ میں شیعہ آبادی صحالیہ، زنجبار، کینیا، ٹانگانیکا، یوگنڈا
 کانگو، ازبیرا، مبابسہ، ڈاغا سکر میں پائی جاتی ہے۔ (دینی باتیں)

مؤلف کا سفر یوگنڈا

براعظم افریقہ کے علاقہ یوگنڈا کے صدر جنرل سعیدی امین نے صدر پاکستان ذوالفقار علی بھٹو
 کو کھٹا کر میں آل ورلڈ مسلم سپریم کونسل کا اجلاس کرنا چاہتا ہوں، اس کے لیے تمام ممالک کو
 کو کھٹا جا چکا ہے کہ وہ اپنے نمائندے بھیجیں، آپ سے بھی ایسی درخواست ہے۔ صدر بھٹو نے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات
 وچ وادفات جناب مولانا کوثر نیازی سے مشورہ کر کے بتاریخ ۲۶ مئی ۱۹۷۳ء مجھ سے بذریعہ "فادران ایفیرس" خواہش
 کی کہ میں اس عظیم کانفرنس میں پاکستان کی نمائندگی کروں جس میں تقریباً عربی میں ہوں گی۔ کیوں کہ وہاں کی زبان عربی ہے
 چنانچہ میں ایک دن میں جملہ انتظامات مکمل کر کے ۲۸ مئی ۱۹۷۳ء بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر کراچی، تھران، بیروت،
 یمن اور مغربی جرمنی ہوتا ہوا ۲۹ مئی کو لندن پہنچا۔ وہاں "سنٹر ہوٹل" میں تقریباً دس گھنٹے قیام کے بعد کمپالہ کے
 لیے روانہ ہوا جو یوگنڈا کا "دارالسلطنت" ہے۔ وہاں "انٹرنیشنل ہوٹل" میں قیام کیا۔ کئی پاکستانی حضرات ملنے کے
 لئے آئے پھر ۳۱ مئی کی صبح کو ملک کے مختلف دور دراز اطراف میں تین اجلاس منعقد ہوئے جن میں عربی اور انگریزی میں تقریریں
 کی گئیں پھر یکم جون ۱۹۷۳ء کو اصل سپریم کونسل کا اجلاس شاہی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ صدر سعیدی امین نے
 اجلاس شروع ہونے سے قبل نمائندگان سے ملاقات کی اور گروپ فوٹو لیا گیا۔ اس کے بعد ۸ بجے شب اجلاس شروع
 ہوا ایک بجے رات تک جاری رہا۔ پھر ۱ بجے سپریم کونسل کے دفتر کا افتتاح کیا گیا اور ۲ بجے شب کو ایوان صدر میں قیام
 میں کھانا کھایا گیا۔ جہاں میں نے صدر سے پاکستانیوں پر خاص نگاہ رکھنے کی درخواست کی۔ (جس کا نتیجہ میری یاد دہانی پر
 اس وقت ظاہر ہوا جب یوگنڈا سے تمام ایشیا کے باشندے نکالے جا رہے تھے۔

۲ جون ۱۹۷۳ء کو شیعہ اثنا عشری جماعت کے صدر جناب سلطان داؤد صاحب میرے پاس آئے اور مجھے اپنے ہمراہ شیعہ مسجد میں
 دکھانے کے لیے گئے جنھیں دیکھ کر میں بے حد خوش ہوا، دریافت سے معلوم ہوا کہ اس کمپالہ میں تقریباً ۳ ہزار شیعوں کی آبادی ہے اس
 رات کو اجلاس عام کا بندوبست کیا گیا جو بعد میں جہاز کی روانگی کے وقت کی وجہ سے منسوخ کر دیا گیا پھر اسی ۲ جون کو شام کے وقت
 کمپالہ سے براہ بیرونی روانہ ہو کر ۳ جون ۱۹۷۳ء کو بوقت صبح کراچی پہنچا۔ اس سفر میں میرے ہمراہ جناب فضل الرحمن صاحب
 ایم۔ اے بھی تھے جو انگریزی میں تقریریں کرتے تھے، تقریباً ایک ماہ کے بعد جناب الحاج مولانا کوثر نیازی صاحب مرکزی وزیر اطلاعات
 و نشریات وچ وادفات حکومت پاکستان اور جناب عمیر احمد صاحب سیکشن ایفیرس فادران ایفیرس نے بتایا کہ یوگنڈا سے مرکزی رپورٹ نہایت ہی اچھی
 آتی ہے۔ ۱۲ مئی ۱۹۷۳ء



ابوالحسن

حضرت علی علیہ السلام

امیر المومنین

فصرت دیں ہے علی کا کام سوتے جاگتے ... خواب و بیداری ہے یکساں یہ ہیں میں لوگوں کا
 اس کی بیداری کی عظمت کو سن مجھ کی پوچھ ... جس کا سونا بن گیا تارخ دیں کی یادگار
 (صابر قاریانی دکن گچی)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب ۳

حضرت علی علیہ السلام

اوصاف علیؑ بہ گفتگو ممکن نیست گنجائش بحرِ درِ سببِ ممکن نیست
من ذاتِ علیؑ بواجبی کے دائم الا دائم کہ مثل او ممکن نیست

مولودِ کعبہ حضرت علیؑ علیہ السلام، ابوالایمان حضرت ابوطالب و جنابِ فاطمہ بنت اسد کے بیٹے پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے سہمِ نور، داماد، بھائی، جانشین اور فاطمہ کے شوہر حضرت امام حسن، امام حسین، زینب و ام کلثوم کے پدرِ بزرگوار تھے۔ آپ جس طرح سرورِ کائنات کے نور میں شریک تھے۔ اسی طرح کارِ رسالت میں بھی شریک تھے۔ یومِ ولادت سے لے کر تاجِ بحیات پیغمبرِ اسلام کے مدارِ الہام کی حیثیت سے کارِ پرواز رہے۔ امورِ مملکت ہوں یا میدانِ جنگ، آپ ہر موقع پر تاجِ دارِ روئے عالم کے پیش پیش رہے۔ عہدِ رسالت کے صحیح فتوحات کا سہرا آپ ہی کے سر پہا ہے۔ اسلام کی پہلی منزل (وعزت ذوالعشیرہ) سے لے کر تاجِ ارتحالِ رسولِ آپ نے وہ کارہائے نمایاں کئے جو کسی صورت سے بھلائے نہیں جاسکتے اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ کا گوشت پوست رسول کا گوشت پوست تھا۔ اور علیؑ پیدا ہی کئے گئے تھے۔ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے لیے۔

آپ کی ولادت
آپ کی نوری تخلیق، خلقتِ سرورِ کائنات کے ساتھ ساتھ پیدا ہونے کا عالم و آدم سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ لیکن انسانی شکل و صورت میں آپ کا ظہور و نمود ۱۳ رجب سنہ عام الفضل مطابق ستھ یوم جمعہ بمقام خانہ کعبہ ہوا۔ آپ کی ماں فاطمہ بنت اسد اور باپ ابوطالب تھے۔ آپ دونوں طرف سے ہاشمی تھے۔ یونہی عالم نے آپ کے خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کے متعلق کبھی کوئی اختلاف ظاہر نہ کیا، بلکہ بالاتفاق کہتے ہیں کہ "لم یولد قبلہ ولا بعدہ مولود فی بیت الحرام"۔ آپ سے پہلے کوئی نہ خانہ کعبہ میں پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس کے بارے میں علماء نے تراجم کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ (مستدرک امام حاکم جلد ۲ ص ۲۲۵) تواریخِ اسلام میں واقعہ ولادت یوں بیان کیا گیا ہے کہ فاطمہ بنت اسد کو جب دروزہ کی تکلیف

محسوس ہوئی تو آپ پر مشورہ رسول کریم خانہ کعبہ کے قریب گئیں اور اس کا طواف کرنے کے بعد دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئیں اور بارگاہِ خدا کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگیں۔ خدا یا میں مومنہ ہوں۔ تجھے ابراہیم بانی خانہ کعبہ اور اس مولود کا واسطہ جو میرے پیٹ میں ہے۔ میری شکل دُور کر دے۔ ابھی دعا کے جملے ختم نہ ہونے پائے تھے کہ دیوار کعبہ شق ہو گئی اور فاطمہ بنت اسد داخل کعبہ ہو گئیں۔ اور دیوار جوں کی توں ہو گئی۔ (مناقب صفحہ ۱۳۲، وسیلۃ النجات ص ۶) ولادت کعبہ کے اندر ہوئی۔ علی پیدا نہ ہوئے لیکن انھوں نے آنکھ نہیں کھولی۔ ماں سمجھی کہ شاید پتھر بے نور ہے۔ مگر جب تیسرے دن سرورِ کائنات تشریف لائے اور اپنی آغوشِ مبارک میں لیا تو حضرت علی نے آنکھیں کھول دیں اور جمالِ رسالت پر پہلی نظر ڈالی۔ سلام کر کے تلاوت صحیف آسمانی شروع کر دی۔ بھائی نے گل لگایا اور یہ کہہ کر اسے علیؑ جب تم ہمارے ہوتو میں بھی تمھارا ہوں۔ فوراً منہ میں زبان دے دی۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں۔ "وا از زبان مبارک و دوازده چشمه کشوده شد۔" زبانِ رسالت سے درنہ امامت میں بارہ چشمہ جاری ہو گئے۔ اور علیؑ ابھی طرح سیراب ہو گئے۔ اسی لیے اس دن کو "یوم النزویہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ ترویج کے معنی سیرابی کے ہیں۔ (کشف الغمہ ص ۳۲)

الغرض حضرت علیؑ خانہ کعبہ سے چوتھے روز باہر لائے گئے اور اس کے در پر علی کے نام کا بورڈ نصب کر دیا گیا۔ جو ہشام ابن عبد الملک کے زمانہ تک لگا رہا۔ آپ پاک و پاکیزہ، طیب و طاہر اور محنتوں پیدا ہوئے۔ آپ نے کبھی بُت پرستی نہیں کی، اور آپ کی پیشانی کبھی بت کے سامنے نہیں جھکی۔ اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ "کریم اللہ وجہ" کہا جاتا ہے۔ (نور الابصار ص ۶ صواعق محرقة ص ۷۷)۔

توضیح کا بیان ہے کہ آپ کا نام جناب ابوطالب نے اپنے جدِ علیؑ آپ کا نام نامی جامع قبائل عرب "قصی" کے نام پر "زید" اور ماں فاطمہ بنت اسد نے اپنے باپ کے نام پر "اسد" اور سرورِ کائنات نے خدا کے نام پر "علی" رکھا۔ نام رکھنے کے بعد ابوطالب اور بنتِ اسد نے کہا۔ حضور! ہم نے ہاتھ ٹھہری سے یہی نام سنا تھا۔ (روضۃ الشہداء اور کفایت الطالب) آپ کا ایک مشہور نام جیدر بھی ہے جو آپ کی ماں کا رکھا ہوا ہے۔ جس کی تصدیق اس ربعز سے ہوتی ہے جو آپ نے مرحب کے مقابلہ میں پڑھا تھا۔ جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے ع انا الذی سمنتی امی جیدر۔ اس نام کے متعلق روایتوں میں یہ ہے کہ جب آپ بچھو لے میں تھے۔ ایک دن ماں کہیں گئی ہوئی تھیں جھولے پر ایک سانپ جا چڑھا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے منہ کو پکرایا اور کہہ کو چیر پھینکا۔ ماں نے واپس ہو کر یہ ماجرا دیکھا تو بیساختہ کہہ اٹھیں۔ یہ میرا پتھر جیدر ہے۔

کنیت و القاب

آپ کی کنیت و القاب بے شمار ہیں۔ کنیت میں ابو الحسن اور ابو تراب اور القاب میں امیر المؤمنین - المفضل - اسد اللہ - ید اللہ نفس اللہ حیدر کرار - نفس رسول اور ساتی گوثر زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کی پرورش و پرداخت

آپ کی پرورش رسول اکرم نے کی۔ پیدا ہونے ہی گو میں یا۔ منہ میں زبان دی اور دودھ کے بجائے لعاب

رسول سے سیراب ہو کر "لحک لحمی" کے خضار بنے (سیرت جلد ۱ ص ۲۶۸) اسی دوران میں جب کہ آپ سرور کائنات کے زیر سایہ عارضی طور پر پرورش پا رہے تھے۔ مکہ میں شدید قحط پڑا۔ ابوطالب کے یہاں چونکہ اولاد زیادہ تھی۔ اس لیے حضرت عباس اور سرور کائنات ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو راضی کر کے حضرت علیؑ کو اپنے پاس منتقل طور پر لے آئے اور عباس نے بھی جعفر طیار کو لے لیا۔ حضرت علیؑ سرور کائنات کے پاس رات دن رہنے لگے۔ حضور اکرمؐ نے جگہ نعمات الہی سے بہرہ ور کر لیا۔ اور ہر قسم کی تعلیمات سے بھر پور بنا دیا۔ یہاں تک کہ علیؑ نام خدا قوت بازو بن کر یوم بعثت ۲۷ رجب کو کل ایمان کی صورت میں ابھرے اور حضور کی تائید کر کے اسلام کا سکہ بٹھایا۔

اظہار ایمان

مسلمانوں میں اکثر یہ بحث چھیڑ جاتی ہے۔ کہ سب سے پہلے اسلام کون لایا اور اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کا نام بھی آجاتا ہے۔ حالانکہ آپ موضوع بحث

سے خارج ہیں۔ کیونکہ زیر بحث وہ لائے جاسکتے ہیں۔ جو یا تو مسلمان ہی نہ رہے ہوں اور تمام عمر مشرک و بت پرستی میں گزری ہو۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ وغیرہم یا مسلمان تو رہے ہوں اور دین ابراہیم پر چلتے بھی رہے ہوں۔ لیکن اسلام ظاہر نہ کر سکے ہوں۔ جیسے حضرت حمزہؓ۔ حضرت جعفر طیار اور ابوالایمان حضرت ابوطالب وغیرہم۔ ایسی صورت میں اول الذکر حضرت کو کہا جائے گا کہ اسلام قبول کیا اور آخر الذکر کے لیے کہا جائے گا کہ اسلام ظاہر کیا۔ اب رہ گئے حضرت علیؑ یہ کعبہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوئے۔ کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام رسول اسلام کی گو میں آنکھ کھولی۔ لعاب دہن رسولؐ سے پرورش پائی۔ آغوش رسالت میں پے، بڑھے۔ دس سال کی عمر میں بوجہ ضرورت اعلان ایمان کیا۔ رسولؐ کے داماد قرار پائے۔ میدان جنگ میں کامیابیاں حاصل کر کے "کل ایمان" بنے۔ پھر امیر المؤمنین کے خطاب سے سرفراز ہوئے

فاضل معاصر تاریخ آئمہ میں لکھتے ہیں کہ علمائے محققین نے تبصریح لکھا ہے کہ حضرت علیؑ تو کبھی کافر رہے ہی نہیں۔ کیونکہ آپ شروع سے حضرت رسولؐ خدا کی کفالت میں اسی طرح رہے جس طرح خود حضرت کی اولاد رہتی تھی۔ اور کل امور میں حضرت کی پیروی کرتے تھے۔ اس سبب سے اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ آپ کو اسلام کی طرٹ بلایا جاتا اور جس کے بعد کہا جاتا کہ آپ مسلمان ہو جائے

(سیرت علیہ جلد ۱ ص ۲۲۹) مسعودی کہتا ہے کہ آپؐ بچپن ہی سے رسولؐ کے تابع تھے۔ خدائے آپؐ کو معصوم بنایا اور سیدھی راہ پر قائم رکھا۔ آپؐ کے لیے اسلام لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (مروج الذهب ج ۵ ص ۵) حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں نے اس اُمت میں سب سے پہلے خدا کی عبادت کی اور سب سے پہلے آنحضرتؐ کے ساتھ نماز پڑھی (استیعاب جلد ۲ ص ۴۲) پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے چشم زدن کے لیے بھی کفر اختیار نہیں کیا۔ (سیرت علیہ جلد ۱ ص ۲۴۰)

حلیہ مبارک

آپؐ کا رنگ گندمی۔ آنکھیں بڑنی۔ سینہ پر بال۔ قد میانہ۔ داڑھی بڑھی اور دونوں شانیں۔ کُنیاں اور پنڈلیاں پر گوشت تھیں۔ آپؐ کے پاؤں کے پچھے زبردست تھے شیر کے کندھوں کے مانند آپؐ کے کندھوں کی بڑیاں چوڑی تھیں۔ آپؐ کی گردن صراحی دار اور آپؐ کی شکل نہایت پُر صنعت اور حسین تھی۔ آپؐ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل کرتی تھی۔ آپؐ غضب نہیں لگاتے تھے۔

آپؐ کی شادی خانہ آبادی

آپؐ کی شادی سلمہؓ میں حضور اکرمؐ کی دختر نیک اختر حضرت فاطمہ الزہراءؑ سے ہوئی۔ آپؐ کے گھر میں لڑائی۔ غلام اور خدمتگار نہ تھے۔ باہر کا کام آپؐ خود اور آپؐ کی والدہ محترمہ کرتی تھیں اور امود خانہ داری کے فرائض جناب فاطمہ زہراءؑ انجام دیتی تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ رشتہ عام رشتوں کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ لیکن درحقیقت اس میں ایک اہم قدرتی راز مضمر ہے اور اس کا انکشاف اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس پر غور کیا جائے۔ کہ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ علیؑ کے علاوہ فاطمہؑ کا ساری دنیا میں رہتی دنیا تک کفو نہیں ہو سکتا۔ (ذوالاوار) پھر فرماتے ہیں کہ مجھے خدائے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کروں۔ اور اسی سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "ہر نبی کی نسل اس کے صلب میں ہوتی ہے۔ لیکن میری نسل صلب علیؑ میں قرار دی گئی ہے (ص ۱۰۰) ان تمام اقوال کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ علیؑ اور فاطمہؑ کا رشتہ نسل نبوت کی بقا اور دوام کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ لوگ پیغام رشتہ دے کر کامیاب نہیں ہو سکے جن کی بنیاد نجاست کفر پر استوار ہوئی اور جن کی امتنا گندگی نفاق پر ہوئی۔

سرورِ کائنات اور سیادتِ علیؑ کی صفت ذاتی ہے

سرورِ کائنات سے اتحاد ذاتی اور اشتراکِ نوری کی بنا پر حضرت علیؑ کی سیادتِ مستکم ہے۔ جو مدارجِ کرم حضور اکرمؐ کو نصیب ہوتے۔ انھیں سے ملنے جلتے حضرت علیؑ کو بھی ملے سیادت جس طرح سرورِ کائنات کے لیے ذاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علیؑ کے لیے بھی ہے۔ حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ غدیر کے موقع پر خطبہ سے فراغت کے بعد جب امیر المؤمنین حضور اکرمؐ کے سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا "مرحباً بستیٰ المسلمین وامام التتقین" اے مسلمانوں کے سردار اور اے پرہیزگاروں کے امام تمھیں بانشیعی مبارک ہو۔ اس ارشادِ رسولؐ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے علامہ

محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں لکھا ہے کہ حضرت کی سیادتِ مسلمین اور امامتِ متقین جس طرح صفت ذاتی ہے۔ خدا نے اپنا نفس قرار دے کر۔ رسولؐ نے اپنا نفس فرما کر علیؑ کی شرفِ سیادت کو باہم بیچ پر پہنچا دیا۔ کیونکہ جس طرح اصلیہ نبویہ میں نفس نبوت مشارک ہے۔ اسی طرح اصلیہ سیادت میں بھی نفس شریک ہے اس لیے حضور اکرم حضرت علیؑ کو تیسرا العرب۔ تیسرا المسلمین۔ تیسرا المرسلین فرمایا کرتے تھے۔ (مطالب السؤل ص ۵۶-۵۷)۔ اور حضرت فاطمہ کو تیسرا النساء العالمین اور ان کے فرزندوں کو تیسرا شباب اہل الجنة کے الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ علیؑ و فاطمہؑ کی باہمی مناکحت و مزاجت نے صفتِ سیادت کو دائمی فروغ دے دیا ہے۔ یعنی جو نبی فاطمہؑ میں ان کا درجہ اور ہے اور جو دیگر اولادِ علیؑ میں جو بطین فاطمہؑ سے متولد نہیں ہوئے۔ ان کی حیثیت اور ہے۔ کیونکہ نبی فاطمہؑ سلمہ نسل نبوت کی ضمانت ہیں۔

مال کی وفات

آپ کی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ بنت اسد نے سلمہ بعثت میں اظہارِ اسلام کیا۔ آپ سلمہ ہجرت میں شرفِ ہجرت سے مشرف ہوئیں۔ سلمہ ہجرت میں آپ نے اپنے نورِ نظر کو رسولؐ کی تختِ جگر سے بیاہ دیا اور سلمہ ہجرت میں انتقال فرمائیں۔ آپ کی وفات سے حضرت علیؑ بے حد متاثر ہوئے اور آپ سے زیادہ رسول اکرمؐ کو رنج ہوا۔ رسول کریمؐ حضرت علیؑ کی والدہ کو اپنی ماں فرماتے تھے اور اکثر ان کے وہاں جا کر رہتے تھے۔ انتقال کے بعد آپ نے قبر کھودنے میں خود حصہ لیا۔ اپنی چادر اور اپنے کرتے کو شریک کفن کیا اور قبر میں لیٹ کر اس کی کشادگی کا اندازہ کیا۔ (کنز العمال جلد ۶ ص ۷۷) فضول مہمہ ص ۱۵ و اصحابہ جلد ۸ ص ۱۶۔ ازالۃ الخفا جلد ۱ ص ۲۱۵۔

آپ کے والد ماجد کا انتقال

آپ کے والد ماجد ابو الایمان حضرت ابوطالبؑ ۵۳ھ میں بمقام مکہ پیدا ہوئے۔ اور وہیں پلے بڑھے۔ آپ کی بنیاد و دینِ فطرت پر تھی۔ (اہمات الامتہ ص ۱۲) آپ نے حضرت علیؑ کو ہدایت کی تھی کہ رسولؐ کا ساتھ نہ چھوڑنا (تاریخ کابل جلد ۶ ص ۶) آپ ہی کی ہدایت سے حضرت جعفر طیار نے حضور اکرمؐ کے پیچھے نماز پڑھنی شروع کی تھی (اصحابہ ج ۱ ص ۱۱۳) عبدالمطلب کے انتقال کے وقت ۵۷ھ میں جبکہ رسول کریمؐ کی عمر ۸ سال کی تھی آپ نے ان کی پرورش اپنے ذمے لے لی۔ اور ۲۵ سال کی عمر تک موخہ خدمت رہے۔ اسی عمر میں غالباً ۵۹ھ میں آپ نے رسول کریمؐ کی شادی جناب خدیجہ کے ساتھ کر دی اور خطبہ نکاح خود پڑھا۔ اسی مطالب ص ۳۲ طبع مصر، تاریخ خمیس مواہب لدنیہ) آپ کا انتقال ۱۵ سنوال سلمہ بعثت میں بعمر ۲۸ سال ہوا۔ آپ کے انتقال سے حضرت علیؑ کو بے انتہا رنج ہوا، اور رسولؐ اللہؐ بھی بے حد متاثر ہوئے۔ آپ نے انتہائی تباہی و وجہ سے اس سال کا نام عام الحزن رکھا۔ ابوطالب کو اسلامی اصول پر دفن کیا گیا۔ (تاریخ خمیس سیرت حلبیہ)۔

حضرت علی کے جنگی کارنامے

علماء کا اتفاق ہے کہ علم اور شجاعت جمع نہیں ہو سکتے۔ لیکن حضرت علی کی ذات نے اسے واضح کر دیا کہ میدانِ علم

اور میدانِ جنگ دونوں پر قابو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان میں وہی صلاحیتیں ہوں جو قدرت کی طرف سے حضرت علی میں ودیعت کی گئی تھیں۔ ۱۰ھ ہجری سے لے کر عہدِ وفات یعنی اسلام تک نظر ڈالی جائے تو علی کے جنگی کارنامے اور اہم تاریخ پر روشنی نظر آئے گی۔ جنگِ اُحد ہو یا بدر جنگِ خندق ہو یا خیبر۔ جنگِ حنین ہو یا کوئی معرکہ، ہر منزل میں، ہر موقع پر علی کی ذوالفقار حکمتی ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ علی کے مقابلہ میں کوئی بہادر ٹکسا ہی نہیں۔ آپ کی تلوار نے مہربانِ عسکرِ عارت و عمر و بن عبد مویب سے بہادریوں کو دم زدن میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ (جنگ کے واقعات گزرتے چکے ہیں)۔ باور کرنا چاہیے کہ علی سے مقابلہ جس طرح انسان نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح آپ سے نہ تو انسانی جنوں کے بھی بس میں نہ تھی۔

جنگِ بصرہ

مناقب ابنِ آشوب جلد ۲ ص ۹ و کنز العمال عظیمین ملاحج برغانی میں بحوالہ امام المحققین الحاج محمد تقی القزینی توسل حضرت امام حسن عسکری

و ابوسعید خدری و دھریضیانی مرقوم ہے کہ رسول خدا صلعم جنگِ سکاہ سے واپسی میں ایک اُچار وادی سے گزرے۔ آپ نے پوچھا یہ کونسا مقام ہے۔ عمر بن امیر ضمری نے کہا اسے وادی کثیب ارضی کہتے ہیں۔ اس جگہ ایک کنواں ہے جس میں وہ جن رہتے ہیں جن پر جنابِ سلیمان کو قابو نہیں حاصل ہو سکا اور سے تیج بیانی گزرا تھا۔ اُس کے دس ہزار سپاہی انھیں جنوں نے مار ڈالے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر ایسا ہے تو پھر یہیں ٹھہر جاؤ۔ قافلہ ٹھہرا۔ آپ نے فرمایا کہ دس آدمی جا کر حنظل کے کنویں سے پانی لائیں۔ جب یہ لوگ کنویں کے قریب پہنچے تو ایک زبردست عفریت برآمد ہوا۔ اور اس نے ایک زبردست آواز دی۔ سارا جنگل آگ کا بن گیا۔ دھرتی کا پینے لگی۔ سب صحابی بھاگ بھاگ نکلے لیکن ابوالعاص صحابی پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر میں جل کر راکھ ہو گئے۔ اتنے میں جبریل نازل ہوئے اور انھوں نے سرورِ کائنات سے کہا کہ کسی اور کو بھیجنے کے بجائے آپ ”علم“ لے کر علی ابن ابی طالب کو بھیجئے۔ علی روانہ ہوئے۔ رسول صلعم نے دستِ دعا بلند کیا۔ علی پہنچے عفریت برآمد ہوا اور بڑے غصت میں رجز پڑھنے لگا۔ آپ نے فرمایا میں علی ابن ابی طالب ہوں۔ میرا شیوہ، میرا عمل سرکشوں کی سرکوبی ہے۔ یہ سُن کر آپ پر اس نے زبردست کربی حمد کیا۔ آپ نے وار خالی دے کر اسے ذوالفقار سے دو ٹکڑے کر ڈالا۔ اس کے بعد آگ کے شعلے اور دھوئیں کے طوفانِ کنوئیں سے برآمد ہوئے اور زبردست شور مچا اور بے شمار ڈاؤنی شکلیں سامنے آگئیں علی نے برد و سلاماً کہا اور چند آیتیں پڑھیں۔ آگ بجھنے لگی، دھواں ہوا ہونے لگا۔ حضرت علی کنوئیں کی جگت پر چڑھ گئے

اور ڈول ڈال دیا۔ کنوئیں سے ڈول باہر پھینک دیا گیا۔ حضرت علی نے رجز پڑھا اور کہا کہ مقابلہ کے لیے آ جاؤ۔ یہ سن کر ایک عفریت برآمد ہوا، آپ نے اسے قتل کیا۔ پھر کنوئیں میں ڈول ڈالا وہ بھی باہر پھینک دیا گیا۔ غرض کہ اسی طرح میں بارہوا۔ بالآخر آپ نے اصحاب سے کہا کہ میں کمر میں رسی باندھ کر کنوئیں میں اترتا ہوں تم رستی پکڑے رہو۔ اصحاب نے رسی پکڑ لی اور علی کنوئیں میں اترے۔ تھوڑی دیر بعد رسی کٹ گئی اور علی و اصحاب کے مابین رشتہ منقطع ہو گیا۔ اصحاب سخت پریشان ہوئے اور گریہ کرنے لگے۔ اتنے میں کنوئیں سے چیخ و پیکار کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد یہ صدا آئی اعطنا الامان لے علی ہمیں پناہ دو۔ آپ نے فرمایا کہ قطع و برید اور ضرب شدید کلمہ پر موقوف ہے۔ کلمہ پڑھو، امان لو۔ غرض کہ کلمہ پڑھا گیا۔ اس کے بعد رسی ڈال گئی اور امیر المومنین ۲۰ ہزار جتوں کو قتل کر کے ۲۴ ہزار قبائل کو مسلمان بنا کر کنوئیں سے برآمد ہوئے۔ اصحاب نے مسرت کا اظہار کیا اور سب کے سب آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم نے علی کو سینے سے لگایا۔ ان کی پیشانی کا بوسہ دیا اور مبارک باد سے ہمت افزائی فرمائی۔ پھر ایک رات قیام کے بعد مدینہ کو روانہ ہوئے۔ (دمعہ ج ۱ ص ۱۶۷ طبع ایران و شواہد النبوت علامہ جامی رکن ۶ ص ۱۶۵ طبع لکھنؤ ۱۹۲۰ء)۔

اسلام پر علیؑ کے احسانات | اسلام پر علیؑ کے احسانات کی فہرست اتنی مختصر نہیں ہے کہ ہم اسے اس مختصر مجموعہ حالات میں لکھ سکیں، تاہم ”مشقے از خردارے“ لکھے دیتے ہیں۔ (۱) دعوت و والعشیرہ کے موقع پر جس جگہ رسول اکرم کو افسر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آپ نے ایسی جرات و ہمت کا مظاہرہ کیا کہ پیغمبر اسلام کا میاں بن گئے۔ اور آپ نے اسلام کا ڈنکا بجا دیا۔ (۲) شب ہجرت فرشتوں پر سو کر اسلام کی قسمت بیدار کر دی اور جان جو حکم میں ڈال کر غار میں تین یوم کھانا پہنچایا۔ (۳) جنگ بدر میں جب کہ مسلمان صرف ۳۱۳ اور کفار بے شمار تھے۔ آپ نے کمال جرات و ہمت سے کامیابی حاصل کی (۴) جنگ احد میں جب کہ مسلمان سرور عالم کو میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اس وقت آپ ہی نے رسول اکرم کی جان بچائی اور اسلام کی عزت محفوظ کر لی تھی۔ (۵) کفار جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ عمرو بن عبدود جیسے بہادر کو لے کر میدان میں آئیے اور اسلام کو چیلنج کر دیا۔ پیغمبر اسلام پریشان تھے۔ اور مسلمانوں کو بار بار ابھار رہے تھے کہ مقابلہ کے لیے نکلیں لیکن علیؑ کے سوا کسی نے ہمت نہ کی۔ بالآخر رسول اللہ کو کنا پڑا کہ آج علیؑ کی ایک ضربت عبادت نقلیں سے بہتر ہے (۶) اسی طرح خیبر میں کامیابی حاصل کر کے آپ نے اسلام پر احسان فرمایا (۷) میرے خیال کے مطابق حضرت علیؑ کا اسلام پر سب سے بڑا احسان یہ تھا کہ وفات رسول کے بعد روح فرسا واقعات اور جان لیوا حالات کے باوجود آپ نے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ اسلام منزل اول پر ہی ختم ہو جانا۔

دنیا حضرت علی کی نگاہ میں

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام دنیا اور امور دنیا سے حد درجہ بیزار تھے۔ آپ نے دنیا کو مخاطب

کر کے بارہا کہا ہے کہ "اے دنیا" غری غیری "جا میرے علاوہ کسی اور کو دھوکا دے میں نے تجھے طلاق بائن دے دی ہے۔ جس کے بعد رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ابن علیہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی نے جابر ابن عبد اللہ انصاری کو لمبی لمبی سانس لیتے ہوئے دیکھا تو پوچھا اے جابر کیا یہ تمہاری ٹھنڈی سانس دنیا کے لیے ہے۔ عرض کی مولا ہے تو ایسا ہی آپ نے فرمایا۔

جابر سنو! انسان کی زندگی کا دار و مدار سات چیزوں پر ہے اور یہی سات چیزیں وہ ہیں جن پر لذتوں کا خاتمہ ہے۔ جن کی تفصیل یہ ہے: ۱) کھانے والی چیزیں (۲) پینے والی چیزیں (۳) پہننے والی چیزیں (۴) لذتِ نکاح والی چیزیں (۵) سواری والی چیزیں (۶) سونکنے والی چیزیں (۷) سنے والی چیزیں۔ اے جابر اب ان کی حقیقتوں پر غور کرو۔ کھانے میں بہترین چیز شہد ہے۔ یہ کبھی کالہ نہیں

ہے۔ اور بہترین پینے کی چیز پانی ہے۔ یہ زمین پر مارا مارا پھرتا ہے بہترین پہننے کی چیز دیباچ ہے یہ کپڑے کالہاب ہے اور بہترین منکوحات عورت ہے جس کی حد یہ ہے کہ پیشاب کا مقام پیشاب کے مقام میں ہوتا ہے۔ دنیا اس کی جس چیز کو اچھی نگاہ سے دیکھتی ہے وہ وہی ہے جو اس کے جسم میں سب سے گندی ہے۔ اور بہترین سواری کی چیز گھوڑا ہے جو قتل و قتل کا مرکز ہے اور بہترین کھنے کی چیز مشک ہے جو ایک جانور کے ناف کا سٹوکھا ہوا خون ہے۔ اور بہترین سنے کی چیز غنا (تھکانا) ہے جو انتہائی گناہ ہے۔ اے جابر ایسی چیزوں کے لیے عاقل کیوں ٹھنڈی سانس لے۔ جابر کہتے ہیں کہ اس ارشاد کے بعد سے میں نے کبھی دنیا کا خیال تک نہیں کیا۔ (مطلب السؤل ص ۱۹۱)

کسبِ حلال کی جدوجہد

آپ کے نزدیک کسبِ حلال بہترین صفت تھی جس پر آپ خود بھی عمل پیرا تھے۔ آپ روزی کمانے کو عیب نہیں سمجھتے

تھے اور مزدوری کو نہایت اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ محدث دہلوی کا بیان ہے کہ حضرت علی نے ایک دفعہ کنزین سے پانی کھینچنے کی مزدوری کی اور اجرت کے لیے فی ڈول ایک عترت کا فیصد ہوا، آپ نے ۱۶ ڈول پانی کے کھینچے اور اجرت لے کر سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور دونوں نے مل کر تناول فرمایا۔ اسی طرح آپ نے مٹی کھودنے اور باغ میں پانی دینے کی بھی مزدوری کی ہے۔ علامہ محب طبری کا بیان ہے کہ ایک دن حضرت علی نے باغ سینچنے کی مزدوری کی اور رات بھر پانی دینے کے لیے جوگی ایک مقدار طے ہوئی۔ آپ نے حسب فیصلہ ساری رات پانی دے کر صبح کی اور جو حاصل کر کے آپ گھر تشریف لائے۔ جو فاطمہ زہرا کے حوالہ کیا۔ انھوں نے اس کے تین حصے کر ڈالے اور تین دن کے لیے علیحدہ علیحدہ رکھ لیا۔ اس کے بعد ثلث حصہ کو پیس کر شام کے وقت

روٹیاں پکائیں۔ اتنے میں ایک یتیم آگیا۔ اور اُس نے مانگ لی۔ پھر دوسرے دن شمش کی روٹیاں تیار کی گئیں۔ مسکین نے سوال کیا اور سب روٹیاں لے گیا۔ پھر تیسرے دن روٹیاں تیار ہوئیں۔ فقیر نے آواز دی اور لے گیا۔ یہ سب کے سب تینوں دن مجھو کے ہی رہے۔ اس کے انعام میں خدا نے سورہ ہل آتی نازل فرمایا۔ (ریاض النظرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳) بعض روایات میں نزول ہل آتی کے متعلق۔ اس کے علاوہ دوسرے انداز کا واقعہ مرقوم ہے۔

حضرت علیؑ اخلاق کے میدان میں | آپ نہایت محسوس اخلاق تھے۔ علمائے کبار نے کھا ہے کہ آپ روشن رو اور کشادہ پیشانی رہا کرتے تھے۔

یتیم فوانتے تھے۔ فقیروں میں بیچ کر خوشی محسوس کرتے تھے۔ مومنوں میں اپنے کو حقیر اور دشمنوں میں اپنے کو بابر رکھتے تھے۔ دھانوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے۔ کار خیر میں بیعت کرتے تھے۔ جنگ میں دوڑ کر شامل ہوتے تھے۔ ہر سختی کی امداد فرماتے تھے۔ ہر کافر کے قتل پر تکیہ کرتے تھے۔ جنگ میں آپ کی آنکھیں خون کی مانند ہوتی تھیں۔ عبادت خانہ میں انتہائی خضوع اور خشوع کی وجہ سے بے حس معلوم ہوتے تھے۔ ہر رات کو وہ ہزار رکعت نوافل ادا کرتے تھے۔ اپنے عیال و اطفال کو امور خانہ داری میں مدد دیتے تھے۔ ضروریات خانگی بازار سے خود خرید کر لاتے تھے۔ اپنے لباس کو بدست خود پونڈ لگاتے تھے، اپنی نیز رسول کریمؐ کی جوتی خود ٹانگتے تھے۔ ہر روز دنیا کو تین طلاق دیتے تھے۔ وہ غلام اپنی مزدوری سے خرید کر آزاد کرتے تھے۔ (جنات المخلو) کتاب ارجح المطالب میں ہے کہ حضرت علیؑ حضور اکرمؐ کی طرح کشادہ روہنے والے اور خوش طبع تھے اور مزاج بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت علیؑ خلاق عالم کی نظر میں

(۱) خلاق عالم نے خلقت کائنات سے قبل نور علیؑ کو نور نبویؐ کے ساتھ پیدا کیا (۲) پھر مسجود و ملائکہ قرار دیا (۳) پھر جبریلؑ کا استاد بنایا۔ (۴) پھر انبیاء کے ساتھ اپنی طرف سے مددگار بنا کر بھیجا۔ (حدیث قدسی و مدینۃ المقامات) طبع ایران (۵) اپنے مخصوص گھر بنانا، لہجہ میں علیؑ کو پیدا کیا (۶) عصمت سے بہرہ ور فرمایا (۷) آپ کی محبت دنیا والوں پر واجب قرار دی (۸) رسول اکرمؐ کا خود جانشین بنایا (۹) معراج میں اپنے حبیب سے اُنسی کے لہجہ میں کلام کیا۔ (۱۰) ہر اسلامی جنگ میں ان کی مدد کی۔ (۱۱) آسمان سے علیؑ کے لیے ذوالفقار نازل فرمائی (۱۲) علیؑ کو اپنا نفس قرار دیا (۱۳) علم لدنی سے ممتاز کیا۔ (۱۴) فاطمہ کے ساتھ عقد کا خود حکم دیا (۱۵) مبلغ سورہ برات بنایا (۱۶) مدح علیؑ میں کثیر آیات نازل فرمائیں (۱۷) علیؑ کو انتہائی صبر و ضبط دے کر رسول کے بعد فوری تلوار اٹھانے سے روکا (۱۸) ان کی نسل میں قیامت تک کیلئے امامت قرار دی (۱۹) قسیم النار والجنة بنایا (۲۰) لو اکھ کا مالک (۲۱) وراقی کو قرار دیا۔

علی کی شان میں مشہور آیات

(۱) آیہ نظیر (۲) آیہ صلاح المؤمنین (۳) آیہ ولایت (۴) آیہ مباہلہ (۵) آیہ نجوی (۶) آیہ اذن واجتہ - (۷) آیہ اطعام (۸) آیہ بلغ - تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "روح القرآن" مؤلف حقیر مطبوعہ لاہور۔

حضرت علیؑ رسول خدا کی نگاہ میں

(۱) فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی کے کعبہ میں پیدا ہوتے ہی منہ میں اپنی زبان دی (۲) علی کو اپنا نواب دہن چوسایا (۳) پرورش و پرورش پر وادخت خود کی (۴) دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر جبکہ علی کی عمر ۱۰ یا ۱۲ سال کی تھی - اپنا وصی، جانشین اور خلیفہ بنایا - (۵) دامادی کا شرف بخشا (۶) بت شکستی کے وقت علی کو اپنے کندھوں پر سوار کیا - (۷) جنگ خندق میں آپ کے کل ایمان ہونے کی تصدیق کی - (۸) علم و حکمت سے بہرہ ور کیا (۹) امیر المؤمنین کا خطاب دیا - (۱۰) آپ کی محبت ایمان اور آپ کا بغض کفر قرار دیا - (۱۱) علی کو اپنا نفس قرار دیا - (۱۲) شب ہجرت اپنے اپنے بستر پر جگے (۱۳) آپ پر بھروسہ کر کے فرمایا کہ امانت وغیرہ تم ادا کرنا - (۱۴) علی کو مخصوص قرار دیا کہ وہ غار میں کھانا پہنچائیں (۱۵) ۱۸ روزی الحج کو آپ کی خلافت کا ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کے مجمع میں مقام غدیر خم اعلان فرمایا (۱۶) وفات کے قریب جانشینی کی دستاویز لکھنے کی سعی کی (۱۷) آپ کی مدح و ثنا میں بے شمار احادیث فرماتیں (۱۸) آپ کو حکم دیا کہ میرے بعد فوری جنگ نہ کرنا - (۱۹) کونج باغ آنے پر منافقوں سے جنگ کرنا تاکہ حکم خدا جاہد الکفار والمنافقین کی تکمیل ہو سکے جو کہ میرے لیے ہے۔

علی کی شان میں مشہور احادیث

(۱) حدیث مدینہ (۲) حدیث سفینہ (۳) حدیث نور (۴) حدیث منزلت (۵) حدیث خیمہ (۶) حدیث خندق (۷) حدیث طبر (۸) حدیث ثقلین (۹) حدیث غدیر ... تفصیل کے لیے عجفات لاہور ملاحظہ ہو۔

نقش خاتم رسول اور علی ولی اللہ

امام المحدثین علامہ محمد باقر مجلسی، علامہ محمد باقر نجفی علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ کو ایک یگینہ دے کر فرمادیا کہ اس پر "محمد بن عبد اللہ" کندہ کرالو۔ حضرت علیؑ نے اسے کندہ کرنے والے کو نے کہ ارشاد رسول کے مطابقت پر ہریت کر دی۔ امیر المؤمنین جب شام کے وقت اسے لانے کے لیے گئے تو اس پر "محمد بن عبد اللہ" کے بجائے "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے جو عبارت

بتائی تھی تم نے وہ کیوں کندہ نہیں کی۔ کندہ کندہ نے غرض کی مولا، آپ اسے حضور کے پاس لے جایئے پھر وہ جیسا ارشاد فرمائیں گے، ویسا کیا جائے گا۔ حضرت نے اسے قبول فرمایا، رات گزری صبح کے وقت وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ اس پر تخت رسول اللہ کے نیچے علی ولی اللہ کندہ ہے۔ آپ اس پر غور فرما رہے تھے کہ جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کی: حضور فرمایا گیا ہے کہ کتبت ما اردت وکتبتا ما اردنا۔ اسے نبی جو تم نے چاہا تم نے لکھوایا، جو میں نے چاہا میں نے لکھوا دیا۔ تمہیں اس میں تردد کیا ہے؟ (بخاری الانوار، دمعہ ساکبہ - سفینۃ البحار ج ۱ ص ۲۶۷ طبع نجف اشرف)

نیابتِ رسول

ہر عقل سلیم تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ منیب و مناب میں توافقی ہونا چاہیے یعنی جو صفات نائب بنا لے میں ہوں اسی قسم کی عفتیں نائب بننے والے میں بھی ہونی چاہیے۔ اگر نائب بنانے والا ٹورے پیدا ہو تو جانشین کو بھی زوری ہونا چاہیے۔ اگر وہ معصوم ہو تو... اسے بھی معصوم ہونا چاہیے۔ اگر اُسے خدانے بنایا ہو تو اسے بھی بحکم خدا ہی بنایا گیا ہو۔ حضرت علی جو کہ حضرت محمد مصطفیٰ کے جانشین تھے لہذا ان میں نبوی صفات کا ہونا ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن صفات کے حامل سرور کائنات تھے انہیں صفات سے حضرت علیؑ بھی بہرہ ور تھے۔

قرآن مجید کے پارہ ۲۰ رکوع ۱۱ میں بصراحت موجود ہے کہ خلیفہ اور جانشین بنانے کا حق صرف خداوند کریم کو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے تمام انبیاء کا تقرر خود کیا اور ان کے جانشین کو خود مقرر

جانشین بنانے کا حق
صرف خدا کو ہے

کرایا۔ اپنے کسی نبی تک کو یہ حق نہیں دیا کہ وہ بطور خود اپنا جانشین مقرر کر دے۔ چر جائیکہ امت کو اختیار دینا کہ اجماع سے کام لے کر منصب الہیہ پر کسی کو فائز کر دے اور یہ جو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ تمام امت خطا کار ہے اور خطا کاروں کا اجماع نہ صواب میں سکتا ہے اور نہ خالیوں کا مجموعہ معصوم ہو سکتا ہے۔ اور جانشین رسول کا معصوم ہونا اس لیے ضروری ہے کہ رسول معصوم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ خدانے رسول کریمؐ کا جانشین حضرت علیؑ اور ان کی گیارہ اولاد کو مقرر فرمایا۔ (ینابیح المودۃ ص ۹۳) جس کا سنگ بنیاد دعوت ذوالعشرہ کے موقع پر رکھا اور آیت ولایت اور واقعہ بتوک (صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۴۲) سے استھکام پیدا کیا پھر "اذ فرغت فانصب" سے حکم کے نفاذ کا فرمان جاری فرمایا اور آیہ بلغ کے ذریعے سے اعلان عام کا حکم نافذ فرمایا۔ چنانچہ رسول کریمؐ نے یوم حجبہ ۸ رومی الحجہ ۱۰ ہجری کو بمقام غدیر خم ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحاب کی موجودگی میں حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان عام فرمایا۔ روضۃ الصفا ج ۲ ص ۲۱۵ میں ہے کہ مجمع کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لیے جو اعلان

ہوا تھا۔ وہ ”سبحی علیٰ خیر العمل“ کے ذریعہ سے ہوا تھا۔ کتب تواریخ و احادیث میں موجود ہے کہ اس اعلان پر حضرت عمر نے بھی مبارکباد ادا کی تھی جس کی تفصیل باب ۱۱ میں گذری۔

۱۸ ذی الحجہ

علامہ جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر نے اس تاریخ کو یوم عید قرار دیا ہے۔ زمین العلماء حضرت علامہ بہاؤ الدین عاملی تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم کی ولادت سے ۴ سال بعد ۱۸ ذی الحجہ ۳۱ھ کو حضرت علیؑ کی جائشینی عمل میں آئی اور آپ کے امام الانس والجن ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اور اسی تاریخ ۳۱ھ ہجری میں عثمان قتل ہوئے اور حضرت علیؑ کی بیعت کی گئی۔ اسی تاریخ حضرت موسیٰؑ ساحروں پر غالب آئے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے نجات ملی اور اسی تاریخ کو حضرت موسیٰؑ نے جناب یوشع بن نون کو حضرت سلیمانؑ نے جناب اصف ابن برخیا کو اپنا جائشینی مقرر کیا اور اسی تاریخ کو تمام انبیاء نے اپنے جائشینی مقرر فرمائے ہیں۔ (المجامع عباسی یا نزد دہلوی ص ۵۸ طبع دہلی ۱۹۱۱ء و اختیارات مجلسی رحمہ اللہ)

دستاویز خلافت

سرور کائنات علیہ السلام نے ابتداء اسلام سے لے کر زندگی کے آخری ایام تک حضرت علیؑ کی جائشینی کا بار بار مختلف انداز و عنوان سے

اعلان کرنے کے بعد بوقت وفات یہ چاہا کہ اسے دستاویزی شکل دے دیں۔ لیکن حضرت عمر نے بنی بنائی اسکیم کے ماتحت رسول کریمؐ کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ اور ان کے آخری فرمان (قلم و دوات کی طلبی) کو بکواس اور ہذیان سے تعبیر کر کے انھیں مایوس کر دیا۔ جس کے متعلق آپ کا خود بیان ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے اپنے مرض الموت میں حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانا چاہا تا کہ علیؑ کے نام کی صراحت کر دیں۔ تو خدا کی قسم میں نے آنحضرتؐ کو منع کر دیا۔ اور آنحضرت علیؑ کے نام کو تحریراً ظاہر نہ کر سکے۔ (تاریخ بغداد و شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۵۱ طبع طہران)۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے اپنی وفات سے قبل اصحاب سے کہا کہ مجھے قلم و دوات کاغذ دے دو۔ لا ذیل عنکم اشکال الامم اذا ذکر لکم من المستحق بعدی قال عمر دعوا الرجل فانہ یلہج۔ تاکہ میں تمہارے لیے امارت و خلافت کی مشکلات کو تحریراً دور کر دوں اور بتا دوں کہ میرے بعد امارت و خلافت کا کون مستحق ہے۔ مگر حضرت عمر نے اس وقت یہ کہہ دیا کہ اس مزد کو چھوڑ دو، یہ ہذیان بک رہا ہے اور بکواس کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو (متر العالمین طبع ممبئی ص ۱۵۱ سطر ۱۵ کتاب الشفا رضی عیاض طبع بریلی ص ۳۰۸ و نسیم الریاض شرح شفا رضی مشکوٰۃ محدث دہلوی و مدارج النبوت، حبیب السیر ج ۱ ص ۱۲۷۔ روضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۵۵، بخاری جلد ۶ ص ۶۵۲، الفاروق ۲ ص ۲۸)

توزین اسلام کے علاوہ تو زمین فرنگ نے بھی حضرت علیؑ کے استحقاق خلافت اور نمایاں طور پر خلیفہ مقرر کئے

خلیفہ کا تقرر اور تواریخ فرنگ

جانبے پر کمل روشنی ڈالی ہے ہم اس موقع پر مسٹر ڈیون پورٹ کی تحریر کا ترجمہ پیش کرتے ہیں کہ "ان دونوں فرقوں سستی اور شیعہ میں سے ایک نے محمد کے چچا زاد بھائی اور داماد علی سے جیسا کہ مقتضائے انصاف و حجت سے تو لارکھا۔ کیونکہ آنحضرت علیا علیہ السلام پر ان سے محبت و الفت رکھتے تھے اور کسی بار ان کو اپنا خلیفہ بھی ظاہر کیا تھا۔ خصوصاً دو مواقع پر ایک جب آنحضرت نے اپنے گھر میں بنی ہاشم کی دعوت کی تھی اور علی نے باوصف تمسخر و توہین کفار اپنا ایمان ظاہر کیا۔ حضرت نے اپنی ہانہیں اس حمان کے گلے میں ڈال کر چھاتی سے لگایا اور باواز بلند کہا دیکھو میرے بھائی میرے وصی اور میرے خلیفہ کو دوسرے جب آنحضرت نے اپنے انتقال سے چند ماہ پیشتر خطبہ پڑھا تھا۔ حکم خدا جس کو جبریل علیہ السلام آنحضرت کے پاس لاتے تھے۔ اور یوں کہا تھا کہ اے پیغمبر میں خدا کی طرف سے آپ پر صلوات و رحمت لایا ہوں۔ اور اس کا حکم آپ کے پیروں کے نام ہیں کو آپ بغیر تاریخ کے مناد دیجیے اور شریروں سے کوئی خوف نہ کیجئے خدا آپ کو ان کے شر سے بچائے گا خدا کے حکم کے مطابق آنحضرت نے انس سے کہا کہ لوگوں کو جمع کریں جس میں آنحضرت کے پیرو اور یہودی و نصرانی اور مختلف باشندے بھی حاضر ہوں یہ جمعیت ایک گاؤں کے پاس جمع ہوئی جسے غدیر خم کہتے ہیں جو نواح شہر جعفر میں مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ پہلے اس مقام کو صاف کیا گیا اور ۲ اپریل ۱۰۰ھ کو آنحضرت ایک بلند منبر پر گئے جو وہاں ان کے لیے نصب کیا گیا تھا اور جب کہ حاضرین نہایت توجرت منستے تھے۔ ایک خطبہ حضرت نے بڑی شان و شوکت اور فصاحت و بلاغت سے پڑھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ "تمام حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اس کا علم ماضی حال اور مستقبل کو شامل ہے اور اس کو انسانوں کے کل پوشیدہ اسرار معلوم ہیں کیونکہ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ وہ بے انتہا بے حد اور بے اہل قریب ہے۔ وہی وہ ہے جس نے آسمان و زمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو خلق کیا وہ غیر فانی ہے اور جو کچھ ہے سب اس کی قدرت اور اس کے اختیار کے تابع ہے۔ اس کی رحمت اور اس کا فضل سب کے شامل حال ہے۔ وہ جو کرتا ہے مصمحت سے کرتا ہے۔ وہ نزول حذاب میں مال مشول کرتا ہے۔ اس کا سزا دینا رحمت سے خالی نہیں ہے۔ اس کی ذات کا بھید ممکنات کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ آفتاب و ماہتاب اور باقی اجرام سماوی اسی کے علم سے اپنی راہ پر جو اسی نے مقرر کر دی ہے چلتے ہیں۔ بعد حمد خدا، واضح ہو کہ میں خدا کا صرف ایک بندہ ہوں۔ مجھے خدا کا حکم ہوا ہے اور میں اس کی تعمیل میں سر نیا ز کمال ادب و خضوع جھکتا ہوں۔ سنو! تین بار جبریل میرے پاس آ چکے ہیں اور تینوں دفعہ انھوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے تمام پیروں سے خواہ وہ گورے ہوں یا کالے یہ ظاہر کر دوں کہ علی میرے خلیفہ اور میرے وصی اور تمام امت کے امام ہیں اور میرے گوشت و پوست ہیں اور میرے ایسے ہیں جیسے موسیٰ کے ہارون تھے اور میری وفات کے بعد وہی تمہاری برادری

کریں گے۔ اور ہادی ہوں گے۔ جب میں اس دنیا سے رحلت کر جاؤں تو میرے پیروؤں کو ان کی فرمائشوں کی
ایسی کرنی چاہیے جیسے اطاعت میری کرتے تھے۔ جب کہ میں تم میں موجود تھا۔ سنو جس نے علی کی نافرمانی
کی اس نے درحقیقت خدا و رسول کی نافرمانی کی، اے دوستو! یہ خدا کے احکام ہیں۔ سب وہاں جو
وقتاً فوقتاً مجھ پر آئی ہیں علی نے مجھ سے سیکھ لی ہیں جو اس کا حکم دمانے گا اور علی کا حکم بجا نہ لانے گا
اللہ کی دائمی لعنت اُس کے سر پر ضرور رہے گی۔ خدا نے قرآن کی ہر سورت میں علی کی تعریف کی ہے
میں دوبارہ کہتا ہوں کہ علی میرے چچا زاد بھائی اور میرے گوشت اور خون ہیں اور خدا نے ان کو نبی
نادر جو بیاں عطا کی ہیں۔ علی کے بعد ان کے بیٹے حسن اور حسین ان کے جانشین ہوں گے۔

اس خطبہ کے تمام ہونے پر ابو بکر - عمر - عثمان ، ابو سفیان اور دوسرے لوگوں نے علی کے ہاتھ
چومے اور اُن کو رسول کے خلیفہ مقرر ہونے کی مبارک باد دی اور اقرار کیا کہ ان کے کل احکام کو سچے
طور پر بجالائیں گے۔ ۶۲ء میں صرف تین دن قبل اپنے انتقال سے آنحضرت نے پھر اپنے ہمین
کو... ان عقیدوں کی مزید تاکید کر دی۔ اور اس بات پر زور دیا کہ آپ کی آل سے خصوصیت کے
ساتھ محبت رکھیں اور ان کی عزت و توقیر کریں۔ آپ نے بڑے شد و مد سے یوں فرمایا کہ جو مجھ کو مولا
مانتا ہو۔ وہ علی کو بھی اپنا مولا سمجھے، اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی جود دستی رکھے علی سے اور غضبناک
ہو اُس پر جو ان کا دشمن ہو۔ ایسے مکرر اور موضح بیانات سے جو خود رسول کے بتوں سے ادا ہوتے
تھے۔ ایک وقت تک تو امر خلافت سے شک شبہ بالکل دور رہا۔ مگر آخر میں سب کو مایوسی ہو گئی
کیونکہ ابو بکر کی بیٹی اور آنحضرت کی دوسری زوجہ عائشہ نے ساز باز کر کے اپنے باپ کو پہلا خلیفہ
لوگوں سے مقرر کرایا۔ ملک الموت کے انتظار میں آنحضرت کا عائشہ کے حجرے میں جانا خواہ آپ
کی مرضی سے ہوا ہو یا بی بی عائشہ کے حکم سے خاص کر ان کے مفید مطلب بات ہو گئی کہ آنحضرت کا
حکم دوبارہ خلافت علی لوگوں کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے۔ پس علی العموم یہ سمجھا یا گیا کہ رسول نے
بغیر اپنے خلیفہ کے متعلق آخری وصیت کے ہوئے انتقال کیا اور اس طرح یہ بات ہوئی کہ تینوں خلیفوں
نے راج کیا قبل اس کے کہ علی اپنے حق کو پہنچیں جس کا وہ مکمل استحقاق رکھتے تھے، نہ صرف بلحاظ قرابت
و زوجیت، فاطمہ دختر رسول بلکہ بلحاظ اُن بے شمار اور بڑی خدمتوں کے جو انھوں نے اسلام کی کین
ہو سکتے کہ بی بی عائشہ نے اپنے باپ کی لڑکی ہونے کی وجہ سے ان کی یہ خدمت کی ہو کہ انھیں
خلیفہ بنا دیا ہو۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ عائشہ کو علی کی طرف سے پُرانا بغض دیکھنا تھا جو واقعہ انک کے
موقع پر پیدا ہو گیا تھا... کیونکہ اس موقع پر علی نے یہ رائے پیش کی تھی کہ بی بی عائشہ کی تختیقات
کرائی جائے۔ بی بی عائشہ اس چیز کو کبھی نہ بھولیں اور انھوں نے درگزر نہیں کیا بلکہ علی کو ستایا۔ اور
ایسا انتقام لیا۔ جو اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے (کتاب خلافت منقول از تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۵۵)۔

آفریل مسٹر ٹائیلر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ محمد نے خود اپنے داماد علی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر دیا تھا۔ لیکن آپ کے خسر ابو بکر نے لوگوں کو اپنی سازش میں لے کر خلافت پر قبضہ کر لیا۔ (ملاحظہ ہو اینٹینس آف جنرل ہسٹری ص ۲۲۹ طبع ۱۸۵۷ء) ان سائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ ہے کہ رسول کے بعد اسلام کی سرداری کا دعویٰ علی کو زیادہ مناسب معلوم ہوتا تھا۔ مسٹر ٹیلر نے لکھا ہے کہ اگر قرابت کی وجہ سے تخت تیشی کا اصول علی کے موافق مانا جاتا تو وہ بڑا دکن جھگڑے پیدا ہی نہ ہوتے جنھوں نے اسلام کو مسلمانوں کے خون میں ڈبو دیا۔ (اسپرٹ آف اسلام مسٹر سٹیوڈیو از تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۱)

حضرت علیؑ کے فضائل

امیر المومنین حضرت علی کے فضائل کا قبندہ کرنا طاقت بشریہ سے بالا ہے۔ خود سرور کائنات نے اس کے مجال ہونے پر نص فرمادی ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ "اگر تمام مونیہ کے دریا سیاہی بن جائیں اور درخت قلم ہو جائیں اور حق و انس لکھنے اور حساب کرنے والے ہوں۔ تب بھی علی ابن ابی طالب کے فضائل کا احصاء نہیں کر سکتے۔ (کشف الغمہ ص ۵۳ وارج المطالب) علامہ اسلام نے بھی اکثریت فضائل کا اعتراف کیا ہے۔ اور اکثر نے احاطہ فضائل سے عاجزی ظاہر کی ہے۔ علامہ عبدالبر نے کتاب استیعاب جلد ۲ کے صفحہ ۴۷۸ پر تحریر فرمایا ہے فضائلہ لایحیط بہا کتاب آپ کے فضائل کسی ایک کتاب میں جمع نہیں کئے جا سکتے۔ علامہ ابن حجر کی صواعق محرقہ اور منج کبیر میں لکھتے ہیں کہ مناقب علی وفضائلہ اکثر من ان تخصصی۔ حضرت علی کے مناقب و فضائل حد احصاء سے باہر ہیں اور صواعق محرقہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ فضائل علی وہی کثیرۃ عظیمة مشائخۃ حتی قال احمد و ما جاء الاصل من الفضائل ما جاز لعلی۔ بے شمار ہیں۔ عیش بہا میں اور مشہور ہیں۔ احمد ابن حنبل کا کہنا ہے کہ علی کے لیے جتنے فضائل و مناقب موجود ہیں کسی کے لیے نہیں ہیں۔ قاضی اسماعیل، امام شافعی اور ابو علی یثیسا پوری کا کہنا ہے کہ کسی صحابی کی شان میں عمدہ سندوں کے ساتھ وہ فضائل وارد نہیں ہوئے جو حضرت علی کی شان میں وارد ہوئے ہیں۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی تحریر فرماتے ہیں کہ علی کے جو فضائل ہیں وہ کسی اور کو نصیب نہیں۔ رسول اللہ نے آپ کو "ایۃ المدنی" منار الایمان اور امام الاولیاء فرمایا ہے اور ارشاد کیا ہے کہ علی کا دوست میرا دوست ہے اور علی کا دشمن میرا دشمن ہے (مطالب السؤل ص ۵) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں "یا ایہا الذین امنوا" آیا ہے۔ وہاں ایمان داروں سے مراد لیے جانے والوں میں علی کا درجہ سب سے پہلا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اصحاب کی خدمت آئی ہے۔ لیکن حضرت علی کے لیے جب بھی ذکر آیا ہے خیر کے ساتھ آیا ہے اور علی کی شان میں قرآن مجید کی تین سو آیتیں نازل ہوئیں۔ (صواعق محرقہ ص ۱۷ طبع مصر) یہی وجہ ہے کہ

امام الانس والنجی حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں۔ اس امت میں سے کسی ایک کا بھی قیاس اور مقابلہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں کیا جاسکتا اور ان لوگوں کی برابری جن کو... برابر نعمتیں دی گئیں ان افراد سے نہیں کی جاسکتی جو نعمت دینے والے تھے اور نعمتیں دیتے رہتے۔ آل رسول میں کیسی اور یقین کے کعبے ہیں۔ (سلسبیل فصاحت ترجمہ نوح البلاغہ ص ۲۷) بے شک حضور ولایت کا یہ فرمانا باطل درست ہے کہ آل محمد کی برابری نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ حضور رسول کریم نے نص فرمادی ہے کہ میری آل میرے علاوہ ساری کائنات سے بہتر اور افضل ہے اور حدیث کفوناً طہ نے اس کی وضاحت کر دی ہے کہ آل رسول کا درجہ انبیاء سے بالاتر ہے۔ ان ہی حضرات کی محبت کا حکم خداوند عالم نے قرآن مجید میں دیا ہے اور ان کی محبت سے سوال کیا جانا مسلم ہے۔ ان کے لیے دنیا کی مسجدیں اپنے گھر کے مانند ہیں۔ (درمشور و مطالب السؤل ص ۵۹) اہل بیت میں حضرت علی کا پہلا درجہ ہے، اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جو فضیلت علی کی ہے۔ اس میں تمام آئمہ مشرک ہیں۔ آپ کو خدا نے قسم انار والجنۃ بنایا ہے۔ (صواعق محرقة ص ۷۵) آپ کے چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے اور آپ کا ذکر کرنا عبادت ہے (نور الابصار یا بیع ص ۹ و صواعق محرقة ص ۷۳) آپ کے حکم کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جاسکتا۔ علامہ ابن حجر مکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ کوئی شخص بھی صراط پر سے گذر کر جنت میں جائے گا۔ جب تک علی کا دیا ہوا پروانہ جنت اس کے پاس نہ ہوگا۔ (صواعق محرقة ص ۷۵ طبع مصر) آپ کو حق کے ساتھ اور حق کو آپ کے ساتھ ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔ آپ کو رسول اکرم نے بموقعہ مواخات اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ آپ کے لیے دو بار آفتاب پلٹا شواہد النبوت ص ۷۱ میں ہے کہ جنگ خیبر کے سلسلہ میں بمقام صہبا جب وحی کا نزول ہونے لگا اور سر رسول علی کے زانو پر تھا اور آفتاب غروب کر گیا تھا۔ اس وقت آپ نے علی کو حکم دیا کہ آفتاب کو پلٹ کر نماز ادا کریں چنانچہ آفتاب غروب ہونے کے بعد پلٹا اور علی نے نماز ادا کی۔ اسی کتاب کے صفحہ پر نیز کتاب سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۷ و مجمع البحرین ص ۲۳۲ میں ہے کہ وفات رسول کے بعد حضرت علی باطل جاتے وقت جب فرات کے قریب پہنچے تو اصحاب کی نماز عصر قضا ہو گئی آپ نے آفتاب کو حکم دیا کہ پلٹ آئے۔ چنانچہ وہ پلٹا اور اصحاب نے نماز عصر ادا کی نسیم الریاض شرح شفا تاضی عیاض وغیرہ میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ کا ایک ذاکر آپ کے ذکر میں مشغول تھا کہ نماز عصر قضا ہو گئی اس نے کہا کہ آفتاب پلٹ آکر میں اس کا ذکر کر رہا ہوں جس کے لیے تو دو بار پلٹ چکا ہے۔ چنانچہ آفتاب پلٹا اور اُس نے نماز عصر ادا کی شواہد النبوت کے ص ۷۱ میں ہے کہ علی مجسم حق تھے اور ان کی زبان پر حق ہی جاری ہوتا تھا۔ امام شافعی ارشاد فرماتے جو مسلمان اپنی نماز میں ان پر درود نہ بھیجے اس کی نماز صحیح نہیں ہے

مولانا ظفر علی خاں کا ایک شعر اور اس کی رد

مولانا ظفر علی خاں مرحوم ایڈیٹر "زمیندار" لاہور کا ایک عجیب و غریب شعر ایک درسی کتاب (بھاری اردو) مصنف ہارون رشید میں بھاری نظر سے گزرا شعر یہ ہے

ہیں کر میں ایک ہی مشعل کی ابو بکر و عمر عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یاران نبی کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

اس شعر میں اگر مشعل سے مراد نبیؐ کی ذات الی گئی ہے تو اصحاب کا ان کی کرن ہونا انتہائی بعید ہے۔ کیونکہ وہ لوری اور جوہری تھے اور یہ مادی ہیں۔ وہ مجسم ایمان تھے اور ان لوگوں نے ۳۸-۳۹ سال کفر میں گزارے ہیں۔ انہوں نے کبھی بت پرستی نہیں کی اور انہوں نے اپنے عمر کے بڑے حصے بت پرستی میں گزار کر اسلام قبول کیا تھا۔ اور اگر مشعل سے مراد نبوت الی گئی ہے اور اس کی کر میں ان کی امامت اور خلافت کو قرار دیا ہے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ رسولؐ کی نبوت منجانب اللہ تھی اور ان کی خلافت کی بنیاد اجماع ناقص پر قائم ہوئی تھی۔

اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں چاروں کو "ہم مرتبہ" کہا گیا ہے اور رسولؐ کا یار بتایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تینوں حضرات رسولؐ کے یار رہے ہوں، لیکن حضرت علیؑ ہرگز رسولؐ کے یار نہ تھے۔ بلکہ داماد اور بھائی تھے۔ اب رہ گیا چاروں کا ہم مرتبہ ہونا یہ تو ہو سکتا ہے کہ تینوں ہم مرتبہ ہوں اور خفا بھی کہ تینوں حضرات ہر حیثیت سے ایک دوسرے کے برابر تھے۔ لیکن حضرت علیؑ کا ان کے برابر ہونا یا ان کا آپ کے ہم مرتبہ ہونا سمجھ سے باہر ہے کیونکہ یہ چالیس سال بت پرستی کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ اور علیؑ پیدا ہی مومن اور مسلمان ہوئے۔ ان لوگوں نے مدتوں بت پرستی کی اور علیؑ نے ایک سیکنڈ کے لیے بت نہیں پوچھا۔ اسی لیے کرم اللہ وجہہ کہا جاتا ہے۔ یہ فاطمہ کے شوہر تھے۔ ان میں سے کسی کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ وہ لوگ عام انسانوں کی طرح خلق ہوئے اور علیؑ مثل نبیؐ سے پیدا ہوئے۔ اس کے علاوہ خود خداوند عالم نے علیؑ کے افضل ہی ہونے کی نہیں بلکہ بے مثل ہونے کی نص فرمادی ہے ملاحظہ ہو (احیاء العلوم نذالی تفسیر شعبی و تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۸۳) امام فخر الدین رازی نے حضرت علیؑ کو انبیاء کے برابر اور تمام صحابہ سے افضل تحریر کیا ہے۔ (اربعین فی اصول الدین دار حج المطالب ص ۲۵۵) سرور کائنات نے علیؑ کو اپنی نظیر بتایا ہے۔ (ارح المطالب ص ۲۵۵) انہیں وجہ کی بنا پر علیؑ کو معیار ایمان قرار دیا گیا ہے۔ علامہ ترمذی اور امام نسائی نے بعض عملی سے متعلق کو پہچاننے کا اصول بتایا ہے اور بعض نے افضلیت علیؑ پر اعتقاد ضروری قرار دیا ہے۔ اور علامہ عبد البر نے استیعاب میں صحابہ تابعین وغیرہ کی فہرست پیش کی ہے جو علیؑ کو افضل صحابہ مانتے تھے اور شاید اس کی وجہ یہ ہوگی۔ کہ تمام لوگ جانتے تھے کہ خداوند عالم نے علیؑ کے سوا کسی کے قلب کو ایمان کی

کسوٹی پر نہیں کسا (ازالۃ الخفا جلد دوم ص ۲۵۶)۔

حضرت علیؑ کی علمی حیثیت

حضرت علیؑ کا نفس اللہ ہونا مسلمات سے ہے اور اللہ اس واجب الوجود ذات کو کہتے ہیں جو علم و قدرت سے عبارت ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ بولفلس اللہ ہوگا اسے فطرتاً تمام علوم سے بہرہ ور ہونا چاہیے۔ حضرت علیؑ کے لیے یہ مانی ہوئی چیز ہے کہ آپؑ دنیا کے تمام علوم سے صرف واقف ہی نہیں بلکہ ان میں جہارت تامہ رکھتے تھے۔ اور علم لدنی سے بھی مالا مال تھے۔ آپؑ کے علوم کا احصا ناممکن ہے امام شبلنجی لکھتے ہیں ”وَمَكَانَتُهُ فِي الْعِلْمِ وَالْفِلْسُفَةِ... نَحْمَلُ جَمَلَاتٍ“ آپؑ کے علم و فہم وغیرہ کے لیے بہت سی ہمدیں درکار ہیں۔ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام المفسرین جناب ابن عباسؓ کا کناہ آپؑ کے علم و حکمت کے دس درجوں میں سے ۹ حضرت علیؑ کو ملے ہیں اور دسویں میں تمام دنیا کے علماء شامل ہیں اور اس دسویں درجہ میں بھی علیؑ کو اول نمبر حاصل ہے۔ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ علم انکس بالقرآن والسنن تھے۔ یعنی تم لوگوں سے زیادہ انھیں قرآن و حدیث کا علم تھا۔ خود سرور کائنات نے آپؑ کے علمی مدارج پر بار بار روشنی ڈالی ہے۔ کہیں انامدینۃ العلمہ و علیؑ بابہا فرمایا کہیں انا حادرا الحکمتا و علیؑ بابہا۔ ارشاد فرمایا کسی مقام پر ”اعلم امتی علی ابن ابی طالب“ کہا۔ حضرت علیؑ نے خود بھی اس کا اظہار کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ علمی نقطہ نظر سے میرا درجہ کیا ہے۔ ایک مقام پر فرمایا کہ رسول اللہؐ نے مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے ہیں اور میں نے ہر باب سے ہزار باب پیدا کر لیے ہیں۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا ”رَقِنِي رَسُولُ اللَّهِ رِقًا زَقًا“ مجھے رسول اللہؐ نے اس طرح علم بھرایا ہے جس طرح کبوتر اپنے بچے کو دانا بھرتا ہے، ایک منزل پر کہا کہ سلونی قبل ان تفقدونی“ میری زندگی میں جو چاہے پوچھ لو۔ ورنہ پھر تمہیں علمی معلومات سے کوئی بہرہ ور کرنے والا نہ ملے گا۔ ایک مقام پر فرمایا کہ آسمان کے بارے میں مجھ سے جو چاہے پوچھو۔ مجھے زمین کے راستوں سے زیادہ آسمان کے راستوں کا علم ہے۔ ایک دن فرمایا کہ اگر میرے لیے مسند قضا بچھا دی ہے۔ جائے تو میں تو ریت والوں کو تو ریت سے۔ انجیل والوں کو انجیل سے، زبور والوں کو زبور سے اور فرقان والوں کو قرآن سے اس طرح جواب دے سکتا ہوں کہ ان کے علماء حیران رہ جائیں۔ ایک موقع پر آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم مجھے علم ہے کہ قرآن کی کونسی آیت کہاں نازل ہوئی ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ خشکی میں کونسی نازل ہوئی ہے۔ اور تری میں کون سی آیت نازل ہوئی۔ کون سی دن میں کون سی رات میں نازل ہوئی ہے۔ علمائے کھاسے کہ ایک شب ابن عباسؓ نے علیؑ سے خواہش کی کہ بسم اللہ کی تفسیر بیان فرمائیں۔ آپؑ نے ساری رات بیان فرمایا اور جب صبح ہو گئی

تو فرمایا اے ابن عباس میں اس کی تفسیر اٹھنی بیان کر سکتا ہوں کہ وہ اونٹوں کا بار ہو جائے بس مختصر یہ سمجھ
 لو کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سورۃ حم میں ہے اور جو سورۃ حم میں ہے وہ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں ہے اور
 جو بسم اللہ میں ہے وہ بسم اللہ میں ہے اور جو بسم اللہ میں ہے وہ نقطہ بسم اللہ میں سے
 وانا النقطة التي تحت الباء " اے ابن عباس میں موسیٰ نقطہ ہوں جو بسم اللہ کی (ب) کے نیچے دیا
 جاتا ہے۔ شیخ سیدمان قندوزی لکھتے ہیں کہ تفسیر بسم اللہ عن ابن عباس نے کہا کہ خدا کی قسم میرا اور
 تمام صحابہ کا علم علی کے علم کے مقابلے میں ایسا ہے۔ جیسے سات سمندروں کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ
 کیل ابن زیاد سے حضرت علیؑ نے فرمایا کہ اے کیل میرے سینے میں علم کے خزانے ہیں۔ کاش کوئی اہل مفا
 کہ میں نے تعلیم کر دیتا۔ محب طبری تحریر فرماتے ہیں کہ سرور عالم کا ارشاد ہے کہ جو شخص علم آدم، نعم نوح
 علم ابراہیم زہدینجی، صلوات موسیٰ کو ان حضرات سمیرت دیکھتا چاہے "فیلینظر الی علی ابن ابی طالب"
 اسے چاہیے کہ وہ علی ابن ابی طالب کے چہرہ اوزر کو دیکھے ملاحظہ ہو (نور الابصار شرح مواقف مطالب
 السؤل صواعق محرقة شواہد النبوت الوالقدار، کشف الغمہ، نیابیح المودت، مناقب ابن شہر آشوب،
 ریاض النضرہ، الریح المطالب، انوار اللغزین علماء اسلام کے علاوہ مشہور تشریح قرآن نے بھی آپ کے
 کمال علمی کا اعتراف کیا ہے مصنف انسایکلو پیڈیا برٹانیکا لکھتے ہیں علی علم اور عقل میں مشہور تھے
 اور اب تک کچھ مجموعے ضرب المثال اور اشعار کے ان سے منسوب ہیں خصوصاً مقالات علیؑ جس
 کا انگریزی ترجمہ ولیم پول نے ۱۸۳۷ء میں بمقام ٹونبرا شاخ کرایا ہے۔ (مذہب مکالمہ ص ۱۰۲) مسٹر
 ایرونگ لکھتے ہیں۔ آپ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علوم و فنون کی بڑی حمایت فرمائی۔ آپ کو خود
 بھی شعر گوئی کا پورا ذوق تھا اور آپ کے بہت سے حکیمانہ مقولے اور ضرب الامثال اس وقت تک
 لوگوں کے زبان زد ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کا ترجمہ بھی ہو گیا ہے۔ کتاب خلفاء رسول ص ۱۷۱ مسٹر
 اوکلی لکھتے ہیں۔ تمام مسلمانوں میں باتفاق علیؑ کی عقل و دانائی کی شہرت ہے۔ جس کو سب تسلیم کرتے ہیں۔
 آپ کے صدکھات ابھی تک محفوظ ہیں جن کا عربی سے ترکی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کے
 اشعار کا دیوان بھی ہے۔ جس کا نام انوار الاقوال ہے۔ گورورڈ لین لائبریری میں آپ کے احوال کی ایک
 بڑی کتاب (سج البلاغہ) موجود ہے۔ آپ کی مشہور ترین تصنیف "جزء جامعہ" ہے جو ایک بیحد نفیس
 خط میں اعداد و ہندسہ پر مشتمل ہے یہ ہندسے ان تمام عظیم الشان واقعات کو جو ابتدائے اسلام سے رہتی
 دنیا تک ہونے والے واقعات بتلاتے ہیں۔ یہ آپ کے خاندان میں ہے اور پڑھی نہیں جاسکتی البتہ
 امام جعفر صادق اس کے کچھ حصے کی تشریح و تفسیر میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس کو مکمل بارہویں امام کریج
 (تاریخ عرب اوکلی ص ۳۲۲) مؤرخ لکھتے ہیں، آپ وہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے علم و فن اور کتابت
 کی پرورش کی اور حکمت سے غلو اقوال کا ایک بڑا مجموعہ آپ کے نام سے منسوب ہے... آپ کا قلب و

دماغ ہر شخص سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے گا۔۔۔ آپ کا قلب و دماغ مجسم نور تھا۔۔۔ آپ کی انانی اور پرمغز نکتہ بینی ضرب الاشغال کے ایجاد میں آپ کی فراست بہت ہی اعلیٰ پایہ کی تھی۔ (تاریخ عرب ص ۲۸) بمبئی ہائی کورٹ کے جج مسٹر ارنولڈ ایڈووکیٹ جنرل ایک فیصلہ میں لکھتے ہیں۔ شجاعت حکمت، ہمت، عدالت، سخاوت، زہد اور تقویٰ میں علی کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے۔ لاہور پورٹ جلد ۱۲، اعجاز التنزیل ص ۱۶۶)

حضرت علیؑ کی تصنیفات

علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے مصنف حضرت علیؑ ہیں۔ علامہ رشید الدین ابن شہر آشوب کتاب معالم العلماء میں اور علامہ سید عثمان صدر نے کتاب الشیعہ و فنون الاسلام میں تحریر فرمایا ہے کہ اول من صنف فی الاسلام امیر المؤمنین اسلام میں سب سے پہلے حضرت علیؑ نے تصنیف کی ہے۔ آپ کی کتاب کا نام "کتاب علیؑ" اور جامعہ تھا اصول کافی کتاب الحجۃ میں ہے کہ اس کتاب میں تمام دنیا کے ہونے والے واقعات و حالات مندرج تھے، یہ بھی مسلم ہے کہ سب سے پہلے جامع قرآن مجید بھی حضرت علیؑ ہی ہیں۔ ملاحظہ ہو (نور البصائر امام شیعہ ص ۳۲ طبع مصر) کتاب اعیان الشیعہ میں ابوالامہ کی تالیفات و تصنیفات کی فہرست اس طرح مرقوم ہے۔

۱) قرآن مجید کو تنزیل کے مطابق حضرت علیؑ نے جمع کیا۔ اس میں اسباب و مقامات نزول آیا ہے و سور کا بھی ذکر تھا۔ (۲) کتاب علیؑ جس میں قرآن مجید کے ساتھ فہم کے علوم کا ذکر تھا (۳) کتاب جامعہ (۴) کتاب البقرہ (۵) صحیفہ الفرائض (۶) کتاب فی زکوٰۃ النعم (۷) کتاب فی ابواب الفقہ (۸) کتاب فی الفقہ (۹) مالک اشتر کے نام تحریری ہدایات (۱۰) محمد بن حنفیہ کے نام وصیت (۱۱) مسند علیؑ ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی، ان کتابوں کے علاوہ آپ کا مجموعہ اوراد و صحیفہ رطلویہ اور آپ کے اشعار کا مجموعہ "دیوان علیؑ" کے نام سے حضرت علیؑ بن ابی طالب کی طرف منسوب ہے۔ یہ کتاب ابی علاء الدین احمد خان بہادر، فرمائے لوہارو کے حکم سے ۱۸۶۶ء میں، فخر المطالع، لوہارو میں چھپی تھی اور اب مختلف ملکوں میں چھپ چکی ہے اور اس کی شرحیں بھی ہو چکی ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ جناب امیر المؤمنین کا کلام مندرجہ ذیل کتب میں جمع کیا گیا ہے۔

① نہج البلاغہ اسے علامہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے جمع فرمایا ہے۔ وہ ۲۵۹ جہ مطابقت ۹۶۹ء میں پیدا ہوئے تھے اور ان کی وفات محرم ۳۰۰ھ مطابقت جولائی ۱۸۱۳ء میں ہوئی ہے۔ کتاب نہج البلاغہ کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں لکھنے والوں میں سے چند نام یہ ہیں :-

(۱) امام اہل سنت عزیز بن ابی حماد عبد الحمید بن ہبیبہ الثوری محمد بن حسین ابن ابی الحدید ملائی المتولد، یکم ذی الحجہ ۵۸۶ھ مطابقت ۲۰ دسمبر ۱۱۹۰ء بمقام مدائن، المتوفی ۶۵۵ھ مطابقت ۱۲۵۰ء عجم

۲) اور علامہ شرف الدین نے کتاب مولانا الشیعہ فی صدر الاسلام کے معانی میں

بغداد (۲) قوام الدین یوسف بن حسن المتوفی ۹۲۲ھ مطابق ۱۵۱۶ء (۳) مفتی محمد عبدہ مصر (۴) علامہ محمد حسن نائل المرصفی جن کا حاشیہ ہے اصل کتاب نوح البلاغہ مصر کے مشہور مطبع دارالکتب العربیہ میں چھپ گئی ہے یہ چاروں شارح اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۵) بیت علی بن ابی نصر یہ سید رضی کے معاصر تھے۔ سب سے پہلے نوح البلاغہ کی شرح انھوں نے ہی لکھی ہے۔ ان کی شرح کا نام "اعلام نوح البلاغہ" ہے۔ (۶) علامہ قطب الدین راوندی ان کی شرح کا نام منہاج البراعۃ ہے۔ (۷) سید ابن طاووس، ابوالقاسم علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاووس المتولد محرم ۱۹ھ المتوفی ۵ ذی قعدہ ۶۶۳ھ (۸) کمال الدین شیم بن علی بن شیم بخرانی (۹) قطب الدین محمد بن الحسین سکندری (۱۰) شیخ حسین بن شہاب الدین جیدر علی عالمی متوفی صفر ۷۶۶ھ مطابق اگست ۱۶۶۵ھ بمقام جیدر آباد وکن (۱۱) شیخ نظام الدین علی بن الحسین ان کی شرح کا نام انوار الفصاحت ہے (۱۲) علامہ مرزا علاء الدین محمد بن ابی تراب الحسین ان کی شرح نہایت مبسوط ہے۔ اس کا نام "حدائق الحقائق" ہے یہ ۲۰ جلدوں میں ہے (۱۳) آقا شیخ محمد رضا مسمیٰ یہ "دورہ نجفیہ" (۱۴) ملاح احمد کاشانی المتوفی ۹۹۴ھ، یہ فارسی میں ہے اور اس کا نام تنبیہ الغافلین ہے۔ (۱۵) محقق حبیب اللہ ہاشمی النحوی، ان کی شرح کا نام بھی "منہاج البراعۃ فی شرح نوح البلاغہ" ہے۔ یہ ۲۵ جلدوں میں ہے۔ قم خیابان ارم تہران میں ملتی ہے۔ اس کے علاوہ کتاب کے چند مستدرکات ہیں جو طبع ہو چکی ہیں۔

(۲) ماشا کلماتہ جس کو جاحظ نے جمع کیا تھا (۳) غرر الحکمہ ودرر الکلم "جس کو عبد الواحد بن محمد بن عبد الواحد نے جمع کیا تھا (۴) دستور معالم الحکمہ جس کو قاضی ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ متوفی ۲۵۳ھ نے جمع کیا تھا (۵) نثر الالامی جس کو ابو الفضل علی بن الحسن البطرسی صاحب مجمع البیان نے جمع کیا (۶) کتاب مطلوب کل طالب من کلام علی بن ابی طالب "جس کو ابواسحاق الوطواط الانصاری نے جمع کیا ہے۔ اس کا فارسی اور جرمن زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے (۷) "قلائد الحکمہ و نوارش الکلمہ" جس کو قاضی ابو یوسف بن سلیمان الاسفرائینی نے جمع کیا ہے (۸) کتاب "معمیات علی" (۹) امثال الامام علی بن ابی طالب (۱۰) شیخ میند علیہ الرحمۃ نے کتاب الارشاد میں کچھ کلام جمع کیا ہے (۱۱) نصر بن مزاحم کی کتاب "صفین" میں آپ کا کلام جمع ہے۔ (۱۲) کتاب "جواہر المطالب" علامہ ابن ابی الحدید، علامہ ابن شہر آشوب۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اور علامہ اربلی تحریر فرماتے ہیں کہ "اشرف العلوم" علم الحیات ہے اور یہ حضرت علی ہی کے کلام سے اقتباس کیا گیا ہے۔ اور آپ ہی اس کی ابتداء اور انتہا ہیں۔ عقائد کے اعتبار سے اسلام میں جو مختلف فرقے ہیں۔ ان میں معتزلہ بھی ہے اس فرقہ کا بانی واصل ابن عطاء ہے

آپ کی علمی مرکزیت

جو ابو ہاشم کا شاگرد تھا اور وہ اپنے باپ محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا اور محمد حضرت علی کے شاگرد تھے۔ دوسرا فرقہ اشعریہ ہے جو ابوالحسن اشعری کی طرف منسوب ہے اور وہ شاگرد تھا ابو علی جہانی کا جو مشائخ معتزلیہ سے تھا۔ اس کی انتہا بھی حضرت علی تک قرار پاتی ہے۔ تیسرا فرقہ امامیہ و زیدیہ ہے اس کا حضرت علی کی طرف منسوب ہونا بالکل واضح ہے۔

اسلامی علوم میں علم فقہ بھی ہے اور اسلام کا ہر فرقہ و مہتد حضرت ہی کا شاگرد ہے۔ چنانچہ اہل سنت میں چار فرقے ہیں۔ مالکی، حنفی، شافعی اور حنبلی۔ مالکی فرقہ کے بانی امام مالک شاگرد تھے ربیعۃ اللہی کے اور وہ شاگرد تھے عکرمہ کے اور وہ شاگرد تھے ابن عباس کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے دوسرے فرقہ حنفی کے بانی امام ابو حنیفہ تھے یہ شاگرد تھے امام محمد باقر کے اور امام جعفر صادق کے اور یہ شاگرد تھے امام زین العابدین کے اور امام عبد شاگرد تھے امام حسین کے اور وہ شاگرد تھے حضرت علی کے تیسرے فرقہ کے بانی امام شافعی شاگرد تھے۔ امام محمد کے اور وہ شاگرد تھے امام ابو حنیفہ کے۔ چوتھے فرقہ کے بانی، امام احمد ابن حنبل شاگرد تھے۔ امام شافعی کے اس طرح ان کا فرقہ بھی حضرت علی کا شاگرد ہوا۔ اس کے علاوہ صحابہ کے فقہاء و حضرت عمر و عبد اللہ ابن عباس تھے اور دونوں نے علم فقہ حضرت علی ہی سے سیکھا۔ ابن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا تو واضح اور مشہور ہے۔ رہے حضرت عمر تو ان کے بارے میں بھی سب کو علم ہے کہ بکثرت مسائل میں جب ان کی عقل و فہم اور راہ چارہ و تدبیر بند ہو جایا کرتی تھی تو وہ حضرت علی کی طرف رجوع کرتے اور حضرت علی سے ہی مشکل کشائی کی درخواست کیا کرتے تھے۔ اور اکثر ایسا بھی ہوا ہے کہ اپنے علاوہ دیگر صحابہ کی بھی مشکل کشائی علی سے کرایا کرتے تھے، ان کا بار بار ”لولا علی لہلک عمر“ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا، کتنا اور یہ فرمانا کہ ”خداوہ وقت نہ لائے کہ میں کسی علمی مشکل میں مبتلا ہو جاؤں اور علی موجود نہ ہوں اس کے علاوہ یہ کہنا کہ جب علی مسجد میں موجود ہوں تو کوئی فتویٰ دینے کی جرأت نہ کرے، یہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت عمر کی فقہی حد حضرت علی تک منتهی ہوتی ہے۔ حضرت علی ہی وہ ہیں جنہوں نے اس عورت کے مقدمہ میں منصفانہ فتویٰ دیا جس نے چھ مہینہ میں بچہ جنا تھا اور زنا کار حاملہ عورت کے معاملہ کو طے فرمایا تھا جس کے رجم کا فتویٰ حضرت عمر سے چکے تھے۔

اسلامی علوم میں تفسیر قرآنی کا علم بھی ہے یہ علم بھی حضرت علی ہی سے حاصل کیا گیا ہے، جو شخص تفسیر کی کتابیں دیکھے اسے آسانی سے اس دعویٰ کی صحت معلوم ہو جائے گی، کیونکہ تفسیر کے مطالب زیادہ تر حضرت علی اور عبد اللہ ابن عباس ہی سے منقول ہیں اور عبد اللہ ابن عباس کا شاگرد حضرت علی ہونا مشہور و معروف ہے۔ لوگوں نے عبد اللہ ابن عباس سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت علی کے علم کے مقابلہ میں آپ کا علم کتنا ہے! فرمایا جتنا ایک بحر زخار کے مقابلہ میں ایک چھوٹا قطرہ ہو سکتا ہے۔

اسلامی علوم میں علم طریقت و حقیقت اور اصول تصوف بھی ہے اور تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس فن کے جملہ علماء و ماہرین اپنے کو حضرت کی طرف ہی منسوب کرتے ہیں اور حضرت ہی تک اپنے سلسلہ کو منتهی قرار دیتے ہیں۔ اس کی صراحت ان لوگوں نے بھی کی ہے۔ جو فرقہ صوفیہ کے امام اور پیشوا مانے گئے ہیں جیسے شبلی، جنید، سری، ابویزید بسطامی، معروف کرخی، صوفی عرقہ، صوفی کوعلی ہی کا شکار مسترار دیتے ہیں۔

علوم عربیہ میں علم نحو بھی ہے۔ دنیا کے ماہرین کو علم ہے کہ اس علم کے بانی حضرت علی ہیں۔ آپ ہی نے اس کی ایجاد کی ہے۔ . . . آپ ہی نے اس کے قواعد و ضوابط مدون فرمائے ہیں۔ آپ نے اس علم کے اصول و جوامع کی تعلیم ابوالاسود دینی کو دی اور اس کے قوانین ترتیب دینے کا طریقہ سکھایا حضرت نے جو مختصر اور جامع اصول بتائے ان میں کلام، کلمہ اور اعراب تھے۔ آپ نے کہا کہ کلام، اسم فعل، حرف کو کہتے ہیں اور کلمہ معرفہ اور نکرہ ہوتا ہے۔ اور اعراب "رفع نصب جمر اور جزم میں منقسم ہوتا ہے۔ حضرت کے ان مختصر اصول و ضوابط کو آپ کے معجزات میں شمار کرنا چاہیے۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۶۸ و مطالب السؤل ص ۹۸ و کشف الغمہ ص ۵۲ مناقب ج ۲ ص ۶۷)۔

اس کے علاوہ علم القرات، علم الفرائض، علم الکلام، علم الخطابت، علم الذمات و البلاغت، علم الشعر، علم العروض و القوافی، علم الادب، علم الکتابت، علم تہمیر خواب، علم الفلسفہ، علم الهندسہ، علم النجوم، علم الحساب، علم الطب، علم منطق الطیر وغیرہ۔ میں آپ کو انتہائی کمال حاصل تھا (مناقب جلد ۲ ص ۶۷)۔ اور علم لدنی، علم الغیب میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا (نور الابصار ص ۶۷ و ارجح المطالب ص ۱۱۲) ابن شہر آشوب نے مناقب میں حضرت علی کے صوت ناقوس کی تفسیر بیان فرمانے کی تفصیل لکھی ہے۔ اور علامہ محمد باقر نے و مع سبک کے ص ۱۱۲ پر ابن ابی الحدید کے حوالہ سے ۳۳ بٹری سطروں پر مشتمل حضرت کا ایک نہایت فصیح و بلیغ ایسا خطبہ نقل کیا ہے جس میں "الف" نہیں ہے۔

آپ کا زہد و تقویٰ

مصر کے مشہور مورخ علامہ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ علی کی حالت کیا بیان ہو، زہد اور تقویٰ کے متعلق آپ کے واقعات بہت کثرت سے ہیں۔ اصول اسلام کی پابندی کرنے میں آپ بہت سخت اور اپنے بر قول و فعل میں نہایت شریف و آزاد تھے۔ جعل، فریب، دھوکا کو آپ جانتے تک نہیں تھے اور اپنی زندگی کے مختلف زمانوں سے کسی حالت میں بھی آپ نے چال، جلد، غداری وغیرہ کی طرف ذرہ برابر بھی رخ نہیں کیا۔ آپ کی تمام تر توجہ محض دین کے متعلق رہتی تھی۔ اور آپ کا کل اعتماد اور بھروسہ صرف سچائی اور حق پر تھا۔ چنانچہ آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے جس وقت

رسول کی بیٹی فاطمہ سے شادی کی تو آپ کے پاس فرش کی قسم سے کوئی چیز نہیں تھی سوائے ڈنبر کی ایک کھال کے کہ اسی پر دو دنوں شب کو پڑ کر سو رہتے تھے۔ اور دن کے وقت اسی چمڑے پر اپنے اونٹ کو دانہ کھلاتے تھے۔ آپ کے پاس ایک غلام بھی نہ تھا جو آپ کی خدمت کرتا۔ آپ کی خلافت ظاہریہ کے زمانہ میں ایک دفعہ اصفہان کے (خراج) کا مال آیا تو آپ نے اس کو سات حصوں پر تقسیم کر دیا پھر اس میں ایک روٹی ملی تو اس کے بھی سات ٹکڑے کئے۔ آپ ایسے کمزوروں کا لباس پہنتے تھے جو بڑی سے ذرا بھی محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کچھ بیلٹھا کر خود لارہتے ہیں جن کو ایک درم میں خریدتا تھا۔ یہ دیکھ کر عرض کی اے امیر المؤمنین یہ ہمیں دے دیں ہمارے ہم پہنچا دیں۔ آپ نے جواب دیا کہ جس کے عیال ہیں انھیں کو ان کا بوجھ اٹھانا چاہیے۔ آپ کے زہریں اقوال سے یہ بھی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ اتنا کم کھائیں کہ بھوک سے ان کے پیٹ بکے رہیں اور اتنا کم پیئیں کہ پیاس سے ان کے پیٹ ٹوٹنے لگیں اور خدا کے خوف سے اتنا روئیں کہ ان کی آنکھیں نہ ٹھکی رہیں۔ (تاریخ تمدن اسلامی جلد ۲ صفحہ ۳۰۰ و تاریخ کامل ج ۳ صفحہ ۲۰۰)۔

آپ کی اصابت رائے
 آپ کی رائے اتنی صائب تھی کہ کبھی لغزش نہیں ہوتی جس کو جو مشورہ دے دیا وہ اٹل ثابت ہوا۔ علامہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ تمام لوگوں سے زیادہ حضرت علی کی رائے صائب اور حکم و صحیح ہوا کرتی تھی اور آپ کی تدبیر تمام لوگوں کی تدبیروں سے بلند و برتر ہوتی تھی البتہ آپ اسی معاملے میں رائے دیتے تھے جو شریعت کے مطابق اور اسلام کی روشنی میں ہو یعنی غلط امور میں آپ کا کوئی مشورہ نہ تھا۔

آپ کی سیاست
 علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں "کان شدید السياسة خشناً فذات اللہ"۔ آپ بے نظیر سیاسی تھے۔ آپ کی سیاست ان لوگوں جیسی نہ تھی جو دین اور خدا کو پہچانتے نہیں۔ آپ کی سیاست حکم خدا و رسول کا پرتو ہوا کرتی تھی۔ آپ اللہ کی ذات کے بارے میں نہایت ہی سخت اور شدید المصلحت تھے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کبھی اپنے بھائی بنی ہاشم کی پرواہ نہیں کی عقیل اور ابن عباس کی ناراضی مشہور ہے۔ (صواعق مخرقہ)

علم - صداقت - عدل
 خالد ابن ولید کا بیان ہے کہ میں علی کو تین باتوں کی وجہ سے محبوب رکھتا ہوں اول یہ کہ جب وہ خفا ہوتے تھے تو مکمل علم کا استعمال کرتے تھے (۲) جو بات کہتے تھے سچ کہتے تھے (۳) جو فیصلہ کرتے تھے پورے عدل کے ساتھ کرتے تھے مفضل ابن یسار کا بیان ہے کہ سرور کائنات نے ایک دن فاطمہ زہراؑ سے فرمایا کہ میں نے تمھاری شادی بہت بڑے عالم اور امت میں سب سے بڑے ایماندار اور عظیم ترین عالم کرنے والے (علی) سے کی

مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کے بعض کرامات

یہ مسلم ہے کہ مولائے کائنات، مشکل کشا عالم حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام، مظہر العجائب والغرائب، تھے۔ جلالت ظاہری سے قبل اہلبیاء علیہم السلام کی مدد کرنا، سلمان فارسی کو دشت ارژن میں شیر سے چھڑانا، اور ظہور و شہود کے بعد ایک شب میں چالیس جگہ بیک وقت دعوت میں شرکت کرنا، دنیا کے ہر گوشے میں آپ کے قدم کے نشانات کا پتھر پر موجود ہونا، غار اصحاب کف میں نشان قدم کا موجود ہونا، کابل میں مزار سخی کا وجود اور دیگر نشانات کا موجود ہونا، طورخم کے قریب مسجد علی کی تعمیر، پشاور میں، عصائے شاہ مردان کی زیارت گاہ کا ہونا۔ کورٹ کے راستے میں قدم کے نشانات کا پایا جانا، حیدرآباد میں، قدم گاہ مولائے کائنات کا ہونا، عالم میں ہر شخص کی مشکل کشائی کا ہونا نیز باب نجیب کا اکھاڑنا۔ رسول کریم کی آواز پر چشم زدن میں پہنچ جانا۔ چادر پر بیٹھ کر غار اصحاب کف تک جانا اور ان سے کلام کرنا وغیرہ وغیرہ آپ کے مظہر العجائب والغرائب ہونے کا بین ثبوت ہے۔ ہم ذیل میں کتاب "امام مبین" سے چند واقعات کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

آپ کا گوارہ میں کلمہ اژدر دوپارہ کرنا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حوالی مکہ میں ایک نہایت زبردست اور طویل اژدہا آگیا اور اس نے تباہی مچا دی، ایک لشکر نے اُسے مارنے کی کوشش کی۔ مگر کامیاب نہ ہوا۔ ایک دن وہ اژدہا مدینہ کی طرف چلا۔ جب قریب پہنچا، شہر مدینہ میں پھیل چکے تھے۔ لوگ گھروں کو چھوڑ کر باہر بھاگنے لگے۔ اتفاقاً وہ اژدہا خانہ حضرت ابوطالب میں داخل ہو گیا۔ وہاں مولائے کائنات گوارے میں فروکش تھے اور ان کی ماور گرامی کہیں باہر تشریف لے گئی تھیں۔ جب وہ اژدہا گوارے کے قریب پہنچا تو "ایر ائیر" نے اُس کے دونوں جیروں کو پکڑ کر دوپارہ کر دیا۔ رسول خدا نے مسرت کا اظہار کیا۔ عوام نے داد و تحسین دی۔ ماں نے واپس آکر ماجرا دیکھا۔ اور اپنے فور نظر کا نام "حیدر" رکھا، اس نام کا ذکر مرحب کے مقابلہ میں علی بن ابی طالب نے خود بھی فرمایا ہے۔

انا الذی ستمنی احمی حیدرہ
ضرغام آجام ولایت تصویرہ

روایت میں ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام جنگ صفین سے واپس جاتے ہوئے ایک صحرا سے لڑی دق سے گزرے، شدت گرمی

ساقی کوثر اور سنگ خارا

کی وجہ سے آپ کا لشکر بے انتہا پیاسا ہو گیا، اُس نے حضرت سے پانی کی خواہش کی۔ آپ نے صحرا میں ادھر ادھر نظر دوڑائی، ایک بہت بڑا پتھر نظر آیا، اس کے قریب تشریف لے گئے اور پتھر سے کما کر پانی نچھرتے

سُننا چاہتا ہوں کہ اس صحرا میں پانی کہاں ہے، اس نے بقدرتِ خدا جواب دیا کہ المارکتی چشمہ
 آب میرے ہی نیچے ہے۔ حضرت نے لشکر کو حکم دیا کہ اس پتھر کو ہٹائے۔ ۱۰۰ آدمی کامیاب نہ ہو سکے
 پھر آپ نے لبِ مبارک کو حرکت دی اور دستِ خیر کشا اس پر مارا، پتھر ڈور جا پڑا، اس کے ٹٹے
 ہی شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ سرد پانی کا چشمہ برآمد ہو گیا، سب سیراب ہوئے
 اور سب نے پانی سے چھا لیں بھر لیں، پھر آپ نے پتھر کو حکم دیا کہ اپنی جگہ پر آجے۔ بروایت ابن
 عباس پتھر اس جگہ سے غود۔ خود سرک کر اپنی جگہ پر آ پہنچا، اور لشکرِ شکرِ خدا کرتا ہوا روانہ ہو گیا۔

مولانا علیؒ اور انسان کی قلبِ ماہیت

اصح بن نباتہ کا بیان ہے کہ ایک شخص قریش سے
 حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر
 کہنے لگا کہ میں وہ ہوں کہ جس نے بے شمار انسانوں کو قتل کیا ہے اور یہت سے اطفال کو تیرا کیا ہے
 حضرت نے اس کا جب یہ تعارف سنا تو آپ کو غصہ آ گیا، آپ نے فرمایا کہ "اخصایا کلب" لے
 گئے میرے پاس سے دور ہو جا، حضرت کے دہن اقدس سے ان الفاظ کا نکلنا تھا کہ اس کی ماہیت
 اور اس کی ماہیت بدل گئی۔ اور وہ کتے کی شکل میں ہو کر دم ہلانے لگا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ تیراب
 ہو کر فریاد و فغاں کرتے ہوئے زمین پر لوٹنے لگا۔ حضرت کو اس پر رحم آیا اور آپ نے دعا کی۔
 خدا نے پھر اسے اس کی ماہیتِ اصلی میں بدل دیا۔

عین اللہ، علیؓ نے کور مادر زاد کو چشمِ بینا بنائے دی

عبداللہ بن یونس کا بیان ہے کہ میں ایک سال حج بیتِ اہل
 کے لیے گھر سے روانہ ہو کر جا رہا تھا۔ ناگاہ راستے میں
 ایک نابینا زین جیشہ کو دیکھا کہ وہ ہاتھوں کو اٹھاتے
 ہوئے اس طرح دعا کر رہی ہے، اے اللہ بحق علی بن ابی طالب مجھے چشمِ بینا دے دے۔ یہ دیکھ
 کر میں اس کے قریب گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا تو واقعی علی بن ابی طالب سے محبت رکھتی ہے اس
 نے کہا بے شک میں ان پر صد ہزار جان سے قربان ہوں، یہ سن کر میں نے اُسے بہت سے درہم دیے
 مگر اُس نے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں درہم و دینار نہیں مانگتی۔ "میں آنکھ چاہتی ہوں" پھر میں اس
 کے پاس سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچا اور حج سے فراغت کے بعد پھر اسی راستہ سے واپس آیا۔
 جب اس مقام پر پہنچا جس مقام پر وہ نابینا عورت تھی تو دیکھا کہ وہ عورت چشمِ بینا کی مالک ہے۔
 اور سب کچھ دیکھتی ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا ماجرا کیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں بدستور دعا
 کیا کرتی تھی۔ ایک دن حسبِ معمول مشغول دعا تھی ناگاہ ایک مقدس ترین عالم بزرگ نمودار ہوئے
 اور انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تو واقعی علیؓ کو دوست رکھتی ہے، میں نے کہا "جی ہاں" ایسا ہی ہے
 یہ سن کر انھوں نے کہا کہ "خدا یا اگر یہ عورت دعوائے محبت میں سچی ہے تو اسے مینائی عطا فرما" ان کے

ان الفاظ کے زبان پر جاری ہوتے ہی میری آنکھیں کھل گئیں، چشمہ بنا لگتی، میں سب کچھ دیکھنے لگی۔ میں نے اس کے فوراً بعد قدموں پر گر کر پوچھا، حضور آپ کون ہیں۔ فرمایا میں تو ہی ہوں جس کے واسطے سے تو دعا کر رہی تھی۔

مشکل کشاکی مشکل کشائی

ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضرت علی علیہ السلام مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے۔ ناگاہ آپ کی نگاہ اپنے ایک مومن

پر پڑی دیکھا کہ اسے ایک شخص بڑی طرح گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ حضرت اس کے قریب گئے اور اس سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے، اس مومن نے کہا، مولانا میں اس مرد منافق کے ایک ہزار سات سو دینار کا قرض دار ہوں، اس نے مجھے پکڑ رکھا ہے اور انہی ہمت بھی نہیں دیتا کہ میں یہاں سے جا کر کوئی بندوبست کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو زمین کی طرف رُخ کر اور جو پتھر وغیرہ اس وقت تیرے ہاتھ آئیں انہیں اٹھالے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، جب اُس نے اٹھا کر دیکھا تو وہ سب سونے کے تھے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کا قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے اسے اپنے کام میں لا۔ راوی کہتا ہے کہ دوسرے دن جبریل کے کہنے سے حضرت رسول کریم نے اس واقعہ کو اصحاب کے مجمع میں بیان فرمایا

ایک مشلول کی شفا یابی

عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ ایک روز نماز صبح کے بعد حضرت رسول کریم مسجد مدینہ میں بیٹھے ہوئے سلمان ابوذر، مقداد

اور حذیفہ سے جو گفتگو تھی کہ ناگاہ مسجد کے باہر ایک غلغلہ اٹھا، شور شن کر لوگ مسجد کے باہر آگئے تو دیکھا کہ چالیس آدمی کھڑے ہیں جو مسلح ہیں اور ان کے آگے ایک نہایت خوب صورت نوجوان شخص ہے حذیفہ نے رسول خدا کو حالات سے آگاہ کیا، آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ، وہ آگئے۔ تو حضرت نے فرمایا کہ علی بن ابی طالب کو بلا لاؤ۔ حذیفہ گئے، امیر المومنین نے فرمایا کہ اے حذیفہ مجھے علم ہے کہ ایک گروہ قوم عاد سے آیا ہے، مجھے ان کی حاجت بھی معلوم ہے۔ اس کے بعد آپ حاضر خدمت رسول کریم ہوئے۔ آنحضرت نے حضرت علی سے ان کا سامنا کرایا۔ حضرت علی نے اُس مرد مخوبرو سے کہا کہ اے حجاج بن خلیفہ بن ابی العصف بن سعید بن ممتح بن علق بن وحب بن صععب، بتا تیری کیا حاجت ہے، اُس نے جب اپنا نام اور پورا شجرہ سنا تو حیران رہ گیا۔ اور کہا کہ حضور میرے بھائی کو شکار کا بڑا شوق ہے۔ اُس نے ایک دن جنگل میں شکار کھیلتے ہوئے ایک جانور کے پیچھے گھوڑا ڈالا، اور اس پر تیر چلایا، اس سے فوراً بعد اس کا نصف بدن شل ہو گیا ہے، بڑے علاج کے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا، آپ نے فرمایا کہ اسے میرے سامنے لا، وہ ایک شتر پر لایا گیا، حضرت نے اُسے حکم دیا کہ اٹھ بیٹھ۔ چنانچہ وہ تندرست ہو کر اٹھ بیٹھا۔ یہ دیکھ کر وہ اور اس کے قبیلہ کے ستر ہزار نفوس مسلمان ہو گئے۔

آپ کی سایہ رحمت سے محرومی

حضرت محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۸ صفر ۱۱ھ ہجری یوم دو شنبہ انتقال فرمایا۔ (مودۃ القربی) حضرت علیؓ آپ کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کو ہمراہ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور مشورہ ہائے باطل کے لیے بنایا گیا تھا۔ (غیاث اللغات) چلے گئے کافی رستہ کشی کے بعد حضرت ابو بکرؓ کو خلیفہ بنالائے حضرت علیؓ چونکہ رسول کریمؐ کو ان کی واپسی سے قبل دفن کر چکے تھے۔ اس لیے سب سے پہلے انھوں نے یہ سوال کیا کہ آپؐ نے ہماری واپسی کا انتظار کیوں نہیں کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ رسول کریمؐ بقیعہ غدیر خم خلیفہ مقرر کر چکے تھے۔ آپؐ کس جواز سے وہاں گئے اور کس اصول سے مسد خلافت کو زیر بحث لائے اور کیا دجر تھی کہ ہم رسول کا لاشہ بے گور و کفن رہنے دیتے۔ اس کے بعد انھوں نے بیعت کا مطالبہ کیا حضرت علیؓ نے اپنا حق فائق ہونا اور اپنے کو منصوص خلیفہ ہونا ظاہر کر کے ان کے مطالبہ کے خلاف احتجاج کیا اور فرمایا کہ مجھ سے بیعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس پر انھوں نے شدید اصرار کیا اور آپؐ سے بیعت لینے کی ہر ممکن سعی کی۔ مورخین کا اتفاق ہے کہ اسی سلسلہ میں فاطمہ کا گھر جلا گیا۔ فاطمہ کے درے دکائے گئے۔ علیؓ کی گردن میں رستی باندھی گئی اور آپؐ کو قتل کر دینے کی دھمکی دی گئی اور وراثت رسولؐ سے فاطمہ اور اولاد فاطمہ کو محروم کر دیا گیا۔ باغ چھینا گیا۔ علیؓ حسنین اور اہم امین کو گواہی فدک میں جھوٹا قرار دیا گیا۔ ان حالات سے آل محمدؐ کو جتنا متاثر ہونا چاہیے۔ اس کا اندازہ ہر با فہم کر سکتا ہے۔ حضرت علیؓ جو سایہ رحمت رسولؐ سے محروم ہو کر مصائب و آلام کی پگھلی کے دونوں پاٹ میں آ گئے۔ انھوں نے اپنے خطبات میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے حالات کی وضاحت کی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو خطبہ شمشقیہ۔

وفات رسول کے بعد علی کا خطبہ

کتاب منج البلاغ ج ۱ ص ۴۲۲ طبع مصر میں ہے
”بزرگان اصحاب محمد صلعم نے جو حافظہ (قرآن و

سنت نبوی تھے) جان لیا تھا کہ میں کبھی ایک ساعت کے لیے بھی فرمان خدا اور رسولؐ سے دور نہیں ہوا اور پیغمبر اکرمؐ کی خاطر کبھی اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔ جب ولیروں نے راہ فرار اختیار کی اور بڑے بڑے پہلوؤں پیچھے ہٹ آئے اس شجاعت اور جوانمردی کے باعث جو خدا نے مجھے عطا کی ہے۔ میں نے جنگ کی اور رسول خداؐ کی قبض روح اس حالت میں ہوئی کہ آپؐ کا یہ مبارک میرے سینے پر تھا۔ ان کی جان میرے ہی ہاتھوں پر بدن سے جدا ہوئی چنانچہ (بریت تبرک دین) میں نے اپنے

ہاتھ (روح نکلنے کے بعد) اپنے چہرہ پر لے۔ میں نے ہی آنحضرت کے جدِ اطہر کو غسل دیا اور فرشتوں نے (اس کام میں) میری مدد کی۔ پس بیت نبوی اور اس کے اطراف سے گریہ و زاری کی صدا بلند ہوئی۔ فرشتوں کا ایک گروہ جاتا تھا تو دوسرا آجاتا تھا۔ ان کی نماز جنازہ کا ہمہ میرے کانوں سے جہاں میں ہوا۔ یہاں تک کہ آپ کو آخری آرام گاہ میں رکھ دیا گیا۔ پس آنحضرت کی حیات و ممات میں ان سے میرے مقابلے میں کون سزاوار تھا۔ (جو کوئی اس کا ادا کرتا ہے وہ صحیح نہیں کہتا۔ الخ) ترجمہ

بیچ البلاغۃ ترمیں احمد جعفری جلد ۱۲ طبع لاہور) اسی کتاب کے ص ۱۳۰ پر ہے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان اے رسول خدا۔ آپ کی وفات سے نبوت۔ احکام الہی اور اخبار آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ جو دوسرے (پیغمبروں) کی وفات پر (کبھی) نہیں ہوا تھا۔ آپ کی خصوصیت اور یگانگت یہ بھی تھی کہ دوسری مصیبتوں سے آپ نے تسلی وے دی۔ (کیونکہ آپ کی مصیبت ہر صیبت سے بالاتر ہے) اور دنیا سے رحلت فرمانے کی بنا پر آپ کو یہ عمومیت و خصوصیت حاصل ہے کہ آپ کے ماتم میں تمام لوگ یکساں درو مند (اور سید فگار) ہیں۔ الخ

رفیقہ حیات کی جدائی | رسول کریم کے انتقال پر پلّال کو بھی ۱۰۰ دن بھی نہ گزرے تھے کہ آپ کی رفیقہ حیات حضرت فاطمہ الزہرا اپنے پر بزرگوار کی

وفات کے صدمے وغیرہ سے تاریخ ۲۰ جمادی الثانیہ ۱۱ھ ہجری انتقال فرمائیں۔ حضرت علی نے وصیت فاطمہ کے مطابق حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عائشہ وغیرہم کو شریک جنازہ نہیں تو دیا۔ اور شب کے تاریک پردے میں حضرت فاطمہ الزہرا کو سپردِ خاک فرمادیا۔ اور زمین سے مخاطب ہو کر کہا۔ "یا ارحم الراحمین عطف و دینتی ہذا بنت رسول اللہ" اسے زمین میں اپنی امانت تیرے پیرو کر رہا ہوں، اسے زمین پر رسول کی بیٹی ہیں۔ زمین نے جواب دیا۔ "یا علی انا ارفیق بہا مند۔" اسے علی آپ گھبرائیں نہیں۔ میں آپ سے زیادہ نرمی کروں گی۔ (مودۃ القرنی ص ۱۱۱) تمام واقعات کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت علی کا خطبہ | زمین سے مخاطبہ کے بعد آپ نے سرور کائنات کو مخاطب کر کے کہا، یا رسول اللہ آپ کو میری جانب سے اور آپ کی پیروں میں اترنے والی اور

آپ سے جلد ملحق ہونے والی آپ کی بیٹی کی طرف سے سلام ہو۔ یا رسول اللہ آپ کی برگزیدہ بیٹی کی رحلت سے میرا صبر و شکیب جاتا رہا۔ میری ہمت و توانائی نے ساتھ چھوڑ دیا لیکن آپ کی مفارقت کے حادثہ عظمیٰ اور آپ کی رحلت کے صدمہ جانکاہ پر صبر کر لینے کے بعد مجھے اس مصیبت پر بھی صبر و شکیبائی ہی سے کام لینا پڑے گا۔ جبکہ میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا۔ انا للہ وانا الیہ

(راجعون) اب یہ امانت پٹائی گئی۔ گروی رکھی ہوئی چیز چھڑا لی گئی۔ لیکن میرا غم بے پایاں اور میری باتیں بے خواب رہیں گی۔ یہاں تک کہ خداوند عالم میرے لیے بھی اسی گھر کو منتخب کرے۔ جس میں آپ رولتی افرود ہیں (یا رسول اللہ) وہ وقت آگیا کہ آپ کی بیٹی آپ کو بتائیں کہ کس طرح آپ کی امانت نے ان پر ظلم ڈھانے کے لیے ایک کر لیا۔ آپ ان سے پورے طور پر پوچھیں اور تمام احوال و واردات دریافت کریں۔ یہ ساری مصیبت ان پر میت گئیں۔ حالانکہ آپ کو گذرے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا اور نہ آپ کے تفرکوں سے زیادہیں بند ہوئی تھیں۔ آپ دونوں پر میرا سلام رخصتی ہو۔ ایسا سلام جو کسی طول و دل تنگ کی طرف سے ہوتا ہے۔ اب اگر میں (اس جگہ سے) پلٹ جاؤں تو اس لیے نہیں کہ آپ سے میرا دل بھر گیا ہے اور اگر چھڑا رہوں تو اس لیے نہیں کہ میں اس وعدہ سے بدظن ہوں۔ جو اللہ نے صبر کرنے والوں سے کیا ہے۔ نوح البلاغہ، مترجمہ مفتی جعفر حسین جلد ۲ ص ۲۳۲ طبع لاہور۔

حضرت علیؑ کی گوشہ نشینی

پیغمبر اسلام کے انتقال پر طلال اور ان کے انتقال کے بعد کے حالات نیز فاطمہ زہرا کی وفات حضرت آیات نے حضرت علیؑ کو اس ایسٹج پر پہنچا دیا جس کے بعد مستقبل کا پروگرام بنانا ناگزیر ہو گیا یعنی ان حالات میں حضرت علیؑ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ آپ آئندہ زندگی کس اسلوب اور کس طریقہ سے گزاریں بالآخر آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ (۱) دشمنان آل محمد کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہیے (۲) گوشہ نشینی اختیار کر لینی چاہیے (۳) حق المقدور موجودہ صورت میں بھی اسلام کی ملکی وغیر ملکی خدمت کرنے پر تیار چاہیے۔ چنانچہ آپ اسی پر کار بند ہو گئے۔

حضرت علیؑ نے جو پروگرام مرتب فرمایا۔ وہ پیغمبر اسلام کے فرمان کی روشنی میں مرتب فرمایا کیوں کہ انھیں ان حالات کی پوری اطلاع تھی اور انھوں نے حضرت علیؑ کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ علامہ ابن حجر مکتبے ہیں۔ "ان الله تعالى اطلع نبيته علي ما يكون بعد ما استلبي به علي" کہ خداوند عالم نے اپنے نبی کو ان تمام امور سے باخبر کر دیا تھا۔ جو ان کے بعد ہونے والے تھے، اور ان حالات و حادثات کی اطلاع کر دی تھی جس میں علی مبتلا ہوئے (صواعق محرقة ص ۲۷) رسول کریمؐ نے فرمایا تھا کہ اے علی میرے بعد تم کو سخت حدیث پڑھیں گے، تمھیں چاہیے کہ اس وقت تم دل تنگ نہ ہو اور صبر کا طریقہ اختیار کرو اور جب دیکھنا کہ میرے صحابہ نے دنیا اختیار کر لی ہے تو تم آخرت نعمت یار کئے رہنا (روضۃ الاحیاء جلد ۱ ص ۵۵۹ و مدارج النبوت جلد ۲ ص ۵۱۱) یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ نے تمام صحابہؓ کو آلام نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کئے مگر تلوار نہیں اٹھائی اور گوشہ نشینی اختیار کر کے جمع قرآن

غضبِ خلافت کے بعد تلوار نہ اٹھانے کی وجہ

کی تکمیل کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً اپنے مشوروں سے اسلام کی مکر مضبوط فرماتے رہے۔

بعض برادرانِ اسلام یہ کہہ دیتے ہیں کہ جب علی کی خلافتِ غضب کی گئی اور انھیں مصائب و آلام سے دوچار کیا گیا تو انھوں نے بدر واحد، خیبر و خندق میں جلی ہوئی تلوار کو نیام سے باہر

کیوں نہ نکال لیا۔ اور صبر پر کیوں مجبور ہو گئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ علی جیسی شخصیت کے لیے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انھوں نے اسلام کے عہدِ اول میں جنگ کیوں نہیں کی۔ کیونکہ ابتداءً عمر سے تا حیات پیغمبرِ علی ہی نے اسلام کو پروان چڑھایا تھا ہر مملکت میں اسلام ہی کے لیے علی لڑے تھے۔ علی بنے اسلام کے لیے کبھی اپنی جان کی پروا نہیں کی تھی۔ بھلا علی سے یہ کیوں ممکن ہو سکتا تھا کہ رسولِ کریم کے انتقال کے بعد وہ تلوار اٹھا کر اسلام کو تباہ کر دیتے اور سرورِ کائنات کی محنت اور اپنی مشقت کو اپنے لیے تباہ ویراں کر دیتے۔ استیعابِ عبدالرحمن جلد ۱ ص ۱۸۳ طبع حیدرآباد میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں سے یہ کہہ دیا تھا کہ دیکھو رسولِ اللہ کا انتقال ہو چکا ہے اور خلافت کے بارے میں مجھ سے کوئی نزاع نہ کرے کیوں کہ ہم ہی اس کے وارث ہیں۔ لیکن قوم نے میرے کہنے کی پروا نہیں کی۔ خدا کی قسم اگر دین میں تفرقہ پڑ جانے اور عہدِ کفر کے پلٹ آنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کی ساری کاروائیاں پلٹ دیتا۔ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۴ ص ۲۰۳ کی عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اسی طرح چشم پوشی کی جس طرح کفر کے پلٹ آنے کے خوف سے حضرت رسولِ کریم منافقوں اور مولفہ القلوب کے ساتھ کرتے تھے۔ کتب اعمال جلد ۶ ص ۳۳ میں ہے کہ آنحضرت مناہقو کے ساتھ اس لیے جنگ نہیں کرتے تھے کہ لوگ کہنے لگیں گے کہ محمد نے اپنے اصحاب کو قتل کر ڈالا۔

کتاب معالم التزیل ص ۱۲۲ و ۱۲۳، احیاء العلوم جلد ۴ ص ۸۸ سیرت محمدیہ ص ۳۵۶ تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۸۶ تاریخ خمیس ج ۲ ص ۱۱۳۹ سیرت جلد ۲ ص ۳۵۶ شواہد النبوت اور فتح الباری میں ہے کہ آنحضرت نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے عائشہ "لولا حدثنان قومک بالکفر لعلت" اگر تیری قوم تازمی کفر سے مسلمان نہ ہوتی ہوتی تو میں اس کے ساتھ دو کرتا جو کرنا چاہتے تھا۔

حضرت علی اور رسولِ کریم کے عہد میں کچھ زیادہ بعد نہ تھا۔ جن وجوہ کی بنا پر رسول نے منافقوں سے جنگ نہیں کی تھی انھیں وجوہ کی بنا پر حضرت علی نے بھی تلوار نہیں اٹھائی۔ کتب اعمال جلد ۶ ص ۶۹ کتاب خصائص سیوطی جلد ۲ ص ۱۳۸ وروضۃ الاحباب جلد ۱ ص ۴۶۳ ازالۃ الخلفاء ص ۱۲ وغیرہ میں مختلف طریقہ سے حضرت کی وصیت کا ذکر ہے اور اس کی وصاحت ہے کہ حضرت علی کے ساتھ کیا ہونا ہے اور علی کو اس وقت کیا کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت علی نے اس حوالہ کے بعد کہ میری جنگ سے اسلام منزلِ اول ہی میں ختم ہو جائے گا۔ میں نے تلوار نہیں اٹھائی۔ یہ فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے اس وقت کا

بہت زیادہ خیال رکھا کہ رسول خدا نے مجھ سے عہد خاموشی و صبر لے لیا تھا۔ تاریخ اعمم کو فی طبع معنی میں حضرت علیؑ کی وہ تقریر موجود ہے جو آپ نے خلافت عثمان کے موقع پر فرمائی ہے ہم اس کا ترجمہ اعمم کو فی اردو طبع دہلی کے ۱۱۳ سے نقل کرتے ہیں۔ خدا نے جلیل کی قسم اگر محمد رسول اللہ ہم سے عہد نہ لے لیتے اور ہم کو اس امر سے مطلع نہ کر چکے ہوتے جو ہونے والا تھا تو میں اپنا حق کبھی نہ چھوڑتا۔ اور کسی شخص کو اپنا حق نہ لینے دیتا۔ اپنے حق کے حاصل کرنے کے لیے اس قدر کوشش بلیغ کرتا کہ حصول مطلب سے پہلے معرض ہلاکت میں پڑنے کا بھی خیال نہ کرتا۔ ان تمام تحریروں پر نظر ڈالنے کے بعد یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ کیوں نہیں کی اور صبر و خاموشی کو کیوں ترجیح دی۔

میں نے اپنی کتاب "الغزازی کے ۱۱۱" پر حضرت ابوذر کے متعلق امیر المومنین حضرت علیؑ علیہ السلام کے ارشاد "و علیٰ علیٰ یحییہ" کی شرح کرتے ہوئے امام اہل سنت ابن اثیر جزیری کی ایک عبارت تحریر کی ہے جس سے حضرت علیؑ کے جنگ نہ کرنے کی وجہ پر روشنی پڑتی ہے۔ "وہ یہ ہے"

"نہایت اللغت ابن اثیر جزیری کے ۲۳۱ میں ہے: "الاعجاز جمع بحجز و لیس من بحر الشیء یرید بہا آخر الامور" اعجاز: بحر کی جمع ہے جس کے معنی موفرتی کے ہیں اور جس کا مطلب آخر امور تک پہنچنے سے متعلق ہے۔ اس کے بعد علامہ جزیری لفظ اعجاز کی شرح کرتے ہوئے حضرت علیؑ کی ایک حدیث نقل فرماتے ہیں ومن حدیث علیؑ نسا حق ان لعظما نالخذہ وان تمنعہ نکرکب اعجاز الابل وان طال السوی "آپ فرماتے ہیں کہ خلافت ہمارا حق ہے اگر ہمیں دے دیا گیا تو لے لیں گے اور اگر ہمیں روک دیا یعنی ہمیں نہ دیا گیا تو ہم "اعجاز ابل" پر سواری کریں گے۔ یعنی آخر تک اپنے اس حق کے لیے جدوجہد جاری رکھیں گے اور اس میں مدت کی پرواہ نہ کریں گے یہاں تک کہ اسے حاصل کر لیں یہی وجہ ہے کہ "سلمہ و صبر علیؑ التاخیر و لم یقاتل و انما قاتل بعد انعقاد الامامۃ الخ و فتنک اور صبر کے آخر تک بیٹھے رہے اور ظفار وقت سے جنگ نہیں کی۔ پھر جب انھوں نے امامت (خلافت) حاصل کر لی تو (اسے صحیح اصولوں پر چلانے کے لیے) ضروری سمجھا الخ۔"

حضرت علیؑ کا قرآن پیش کرنا

نور الابصار امام شیعہ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے رسول کریمؐ کے زمانہ میں قرآن مجید جمع کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ (جلد ۳ ص ۷۳) صواعق محررقہ ص ۷۶ میں ہے کہ جب آپ کو بیعت ابوبکر کے لیے مجبور کیا گیا اور کہا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن مجید کو مکمل طور پر جمع نہ کر لوں گا۔ روانہ اوڑھوں گا دانقان سیوطی ص ۷۵) و عجیب الیرج اص ۴۴ میں ہے کہ علیؑ کا قرآن تفسیر کے مطابق تھا۔ بحار الانوار۔ و مناقب ج ۲ ص ۶۶ میں ہے کہ امیر المومنین نے پورا قرآن جمع کرنے کے بعد

اسے چادر میں لپیٹا اور لے کر مسجد میں پہنچے اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ یہ وہ قرآن ہے جسے میں نے تنزیل کے مطابق جمع کیا ہے اور جو آنحضرت کی نظر سے گزر چکا ہے، اسے لے لو اور راج کر دو، آپ نے یہ بھی کہا کہ میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے آنحضرت نے حکم دیا تھا کہ انعامِ حجت کے لیے پیش کرنا۔ کتاب فضل الخطاب میں ہے کہ انھوں نے جواب دیا کہ اسے واپس لے جاؤ۔ ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء کے ص ۱۸۳ میں ابن سیرین کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر وہ قرآن قبول کر لیا گیا ہوتا، تو لوگوں کو بے انتہا فائدہ پہنچتا۔

حضرت علیؑ کے محافظ اسلام مشوے

یہ سلسلہ حقیقت ہے کہ حضرت علیؑ اپنے پیش رو حضرت خلفاء کو غادرِ خائن، کاذب، اٹم سمجھتے تھے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۱ طبع نوکشمور) اور ان کی سیرت سے اس درجہ بیزار تھے کہ بموقعِ تقرر خلافت حضرت عثمان، سیرتِ شیخین کی شرط کی وجہ سے تحت چھوڑنا گوارا کیا تھا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت علیؑ اپنے ذاتی جذبات پر خدا و رسولؐ کے جذبات کو مقدم رکھتے تھے، عمرو بن عبدود نے جب جنگِ خندق میں آپ کے چہرہ مبارک کے ساتھ ٹھاپ دہن کے ساتھ بے ادبی کی کھتی اور آپ کو غصہ آگیا تھا تو آپ سینے سے اتر آئے تھے، تاکہ کار خدا میں اپنا ذاتی غصہ شامل نہ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ دل تنگ اور ناراض ہونے کے باوجود، تحفظ و وقارِ اسلام کی خاطر خلفاء کو اپنے مفید مشوروں سے نیازتے رہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو، واقعہ قیصر روم نے خلیفہ روم سے سوال کر دیا کہ آپ کے قرآن میں کونسا ایسا سورہ ہے جو صرف سات آیتوں پر مشتمل ہے۔ اور اس میں سات حروفِ حروفِ تہجی کے نہیں ہیں۔ اس سوال سے عالمِ اسلام میں ٹپل مچ گئی۔ حفاظ نے بہت غور و فکر کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ حضرت عمر نے حضرت علیؑ علیہ السلام کو بلوایا بیجا اور یہ سوال سامنے رکھا۔ آپ نے فرما ارشاد فرمایا کہ وہ سورہ حمد ہے۔ اس سورہ میں سات آیتیں ہیں اور اس میں ث، ج، ح، خ، د، ذ، ر، ز، س، ط، ظ، ف نہیں ہیں۔ (۲) علماء یہود نے خلیفہ دوم سے اصحابِ کف کے بارے میں چند سوالات کئے، آپ ان کا جواب نہ دے سکے اور آپ نے علیؑ کی طرف رجوع کی بھرتی نے ایسا جواب دیا کہ وہ پورے طور پر مطمئن ہو گئے۔ حجرِ اسود کے بوسہ دینے پر حضرت علیؑ نے جو بیان دیا ہے۔ اس سے حضرت عمر کی پشیمانی، بدورِ سا فرہ سیوطی میں موجود ہے (۳) عہدِ اول میں نیز عہدِ ثانی کی ابتداء میں شراب پینے پر ۴۰ کوڑے مارے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے یہ دیکھ کر کہ اس حد سے رعب نہیں جمتا اور لوگ کثرت سے شراب پی رہے ہیں۔ حضرت علیؑ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ چالیس کے بجائے اتنی کوڑے کر دیئے جائیں اور اس کے لیے یہ دلیل پیش کی کہ جو شراب پیتا ہے نشہ میں ہوتا ہے اور جس کو نشہ ہوتا ہے وہ ہذیان بکتا ہے اور جو ہذیان بکتا ہے وہ افتری کرتا ہے و علی

المفتوحی ثمانون ۱۱ اور اقترا کرنے والوں کی متزاسی کوڑے ہیں۔ لہذا شرابی کو بھی آستی کوڑے مارنے چاہیے۔ حضرت عمر نے اسے تسلیم کر لیا۔ (مطالب السؤل ص ۱۰۴) ایک حاملہ عورت نے زنا کیا حضرت عمر نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ زنا عورت نے کیا ہے۔ لیکن وہ بچہ جو بیٹھ میں ہے۔ اس کی کوئی خطا نہیں، لہذا عورت پر اس وقت حد جاری کی جائے جب وضع حمل ہو چکے۔ حضرت عمر نے تسلیم کر لیا اور ساتھ ہی ساتھ کہا۔ "لَا كَلْعَلِي لِهَالِكِ عَمْرٍ" (۵) جنگ میں آپ نے جانے کے متعلق حضرت عمر نے حضرت علی علیہ السلام سے مشورہ کیا (۶) جنگ فارس میں بھی خود شریک جنگ ہونے کے متعلق حضرت علی سے مشورہ لیا موزنین کا اتفاق ہے کہ حضرت علی نے حضرت عمر کو خود جنگ میں جانے سے روکا اور فرمایا کہ اگر آپ شہید ہو جائیں گے تو کس شان اسلام ہوگی۔ . . . الخ حضرت علی کے مشورہ پر حضرت عمر بہادروں کے مسلسل زور دینے کے باوجود جنگ میں شریک نہ ہوئے۔ میرا خیال ہے کہ حضرت علی نے نہایت ہی صاحب مشورہ دیا تھا کیونکہ وہ جنگ بدر اور خیبر اشدق کے واقعات و حالات سے واقف تھے۔ اگر خدا نخواستہ میدان چھوٹ جاتا تو یقیناً کس شان اسلام ہوتی۔ اگر شہادت سے کس شان اسلام کا اندیشہ ہوتا تو حضرت علی سرور یگانہات کو بھی مشورہ دیتے کہ آپ کسی جنگ میں خود نہ جائیے۔ تاریخ میں ہے کہ وہ برابر جاتے اور زخمی ہوتے رہے۔ احد میں تو جان ہی خطہ میں آگئی تھی (۷) مگر امیر علی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے مشورہ سے زمین کی پیائش کی گئی اور مال گداری کا طریقہ راج کیا گیا۔ (۸) آپ ہی کے مشورہ سے سنہ ہجری قائم ہوا۔

مشوروں کے متعلق علماء اسلام کی رائیں

علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ جب حضرت

عمر نے چاہا کہ خود جنگ روم و ایران میں جائیں تو حضرت علی ہی نے ان کو مفید مشورہ دیا۔ جس کو حضرت عمر نے شکریہ کے ساتھ قبول کیا اور وہ اپنے ارادہ سے باز رہے۔ اور حضرت عثمان کو بھی ایسے قیمتی مشورے دیے جن کو اگر وہ قبول کر لیتے تو انہیں حوادث و آفات کا سامنا کرنا پڑتا۔ بعید اللہ امرت سری لکھتے ہیں کہ تمام موزنین متفق ہیں کہ اسلام میں حضرت عمر سے زیادہ کوئی خلیفہ مدبر پیدا نہیں ہوا۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر بہاب میں حضرت علی سے مشورہ لیتے تھے۔ (۹) راجح المطالب ص ۲۲۶ مگر امیر علی لکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے عہد حکومت میں جتنے کام رفاه عام کے ہوئے ہیں وہ سب حضرت علی کے صلاح و مشورہ سے عمل میں آئے۔ (تاریخ اسلام)

مشوروں کے علاوہ جانی امداد

حضرت علی نے صرف مشوروں ہی سے عہد گوشہ نشینی میں اسلام کی مدد نہیں کی بلکہ جانی خدمات بھی انجام دی ہیں۔

مثال کے لیے عرض ہے کہ جب نجد مصر کا موقع آیا تو حضرت علی نے اپنے خاندان کے نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کر لیا اور ان کے ذریعہ سے جنگی خدمات انجام دیے۔ شیخ محمد ابن محمد بن معز مملکت مصر میں مسلمانوں

کی فتوحات کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ مبارکباد کے قابل ہیں حضرت علی کے بھتیجے اور داماد مسلم بن عقیل اور ان کے بھائی جنھوں نے صحارہ مصر میں سخت جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہوئے کہ خون ان کی زردی پر سے جاری تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اونٹ کے جگر کے ٹکڑے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب فتوحات ص ۶۷ طبع ممبئی ۱۸۶۷ء اسی طرح فتح شوشتر کے موقع پر سنہ ۳۰ھ میں آپ کے بھتیجے محمد بن جعفر اور عثمان بن جعفر شہید ہوئے۔ تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۵ بحوالہ تاریخ کامل واستیعاب۔

حضرت علیؑ اور اسلام میں سڑکوں کی تعمیری بنیاد

حضرت علیؑ بذات خود صحرا پر مستقیم تھے۔ اور آپ کو راستوں سے زیادہ دلچسپی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں زمین و آسمان کے راستوں سے واقف ہوں۔ حافظ جبر علی قلندر سیرت علویہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت کا مال و روپیہ لشکر کی راستگی، سرحد کی حفاظت اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتا تھا۔ اور جو اس سے بچ رہتا تھا۔ وہ سڑکوں، پلوں کی تیاری اور سررشتہ تعلیم کے کام میں آتا تھا۔ (اسنہ الانتخاب ص ۲۷ طبع لکھنؤ ۱۳۵۳ھ) اسی سیرت علویہ کی روشنی میں فقہی کتابوں میں سڑک کی تعمیر کی طرف (لفظی سبیل) سے اشارہ کیا گیا ہے (مترشح الاسلام طبع ایران ۱۳۲۷ھ) میں ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد مخصوص جنگی اخراجات ہیں اور ایک قول ہے کہ اس میں راستوں اور پلوں کی تعمیر زاروں کی امداد مسجدوں کی مرمت بھی شامل ہے اور مجاہد کو چاہے وہ اپنے معاملات میں عتی ہی کیوں نہ ہو۔ امداد دینی ضروری ہے سبیل کے معنی راستے کے ہیں اور اس کی اضافت اللہ کی طرف دینے سے بحوالہ مذکورہ ثابت ہوتا ہے کہ سڑک کی تعمیر کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے سڑک کی تعمیر میں پورے انہماک کا ثبوت دیا ہے۔ علامہ ہاشم بحرینی کتاب مدینۃ المعاجز کے ص ۹۷ پر بحوالہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ۷ میل تک اپنے ہاتھوں سے زمین ہموار کی اور سڑک تعمیر فرمائی اور ہریل پر پتھر نصب کر کے ان پر (ہذا میل علی) تحریر فرمایا۔ چونکہ اس زمانہ میں نقل و حمل کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اس لیے ان وزنی پتھروں کو جنھیں بڑے قوی ہیکل لوگ اٹھانے سکتے تھے۔ حضرت علیؑ خود اٹھا کر لے جاتے تھے اور نصب کرتے تھے اور اٹھانے کی شان یہ تھی کہ دو پتھروں کو ہاتھوں میں لے لیتے تھے۔ اور ایک کو پیروں کی ٹھوکروں سے آگے بڑھاتے تھے۔ اس طرح تین تین پتھر لے جا کر ہریل پر تنگ میل نصب کرتے تھے۔ علامہ شبلی نے حضرت عمرؓ کے حکمہ جنگی کی ایجاد کو الفاروقؓ میں بڑے شد و مدت لکھا ہے۔ لیکن حضرت علیؑ کی اس اہم رفاہی خدمت کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ حضرت علیؑ کی یہ وہ بنیادی خدمت ہے۔ جس کا جواب ناممکن ہے۔

حضرت عثمان کی خلافت اور وفات

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت شیخین کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت پھر زیر بحث لایا گیا۔ اور

حضرت علی سے کہا گیا کہ آپ سیرت شیخین پر عمل پیرا ہونے کا وعدہ کیجئے۔ تو آپ کو خلیفہ بنا دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں خدا و رسول اور اپنی صاحب رسے پر عمل کروں گا۔ لیکن سیرت شیخین پر عمل نہیں کر سکتا۔ اس فرمانے کے بعد لوگوں نے اسی کے اقرار کے ذریعہ سے حضرت عثمان کو خلیفہ بنا دیا۔ حضرت عثمان نے اپنے عہد خلافت میں خویش پروری، اقربا نوازی کی۔ بڑے بڑے اصحاب رسول کو جلا وطن کیا۔ بیت المال کے مال میں بے جا تصرف کیا۔ اپنی لڑکی کے لیے عمل تعمیر کرائے مروان بن حکم کو اپنا داماد اور وزیر اعظم بنا لیا۔ حالانکہ رسول اللہ سے شہر بدر کر چکے تھے۔ اور شیخین نے بھی اسے داخل مدینہ نہیں ہونے دیا تھا۔ فدک اس کے حوالے کر دیا۔ بعض معزز اصحاب کو پھوٹایا۔ گورے ہوئے عہد میں جو قرآن راجح تھے انھیں جمع کر کے جلوا دیا۔ جن اصحاب نے اپنے قرآن نہ دیئے انھیں مسجد میں اتنا پھوٹایا کہ پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ حضرت عائشہ ام المومنین کا وظیفہ بند کر دیا اور حضرت محمد ابن ابی بکر کو قتل کرنے کی پوری سازش کی۔ انھیں حالات کی وجہ سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ حضرت عائشہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ "اقتلوا نعتلاً" اس لمبی ڈاڑھی والے کو قتل کرو۔ (روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۱۱۰-۱۱۱ مجمع البحار ص ۲۷۲ نہایہ ابن اثیر ص ۱۶۶) اس فرمانے کے بعد آپ حج کو تشریف لے گئیں۔ آپ کے جانے کے بعد لوگوں نے عثمان کو قتل کر ڈالا۔ جب آپ کو مکہ میں قتل عثمان کی اطلاع ملی تو آپ بہت غمگین ہوئے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کے جنازہ پر حضرت علی مدینہ میں ہونے کے باوجود نماز جنازہ نہیں پڑھ سکے۔ آپ کی لاش گودے پر ڈال دی گئی، اور کتوں نے ایک ٹھانگ کھالی۔ (تاریخ اعظم کوئی)۔ الغرض آپ ۱۸ رزی الحج ۳۵ ہجری ۶۴۰ء میں ۸۸ سال کی عمر میں قتل ہو کر یہودیوں کے قبرستان (حش کوکب) میں دفن ہوئے۔

حضرت علی کی خلافت ظاہری

پیغمبر اسلام کے انتقال کے بعد سے حضرت علی گوشہ نشینی کے عالم میں فرماؤں منصبی ادا فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت کے تین دور اسلام کی تقدیر کے چکر بن کر گزر گئے اور ۳۵ھ میں تخت خلافت خالی ہو گیا۔ ۲۳-۲۴ سال کی مدت حالات کو پرکھنے اور حق و باطل کے فیصلہ کے لیے کافی ہوتی ہے۔ بالآخر اصحاب اس نتیجہ پر پہنچے کہ تخت خلافت حضرت علی کو بلا شرط حوالہ کر دینا چاہیے چنانچہ اصحاب کا ایک عظیم گروہ حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس گروہ میں عراق، مصر، شام، حجاز، فلسطین اور یمن کے نمائندے شامل تھے۔ ان لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا مجھے اس کی طرف رغبت نہیں ہے۔ تم کسی اور کو خلیفہ بنا لو۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ جب لوگوں نے اسلام کے انجام سے حضرت کو ڈرایا، تو آپ نے رضنا ظاہر فرمائی۔ شیخ البلاغۃ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں خلیفہ ہو جاؤں گا تو تمہیں حکم خداوندی ماننا پڑے گا۔ بہر حال آپ نے ظاہری خلافت قبول فرمائی۔ مصنف برین سروے نے لکھا ہے کہ علیؑ ۶۵ھ میں تخت خلافت پر بٹھائے گئے۔ جو حقیقت کے لحاظ سے رسولؐ کی رحلت کے بعد ہی ہونا چاہیے تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۷۲) روضۃ الاحباب میں ہے کہ خلافت ظاہریہ قبول کرنے کے بعد آپ نے جو پہلا خطبہ پڑھا اس کی ابتداء ان لفظوں سے تھی "الحمد لله على احسانه قد رجح الحق الى مكانه" خدا کا لاکھ لاکھ شکر اور اُس کا احسان ہے۔ کہ اس نے حق کو اپنے مرکز اور مکان پر پھر لا موجود کیا۔ تاریخ اسلام اور جامع عباسی میں ہے کہ ۱۸ ذی الحجہ کو حضرت علیؑ نے خلافت ظاہریہ قبول فرمائی اور ۲۵ ذی الحجہ ۶۵ھ کو بیعت عامہ عمل میں آئی۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں ہے کہ جب محمد صاحب نے انتقال فرمایا۔ تو علیؑ میں مذہب اسلام کے مسلم الثبوت سردار ہونے کے حقوق موجود تھے۔ لیکن دوسرے تین صاحب ابوبکر و عمر و عثمان نے جائے خلافت پر قبضہ کر لیا اور علیؑ لقب بہ خلیفہ نہ ہوئے لیکن بعد عثمان ۶۵ھ میں علیؑ خلیفہ ہو گئے۔ علیؑ کے عہد خلافت میں سب سے پہلا کام طلحہ وزیر کی بغاوت کو فرو کرنا تھا۔ انھیں بی بی عائشہ نے بہکایا تھا۔ عائشہ علیؑ کی سخت دشمن تھیں اور خاص انھیں کی وجہ سے علیؑ اب تک خلیفہ نہ ہو سکے تھے۔ (مذہب مکالمہ ص ۲۲) مورخ جرجی زیدان لکھتے ہیں کہ "اگر حضرت عمر کے زمانہ میں جب لوگوں کے دلوں میں نبوت کی دہشت اور رسالت کی ہیبت قائم تھی اور سچا تدین قائم تھا۔ حضرت علیؑ مسلمانوں کے حاکم مقرر ہوتے تو آپ کی حکومت اور سیاست کہیں بہتر اور اعلیٰ ثابت ہوتی اور آپ کے کاموں میں ذرہ برابر بھی ضعف ظاہر نہیں ہوتا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ آپ کے پاس خلافت کی خدمت اس وقت آئی جب لوگوں کی نیتیں فاسد ہو گئی تھیں اور انتظامات ملکی اور اصولی حکومت کے متعلق والیوں اور ماتحتوں کے دلوں میں حس و طمع پیدا ہو گئی تھی اور ان سب سے زیادہ طامع اور مکار معاویہ ابن ابی سفیان تھا۔ کیونکہ اس نے اپنی حکومت جانے کے لیے لوگوں کو دھوکا فریب دے کر، ان کے ساتھ مکر و حیلہ کر کے اور مسلمانوں کا مال بے دریغ لاکر لوگوں کو اپنی طرف کر لیا تھا۔" (تاریخ التمدن الاسلامی ص ۳۷ طبع مصر)۔

فاضل معاصر سید ابن حسن جارجی لکھتے ہیں کہ اگر علیؑ رسولؐ کے بعد ہی خلیفہ تسلیم کر لیتے جاتے تو دنیا منہاج رسالت پر چلتی اور راہوار سلطنت و حکومت دین حق کی شاہراہ پر سرپیٹ دوڑتا مگر مصلحت اور دُور اندیشی کے نام سے جو آئین و رسوم مکران جماعت کا جزو زندگی اور اڑھنا بچھونا بن گئے تھے۔ انھوں نے علیؑ کی پوزیشن ناہموار اور ان کا موقف نااستوار بنا دیا تھا۔ پچھلے دور کی غیر اسلامی رسموں اور

تیار پسند و سبیتوں کی اصلاح کرنے میں ان کو بڑی وقت ہوئی اور پھر بھی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ طبیعتیں عدم مساوات کی شوگر اور معاشرتی عدل سے کوسوں دور ہو چکی تھیں۔ علی نے بیعت کے دوسرے روز بیعت المال کا جائزہ لیا اور سب کو برابر برابرتقسیم کر دیا۔ حبشی غلام اور قرشی سردار دونوں کو دو دو درہم ملے اس پر پیشانی پر سلوٹیں پڑنے لگیں۔ بنی امیہ کو اس دور میں اپنی والگلتی نظر نہ آئی۔ کچھ معاویہ سے جا ملے کچھ ام المومنین عائشہ کے پاس مکہ جا پہنچے، اعثم کوئی کا بیان ہے کہ عائشہ حج سے واپس آ رہی تھیں کہ انھیں قتل عثمان کی خبر ملی۔ انھوں نے نہایت اشتیاق سے پوچھا کہ اب کون خلیفہ ہوا، کہا گیا کہ "علی" یہ سن کر بالکل خاموش ہوئیں۔ عبداللہ ابن سلمہ نے کہا۔ کیا آپ عثمان کی مذمت اور علی کی تعریف نہیں کرتی تھیں۔ اب ناخوشی کا سبب کیا ہے؟ فرمایا آخر وقت میں اس نے توبہ کر لی تھی۔ اب اس کا قصاص چاہنی ہوں۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ عائشہ نے اعلان کرایا کہ جو شخص اسلام کی ہمدردی کرنا اور خون عثمان کا بدلہ لینا چاہتا ہو اور اس کے پاس سواری نہ ہو۔ وہ آئے اُسے سواری دی جائے گی۔ بریف سردے آف ہسٹری کا قول ہے کہ عائشہ جو علی کی پُرانی اور ہمیشہ کی دشمن تھی۔ عداوت میں اس قدر بڑھ گئیں کہ ان کے معزول کرنے کے لیے ایک فوج جمع کر لی۔

حضرت علی کو ایک دوسری وقت یہ درپیش تھی کہ سارا عالم اسلام ان اموی غلاموں اور حاکموں سے تنگ آ گیا تھا۔ جو حضرت عثمان کے عہد میں مامور تھے۔ اگر علی ان کو بدستور رہنے دیتے تو حکومت کے باوجود جمہور کو چین نہ ملتا اور اگر ہٹاتے ہیں تو مخالفوں کی تعداد میں اضافہ کرتے ہیں حکام و عامل عدت سے خود سری کے عادی اور بیت المال کو ختم کرنے کے شوگر ہو چکے تھے۔ اکثر ان میں ایسے تھے جن کے باپ داوا یا عزیز و اقربا علی کی تلوار سے موت کے گھاٹ اتر چکے تھے یا علی کے کھڑے اور بے لوث عدل و انصاف کا تماشا دیکھ چکے تھے۔ ان کو نظر آ رہا تھا کہ علی ہیں تو ہم نہیں رہ سکتے اور رہے بھی تو ہم مانی نہیں کر سکتے۔ انھوں نے وہ مکین گاہ تلاش کی جہاں بیٹھ کر وہ داماد رسول پر تیر چلا سکیں۔ اور وہ مورچے بنائے اور گھاسیاں کھو دیں جن کی آڑ میں چھپ کر وہ نئی حکومت کو بیخ ذہن سے اکھاڑ سکیں۔ طلحہ وزیر جو خود حکومت کے خواہاں اور خلافت کے آرزو مند تھے۔ اور حضرت عائشہ کی حمایت اور مدد ان کو حاصل تھی پہلے تو علی سے بیعت کر بیٹھے، پھر لگے ان سے سازشیں کرنے، ایک دن آئے اور صبر و کوفہ کی حکومت طلب کرنے لگے۔ حضرت علی نے کہا مجھے تمھاری ضرورت ہے۔ مدینہ میں رہو اور روزہ کے کاروبار حکومت میں میری مدد کرو۔ دوسرے دن وہ مکہ جانے کی اجازت مانگنے آئے۔ واشنگٹن ان ریپبلک لکھتا ہے، ایسی حالت میں کہ لب پر تقویٰ اور دل میں مکر تھا۔ یہ عائشہ سے جملے جو مخالفت کے لیے تیار تھیں۔ یہی موت لکھتا ہے۔

علی عقیف ہو گئے لیکن دیکھتے تھے کہ ان کی حکومت جی نہیں ہے۔ گذشتہ خلیفہ کے زمانے میں بہت سی بد عنوانیاں پیدا ہو گئیں تھیں جن میں اصلاح کی ضرورت تھی اور بہت سے صوبے ان لوگوں کے ہاتھ میں تھے جن کی وفاداری پر ان کو مطلقاً اعتماد نہ تھا۔ انھوں نے اصلاح عام کا ارادہ کیا، پہلی اصلاح یہ تھی کہ گورنر ہٹا دیے جائیں۔ لوگوں نے ان کے اس عمل کی موافقت نہ کی۔ مگر علی نے نہ مانا۔ اور گورنروں کی تقرری فرمادی۔ آپ نے حالات حاضرہ کے پیش نظر

گورنروں کی تقرری اس عہدہ پر زیادہ ان لوگوں کو فائز کیا جن پر آپ کو کامل اعتماد تھا اور جو عہدہ سابق میں اپنے حقوق سرداری سے محروم رکھے گئے تھے۔ آپ نے عبداللہ کو یمن کا، سعید کو بحرین کا، سہاح کو تہامہ کا، یحییٰ کو یامامہ کا ققم کو مکہ کا۔ قیس کو مصر کا عثمان بن عیسیٰ کو بصرہ کا۔ عمار کو کوفہ کا اور سہل کو شام کا گورنر مقرر فرما دیا۔

(حضرت علی کو) اصلاح دی گئی کہ وہ معاویہ کو اپنی جگہ رہنے دیں۔۔۔ مگر علی نے ایسی صلاحوں پر توجہ نہ کی، اور قسم کھائی کہ میں راستی سے منحرف امور پر عمل نہ کروں گا۔ احسان اللہ عباسی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں۔ علی نے سیدھے طور پر جواب دیا کہ میں اُمت رسول پر نرسے لوگوں کو حکمران نہیں رکھ سکتا۔ علامہ جرجی زیدان تاریخ تمدن اسلامی میں لکھتے ہیں۔ یہ امر پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ ابو سفیان اور اس کی اولاد نے محض مجبوری کے عالم میں اسلام قبول کیا تھا۔ کیونکہ ان کی اپنی کامیابی سے یا توئی ہو چکی تھی۔ اس لیے معاویہ کو خلافت کی آرزو محض دنیاوی اغراض کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ قریش کے چند چیدیہ چیدیہ سرداران کے پاس جمع ہو گئے۔ اغراض نفسانی کی بنا پر منصب خلافت کا خاندان بنی ہاشم میں جانا ان کو بہت شاق گزر رہا تھا۔

عالم ہنٹے گئے اور کچھ معاویہ کے پاس شام میں اور کچھ ام المومنین عائشہ کے پاس مکہ میں جمع ہوتے گئے۔ ظاہر وزیر مکہ جاکرام المومنین سے ملے اور "انتقام عثمان" کے نام سے ایک تحریک اٹھائی۔ عبداللہ ابن عامر اور یعلیٰ ابن امیہ نے جو معزول گورنر تھے اور بیت المال کا روپیہ لے کر بھاگ آئے تھے۔ مالی امداد دی۔ تاریخ اسلام جلد ۳ صفحہ ۱۶۹ میں ہے کہ بروایت صاحب روضۃ الاحباب و ابن خلدون ابن اثیر یعلیٰ نے جناب عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار جو چھ لاکھ درہم ہوتے ہیں اور کچھ سواونٹ اس غرض سے دیکھے کہ علی سے لڑنے کی تیاری کریں۔ انھیں اونٹوں میں ایک نہایت عمدہ عظیم الحدیث اونٹ تھا جس کا نام "مسک" تھا اور جس کی قیمت بروایت مستودی دو سواونٹ تھی۔ موصوفین کا بیان ہے کہ اسی اونٹ پر سوار ہو کر جناب ام المومنین عائشہ و امداد رسولی زوجہ تھیں حضرت علی علیہ السلام سے لڑیں اور اسی اونٹ کی سواری کی وجہ سے اس لڑائی کو "جنگ جمل" کہا گیا۔

جنگِ حمل

(۳۶ حصہ)

یہ سلسلہ حقیقت ہے کہ حضرت علی قتل عثمان کے بعد ۸ روزی الحجہ ۳۵ھ کو تختِ خلافت پر متمکن ہوئے اور آپ نے عنانِ حکومت سنبھالنے کے بعد سب سے پہلا جو کام کیا وہ قتل عثمان کی تحقیقات سے متعلق تھا۔ تاہم زور پر عثمان اگرچہ کوئی شہادت نہ دے سکیں اور کسی کا نام نہ بتا سکیں۔ نیز ان کے علاوہ بھی کوئی چشمِ دید گواہ نہ مل سکا۔ جس کی وجہ سے فوری سزائیں دی جاتیں۔ لیکن حضرت علی تحقیقات یقیناً کا عزم صمیم کر چکے تھے۔ ابھی آپ کسی نتیجہ پر نہ پہنچنے پاتے تھے کہ مکہ میں سازشیں شروع ہو گئیں۔ حضرت عائشہ جو حج سے فراغت کے بعد مدینہ کے لیے روانہ ہو چکی تھیں اور خلافتِ علی کی خبر پانے کے بعد پھر مکہ میں جا کر فروکش ہو گئی تھیں۔ انھوں نے چار یاران، طلحہ، زبیر، عبداللہ، ابویعلیٰ کے مشورے سے "انتقامِ خونِ عثمان" کے نام سے ایک سازشی تحریک کی بنیاد ڈال دی اور قتل عثمان کا الزام حضرت علی علیہ السلام پر لگا کر لوگوں کو بھڑکانا شروع کر دیا اور اس کا اعلان عام کر دیا کہ جس کے پاس علی سے لڑنے کے لیے مدینہ جانے کے واسطے سواری نہ ہو، وہ ہمیں اطلاع دے ہم سواری کا بندوبست کریں گے۔ اس وقت علی کے دشمنوں کی کمی نہ تھی۔ کسی کو آپ سے بغضِ لہمی تھا۔ کوئی جنگِ بدر میں اپنے کسی عزیز کے مارے جانے سے متاثر تھا۔ کسی کو پروپیگنڈے سے متاثر کر دیا گیا تھا۔ غرضیکہ ایک ہزار افراد حضرت عائشہ کی آواز پر مکہ میں جمع ہو گئے، اور پروگرام بنایا گیا کہ سب سے پہلے بصرہ پر چھاپا مارا جائے۔ پچنانچہ آپ انھیں مذکورہ چاروں افراد کے مہینہ اور سیرہ پر عمل لشکر لے کر بصرہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔ آپ کے ساتھ ازواجِ نبوی میں سے کوئی بھی بی بی نہ گئی۔ حضرت عائشہ کا یہ لشکر جب مقام "ذات العرق" میں پہنچا تو مغیرہ اور سعید ابن عاص نے لشکر سے ملاقات کی اور کہا کہ تم اگر خونِ عثمان کا بدلہ لینا چاہتے ہو تو طلحہ اور زبیر سے لو۔ کیونکہ عثمان کے یہی قاتل ہیں اور اب تمھارے طرف دار بن گئے ہیں۔ تو اریح میں سے کروا لگی کے بعد جب "مقامِ حواب" پر حضرت عائشہ کی سواری پہنچی اور کتے بھونکنے لگے تو ام المومنین نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے۔ کسی نے کہا اسے "حواب" کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ نے ام سلمہ کی یاد دلائی۔ نبوی حدیث کا حوالہ دے کر کہا کہ میں اب علی سے جنگ کے لیے نہیں جاؤں گی۔ کیونکہ رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ میری ایک بیوی پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ حق پر نہ ہوگی۔ لیکن عبداللہ ابن زبیر کے ضد کرنے سے آگے بڑھیں، بالآخر بصرہ جا پہنچیں اور وہاں کے علوی گورنر عثمان بن حنیف پر سجن مارا اور چالیس آدمیوں کو مسجد میں قتل کر دیا اور عثمان بن حنیف کو گرفتار کر کے ان کے سر، ڈاڑھی، موچھ، بھویں اور پلکوں کے بال نچواڑنے

اور انھیں چالیس کوڑے مار کر چھوڑ دیا۔ ان کی مدد کے لیے حکیم ابن سبلہ آئے تو انھیں بھی ستر آدمیوں سمیت قتل کروا گیا۔ اس کے بعد بیت المال پر قبضہ نہ دینے کی وجہ سے ستر آدمی اور شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۵ ربیع الثانی ۳۶ ہجری کا ہے۔ (طبری)

حضرت علیؑ کو جب اطلاع ملی تو آپ نے بھی تیاری شروع کر دی۔ ابھی آپ بصرہ کی طرف روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ مکہ سے ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کا خط آ گیا۔ جس میں لکھا تھا کہ عائشہؓ حکم خدا و رسول کے خلاف آپ سے لڑنے کے لیے مکہ سے روانہ ہو گئی ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں عورت ہوں حاضر نہیں ہو سکتی۔ اپنے بیٹے عمر بن ابی سلمہؓ کو بھیجتی ہوں اس کی خدمت قبول فرمائیے۔ (اعظم کوئی)

حضرت علیؑ آخر ربیع الاول ۳۶ ہجری میں اپنے لشکر سمیت مدینہ سے روانہ ہوئے آپ نے لشکر کی ہمداری محمد حنفیہ کے سپرد کی اور مہینہ پر امام حسن اور مہینہ پر امام حسین کو متعین فرمایا اور سواروں کی سرداری عمار یا سرا اور پیادوں کی نمائندگی محمد ابن ابی بکر کے حوالہ کی اور مقدمہ الجیش کا سردار عبد اللہ ابن عباس کو قرار دیا۔ مقام ربذہ میں آپ نے قیام فرمایا۔ اور وہاں سے کوفہ کے والی ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ فوج روانہ کرے۔ لیکن چونکہ وہ عائشہ کے خط سے پہلے ہی متاثر ہو چکا تھا۔ لہذا اس نے فرمان علوی کو ٹال دیا۔ حضرت کو مقام ذی قار پر حالات کی اطلاع ملی، آپ نے اسے معزول کر کے قرظ ابن کعب کو امیر نامزد کر دیا اور مالک اشتر کے ذریعہ سے دارالامارہ خالی کرایا۔ (طبری) اس کے بعد امام حسن کے ہمراہ ۷ ہزار کوئی اور مالک اشتر کے ہمراہ ۱۲ ہزار کوئی ۶ دن کے اندر ذی قار پہنچ گئے۔ اسی مقام پر اویس قرنی نے بھی پہنچ کر بیعت کی۔ اسی مقام پر ان خطوط کے جواب آئے۔

جو ربذہ سے حضرت نے طلحہ و زبیر کو لکھے تھے جہی میں ان کی حرکتوں کا تذکرہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ اپنی عورتوں کو گھر میں بٹھا کر نامکس رسول کو جو در بدر پھر رہے ہو۔ اس سے باز آ جاؤ۔ جو بات میں اسکیم کے ماتحت قتل عثمان کی رٹ تھی۔ اس کے بعد امام حسن نے ایک خطبہ میں طلحہ و زبیر کے قاتل عثمان ہونے پر روشنی ڈالی۔ حضرت ابھی مقام ذی قار ہی میں تھے کہ مظلوم عثمان بن حنیف آپ کی خدمت میں جا پہنچے۔ حضرت نے عثمان کا حال دیکھ کر بے حد افسوس کیا اور فوراً بصرہ کی طرف روانہ ہو گئے مصنف تاریخ آئمہ لکھتے ہیں کہ عائشہ کے لشکر کی آخری تعداد ۳۰ ہزار اور حضرت علی کے لشکر کی تعداد ۲۰ ہزار تھی ۲۶ ۲۷ علامہ عباسی لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ، طلحہ و زبیر اور عائشہ کے تمام حالات دیکھ کر بے رحمی سے چاہتے تھے کہ لڑائی نہ ہو جب بصرہ کے قریب آپ پہنچے تو قفقاع ابن عمر و کوان لوگوں کے پاس بھیجا اور صلح کی پیش کش کی قفقاع نے جو رپورٹ واپس ہو کر پہنچائی اس سے وہ لوگ تو متاثر ہوئے جو زبیر قیادت عاصم ابن کلب علی کے پاس بطور سفیر آئے ہوئے تھے اور ان کی تعداد سو تھی لیکن عائشہ وغیرہ پر کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ عاصم وغیرہ نے علی کی بیعت کر لی اور اپنی قوم سے

جا کر کہا کہ علی کی باتیں نبیوں جیسی ہیں۔ غرضیکہ دوسرے دن علی بصرہ پہنچ گئے۔ اس کے بعد جبل والے بصرہ سے نکل کر مقام زاہقہ یا خربیبہ میں جا ٹھہرے اور وہاں سے علی کے مقابلہ کے لیے حضرت عائشہ اونت پر سوار ہو کر خود نکل پڑیں حضرت علی نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ عائشہ اور ان کے لشکر پر نہ حملہ کریں نہ ان کا جواب دیں۔ غرضیکہ وہ جنگ کی کوشش کر کے واپس گئیں۔ اس کے بعد علی نے زیاد بن صوحان کو ام المومنین کے پاس بھیج کر جنگ نہ کرنے کی خواہش کی مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

۱۵ جمادی الآخر ۳۳ھ یوم پنجشنبہ بوقت شب طلحہ وزیر نے شیخون مار کر حضرت علی کو سوتے میں قتل کر ڈالنا چاہا۔ لیکن علی بیدار تھے اور تہجد میں مشغول تھے حضرت کو حملہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے حکم جنگ دے دیا۔ اس طرح جنگ کا آغاز ہوا۔

حضرت عائشہ کو طلحہ وزیر لوہے اور چمڑے سے منڈھے ہوئے ہوج میں بیٹھا کر میدان میں لائے اور عماری کا منصب بھی انھیں کے سپرد کیا اور اس

میدان کارزار

کی صورت یہ کہ ہو ج میں جھنڈا نصب کر کے ہمارا ناقہ، عسکر لعلی کے سپرد کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت علی رسول اللہ کے گھوڑے (دلدل) پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان آکھڑے ہوئے اور وزیر کو بلا کر کہا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ اب بھی سوچو اور اس پر غور کرو کہ رسول اللہ نے تم سے کیا کہا تھا اسے وزیر کیا تمھیں خبر سے جنگ کرنے کے لیے منع نہیں کیا تھا یہ سن کر وزیر شرمندہ ہوتے اور واپس چلے آئے۔ لیکن اپنے لڑکے عبد اللہ کے بھڑکانے سے عائشہ کی طرف داری میں برو آسانی سے باز نہ آئے۔ الغرض حضرت علی نے جب دیکھا کہ یہ جبل والے خونریزی سے باز نہ آئیں گے تو اپنی فوج کو خاتری کی تلقین فرمانے لگے۔ آپ نے کہا (۱) بہادرو! صرف دفع دشمن کی نیت رکھنا (۲) ابتدار بہ جنگ نہ کرنا (۳) مقتولوں کے کپڑے نہ اتارنا (۴) صلح کی پیشکش مان لینا اور پیشکش کرنے والے کے ہتھیار نہ لینا (۵) بھلگنے والوں کا تعاقب نہ کرنا (۶) زخمی بیمار اور عورتوں و بچوں پر ہتھیار نہ اٹھانا (۷) فتح کے بعد کسی کے گھر میں نہ گھسنا۔

اس کے بعد عائشہ سے فرمانے لگے تم عنقریب پشیمان ہوگی اور اپنے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم میں کون ایسا ہے جو قرآن کے حوالے سے انھیں جنگ کرنے سے باز رکھے۔ یہ سن کر مسلم نامی ایک جانا باز اس پر تیار ہوا، اور قرآن لے کر ان کے جمیع میں جا گھسا۔ طلحہ نے اس کے ہاتھ کٹوا دیئے۔ پھر شہید کر دیا۔

حضرت علی کے لشکر پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی بڑا بیت طبری آپ نے فرمایا اب ان لوگوں سے جنگ جانا ضروری ہو گئی ہے آپ نے محمد بن حنفیہ کو حکم دیا۔ محمد کافی لڑا کر واپس آئے۔ علی نے علم لے کر ایک زبردست حملہ کیا اور کہا بیٹا اس طرح لڑتے ہیں۔ پھر علم محمد بن حنفیہ کے ہاتھ میں دے کر کہا ہاں بیٹا

آگے بڑھو، محمد حنفیہ انصار لے کر آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ہجرت تک مارتے ہوئے جا پہنچے۔ بالآخر سات دن کے بعد حضرت علی خود میدان میں نکل پڑے اور دشمن کو پسپا کر ڈالا۔

مردان کے ذہر آؤد تیر سے طلحہ مارے گئے اور ذہیر میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ راستہ میں وادی السباع کے قریب عمر بن حرب بوزن نے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد حضرت عائشہ ۱۲ ہزار جرار سمیت آخری حملہ کے لیے سامنے آئیں۔ علوی لشکر نے اس قدر تیر برسائے کہ ہجرت پشت ساہی کی مانند ہو گیا حضرت عائشہ نے کعب ابن اسود کو قرآن دے کر حضرت علی کے لشکر کی طرف بھیجا۔ ماہک اشتر نے اسے راستہ ہی میں قتل کر دیا۔ اس کے بعد عائشہ کے ناقہ کو پلے کر دیا گیا۔ اونٹ ہجرت سمیت گر پڑا۔ اور لوگ بھاگ نکلے۔ حضرت علی نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ ہجرت کے پاس جا کر اس کی حفاظت کریں اس کے بعد خود پہنچ کر کہنے لگے عائشہ تم نے حرم رسول برباد کر دی۔ پھر محمد سے فرمایا کہ انھیں عبد اللہ ابن حنیف خزاعی بصری کے مکان میں ٹھہرائیں۔ حضرت نے کشتوں کو دفن کرنے کا حکم دیا اور اعلان عام کر دیا کہ جس کا سامان جنگ میں رہ گیا ہو تو جامع بصرہ میں آکر لے جائے۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اس جنگ میں ۱۳ ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار حضرت علی کے لشکر والے مارے گئے (مروج الذهب جلد ۵ ص ۷۷) مورخین کا بیان ہے کہ فتح کے بعد عبدالرحمن ابن ابی بکر نے حضرت علی کی بیعت کر لی۔ مسعودی اور عثم کوفی نے لکھا ہے کہ حضرت علی نے عائشہ کو متعدد آدمیوں سے کھلا بھیجا کہ جلد سے جلد مدینہ واپس چلی جاؤ۔ لیکن انھوں نے ایک نہ سنی۔ آخر میں بروایت روضۃ الاحباب و جمیب ایسرو اعمش کوفی امام حسن کے ذریعہ سے کھلا بھیجا کہ اگر تم اب جانے میں تاخیر کرو گی تو میں تمھیں زوجیت رسول سے طلاق دے دوں گا۔ یہ سن کر وہ مدینہ جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔ حضرت علی نے چالیس عورتوں کو مردوں کے سپاہیانہ لباس میں حضرت عائشہ کی حفاظت کے لیے ساتھ کر دیا اور خود بھی بصرہ سے باہر کئی میل تک پہنچانے گئے۔ (الخصری جلد ۲ ص ۹) اور محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ انھیں منزل مقصود تک جا کر پہنچاؤ۔ ایرونگ لکھتا ہے کہ عائشہ کو علی کے ہاتھوں سخت برتاؤ کی امید ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ عالی حوصلہ شخص ایسا نہ تھا جو ایک گروے ہوئے دشمن پر شان دکھاتا۔ انھوں نے عزت کی اور چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کر دیا۔

اس کے بعد حضرت علی نے بصرہ کے بیت المال کا جائزہ لیا ۶ لاکھ درآباد برآمد ہوئے آپ نے سب اہل معرکہ پر تقسیم کر دیا اور عبداللہ ابن عباس کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے یوم دوشنبہ ۱۶ ربیع الثانی ۳۶ھ کو کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچ کر کچھ دنوں قیام کیا اور دوران قیام میں کوفہ عراق خراسان، یمن، مصر اور حرمین کا انتظام کیا۔ غرض شام کے سوا تمام ممالک اسلامی پر حضرت کا تسلط ہو گیا۔ اور قبضہ بیٹھ گیا۔ اور اس اندیشہ سے کہ معاویہ عراق پر قبضہ نہ کر لے کوفہ کو دار الخلافہ بنا لیا۔

ابن خلدون لکھتا ہے کہ جمل کے بعد سیستان میں بغاوت ہوئی حضرت نے ربعی ابن کاس عنبری
کو بھیج کر اسے فرو کرایا۔

خراسان میں رفع بغاوت کیلئے علوی فوج کی جنگ جناب نیر کا لایا جانے

تاریخ اسلامی میں ہے کہ عبد عثمانی میں اہل فارس نے بغاوت و سرکشی کر کے عبد اللہ ابن عمرو والی
فارس کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکر اسلام کو نکال دیا۔ اُس وقت فارس کی لشکر کی چھاؤنی مقام
اصطخر تھا۔ ایران کا آخری بادشاہ یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ اہل فارس کے ساتھ تھا حضرت
عثمان نے عبد اللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کرے۔ اس نے
تعمیل ارشاد کی۔ حدود اصطخر میں زبردست جنگ ہوئی مسلمان کامیاب ہو گئے اور اصطخر فتح ہو گیا
اصطخر کے فتح ہونے کے بعد ۳۳ھ ہجری میں یزدجرد مقام رے اور پھر وہاں سے خراسان اور
خراسان سے مرز جا پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ اس کے ہمراہ چار ہزار آدمی تھے امر میں
وہ خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا۔ اور شاہان عجم کے گورستان اصطخر میں دفن کر دیا گیا
جنگ جمل کے بعد ایران خراسان کے اسی مقام مرد میں سخت بغاوت ہو گئی۔ اس وقت ایران
میں بروایت ارشاد مفید و روضۃ الصفا "حرث ابن جابر جعفی" گور نہ تھے۔ حضرت علی نے مرد
کے قضیہ نامرضیہ کو ختم کرنے کے لیے امدادی طور پر خلید ابن قرہ یربوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی
اور حرث ابن جابر جعفی نے یزدجرد ابن شہریار ابن کسریٰ (جو عبد عثمانی میں مارا جا چکا تھا) کی دو
بیٹیاں عام امیروں میں حضرت علیؑ کی خدمت میں ارسال کیں۔ ایک کا نام "شہر بانو" اور دوسری کا
نام "دیکھان بانو" تھا۔ حضرت نے شہر بانو امام حسین کو اور دیکھان بانو محمد ابن ابی بکر کو عطا فرمائیں۔
ملاحظہ ہو، ارشاد مفید ج ۲ ص ۲۹۳ اعلام الوری ص ۱۵۱ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۵۲۳ عمدۃ الطالب ص ۱۶۱
جامع التواریخ ص ۱۴۹ کشف الغم ص ۸۹ مطالب السؤل ص ۲۶۱ صواعق محرقة ص ۱۲۰ نور الابصار ص ۱۲۶
صحفہ سلیمانہ شرح ارشاد یہ ص ۲۹۱ طبع ایران۔

جنگ صفین

۳۶-۳۷ھ

صفین نام ہے اس مقام کا جو فرات کے غریب جانب یرقہ اور بلس کے درمیان واقع ہے۔
(مجم البلدان ص ۳۷) اسی جگہ امیر المؤمنین اور معاویہ میں زبردست جنگ ہوئی تھی۔ اس جنگ کے
متعلق علماء و مؤرخین کا بیان ہے کہ بانی جنگ جمل عائشہ کی مانند معاویہ بھی لوگوں کو قتل عثمان کے قضیہ

افسانہ کے حوالہ سے حضرت علی کے خلاف بھڑکاتا اور اُبھارتا تھا۔ جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؑ کے شام پر مقرر کئے ہوئے حاکم سہل ابن خنیف نے کوفہ آ کر حضرت کو خبر دی کہ معاویہ نے اعلانِ بغاوت کر دیا ہے، اور عثمان کی کٹی ہوئی انگلیوں اور خون اُود کرنا لوگوں کو دکھا کر اپنا ساہتی بنا رہا ہے اور اور یہ حالت ہو چکی ہے کہ لوگوں نے قسمیں کھالی ہیں کہ خونِ عثمان کا بدلہ لیے بغیر نہ نرم بستر پر سوئیں گے نہ ٹھنڈا پانی پیئیں گے۔ عمرو عاص وہاں پہنچ چکا ہے جو اسے مدد دے رہا ہے۔ حضرت علی نے معاویہ کو ایک خط مدینہ سے، دوسرا کوفہ سے ارسال کر کے دعوتِ بیعت دی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ معاویہ جو جمع لشکر میں مشغول و مصروف تھا۔ ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل لشکر لے کر مقامِ صفین میں جا پہنچا حضرت علی علیہ السلام بھی شوال ۳۶ھ میں نجد اور مدائن ہوتے ہوئے۔ مقامِ رقیہ میں جا پہنچے۔ حضرت کے لشکر کی تعداد ۹۰ ہزار تھی۔ راستہ میں لشکر سخت پیسا ہو گیا، تو ایک راہب کے اشارہ سے حضرت نے زمین سے ایک ایسا چشمہ برآمد کیا جو نبی اور وصی کے سوا کسی کے بس کا نہ تھا۔ اعمام کوئی ۲۱۲ روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۲۹۴) حضرت نے اپنے لشکر کو سات حصوں میں تقسیم کیا۔ اور معاویہ نے بھی سات ٹکڑے کر دیئے۔ مقامِ رقیہ سے روانہ ہو کر آبِ فرات عبور کیا۔ حضرت کے مقدمہ الجیش سے معاویہ کے مقدمہ نے مزاحمت کی اور وہ شکست کھا کر معاویہ سے جا ملا۔ حضرت علی کا لشکر جب وارد صفین ہوا تو معلوم ہوا کہ معاویہ نے گھاٹ پر قبضہ کر لیا ہے اور علی لشکر کو پانی دینا نہیں چاہتا حضرت نے کئی پیغام بھیجے اور بندشِ آب کو توڑنے کے لیے کہا۔ مگر سماعت نہ کی گئی۔ بالآخر فوج نے زبردست حکم کر کے گھاٹ چھین لیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ گھاٹ پر قبضہ کرنے والوں میں امام حسین اور حضرت عباس ابن علی نے کمال برأت کا ثبوت دیا تھا۔ ملاحظہ ہو (ذکر العباسؑ مؤلفہ حقیر) حضرت علی نے گھاٹ پر قبضہ کرنے کے بعد اعلان کر دیا کہ پانی کسی کے لیے بند نہیں ہے۔ مطالبِ السؤل میں ہے کہ حضرت علی بار بار معاویہ کو دعوتِ مصالحت دیتے رہے۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار ماہِ ذی الحجہ میں لڑائی شروع ہوئی اور انفرادی طور پر سارے مہینہ ہوتی رہی۔ محرم ۳۶ھ حج میں جنگِ بندہ رہی اور یکم صفر سے گھسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ ایردنگ لکھتا ہے علی کو اپنی مرضی کے خلاف تلوار کھینچنی پڑی۔۔۔ چار مہینے تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں معاویہ کے ۴۵ ہزار آدمی کام آئے اور علی کی فوج نے اس سے آدھا نقصان اٹھایا۔ ذکر العباس ۳۶ میں ہے۔ کہ امیر المؤمنین اپنی روایتی بہادری سے دشمنِ اسلام کے چھکے چھڑا دیتے تھے عمرو بن العاص اور بشر ابن ارطاة پر جب آپ نے حملے کے تو یہ لوگ زمین پر لیٹ کر بربند ہو گئے۔ حضرت علی نے منہ پھیر لیا یہ اٹھ کر بھاگ نکلے۔ معاویہ نے عمرو عاص پر طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ ”در پناہ عورت خود گیر سختی“ تو نے اپنی شرمگاہ کے صدقہ میں جان بچالی۔ مورخین کا بیان ہے کہ یکم صفر سے سات شبانہ روز جنگ جاری

رہی۔ لوگوں نے معاویہ کو رائے دی کہ علی کے مقابلہ میں خود نکلیں۔ مگر وہ نہ مانے۔ ایک دن جنگ کے دوران میں علی نے بھی یہی فرمایا تھا کہ اے جگر تھارہ کے بیٹے کیوں مسلمانوں کو کٹوا رہا ہے تو خود سامنے آجا۔ اور ہم دونوں آپس میں فیصلہ کن جنگ کر لیں۔ بہت سی تواریخ میں ہے کہ اس جنگ میں نوے لڑائیاں وقوع میں آئیں۔ ۱۱۰ روز تک فریقین کا قیام صفین میں رہا۔ معاویہ کے نوے ہزار اور حضرت علی کے بیس ہزار سپاہی مارے گئے اور ۱۲ صفر ۳۷ھ حج کو معاویہ کی چال بازیوں اور عوام کی بغاوت کے باعث فیصلہ حکمیں کے سوائے سے جنگ بند ہو گئی۔ تواریخ میں ہے کہ حضرت علی نے جنگ صفین میں کئی بار اپنا لباس بدل کر حملہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ ابن عباس کا لباس پہنا۔ ایک بار عباس ابن ربیعہ کا بھیس بدلا۔ ایک دفعہ عباس ابن حارث کا روپ اختیار کیا اور جب کریب ابن صباح حمیری مقابلہ کے لیے نکلا تو آپ نے اپنے بیٹے حضرت عباس کا لباس بدلا اور زبردست حملہ کیا۔ ملاحظہ ہو مناقب احنظب غوار زنی ص ۱۹۶ تلمی، لڑائی نہایت تیزی سے جاری تھی کہ عمار یا سرجن کی عمر ۹۳ سال تھی، میدان میں آنکھ اور ۱۸ شامیوں کو قتل کر کے شہید ہو گئے حضرت علی نے آپ کی شہادت کو بے حد محسوس کیا۔۔۔ ایر ونگ لکھتا ہے کہ عمار کی شہادت کے بعد علی نے بارہ ہزار سواروں کو لے کر پُر غضب حملہ کیا اور دشمنوں کی صفیں لٹ دیں اور مالک اشتر نے بھی زبردست بے شمار حملے کئے دوسرے دن صبح کو حضرت علی نے پھر لشکر معاویہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ لوگوں کو کہ احکام خدا مطلق کئے جا رہے ہیں۔ اس لیے مجبوراً لڑ رہا ہوں اس کے بعد حملہ شروع کر دیا اور کشتوں کے پستے لگ گئے۔

لیلۃ الہریر

جنگ نہایت تیزی کے ساتھ جاری تھی، میمنہ اور طیسرہ عید اللہ اور مالک اشتر کے قبضہ میں تھا، جمعہ کی رات تھی، ساری رات جنگ جاری رہی۔ بروایت اعثم کو فی ۳۶ ہزار سپاہی طرفین کے مارے گئے۔ ۹۰ آدمی حضرت علی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ لشکر معاویہ سے انقیات انقیات کی آوازیں بند ہو گئیں۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور دوپہر تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ مالک اشتر دشمن کے خیمہ تک جا پہنچے قریب تھا کہ معاویہ زوہیں آجائے اور لشکر بھاگ کھڑا ہو ناگاہ عمرو بن عاص نے ۵۰۰ قرآن نیرزد پر بلند کر دیے اور آواز دی کہ ہمارے اور تمہارے درمیان قرآن ہے، وہ لوگ جو معاویہ سے رشوت کھا چکے تھے فوراً تائبید کے لیے کھڑے ہو گئے اور اشعث ابن قیس۔ مسعود ابن ندک زید ابن حصین نے عوام کو اس درجہ درغلا یا کہ وہ لوگ وہی کچھ کرنے پر آمادہ ہو گئے جو عثمان کے ساتھ کر چکے تھے۔ مجبوراً مالک اشتر کو بڑھتے ہوئے قدم اور چلتی ہوئی تلوار روکنی پڑی۔ مورخ کہیں لکھتا ہے کہ امیر شام بھاگنے کا تہیہ کر رہا تھا۔ لیکن یقینی فتح فوج کے جوش اور نافرمانی کی بدولت علی

کے ہاتھ سے چھین لی گئی۔ جرجی زیدان لکھتا ہے کہ نیزوں پر قرآن شریف دیکھ کر حضرت علی کی فوج کے لوگ دھوکا کھا گئے۔ . . . ہاچار علی کو جنگ ملتوی کرنا پڑی۔ بالآخر سبک نے معاویہ کی طرف سے عہد صلہ اور حضرت کی طرف سے ان کی مرضی کے خلاف ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کر کے ماہ رمضان میں بمقام ”دومۃ الجندل“ فیصلہ سنانے کو طے کیا۔

حکمین کا فیصلہ
الغرض ماہ رمضان میں بمقام ”ارح“ چار چار سو افراد سمیت عمرو بن العاص اور ابو موسیٰ اشعری جمع ہوئے اور اپنا وہ باہمی فیصلہ جس کی رُو سے دونوں کو خلافت سے معزول کرنا تھا۔ سنانے کا انتظام کیا۔ جب منبر پر جا کر اعلان کرنے کا موقع آیا تو ابو موسیٰ نے عمرو بن العاص کو کہا کہ آپ جا کر پہلے بیان دیں۔ انھوں نے جواب دیا آپ بزرگ ہیں پہلے آپ فرمائیں۔ ابو موسیٰ منبر پر گئے۔ اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ میں علی کو خلافت سے معزول کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اتر آئے۔ عمرو بن العاص جس سے فیصلہ کے مطابق ابو موسیٰ کو یہ توقع تھی کہ وہ بھی معاویہ کے عزل کا اعلان کر دے گا۔ لیکن اس مکار نے اس کے برعکس یہ کہا کہ میں ابو موسیٰ کی تائید کرتا ہوں اور علی کو حکومت سے ہٹا کر معاویہ کو خلیفہ بنا تا ہوں۔ یہ سُن کر ابو موسیٰ بہت خفا ہوئے۔ لیکن تیر ترکش سے نکل چکا تھا۔ یہ سُن کر مجمع پر سننا ٹا چھا گیا۔ علی نے مسکرا کر اپنے طرفداروں سے کہا کہ میں نہ کہتا تھا کہ دشمن فریب دینے کی فکر میں ہے۔

جنگ نہروان
حکمین کے مہل لغو اور مکارانہ فیصلہ کو حضرت علی اور ان کے طرف داروں نے مسترد کر دیا اور دوبارہ اعلیٰ بیابان پر فوج کشی کا فیصلہ اور تہیہ کر لیا، ابھی اس کی نوبت نہ آنے پائی تھی کہ خوارج کی بغاوت کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ وہ لوگ جو حنین میں جنگ روکنے کے خلاف تھے۔ اب حضرت کے سخت مخالف ہو کر مقام ”حروان“ میں آ رہے ہیں۔ پھر معلوم ہوا کہ وہ لوگ بغداد سے چار فرسخ کے فاصلہ پر بمقام نہروان تیار رخ۔ اشوال شہہ جا پہنچے ہیں اور وہاں مسلمانوں کو ستا رہے ہیں۔ حضرت نے مجبوراً ان پر چڑھائی کی۔ ۱۲ ہزار میں سے کچھ کو ذرا اور مدائن چلے گئے۔ اور کچھ نے بیعت کر لی۔ چار ہزار آگاہہ پیکار ہوئے۔ بالآخر لڑائی ہوئی اور نو آدمیوں کے علاوہ سب مارے گئے۔ اسی جنگ میں مشہور منافق و خارجی ذوالثدیہ بھی مارا گیا جس کا اصل نام موزج تھا۔ اس کے ایک ہاتھ کی جگہ لمبا سا پستان بنا ہوا تھا اسی لیے اسے ذوالثدیہ کہا جاتا تھا۔

محمد ابن ابی بکر کی عبرتناک موت
محمد ابن ابی بکر مہر کے گورنو تھے۔ معاویہ نے چھ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن العاص کو متحدہ سے مقابلہ کے لیے مصر بھیج دیا۔ محمد نے حضرت علی کو واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فوراً جناب مالک اشتر کو ان کی کمک

میں مصر روانہ کر دیا۔ معاویہ کو جب مالک اشتر کی روانگی کا پتہ چلا تو اس نے مقام عریش یا ملزم کے نزدیک
 کو خفیہ لکھ بھیجا کہ مالک اشتر مصر جا رہے ہیں۔ اگر تم انھیں دعوت وغیرہ کے ذریعہ سے قتل کر دو تو میں
 تمہارا خراج بیس سال کے لیے معاف کر دوں گا۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا۔ جب مالک اشتر پہنچے
 تو اس نے دعوت دی اور آپ کے لیے افطار صوم کا انتظام کیا۔ اور دو دھرمیں زیر لاکر دے دیا
 جناب مالک اشتر شہید ہو گئے (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۴۱ و طبری جلد ۶ ص ۵۴۵) ادھر مالک اشتر شہید
 ہوئے۔ ادھر عمر و عاص نے جناب محمد ابن ابی بکر پر مصر میں حملہ کر دیا۔ آپ نے پورا پورا مقابلہ کیا لیکن
 نتیجہ پر گرفتار ہو گئے۔ آپ کو حاویہ ابن خدیج نے معاویہ ابن ابی سفیان کے حکم سے گدھے کی کھال میں
 سی کر زندہ جلا دیا۔ حضرت عائشہ کو جب اس عجزت ناک موت کی خبر ملی تو آپ بے حد رنجیدہ ہوئیں
 اور تاحیات معاویہ اور عمر و عاص کے لیے ہر نماز کے بعد بددعا کرنے کو وطیرہ بنا لیا (تاریخ کامل
 جلد ۳ ص ۱۴۳ حیوۃ الحیوان وغیرہ) اس واقعہ سے امیر المومنین کو بے حد رنج پہنچا اور معاویہ کو
 خوشی ہوئی (طبری ابن خلدون سعودی) یہ واقعہ صفر ۳۵ ہجری کا ہے۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۲۱۶)۔
 کتاب نہایت الارب فی معرفت النساب العرب مولف ابو العباس احمد بن علی بن احمد بن عبد اللہ قلعشندی
 المتوفی ۸۲۵ھ مطبوعہ بغداد ۱۹۰۸ء کے ۲۹۹ کے فٹ نوٹ میں ہے کہ محمد بن ابی بکر کو مدینہ کے
 درمیان سلسلہ حج میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پرورش حضرت علی کی آغوش کرامت میں ہوئی تھی۔ وفات
 ابو بکر کے بعد ان کی ماں اسمانت عیس سے حضرت نے عقد کر لیا تھا۔ حضرت ان کو بے حد چاہتے تھے۔ انھوں
 نے مدینہ میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ جنگ جمل اور صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے۔ ۳۵ھ میں
 امیر المومنین نے انھیں مصر کا گورنر بنا دیا۔ جب جنگ صفین سے امیر المومنین بارہ عراق روانہ ہو
 گئے۔ تو معاویہ نے ایک بڑا لشکر بھیج کر مصر پر حملہ کر دیا۔ کافی جنگ ہوئی بالآخر محمد کو شکست ہوئی۔
 ”اختفی محمد فحرف معاویہ بن خدیج مکانہ قبض علیہ وقتلہ، شد احرقہ“۔ محمد بن
 ابی بکر روپوش ہو گئے۔ لیکن معاویہ نے انھیں تلاش کر کے گرفتار کر لیا۔ پھر انھیں قتل کر کے جلا دیا۔ وکان
 من العباد الزہاد“ وہ بڑے عابد زاہد تھے۔ تاریخ اعمام کوئی کے ص ۲۲۸ میں ہے کہ انھیں گدھے
 کی کھال میں سی کر جلا دیا تھا۔ حضرت محمد بن ابی بکر کی شہادت کے نتیجے میں حضرت عائشہ کو بھی کنویں
 میں گرا کر امیر معاویہ نے ختم کر دیا تھا۔ (جمیہ السیر وغیرہ) اس کی قدرے تفصیل آئندہ آئے گی۔
 اسی سال ۳۵ھ ہجری کے جمادی الثانی کی پندرہ تاریخ
 کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جناب شہر بارہ
 بنشہ یزدجرد ابن شہر بارہ ابن کسری شاہ ایران کے بطن سے پیدا ہوئے۔

امام زین العابدین کی ولادت

اسی سال ۳۵ھ ہجری کے جمادی الثانی کی پندرہ تاریخ
 کو حضرت امام زین العابدین علیہ السلام جناب شہر بارہ

بنشہ یزدجرد ابن شہر بارہ ابن کسری شاہ ایران کے بطن سے پیدا ہوئے۔

ہندوستان میں اسلام سے پہلے حضرت علی بن ابی طالب کے ذریعہ پہنچا

علاقہ "سندھ" سے آل محمد کا خصوصی علاقہ و رابطہ

یہ ظاہر ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسلام کی ساری ذمہ داری امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب پر تھی۔ جس طرح سرکارِ دو عالم اپنے عہد نبوت میں تباہ حیات ظاہری اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اور اسے فروغ دینے میں تن میں وجہ کی بازی لگاتے رہے۔ اسی طرح ان کے بعد امیر المومنین نے بھی اسلام کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے جہد مسلسل اور سعی پیہم کی اور کسی وقت بھی اس کی تبلیغ سے غفلت نہیں برتی۔ یہ اور بات ہے کہ غصب اقتدار کی وجہ سے دائرہ عمل وسیع نہ ہو سکا اور حلقہ اثر محدود ہو کر رہ گیا۔ تاہم فریضہ کی ادائیگی امامت کی خاموش فضا میں جاری رہی۔ یہاں تک کہ اقتدار قدموں میں آیا اور منہاج نبوت پر کام شروع ہو گیا۔ تبلیغ کے محدود حلقے وسیع ہو گئے، امامت خلافت کے دوش بوش آگے بڑھی اور اسلام کی روشنی ممالک غیر میں پہنچنے لگی۔ ہندوستان جو کفر و الجاد، اور غیر اللہ کی پرستش کا مرکز اور عجباد و ماویٰ تھا، امیر المومنین نے دیگر ممالک کے ساتھ ساتھ وہاں بھی اسلام کی روشنی پہنچانے کا عزم محکم کر لیا اور تھوڑی سی جہد جہد کے بعد وہاں اسلام کی کرن پہنچادی اور زمین ہند کو اسلامی تابدگی سے منور کر دیا، امام المومنین ابو محمد عبد اللہ بن مسلم ابن قتیبہ دیوڑی اپنی کتاب "المعارف" کے ص ۹۵ طبع مصر ۱۳۲۷ء میں لکھتے ہیں: "انما بلغ الاسلام فی السندھ اولاً فی زمن امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام مکاشفہ علیہ وقائع کثیرة" اسلام سندھ (ہندوستان) میں سب سے پہلے امیر المومنین علی بن ابی طالب کے عہد میں پہنچا۔ اس پر بہت سے واقعات شاہد ہیں۔ حج نامہ طبری ص ۳۳ میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے ۳۳ حج میں ناظرین و عوارہ کو سرحدات سندھ کی دیکھ بھال کے لیے روانہ کیا۔ یہ روانگی بظاہر اپنے مقصد کیلئے راہ ہموار کرنے کی خاطر تھی اور یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ ہندوستان میں کیونکر داخلہ ہو سکتا ہے، اسی مقصد کیلئے اس سے قبل عبد عثمانی میں، عبد اللہ بن عامر ابن کریم کو مقرر کیا گیا تھا۔ مورخ بلاذری لکھتے ہیں کہ وہ "تغر اللند" کی طرف دریائی مہم پر روانہ ہوئے۔ غرض یہ تھی کہ اس ملک کے حالات سے آگاہی حاصل ہو۔ عبد اللہ بن عامر نے "حکیم بن جبلیہ العدوی کی سرداری میں ایک دستہ سمندر کے رستے روانہ کیا۔ وہ بلوچستان اور سندھ کے مشرقی علاقہ کو دیکھ کے واپس آئے تو عبد اللہ نے ان کو عثمان بن عفان کے پاس بھیج دیا کہ جو کچھ دیکھا ہے جا کے بتا دیں۔ عثمان نے پوچھا اس ملک کا کیا حال ہے۔ کہا، میں نے اس ملک کو چل پھر کے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ عثمان نے کہا مجھ سے اس کی

کیفیت بیان کرو۔ "حکیم بن جبلة" نے کہا کہ ماہراوشل، ثمرہاوقل، اولصمہا بطل، ان قتل الجیش
 فیہا ضاعوا وان کثروا جاعوا۔ وہاں پانی کم، پھل رتوی، چورے باک، لشکر کم ہو تو ضائع جلتے گا
 بہت ہو تو جھوکوں مرے گا۔ یہ سن کر انھوں نے کہا "خبر دے رہے ہو یا سچ کہہ رہے ہو بلولے لے آ کر
 خبر دے رہا ہوں۔ یہ سن کر انھوں نے لشکر کشی کا خیال ترک کر دیا۔ (ترجمہ فتوح البلدان بلاذری جلد ۱ ص ۱۱۳)
 حضرت عثمان جن کا مقصد ملک پر قبضہ کرنا اور فتوحات کی فہرست بڑھانا تھا۔ وہاں کے حالات
 سن کر خاموش ہو گئے اور سندھ وغیرہ کی طرف بڑھنے کا خیال ترک کر دیا۔ لیکن حضرت امیر المومنین علیہ السلام
 جن کا مقصد فتوحات کی فہرست مرتب کرنا تھا۔ بلکہ دین اسلام پھیلانا تھا۔ انھوں نے ناسازگار
 حالات کے باوجود آگے بڑھنے کا عزم بالجبرم کر لیا اور ۳۹ھ میں سندھ پر قابو حاصل کر کے ہندوستان
 میں تبلیغ اسلام کی راہ ہموار کر دی۔

علامہ ابوالظفر الندوی تحریر فرماتے ہیں کہ ۳۹ھ میں حضرت علی علیہ السلام نے حارث بن مرہ عبدی
 کو سندھ پر قابو حاصل کرنے کے لیے بھیجا۔ "فتح السندة فی ذالک السنہ اسی سن میں سندھ فتح ہوا۔
 یہ حضرت علی کا کارنامہ ہے کہ سندھ اعلیٰ ید علی بن ابی طالب و اقام الحکومتہ الاسلامیۃ علی بن ابی
 طالب کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اور حکومت اسلامیہ (پہلے پہل) انھیں کے ہاتھوں قائم ہوئی۔ (تاریخ سندھ
 دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۷ء)

علامہ بلاذری المتوفی ۲۹۹ھ لکھتے ہیں۔ "آخر ۳۸ھ یا اول ۳۹ھ میں حارث بن مرہ عبدی
 نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر کیشیت مطوع سرحد ہند پر حملہ کیا، فتحیاب ہوئے
 کثیر غنیمت ہاتھ آئی، صرف لونڈی غلام ہی اتنے تھے کہ ایک دن میں ایک ہزار تقسیم کئے گئے، حارث
 اور ان کے اکثر اصحاب ارض قیطان میں کام آئے۔ صرف چند زندہ بچے۔ یہ ۳۸ھ کا واقعہ ہے۔
 (ترجمہ فتوح البلدان بلاذری ج ۲ ص ۶۱۳ طبع کراچی۔)

مؤرخ ذاکر حسین کا بیان ہے کہ "صاحب روضۃ الصفا لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں قاسم کی ماتحتی
 میں ایک معتبر فوج روانہ کی گئی جو ۳۸ھ کے اوائل میں سندھ کی فتوحات میں مصروف ہوئی۔ اس نے
 چند مقامات سندھ پر قبضہ کیا۔ قاسم کے بعد ۳۸ھ کے اخیر میں (یا ۳۹ھ کے شروع میں) حارث
 بن مرہ عبدی ایک دوسری فوج کے ساتھ دارالخلافہ سے روانہ کیا گیا اور اس نے ان ممالک میں بہت
 سے ممالک فتح کئے۔ بہت سے ہندو گرفتار کئے گئے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا جو راہ راست دارالخلافہ
 کو روانہ کیا گیا۔ اور ایک دن میں ایک ہزار لونڈی غلام غنیمت کے مال میں تقسیم کئے گئے، حارث
 بن مرہ مدت تک ان بلاد پر قابض رہے۔ (تاریخ اسلام جلد ۳ ص ۲۲۲ طبع دہلی ۱۳۳۱ھ)۔

بادشاہ شہنشاہ بن حریق کا دست امیر المؤمنین پر ایمان لانا

ہندوستان کے لیے فتح سندھ بعد راہ کا ہموار ہو جانا
یقینی تھا اسی لیے سندھ فتح کیا گیا۔ فتح سندھ کے بعد
امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام کے اسلامی جد و جہد

کے آثار تاریخ میں موجود ہیں۔ "مورخ ملاحظہ فرمائیں" "ہندو شاہ" فرشتہ زیر عنوان "ذکر بنائے شہر دہلی
لکھتے ہیں کہ ۳۲۰ء میں واپوتہ راجپوت نے جو کہ طائفہ توران سے تعلق رکھتا تھا، قبضہ اندر پرت کے
پہلو میں دہلی کی بنیاد رکھی تھی۔ پھر ان کے آٹھ افراد نے اس پر حکومت کی۔ پھر زوال حکومت توران
کے بعد طائفہ جوہان کی حکومت قائم ہوئی۔ اس طائفہ کے چھ افراد نے حکومت کی۔ اس کے بعد
سلطان شہاب الدین غوری نے ان کے آخری بادشاہ چھوڑ کر قتل کر دیا پھر امر حکومت شہنشاہ میں
ملوک غور کے اقتدار میں آگئی۔ پھر ملوک غور کے آخری فرمانروا ضحاک تازی پر بادشاہ فریدون کا غلبہ
ہو گیا۔ اور ضحاک کے دو پوتے یا نواسے، سوری اور سام اس کے ہمراہ ہو گئے۔ ایک عرصہ کے بعد
ان دونوں کو فریدون کی طرف سے اپنی تباہی کا دہم پیدا ہو گیا۔ چنانچہ یہ دونوں نہاد بچے گئے۔
اور وہاں حکومت قائم کر لی اور فریدون سے مقابلہ شروع کر دیا، بالآخر فریدون غالب رہا اور ان
لوگوں نے خراج قبول کر کے حکومت قائم رکھی، اور فریت ضحاک اس مملکت میں یکے بعد دیگرے بڑے بڑے
قبیلہ یعنی بادشاہ ہوتا رہا

یہاں تک کہ دور اسلام آگیا اور نوبت شاہی
شہنشاہ تک آ پہنچی۔ اس کا زمانہ عہد امیر المؤمنین
حضرت علی بن ابی طالب میں آیا۔ اس نے
حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھوں پر ایمان قبول کیا
اور مسلمان ہوا اور حکومت غور کا منشور حضرت شاہ
ولایت پناہ کے ہاتھوں بنا۔

تا بوقت اسلام نوبت بہ شہنشاہ رسید و
اورد زمان امیر المؤمنین اسد اللہ الغالب علی
بن ابی طالب علیہ السلام بود و بردست۔
آنحضرت ایمان آوردہ۔ منشور حکومت غور بخط
سبارک شاہ ولایت پناہ یافت۔ (تاریخ فرشتہ
جلد ۵۴ مقالہ دوم ذکر بنائے دہلی و احوال
ملوک غور، طبع نو کشور ۱۲۸۱ء)۔

یہی کچھ طبقات ناصری "مصنفہ ابو عمر منہاج الدین عثمان بن معراج الدین طبع کلکتہ ۱۸۶۲ء ذکر
سلاطین شہنشاہیہ کے طبقہ کے ۱۹۰ میں بھی ہے۔ تاریخ اسلام ذاکر حسین کے جلد ۳ صفحہ ۲۲۲ میں ہے
کہ شہنشاہ، ترکی النسل "تھا۔

مورخ فرشتہ نے شاہ شہنشاہ کا نسب نامہ یوں تحریر کیا ہے۔ شہنشاہ بن حریق بن نصیق ابن
میسسی بن وزن بن حسین بن بہرام بن جیش بن حسن بن ابراہیم بن سعد بن اسد بن شداد بن ضحاک
الکرم ص ۵۴۔

اولادِ شنب کی عملِ نبی اُمیہ سے بیزاری

مورخ ملا محمد قاسم فرشتہ، لکھتے ہیں کہ جس زمانے میں نبی اُمیہ نے یہ اذہر گروی کر رکھی تھی کہ اہل بیت رسول خدا کو تمام ممالکِ اسلامیہ میں منبروں پر بڑا جھلاکھا جاتا تھا۔ اور وہ حکم (بظاہر) یہاں بھی پہنچا ہوا تھا۔ مگر غور میں "اہلِ غور" کے آں امر شیخ نشند "اہلِ غور نے اس امر نامعقول کا ارتکاب نہیں کیا تھا (اور وہ اس عمل میں نبی اُمیہ سے بیزار تھے) تاریخ فرشتہ ص ۵۲، اسی تاریخ فرشتہ کے ص ۵۵ میں ہے کہ جب ابو مسلم مروزی نے بادشاہ وقت کے خلاف خروج کیا تھا اور اس نے اولادِ شنب سے مدد چاہی تھی تو ان لوگوں نے "در قتل اعدائے اہلبیت" تفصیر ذکر کرو: "وشمنانِ آلِ محمد کے قتل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی۔

اولادِ شنب کی وشمنانِ آلِ محمد سے جنگ

ان تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے ذریعہ سے اسلام کے ساتھ ساتھ شیعیت بھی ہندوستان میں پہنچی تھی کیونکہ اولادِ شنب کا طرز عمل شیعیت کا آئینہ دار ہے۔ مورخ ابو محمد محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری المتوفی ۲۶۹ھ تحریر فرماتے ہیں کہ "ان المحسین لما سدا حرفی طریق کوفہ قال علیہ السلام ان لستم

حضرت امام حسینؑ کی راہِ کوفہ سے سندہ جانے کی خواہش

براضین بورد العراق فاتر کونی لا ذہب الی السندہ، جب حضرت امام حسین علیہ السلام کو حرنے کوفہ کے راستے میں روکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اگر میرے عراق میں آنے کو پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو کہ میں سندہ چلا جاؤں۔ اس کے بعد ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ ویعلہ منہ ان اللہ قد بلغ الیہ من قبل۔ "امام حسینؑ کے اس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام اس وقت سے پہلے سندہ میں پہنچ چکا تھا۔ (معارف ابن قتیبہ ص ۹۵ طبع مصر ۱۹۳۲ء بیچ الاحزان ص ۱۶۳)۔

حضرت امام زین العابدینؑ کی ایک زوجہ کا سندھی ہونا

اسلام کا قدیم ترین مورخ ابن قتیبہ اپنی کتاب معارف کے ص ۳۷ پر لکھتا ہے، کانت زوجة لامام زین زین العابدین سندیة وتولد نہا زید الشہید امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک بیوی سندھی تھیں۔ اور اس سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے تھے۔ پھر اسی کتاب کے ص ۹۵ پر لکھتا ہے، اما زید بن علی بن المحسنی فکان بکنی ابالحسن وامام سندیة "زید بن علی بن المحسن کی کنیت ابوالحسن تھی اور ان کی ماں سندھی تھیں۔ ایک اور جگہ لکھتا ہے، "روی ان التی دہبت زین العابدین کانت سندیة" مروی ہے جو بیوی امام زین العابدین کو دی گئی وہ سندھی تھی۔ عبدالرزاق لکھتے ہیں کہ زید شہید امام زین العابدین کی من

بیوی سے پیدا ہوئے وہ سندھی تھی۔ (کتاب زید الشہید ص ۵ طبع نجف اشرف)۔

ان جملہ حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سندھ (ہندوستان) میں نبی اسلام حضرت علی کے ذریعہ سے پہنچا اور اسی کے ساتھ ساتھ شیعیت کی بھی بنیاد پڑی تھی۔ نیز یہ کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو سندھ کے مسلمان پر بھروسہ تھا۔ وہ کوفہ و شام کے مسلمانوں پر سندھ کے مسلمانوں کو ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے راہ کوفہ میں ابن زیاد اور یزید میں معاویہ کے لشکر کے سردار، حرمین یزید ریاحی (جو بعد میں حضرت امام حسین کے قدموں میں شہید ہو کر راہی جنت ہوئے تھے) سے یہ فرمایا تھا کہ مجھے سندھ چلے جانے دو۔ اس کے علاوہ آپ کے فرزند امام زین العابدین نے ایک بیوی سندھ کی اپنے پاس رکھی تھی جس سے حضرت زید شہید پیدا ہوئے تھے۔ یہ تمام امور اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ آل محمد کو علاقہ سندھ سے دلچسپی تھی اور وہ اس کے باشندوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان پر پورا بھروسہ کرتے تھے۔

حضرت علی کی شہادت

(سنہ ۴۰ھ)

کے رامیستر شہدائیں سعادت بہ کعبہ ولادت بر مسجد شہادت

صفین کے سازشی فیصلہ حکمین کے بعد حضرت علی علیہ السلام اس نتیجہ پر پہنچے کہ اب ایک فیصلہ کن حملہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ آپ نے تیاری شروع فرمادی اور صفین و نہر دان کے بعد ہی سے آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ حملہ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ دس ہزار فوج کا افسر امام حسین کو اور دس ہزار فوج کا سردار قیس ابن سعد کو اور دس ہزار کا ایوایوب انصاری کو مقرر کیا۔ ابن غلدون لکھتا ہے کہ فوج کی جو مکمل فہرست تیار ہوئی اس میں چالیس ہزار آدمی موجود تھے۔ سترہ ہزار رنگ روٹ اور آٹھ ہزار مردور پیشہ شامل تھے۔ لیکن کوچ کا دن آنے سے پہلے ابن ہشم نے کام تمام کر دیا۔ مقدمہ بیخ البلاغۃ عبد الرزاق جلد ۲ ص ۱۱۷ میں ہے کہ فیصلہ تو ڈھونگ ہی تھا مگر صفین کی جنگ ختم ہو گئی۔ اور معاویہ جتنی تیاری سے بیخ گئے۔ اب امیر المؤمنین نے کوفہ کا رخ کیا اور معاویہ پر آخری ضرب لگانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ ساتھ ہزار فوج آراستہ ہو چکی تھی اور یلغار شروع ہی ہونے والی تھی کہ ایک خارجی عبد الرحمن ابن ہشم نے دغا بازی سے حملہ کر دیا۔ حضرت امیر المؤمنین شہید ہو گئے۔ ابن ہشم کی تلوار نے حضرت علی کا کام تمام نہیں کیا، بلکہ پوری امت مسلمہ کو قتل کر ڈالا، تاریخ کا دھارا ہی بدل ڈالا۔ ابن ہشم کی تلوار نہ ہوتی تو خلافت منہاج نبوت

پراستوار رہتی۔ ارجح المطالب ص ۴۸ میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ علی کی ڈاڑھی سر کے خون سے رنگین ہوگی۔ تاریخ الفخری ص ۴۳ میں ہے کہ حضرت علیؑ ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور یہ شخصین انھیں دیکھنے کے لئے گئے۔ تو حالت مقیم دیکھ کر آنحضرت سے کہنے لگے کہ شاید علیؑ نہ بچیں گے۔ آپ نے فرمایا ابھی علیؑ کو موت نہیں آئے گی۔ علیؑ کو نبیا کے تمام رنج و غم اٹھانے کے بعد تلوار سے شہید ہوئے صواعق محرقة ص ۸۵ میں ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے تھے کہ میرے سر اور میری ڈاڑھی کو خون سے جو رنگین کرے گا۔ وہ دنیا میں سب سے زیادہ بد بخت ہوگا۔ شرح ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۱۲ میں ہے کہ خالد بن ولید بعض امور شجاعت کی وجہ سے علیؑ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ سیرت حلبیہ جلد ۲ ص ۱۹۹ و بخاری جلد ۱ حالات وغیرہ طائف ص ۲۹ میں ہے کہ رسول اللہ خالد بن ولید پر تیزا کرنے تھے۔ تاریخ ابوالفداء وغیرہ میں ہے کہ خالد نے عمداً ابو بکر میں مالک ابن نویرہ کی بیوی سے زنا کیا تھا۔ تاریخ اعمام کوئی ص ۳۳ و تاریخ طبری جلد ۴ ص ۲۶۲ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے خلیفہ ہوتے ہی خالد کو معزول کر دیا تھا۔ تاریخ طبری جلد ۶ ص ۵۲ و کامل وغیرہ میں ہے کہ ۳۸ھ میں امیر معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کر دیا۔ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۲ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت ابو بکر کے بیٹے محمد کو گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا تھا۔ جس کا حضرت عائشہ کو سخت رنج تھا اور معاویہ کو بدو عاکیا کرتی تھیں تو تاریخ میں ہے کہ معاویہ نے حضرت عائشہ کو کنوئیں میں ڈرا کر زندہ دفن کر دیا۔ ذکر العباس ص ۵۵ میں مختلف تواریخ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ ۲۸ صفر سنہ ۴۰ھ کو واقعہ شہادت حضرت علیؑ کے دن سال بعد امام حسنؑ کو زہر سے معاویہ نے شہید کرایا تھا۔ کشف الغمہ ص ۱۱ میں ہے کہ حضرت علیؑ نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ امیر شام کو اس وقت تک موت نہ آئے گی۔ جب تک وہ میرے سر اور میری ڈاڑھی کو خون آلود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لے گا۔ کتاب تذکرہ محمد و آل محمد جلد ۲ ص ۲۸۸ میں ہے کہ ابن بلعم خارجی تحریک کی اس جماعت کا نمبر تھا جو کسی مضبوط ہاتھ کے اشاروں پر ناچ رہی تھی۔ عین اُس وقت جب علیؑ شام کے حملہ کے لیے روانہ ہوئے کی تیاریاں کر رہے تھے ابن بلعم کا وار کرنا یہ بتا رہا ہے کہ اس کی تہیں بڑی سازش تھی۔ تاریخ الامت والسیاست جلد ۲ ص ۳۳ میں ہے کہ معاویہ نے عہد عثمان میں حضرت عثمان سے قتل علیؑ کی اجازت مانگی تھی۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا تھا۔ کتاب مناقب مکر تفسوی کے ص ۲۶۶ میں حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امیر المومنین کے قتل کے انتظامات ابن بلعم کے ذریعہ سے امیر معاویہ نے کئے تھے جس کا اقرار خود ابن بلعم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

کہ مرا ایں معاویہ فرمود کارکردم کنون نہ وارد سود

میں نے معاویہ کے کہنے سے ایسا فعل کیا۔ مگر افسوس کوئی فائدہ برآمد نہ ہوا۔ ملاحظہ ہو ذکر السباک

ص ۲ کتاب ارجح المطالب ص ۵۳ و طبری جلد ۴ ص ۵۹۹ و روضۃ الاحباب میں ہے کہ عبد الرحمن ابن

لحم نے کوئٹہ پہنچ کر ایک ہزار درہم کی ایک تلواری خریدی اور اُسے زہر میں بچھالیا، اور موقع کی تلاش میں
 کوئٹہ کے گیوں کے چکر کاٹنے لگا۔ اسی دوران میں ایک دن اس کی نظر ایک حسین عورت پر جا پڑی
 جس کا نام قطامہ بنت نجبہ تھا اور جو معاویہ کی رشتہ دار ہوتی تھی۔ ابن ہجم اس عورت کا بے دام غلام
 بن گیا۔ اور اس سے سلسلہ جنسابی شروع کی۔ بالآخر بات ٹھہری اور عقد کا فیصلہ ہو گیا۔ جب مہر کی
 گفتگو ہوئی تو اس نے کہا کہ تین ہزار اشرفیاں اور حضرت علی کا سر لوں گی۔ کیوں کہ انھوں نے اسلامی
 جنگوں میں میرے باپ اور بھائیوں کو قتل کر دیا ہے۔ ابن ہجم نے جواب دیا کہ مجھے منظور ہے۔ لکن
 قصدت القتل علی وما اقدمنی هذا المصیر غیر ذلک؟ خدا کی قسم تو نے ایسی چیز مانگی ہے جس
 کے لیے میں خود اس شہر میں بھیجا گیا ہوں۔ البتہ مجھے بھی اپنے وعدہ کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ اس
 نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ اس عہد و پیمان اور وعدہ و عہد کے بعد، ابن ہجم تنگ و دو سچی و کوشش
 اور جدوجہد میں مشغول ہو گیا۔ صواعق محرقہ صدمہ میں سے کہ ابن ہجم کی اہلاد کے لیے شعیب ابن بحیرہ
 اشجعی بھی تھا۔ روضۃ الشهداء ص ۱۹۸ میں ہے کہ قطامہ نے اور کسی اشخاص اس کی مدد کے لیے عین
 و تہتا کر دیئے۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ قطامہ نے ایسا مہر مانگا جس کی مثال عرب و عجم میں نہیں ہے۔ تاریخ
 احمدی ص ۱۱۱ میں بحوالہ روضۃ الاحباب مرقوم ہے کہ حضرت علی نے زمانہ شہادت قریب ہونے پر
 کئی بار اپنی شہادت کا اشارہ اور کتابہ میں ذکر فرمایا تھا۔ منقول ہے کہ ایک دن آپ خطبہ فرما رہے
 تھے۔ ناگاہ امام حسن دوران خطبہ میں آگئے۔ حضرت علی نے پوچھا بیٹا آج کون سی تاریخ ہے۔ اور
 اس عینہ کے کتنے دن گزر چکے ہیں۔ آپ نے عرض کی بابا جان ۱۳ دن گزر گئے ہیں۔ پھر حضرت نے
 امام حسین کی طرف رخ کر کے پوچھا بیٹا اب عینہ کے ختم ہونے میں کتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔
 امام حسین نے عرض کی بابا جان سترو دن رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ریش مبارک پر ہاتھ
 پھیر کر فرمایا کہ عنقریب قبیلہ رماو کا ایک نامراد میری دائرگی کو سر کے خون سے رنگین کرے گا۔ اخبار
 صحیحہ میں وارد ہے کہ حضرت علی کا اصول یہ تھا کہ آپ ایک ایک دن اپنے بیٹوں کے ہاں افطار
 فرمایا کرتے تھے اور صرف ایک لقمہ تناول کرتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی بیٹی
 ام کلثوم سے فرمایا کہ میں عنقریب تم لوگوں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ یہ سن کر وہ رونے لگیں۔ آپ
 نے فرمایا کہ موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں بیٹی میں نے آج رات کو خواب میں سرور عالم کو دیکھا
 ہے۔ کہ وہ میرے سر سے غبار صاف کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تم تمام فرائض ادا کر چکے۔ اب میرے
 پاس آ جاؤ۔ جمہور توحید کا اتفاق ہے کہ جس رات کی صبح کو آپ شہید ہوئے۔ اس رات میں آپ
 سوئے نہیں یہ رات آپ کی اس طرح گزری کہ آپ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مصلے سے اٹھ کر صبح نماز
 میں آئے اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرماتے تھے کہ میرے آقا سرور کائنات نے سچ فرمایا ہے کہ میں شہید

کیا جاؤں گا لکھتا ہے کہ جب نماز صبح کے ارادے سے باہر نکلے، تو صحن خانہ میں بطون نے دامن تھام
 لیا اور شور مچانے لگیں، کسی نے روکا تو آپ نے فرمایا، مت روکو یہ مجھ پر نوحہ کر رہی ہیں۔ پھر آپ
 دولت سرا سے برآمد ہو کر داخل مسجد کوفہ ہوئے اور گھڑ سناہ اذان پڑھا کر اذان کہنے لگے۔ اس کے بعد نماز میں
 مشغول ہو گئے۔ جب آپ سجدہ اول میں گئے۔ نامراد ابن الجهم مرادمی نے ہر اقدس پر تلوار لگا دی۔
 یہ تلوار اسی جگہ لگی جس جگہ جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کی تلوار ٹک چکی تھی۔ ضرب کے گتے ہی
 آسمان سے آواز آئی۔ "الاقْتل امیر المؤمنین" آگاہ ہو کر امیر المؤمنین قتل ہو گئے۔ اس کے بعد
 آپ زمین پر لوٹنے لگے۔ اور زخم پر مٹی ڈال کر بولے "فزت برب العجبتہ" خدا کی قسم میں نے
 حیات بدی پائی اور کامیاب ہو گیا۔ ضرب لگانے کے بعد ابن جهم جاکھ لوگوں نے تعاقب کیا۔ (کتاب ذکر العباسین ص ۳۸)
 میں ہے کہ آپ کو خنم میں نہایا ہوا دیکھ کر اولاد و اصحاب نے گریہ کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے
 فرمایا بس رو چکو اور مجھے گھر لے چلو۔ یہ سن کر حضرت امام حسن امام حسین اور حضرت عباس نے ایک
 گلیہ میں ڈال کر آپ کو گھر پہنچایا۔ کتاب الکوار ص ۳۷ میں ہے کہ گھر پہنچ کر آپ نے صبح کو مخاطب کر کے
 فرمایا لکہ، تو گواہ رہنا کہ میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور خدا و رسول کی کوئی مخالفت مجھ سے نہیں
 ہوئی۔ تاریخ احمدی ص ۲۱۲ میں ہے کہ کوئی علاج کا اگر نہ ہو اور آپ کی وفات کا وقت آپہنچا تاریخ
 الامامت و اسبابت جلد ۱ ص ۱۵۳ میں ہے آپ کو ایسی زہر سے بھیجی ہوئی تلوار سے زخمی کیا گیا تھا کہ
 سارے اہل مصر کے لیے کافی تھا۔ کتاب رحمة اللعالمین "مصنفہ قاضی محمد سلیمان نج پٹیار کے ص ۱۷
 میں ہے کہ "زخم کو جس پر شہادت ہوئی اکثر بن عمرو سکونی جو شاہان ایران کا طبیب خاص رہ چکا
 تھا۔ اس نے بتایا کہ زخم ام دماغ تک پہنچ گیا ہے اور اب صحت محال ہے۔ تاریخ کمال ابن اثیر
 میں ہے کہ انتقال کے وقت آپ نے نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں جو تقویٰ پر سزگاری عبادت صلہ
 رحم وغیرہ وغیرہ سے متعلق تھیں۔ پھر ایک نوشتہ لکھ کر دیا۔ کتاب اخبار نامہ ص ۱۱۷ میں اور بعض کتب
 تواریخ میں ہے کہ آپ کی خدمت میں شربت میش کیا گیا تو آپ نے تھوڑا سا پی کر قائل کو بھجوا دیا۔
 الاخبار الطوال ص ۳۶ میں ہے کہ حضرت ام کلثوم نے ابن جهم سے کہلایا کہ اے دشمن خدا تو نے
 امیر المؤمنین کو شہید کر دیا، تو اس نے جواب دیا کہ امیر المؤمنین کو نہیں، میں نے تمہارے باپ کو
 قتل کیا ہے، اور ایسی تلوار سے قتل کیا ہے جسے ایک ماہ زہر پلاتا رہا ہوں۔ کشف الانوار ترجمہ
 بحار جلد ۶ ص ۲۱۷ میں ہے کہ آپ نے آخری وقت اپنے سب بیٹوں کو بلا کر امام حسن اور امام حسین کی
 اطاعت اور امداد کا حکم دیا اور فرمایا کہ یہ فرزند ان رسول ہیں۔ اصول کافی ص ۳۱۱ میں ہے کہ جن بیٹوں
 کو ہدایت دی گئی۔ ان کی تعداد بارہ تھی۔ مرقات الایقان جلد ۱ ص ۳۱۱ میں ہے کہ آپ نے اپنی تمام
 اولاد و ازواج کو امام حسن کے سپرد فرمایا۔ مائتقن ص ۲۲۱ میں ہے کہ حضرت عباس کو امام حسین کے حوالہ

کر کے فرمایا کہ یہ تھا راغلام ہے۔ کربلا میں کام آئے گا۔ کتاب عقدا الفرید میں ہے کہ آپ نے امر خلافت
 امام حسن کے پیرو فرمایا۔ کتاب وسیلۃ النجات میں ہے کہ امام حسن حضرت علی کی وصیت کے مطابق امام
 برحق اور عقیقہ وقت قرار پائے۔ تاریخ کامل ابن اثیر، بحار الانوار اعلام الوری ذکر العباس ص ۳۱ میں
 ہے کہ آپ نے ۲۱ رمضان ۳۰ھ حج کو انتقال فرمایا۔ کتاب جامع عباسی ص ۵۹ اور الیعقوبی میں ہے
 کہ شب ۲۱ رمضان کو آپ نے انتقال فرمایا ہے۔ اسی شب کو حضرت عیسیٰ آسمان پر اٹھائے
 گئے۔ حضرت موسیٰ نے رحلت کی اور یوشع ابن نون نے وفات پائی۔ کتاب الامت والیاست
 جلد ۱۵۵ وارشاد مفید ص ۱۱۱ میں ہے کہ امام حسن امام حسین عبداللہ ابی جعفر نے غسل دیا اور محمد حنفیہ
 نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ کفن پہنانے کے بعد حضرت امام حسن نے نماز جنازہ پڑھی۔ رطلہ ابن جبیر
 اندلسی ص ۱۸۹ طبع مصر ۱۹۰۹ء میں ہے کہ آپ کو جس جگہ غسل دیا گیا۔ اسی جگہ حضرت نوح کی بیٹی
 کا گھر تھا۔ صواعق محرقة ص ۱۱۱ میں ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ بعض تواریخ
 میں ہے کہ آپ کی قبر حضرت نوح کی بنائی ہوئی تھی اور آپ کا جنازہ مہرانے کی طرف سے فرشتے
 اٹھائے ہوئے تھے۔ تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ آپ نجف اشرف میں سپرد خاک کئے گئے۔ جو اب
 بھی زیارت گاہ عالم ہے۔ الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۳ میں ہے کہ شہادت علی کے بعد امام حسن نے
 اپنے خطبہ میں فرمایا کہ انھوں نے صرف سات سو دسہم چھوڑے ہیں۔ تیرک حاکم اور یاض النضرہ اور
 ارجح المطالب ص ۶۶ میں ہے کہ جس شب میں حضرت علی شہید ہوئے اس کی صبح کو بیت المقدس کا جو
 پتھر اٹھایا جاتا تھا۔ اس کے نیچے سے خون تازہ برآمد ہوتا تھا۔ تاریخ الیعقوبی جلد ۲ ص ۲۰۳ میں ہے
 کہ حضرت علی کے دفن کے بعد ان کی قبر پر عقاقع بن زرارہ نے ایک تقریر کی جس میں نہایت غم و اندوہ
 کے ساتھ کہا کہ اے مولا! کی زندگی خیر و برکت کی کلید تھی۔ اگر لوگ آپ کو صحیح طریقہ پر مانتے تو شیخ ہی خیر
 پاتے۔ گو دنیا والوں نے دنیا کو دین پر ترجیح دی (اور خیر حاصل نہ کر سکے)۔ انشاء اللہ دنیا و آخرت
 میں جاتیں گے) کتاب انوار الحسینہ جلد ۲ ص ۳۶ میں ہے کہ آپ کی قبر پوشیدہ رکھی گئی تھی۔ مسٹر گین
 کی تاریخ ڈیگاکن اینڈ ہال آف دی رومن ایمپائر میں ہے کہ ظالم بنی امیہ کی وجہ سے علی کی قبر چھپائی
 گئی۔ چوتھی صدی میں ایک قبر روضہ کوفہ کے کھنڈروں کے پاس نمودار ہوگی مشہد علی کوفہ سے
 ۵ میل اور بغداد سے ۱۲۰ میل جنوب میں واقع ہے۔ حیوۃ الیخوان و میری جلد ۲ ص ۱۸۷ میں ہے
 کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کے گرد کھربے لگوائے گئے تھے۔ کتاب سیف المقلدین باب ۵ ص ۲۶۷ میں ہے۔
 کہ مصنف کتاب عبد الجلیل یوسف زی نے آپ کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے
 گر تو سال شہادتش جوئی ستر نام چس را می گوئی

حضرت علیؑ کی شہادت پر مرثیہ

حضرت کی شہادت پر بہت سے شعرا نے مرثیہ لکھے ہیں۔ ہم اس وقت کتاب "رحمة للعالمین" مصنفہ قاضی محمد سلیمان حج ریاست پٹیالہ کے جلد ۲ ص ۱۷۷ سے بکر بن حماد القاہری کے ۱۱ اشعار میں سے صرف تین شعر مع ترجمہ نقل کرتے ہیں۔

قل لابن ملجم والاقدر غالبہ ہدایت ویلک للاسلام ارکانا
ابن ملجم سے کناگو میں جانتا ہوں کہ تقدیر سب پر غالب ہے، کہ کبھی تو نے اسلام کے ارکان کو ڈھایا
قتلت افضل من یشی علی قدم واول الناس اسلاماً وایماننا
وہ شخص جو زمین پر چلنے والوں میں سب سے افضل تھا اور اسلام و ایمان میں سب سے اول
واعلم الناس بالقران ثم بما سن رسولنا شرعاً واسبیانا
اور قرآن و سنت کے جاننے میں سب اعلم تھا، تو نے اسے قتل کیا ہے

حضرت کی ازواج و اولاد

بیویاں موجود تھیں۔ امامہ، اسماء بلی، اور ام النہین آپ نے دس بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں چھوڑیں
ارشاد مفید ص ۱۹۹ وجمہرۃ ابن حزم و تہذیب الاسماء جلد ۱ ص ۲۴۹ میں ہے کہ آپ کے بارہ بیٹے
اور سولہ بیٹیاں تھیں۔ آپ کی نسل پانچ بیٹوں سے بڑھی (۱) امام حسن (۲) امام حسین (۳)
محمد حنیفہ (۴) حضرت عباس (۵) عمر بن علی ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد ۳ ص ۷۷ طبع بمبئی
و ذکر العباس ص ۴۴ طبع لاہور۔

امام محمد کی ماں کا اصلی نام خور اور لقب حنیفہ تھا وہ قبیلہ حنیفہ بن لمیم سے تھیں، محمد بن حنیفہ شہد بصری میں پیدا
ہوئے اور انہوں نے حکیم مجرم شہد حج کو انتقال کیا۔ ان کے زہد و ریاضت اور زور و قوت کی حکایات بہت مشہور
ہیں۔ (کتاب رحمة للعالمین جلد ۲ ص ۱۷۷ طبع لاہور) ابوالعباس احمد بن علی قلعشندی المتوفی ۳۲۱ھ، تحریر
فرماتے ہیں کہ: بنی حنیفہ عدنان کے بکر بن وائل سے متعلق ایک قبیلہ ہے جس کا سلسلہ یہ ہے، بنو حنیفہ بن لمیم بن صعب
بن علی بن بکر بن وائل، یہ پیام میں رہتے تھے۔ (شہادۃ العرب فی انساب العرب ص ۲۲۵۔ طبع نجف
اشرف)۔



ابو محمدؑ

حضرت

امام حسن علیہ السلام

باپ کی شمشیر کا ہمسرے بیٹے کا تم
بازوئے حیدر کی طاقت عامر شہر میں ہے
فتح خیر میں ہے مضر مقصد صلح حسن
مقصد صلح حسن فتح خیر میں ہے
(صابر نقاری آئی ڈی کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۴ حضرت امام حسن علیہ السلام

ولی ذوالمنن حضرت حسن آن سرور خواباں کہ ہر چیز از عدم با قدرتش ممکن زامکان شد
نہے سوئے باطل کے تو انم مدح آن شاہے کہ مداحش خدا، راوی پیغمبر مدح قرآن شد

حضرت امام حسن علیہ السلام، امیر المؤمنین حضرت علی و سیدۃ النساء حضرت فاطمہ کے فرزند اور پیغمبر خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم و محسنہ اسلام حضرت خدیجہ الکبریٰ کے نواسے تھے، آپ کو بھی خداوند تعالیٰ نے معصوم منصوص افضل کائنات اور عالم علم لدنی قرار دیا ہے۔

آپ کی ولادت آپ ۱۵ رمضان ۳۰ھ کی شب کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ولادت سے قبل ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ رسول اکرم کے جسم مبارک کا ایک ٹکڑا میرے گھر میں آ پہنچا ہے۔ خواب رسول کریم سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری لخت جگر فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جس کی پرورش تم کرو گی۔ جو حسین کا کہنا ہے کہ رسول کے گھر میں آپ کی پیدائش اپنی نوعیت کی پہلی خوشی تھی۔ آپ کی ولادت نے رسول کے دامن سے مقطوع النسل ہونے کا وجہ صاف کر دیا۔ اور دنیا کے سامنے سورۃ کوثر کی ایک عملی اور بنیادی تفسیر پیش کر دی۔

آپ کا نام نامی ولادت کے بعد اسم گرامی حمزہ تجویز ہو رہا تھا۔ لیکن سرور کائنات نے بحکم خدا موسیٰ کے وزیر ہارون کے فرزندوں کے شہر و شہتیر نام پر آپ کا نام حسن اور بعد میں آپ کے بھائی کا نام حسین رکھا۔ بحار الانوار میں ہے کہ امام حسن کی پیدائش کے بعد جبریل امین نے سرور کائنات کی خدمت میں ایک سفید ریشمی رومال پیش کیا جس پر حسن لکھا ہوا تھا۔ باہر علم النسب علامہ ابوالحسن کا کہنا ہے کہ خداوند عالم نے فاطمہ کے دونوں شاہزادوں کا نام انظار عالم سے پوشیدہ رکھا تھا۔ یعنی ان سے پہلے حسن و حسین نام سے کوئی موشوم نہیں ہوا تھا۔ کتاب اعلام الوری کے مطابق یہ نام بھی لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

زبان رسالت دھن امامت میں

علی الشرائع میں ہے کہ جب امام حسن کی ولادت ہوئی اور آپ سرور کائنات کی خدمت میں لائے

گئے تو رسول کریمؐ بے انتہا غوش ہوئے۔ اور ان کے دہن مبارک میں اپنی زبان اقدس دے دی۔ بھارا لوار میں ہے کہ آنحضرتؐ نے نو زائیدہ بچے کو آغوش میں لے کر پیار کیا اور دہنے کان میں زبان اور بائیں میں اقامت فرمانے کے بعد اپنی زبان ان کے منہ میں دے دی، امام حسن اُسے چوسنے لگے۔ اس کے بعد آپ نے دعا کی خدایا اس کو اور اس کی اولاد کو اپنی پناہ میں رکھنا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ امام حسن کو معاب دہن رسول کم اور امام حسین کو زیادہ چوسنے کا موقع دستیاب ہوا تھا۔ اسی لیے امامت نسل حسین میں مستقر ہو گئی۔

آپ کا حقیقہ

آپ کی ولادت کے ساتویں دن سرور کائنات نے خود اپنی دست مبارک سے حقیقہ فرمایا اور بالوں کو منڈوا کر اس کے ہم وزن چاندی تصدق کی (اسد الغابۃ جلد ۳ ص ۱۳) علامہ کمال الدین کا بیان ہے کہ حقیقہ کے سلسلے میں نمودار کیا گیا تھا۔ (مطالب السؤل صفحہ ۲۲) کافی کلینی میں ہے کہ سرور کائنات نے حقیقہ کے وقت جو دُعا پڑھی تھی اس میں یہ عبارت بھی تھی۔ "اللہم عظمها بعظمہ، لحملها بالمحم، دمها بدمہ وشعرها بشعرہ اللہم اجعلها وقاد لعمادہ والدم" خدایا اس کی ہڈی مولود کی ہڈی کے عوض۔ اس کا گوشت اس کے گوشت کے عوض۔ اس کا خون اس کے خون کے عوض، اس کا بال اس کے بال کے عوض قرار دے اور اسے محمد و آل محمد کے لیے ہر بلا سے نجات کا ذریعہ بنا دے۔ امام شافعیؒ کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے امام حسن کا حقیقہ کر کے اس کے سفت ہونے کی دائمی بنیاد ڈال دی۔ (مطالب السؤل صفحہ ۲۲) بعض معاصرین نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے آپ کا ختنہ بھی کرایا تھا۔ لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ امامت کی شان سے محتون پیدا ہونا بھی ہے۔

کنیت و القاب

آپ کی کنیت صرف ابو محمد تھی اور آپ کے القاب بہت کثیر ہیں۔ جن میں طیب و تقی اور سبط و سید زیادہ مشہور ہیں۔ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کا "سید" لقب خود سرور کائنات کا عطا کردہ ہے۔ (مطالب السؤل صفحہ ۲۲) زیارت عاشورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا لقب ناصح اور امین بھی تھا۔

امام حسنؑ پیغمبر اسلام کی نظر میں

پیغمبر حقیقت ہے کہ امام حسنؑ پیغمبر اسلام کے نواسے تھے۔ لیکن قرآن مجید نے انہیں فرزند رسول کا درجہ دیا ہے اور اپنے دامن میں جا بجا آپ کے تذکرہ کو جگہ دی ہے۔ خود سرور کائنات نے بیشمار

احادیث آپ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں حسین کو دوست رکھتا ہوں اور جو انھیں دوست رکھے اسے بھی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں نے رسول کریم کو اس حال میں دیکھا ہے کہ وہ ایک کندھے پر امام حسن کو اور ایک پر امام حسین کو بٹھائے ہوئے لیے جا رہے ہیں اور باری باری دونوں کا منہ چومتے جاتے ہیں۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت نماز پڑھ رہے تھے اور حسین آپ کی پشت پر سوار ہو گئے۔ کسی نے روکنا چاہا تو حضرت نے اشارہ سے منع فرمایا (اصابہ جلد ۲ ص ۱۱۱) ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں اس دن سے امام حسن کو بہت زیادہ دوست کھنے لگا ہوں جس دن میں نے رسول کی آغوش میں بیٹھ کر انھیں ان کی ڈاڑھی سے کھیلتے دیکھا (نور الابصار ص ۱۱۹) ایک دن سرور کائنات امام حسن کو کندھے پر سوار کئے ہوئے کہیں لیے جا رہے تھے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے صاحبزادے تمھاری سواری کس قدر اچھی ہے۔ یہ سن کر آنحضرت نے فرمایا یہ کہو کہ کس قدر اچھا سوار ہے (الرد القاب جلد ۲ ص ۱۵۱ بحوالہ ترمذی) امام بخاری اور امام مسلم لکھتے ہیں کہ ایک دن رسول خدا امام حسن کو کندھے پر بٹھائے ہوئے فرما رہے تھے۔ خدایا میں اسے دوست رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر حافظ ابو نعیم البکرہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت نماز جماعت پڑھا رہے تھے کہ ناگاہ امام حسن آگئے اور وہ دوڑ کر پشت رسول پر سوار ہو گئے۔ یہ دیکھ کر رسول کریم نے نہایت نرمی کے ساتھ سر اٹھایا۔ اختتام نماز پر آپ سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو فرمایا یہ میرا گل امید ہے۔

”ابنی ہذا سید“ یہ میرا بیٹا سید ہے اور دیکھو یہ عنقریب دوڑے گرد ہوں میں صبح کرانے گا۔

امام نسائی عبد اللہ ابن شداد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نماز عشا پڑھانے کے لیے آنحضرت تشریف لائے۔ آپ کی آغوش میں امام حسن تھے۔ آنحضرت نماز میں مشغول ہو گئے۔ جب سجدہ میں گئے تو اتنا طول کر دیا کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ شاید آپ پر وحی نازل ہونے لگی ہے۔ اختتام نماز پر آپ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ تو فرمایا کہ میرا فرزند میری پشت پر آگیا تھا۔ میں نے یہ نہ چاہا کہ اسے اس وقت تک پشت سے اتاروں، جب تک کہ وہ خود نہ اتر جائے۔ اس لیے سجدہ کو طول دینا پڑا۔ حکیم ترمذی اور نسائی و ابوداؤد نے لکھا ہے کہ آنحضرت ایک دن موحیہ تھے کہ حسین آگئے اور حسن کے پاؤں دامن عبا میں اس طرح الجھے کہ زمین پر گر پڑے، یہ دیکھ کر آنحضرت نے خطبہ ترک کر دیا اور منبر سے اتر کر انھیں آغوش میں اٹھالیا اور منبر پر لے جا کر خطبہ شروع فرمایا۔ (مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

آل محمد کی سرداری مسلمات سے ہے، علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے۔

امام حسن کی سرداری جنت

”الحسن والحسين سيد شباب اهل الجنة والبواخير منها“ حسن اور حسين جوانان بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد بزرگوار یعنی علی ابن ابی طالب ان دونوں سے بہتر ہیں۔ جناب خلیفہ مہدی کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت کو ایک دن بہت زیادہ مسرور پکار کر عرض کی مولا آج افراطِ شادمانی کی کیا وجہ ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے آج جبریل نے یہ بشارت دی ہے کہ میرے دونوں فرزند حسن و حسین جوانانِ بہشت کے سردار ہیں اور ان کے والد علی ابن ابی طالب ان سے بھی بہتر ہیں۔ (کنز العمال جلد ۱ ص ۱۰۷ صواعق مخرقة ص ۱۱) اس حدیث سے اس کی بھی وضاحت ہوگئی کہ حضرت علی صرف سید ہی نہ تھے بلکہ فرزند ان سیادت کے باپ تھے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ایک دن ابوسفیان حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ آپ آنحضرت سے سفارش کر کے ایک

جندیہ اسلام کی فراوانی

ایسا معاہدہ لکھوادیتے جس کی رو سے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکوں۔ آپ نے فرمایا کہ آنحضرت جو کچھ کہ چکے ہیں اب اس میں سر مو فرق نہ ہوگا۔ اس نے امام حسن سے سفارش کی خواہش کی، آپ کی عمر اگرچہ اس وقت صرف ۱۳ ماہ کی تھی۔ لیکن آپ نے اس وقت ایسی جرات کا ثبوت دیا جس کا تذکرہ زبان تاریخ پر سے رکھا ہے کہ ابوسفیان کی طلب سفارش پر آپ نے دوڑ کر اس کی ڈاڑھی پکڑ لی اور ناک مروڑ کر کما کلمہ شہادت زبان پر جاری کر دی۔ تمھارے لیے سب کچھ ہے یہ دیکھ کر امیر المومنین مسرور ہو گئے (مناقب آل ابی طالب جلد ۴ ص ۴۶)۔

امام حسن اور ترجمانی وحی

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن کا یہ وظیفہ تھا کہ آپ انتہائی کم سنی کے عالم میں اپنے نانا پر نازل ہونے والی وحی من عن ابیہی والدہ ماجدہ کو سنا دیا کرتے تھے ایک دن حضرت علی نے فرمایا کہ اے بنتِ سول میرا جی چاہتا ہے کہ میں حسن کو ترجمانی وحی کرتے ہوئے خود دیکھوں، اور سنوں، تیدہ نے امام حسن کے پہنچنے کا وقت بتا دیا۔ ایک دن امیر المومنین حسن سے پہلے داخل خانہ ہو گئے اور گوشہ خانہ میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ امام حسن حسب معمول تشریف لائے اور ماں کی آغوش میں بیٹھ کر وحی سنانا شروع کر دی۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد عرض کی ”یا اماہ قد تلج لاج لسانی وکل بیانی لعل سیدتی یوانی“ ماورگرمی آج زبانِ وحی ترجمان میں لکنت اور بیان مقصد میں رکاوٹ ہو رہی ہے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے میرے بزرگ شرم مجھے دیکھ رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت امیر المومنین نے دوڑ کر امام حسن کو آغوش میں اٹھالیا۔ اور بوسہ دینے لگے۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۱۹)۔

حضرت امام حسنؑ کا بچپن میں لوح محفوظ کا مطالعہ کرنا

امام بخاری رقمطراز ہیں کہ ایک دن کچھ صدقہ کی کھجوریں آئی ہوئی تھیں۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ اس کے ڈھیر سے کھیل رہے تھے اور کھیل ہی کے طور پر امام حسنؑ نے ایک کھجور دین اقدس میں رکھ لی، یہ دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا اے حسنؑ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے؟ کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے۔ (صحیح بخاری پارہ ۶ ص ۵۲)۔

حضرت حجۃ الاسلام شہید ثنائت قاضی نور اللہ شوشتریؒ تحریر فرماتے ہیں کہ امامؑ پر اگرچہ وحی نازل نہیں ہوتی لیکن اس کو الہام ہوتا ہے اور وہ لوح محفوظ کا مطالعہ کرتا ہے جس پر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا وہ قولی دلائل کرتا ہے۔ جو انھوں نے صحیح بخاری کی اس روایت کی شرح میں لکھا ہے جس میں آنحضرتؐ نے امام حسنؑ کے شیر خوارگی کے عالم میں صدقہ کی کھجور کے نمٹہ میں رکھ لینے پر اعتراض فرمایا تھا۔ ”لے کخ اما تعلم ان الصدقة علینا حرام“ تھو کو تھو کو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم لوگوں پر صدقہ حرام ہے اور جس شخص نے یہ خیال کیا کہ امام حسنؑ اس وقت دودھ پیتے تھے۔ آپؑ پر ابھی شرعی پابندی نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے ان پر کیوں اعتراض کیا۔ اس کا جواب علامہ عسقلانیؒ نے اپنی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں دیا ہے کہ ”امام حسنؑ اور دوسرے بچے برابر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان الحسنؑ بطالع لوح المحفوظ“ امام حسنؑ شیر خوارگی کے عالم میں بھی لوح محفوظ کا مطالعہ کیا کرتے تھے۔ (احقاق الحق ج ۱ ص ۱۷۷)

خلیفہ اول کو منبر رسولؐ سے اترنے کا حکم

علامہ ابن حجر اور امام سیوطی رقمطراز ہیں کہ امام حسنؑ ایک دن مسجد رسولؐ سے گزرے۔ آپؐ

نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر منبر رسولؐ پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپؐ سے رہا نہ گیا اور آپ منبر کے قریب تشریف لے جا کر فرمانے لگے۔ ”انزل عن منبر ابی؟ میرے باپ کے منبر سے اتر آؤ، یہ تمہارے بیٹھے کی جگہ نہیں ہے۔ یہ منبر کروہ منبر سے اتر آئے اور امام حسنؑ کو اپنی آغوش میں بٹھالیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۰ تاریخ الخلفاء ص ۵۵ ریاض النضر ص ۱۲۵)۔

امام حسنؑ کا بچپن اور مسائل علمیہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت امہؑ معصومین علیہم السلام کو علم لدنی ہوا کرتا تھا۔ وہ دنیا میں تحصیل علم کے محتاج نہیں ہوا کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بچپن میں ہی ایسے مسائل علمیہ سے واقف ہوتے تھے جن سے دنیا کے عام علماء اپنی زندگی کے آخری عمر تک بے بہرہ رہتے تھے۔ امام حسنؑ جو خانوادہ رسالت کی ایک فرد اکمل اور سلسلہ عصمت کی ایک مستحکم کڑی تھے، کے بچپن کے حالات واقعات

دینے جائیں تو میرے دعویٰ کا ثبوت مل سکے گا۔

(۱) مناقب ابن شہر آشوب میں بحوالہ شرح اخبار قاضی نعمان مرقوم ہے کہ ایک سال حضرت ابو بکر کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا کہ میں نے حالت احرام میں شتر مرخ کے چند انڈے بھون کر کھالیے ہیں۔ بتائیے کہ مجھ پر کیا کفارہ واجب الادا ہوا۔ سوال کا جواب چونکہ ان کے پاس کا نہ تھا اس لیے عرق ندامت پیشانی خلافت پر آگیا۔ ارشاد ہوا کہ اسے عبدالرحمن بن عوف کے پاس لے جاؤ۔ جو ان سے سوال ڈھرایا تو وہ بھی خاموش ہو گئے اور کہا کہ اس کا حل تو امیر المؤمنین کر سکتے ہیں۔ سال حضرت علی کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے سال سے فرمایا کہ میرے دو چھوٹے بچے جو سامنے نظر آرہے ہیں ان سے دریافت کر لے۔ سال امام حسن کی طرف متوجہ ہوا اور مسئلہ دہرایا۔ امام حسن نے جواب دیا کہ تو نے جتنے انڈے کھائے ہیں اتنی ہی عمدہ اذنتیاں لے کر انھیں حاملہ کرا۔ اور ان سے بچے پیدا ہوں انھیں راہ خدا میں ہدیہ خانہ کعبہ کر دے۔ امیر المؤمنین نے ہنس کر فرمایا کہ بیٹا جواب تو بالکل صحیح ہے لیکن یہ تو بتاؤ کہ کیا ایسا نہیں ہے کہ کچھ حمل ضائع ہو جاتے ہیں اور کچھ بچے مر جاتے ہیں۔ عرض کی بابا جان بالکل درست ہے۔ مگر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ کچھ انڈے بھی خراب اور گندے نکل جاتے ہیں۔ یہ سن کر سال پکار اٹھا کہ ایک مرتبہ اپنے عہد میں سلیمان بن داؤد نے بھی یہی جواب دیا تھا۔ جیسا کہ میں نے اپنی کتابوں میں دیکھا ہے۔

(۲) ایک روز امیر المؤمنین مقام جبر میں تشریف فرماتے۔ اور حسین بھی وہاں موجود تھے ناگاہ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ میں آپ کی رعایا اور ال بلد (شہری) ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو جھوٹا بولتا ہے تو نہیری رعایا میں سے ہے اور نہ میرے شہر کا شہری ہے۔ بلکہ تو بادشاہ روم کا فرستادہ ہے مجھے اس نے معاویہ کے پاس چند مسائل دریافت کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ اور اس نے میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اس نے کہا یا حضرت آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے۔ مجھے معاویہ نے پوشیدہ طور پر آپ کے پاس بھیجا ہے اور اس کا حال خداوند عالم کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہے، مگر آپ برہم امامت سمجھ گئے آپ نے فرمایا کہ اچھا اب ان مسائل کے جوابات ان دو بچوں میں سے کسی ایک سے پوچھ لے۔ وہ امام حسن کی طرف متوجہ ہو کر چاہتا تھا کہ سوال کرے کہ امام حسن نے فرمایا کہ اسے شخص تو یہ دریافت کرنے آیا ہے کہ (۱) حق و باطل میں کتنا فاصلہ ہے (۲) زمین و آسمان تک کتنی مسافت ہے (۳) مشرق و مغرب میں کتنی دوری ہے۔ (۴) قوس قزح کیا چیز ہے (۵) مخنث کسے کہتے ہیں (۶) وہ دس چیزیں کیا ہیں جن میں سے ہر ایک کو خداوند عالم نے دوسرے سے سخت اور فائق پیدا کیا ہے (۷) حق و باطل میں چار انگشت کا فرق و فاصلہ ہے۔ اکثر و بیشتر جو کچھ آنکھ سے دیکھا حق ہے۔ اور جو کان سے سنا باطل ہے۔ (آنکھ سے دیکھا ہوا یقینی۔ کان سے سنا ہوا محتاج تحقیق۔ زمین

اور آسمان کے درمیان اتنی مسافت ہے کہ مظلوم کی آہ اور آنکھ کی روشنی پہنچ جاتی ہے مشرق و مغرب میں اتنا فاصلہ ہے کہ سورج ایک دن میں طے کر لیتا ہے اور قوس قزح اصل میں قوس خدا ہے اس لیے کہ قزح شیطان کا نام ہے۔ یہ فراوانی زرق اور اہل زمین کے لیے عرق سے امان کی علامت ہے۔ اس لیے اگر یہ خشکی میں نمودار ہوتی ہے تو بارش کے علامات میں سے سمجھی جاتی ہے اور بارش میں نکلتی ہے تو ختم باران کی علامات میں سے شمار کی جاتی ہے۔ محنت وہ ہے جس کے متعلق یہ معلوم نہ ہو کہ مرد ہے یا عورت اور اس کے جسم میں دونوں کے اعضا ہوں۔ اس کا حکم یہ ہے کہ تا حد بلوغ انتظار کریں اگر مختلم ہو تو مرد اور حائض ہو اور بستان ابھر آئیں تو عورت۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو دیکھنا چاہیے کہ اس کے پیشاب کی دھار سیدھی جاتی ہے یا نہیں اگر سیدھی جاتی ہے تو مرد ورنہ عورت۔ اور وہ دس چیزیں جن میں سے ایک دوسرے پر غالب و قوی ہے وہ یہ ہیں کہ خدا نے سب سے زائد سخت پتھر کو پیدا کیا ہے۔ مگر اس سے زیادہ سخت لوہا ہے جو پتھر کو بھی کاٹ دیتا ہے اور اس سے زائد سخت قوی آگ ہے جو لوہے کو کھلا دیتی ہے اور آگ سے زیادہ سخت قوی پانی ہے جو آگ کو بجھا دیتا ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ابر ہے۔ جو پانی کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہے اور اس سے زائد قوی ہوا ہے جو ابر کو اڑائے پھرتی ہے اور ہوا سے زائد سخت و قوی فرشتہ ہے جس کے ہوا محکوم ہے اور اس سے زائد سخت و قوی ملک الموت ہے جو فرشتہ باد کی بھی روح قبض کر لیں گے اور ملک الموت سے بھی زائد سخت و قوی موت ہے جو ملک الموت کو بھی مار ڈالے گی۔ اور موت سے زائد سخت و قوی حکم خدا ہے جو موت کو بھی ٹال دیتا ہے۔ یہ جو بات سن کر سائل پھر سک اٹھا۔

(۳) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک شخص کے ہاتھ میں خون آلود چھری ہے اور اسی جگہ ایک شخص ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ جب اُس سے پوچھا گیا کہ تو نے اسے قتل کیا ہے، تو اس نے کہا ہاں۔ لوگ اسے جسد مقتول سمیت جناب امیر المومنین کی خدمت میں لے چلے۔ اتنے میں ایک اور شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کہنے لگا کہ اسے چھوڑ دو۔ اس مقتول کا قاتل میں ہوں۔ اُن لوگوں نے اُسے بھی ساتھ لے لیا اور حضرت کے پاس لے گئے۔ سارا قصہ بیان کیا۔ آپ نے پہلے شخص سے پوچھا کہ جب تو اس کا قاتل نہیں تھا تو کیا وجہ ہے کہ اپنے کو اس کا قاتل بیان کیا۔ اس نے کہا یا مولایں قصاب ہوں۔ گو سفند ذبح کر رہا تھا کہ مجھے پیشاب کی حاجت ہوئی۔ اس طرح خون اُلو د چھری ہاتھ میں لیے ہوئے اس غراب میں چلا گیا۔ وہاں دیکھا کہ یہ مقتول تازہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اتنے میں لوگ آگے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس وقت جبکہ قتل کے سارے قرآن موجود ہیں میرے انکار کو کون باور کرے گا۔ میں نے اقرار کر

لیا پھر آپ نے دوسرے سے پوچھا کہ تو اس کا قاتل ہے۔ اس نے کہا۔ جی ہاں۔ میں ہی اسے قتل کر کے چلا گیا تھا۔ جب دیکھا کہ ایک قصاب کی ناحق جان چلی جائے گی، تو حاضر ہو گیا۔ آپ نے فرمایا میرے فرزند حسن کو بلاؤ، وہی اس مقدمہ کا فیصلہ سنا میں گے۔ امام حسن آئے اور سارا قصہ سنا۔ فرمایا دونوں کو چھوڑ دو۔ یہ قصاب بے قصور ہے اور یہ شخص اگر چہ قاتل ہے مگر اس نے ایک نفس کو قتل کیا۔ تو دوسرے نفس (قصاب) کو بچا کر۔۔۔ اسے حیات دی اور اس کی جان بچالی اور حکم قرآن ہے کہ "من احیاہا نکنا احیا الناس جمیعاً" یعنی جس نے ایک نفس کی جان بچالی اس نے گویا تمام لوگوں کی جان بچائی۔ لہذا اس مقتول کا خون بہا بیت المال سے دیا جائے۔ علی ابن ابراہیم قمی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ شاہ روم نے جب حضرت علی کے مقابلہ میں معاویہ کی چیرہ دستیوں سے آگاہی حاصل کی تو دونوں کو لکھا کہ میرے پاس ایک ایک نمائندہ بھیج دیں۔ حضرت علی کی طرف سے امام حسن اور معاویہ کی طرف سے یزید کی روانگی عمل میں آئی۔ یزید نے وہاں پہنچ کر شاہ روم کی دست بوسی کی اور امام حسن نے جاتے ہی کہا کہ خدا کا شکر ہے میں یہودی، نصرانی، مجوسی وغیرہ نہیں ہوں بلکہ خالص مسلمان ہوں۔ شاہ روم نے چند تصاویر نکالیں۔ یزید نے کہا کہ میں ان میں سے ایک کو بھی نہیں پہچانتا اور نہ بتا سکتا ہوں کہ یہ کن حضرات کی شکلیں ہیں۔ امام حسن نے حضرت آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمعیل اور شعیبؑ کی تصویریں دیکھ کر شکلیں پہچان لیں اور ایک تصویر دیکھ کر آپ رونے لگے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔ فرمایا میرے جد نامدار کی۔ اس کے بعد بادشاہ نے سوال کیا کہ وہ کون سے جاندار ہیں جو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ وہ سات جاندار ہیں (۱) آدم (۲) نوح (۳) ونبہ ابراہیم (۴) ناقہ صالح (۵) ابلیس (۶) موسیٰ (۷) اڈوہا (۸) وہ کوآ جس نے قابیل کی ذن ہابیل کی طرف لہری کی۔ بادشاہ نے یہ تبحر علمی دیکھ کر آپ کی بڑی عزت کی اور تحائف کے ساتھ واپس کیا۔

امام حسن اور تفسیر قرآن

علامہ ابن طلحہ شافعی جو ائمہ تفسیر و سیوطی واحدی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن عباس اور ابن عمر سے ایک آیت سے متعلق "شاهد و مشہور" کے معنی دریافت کئے ابن عباس نے شاید سے یوم جمعہ اور مشہور سے یوم عرفہ بتایا اور ابن عمر نے یوم جمعہ اور یوم النحر کہا۔ اس کے بعد وہ شخص امام حسن کے پاس پہنچا، آپ نے شاید سے رسول خدا اور مشہور سے یوم قیامت فرمایا اور دلیل میں آیت پڑھی "یا ایہا النبی اننا ارسلناک شاهد او مبشرا و نذیرا" اے نبی ہم نے تم کو شاید و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ ذالک یوم مجموع لہذا الناس و ذالک یوم مشہور۔ قیامت کا وہ دن ہوگا۔ جس میں تمام لوگ ایک مقام پر جمع کر دیے جائیں گے، اور یہی یوم مشہور ہے۔ سالنے

سب کا جواب سننے کے بعد کہا "فکان قول الحسن احسن" امام حسن کا جواب دونوں سے کہیں بہتر ہے۔ (مطالب السؤل ص ۲۲۵)

امام حسنؑ کی سایہ رحمت سے محرومی

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسن کی عمر جب سات سال پانچ ماہ اور تیرہ یوم کی ہوئی تو آپ کے سر سے رحمتہ للعالمین کا سایہ ۲۸ صفر ۱۰ ہجری کو اٹھ گیا۔ ابھی آپ نانا کے سوگ منانے سے فراغت حاصل نہ کر سکے تھے کہ ۳ جمادی الثانیہ ۱۰ ہجری کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؑ زہرا نے بھی انتقال فرمایا۔ اس غم بالائے غم نے امام حسن کو بے انتہا صدمہ پہنچایا۔

مشابہت رسولؐ علامہ علی مرتضیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ فرمایا کرتے تھے کہ حسن رسول کریمؐ صلعم کی شکل و شباهت سے بہت زیادہ مشابہہ ہے۔ انس بن مالک کا بیان ہے کہ امام حسنؑ کے جسم کا نصف بالائی حصہ رسول اللہؐ سے اور نصف حصہ زیریں امیر المؤمنین سے مشابہہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے کہ حسن میں خدا نے ہیبت اور سرداری اور حسین میں جرات و ہیبت و دلچیت کی ہے۔ (کنز العمال جلد ۷، مثل)۔

امام حسنؑ کی عبادت امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام زبردست عابد، بے مثل زاہد، افضل ترین عالم تھے۔ آپ نے جب بھی حج فرمایا پیدل فرمایا، کبھی کبھی پاؤں پر منہج کے لیے جاتے تھے۔ آپ اکثر موت، عذاب، قبر، صراط اور بخت و نشور کو یاد کر کے رو یا کرتے تھے۔ جب آپ وضو کرتے تھے تو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد ہو جایا کرتا تھا اور جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو بید کی مثل کا پنے لگتے تھے۔ آپ کا معمول تھا کہ جب دروازہ مسجد پر پہنچتے تو خدا کو مخاطب کر کے کہتے۔ میرے پالنے والے تیرا گنہگار بندہ تیری بارگاہ میں آیا ہے۔ اے رحمن و رحیم اپنے اچھائیوں کے صدقہ میں مجھ جیسے بُرائی کرنے والے بندہ کو معاف کر دے۔ آپ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تھے تو اس وقت تک خاموش بیٹھے رہتے تھے۔ جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔ (روضۃ الواعظین بحار الانوار)۔

آپ کا زُهد امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے اکثر اپنا سارا مال راہِ خدا میں تقسیم کر دیا ہے اور بعض مرتبہ نصف مال تقسیم فرمایا ہے۔ وہ عظیم اور پرہیزگار تھے۔

آپ کی سخاوت مورخین لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کچھ مال لیا دست سوال دراز ہونا تھا کہ آپ نے چاس ہزار درہم اور پانچ سو اشرفیاں دے دیں اور فرمایا کہ مزدور لا کر اسے اٹھوالے جا۔ اس کے بعد آپ نے مزدور کی مزدوری

میں اپنا چنانچہ دیا (مرآة الجنان ص ۱۲۳) ایک مرتبہ آپ نے ایک سال کو خدا سے دعا کرتے ہوئے
 سنا۔ "خدا یا مجھے دس ہزار درہم عطا فرما" آپ نے گھر پہنچ کر مطلوبہ رقم بھجوادی۔ (نور الابصار ص ۱۲۲)
 آپ سے کسی نے پوچھا کہ آپ تو فاقہ کرتے ہیں۔ لیکن سائل کو محروم واپس نہیں فرماتے، ارشاد فرمایا کہ میں
 خدا سے مانگنے والا ہوں۔ اس نے مجھے دینے کی عادت ڈال رکھی ہے اور میں نے لوگوں کو دینے کی
 عادت ڈالی ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنی عادت بدل دوں، تو کہیں خدا بھی نہ اپنی عادت بدل لے
 اور مجھے بھی محروم کر دے۔ (ص ۱۲۳)

امام شافعی کا بیان ہے کہ کسی نے امام حسن سے عرض کی کہ
 ابوذر غفاری فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تو کبریٰ سے زیادہ ناوار کھا

اور صحت سے زیادہ بیماری پسند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ابوذر پر رحم کرے۔ ان کا کتنا درست
 ہے۔ لیکن میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو شخص خدا کے قضا و قدر پر توکل کرے وہ ہمیشہ اسی چیز کو پسند کرے گا
 جسے خدا اس کے لیے پسند کرے۔ (مرآة الجنان جلد ۱ ص ۱۲۵)

امام حسن حلم اور اخلاق کے میدان میں

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک
 دن حضرت امام حسن علیہ السلام گھوڑے پر
 سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں معاویہ کے طرفداروں کا ایک شامی سامنے
 آ پڑا۔ اس نے حضرت کو گایاں دینی شروع کر دیں۔ آپ نے اس کا مطلقاً کوئی جواب نہ دیا
 جب وہ اپنی جسی کہ چکا تو آپ اس کے قریب گئے اور اس کو سلام کر کے فرمایا کہ بھائی شاید تو
 مسافر ہے، سن اگر مجھے سواری کی ضرورت ہو، تو میں مجھے سواری دے دوں، اگر تو بھوکا ہے تو
 کھانا کھلا دوں۔ اگر تجھے کپڑے درکار ہوں تو کپڑے دے دوں۔ اگر تجھے رستہ کو جگہ چاہیے، تو
 مکان کا انتظام کر دوں۔ اگر دولت کی ضرورت ہے تو مجھے اتنا دے دوں کہ تو خوش حال ہو جائے
 یہ سن کر شامی بے انتہا شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ زمین خدا پر اس کے
 خلیفہ ہیں۔ مولائیں تو آپ کو اور آپ کے باپ دادا کو سخت نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا
 تھا۔ لیکن آج آپ کے اخلاق نے مجھے آپ کا گرویدہ بنا دیا۔ اب میں آپ کے قدموں سے دُور
 نہ جاؤں گا اور تاحیات آپ کی خدمت میں رہوں گا۔ (مناقب جلد ۴ ص ۱۲۵ وکامل مروج ص ۱۲۶)

احسان کا بدلہ احسان

ابراہیم بن ہاشم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام حسن، امام حسین اور عبداللہ بن جعفر طیار حج کو
 جاتے ہوئے بھوک اور پیاس کی حالت میں ایک غنیفہ کے جھونپڑے میں جا پہنچے اور اس سے

کھانے پینے کی چیز طلب فرمائی۔ اس نے عرض کی کہ میرے پاس ایک بکری ہے اس کا دودھ دودھ کر
 پیاسن بھائی جاسکتی ہے۔ انھوں نے دودھ پی لیا۔ لیکن گرسلی سے تسلی نہ ہوئی تو اس سے فرمایا کہ
 کچھ کھانے کا بندوبست بھی ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ میرے پاس تو بس یہی ایک بکری ہے۔ لیکن
 میں قسم دیتی ہوں کہ آپ اسے ذبح کر کے تناول فرمائیں۔ بکری ذبح کی گئی۔ گوشت بھجوا گیا اور
 سب نے کھالیا اس کے بعد قدرے آرام کر کے وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ جب شام کو اس کا شوہر آیا
 تو اس عورت نے سارا واقعہ کہ سنایا۔ شوہر نے پوچھا وہ کون لوگ تھے۔ کہا معلوم نہیں، جاتے
 وقت صرف یہ کہا تھا کہ ہم مدینہ کے رہنے والے ہیں۔ شوہر نے کہا خدا کی بندی یہ تو بتا کہ اب
 ہمارا گزارہ کس طرح ہوگا۔ غرض کہ تھوڑے عرصہ میں ان لوگوں کو قحط کا سامنا کرنا پڑا اور یہ سخت
 مصیبتوں میں مبتلا ہو کر بھیک مانگتے ہوئے مدینہ چلے پہنچے، ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ناگاہ
 امام حسن کی نگاہ اس عورت پر جا پڑی۔ آپ نے اُسے بلوا کر بکری والا واقعہ یاد دلایا اور اس
 کو ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار اشرفیاں عنایت فرمادیں اور اسے امام حسین کی خدمت میں
 بھیج دیا۔ انھوں نے بھی اسی قدر بکریاں وغیرہ عطا فرمائیں۔ پھر عبد اللہ ابن جعفر کو اطلاع دی گئی
 انھوں نے بھی اسی کے لگ بھگ اسے دے دیا وہ مال مال ہو کر اپنے گھر واپس چلی گئی۔ (ذوالابصا
 ص ۱۶۱ و مطالب السؤل ص ۲۲۹)۔

عہد امیر المومنین میں امام حسن کی اسلامی خدمات

تواریخ میں ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو پچیس برس کی خانہ نشینی کے بعد مسلمانوں نے
 خلیفہ ظاہری کی حیثیت سے تسلیم کیا اور اس کے بعد حمل صفین اور نہروان کی لڑائیاں ہوئیں تو ہر ایک
 جماد میں امام حسن علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ساتھ ہی نہیں رہے بلکہ بعض موقعوں پر
 جنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں بھی کئے۔ سیر الصحابہ اور روضۃ الصفا میں ہے کہ جنگ
 صفین کے سلسلے میں جب ابو موسیٰ اشعری کی ریشہ دو انبیاں عریاں ہو چکیں تو امیر المومنین نے امام
 حسن اور عمار یاسر کو کوفہ روانہ فرمایا۔ آپ نے جامع کوفہ میں ابو موسیٰ کے انسون کو اپنی تقریر
 کے تریاق سے بے اثر بنا دیا اور لوگوں کو حضرت علی کے ساتھ جنگ کے لیے جانے پر آمادہ کر دیا۔
 اخبار الطوال کی روایت کی بنا پر نو ہزار چھ سو پچاس افراد کا لشکر تیار ہو گیا۔

تورخین کا بیان ہے کہ جنگ حمل کے بعد جب عائشہ مدینہ جانے پر آمادہ نہ ہوئیں تو حضرت
 علی نے امام حسن کو بھیجا کہ انھیں سمجھا بھجا کر مدینہ روانہ کریں۔ چنانچہ وہ اس سعی مدوح میں کامیاب
 ہو گئے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ امام حسن جنگ حمل و صفین میں عہددار لشکر تھے اور آپ نے معاہدہ

تجیکم پر دستخط بھی فرمائے تھے۔ اور جنگ جمل و صفین اور نہروان میں بھی سعیِ صلح کی تھی۔

فوجی کاموں کے علاوہ آپ کے سپرد سرکاری عہدہ کا انتظام اور شاہی مجالوں کی مدارات کا کام بھی تھا۔ آپ مقدمات کے فیصلے بھی کرتے تھے اور بیت المال کی نگرانی بھی فرماتے تھے وغیرہ وغیرہ

حضرت علیؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی بیعت

مورخین کا بیان ہے کہ امام حسن کے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام کے سر مبارک پر بمقام مسجد کوفہ ۱۸ رمضان سنہ ہجری بوقت صبح امیر معاویہ کی سازش سے عبدالرحمن ابن ابی بکر مرادی نے زہر میں بیجھی ہوئی تلوار لگائی جس کے صدر سے آپ نے ۱۲ رمضان المبارک سنہ ہجری کو بوقت صبح شہادت پائی۔ اس وقت امام حسن کی عمر ۲۷ سال چھ یوم کی تھی۔ حضرت علیؑ کی تکفین و تدفین کے بعد عبداللہ ابن عباس کی تحریک سے بقول ابن اثیر تیس ابن سعد بن عبادہ انصاری نے امام حسن کی بیعت کی اور ان کے بعد تمام حاضرین نے بیعت کر لی جن کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ یہ واقعہ ۱۲ رمضان سنہ ہجری جمعہ کا ہے۔ کفایت الاثر علامہ مجلسی میں ہے کہ اس وقت آپ نے ایک فیصلح و صلح خطبہ پڑھا۔ جس میں آپ نے حمد و ثنا کے بعد بارہ امام کی خلافت کا ذکر فرمایا اور اس کی وضاحت کی کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ ہم میں ہر ایک یا تلوار کے گھاٹ اترے گا یا زہر دغا سے شہید ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے عراق، ایران، خراسان، حجاز اور یمن و بصرہ وغیرہ کے عمال کی طرف توجہ کی اور عبداللہ ابن عباس کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا۔ معاویہ کو جو نہی خیبر پہنچی کہ بصرہ کے حاکم ابن عباس مقرر کر دیئے گئے ہیں تو اس نے دو جاسوس روانہ کئے ایک قبیلہ حمیر کا کوفہ کی طرف اور دوسرا قبیلہ زین کا بصرہ کی طرف، اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ امام حسن سے منحرف ہو کر میری طرف آجائیں۔ لیکن وہ دونوں جاسوس گرفتار کر لیے گئے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا گیا۔

حقیقت ہے کہ جب عنانِ حکومت امام حسن کے ہاتھوں میں آئی تو زمانہ بڑا بڑا آشوب تھا حضرت علیؑ جن کی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی۔ دنیا سے کوچ کر چکے تھے۔ ان کی دفعۃً شہادت نے سوئے ہوئے قتلوں کو بیدار کر دیا تھا اور ساری مملکت میں سازشوں کی کچھڑی پک رہی تھی۔ خود کوفہ میں اشعث ابن قیس، عمر بن حرث، شیبث ابن ربیع وغیرہ کلمہ کھلا برسرِ عناد اور آمادہ فساد نظر آتے تھے۔ معاویہ نے جا بجا جاسوس مقرر کر دیئے تھے۔ جو مسلمانوں میں پھوٹ ڈلاتے اور حضرت کے لشکر میں اختلاف و تشدیت و افتراق کا بیج بوتے تھے۔ اس نے کوفہ کے بڑے بڑے سرداروں سے سازشی ملاقاتیں کیں اور بڑی بڑی رشوتیں دے

کر انھیں توڑیا۔ بحار الانوار میں علل الشرائع کے حوالہ سے منقول ہے کہ معاویہ نے عمر بن حریث، اشعث بن قیس، حجر بن الحجر، شہد ابن ربیع کے پاس علیحدہ علیحدہ یہ پیام بھیجا کہ جس طرح ہو سکے حسن ابن علی کو قتل کرادو، جو منچلا یہ کام کرگزرے گا اس کو دو لاکھ درہم نقد انعام دوں گا۔ فوج کی سرکاری عطا کروں گا۔ اور اپنی کسی لڑکی سے اس کی شادی کر دوں گا۔ یہ انعام حاصل کرنے کے لیے لوگ شب و روز موقع کی تہاک میں رہنے لگے۔ حضرت کو اطلاع ملی تو آپ نے کپڑوں کے نیچے زرہ پہننی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ نمازِ جماعت پڑھانے کے لیے باہر نکلتے تو زرہ پہن کر نکلتے تھے معاویہ نے ایک طرف تو خفیہ توڑ جوڑ کئے۔ دوسری طرف ایک بڑا لشکر عراق پر حملہ کرنے کے لیے بھیج دیا۔ جب حملہ اور لشکر حدود عراق میں دوڑتا آگے بڑھا آیا تو حضرت نے اپنے لشکر کو حرکت کرنے کا حکم دیا۔ حجر بن عدی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے فرمایا۔ آپ کے لشکر میں بھیڑ بھارتو خاصی نظر آنے لگی تھی مگر سردار جو سپاہیوں کو لڑاتے ہیں۔ کچھ تو معاویہ کے ہاتھ پک چکے تھے۔ کچھ عافیت کو شہی میں مصروف تھے۔ حضرت علی کی شہادت نے دوستوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے اور دشمنوں کو جرات و ہمت دلادی تھی۔

مورخین کا بیان ہے کہ معاویہ ۶۰ ہزار کی فوج لے کر مقام کسکین میں جا آتا جو بغداد سے دس فرسخ مکہ کی "جانب او انا" کے قریب واقع ہے۔ امام حسن علیہ السلام کو جب معاویہ کی پیش قدمی کا علم ہوا تو آپ نے بھی ایک بڑے لشکر کے ساتھ کوچ کر دیا اور کوفہ سے ساباط میں جا پہنچے اور ۱۲ ہزار کی فوج قیس ابن سعد کی ماتحتی میں معاویہ کی پیش قدمی روکنے کے لیے روانہ کر دی پھر ساباط سے روانہ ہوتے وقت آپ نے ایک خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا کہ

"لوگو! تم نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی تھی کہ صلح اور جنگ دونوں حالتوں میں میرا ساتھ دو گے۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے کسی شخص سے بغض و عداوت نہیں ہے۔ میرے دل میں کسی کو ستانے کا خیال نہیں۔ میں صلح کو جنگ سے اور محبت کو عداوت سے کہیں بہتر سمجھتا ہوں"

لوگوں نے حضرت کے اس خطاب کا مطلب سمجھا کہ حضرت امام حسن، امیر معاویہ سے صلح کرنے کی طرف مائل ہیں اور خلافت سے دستبر داری کا ارادہ دل میں رکھتے ہیں۔ اسی دوران میں معاویہ نے امام حسن کے لشکر کی کثرت سے متاثر ہو کر مشورہ عمرو عاص کچھ لوگوں کو امام حسن کے لشکر میں اور کچھ کو قیس ابن سعد کے لشکر میں بھیج کر ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈا کرادیا۔ امام حسن کے لشکر والے ساتھیوں نے قیس کے متعلق یہ شہرت دینی شروع کی کہ اس نے معاویہ سے صلح کر لی ہے اور قیس ابن سعد کے لشکر میں جو سازشی ٹھوسے ہوئے تھے انھوں نے تمام لشکریوں میں رچ چاک کر دیا کہ امام حسن نے معاویہ سے صلح کر لی ہے۔ امام حسن کے دونوں لشکروں میں اس غلط افواہ کے پھیل جانے سے بغاوت اور بگمائی کے خدشے

ایجر نکلے۔ امام حسن کے لشکر کا وہ عنصر جسے پہلے ہی سے شیعہ تھا کہ یہ مالِ صلح میں یہ کہنے لگا کہ امام حسن بھی اپنے باپ حضرت علی کی طرح کافر ہو گئے ہیں۔ بالآخر فوجی آپ کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے۔ آپ ہائل اسباب لوٹ یا۔ آپ کے نیچے سے مصلیٰ تک گھبٹ لیا۔ دوش مبارک پر سے روا بھی اُتار لی اور بعض نمایاں قسم کے افراد نے امام حسن کو معاویہ کے حوالے کر دینے کا پلان تیار کیا۔ آخر کار آپ ان بدبختوں سے مایوس ہو کر مدائن کے گورنر، سعد یا سعید کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستہ میں ایک خارجی نے جس کا نام بروایت الاخیار الطوال ۳۹۳، "جراح بن قیسہ" تھا۔ آپ کی ران پر مین گاہ سے ایک ایسا شجر لگا یا جس نے بڑی تک محفوظ نہ رہنے دیا۔ آپ نے مدائن میں تمیم رو کر علاج کر لیا۔ اور اچھے ہو گئے۔ تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۱ تاریخ آمدہ ۲۳۳ فتح المبارکی۔

معاویہ نے موقع غنیمت جان کر ۲۰ ہزار کا لشکر عبداللہ ابن عامر کی قیادت و ماتحتی میں مدائن بھیج دیا۔ امام حسن اس سے لڑنے کے لیے نکلنے ہی والے تھے کہ اس نے عام شہرت کر دی کہ معاویہ بہت بڑا لشکر لیے ہوئے آ رہا ہے۔ میں امام حسن اور ان کے لشکر سے درخواست کرتا ہوں کہ رخصت میں اپنی جان نہ دیں اور صلح کر لیں۔

اس دعوتِ صلح اور پیغامِ خوف سے لوگوں کے دل میٹھ گئے، ہمتیں پست ہو گئیں اور امام حسن کی فوج بھاگنے کے لیے راستہ ڈھونڈنے لگی۔

صلح مورخ معاصر علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ امیر شام کو حضرت امام حسن علیہ السلام کی فوج کی حالت اور لوگوں کی بے وفائی کا حال معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیے وہ سمجھتے تھے کہ امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہیں ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ بھی یقین رکھتے تھے کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کتنے ہی بے بس اور بے کس ہوں، مگر علی و فاطمہ کے بیٹے اور پیغمبر کے نواسے ہیں۔ اس لیے وہ ایسے شرائط پر ہرگز صلح نہ کریں گے۔ جو حق پرستی کے خلاف ہوں۔ اور جن سے باطل کی حمایت ہوتی ہو۔ اس کو نظر میں رکھتے ہوئے انھوں نے ایک طرف تو آپ کے ساتھیوں کو عبداللہ ابن عامر کے ذریعہ پیغام دلوایا کہ اپنی جان کے پیچھے نہ پڑو، اور خون ریزی نہ ہونے دو۔ اس سلسلہ میں کچھ لوگوں کو رشوتیں بھی دی گئیں اور کچھ نبردوں کو اپنی تعداد کی زیادتی سے خوف زدہ کیا گیا اور دوسری طرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ جن شرائط پر کہیں انہی شرائط پر صلح کے لیے تیار ہوں۔

امام حسن یقیناً اپنے ساتھیوں کی غداری کو دیکھتے ہوئے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ یہ ضرور پیش نظر تھا کہ ایسی صورت پیدا ہو کہ باطل کی تقویت کا وجہ میرے دامن پر نہ آنے پاتے۔ اس گھرانے کو حکومت و اقتدار کی ہوس تو کبھی مٹتی ہی نہیں انھیں تو مطلب

اس سے تھا کہ مخلوق خدا کی بہتری ہو اور حدود و حقوق الہی کا اجرا ہو۔ اب امیر معاویہ نے جو آپ سے
میرا نگے شرط پر صلح کرنے کے لیے آواگئی ظاہر کی تو اب مصالحت سے انکار کرنا شخصی اقتدار کی تلاش
کے علاوہ اور کچھ نہیں قرار پا سکتا تھا اور یہ کہ امیر شام صلح کی شرائط پر عمل نہ کریں گے۔ بعد کی بات
تھی۔ جب تک صلح نہ ہوتی یہ انجام سامنے آگیاں سکتا تھا اور محبت تمام کیونکر ہو سکتی تھی۔ پھر بھی
آخری جواب دینے سے قبل آپ نے ساتھ والوں کو جمع کر لیا اور تقریر فرمائی۔

آگاہ رہو کہ تم میں وہ خون ریز لڑائیاں ہو چکی ہیں جن میں بہت لوگ قتل ہوئے۔ کچھ
مقتول صغیرین میں ہوئے جن کے لیے آج تک رو سہے ہو اور کچھ مقتول تہرانی کے جن کا
معاوضہ طلب کر رہے ہو، اب اگر تم موت پر راضی ہو تو ہم اس پیشام صلح کو قبول نہ کریں
اور ان سے اللہ کے بھروسہ پر تلواروں سے فیصلہ کریں اور اگر زندگی کو عزیز رکھتے ہو
تو ہم اس کو قبول کریں اور تمھاری مرضی پر عمل کریں۔

جواب میں لوگوں نے ہر طرف سے پکارنا شروع کیا ہم زندگی چاہتے ہیں۔ ہم زندگی
چاہتے ہیں۔ آپ صلح کر لیجئے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے صلح کی شرائط مرتب کر کے معاویہ
کے پاس روانہ کئے۔ (ترجمہ ابن خلدون)۔

شرائط صلح

اس صلح نامہ کے مکمل شرائط حسب ذیل تھے۔

۱۔ یہ کہ معاویہ حکومت اسلام میں، کتاب خدا اور سنت رسول پر عمل کریں گے (۱)۔ یہ کہ معاویہ
کو اپنے بعد کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ (۲)۔ یہ کہ شام و عراق و حجاز و یمن سب جگہ کے لوگوں
کے لیے امان ہوگی (۳)۔ یہ کہ حضرت علی کے اصحاب اور شیعہ جہاں بھی ہیں ان کے جان و مال اور ناموس
اور اولاد محفوظ رہیں گے۔ (۴)۔ یہ کہ معاویہ، حسن ابن علی اور ان کے بھائی حسین ابن علی اور خاندان
رسول میں سے کسی کو بھی کوئی نقصان پہنچانے یا ہلاک کرنے کی کوشش نہ کریں گے نہ عقیقہ طور پر
اور نہ اعلانیہ اور ان میں سے کسی کو کسی جگہ دھمکایا اور ڈرا یا نہیں جاتے گا۔ (۵)۔ یہ کہ جناب امیر المؤمنین
کی شان میں کلمات نازیبا جواب تک مسجد جامع اور قنوت نمازیں استعمال ہوتے رہے ہیں۔ وہ
ترک کر دیئے جائیں۔ آخری شرط کی منظوری میں معاویہ کو عذر ہوا تو بیٹے پایا کہ کم از کم جس موقع پر
امام حسن علیہ السلام موجود ہوں۔ اس جگہ ایسا نہ کیا جائے۔ یہ معاویہ ریح الاول یا جاوی الاول
سالہ حج کو عمل میں آیا۔

صلح نامہ پر دستخط | ۲۵ ریح الاول کو کوفہ کے قریب مقام انبار میں فریقین کا اجتماع

ہوا اور صلح نامہ پر دونوں کے دستخط ہوئے اور گواہیاں ثبت ہوئیں (نہایت اللارب فی معرفۃ النساب العرب
 ض ۱) اس کے بعد معاویہ نے اپنے لیے عام بیعت کا اعلان کر دیا اور اس سال کا نام سنت الجماعت
 رکھا۔ پھر امام حسن کو خطبہ دینے پر مجبور کیا۔ آپ منبر پر نشترین لے گئے اور ارشاد فرمایا۔
 "اے لوگو! خدائے تعالیٰ نے ہم میں سے اول کے ذریعہ سے تمہاری ہدایت کی اور آخر
 کے ذریعہ سے تمہیں خونریزی سے بچایا معاویہ نے اس امر میں مجھ سے بھگڑا کیا جس کا
 میں اس سے زیادہ مستحق ہوں۔ لیکن میں نے لوگوں کی خونریزی کی نسبت اس امر کا ترک
 کر دیا بہتر سمجھا۔ تم رنج و طلال نہ کرو کہ میں نے حکومت اس کے نااہل کو دے دی
 اور اس کے حق کو جائے تاق پر رکھا۔ میری نیت اس معاملہ میں صرف اُمت کی
 بھلائی ہے۔ یہاں تک فرمانے پائے تھے کہ معاویہ نے کہا "بس اے حضرت زیادہ
 فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔" تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۵)۔

تکمیل صلح کے بعد امام حسن نے صبر و استقلال اور نفس کی بلندی کے ساتھ ان تمام ناخوشگوار
 حالات کو برداشت کیا اور معاہدہ پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ مگر ادھر یہ ہوا کہ امیر شام نے جنگ
 کے ختم ہوتے ہی اور سیاسی اقتدار کے مضبوط ہوتے ہی عراق میں داخل ہو کر نجد میں جسے کوفہ کی
 سرحد سمجھنا چاہیے۔ قیام کیا اور جمعہ کے خطبہ کے بعد اعلان کیا کہ میرا مقصد جنگ سے یہ نہ تھا کہ تم
 لوگ نماز پڑھتے ہو۔ روزے رکھتے ہو۔ حج کرو یا زکوٰۃ ادا کرو۔ یہ سب تو تم کرتے ہی ہو میرا مقصد
 تو یہ تھا کہ میری حکومت تم پر مستم ہو جائے اور میرا مقصد میرا حق کے اس معاہدہ کے بعد پورا ہو گیا
 اور باوجود تم لوگوں کی ناگواری کے میں کامیاب ہو گیا۔ رہ گئے وہ شرائط جو میں نے حسن کے ساتھ
 کئے ہیں وہ سب میرے پیروں کے نیچے ہیں ان کا پورا کرنا یا نہ کرنا میرے ہاتھ کی بات ہے یہ سن
 کر مجمع میں ایک سناٹا مچا گیا۔ گراب کس میں دم تھا کہ اس کے خلاف زبان کھولا۔

شہر الطریق صلح کا حشر

مورخین کا اتفاق ہے کہ امیر معاویہ جو میدان سیاست کے
 کھلاڑی اور مکر و زور کی سلطنت کے تاجدار تھے۔ امام حسن
 سے وعدہ اور معاہدہ کے بعد ہی سب سے مکر گئے۔ "ولہ یف لہذا معاویۃ لشیخا معاہدہ
 علیہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۱۱ میں ہے کہ معاویہ نے کسی ایک چیز کی بھی پرواہ نہ کی اور
 کسی پر عمل نہ کیا۔ امام ابو الحسن علی بن محمد لکھتے ہیں کہ جب معاویہ کے لیے امر سلطنت استوار ہو
 گیا۔ تو اس نے اپنے حاکموں کو جو مختلف شہروں اور علاقوں میں تھے یہ فرمان بھیجا کہ اگر کوئی
 شخص ابوتراب اور اس کے اہل بیت کی فضیلت کی روایت کرے گا تو میں اس سے بری الذمہ
 ہوں۔ جب یہ خبر تمام ملکوں میں پھیل گئی اور لوگوں کو معاویہ کا منشا معلوم ہو گیا تو تمام خطیبوں نے

میں بڑوں پر سب و شتم اور منقصت امیر المؤمنین پر منطبقہ دینا شروع کر دیا کوفہ میں زیادہ ابن ابیہر جو کئی برس تک حضرت علی علیہ السلام کے عہد میں ان کے عمال میں رہ چکا تھا وہ شیعیاں علی کو اچھی طرح سے جانتا تھا۔ مردوں، عورتوں، جوانوں اور بوڑھوں سے اچھی طرح آگاہ تھا اسے ہر ایک رہائش اور کونوں اور گوشوں میں بسنے والوں کا پتہ تھا۔ اسے کوفہ اور بصرہ دونوں کا گورنر بنا دیا گیا تھا۔ اس کے ظلم کی حالت یہ تھی کہ شیعیاں علی کو قتل کرتا اور بعضوں کی آنکھوں کو پھوڑ دیتا۔ اور بعضوں کے ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا تھا۔ اس ظلم عظیم سے سینکڑوں تباہ ہو گئے۔ ہزاروں جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے، بصرہ میں اکٹھے ہزار آدمیوں کا قتل واقع ہوا جن میں بیالیس حافظ اور قاری قرآن تھے۔ ان پر محبت علی کا جرم عاید کیا گیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ علی کے بجائے عثمان کے فضائل بیان کیے جائیں اور علی کے فضائل کے متعلق یہ فرمان تھا کہ ایک ایک فضیلت کے عوض دس دس منقصت تصنیف کی جائیں یہ سب کچھ امیر المؤمنین سے بدل لینے اور یزید کے لیے زمین خلافت ہموار کرنے کی خاطر تھا۔

صلح کے مراحل طے ہونے کے بعد امام حسن علیہ السلام اپنے بھائی امام حسین اور عبد اللہ ابن جعفر اور اپنے اطفال و عیال کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تاریخ اسلام مشرفاً کر حسین کی

کوفہ سے امام حسن کی
مدینہ کو روانگی

جلد ۲۲ میں ہے کہ جب آپ کوفہ سے مدینہ کے لیے روانہ ہوئے تو معاویہ نے راستہ میں ایک پیغام بھیجا اور وہ یہ تھا کہ آپ خوارج سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ کیونکہ انھوں نے میری بیعت ہوتے ہی پھر منکر کالا ہے۔ امام حسن نے جواب دیا کہ اگر خواریزی مقصود ہوتی تو میں تجھ سے کیوں صلح کرتا جسٹس امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ خوارج حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کو مانتے اور حضرت علی علیہ السلام اور عثمان غنی کو نہیں تسلیم کرتے تھے۔ اور بنی امیہ کو مرتد کہتے تھے۔

صلح حسن اور اس کے وجوہ و اسباب

استاذی العلام حضرت علامہ سید عدیل اختر اعلیٰ اللہ مقامہ (سابق پرنسپل مدرسۃ الوداعین لکھنؤ) اپنی کتاب تسکین الضمیر فی صلح الحسن کے صفحہ ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں۔

امام حسن کی پالیسی بلکہ جیسا کہ بار بار لکھا جا چکا ہے کل طبیعت کی پالیسی ایک اور صرف ایک تھی (دراسات البیب ص ۱۲۹) وہ یہ کہ حکم خدا اور حکم رسول کی پابندی انھیں کے احکام کا اجرا چاہیے۔ اس مطلب کے لیے جو برداشت کرنا پڑے، مذکورہ بالا حالات میں امام حسن کے لیے سوائے صلح کیا چارہ ہو سکتا تھا۔ اس کو خود صاحبان عقل سمجھ سکتے ہیں۔ کسی استدلال کی چنداں ضرورت نہیں

ہے۔ یہاں پر علامہ ابن اثیر کی یہ عبارت (جس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے) قابل غور ہے۔
 ”کہا گیا ہے کہ امام حسن نے حکومت معاویہ کو اس لیے سنبھالی کہ جب معاویہ نے
 خلافت حوالہ کرنے کے متعلق آپ کو خط لکھا۔ اُس وقت آپ نے خطبہ پڑھا اور خدا کی
 حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ دیکھو ہم کاشام والوں سے اس لیے نہیں دہنا پڑ رہا ہے (کہ اپنی
 حقیقت میں) ہم کو کوئی شک یا ندامت ہے۔ بات تو فقط یہ ہے کہ ہم اہل شام سے
 سلامت اور صبر کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ مگر اب سلامت میں عداوت اور صبر میں فریاد
 مخلوط کر دی گئی ہے۔ جب تم لوگ صفین کو جا رہے تھے اس وقت تمہارا دین تمہاری
 دنیا پر مقدم تھا۔ لیکن اب تم ایسے ہو گئے ہو کہ آج تمہاری دنیا تمہارے دین پر مقدم
 ہو گئی ہے۔ اس وقت تمہارے دونوں طرف دو قسم کے منتقل ہیں۔ ایک صفین کے
 مقتول جن پر رو رہے ہو۔ دوسرے نہروان کے مقتول جن کے خون کا بدلہ چاہ رہے
 ہو۔ خلاصہ یہ کہ جو باقی ہے وہ ساتھ چھوڑنے والا ہے۔ اور جو رو رہا ہے وہ تو بدلہ
 لینا ہی چاہتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ معاویہ نے ہم کو جس امر کی دعوت دی ہے نہ اس میں
 عزت ہے اور نہ انصاف۔ لہذا اگر تم لوگ موت پر آمادہ ہو تو ہم اس کی دعوت کو رد
 کر دیں۔ اور ہمارا اور اس کا فیصلہ خدا کے نزدیک بھی تلوار کی باٹھ سے ہو جائے
 اور اگر تم زندگی چاہتے ہو تو جو اس نے لکھا ہے مان لیا جائے اور جو تمہاری مرضی
 ہے ویسا ہو جائے۔ یہ سننا تھا کہ ہر طرف سے لوگوں نے چلانا شروع کر دیا بقا لقا،
 صلح صلح، (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۲)۔

ناظرین انصاف فرمائیں کہ کیا اب بھی امام حسن کے لیے یہ راستے ہے کہ صلح نہ کریں۔ ان
 فوجیوں کے بل بوتے پر (اگر ایسوں کو فروج اور ان کی قوتوں کو بل بوتہا کہا جاسکے) لڑائی زیبا ہے
 مگر نہ اس لیے حالات میں صرف یہی چارہ تھا کہ صلح کر کے اپنی اور ان تمام لوگوں کی زندگی کو محفوظ
 رکھیں جو دین رسول کے نام لیوا اور حقیقی پیرو و پابند تھے، اس کے علاوہ پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی
 بھی صلح کی راہ میں مشعل کا کام کہ رہی تھی (بخاری) علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ حضرت کو اگر یہ معاویہ
 کی وفات صلح پر اعتماد نہیں تھا۔ لیکن آپ نے حالات کے پیش نظر چارہ ناچارہ دعوتِ صلح
 منظور کر لی۔ (وعدتہ سگبہ)۔

صلح اور جنگ دو متضاد اور قبائلی لفظ ہیں۔ صلح کا لفظ کلام
 عرب میں اس وقت استعمال ہوتا ہے۔ جب فساد باقی نہ
 رہے اور صلح اُس قرار داد کو کہتے ہیں جس سے نزاع دور ہو جائے اور صاحبانِ سیاست کے نزدیک

صلح اس کو کہتے ہیں جس کے بعد کچھ شرائط پر لڑائی روک دی جائے۔ (سوانح امام حسن ص ۹۹ بحوالہ
مبصر الطالب ص ۵۵۵) اور جنگ اُسے کہتے ہیں جس کے دامن میں صلح کا امکان نہ ہو۔ صلح امکان جنگ
کے منقوض ہونے پر اور جنگ امکان صلح کے فقدان پر ہوتی ہے اور اس امکان اور عدم امکان نیز
موقع کے سمجھنے کا حق صاحب معاملہ کو ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے موقع صلح پر صلح حدیث
کیا۔ اور مواقع جنگ میں بے شمار جہاد کئے اور حضرت علی نے موقع صلح میں خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار
کی اور موقع جنگ میں جمل و صفین کا کارنامہ پیش کیا۔

امام حسن کے لیے جنگ ممکن نہ تھی اس لیے انھوں نے صلح کی اور امام حسین کے لیے صلح ممکن نہ
رہتی اس لیے انھوں نے جنگ کی۔ اور از روئے حدیث اپنے مقام پر دونوں عمل صحیح اور مذکور
ہوئے۔ "امامان قاما اوقعدا" یہ دونوں امام حسن اور امام حسین، ہر حال میں واجب الطاعت
میں چاہے جنگ کریں یا صلح (بجارج) یعنی دونوں کے حالات اور سوالات میں فرق تھا۔ امام حسن
کے پاس اس وقت بالکل معین و مددگار نہ تھے۔ جب معاویہ نے خلع خلافت کا سوال کیا تھا۔
نیز معاویہ کا سوال یہ تھا کہ خلافت چھوڑ دو یا اپنی اور اپنے ماننے والوں کی تباہی و بربادی برپا
کرو۔ امام حسن نے حالات کی روشنی میں خلع خلافت کو مناسب سمجھا اور صلح کر لی۔ آپ ارشاد
فرماتے تھے "فقد تركته له ارادة لإصلاح الامة وحقن دماء المسلمين"۔ میں نے
خلافت جان بوجھ کر اس لیے ترک کر دی ہے تاکہ اصلاح و سکون ہو سکے اور خون نہ بہے۔ (کامل بجارج)
امام حسین کے پاس بہترین جان نثار جاں باز موجود تھے اور ینید کا سوال یہ تھا کہ بیعت
کرو۔ یا سرو۔ (ظہری روضۃ الصفا) امام حسین نے حالات کی روشنی میں سر دینے کو مناسب سمجھا
اور بیعت سے انکار کر کے جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔

یقین کرنا چاہیے کہ اگر امام حسن سے بھی بیعت کا سوال ہوتا تو وہ بھی وہی کچھ کرتے جو امام حسین
نے کیا ہے۔ آپ کے مددگار ہوتے یا نہ ہوتے۔ کیونکہ آل محمد کسی غیر کی بیعت حرام مطلق سمجھتے تھے۔ علامہ
جلال حسینی مصری نے "الحسین" میں حوالہ واقعہ حرہ لکھا ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد کسی حکومت نے آل محمد
کے کسی عہد میں بیعت کا سوال نہیں کیا۔

کہیں پر جنگ خاموشی جواب سنگ ہوتی ہے

بحکم حق کہیں پر صلح کر لیتے ہیں دشمن سے

کہاں پر صلح ہوتی ہے کہاں پر جنگ ہوتی ہے

زمانہ یہ سبق لے ناظر کے دل کے کڑوں سے

یہ ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی
جدوجہد اور امیر المومنین کی سعی و کوشش سے اسلام

امام حسن پر کثرت ازدواج کا الزام

دنیا میں پھیلا۔ جو لوگ ابتداء بعثت میں مسلمان ہوئے اور جنھوں نے حیاتِ پیغمبر تک اسلام قبول

کیا ان کے مذہبی انقلاب میں حضرت علیؑ کے دست و بازو کو بڑا دخل ہے، اموی اور عباسی نسلوں میں اسلام کی درآمد علی کی جہادی قوت کی رہیں منت ہے۔ ضرورت تھی کہ ان نسلوں کے چشم و چراغ جب آگے چل کر فروغ پاتے تو علی کا قصیدہ پڑھتے کیونکہ انھیں کے صدقہ میں انھیں صراط مستقیم نصیب ہوئی تھی اور اسلام ملا تھا۔ لیکن یہ ہوتا اسی وقت جبکہ ہجرت و اکراہ اسلام قبول نہ کیا ہوتا۔ یہاں حال یہ تھا کہ زبان پر اللہ اللہ اور دل میں باگڑ بلا۔ یہی وجہ ہے کہ ان نسلوں کی تقریباً ہر فرد نے فروغ پاتے ہی محمد مصطفیٰ اور ان کی آل پاک کی مخالفت کو اپنا شیوہ بنایا تھا۔ امیر معاویہ جو بقول مورخین اسلام فرنگ۔ سیانا۔ بدنیت۔ گناہوں سے بے پرواہ۔ خدا سے بے خوف تھا (مخاضرات اصفہانی)۔

تاریخ اسلام امیر علیؑ کو جو نہی اقتدار حاصل ہوا، اس نے آل محمد کو تنباہ کرنے کے لیے وہ تمام سائل مہیا کئے جن کے بعد بانی اسلام اور ان کی آل کی عزت و آبرو جان اور مال کا تحفظ ناممکن سا ہو گیا۔ جنگ جمل اور صفین وغیرہ اس کی چیرہ دستیوں سے رونما ہوئیں۔ امام حسن کی صلح اسی کی زیادتیوں کا نتیجہ تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ صلح حسن کے بعد سے معاویہ مسلم الثبوت بادشاہ بن گیا۔ پھر اس نے اپنی طاقت کے زور سے محمد و آل محمد کے خلاف حدیثوں کے گڑھنے اور تاریخ کا دھارا موڑنے کی ٹم شروع کر دی اور محمد و آل محمد کو بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ میں اس موقع پر چند چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

(۱) پیغمبر اسلام کو معراج جسمانی نہیں ہوئی (شرح شفا) (۲) آپ میں جنسی ہوس اس درجہ تھی کہ شب و روز میں اپنی گیارہ بیویوں کے پاس جاتے تھے۔ (سمط الثمین محب طبری ج ۲ ص ۹۴ طبع حلب) (۳) آپ کے دل پر اکثر پردے پڑ جایا کرتے تھے۔ (صحیح مسلم والوداؤد) (۴) آپ کی چار لڑکیاں تھیں اور عثمان غنی ذوالنورین تھے۔ (تواریخ اسلام) (۵) آپ کے باپ دادہ کافر تھے۔ اور آخر وقت تک مسلمان نہیں ہوئے (۶) ابوطالب بالکل مفلس تھے (۸) علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے (۹) علی بہت زبردست تھا کو تھے (مروج الذهب مسعودی) (۱۰) علی اور فاطمہ نماز صبح نہیں پڑھتے تھے (حلیۃ الاولیاء جلد ۳ ص ۱۴۴ طبع مصر ۱۹۳۳ء) (۱۱) علی کی بیٹی ام کلثوم بنت فاطمہ کا عقد خلیفہ دوم سے ہوا تھا (۱۲) افسانہ سلیمان بنت الحسین، امام حسن کے کثرت ازدواج اور کثرت طلاق کا انساں بھی اسی نسل بنی امیہ خصوصاً معاویہ کی پیداوار ہے۔ خلافت کے چھوڑنے کے باوجود وہ اس کے دستِ ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ مختلف قسم کے الزامات ان پر اپنی حسب عادت لگاتا رہا۔ اور پھر ان تمام چیزوں کو تواریخ اور احادیث میں جگہ دیتے کی سعی کرتا رہا۔ اس کے بعد ذرا سکون حاصل کرتے ہی کتاب الاشبار الما ضیئین کی تدوین کرائی اور اس میں اسی سیدھی باتیں لکھوا دیں۔

اموی عہد کی تاریخ کے متعلق مستشرقین یورپ کی رائے

امریکی کا مشہور مورخ پروفیسر ٹیلپ کے سٹی اپنی تصنیف
"تاریخ عرب" میں لکھتا ہے۔ "مسلمان عربوں کے دو
فریق ہیں جب تکھی کوئی مذہبی سیاسی یا سماجی نزاع ہوتی تھی

تو ہر ایک فریق اپنی تائید میں رسول اللہ کی حدیثیں پیش کرتا خواہ وہ حدیثیں صحیح ہوں یا مستحضر
اور جھوٹی، اس لیے کہ علی اور ابوبکر کی سیاسی مخالفت، علی اور معاویہ کا جھگڑا، بنی عباس اور
بنی امیہ کی باہمی عداوت وغیرہ متعدد جھوٹی حدیثوں کے بننے کے باعث ہوئے۔ اس کے علاوہ علما
کی کثیر تعداد کے لیے یہ دولت کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن گیا۔

پروفیسر سیمین کے گیمبرج یونیورسٹی منٹوفی ۱۹۷۲ء اپنی تاریخ "سارا سینہ میں لکھتے ہیں۔

"عربوں نے تاریخ نویسی کا غلط طریقہ اختیار کر کے ہم کو اس مسترت اور فائدہ سے محروم کر دیا
جو ہم کو ان کی نگہی ہوئی تاریخوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ مورخ کے فرائض اور حقوق کیا ہوتے ہیں۔
انہوں نے کہا حق، نہ سمجھا اس لیے ان فرائض اور حقوق کو نظر انداز کر دیا۔ ہمارے لیے ان کی نگہی
ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کرنا اور ان سے صحیح تاریخی واقعات کا اخذ کرنا بہت مشکل ہو گیا۔

یہ ان تاریخی ماخذوں کی بے اعتباری اور ان کی کوتاہیوں کا عالم ہے جن میں امام حسن جیسے
مراض امام کی کثرت ازدواج و طلاق کا افسانہ مرتب کیا گیا ہے۔

جب ہم کثرت ازدواج و کثرت طلاق کے افسانہ پر غور کرتے ہیں تو ہمیں صاف نظر آتا ہے کہ
ایسا واقعہ ہرگز نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ان تمام عورتوں کے نام علم جلال و تبارک کی کتابوں میں ضرور
ہوتے۔ ہمیں کتب رجال میں جو نام ملتے ہیں ان کی انتہا صرف تو تک ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ
آپ نے وقتاً فوقتاً اسی طرح نو بیویاں اپنے عقید میں رکھیں جس طرح سے رسول اللہ کے نو بیویاں
تھیں۔ آپ کی بیویوں کے نام یہ ہیں۔

(۱) ام فروہ (۲) خولہ (۳) ام بشیر (۴) ثقیفہ (۵) رملہ (۶) ام اسماعق (۷) ام الحسن (۸)
بنت امروانقیس (۹) جعدہ بنت اشعث (سیرۃ الحسن البصری العین)۔

ایڈورڈ گین اپنی مشہور و معروف تاریخ تشریح و انقطاع سلطنت روم میں لکھتے ہیں۔

یہ حضرات (آل محمد) آلات حرب، مال و زر اور رعایا نہ رکھتے تھے۔ اس پر بھی لوگ ان کی
عزت، وقعت اور تعظیم کرتے تھے جو چیز حکمران خلفاء کے دلوں میں رشک و حسد کی آگ بھڑکاتی
تھی، ان کے مزارات مقدسہ جو مدینہ، فرات کے کنارے اور خراسان میں موجود ہیں۔ اب تک ان
کے شیعوں کی زیارت گاہیں ہیں۔ ان بزرگواروں پر ہمیشہ بغاوت اور خانہ جنگیوں کا اہتمام و الزام
رکایا جاتا تھا۔ حالانکہ یہ شاہی خاندان کے اولیا۔ اللہ دنیا کو ہمیشہ خیر بھجتے تھے اور مشیت ایزدی کے

مطابق تسلیم کرتے ہوئے اور انسانوں کے مظالم برداشت کرتے ہوئے انھوں نے امور دینی کی تعلیم و تلقین میں اپنی عمریں صرف کر دیں۔
 یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جو حضرات دنیا کو حقیر سمجھتے ہوں ان کی طرف کثرتِ ازدواج و کثرتِ طلاق کا انتساب افسانہ سے زیادہ کیا توقع حاصل کر سکتا ہے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت

مورخین کا اتفاق ہے کہ امام حسن اگرچہ صلح کے بعد مدینہ میں گزشتہ نشین ہو گئے تھے۔ لیکن امیر معاویہ آپ کے درپے آزار رہے۔ انھوں نے بار بار کوشش کی کسی طرح امام حسن اس وارفتی سے ملک جاودانی کو روانہ ہو جائیں اور اس سے ان کا مقصد یزید کی خلافت کے لیے زمین ہموار کرنا تھی۔ چنانچہ انھوں نے ۵ بار آپ کو زہر دلوایا۔ لیکن ایام حیات باقی تھے زہر کی ختم نہ ہو سکی۔ بالآخر شاہ روم سے ایک زہر دست قسم کا زہر منگوا کر محمد ابن اشعث یا مردان کے ذریعہ سے جعدہ بنت اشعث کے پاس امیر معاویہ نے بھیجا اور کھلا دیا کہ جب امام حسن شہید ہو جائیں گے۔ تب ہم تجھے ایک لاکھ درہم دیں گے اور تیرا عقد اپنے بیٹے یزید کے ساتھ کر دیں گے۔ چنانچہ اس نے امام حسن کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ (تاریخ مروج الذهب مسعودی جلد ۲ ص ۳۰۳ و مقال الطالبین ص ۱۵۱ ابو الفداء ج ۱ ص ۱۸۳ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۷ جیب السیر جلد ۲ ص ۱۸ طبری ص ۶۰۴ استیعاب جلد ۱ ص ۱۴۲) مفسر قرآن صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین دانش کا تفسیر رقمطراز ہیں کہ امام حسن مصالحو معاویہ کے بعد مدینہ میں مستقل طور پر فرود کش ہو گئے تھے۔ آپ کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں رہنے والے محتبان علی کے اوپر چند اوباشوں نے شہجون مار کر ان کے ۳۸ آدمی ہلاک کر دیئے ہیں امام حسن اس خبر سے متاثر ہو کر بصرہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ عبداللہ ابن عباس بھی تھے۔ راستے میں بمقام موصلی سعد موصلی جو جناب مختار ابن ابی عبیدہ ثقفی کے چچا تھے۔ کے وہاں قیام فرمایا۔ اس کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر دمشق سے واپسی پر جب آپ موصل پہنچے تو باصر ارشدید ایک دوسرے شخص کے ہاں مقیم ہوئے اور وہ شخص معاویہ کے فریب میں آچکا تھا اور مال و دولت کی وجہ سے امام حسن کو زہر دینے کا وعدہ کر چکا تھا۔ چنانچہ دوران قیام میں اس نے تین بار حضرت کو کھانے میں زہر دیا، لیکن آپ بچ گئے۔ امام کے محفوظ رہ جانے سے اس شخص نے معاویہ کو خط لکھا کہ تین بار زہر دے چکا ہوں مگر امام حسن ہلاک نہیں ہوئے یہ معلوم کر کے معاویہ نے زہر بلا ہل ارسال کیا اور لکھا کہ اگر اس کا ایک قطرہ بھی تو دے سکا تو یقیناً امام حسن ہلاک ہو جائیں گے۔ نامہ بر زہر اور خط لیے ہوئے آ رہا تھا کہ راستے میں ایک درخت کے نیچے کھانا کھا کر لیٹ گیا، اس کے پیٹ میں ایسا درد اٹھا کہ وہ برداشت نہ کر سکا۔

ناگاہ ایک بھیڑیا برآمد ہوا اور اسے لے کر دوپٹے ہو گیا۔ اتفاقاً امام حسن کے ایک ماننے والے کا اس طرف سے گزر ہوا۔ اس نے ناقہ، خط اور زہر سے بھری ہوئی بوتل حاصل کر لی اور امام حسن کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر جاننا زکے نیچے رکھ لیا۔ حاضرین نے واقعہ دریافت کیا۔ امام نے نہ بتایا۔ سعد موصلی نے موقع پا کر جاننا زکے نیچے سے وہ خط نکال لیا جو معاویہ کی طرف سے امام کے میزبان کے نام سے بھیجا گیا تھا۔ خط پڑھ کر سعد موصلی آگ بگولہ ہو گئے اور میزبان سے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ اُس نے لاعلمی ظاہر کی مگر اس کے عذر کو باور نہ کیا گیا اور اس کی زود کوب کی گئی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو گیا۔ اس کے بعد آپ روانہ مدینہ ہو گئے۔

مدینہ میں اس وقت مردان بن حکم والی تھا اسے معاویہ کا حکم تھا کہ جس صورت سے ہو سکے امام حسن کو ہلاک کر دو۔ مردان نے ایک رومی دلالہ جس کا نام "الیونہ" تھا کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ توجہ بنت اشعث کے پاس جا کر اسے میرا یہ پیغام پہنچا دے کہ اگر تو امام حسن کو کسی صورت سے شہید کر دے گی تو مجھے معاویہ ایک ہزار دینار نمرخ اور پچاس خلعت مصری عطا کرے گا اور اپنے بیٹے یزید کے ساتھ تیرا عقد کر دے گا اور اس کے ساتھ ساٹھ سو دینار نقد بھیج دینے والا کہ وہ وعدہ کیا اور جعدہ کے پاس جا کر اس سے وعدہ لے لیا۔ امام حسن اس وقت گھر میں نہ تھے اور بمقام تحقیق گئے ہوئے تھے اس لیے دلالہ کو بات چیت کا اچھا خاصا موقع مل گیا۔ اور وہ جعدہ کو راضی کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ الغرض مردان نے زہر بھیجا اور جعدہ نے امام حسن کو شہد میں ملا کر دے دیا امام علیہ السلام اسے کھاتے ہی بیمار ہو گئے اور فوراً روضہ رسول پر جا کر صحت یاب ہوئے زہر تو آپ نے کھایا لیکن جعدہ سے بدگمان بھی ہو گئے۔ آپ کو شبہ ہو گیا جس کی بنا پر آپ نے اس کے ہاتھ کا کھانا مینا چھوڑ دیا اور یہ معمول مقرر کر لیا کہ حضرت قاسم کی ماں یا حضرت امام حسین کے گھر سے کھانا مانگا کر کھانے لگا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد آپ جعدہ کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے کہا کہ مولانا حوالی مدینہ سے بہت عمدہ خرچے آئے ہیں حکم ہو تو حاضر کروں۔ آپ چونکہ خرچے کو بہت پسند کرتے تھے۔ فرمایا لے آ۔ وہ زہر آؤد خرچے لے کر آئی اور پہچانے ہوئے دانے چھوڑ کر خود ساتھ کھانے لگی امام نے ایک طرف سے کھانا شروع کیا اور وہ دانے کھا گئے جن میں زہر تھا۔ اس کے بعد امام حسین کے گھر تشریف لائے۔ اور ساری رات تڑپ کر بسر کی۔ صبح کو روضہ رسول پر جا کر روعا مانگی اور صحت یاب ہوئے۔ امام حسن نے بار بار اس قسم کی تکلیف اٹھانے کے بعد اپنے بھائیوں سے تبدیلی آب و ہوا کے لیے موصی جانے کا مشورہ کیا اور موصی کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور چند ہوا خواہان بھی گئے۔ ابھی وہاں چند یوم نہ گزرے تھے کہ شام سے ایک نابینا بیچھ دیا گیا۔ اور اسے ایک ایسا عصا دیا گیا جس کے نیچے لوہا لگا یا ہوا تھا جو زہر میں بچھا ہوا تھا۔ اس نابینا نے موصی پہنچ کر

امام حسن کے دوستان میں سے اپنے کو ظاہر کیا اور موقع پا کر ان کے سپر میں اپنے عصا کی ٹوک جھسودی زہر جسم میں دوڑ گیا اور آپ علیل ہو گئے۔ جراح علاج کے لیے بلایا گیا، اُس نے علاج شروع کیا۔ نابینا زخم لگا کر دوپکوش ہو گیا تھا۔ چودہ دن کے بعد جب پندرہ صویں دن وہ نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا تو حضرت عباس علیہ السلام کی نظر اس پر جا پڑی۔ آپ نے اُس سے عصا چھین کر اُس کے سر پر اس زور سے مارا کہ شکر گافتہ ہو گیا اور وہ اپنے کیف و کردار کو پہنچ گیا۔ اس کے بعد جناب مختار اور ان کے چچا سعد موصلی نے اُس کی لاش جلادی۔ چند دنوں کے بعد حضرت امام حسن مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔

مدینہ منورہ میں آپ ایام حیات گزار رہے تھے کہ "ابیسورہ" دلالہ نے پھر بارشہ اروان جہاد سے سلسلہ جنبا ئی شروع کر دی اور زہر ہلاہل اُسے دے کر امام حسن کا کام تمام کرنے کی خواہش کی۔ امام حسن چونکہ اس سے بدگمان ہو چکے تھے۔ اس لیے اس کی آمد و رفت بند تھی۔ اس نے ہر چند کوشش کی لیکن موقع نہ پاسکی۔ بالآخر شب بستر و ہشتم صفر ۶۰ھ کو وہ اس جگہ جا پہنچی جس مصمت نام پر امام حسن سورہے تھے۔ آپ کے قریب حضرت زینب و ام کلثوم سورہی تھیں اور آپ کی پائنتی کینز میں محو خواب تھیں۔ جسدہ اس پانی میں زہر ہلاہل ملا کر خاموشی سے واپس آئی جو امام حسن کے سر لے رکھا ہوا تھا۔ اس کی واپسی کے تھوڑی دیر بعد ہی امام حسن کی آنکھ کھلی۔ آپ نے جناب زینب کو آواز دی اور کہا اے بہن، میں نے ابھی ابھی اپنے نانا اپنے پدر بزرگوار اور اپنی مادر گرامی کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ اے حسن، تم کل رات ہمارے پاس ہو گے۔ اس کے بعد آپ نے وضو کے لیے پانی مانگا اور خود اپنا ہاتھ بڑھا کر سر ہانے سے پانی لیا اور پی کر فرمایا کہ اے بہن زینب "ایں چہ آب بود کہ از سر حلقم تا بناقم پارہ پارہ شد" ہائے یہ کیسا پانی ہے جس نے میرے حلق سے تافت تک ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔ اس کے بعد امام حسینؑ کو اطلاع دی گئی وہ آئے دونوں بھائی بغل گیر ہو کر جو گریہ ہو گئے۔ اس کے بعد امام حسینؑ نے چاہا کہ ایک کوزہ پانی خود پی کر امام حسن کے ساتھ نانا کے پاس پہنچیں۔ امام حسن نے پانی کے برتن کو زمین پر پٹک دیا وہ پھوڑ پھوڑ ہو گیا۔ طردی کا بیان ہے کہ جس زمین پر پانی گرا تھا وہ ایلنے لگی تھی۔ الغرض تھوڑی دیر کے بعد امام حسن کو خون کی تے آنے لگی۔ آپ کے جگر کے ستر ٹکڑے طشت میں آ گئے۔ آپ زمین پر تڑپنے لگے۔ جب دن چڑھا تو آپ نے امام حسینؑ سے پوچھا کہ میرے چہرے کا رنگ کیسا ہے کہا "سبز" ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حدیث معراج کا یہی مقتضی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ مولا حدیث معراج کیا ہے۔ فرمایا کہ شب معراج میرے نانا نے آسمان پر دو قصر ایک زمر و کا، ایک یاقوت سمرخ کا دیکھا تو پوچھا کہ اتنے جزیلی یہ دونوں قصر کس کے لیے ہیں۔ انھوں نے عرض کی ایک حسن کے لیے دوسرا حسین کے لیے۔ پوچھا دونوں کے رنگ میں فرق

کیوں ہے؟ کما حقن زہر سے شہید ہوں گے اور حسینؑ تلوار سے شہادت پائیں گے۔ یہ کہہ کر آپ حسین سے پرٹ گئے اور دونوں بھائی رونے لگے اور آپ کے ساتھ درو دیوار بھی رونے لگے۔

اُس کے بعد آپ نے جعدہ سے کہا افسوس تو نے بڑی بے وفائی کی۔ لیکن یاد رکھ کر تو نے جس مقصد کے لیے ایسا کیا ہے اُس میں کامیاب نہ ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے امام حسینؑ اور بہنوں سے کچھ وصیتیں کیں اور آنکھیں بند فرمائیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آنکھ کھول کر فرمایا اے حسین میرے بال بچے تمہارے سپرد ہیں۔ پھر بند فرما کر نانا کی خدمت میں پہنچ گئے۔ "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ"۔ امام حسینؑ کی شہادت کے فوراً بعد مروان نے جعدہ کو اپنے پاس بلا کر دو عورتوں اور ایک مرد کے ساتھ معاویہ کے پاس بھیج دیا معاویہ نے اُسے ہاتھ پاؤں بندھوا کر دریا سے نیل میں یہ کہہ کر ڈلوا دیا کہ تو نے جب امام حسن کے ساتھ وفا نہ کی، تو یزید کے ساتھ کیا وفا کرے گی۔ (روضۃ الشہداء ج ۲ ص ۲۳۵ طبع بمبئی ۱۲۸۵ھ و ذکر العیال ص ۵۰ طبع لاہور ۱۹۵۶ء)۔

معاویہ سجدہ شکر میں

مروان حاکم مدینہ نے جعدہ بنت اشعث کے ذریعہ سے اپنی کامیابی کی اطلاع معاویہ کو دی۔ معاویہ خبر شہادت پاتے ہی

خوشی کے مارے اللہ اکبر کہہ کر سجدہ میں گر پڑا، اور اُس کے دیکھا دیکھی سارے دربار والے خوشی منانے کے لیے نعرہ تکبیر بلند کرنے لگے۔ ان کی آوازیں فاطمہ بنت قریظ کے کانوں میں پہنچی جو معاویہ کی بیوی تھی۔ تو کہنے لگی یہ کس چیز کی خوشی ہے۔ معاویہ نے جواب دیا کہ امام حسن کی شہادت ہو گئی ہے۔ اسی خوشی میں میں نے نعرہ تکبیر بلند کر کے سجدہ شکر ادا کیا ہے۔ فاطمہ بے انتہا رنجیدہ ہوئی اور کہنے لگی افسوس فرزند رسول قتل کیا جاوے اور دربار میں خوشی منائی جائے۔ (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۸۲ عقد الفرید جلد ۲ ص ۲۱۱ اوکلی ص ۳۲۶ روضۃ المناظر جلد ۱ ص ۱۳۳ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۲۲۵ حیوۃ النبیون جلد ۱ ص ۵۱ نزول الابرار ص ۵۰ ریح المطالب ص ۳۵۷ اخبار الطوال ص ۲۴ ابن قتیبہ نے ابن عباس کے دربار معاویہ میں پہنچ کر اس موقع کی زبردست گفتگو لکھی ہے۔ (الامات والسیاست)۔

امام حسنؑ کی تجہیز و تکفین

الغرض امام حسنؑ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ نے غسل و کفن کا انتظام فرمایا اور نماز جنازہ پڑھی گئی۔ امام حسنؑ کی وصیت کے

مطابق انھیں سردر کائنات کے پہلو میں دفن کرنے کے لیے اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے چلے۔ ابھی پہنچے ہی تھے کہ نبیؐ آئینہ خصوصاً مروان وغیرہ نے آگے بڑھ کر پہلے رسولؐ میں دفن ہونے سے روکا اور حضرت عائشہؓ بھی ایک فخر پر سوار ہو کر آپہنچیں، اور کہنے لگیں یہ گھر میرا ہے میں تو ہرگز حسنؑ کو اپنے گھر میں دفن نہ ہونے دوں گی۔ (تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۸۳ روضۃ المناظر جلد ۱ ص ۱۳۳، یہ سنی کہ بعض لوگوں نے کہا ہے عائشہؓ تمہارا کیا حال ہے۔ کبھی اونٹ پر سوار ہو کر دانا رسولؐ سے جنگ کرتی ہو کبھی فخر پر سوار ہو کر فرزند

رسول کے دن میں مزاحمت کرتی تو تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذکر العباسؑ)
مگر وہ ایک نہ بائیں اور ضد پر اڑی رہیں۔ یہاں تک کہ بات بڑھ گئی، آپ کے ہوا خواہوں نے اکل محمدؐ
پر تیر برسائے۔ کتاب روضۃ الصفا جلد ۲ صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ کئی تیر امام حسن کے تابوت میں پیوست ہو گئے
کتاب ذکر العباس صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ تابوت میں ستر تیر پیوست ہوئے تھے۔ تاریخ اسلام جلد ۲۸ میں
ہے کہ ناچا نعش مبارک کو جنت البقیع میں لا کر دفن کر دیا گیا۔ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ شہادت کے
وقت آپ کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔

آپ کی ازواج اور اولاد

آپ نے مختلف اوقات میں ۹ بیویاں کیں۔ آپ کی اولادیں
۸ بیٹے اور ۷ بیٹیاں تھیں۔ یہی تعداد ارشاد مفید صفحہ ۲۸ اور
نور الابصار صفحہ ۱۱۲ طبع مصر میں ہے۔ علامہ طحطاوی شافعی مطالب الرسول کے صفحہ ۲۲۹ پر لکھتے ہیں کہ امام حسن کی
نسل زید اور حسن مثنیٰ سے چلی ہے۔ امام شہنشی کا کہنا ہے کہ آپ کے تین فرزند، عبد اللہ قاسم اور عمرو
کربلا میں شہید ہوئے ہیں۔ (نور الابصار صفحہ ۱۱۲) جناب زید بڑے علیل القدر اور صدقات رسول کے
متولی تھے انھوں نے ۱۷ حجرتوں میں ۹ سال انتقال فرمایا ہے۔ جناب حسن مثنیٰ نہایت فاضل مثنیٰ اور صدقات
امیر المؤمنین کے متولی تھے۔ آپ کی شادی امام حسین کی بیٹی جناب فاطمہ سے ہوئی تھی۔ آپ نے کربلا
کی جنگ میں شرکت کی تھی اور بے انتہا زخمی ہو کر مقتولوں میں دب گئے تھے جب سر کاٹے جا رہے
تھے۔ تب ان کے ماموں ابو حسان نے آپ کو زندہ پا کر عمر سعد سے لے لیا تھا۔ آپ کو خلیفہ سلیمان
بن عبد الملک نے صفحہ ۱۱۲ میں زہر دے دیا تھا۔ جس کی وجہ سے آپ نے ۵۲ سال کی عمر میں انتقال فرمایا
آپ کی شہادت کے بعد آپ کی بیوی جناب فاطمہ ایک سال تک قبر پر خیمہ زن رہیں۔ (ارشاد مفید
صفحہ ۱۱۲ و نور الابصار صفحہ ۲۶۹)۔

شیخ عبدالقادر جیلانی

برادران اہل سنت کے عوام کا خیال ہے کہ شیخ سید عبدالقادر جیلانی
ابن جنگی دوست اور بروایتے ابن "جنگ دوست" تھے۔
اور ابن کاتب جناب حسن مثنیٰ، ابن حسن بن علی عظیم السلام تک پہنچتا ہے۔ لیکن ان کے علماء اس
سے انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ دار الامم الانساب احمد بن علی بن الحسین بن علی بن ہشام اپنی کتاب عمدۃ
الطالب طبع بمبئی کے صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ خود شیخ عبدالقادر نے اپنی سیادت کا دعویٰ نہیں کیا اور
نہ ان کے بیٹوں نے کیا ہے۔ البتہ اس کی ایجاد ان کے پوتے قاضی ابوصالح نصر بن ابی بکر بن عبدالقادر
نے فرمائی ہے لیکن اپنے دعویٰ کے ثبوت میں وہ دلیل لانے سے قاصر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی اہل نسب
نے آپ کا دعویٰ تسلیم نہیں کیا (۲) علامہ دوران سید احمد بن محمد الحسینی نے کتاب شجرۃ الاولیاء میں
رقطر از ہیں کہ تمام علمائے انساب نے شیخ سید عبدالقادر کے سلسلہ سیادت سے انکار کیا ہے۔ اور کسی

نے بھی ان کے سادات میں ہونے کو نقل نہیں کیا اور خود انھوں نے بھی اپنے سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور ان کی زندگی میں کسی اور نے بھی ان کو سید نہیں کہا۔ ان اول من اظہر هذه الدعوى الباطلة ہونصر ابن ابی بکر من الشیخ عبد القادر معلوم ہونا چاہیے کہ اس دعویٰ باطلہ کو سب سے پہلے ان کے پوتے نصر بن ابی بکر نے ظاہر کیا ہے۔ الخ (۳) رسالہ صوفی جو لیسر پرستی خواجہ حسن نظامی مندی بہاؤ الدین ضلع گجرات سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے جلد ۳ ص ۱۱ میں لکھا ہے "سیوم پیڑ ریقت حضرت خواجہ محی الدین عبدالقادر جیلانی ہیں۔ ولایت آپ کی قدم بر قدم حضرت عیسیٰ کے ہے سلسلہ نسب آپ کا حضرت عمر فاروق تک پہنچتا ہے۔"

امام شبلنجی کا ارشاد ہے کہ آپ کی ولادت ۳۸۰ھ میں اور وفات ۴۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ آپ حنبلی المذہب تھے۔ آپ کی والدہ ام الخیر مقام جبال علا تو طبرستان کی رہنے والی تھیں۔ اس لیے آپ کو عبدالقادر جیلی کہتے ہیں اور جیلانی اعزازی طور پر کہا جاتا ہے۔ نور الابصار ص ۱۱۱ (الانوار ص ۱۱۱)۔ آپ دو کتابوں غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب کے مصنف ہیں۔ (تاریخ اسلام جلد ۵ ص ۶۳)۔

معاویہ ابن ابی سفیان کا تاریخی تعارف

امیر معاویہ کے تعارف اور آپ کے کردار کی آئینہ داری کے لیے اگرچہ صرف یہی کہنا کافی ہے کہ آپ حضرت علی، امام حسن، عمار یاسر، مالک اشتر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ بنت ابی بکر و محمد ابن ابی بکر نیز عبدالرحمن ابن خالد ابن ولید وغیر ہم کے مسلم الثبوت قائل ہیں جیسا کہ تحریر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس سے آپ کے نسلی حالات اور آپ کے کردار کے دیگر پہلو روکش نہیں ہوتے اس لیے ضرورت ہے کہ کتب معتبرہ کے حوالے سے چند چیزیں نہایت مختصر لفظوں میں پیش کر دی جائیں۔ بنا بریں عرض ہے کہ (۱) نصاب کا فیہ ۹۵۰ھ میں ہے کہ قبیلہ قریش کی ابتدا رقصی ابن کلاب سے ہوئی جو اولاد کعب ابن لوی سے تھے قصی کے چار بیٹوں میں سے ایک کا نام عبدمناف تھا۔ ہاشم اور عبد الشمس عبد المناف کے بیٹے تھے۔ ہاشم کی ذریت سے محمد و آل محمد میں جو ہاشمی کہلاتے ہیں اور عبد الشمس کی طرف منسوب ہے جو نسبت قدیم تھا۔ کرجا۔ بد شکل تھا۔ جس کے چہرے سے شرارت اور نخوت نمایاں تھی۔ امیر کے معنی چھوٹی لونڈی کے ہیں۔ حسان بن ثابت نے اس کے اولاد عبد الشمس ہونے سے انکار کیا ہے۔ دیکھو دیوان حسان ص ۹ (۱) التحریر فی الاسلام مصنف ابوالکلام آزاد کے ۱۱۱ھ میں ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد بنو امیہ کا دور فتن و بدعات سے شروع ہوتا ہے۔ جنہوں نے نظام حکومت اسلامی کی بنیادیں منتشر کر دیں (۳) تطہیر الجنان ص ۱۲۲ نصاب

کافیہ ص ۶۱ میں ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارا سب سے بڑا دشمن قبیلہ بنی امیہ ہے
 (۴) ینابیح المودۃ ص ۱۲۵ میں ہے کہ قبائل عرب میں سب سے شریہ بنی امیہ ہیں (۵) تطہیر الجنان
 ص ۱۳۵ میں ہے کہ ہر شے کے لیے ایک آفت ہے اور دین اسلام کی آفت بنی امیہ ہیں (۶) تاریخ
 الخلفاء ص اور تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ آنحضرت نے خواب میں دیکھا کہ ان کے منبر پر بندر کوڈ
 رہے ہیں جس سے آپ کو بے انتہا صدمہ ہوا جس سے تسلی کے لیے سورۃ قدر نازل ہوا جس میں
 فرمایا گیا ہے کہ اس کی شب قدر مدت حکومت بنی امیہ سے بہتر ہے (۷) روضۃ المناظر بر حاشیہ کامل جلد ۱
 ص ۵ میں ہے کہ شجرہ طعونہ فی القرآن سے مراد بنی امیہ ہیں (۸) تاریخ اعظم کوئی ص ۲۲۲ میں ہے
 کہ عہد جاہلیت میں بنی امیہ کی غذا ٹڈی اور ٹرور تھی (۹) فتح الباری ابن حجر عسقلانی جلد ۶ ص ۶۵
 میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں فاحشہ عورتیں اپنے مکانوں پر پہچان کے لیے جھنڈے لگائے رہتی
 تھیں (۱۰) نصاب کافیہ ص ۱۱ ثمرۃ الاوراق ص ۱۱ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۸ ابن شہینہ جلد ۲ ص ۱۳۵
 ایردگ ص ۲۸ تذکرہ خواص الامتہ ص ۱۱، تاریخ اعظم کوئی ص ۲۲۶ وغیرہ میں ہے کہ مشہور فاحشہ
 عورتیں جن کے مکانوں پر جھنڈے تھے۔ وہ چار تھیں ۱۔ زرقا ۲۔ نابغہ عمر وعاص کی ماں ۳۔
 حمامہ امیر معاویہ کی داوی (۴) ہندہ امیر معاویہ کی ماں۔ اور ہندہ کے متعلق اعظم کوئی ص ۲۲۶ میں ہے
 کہ یہ تمام عیبوں کی خزینہ دار تھی۔ (۱۱) تاریخ الخلفاء ص ۲۱۸ میں ہے کہ یہ شاعرہ اور بڑی سنگ دل
 تھی۔ اس کا ایک شعر احوال ماموں رشید میں درج ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ہم خوبصورتی میں ستارہ
 صبح صادق کی بیٹیاں ہیں۔ نرم بستروں پر ہم کسی کے ساتھ لیوں ملتے ہیں جیسے جماعت کرنے والا مست پکڑ
 چاند کے گرد گھومتا ہے۔ (منتخب اللغات وصرح) (۱۲) نصاب ص ۵۳ میں ہے کہ حسان ابن ثابت نے ہندہ
 کی زنا کاری اپنے اشعار میں بیان کی اور اسے آنحضرت کو ٹرنا یا حضرت خاموش رہے۔ اشعار ملاحظہ ہو
 دیوان حسان ص ۶۰-۶۱ میں (۱۳) ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ آنحضرت نے عقبہ کو مقام صفوریہ (شام) کا
 یہودی فرمایا ہے (۱۴) نصاب کافیہ ص ۱۱ میں ہے کہ امیر نے صفوریہ کی ایک یہودی لڑکی سے زنا کیا تھا
 جس سے ذکوان نامی لڑکا پیدا ہوا تھا۔ جس کی کنیت ابو عمر و مقرر کی گئی تھی۔ یہی ابو عمر و عقبہ کا دادا تھا۔
 (۱۶) روض الالف اصحابہ وکامل اور حلبی میں ذکوان کو غلام امیہ لکھا ہے (۱۷) آغانی ص ۱۱۱ ترجمہ مسافر
 میں ہے کہ امیر کے بعد ذکوان نے اپنی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ (۱۸) آغانی ابوالفرج اصفہانی نصاب
 کافیہ حاشیہ ص ۵۲۔ تذکرہ سبط ابن جوزی میں ہے کہ اسی ابو عمر کا بیٹا مسافر تھا جو سخاوت اور جمالی شعر گوئی
 میں مشہور تھا۔ ہندہ کا اس سے معاشقہ ہوگی اور اس سے حاملہ ہوگی جب حمل ظاہر ہوگا، تو اس نے مسافر
 سے کہا کہ تو کسی طرف چلا جا۔ چنانچہ وہ جبرہ کو چلا گیا۔ اس کے بعد ہندہ البوسفیان کے تصرف میں آگئی۔
 جب مسافر کو پتہ لگا تو اس نے فراق میں جان دے دی۔ مسافر کے چلے جانے کے بعد ہندہ مقام اجیاد کی

طرف چلی گئی اور وہیں پتھر جتا۔

(۱۹) بسط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامت میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے ام حبیبہ خراہر معاویہ کو کہا۔ "قاتل اللہ ابنة الساهرة" خلافت کرے دختر زن زنا کار پر، اور حضرت امام حسن نے معاویہ کو کہا وقد علمت الفرائض الذی ولدت علیہ میں اس فریض کو جانتا ہوں جس پر تو پیدا ہوئے۔ اس کے بعد اس کی توضیح ابن جوزی نے یہ کی ہے۔ قال الاصمعی واللہشام ابن محمد الکلبی فی کتاب المسلمی بالمشاب ووقف علی معنی قول الحسن لمعاویة قد علمت الفرائض الذی ولدت علیہ۔ ان معاویة کان یعال انه منی اربعة من قریشی غمارة ابن ولید و مسافر ابن ابی عمرو و ابن سفیان والعباس وهورلا کانوا شد ماء ابی سفیان وکان کل یتلمہ بلسند الخ یعنی اصمعی اور مشام نے کہا ہے کہ امام حسن کے قول کے یہ معنی ہیں کہ معاویہ۔ الوسفیان۔ عمارہ عباس اور مسافر پیر آدمیوں کی طرف منسوب ہے۔ اما مسافر ابن ابی عمرو فقال الکلبی عامۃ الناس علی ان معاویة منہ، کلبی نے کہا ہے کہ جمہور کی یہ رائے تھی کہ معاویہ مسافر ابن عمرو سے ہے۔ کیونکہ وہی سب سے زیادہ ہندہ سے محبت کرتا تھا۔ مثالب ابن سمان میں ہے کہ پیر ہندہ نے اس کا نکاح بوجہ مال کثیر الوسفیان سے کیا۔ "فوضعت معاویة بعد ثلاثۃ اشهر"۔ نکاح کے تین ماہ بعد طین ہندہ سے معاویہ پیدا ہوا۔ اسی لیے زحشری نے ربیع الابرار میں معاویہ کو چار یاری لکھا ہے۔ بروایت ہندہ کا تعلق ایک خوب صورت آدم سے بھی تھا جس کا نام صبح تھا۔ اسی سے معاویہ کا بھائی عقبہ ابن ابی سفیان پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ تصاریح کافہ ص ۱۱۱ میں ہے۔ قال الشحبی فقد اشار رسول اللہ ابی ہندہ یوم فتح مکة لبشی من هذا الخ۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ ہندہ کی زنا کاری کی طرف آنحضرت نے فتح مکہ کے دن اس موقع پر اشارہ فرمایا تھا جب کہ وہ بیعت کرنے آئی تھی۔ ہندہ نے کہا کہ میں کس چیز پر بیعت کروں۔ حضرت نے فرمایا کہ تو اس چیز پر بیعت کر کہ آج سے زنا نہیں کرے گی۔ اس نے کہا کہ حضرت کیس "حجرہ" آزاد عورتیں زنا کرتی ہیں۔ "فمنظر رسول اللہ الی عمر بنیستم" یہ سن کر آپ نے حضرت عمر کی طرف دیکھ کر تبسم فرمایا ملاحظہ ہو۔ (معاویہ دائرۃ الاصلاح ص ۵) علامہ مجلسی حیوۃ القلوب جلد ۲ ص ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر زمانہ جاہلیت کے عملی شاہد تھے۔ اسی لیے رسول اللہ ان کی طرف دیکھ کر مسکرائے تھے۔ (۲۰) تمام تواریخ اسلام میں ہے کہ اسی ہندہ نے حضرت حمزہ کو اپنے ایک عاشق حبشی نامی سے شہید کرا کے ان کا جگر چبانا چاہا مہتا۔ اور ان کے کان ناک وغیرہ کاٹ کر اپنے گلے کا ہار بنایا تھا (۲۱) معاویہ کا باپ جو الوسفیان کہا جاتا ہے۔ وہ بروایت حیوۃ الحيوان تیلی تھا (۲۲) اعثم کوئی ص ۲۳ میں ہے کہ یہ شترانی تھا (۲۳) حیوۃ القلوب اور نبع البلاغ جلد ۲ ص ۱۳ میں ہے کہ الوسفیان نے بجز واکراہ اسلام قبول کیا تھا (۲۴) معاویہ دائرۃ الاصلاح ص ۱۲ میں ہے کہ معاویہ

۱۷- یا ۲۲ سال قبل ہجرت ہندہ کے شکم سے پیدا ہوا۔ (۲۵) بیخ البلاغ جلد ۲ ص ۱۹ میں ہے کہ حضرت علی نے معاویہ کو نصیبت فرمایا ہے۔ جس کے معنی منہم النسب کے ہیں (۲۶) جنات الخلو میں ہے کہ معاویہ کا قد لبا آنکھیں سبز تھیں (۲۷) تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲ میں ہے کہ اس کی صورت ڈراؤنی تھی (۲۸) تاریخ کامل جلد ۳ ص ۱۶۶ و فصاح کافہ ص ۱۱ میں ہے کہ محمد ابن ابی بکر نے معاویہ کو لعین ابن لعین کہا ہے۔ (۲۹) اس نے غلط طور پر مشہور کیا کہ علی قاتل عثمان میں (اعظم کوئی ص ۱۹) (۳۰) فصاح کافہ ص ۵۳ و حلیۃ الاولیاء ص ۱۲۴ میں ہے کہ اس نے غلط شہرت دی کہ (معاذ اللہ) علی نماز نہیں پڑھتے (۳۱) فصاح کافہ ص ۵۳ میں ہے کہ معاویہ کے حکم سے عبید اللہ ابن عباس کے دو کمسن بچے ماں کی گود میں ذبح کئے گئے (۳۲) اعظم کوئی ص ۳۰۷ میں ہے کہ معاویہ نے مین اور حجاز میں ۳۰ ہزار عجمان علی کو قتل کیا۔ (۳۳) فصاح کافہ ص ۱۱ میں ہے کہ معاویہ نے مالک اشتر کو زہر سے شہید کرا دیا (۳۴) اعظم کوئی ص ۳۳۸ میں ہے کہ معاویہ نے محمد ابن ابی بکر کو گدھے کی کھال میں سلوا کر جلوا دیا۔ (۳۵) اسی کتاب میں ہے کہ جب حضرت عائشہ کو اس کی خبر ملی تو بہت روتیں اور معاویہ کو ناحیات بد دعا دیتی رہیں (۳۶) فصاح کافہ ص ۶۲ میں ہے کہ حضرت علی کو اس کی اطلاع ملی تو بچی بکاؤ شدیداً بہت روتے (۳۷) فصاح کافہ ص ۵۸ سیرۃ محمدیہ ص ۵۷ میں ہے کہ حجر ابن عدی صحابی رسول کریم محبت علی قتل کئے گئے اور عبد الرحمن ابن حسان زندہ دفن کئے گئے (۳۸) فصاح کافہ ص ۵۳ میں ہے کہ عمر بن الحسن بھی حکم معاویہ سے شہید کئے گئے (۳۹) طبری اور فصاح کافہ ص ۵۲ میں ہے کہ معاویہ کے ایک عامل سمرقانی ۸ ہزار آدمیوں کو شہید کیا (۴۰) تاریخ اعظم ص ۳۳۳ و فصاح کافہ ص ۱۱ میں ہے کہ بصرہ اور کوفہ میں ایک ایک رات کو پانچ پانچ سو صحابان علی قتل کئے گئے (۴۱) تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۳۳ میں ہے کہ معاویہ نماز کے ہر قنوت میں حضرت علی - ابن عباس - امام حسن امام حسین اور مالک اشتر پر لعنت کرتا تھا (۴۲) فصاح کافہ ص ۱۱ میں ہے کہ معاویہ مولفہ القلوب میں تھا۔ اس کا کاتب وحی ہونا غلط ہے (۴۳) تاریخ اعظم ص ۲۶ میں ہے کہ معاویہ نے شہداء اُحد کی قبروں پر سے نہر جاری کرائی اور لاشوں کو دوسری جگہ دفن کرا دیا۔ لاشوں کے نکالنے میں ایک بیچو حضرت حمزہ کے پیر میں لگ گیا جس سے خون تازہ جاری ہوا۔

(۴۴) مولوی امیر علی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام حسن کے ترک خلافت کے بعد معاویہ حقیقت میں ہی بادشاہ اسلام بن گیا۔ اس طرف زمانہ کے عجیب و غریب انقلاب سے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے دشمنوں نے ان کی اولاد کا موروثی حق خصب کرایا اور بت پرستی کے حامی ان جناب کے مذہب اور سلطنت کے سردار اور پیشوا بن گئے۔ دار الخلافہ جو حضرت علی نے کوفہ مقرر کیا تھا۔ اب دمشق میں منتقل ہو گیا اور جہاں معاویہ ایرانی اور یونانی شان و شوکت کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ وہ

اکثر اپنے دشمنوں اور مخالفوں کا زہر یا تلوار سے کام تمام کر دیتا تھا۔ رشتہ داری یا خدمت، اسلام بھی اس کے سفاک ہاتھوں سے بچاؤ سکتی تھی۔ اور پھر مورتخ اور سبرن سے نقل کیا ہے کہ بنی امیہ کا اولیٰ خلیفہ سیبانا مقتنی اور سفاک تھا۔ اپنا مطلب نکالنے کے لیے کسی مجرم کے ارتکاب سے نہ ڈرتا تھا۔ زہر دست غیثم کو ہلاک کر دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ پیغمبر اسلام کے نواسے امام حسن اور مالک اشتر کو زہر سے ہلاک کر دیا۔ اسی طرح عبدالرحمن ابن خالد ابن دید کو ۳۵ھ میں زہر سے تمام کر دیا (کابل ابن اثیر - طبری - ابوالفداء - روضۃ الصفا - حبیب السیر) اور ام المؤمنین جناب عائشہ کو اس طرح زہر گڑھے میں دفن کر دیا کہ ۳۵ھ میں آکر ایک مکان میں گڑھا کھودوا کر اس کو خنس پوش کر کے ابنوس کی کرسی چھوئی اور عائشہ کو دعوت میں بلوا کر اس پر بیٹھا یا عائشہ بیٹھتے ہی اس گڑھے میں جا پڑیں۔ معاویہ نے اس گڑھے کو پتھر اور چھونے سے مضبوط کر دیا اور مکہ کی طرف کوچ کر گئے۔ (حبیب السیر جلد ۱ ص ۱۵۰) اوکلی تاریخ اسلام - بیع الایمان - اوائل سلطنتی کامل السیفینہ حدیثہ حکیم سنائی - مناقب مرقسوی (۳۵) ۱۵۰ھ میں حجرا بن عدی کو جو نہایت متقی و پرہیزگار اور عبادت گزار تھے اور ان کے چچہ ہر ایسوں کو اور عمر ابن حنظل صحابی کو صرف اس جرم میں کہ وہ دوستداران علی تھے۔ اور جب معاویہ کا گورنر کوفہ کے منبر پر علی پر لعنت کرتا تو یہ روکنے اور علی کی حمایت کرتے تھے قتل کر دیا۔ (۳۶) خانہ ان بنی امیہ کو قرآن میں شجرہ ملعونہ فرمایا گیا ہے۔ ان کو علی اور ان کی اولاد اور ان کے شیعوں سے سخت دشمنی تھی۔ چنانچہ معاویہ حضرت علی پر تبر کرتا تھا۔ اس نے ۱۵۰ھ میں حکم دیا کہ مالک محروسہ کی تمام مسجدوں میں خطیب منبر پر بیٹھ کر حضرت علی پر تبر کیا کریں اور یہ رسم ۱۹۹ھ ہجری تک جاری رہی جبکہ عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ میں سے اس تبر کو مٹوا کر آیت "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" الخ۔ اور خلفاء اربعہ کے نام داخل کرائے۔ ملاحظہ ہو صحیح مسلم - ترمذی - منہاج السنۃ - عقد الفریہ - ابوالفداء کامل ابن اثیر - طبری - تاریخ الخلفاء - فتاویٰ عزیز می - تفریح الاحباب - خصائص نسائی امام غزالی لکھتے ہیں کہ حضرت علی پر شتم و تبر ایک ہزار ماہ تک جاری رہا (سرا عالمین ص ۱۷ طبع بمبئی)۔ المصالح الکافیہ کے ۱۹ میں ہے کہ حضرت علی پر شتر ہزار منبروں پر سب شتم کی جاتی تھی معاویہ نے ابوہریرہ عمر و عاص - مغیرہ ابن شعبہ اور عروہ ابن زبیر کو اس امر پر مامور کیا تھا کہ علی کی منقصدت میں جھوٹی حدیثیں تیار کریں (۳۸) ابن ابی الحدید جلد ۲ میں ہے شیخان علی کے مال و متاع ضبط کر لیے گئے وہ قتل کئے گئے اور اس قدر ان پر ظلم کئے گئے کہ کوئی اپنے کو شیعہ نہ کہہ سکتا تھا۔ (۳۹) ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۱۷۰ نصاب کافیرہ ص ۱۷ کتاب المغزی میں ہے کہ معاویہ امور دنیا میں اس قدر منہمک رہتا اور اپنی ہمت تدریس امور دنیا میں اتنی مصروف کرنا کہ اور سب تاہل اس کے سامنے بیچ سمجھتا تھا۔ (۴۰) دن میں پانچ مرتبہ کھاتا تھا۔ اور آخری دفعہ سب سے زیادہ کھا کر کتنا تھا اسے غلام اٹھائے کھاتے کھاتے تھک گیا مگر سیر نہیں ہوا۔ ایک چھوٹا بچہ

کراتے وہ ایک ہی میدان کی روٹی کے ساتھ کھا گیا اور ساتھ چار موٹے موٹے گردے۔ ایک گرم پھیر کا پتہ اور ایک ٹھنڈا پھیر کا پتہ اور کھجوروں سے الگ مٹھی بٹھا گیا۔ اس کے آگے سواراٹل باقلانی رطب رکھا گیا وہ سب کھا گیا۔ (۵۱) امام نسائی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ان کے حق میں بددعا کی تھی۔ "لا اشبع اللہ بطنہ"۔ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے گا معاویہ اپنا مطلب کمانے میں خون ریزی کی مطلق پرواہ نہ کرتا تھا (۵۲) اوکلی لکھتا ہے کہ وہ زرق برق کپڑے پہنتا اور شان و شوکت سے بسر کرتا اور ہمیشہ شراب پیتا تھا۔

(۵۳) حسن بصری کہتے ہیں کہ معاویہ کی چار باتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک ہی اس کی ہلاکت کے لیے کافی ہے۔ اول مستقیمین خلافت کو محروم کر کے زبردستی خلافت پر قبضہ کرنا۔ دوسرے یزید کو ولی عہد بنانا جو بد اطوار شرابی حریر پہننے والا۔ گانا بجانا سننے کا شوقین تھا۔ تیسرے ابوسفیان کے حرامی بیٹے زیاد کو شریعت کے خلاف اپنا بھائی بنانا۔ چوتھے حجر اور ان کے اصحاب پر ظلم کرنا۔ اور ان کو قتل کرنا (۵۴) امام شافعی فرماتے ہیں کہ چار صحابی ایسے ہیں جن کی گواہی قابل قبول نہیں۔ معاویہ عمرو عاص میسرہ۔ زیاد (حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی انہیں چار نعمتہ گروں نے مکر توڑی ہے۔

(۵۶) مسعودی لکھتا ہے کہ اہل شام معاویہ کے فرمانبردار اور اطاعت گزار ایسے تھے کہ جنگ صفین کو جاتے ہوئے معاویہ نے جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھا دی اور انہوں نے پڑھنے کی کچھ مسعودی لکھتا ہے کہ نبی امیر کے عہد میں عام لوگوں کے اخلاق میں یہ بات داخل ہوگئی تھی کہ سید کو سردار نہ بنائیں۔ نبی امیر بغیر عالم ہونے کے علم کی بات کہتے تھے اور بلا تیز فاضل و مفضل اور فائدہ و نقصان کے جوان کے آگے ہو جائے، اس کی مطابقت کر لیتے تھے اور حق و باطل میں تمیز نہ کرتے تھے (۵۷) معاویہ نے شام میں علیل ہوا۔ اور اس نے یزید سے کہا کہ جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے۔ اس نے کہا حکومت چاہتا ہوں۔

تاکہ اس کے ذریعہ سے جنت سے نجات حاصل کر لوں۔ اس نے یزید کا منہ چوم لیا اور کہا مجھے منظور ہے۔ (تاریخ کامل) چنانچہ وہ یزید جیسے دشمن اسلام کو خلیفہ بنا کر جب شام پر چڑھا تو ابوبکر اور علی ہو گیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۳۳) یہ مسلمات تاریخ میں سے ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی ایک حدیث بھی وارد نہیں ہوئی اور اس کے بد عادات نے شمار میں تطہیر الجنان موضوعات عالمی قاری ص ۳۰

فتح الباری میں ہے کہ معاویہ کے حق میں کوئی بھی خبر صحیح وارد نہیں ہوئی و جہتہ کہ صحیح بخاری میں اس کے متعلق کوئی بارہ تاہم نہیں کیا گیا۔ مفردات الامام راغب اصفہانی میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا تھا کہ معاویہ کے گلے میں جب تک میسائیل کی صلیب نہ پڑے گی اسے موت نہ آئے گی چنانچہ آخری وقت ایک نصرانی کرسٹیان نے نوز شفا کے نام سے اس کے گلے میں صلیب ڈال دی۔ اس کے بعد اس کا انتقال ہو گیا یقین ہے کہ معاویہ نصرانی و عیسائی محسوس ہو گا کیونکہ

یہ علی کا دشمن اور ان کو اذیت دینے والا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ "من اذی علیاً بعث
یوم القیامت" یہودیہ الخ۔ جو علی کو اذیت دے گا وہ یہودی یا نصرانی مبعوث و محشور
ہوگا۔ (نصیح کافیر) تاریخ الخلفاء ص ۱۲۵ میں ہے کہ معاویہ نے چالیس سال حکومت کی۔
۶۷ سال کی عمر پائی اور سترہ ہجری میں انتقال کیا، اور دمشق شام میں دفن کیا گیا۔
میں کتا ہوں کہ معاویہ کے حملہ عمل و کردار کے نتائج ایک طرف اور اس کا حضرت علیؑ
ابامحسن کا قتل کرنا ایک طرف۔ یقین کرنا چاہیے کہ امیر معاویہ کی بخشش قطعاً دشوار ناممکن
اور محال ہے۔ فقط۔

لہ شناجاتا ہے کہ شام میں جس جگہ پر معاویہ کی قبر تھی اس جگہ چوڑیاں بنانے کی بھٹی بنی ہوئی ہے۔ ۱۲ منہ ۶



ابو عبد اللہ

حضرت

امام حسین علیہ السلام

شہیدِ کربلا

حسینؑ نے تہ تیغ وہ کیا سجدہ
 کہ فرم کرتی رہے طاعت بھی اس اطاعت
 نہ عبدیت کو فقط افتخار ہے مولا
 الوہیت بھی سئے نماز ان نری عبادت
 (صاحب تصانیف دہراچی)

باب ۵

حضرت امام حسین علیہ السلام

یونہی بیس تیسری شعبان کو حرمت چوگنی ہوگی مجھے بارہ پلاوے پانچواں ساتی ہوا پیدا
 نہ کیونکہ ایسے بیٹے پر ہوں ناناں ساتی کوڑ نہاں میں جس میں لوگوں کو تیری وہ عصمت کا ہے پیرا
 (مجم کرادی)

حضرت امام حسین علیہ السلام ابو الائمہ امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام و سیدۃ النساء حضرت
 فاطمہ الزہراء کے فرزند اور پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و جناب خدیجہ بنت الکریم
 کے نواسے اور شہید مظلوم امام حسن علیہ السلام کے قوت بازو تھے۔ آپ کو ابو الائمہ اشافی کہا جاتا
 ہے۔ کیونکہ آپ ہی کی نسل سے نو امام متولد ہوئے ہیں۔ آپ بھی اپنے پدر بزرگوار اور برادر عالی
 وقار کی طرح معصوم منصوص افضل زمانہ اور عالم علم لدنی تھے۔

آپ کی ولادت
 حضرت امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے بعد چھ ماہوں میں گزریں
 تھیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا نقطہ وجود بطن مادر میں مستقر
 ہوا تھا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ ولادت حسن اور استقر حمل حسین
 میں ایک طہر کا فاصلہ تھا (اصابہ نزل الابرار واقدی) ابھی آپ کی ولادت نہ ہونے پائی تھی
 کہ بروایت ام الفضل بنت حارث نے خواب میں دیکھا کہ رسول کریم کے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ
 کر میری آغوش میں رکھا گیا ہے۔ اس خواب سے وہ بہت گھبرائیں اور دوڑی ہوئی رسول کریم کی
 خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر داز ہوئیں کہ حضور آج ایک بہت بڑا خواب دیکھا ہے۔ حضرت
 نے خواب سنی کہ مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ خواب تو نہایت ہی عمدہ ہے۔ اے ام الفضل اس
 کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ کے بطن سے عنقریب ایک بچہ پیدا ہوگا جو تجھاری آغوش میں
 پرورش پائے گا۔ آپ کے ارشاد فرمانے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
 ماہ گزار کر نور نظر رسول امام حسین بن تاریخ ۳ شعبان ۶۱ھ ہجری بمقام مدینہ منورہ بطن مادر سے
 آغوش مادر میں آگئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۳ والوارحینیہ جلد ۳ ص ۲۳ بحوالہ صفائی ۲۹۸ و جامع

عباسی ۵۹۰ء و بجارالانوار و مصباح طلوسی و قتل ابن تمام (غیرہ ام الفضل کا بیان ہے کہ میں حسینؑ ان کی خدمت کرتی رہی۔ ایک دن میں بچہ کو لے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ نے آنحضرتؐ محبت میں لے کر پیار کیا اور آپ رونے لگے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ابھی ابھی جبریلؑ میرے پاس آئے تھے وہ بتلا گئے ہیں کہ یہ بچہ اُمت کے ہاتھوں نہایت ظلم و ستم کے ساتھ شہید ہوگا۔ اور اے ام الفضل وہ مجھے اس کی قتل گاہ کی سرنخ مٹی بھی دے گئے ہیں۔ (مشکوٰۃ جلد ۸ ص ۱۷۰ مطبع لاہور) اور مسند امام رضاؑ میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا دیکھو یہ واقعہ فاطمہ سے کوئی نہ بتلائے ورنہ وہ سخت پریشان ہوں گی۔ تلاجامی لکھتے ہیں کہ اُم سلمہ نے بیان کیا کہ ایک دن رسول خدا میرے گھر اس حال میں تشریف لائے کہ آپ کے سر مبارک کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور چہرے پر گرد و پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اس پریشانی کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے۔ فرمایا مجھے ابھی ابھی جبریلؑ عراق کے مقام کربلا میں لے گئے تھے۔ وہاں میں نے جائے قتل حسینؑ دیکھی ہے اور یہ مٹی لایا ہوں۔ لے لے اُم سلمہ اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔ جب یہ خون ہو جائے تو سمجھنا کہ میرا حسین شہید ہو گیا۔ الخ (شواہد النبوت ص ۱۷۲)۔

آپ کا اسم گرامی امام شہبلیؒ لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد سرور کائنات صلعم نے امام حسینؑ کی آنکھوں میں لعاب دہن لگایا اور اپنی زبان ان کے منہ میں دے کر بڑی دیر تک چسایا۔ اس کے بعد دہننے کا ان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی، پھر دُعائے خیر فرما کر حسین نام رکھا۔ (نور الابصار ص ۱۳) علماء کا بیان ہے کہ یہ نام اسلام سے پہلے کسی کا بھی نہیں تھا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نام خود خداوند عالم کا رکھا ہوا ہے۔ (ارج المطالب وروضۃ الشهداء ص ۲۳۶، کتاب اعلام الورع بطبری میں ہے کہ یہ نام بھی دیگر آئمہ کے ناموں کی طرح لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔

آپ کا عقیدہ امام حسینؑ کا نام رکھنے کے بعد سرور کائنات نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا کہ بیٹی جس طرح حسن کا عقیدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح اس کے عقیدہ کا بھی انتظام کرو، اور اسی طرح بالوں کے ہم وزن چاندی تصدق کرو، جس طرح حسن کے لیے کرپٹی ہو الغرض ایک مینڈھا منگوا یا گیا۔ اور رسم عقیدہ ادا کر دی گئی (مطالب السؤل ص ۱۷۱) بعض معاصرین نے عقیدہ کے ساتھ تختہ کا ذکر کیا ہے جو میرے نزدیک قطعاً ناقابل قبول ہے کیونکہ امام کا تختون پیدا ہونا مستحکمات سے ہے۔

کنیت و القاب آپ کی کنیت صرف ابو عبد اللہ تھی۔ البتہ القاب آپ کے پیشاں ہیں جن میں سید جبیط اصغر۔ شہید اکبر اور سید الشهداء زیادہ مشہور

ہیں۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ سبط اور سید خود رسول کریم کے معین کردہ القاب ہیں۔
(مطالب السؤل ص ۳۲۱)۔

آپ کی رضا عمت

اصول کافی باب مولد الحسین ص ۱۱۳ میں ہے کہ امام حسین نے پیدا ہونے کے بعد نہ حضرت فاطمہ زہرا کا شیر مبارک ٹوکش کیا اور نہ کسی اور دانی کا دودھ پیا، ہوتا یہ تھا کہ جب آپ بھوکے ہوتے تو سرور کائنات تشریف لاکر زبان مبارک دہن اقدس میں دے دیتے تھے اور امام حسین اُسے چوسنے لگتے تھے۔ یہاں تک کہ سرورِ میرا آپ ہو جاتے تھے معلوم ہونا چاہیے کہ اسی سے امام حسین کا گوشت پوست بنا اور حباب دہن رسالت سے حسین پرورش پاکر رسالت انجام دینے کی صلاحیت کے مالک بنے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رسول کریم سے بہت مشابہہ تھے۔ (نور الابصار ص ۱۱۳)۔

خداوند عالم کی طرف سے ولادت امام حسین کی تہنیت اور تعزیت

علامہ حسین واعظ کا شفی رقمطراز ہیں کہ امام حسین کی ولادت کے بعد خلاق عالم نے جبرئیل کو حکم دیا کہ زمین پر جا کر میرے حبیب محمد مصطفیٰ کو میری طرف سے حسین کی ولادت پر مبارک باد دے دو اور ساتھ ہی ساتھ ان کی شہادتِ عظمیٰ سے بھی انھیں مطلع کر کے تعزیت ادا کرو۔ جناب جبرئیل بحکم رب جلیل زمین پر وارد ہوئے۔ اور انھوں نے آنحضرت کی خدمت میں پہنچ کر تہنیت ادا کی۔ اس کے بعد عرض پر واز ہوئے کہ اے حبیب رب کریم آپ کی خدمت میں شہادتِ حسین کی تعزیت بھی منجانب اللہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ سن کر سرور کائنات کا ماتھا ٹھنکا اور آپ نے پوچھا، جبرئیل ماجرا کیا ہے۔ تہنیت کے ساتھ تعزیت کی تفصیل بیان کرو۔ جبرئیل نے عرض کی مولا ایک وہ دن ہوگا جس دن آپ کے اس چہیتے فرزند "حسین" کے گوتے مبارک پر خیر ابدار رکھا جائے گا۔ اور آپ کا یہ نور نظر بے بار و مددگار میدانِ کربلا میں یکدہناتین دن کا جھوکا پیا سا شہید ہوگا۔ یہ سن کر سرور عالم محو گریہ ہو گئے۔ آپ کے رونے کی خبر جو نبی امیر المؤمنین کو پہنچی وہ بھی رونے لگے اور عالم گریہ میں داخل خانہ بیتدہ ہو گئے۔ جناب بیتدہ نے جو حضرت علیؑ کو روتا دیکھا دل بے چین ہو گیا۔ عرض کی ابوالحسن رونے کا سبب کیا ہے۔ فرمایا بنت رسول ابھی جبرئیل آئے ہیں اور وہ حسین کی تہنیت کے ساتھ ساتھ اس کی شہادت کی بھی خبر دے گئے ہیں۔ حالات سے باخبر ہونے کے بعد فاطمہ کے گریہ کو گریہ ہو گیا۔ آپ نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی بابا جان یہ کب ہوگا۔ فرمایا جب زمین میں ہوں گا تو ہوگی نہ علی ہوں گے نہ حسن ہوں گے۔ فاطمہ نے پوچھا بابا میرا بچہ کس خطا پر شہید ہوگا۔ فرمایا فاطمہ بالکل بے مجرم و بے خطا صرف اسلام کی حمایت میں شہادت ہوگی۔ فاطمہ نے عرض کی بابا جان جب ہم

میں سے کوئی نہ ہوگا تو پھر اس پر گریہ کون کرے گا۔ اور اس کی صف ماتم کون بچھائے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ اس سوال کا حضرت رسول کریمؐ ابھی جواب نہ دینے پائے تھے کہ ہاتفِ غیبی کی آواز آئی۔ اے فاطمہ غم نہ کرو تمھارے اس فرزند کا حکم ابد الابد تک منایا جائے گا اور اس کا ماتم قیامت تک جاری رہے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول خداؐ نے فاطمہ کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ خدا کچھ لوگوں کو عطیہ پیدا کرتا رہے گا جس کے ٹوڑھے ٹوڑھوں پر اور جوان جوانوں پر اور سچے سچوں پر اور عورتوں پر گریہ و زاری کرتے رہیں گے۔

علامہ مذکور بحوالہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں کہ اسی تہنیت کے سلسلہ میں جناب جبرئیل بے شمار فرشتوں کے ساتھ زمین کی طرف آئے تھے۔ ناگاہ اُن کی نظر زمین کے ایک غیر معروف طبقہ پر پڑی۔ دیکھا کہ ایک فرشتہ زمین پر پڑا ہوا زار و قطار رو رہا ہے۔ آپ اس کے قریب گئے اور آپ نے اس سے ماجرا پوچھا۔ اُس نے کہا اے جبرئیل میں تمہاری فرشتہ ہوں جو پہلے آسمان پر ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرتا تھا میرا نام فطرس ہے۔ جبرئیل نے پوچھا تجھے کس جرم کی یہ سزا ملی ہے۔ اُس نے عرض کی، مرضی معبود کے سمجھنے میں ایک پل کی دیر کی تھی جس کی یہ سزا بھگت رہا ہوں۔ بال و پیر جل گئے ہیں۔ یہاں کج تنہائی میں پڑا ہوں۔ اے جبرئیل خدا را میری کچھ مدد کرو۔ ابھی جبرئیل جواب نہ دینے پائے تھے کہ اُس نے سوال کیا۔ اے روح الامین آپ کہاں جا رہے ہیں انھوں نے فرمایا کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے جس کا نام "حسین" ہے۔ میں خدا کی طرف سے اُس کی ادائے تہنیت کے لیے جا رہا ہوں۔ فطرس نے عرض کی اے جبرئیل خدا کے لیے مجھے اپنے ہمراہ لیتے چلو مجھے اسی در سے شفا اور نجات مل سکتی ہے۔ جبرئیل اسے ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب کہ امام حسینؑ آغوشِ رسولؐ میں جلوہ فرماتے۔ جبرئیل نے عرض حال کیا، سرور کائنات نے فرمایا کہ فطرس کے جسم کو حسینؑ کے بدن سے مٹ کر دو۔ شفا ہو جائے گی۔ جبرئیل نے ایسا ہی کیا اور فطرس کے بال و پیر اسی طرح روئیدہ ہو گئے جس طرح پہلے تھے۔ وہ صحت پانے کے بعد فخر و مہابات کرتا ہوا اپنی منزل "اصلی" آسمانِ سیم پر جا پہنچا اور مثل سابق ستر ہزار فرشتوں کی قیادت کرنے لگا "بعد از شہادت حسینؑ چوں برآں قضیبہ مطلع شد" یہاں تک کہ وہ زمانہ آیا جس میں امام حسینؑ نے شہادت پائی اور اسے حالات سے آگاہی ہوئی تو اس نے بارگاہِ احیث میں عرض کی "ماک مجھے اجازت دے دی جائے کہ میں زمین پر جا کر دشمنانِ حسینؑ سے جنگ کروں۔ ارشاد ہوا کہ جنگ کی کوئی ضرورت نہیں البتہ تو ستر ہزار فرشتے لے کر زمین پر چلا جا اور اُن کی قبر مبارک پر صبح و شام گریہ و ماتم کیا کر اور اس کا جو ثواب ہو اُسے ان کے رونے

والوں کے لیے بہہ کر دے۔ چنانچہ فطرس زمین کو بلا پر جا پہنچا اور تاقیام قیامت شب و روز روتا رہے گا۔ (روضۃ الشہداء از ص ۲۳۶ تا ص ۲۳۸ طبع ممبئی ۱۳۸۵ھ وغنیۃ الطالبین شیخ عبد القادر جیلانی)

ملا جامی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسین کو خداوند عالم نے وہ حسن و جمال دیا تھا جس کی نظیر نظر نہیں

امام حسینؑ کا روئے تاباں

آتی۔ آپ کے روئے تاباں کا یہ حال تھا کہ جب آپ جاتے تاریک میں بیٹھ جاتے تھے۔ تو لوگ آپ کے روئے روشن سے شمع طلق کا کام لیتے تھے۔ یعنی ہر چیز روشن ہو جاتی تھی اور لوگوں کو تاریکی میں راہروی کی زحمت نہیں ہوتی تھی۔ (شواہد النبوت رکن ۶ ص ۱۷۲ اور روضۃ الشہداء باب ۲۳۸) شیخ عبدالواسع ابن عسلی واسعی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ اور امام حسینؑ ایک دن رسولؐ کو صلعم کی خدمت میں حاضر تھے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ آپ نے فرمایا میرے بچو! اب رات ہو گئی ہے تم اپنی ماں کے پاس چلے جاؤ۔ بچے حسب الحکم روانہ ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ جیسے بچے گھر کی طرف چلے ایک روشنی پیدا ہوئی جو ان کے راستے کی تاریکی کو دور کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بچے اپنی ماں کی خدمت میں جا پہنچے۔ پیغمبر اسلامؐ جو اس روشنی کو دیکھ رہے تھے۔ ارشاد فرماتے گئے۔ "الحمد للذی احرمنا اهل البیت"۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم اہل بیت کو عزت و کرامت عطا فرمائی ہے۔ مسند امام رضاؑ مطبوعہ مصر ۱۳۳۱ھ (ج ۱)۔

علماء کا بیان ہے کہ ایک روز حضرت رسولؐ خدا صلعم امام حسینؑ کو اپنے زانو پر اور جناب ابراہیمؑ کو بائیں زانو پر پٹھائے ہوئے پیار کر رہے تھے کہ ناگاہ جبریلؑ

جناب ابراہیمؑ کا امام حسینؑ پر فرستارہا ہونا

نازل ہوئے اور کہنے لگے ارشادِ خداوندی ہے کہ دو میں سے ایک کو اپنے پاس رکھو۔ پیغمبر اسلامؐ نے امام حسینؑ کو ابراہیمؑ پر ترجیح دی اور اپنے فرزند ابراہیمؑ کو حسینؑ پر سے فدا کر دینے کے لیے کہا۔ چنانچہ ابراہیمؑ علیل ہو کر زمین یوم میں انتقال کر گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے جب امام حسینؑ آنحضرتؐ کے سامنے آتے تھے تو آپ انھیں آغوش میں بٹھا کر فرماتے تھے کہ یہ وہ ہے جس پر میں نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کو قربان کر دیا ہے۔ (شواہد النبوت ص ۱۷۲ و تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۰۴)۔

ابن الخشاب شیخ کمال الدین اور ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کسی کے عالم میں رسولؐ خدا کی نظروں کے سامنے آپس میں زور آزمائی کرنے اور کشتی لڑنے لگے جب باہم ایک دوسرے سے پست گئے تو رسولؐ خدا نے امام حسنؑ سے کہنا شروع کیا، ہاں بیٹا حسنؑ بگیر حسینؑ کو گرا دے

حسینؑ کی باہم زور آزمائی

اور چت کر دے، فاطمہ نے اگے بڑھ کر عرض کی یا جان آپ تو بڑے فرزند کی ہمت بڑھا رہے ہیں اور چھوٹے بیٹے کی ہمت افزائی نہیں کرتے آپ نے فرمایا کہ اے بیٹو! یہ تو دیکھو کہ جبریل کھڑے ہوئے حسین سے کہ رہے ہیں "بگیر حسن را" اے حسین تم حسن کو گرا دو، اور چت کر دو۔ (شواہد نبویہ ص ۱۷۲ وروضۃ الشہداء ص ۲۳۹ نورالابصار ص ۱۱۳ طبع مصر)۔

حاکِ قَدَمِ حُسَيْنِ اور حَلِيبِ بْنِ مَظَاهِرِ

علامہ حسین واعظ کا شفہی لکھتے ہیں کہ ایک دن رسولِ خدا ایک راستے سے گزر رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ چند بچے کھیل رہے ہیں۔

آپ ان کے قریب گئے اور ان میں سے ایک بچہ کو اٹھا کر اپنی

آغوش میں بٹھایا اور آپ اس کی پیشانی کے بوسے دینے لگے۔ ایک صحابی نے پوچھا حضورؐ

اس بچے میں کیا خصوصیت ہے کہ آپ نے اس کی اس درجہ قدر افزائی فرمائی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے اسے ایک

دن اس حال میں دیکھا ہے کہ یہ میرے بچے حسین کے قدموں کی خاک اٹھا کر اپنی آنکھوں میں لگا رہا تھا۔ بعض صحابہ

کا بیان ہے کہ وہ بچہ آنحضرتؐ نے جس کو سنا دیا تھا اس کا نام حبیب بن مظاہر تھا۔

پسر عمر رضی امام حسینؑ کہ چو اولیٰ نہ بودہ در کوئین

مُصطفیٰ او را کشیدہ بدوش مرفضی پروریدہ در آغوش

عقل در بندہ بند و بیجا پیش بودہ جبرئیل حمد جنبا نشین (روضۃ الشہداء ص ۲۳۹)

امام حسینؑ کے لینے بچہ آہو کا آنا

اُسے امام حسن کے حوالے کر دیا۔ کیونکہ آپ بروقت حاضر خدمت ہو گئے تھے۔ امام حسین نے جب

امام حسن کے پاس بچہ آہو ملاحظہ کیا، تو اپنے نانا سے کہنے لگے نا جان، آپ مجھے بھی بچہ آہو دیجئے۔

سرورِ کائنات امام حسین کو تسلی دینے لگے۔ لیکن کسنی کا عالم تھا فطرتِ انسانی نے اظہارِ فضیلت کے

لیے کروٹ لی اور امام حسین نے ضد کرنا شروع کر دیا اور قریب تھا کہ روپڑیں ناگاہ ایک آہو کو آہو

ہوا دیکھا آیا جس کے ہمراہ ۳۱ کا بچہ تھا۔ وہ آہو سیدھا خدمت میں آیا اور اس نے بزبانِ فصیح کہا،

حضور میرے دو بچے تھے ایک کو صیاد نے شکار کر کے آپ کی خدمت میں پہنچا دیا اور دوسرے

کو میں نے لے کر اس وقت حاضر ہوا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں جنگل میں تھا کہ میرے کانوں میں ایک آوا

آئی جس کا مطلب یہ تھا کہ ناز پر درودِ رسولِ بچہ آہو کے لیے چلا ہوا ہے۔ جلد سے جلد اپنے بچہ

کو حضور رسولؐ کی خدمت میں پہنچا۔ حکم پاتے ہی میں حاضر ہوا ہوں اور یہی پیش خدمت ہے

آنحضرتؐ صلعم نے آہو کو دعائے خیر دی اور بچہ امام حسین کے حوالے کر دیا۔ (روضۃ الشہداء

امام حسینؑ سینۃ رسولؐ پر

صحابی رسولؐ ابو بکرؓ راوی حدیث کا بیان ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھا ہے کہ رسول کریمؐ لیے ہوئے ہیں اور امام حسینؑ

ندیت کھنسی کے علم میں ان کے سینہ مبارک پر ہیں۔ ان کے دونوں ہاتھوں کو پکڑے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے حسینؑ تو میرے سینے پر کوہ چنانچہ امام حسینؑ آپ کے سینہ مبارک پر کوہ کوٹنے لگے۔ اس کے بعد حضور صلعم نے امام حسینؑ کا منہ چوم کر خدا کی بارگاہ میں عرض کی اے میرے پائے طے میں اسے بے حد چاہتا ہوں تو مجھی اسے محبوب رکھ۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ امام حسینؑ کا لعاب دہن اور ان کی زبان اس طرح چومتے تھے جس طرح کچھور کوئی چومتے۔ (ارجح المطالب ص ۳۵۹، ص ۳۶۱) استیعاب جلد ۱۳۳، ص ۱۱۳، جلد ۲ ص ۱۱، کنز العمال جلد ۱ ص ۱۱۳، کنوز الحقائق ص ۵۹۔

رسول کریمؐ کے شہزادے امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے ایک دن ایک تحریر لکھی۔ پھر دونوں آپس میں مقابلہ کرنے لگے

حسینؑ میں خوشنویسی کا مقابلہ

کس کا خط اچھا ہے، جب باہمی فیصلہ نہ ہو سکا تو فاطمہؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے فرمایا علیؑ کے پاس جاؤ۔ علیؑ نے کہا رسول خدا سے فیصلہ کراؤ۔ رسول کریمؑ نے ارشاد کیا۔ اے نور نظر اس کا فیصلہ تو میری تخت جگر فاطمہؑ ہی کرے گی۔ اُس کے پاس جاؤ۔ بچے دوڑے ہوئے پھر ماں کی میت میں حاضر ہوئے۔ ماں نے گلے لگایا۔ اور کہا اے میرے دل کی امیدو، تم دونوں کا خط بہترین ہے اور دونوں نے بہت خوب لکھا ہے۔ لیکن بچے زمانے اور یہی کہتے رہے، مادر گرامی دونوں کو سلاتے رکھ کر صحیح فیصلہ دیجئے۔ ماں نے کہا اچھا بیٹا، لو اپنا گلوبند توڑتی ہوں۔ اس کے دانے چنو، فیصلہ خدا کرے گا۔ سات دانوں کا گلوبند توڑنا، زمین پر دانے پکھرنے بچوں نے ہاتھ بڑھائے اور تین تین دانوں پر دونوں نے قبضہ کر لیا۔ ایک دانہ جو رہ گیا۔ اس کی طرف دونوں کے ہاتھ برابر سے بڑھے

حکم خداوند عالم ہوا۔ جبرئیلؑ دانہ کے دو ٹکڑے کر دو۔ ایک حسنؑ نے لے لیا ایک حسینؑ نے اٹھایا۔ ماں نے بڑھ کر دونوں کے بوت لے لیے اور کہا کیوں؟ بچوں میں نہ کہنتی تھی کہ تم دونوں کے خط اچھے ہیں اور ایک کی دوسرے کے خط پر ترجیح نہیں ہے۔ (خلاصۃ المصائب ص ۳۳۵) قاری عبدالودود دوسرے لکھنوی خلیف مولوی عبدالحمید آنتا مولوی شیخ عبدالشکور ریہانچم پانمانا لکھنوی۔ بھارت اپنے ایک قصبہ میں لکھتے ہیں۔

دونوں بھائی ایک دن مادر سے یہ کہنے لگے آپ فرمائیں کہ لکھنا کس کو بہتر آ گیا

سات موتی رکھ کے فرمایا کہ جو زائد اٹھائے ایک موتی دو ہوا حصہ برابر آ گیا

جنت کے کپڑے اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا پچھنا ہے عید آنے کو تھے۔ اور ان اسٹیجائے عالم کے گھر میں سے کپڑے کا کیا ذکر پرانے کپڑے بلکہ نان جوئی تک نہیں ہے بچوں نے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں

فرزند ان رسولؐ کی عید

مادر گرامی اطفال مدینہ عید کے دن ذرق برق کپڑے پہن کر نکلیں گے اور ہمارے پاس بالکل لباس نو نہیں ہے۔ ہم کس طرح عید منائیں گے۔ ماں نے کہا پچو گھبراؤ نہیں، تمہارے کپڑے درزی لائے گا۔ عید کی رات آئی۔ بچوں نے ماں سے پھر کپڑوں کا تقاضا کیا۔ ماں نے وہی جواب دے کر نو نمالوں کو خاموش کر دیا۔ ابھی صبح نہیں ہونے پائی تھی کہ ایک شخص نے ذوق الباب کیا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ فضا دروازہ پر گئیں۔ ایک شخص نے ایک بچہ لباس دیا۔ فضا نے سید عالم کی خدمت میں اسے پیش کیا۔ اب جو کھولا تو اس میں دو چھوٹے چھوٹے عمائم دو قبائیں دو عیائیں عرصیکہ تمام ضروری کپڑے موجود تھے۔ ماں کا دل باغ باغ ہو گیا۔ وہ تو سمجھ گئی کہ یہ کپڑے جنت سے آئے ہیں لیکن منہ سے کچھ نہیں کہا۔ بچوں کو جگایا کپڑے دیے۔ صبح ہوئی بچوں نے جب کپڑوں کے رنگ کی طرف توجہ کی تو کہا مادر گرامی یہ تو سفید کپڑے ہیں۔ اطفال مدینہ رنگین کپڑے پہننے ہوں گے۔ اماں جان میں رنگین کپڑے چاہئیں حضور انور کو اطلاع ملی، تشریف لائے۔ فرمایا گھبراؤ نہیں تمہارے کپڑے ابھی ابھی رنگین ہو جائیں گے۔ اتنے میں جبریل آقا لیے ہوئے پہنچے۔ انھوں نے پانی ڈالا محمد مصطفیٰ کے ارادے سے کپڑے سبز اور سرخ ہو گئے۔ سبز جو احسن نے پہنا سرخ جو احمسین نے زیب تن کیا۔ ماں نے گلے لگایا۔ باپ نے بوسے دیئے نانا نے اپنی نیشیت پر سوار کر کے ہمارے بدلے زلفیں ہاتھوں میں دے دیں اور کہا، میرے نو نمالو، رسالت کی باگ تمہارے ہاتھ میں ہے جدھر چاہو موڑو اور جہاں چاہو لے جاؤ (روضۃ الشہداء ص ۱۸۹)۔ سارا انوار بعض علماء کا کہنا ہے کہ سردی کا نجات بچوں کو نیشیت پر بٹھا کر دونوں ہاتھوں اور پیروں سے چلنے لگے اور بچوں کی فرمائش پر اونٹ کی آواز منہ سے نکالنے لگے۔ (کشف المحجوب)۔

گریہ حسینی اور صدمہ رسول | امام شیعہ اور علامہ بدخشلی لکھتے ہیں کہ زید ابن زیاد کا بیان ہے کہ ایک دن آنحضرت صلعم خانہ عائشہ سے نکل کر کہیں

جا رہے تھے راستہ میں فاطمہ زہرا کا گھر پڑا۔ اس گھر سے امام حسین کے رونے کی آواز برآمد ہوئی۔ آپ داخل ہو گئے اور فرمایا اے فاطمہ "اللہ تعالیٰ ان بکاراً یوذیبتی"۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حسین کے رونے سے مجھے کس قدر تکلیف اور اذیت پہنچتی ہے۔ (نور الابصار ص ۱۱۲)۔ جامع الحدیث جلد ۹ ص ۲۱۱ و ذخائر العقبیٰ ص ۱۲۳)۔ بعض علماء کا بیان ہے کہ ایک دن رسول خدا کہیں جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک مدرسہ کی طرف سے گزر ہوا۔ ایک بچہ کے رونے کی آواز گوش زد ہوئی جو حسین کی آواز سے بہت زیادہ مشابہ تھی۔ آپ داخل مدرسہ ہوئے اور استاد کو ہدایت کی کہ اس بچہ کو نہ مارا کرو۔ کیونکہ اس کی آواز میرے بچے حسین کی آواز سے بہت مشابہ ہے۔

امام حسین کی سرداری جنت | پیغمبر اسلام کی یہ حدیث مسلمات اور متواترات سے ہے کہ "الحسن والحسین سیلا شباب اهل الجنة

حضرت عمر کا اعتراف شرف آل محمد

عہد عمری میں اگرچہ پیغمبر اسلام کی آنکھیں بند ہو چکی تھیں اور لوگ محمد مصطفیٰ کی خدمت اور تعلیمات کو پس پشت ڈال چکے تھے۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی "حق بر زبان جاری" کے مطابق عوام سنی

تائیں سُن ہی لیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمر منبر رسول پر خطبہ فرما رہے تھے ناگاہ حضرت امام حسین کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت عمر کی طرف مخاطب ہو کر بولے "انزل عن منبر ابی" میرے باپ کے منبر سے اتر آئیے اور جابیے اپنے باپ کے منبر پر بیٹھئے۔ آپ نے کہا کہ میرے باپ کا تو کوئی منبر نہیں ہے۔ اس کے بعد منبر سے اتر کر امام حسین کو اپنے ہمراہ اپنے گھر لے گئے۔ اور وہاں پہنچ کر پوچھا کہ صاحب زادے تھیں یہ بات کس نے سیکھائی ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنے سے کہا ہے، مجھے کسی نے سیکھا یا نہیں۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرے ماں باپ تم پر فرما ہوں، کبھی کبھی آیا کرو۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے۔ ایک دن آپ تشریف لے گئے تو حضرت عمر کو معاذیہ سے تنہائی میں موم گنگٹگو پا کر واپس چلے گئے۔ جب اس کی اطلاع حضرت عمر کو ہوئی تو انہوں نے محسوس کیا اور راستے میں ایک دن ملاقات پر کہا کہ آپ واپس کیوں چلے آئے تھے۔ فرمایا کہ آپ موم گنگٹگو تھے۔ اس لیے میں عبداللہ (ابن عمر) کے ہمراہ واپس آیا حضرت عمر نے کہا کہ فرزند رسول! میرے بیٹے سے زیادہ تمھارا حق ہے۔ فانا انت ما ترونی دوستنا اللہ ثم انتہ" اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ میرا وجود تمھارے صدق میں ہے اور میرا رواج تمھارے طفیل اگا ہے۔ (اصحاب ج ۲ ص ۲۵۰ کنز العمال جلد ۵۷ وازالہ الخفا

ابن عمر کا اعتراف شرف حسینی

ابن حریب راوی ہیں کہ ایک دن عبداللہ ابن عمر خانہ کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں حضرت امام حسین علیہ السلام سامنے سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ابن عمر نے لوگوں کی

طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ شخص یعنی امام حسین اہل آسمان کے نزدیک تمام اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ کچھ کا شافی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو رہے تھے حضرت ابن عباس صحابی رسول کی جو نظر آپ پر پڑی تو آپ نے دوڑ کر حضرت کی رکاب تھام

امام حسین کی رکاب ابن عباس کے ہاتھوں میں

لی اور امام حسین کو سوار کر دیا۔ یہ دیکھ کر کسی نے کہا کہ اے ابن عباس تم تو امام حسین سے عمر اور رشتے دونوں میں بڑے ہو، پھر تم نے امام حسین کی رکاب کیوں تھامی۔ آپ نے غصہ میں فرمایا کہ اسے کینعت تھے کیا معلوم کہ یہ کون ہیں اور ان کا تہنوت کیا ہے یہ فرزند رسول ہیں انھیں کے صدق میں میں نعمتوں سے بھر پور اور بہرہ ور ہوں۔ اگر میں نے ان کی رکاب تھام لی تو کیا ہوا؟ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۵۰)

امام حسینؑ کی گردِ قدم اور جناب ابوہریرہؓ

کون ہے جو جناب ابوہریرہؓ کے نام سے واقف نہ ہو آپ ہی وہ ہیں جن پر سابق کی حکومتوں کو بڑا اعتماد تھا اور آپ پر اعتماد کی حد یہ تھی کہ امیر معاویہ نے جب امیر المومنین کے خلاف وضع احادیث کی سیکم مرتب کی تھی تو انہیں کو اس سیکم کی تدریج رواں قرار دیا تھا۔ (میزان الکبریٰ امام شرفانی ص ۱۱) آپ کو حضرت علیؑ سے عقیدت بھی تھی آپ نماز علیؑ کے پیچھے پڑھتے تھے اور کھانا معاویہ کے دسترخوان پر رکھتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ عبادت کا لطف علیؑ کے ساتھ اور کھانے کا مزہ معاویہ کے ساتھ ہے۔

موتخ طبری کا بیان ہے کہ ایک میت میں امام حسینؑ اور جناب ابوہریرہؓ نے شرکت کی اور دونوں حضرات ساتھ ہی پل رہے تھے راستے میں تھوڑی دیر کے لیے رُک گئے تو ابوہریرہؓ نے جھٹ رُو مال نکال کر حضرت امام حسینؑ کے پائے مبارک اور آپ کی جوتیوں سے گرد جھاڑنا شروع کر دیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا: اے ابوہریرہؓ تم یہ کیا کرتے ہو، میرے پیروں اور جوتیوں سے گرد کیوں جھاڑنے لگے۔ آپ نے عرض کی: ”دعنی مناک فلو یجلد الناس مناک ما اعد لحدوک علی عاتقہم“

”مولا مجھے نہ کیجئے، آپ اسی قابل ہیں کہ میں آپ کی گردِ قدم صاف کروں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر لوگوں کو آپ کے وہ فضائل اور آپ کی وہ کرمات معلوم ہو جائے جو میں جانتا ہوں تو یہ لوگ آپ کو اپنے کندھوں پر اٹھائے پھریں۔“ (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۹ طبع مصر)

امام حسینؑ کا ذریت نبیؐ میں ہونا

حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے ذریت نبیؐ میں ہونے پر نیز مباحلہ گواہ ہے رسول ہونے کی دلیل حکم ہے جس کے بعد کسی اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی کیا لیکن کوراطنی اور عصیبت کا کیا علاج ہے۔ ”عاصم بن بہدلہ کہتے ہیں ایک دن ہم لوگ حجاج بن یوسف کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ امام حسینؑ عیسیٰ السلام کا ذکر کیا حجاج نے کہا کہ ان کا ذریت رسول سے کوئی تعلق نہیں یہ سنتے ہی ”یحییٰ بن عمر نے کہا کہ ذریت ایہا الامیر“ امیر یہ بات باطل غلط اور جھوٹ ہے وہ یقیناً ذریت رسولؐ میں ہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اس کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کرو۔ ”اولاقتلتک قتلاً“ در نہ تمہیں بری طرح قتل کروں گا، یحییٰ نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے ”ومن ذریتہ داؤد و سلیمان... و ذرکریا و یحییٰ و عیسیٰ الخ۔“ اس آیت میں ذریت آدمؑ میں حضرت عیسیٰؑ بھی جاتے گئے ہیں جو اپنی ماں کی طرف سے شامل ہوتے ہیں، بس اسی طرح امام حسینؑ بھی اپنی ماں کی طرف سے ذریت رسولؐ میں ہیں حجاج نے کہا یہ صحیح ہے لیکن مجمع میں تم نے میری تکذیب کی ہے لہذا تمہیں شہر بدر لایا جاتا ہے اس کے بعد انہیں خراسان بھیج دیا۔ (مستدرک صحیحین جلد ۲ ص ۱۲۷)

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیرہ میں زیر آیه ”علم آدم الاسماء کلھا“ لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی نے خدمت امام حسینؑ میں حاضر ہو کر کچھ مانگا اور کہا کہ میں نے آپ کے جدِ مادار سے سنا ہے کہ جب کچھ مانگنا ہو تو چار قسم کے لوگوں سے مانگو۔ (۱)

شریف عرب سے (۱) کریم حاکم سے (۲) حامل قرآن سے (۳) حسین شکل والے سے۔ میں آپ میں بر جملہ صفات پاتا ہوں اس لیے مانگ رہا ہوں آپ شریف عرب میں آپ کے مانا عربی ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ کیونکہ آپ کی سیرت ہی کرم ہے، قرآن پاک آپ کے گھر میں نازل ہوا ہے۔ آپ صبیح و حسین ہیں۔ رسول خدا کا ارشاد ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہے وہ حسن اور حسین کو دیکھے۔ لہذا عرض ہے کہ مجھے علیہ سے سرفراز فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ جتنا مدار نے فرمایا ہے کہ ”المعروف بقدر المعرفة“ معرفت کے مطابق عطیہ دینا چاہیے، تو میرے سوالات کا جواب دے۔ بتاؤ، سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ اُس نے کہا اللہ پر ایمان لانا۔ (۲) بلاکت سے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ اُس نے کہا اللہ پر بھروسہ کرنا (۳) مرد کی زمینت کیا ہے؟ کہا، ”علم معہ حلم“ ایسا علم جس کے ساتھ علم ہو، آپ نے فرمایا درست ہے۔ اس کے بعد آپ ہنس پڑے۔ وروی بالصرة الیہ اور ایک بڑا کیسہ اس کے سامنے ڈال دیا۔ (فضائل الخستہ من الصحاح الستہ جلد ۳ ص ۱۶۵)۔

امام حسین کی ایک کرامت | طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۱۱۱ میں ہے کہ جب امام حسین مدینہ سے مکہ جانے کے لیے نکلے تو راستے میں ابن علیؓ مل گئے۔ وہ اس وقت کنواں کھود رہے تھے۔ پوچھا مولا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا مکہ جا رہا ہوں۔ (شاہد میرا آخری سفر ہو) یہ سن کر انھوں نے عرض کی مولا اس سفر کو ملتوی کر دیجئے۔ فرمایا، ممکن نہیں ہے، پھر باتوں بات میں انھوں نے عرض کی کہ میں کنواں کھود رہا ہوں (اکثر ادھر پانی کھا رہا نکلتا ہے) آپ دعا کر دیجئے کہ پانی میٹھا ہو اور کثیر ہو، آپ نے ٹھوٹا پانی جو اُس وقت برآمد ہوا تھا طلب فرما کر چکھا اور اُس میں گہا کر کے کھا کر اسے کنوئیں میں ڈال دو چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ”فَاعَذَبَ وَامْجَى“ اُس کا پانی شیریں اور کثیر ہو گیا۔

امام حسین کی نصرت کیلئے رسول کریم کا حکم | انس بن حارث کا بیان ہے جو کہ صحابی رسول اور اصحابِ صندہ میں سے کریم نے دیکھا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دن رسول خدا کی گود میں تھے اور وہ ان کو پیار کر رہے تھے۔

اسی دوران میں فرمایا، ان ابی هذا یقتل باریض یقال لها کربلاء فمن شہد ذلک منکم فلینصرہ“ کہ میرا یہ فرزند ”حسین“ اس زمین پر قتل کیا جائے گا جس کا نام کربلا ہے۔ دیکھو تم میں سے اس وقت جو بھی موجود ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی مدد کرے۔

راوی کا بیان ہے کہ اصل راوی اور چشم دید گواہ انس بن حارث جو کہ اُس وقت موجود تھے وہ امام حسین کے ہمراہ کربلا میں شہید ہوئے تھے، (اسد الغابہ جلد ۱ ص ۱۲۳ و ۱۲۴، اصحاب جلد ۱ ص ۶۸ کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۳، ذخائر العقبیٰ محب طبری ص ۱۲۶)۔

امام حسین علیہ السلام کی عبادت

علماء و متورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام زبردست عبادت گزار تھے۔ آپ

شب و روز میں بے شمار نمازیں پڑھتے اور انواع و اقسام عبادات سے سرفراز ہوتے تھے۔ آپ نے چھپس بج یا سپاہ کئے اور یہ تمام حج زمانہ قیام مدینہ منورہ میں فرمائے تھے، عراق میں قیام کے دوران آپ کو اموی ہنگامہ آرائیوں کی وجہ سے کسی حج کا موقع نہیں مل سکا۔ (اسد الغابہ جلد ۲ ص ۱۷۱)۔

امام حسین کی سخاوت

مسند امام رضا ص ۳۵ میں ہے کہ سخی دنیا کے لوگوں کے سردار اور متقی آخرت کے لوگوں کے سردار ہوتے ہیں۔ امام حسین سخی ایسے

تھے جن کی نظیر نہیں اور متقی ایسے تھے جن کی مثال نہیں، عباد کا بیان ہے کہ، اسام ابن زید صحابی رسول عیسیٰ تھے۔ امام حسین انھیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے محسوس کیا کہ وہ بے حد رنجیدہ ہیں۔ پوچھا، اسے میرے نانا کے صحابی کیا بات ہے ”واعظما“ کیوں کہتے ہو۔ عرض کی مولا، ساٹھ ہزار درہم کا قرضدار ہوں۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں اسے میں ادا کر دوں گا۔ چنانچہ آپ نے اُن کی زندگی میں ہی انھیں قرضے کے بارے میں تسک و خوش فرمادیا۔ ایک دفعہ ایک دیہاتی شہر میں آیا اور اُس نے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے زیادہ سخی کون ہے۔ لوگوں نے امام حسین کا نام لیا۔

اُس نے حاضر خدمت ہو کر بذریعہ اشعار سوال کیا، حضرت نے چار ہزار اشرفیاں عنایت فرمادیں۔ شعیب خزاعی کا کہنا ہے کہ شہادت امام حسین کے بعد آپ کی لپشت پر بار برداری کے گھٹے دیکھے گئے۔ جس کی وضاحت امام زین العابدین نے یہ فرمائی تھی کہ آپ اپنی لپشت پر لاکھ اشرفیاں اور نفلوں کے گھٹے بیواؤں اور یتیموں کے گھرات کے وقت پہنچا کرتے تھے۔ کتبوں میں ہے کہ آپ کے ایک غیر معصوم فرزند کو عبدالرحمن سلمی نے سورہ حمد کی تعلیم دی، آپ نے ایک ہزار اشرفیاں اور ایک ہزار قیمتی خلعتیں عنایت فرمائیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۱۷۱) امام سنجی اور علامہ محمد ابن طلحہ شافعی نے نور الابصار اور مطالب السؤل میں ایک اہم واقعہ آپ کی صفت سخاوت کے متعلق تحریر کیا ہے جسے ہم امام حسین کے حال میں لکھ آتے ہیں کیونکہ اس واقعہ سخاوت میں وہ بھی شریک تھے

امام حسین کا عمر و عاص کو جواب

ایک مرتبہ معاویہ بن عبد مناف اور حضرت امام حسین علیہ السلام ایک مقام پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عمر و عاص نے پوچھا کیا

وجہ ہے کہ ہمارے اولاد زیادہ ہوتی ہے۔ اور آپ حضرات کے کم، حضرت نے اس کے جواب میں ایک شعر پڑھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ ”کمزور اور ذلیل و حقیر پتھریوں کے بچے زیادہ اور نرکاری پرندے باز اور شاہین وغیرہ کے بچے قدرتنا کم ہوتے ہیں پھر عمر و عاص نے پوچھا کہ ہماری ٹونچھوں کے بال جلدی سفید ہو جاتے ہیں اور آپ کے دیر میں اس کی وجہ کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ تمہاری ٹونچھیں گندہ

دہن ہوتی ہیں بوقت مقاربت ان کے بخارات سے تمھاری ٹوکھوں کے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ لوگوں کی ڈاڑھی گھنی نکلتی ہے اور ہماری گھنی نہیں نکلتی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا جواب تو قرآن میں موجود ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک آیت پڑھی، جس کا ترجمہ یہ ہے۔

”اچھی زمین سے اچھا سبزہ اگتا ہے اور بُری اور جھپٹ زمین سے بُری پیداوار ہوتی ہے۔ (پ: رکوع ۱۲) اس کے بعد معاویہ نے عمر و عاص کو مزید سوال کرنے سے روک دیا، تب آپ نے عربی کے دو شعر پڑھے۔ جس کا فارسی میں ترجمہ یہ ہے۔

نیش عقرب نہ از پتے کین است مقتضائے بطبعتش این است لہ

حضرت عمر کی وصیت کہ سندِ غلامی
الطبیعت کا نوشتہ میرے کفن میں رکھا جائے

علمائے اہل سنت کا بیان ہے کہ ایک دن منزل مناخرت میں عبداللہ بن عمر امام حسن اور امام حسین کے سامنے فخر و افتخار کی باتیں کرنے لگے۔ یہ سن کر امام حسن نے فرمایا کہ تم تو ہمارے غلام زادے ہو اتنی بڑھ چڑھ کر کیا باتیں کر رہے ہو۔ اس پر عبداللہ بن عمر رنجید ہو کر اپنے باپ کے پاس گئے اور امام حسن نے جو کچھ کہا تھا اسے بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت عمر نے فرمایا کہ بیٹا یہ بات ان سے لکھ لو، اگر لکھ دیں تو میرے کفن میں رکھ دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے لکھ دیا اور حضرت عمر نے وصیت کر دی کہ اسے ان کے کفن میں رکھا جائے۔

یہ روایت اس درجہ مشہور ہے کہ شعرا نے بھی اسے نظم کیا ہے میں اس مقام پر رابعہ شریعت و طریقت حضرت فاضل مخدوم سید محمد ناصر جلالی مظللہ العالی کی وہ نظم درج کرتا ہوں جو انھوں نے زیر عنوان ”شانِ اوب“ تحریر فرمائی ہے جسے حافظ شفیق احمد ناصری پاک بنگلہ جہانگیر روڈ بکراچی نے ”سوانحِ سخن کے آنسو“ میں شائع کیا ہے اگرچہ اس کے بعض مندرجات سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

ایک دن ابن عمر سے یہ حسنی کہنے لگے جانتے ہو میرے نانا تھے شہنشاہِ زمین
ہمسری کا ہے اگر مجھ سے تجھیں کچھ دعوتے صاف کتابوں کی یہ امر نہیں مستحسن
جاتا ہوں میں تجھیں تم ہو غلام ابن غلام میرے رتبے سے خبر دار ہے ہر اہل وطن

سن کے یہ بات ہوئے ابن عمر سخت ملول زردی رخ سے عیاں ہو گئی دن کی لکھن
دیہت تک پہلے تو خاموش رہے ہیرت سے پھر کما فطرِ خجالت سے جھکا کر گھر دن
آپ اپنی زباں سے جسے کہتے ہیں غلام ہے وہ فرزندِ عمر، کون عمر؟ فخرِ زمین

آج میں اہل عرب ان ہی کی سرداری میں آج ہیں تختِ خلافت پر یہی جلوہ نگین

نام سے ان کے لرز جاتے ہیں دل شاہوں کے کام سے ان کے ہے ایوانِ عرب و لشکرِ چین

میری توقیر و شرافت کی ہے دنیا قابل پھر غلام ابن غلام آپ مجھے کہتے ہیں
میری آزادی عظمت ہے جہاں پر روشن غور کیجئے ہے یہی عمدہ و فارسیہ کفن
جا کے دربارِ خلافت میں کروں گا فریاد تہ کلام آپ کا دراصل بہت صبر شکن

آئے اس حال میں نزدیک عمر، ابن عمر داد خواہانہ طریقے سے یہ پھر عرض کیا
اشک آنکھوں میں الم دل میں لبوں پر شمعیں دیکھ لیجئے مجھے اس طرح سے کہتے ہیں حسن

ماجرائیں کے یہ بیٹے سے عمر کہنے لگے یوں تری بات کا کب دل کو یقین آتا ہے
سچ - ترے ساتھ حسن کا ہے یہی طرزِ سخن ہاں اگر شاہِ حسن لکھ دیں یہ باتیں من و عن

آئے پھر پیش حسن ابن عمر اور کہا آپ کا لکھ دیجئے گا غز یہ مناسب ہے یہی
ہے خلیفہ کا یہ فرمان باو اب حسن صاف وہ بات کہ جس سے ہو مجھے رنج و عن

سن کے ارشاد کیا شاہِ حسن نے کہ سنو لاؤ کاغذ کہ ابھی تم کو نوشتہ دے دوں
میں عمر میرے غلام اور مرے نانا کے فخر کو ڈر ہے نہ کسی کا نہ کسی سے ہے جلن
کذب کے کانٹوں میں الجھا نہیں میرا دان ایک کاغذ یہ دیا لکھ کے یہ بے حیلہ و فن

لائے قرطاس حسن پیش عمر، ابن عمر عمر میں سودا تھا کہ اب ہوگی حسن کو تعزیر
اور تھا حال عمر یہ کہ پڑھا جب کاغذ جھوم کر فرطِ مسرت سے یہ ارشاد کیا
دستِ اقدس سے دیا لکھ کے غلامی نامہ بل گئی احمد مرسل سے غلامی کی سند
دین دُنیا میں مرے واسطے ہے باعثِ فخر اسے رکھنا (یہ وصیت ہے) کے زیرِ کفن

امام حسین کی مناجات اور خدا کی طرف سے جواب

علا مر ابن شہر آشوب اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ایک رات کو جناب خدیجہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ انس ابن مالک صحابی رسول بھی تھے۔ آپ نے مزار خدیجہ پر نمازیں پڑھیں اور آپ بارگاہِ ننداوندی میں محمود مناجات

ہو گئے، مناجات میں آپ نے چھ اشعار پڑھے جن میں پہلا شعر یہ ہے۔

یارب یارب انت مولانا فارحم عبیداً الیک ملجاء

(ترجمہ) اے میرے رب، اے میرے رب! تو ہی میرا مولا اور آقا ہے، اے مالک تو اپنے ایسے بندہ پر رحم فرما جس کی بازگشت صرف تیری ہی طرف ہے۔ ابھی آپ کی مناجات تمام ہونے نہ پائی تھی کہ ہاتفِ غیبی کی منظوم آواز آئی۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

لبیک عبدی وانت فی کفنی وکلما قلت قد علمتانا

(ترجمہ) اے میرے بندے میں تیری مسکنی کے لیے موجود ہوں اور تو میری بارگاہ میں آیا ہوا ہے، تو نے جو کچھ کہا ہے میں نے اچھی طرح سے سن لیا ہے، مناقب جلد ۲ ص ۵۵ و بحار جلد ۱ ص ۱۲۲۔

اگرچہ تو زمین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ امام حسین عہدِ امیر المومنین کے ہر معرکہ میں موجود رہے۔ لیکن محض اس خیال سے کہ یہ رسول اکرم کی خاص امانت ہیں۔ انھیں کسی جنگ میں لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ (انوار الحسینیہ ص ۲۲) لیکن علامہ شیخ مہدی ماژندرانی کی تحقیق کے مطابق آپ نے بندشِ آب توڑنے کے لیے مقامِ صفین میں مہر و آ زمانی فرمائی تھی۔ (شجرہ طوبیٰ طبع نجف اشرف ص ۱۳۵ حج و بحار الانوار جلد ۱ ص ۲۵۰ طبع ایران) علامہ باقر خراسانی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر امام حسین کے ہمراہ حضرت عباس بھی تھے۔ (کبریٰ الاحمر ص ۲۵ و ذکر العباس ص ۲۶)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو رابِ مصائب میں

واقعہ کربلا کا آغاز

حضرت امام حسین علیہ السلام جب پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی زندگی کے آخری لمحات سے لے کر امام حسن کی حیات کے آخری ایام تک بحرِ مصائب و آلام کے ساحل سے کھیلنے ہوئے زندگی کے اس عہد میں داخل ہوئے جس کے بعد آپ کے علاوہ بچپن میں کوئی باقی نہ رہا تو آپ کا سقیفہٴ حیات خود کو رابِ مصائب میں آگیا۔ امام حسن کی شہادت کے بعد سے معاویہ کی تمام تر جدوجہد یہی رہی کہ کسی طرح امام حسین کا چراغِ زندگی بھی اسی طرح گل کر دے۔ جس طرح حضرت علی اور امام حسن کی شمعِ حیات بجھا چکا ہے اور اس کے لیے وہ ہر قسم کا دواؤں کرتا رہا اور اس سے اس کا قصد صرف یہ تھا کہ یزید کی خلافت کے منصوبہ کو پروان چڑھائے۔ بالآخر اس نے ۶۵ھ میں ایک ہزار کی جمعیت سمیت یزید کے لیے بیعت لینے کی غرض سے حجاز کا سفر اختیار کیا اور مدینہ منورہ پہنچا۔ وہاں امام حسین سے ملاقات ہوئی اس نے بیعت یزید کا ذکر کیا۔ آپ نے صاف لفظوں میں اس

کی بدکرداری کا حوالہ دے کر انکار کر دیا۔ معاویہ کو آپ کا انکار دکھلا تو بہت زیادہ لیکن چند اہلے
سیدھے الفاظ کہنے کے سوا اور کچھ کر نہ سکا۔ اس کے بعد مدینہ اور پھر مکہ میں بیعت یزید کے شام
کو واپس چلا گیا۔ علامہ حسین واعظ کا شفی لکھتے ہیں کہ امیر معاویہ نے جب مدینہ میں بیعت کا سوال
اٹھایا تو حسین بن علی، عبدالرحمن بن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن زبیر نے بیعت یزید
سے انکار کر دیا۔ اس نے بڑی کوشش کی۔ لیکن یہ لوگ نہ مانے اور رفع ختنہ کے لیے امام حسینؑ
کے علاوہ سب مدینہ سے چلے گئے۔ معاویہ ان کے پیچھے مکہ پہنچا اور وہاں ان پر دباؤ ڈالا۔ لیکن
کامیاب نہ ہوا۔ آخر کار شام واپس چلا گیا۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۳) معاویہ بڑی نیزی کے ساتھ بیعت
یزید لیتا رہا اور بقول علامہ ابن قتیبہ اس سلسلہ میں اُس نے لوگوں میں لوگوں کے دین بھی خرید لیے۔
الغرض جب سلسلہ حج میں معاویہ رخت سفر باندھ کر دنیا سے چل بسا یزید جو اپنے باپ کے مشن
کو کامیاب کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ سب سے پہلے مدینہ کی طرف متوجہ ہو گیا اور اس نے وہاں کے
والی ولید بن عقبہ کو لکھا کہ امام حسین، عبدالرحمن ابن ابی بکر، عبداللہ ابن عمر اور ابن زبیر سے میری
بیعت لے لے۔ اور اگر یہ انکار کریں تو ان کے سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دے۔ ابن عقبہ نے مروان سے
مشورہ کیا اس نے کہا کہ سب بیعت کر لیں گے۔ لیکن امام حسین ہرگز بیعت نہ کریں گے اور تجھان کے
ساتھ پوری سختی کا برتاؤ کرنا پڑے گا۔

صاحب تفسیر حسین علامہ حسین واعظ کا شفی لکھتے ہیں کہ ولید نے ایک شخص (عبداللہ ابن عمر
بن عثمان) کو امام حسین اور ابن زبیر کو بلانے کے لیے بھیجا۔ قاصد جس وقت پہنچا دونوں مسجد میں نحو
گفتگو تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم چلو ہم آتے ہیں۔ قاصد واپس چلا گیا اور یہ دونوں آپس میں ملانے
کے سبب پر تبادلوں خیالات کرنے لگے۔ امام حسین نے فرمایا کہ میں نے آج ایک خواب دیکھا ہے جس
سے میں سمجھتا ہوں کہ معاویہ نے انتقال کیا اور یہ ہیں بیعت یزید کے لیے بلارہا ہے۔ ابھی یہ حضرات جاتے
نہ پائے تھے کہ قاصد پھر آ گیا اور اس نے کہا کہ ولید آپ حضرات کے انتظار میں ہے۔ امام حسین نے
فرمایا کہ جلدی کیا ہے جا کر کہہ دے کہ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ اس کے بعد امام حسین دولت سرا
میں تشریف لائے اور ۳۰ بہادروں کو ہمراہ لے کر ولید سے ملنے کا قصد فرمایا آپ داخل دربار ہو گئے
اور بہادران بنی ہاشم بیرون خانہ درباری حالات کا مٹھا لہ کرتے رہے۔ ولید نے امام حسین کی مکمل
تعظیم کی اور خمر مرگ معاویہ سنانے کے بعد بیعت کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مسئلہ سوچ بچار کا ہے
تم لوگوں کو جمع کرو اور مجھے بھی بلا لو میں "علی روس الا شہاد" یعنی عام مجمع میں اظہار خیال کروں گا۔
ولید نے کہا بہتر ہے، پھر کل تشریف لائے گا۔ ابھی آپ جواب نہ دیتے پائے تھے کہ مروان بول اٹھا۔
اے ولید اگر حسین اس وقت تیرے قبضہ سے نکل گئے تو پھر ہاتھ نہ آئیں گے ان کو اسی وقت مجبور
کر دے اور ابھی ابھی بیعت لے لے اور اگر یہ انکار کریں تو حکم یزید کے مطابق سرتن سے اتار

لے یہ سنا تھا کہ امام حسینؑ کو جلال آگیا۔ آپ نے فرمایا «یا ابن الزرقا» کس میں دم ہے کہ حسین کو ہاتھ لگائے، تجھے نہیں معلوم کہ ہم آل محمدؑ میں فرشتے ہمارے گھروں میں آتے رہتے ہیں ہمیں کیونکر مجبور کیا جاسکتا ہے کہ ہم یزید جیسے فاسق و فاجر اور شرابی کی بیعت کر لیں۔ امام حسینؑ کی آواز کا بلند ہونا تھا کہ بہادران بنی ہاشم داخل دربار ہو گئے اور قریب تھا کہ زبردست ہنگامہ برپا کر دیں لیکن امام حسینؑ نے انھیں بھجا بھجا کر خاموش کر دیا۔ اس کے بعد امام حسینؑ واپس دولت سرانشریف لے گئے۔ ولید نے سارا واقعہ یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ اس خط کے جواب میں امام حسینؑ کا سر بھیج دو۔ ولید نے یزید کا خط امام حسینؑ کے پاس بھیج کر کہلا بھجا کہ فرزند رسولؐ، میں یزید کے کہنے پر کسی صورت سے عمل نہیں کر سکتا۔ لیکن آپ کو باخبر کرتا ہوں اور تانا چاہتا ہوں کہ یزید آپ کے دشمن بہا کے درپے ہے۔ امام حسینؑ نے صبر کے ساتھ حالات پر غور کیا اور نانا کے روضہ پر جا کر درودِ دلِ نبیؐ فرمایا اور بے انتہا روتے صبح صادق کے قریب مکان واپس آئے۔ دوسری رات کو پھر روضہ رسولؐ پر تشریف لے گئے اور مناجات کے بعد روتے روتے سو گئے۔ خواب میں آنحضرتؐ کو دیکھا کہ آپ حسینؑ کی پیشانی کا بوسہ لے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اے نورؑ نظر عنقریب امت تمہیں شہید کر دے گی۔ بیٹا تم بھوکے اور پیاسے ہو گے۔ تم فریاد کرتے ہو گے اور کوئی تمہاری فریاد رسی نہ کرے گا امام حسینؑ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ دولت سرانشریف لائے اور اپنے اعزاء کو جمع کر کے فرمانے لگے کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ میں مدینہ کو چھوڑ دوں۔ ترک وطن کا فیصلہ کرنے کے بعد روضہ امام حسنؑ اور مزاجنباب یتدہ پر تشریف لے گئے۔ بجائی سے رخصت ہوئے ماں کو سلام کیا۔ قبر سے جواب سلام آیا۔ نانا کے روضہ پر رخصت آخری کے لیے تشریف لے گئے روتے روتے سو گئے سرور کائناتؐ نے خواب میں صبر کی تلقین کی اور فرمایا بیٹا تم تمہارے انتظا میں ہیں

علامہ کا بیان ہے کہ امام حسینؑ ۲۸ رجب سن۴۰ ہجری یوم شہدہ کو مدینہ منورہ سے بارہ مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ "نفرت مکتہ خوفاً علی انفسہ" امام حسینؑ جان کے خوف سے مکہ کو تشریف لے گئے۔ (صواعق محرقة ص ۴۴) آپ کے ساتھ تمام محذرات عصمت و طہارت اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔ البتہ آپ کی ایک صاحبزادی جن کا نام فاطمہ صغریٰ تھا اور جن کی عمر اس وقت ۷ سال تھی بوجہ علالت شدیدہ ہمراہ نہ جاسکیں۔ امام حسینؑ نے آپ کی تیمارداری کے لیے حضرت عباسؑ کی ماں جناب ام البنینؑ کو مدینہ میں ہی چھوڑ دیا تھا اور کچھ فریضہ خدمت ام المومنین جناب ام سلمہ کے سپرد کر دیا تھا۔ آپ ۳ شعبان سن۴۰ ہجری یوم جمعہ کو مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ آپ کے پیچھے ہی وائی مکہ سعید ابن عاصؑ مکہ سے بھاگ کر مدینہ چلا گیا اور وہاں سے یزید کو مکہ کے تمام حالات لکھے۔ اور بتایا کہ لوگوں کا رجحان امام حسینؑ کی طرف اس تیزی سے بڑھ رہا ہے جس کا جواب نہیں یزید

سے برصیریلے ہی مکہ میں قتل حسین کی سازش پر غور کرنا شروع کر دیا۔

امام حسینؑ کو شہر میں چار ماہ شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ مقیم رہے۔ یزید جو بہر صورت امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ حسینؑ اگر مدینہ سے بچ کر نکل گئے ہیں تو مکہ میں قتل ہو جائیں اور اگر مکہ سے بچ نکلے تو کوفہ پہنچ کر شہید ہو سکیں۔ یہ انتظام کیا کہ کوفہ سے ۱۲ ہزار خطوط دوران قیام مکہ میں بھجوائے۔ کیونکہ دشمنوں کو یہ یقین تھا کہ حسینؑ کوفہ میں آسانی سے قتل کئے جا سکیں گے۔ نہ یہاں کے باشندوں میں عقیدہ کا سوال ہے اور نہ عقیدت کا۔ یہ فوجی لوگ ہیں ان کی عقلمندی بھی موٹی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شہادت حسینؑ سے قبل جب تک جتنے افسر بھیجے گئے وہ محض اس غرض سے بھیجے جاتے رہے کہ حسینؑ کو گرفتار کر کے کوفہ لے جائیں۔ (کشف الغمہ ص ۶)۔ اور ایک عظیم لشکر مکہ میں شہید کئے جانے کے لیے ارسال کیا اور ۳۰ خارجیوں کو حاجیوں کے لباس میں خاص طور پر بھجوا دیا جس کا قائد عمر ابن سعد تھا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۱ منتخب طبری خلاصۃ المصاب ص ۱۵ ذیل العباس ص ۱۲) عبد الحمید خان ایڈیٹر رسالہ مولوی دلی لکھتے ہیں کہ اس کے علاوہ ایک سازش یہ بھی کی گئی کہ ایام حج میں تین سو شامیوں کو بھیج دیا گیا کہ وہ گروہ حملج میں شامل ہو جائیں اور جہاں جس حال میں بھی حضرت امام حسینؑ کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ (شہید اعظم ص ۶) خطوط جو کوفہ سے آئے تھے انھیں شرعی رنگ دیا گیا تھا۔ اور وہ ایسے لوگوں کے نام سے بھیجے گئے تھے جن سے امام حسینؑ متعارف تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا کہنا ہے کہ یہ خطوط من کل طائفۃ وجہاۃ سراطف اور جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے تھے۔ (سرالشاہین ص ۶) علامہ ابن حجر کا کہنا ہے کہ خطوط جیسے والے عام اہل کوفہ تھے۔ (صواعق محرقة ص ۱۱) ابن جریر کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں کوفہ میں ایک وکیل کے علاوہ کوئی شیعہ نہ تھا (طبری) حضرت امام حسینؑ علیہ السلام نے اپنی شرعی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہونے کے لیے نفیس حالات کی خاطر جناب مسلم ابن عقیل کو کوفہ روانہ کر دیا۔

حضرت مسلم ابن عقیل

حضرت مسلم حکم امام پاتے ہی رُوبراہ سفر ہو گئے، شہر سے باہر نکلے۔ یہی آپ نے دیکھا کہ ایک استاد نے ایک آہوشکار کیا ہے اور اسے چھری سے ذبح کر ڈالا۔ دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس واقعہ کو امام حسینؑ سے بیان کروں تو بہتر ہوگا۔ امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بتایا۔ آپ نے دعائے کامیابی دی اور روانگی میں عجلت کی طرف اشارہ کیا۔ جناب مسلم امام حسینؑ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دے کر با چشم گریاں مکہ سے روانہ ہو گئے۔ مسلم ابن عقیل کے دو بیٹے تھے۔ محمد اور ابراہیم، ایک کی عمر ۷ سال اور دوسرے کی عمر ۸ سال تھی۔ یہ دونوں بیٹے بروایت مدینہ منورہ میں تھے۔ حضرت مسلم مکہ سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر روضہ رسول صلعم میں نماز ادا کی اور زیارت وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے اپنے گھر وارد ہوئے۔ رات گزری، صبح کے وقت اپنے بچوں کو لے کر دو رات سمیت جنگل کے راستے سے کوفہ روانہ

ہوئے۔ راستہ میں شدت عطش کی وجہ سے وہیل انتقال کر گئے۔ آپ ہزار وقت کو فہ پہنچے اور وہاں جناب مختار ابن ابی عیینہ ثقفی کے مکان پر قیام فرما ہوئے۔ چند دنوں میں ۱۸ ہزار کوفیوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ اس کے بعد بیعت کنندگان کی تعداد ۳۰ ہزار ہو گئی۔ ساسی کے دوران یزید نے عبید اللہ ابن زیاد کو نصرہ لکھا کہ کوفہ میں امام حسین کا ایک بھائی مسلم بن عقیل نامی پہنچ گیا ہے تو جلد سے جلد وہاں پہنچ کر نعتان ابن بشیر سے حکومت کوفہ کا چارج لے لے اور مسلم کا سر میرے پاس بھیج دو۔ ابن زیاد پہلی فرصت میں کوفہ پہنچ گیا۔ اس کے داخلہ کے وقت ایسی شکل بنائی کہ لوگ سمجھے کہ امام حسین آگئے ہیں لیکن مسلم بن عمر بابل نے پکار کر کہا کہ یہ ابن زیاد ہے۔

حضرت مسلم بن عقیل کو جب ابن زیاد کی رسیدگی کوفہ کی اطلاع ملی تو آپ غامہ مختار سے منتقل ہو کر ہانی ابن عروہ کے مکان میں چلے گئے۔ ابن زیاد نے محفل نامی غلام کے ذریعہ سے جناب مسلم کی قیامگاہ کا پتہ لگایا۔ اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے مکان میں ہیں۔ تو ہانی کو بٹوا بھیجا اور پوچھا کہ تم نے مسلم بن عقیل کی حمایت کا بیڑا اٹھایا ہے، اور وہ تمہارے گھر میں ہیں جناب ہانی نے پہلے تو انکار کر دیا۔ لیکن جب محفل جا سوس سامنے لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے امیر ہم مسلم کو اپنے گھر میں بلا کر نہیں لائے بلکہ وہ خود آگئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا کہ اچھا جو صورت بھی ہو تم مسلم کو ہمارے حوالہ کر دو۔ جناب ہانی نے جواب دیا کہ یہ بالکل ناممکن ہے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو قید کر دیا جائے۔ چنانچہ ہانی قید کر دیے گئے۔ پھر ان سے کہا گیا کہ مسلم بن عقیل کو حاضر کر دو۔ ورنہ تم قتل کر دیے جاؤ گے۔ جناب ہانی نے فرمایا کہ میں ہر مصیبت کو برداشت کروں گا۔ لیکن مہمان کو تمہارے سپرد ہرگز نہ کروں گا۔ مختصر یہ کہ جناب ہانی جن کی عمر ۹۰ سال کی تھی تو کھجے میں بند ہوا کہ پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔ جناب ہانی بے ہوش ہو گئے۔ اس کے بعد ان کا سر کاٹ کر تن مبارک کو دار پارہ لٹکا دیا گیا۔

حضرت مسلم کو جب جناب ہانی کی گرفتاری کا علم ہوا تو آپ اپنے ہوا خواہوں کو لے کر باہر نکل گئے، دشمن سے گھمسان کی جنگ ہوئی۔ لیکن کثیر ابن شہاب، محمد ابن اشعث، شمر ابن ذی الجوشن شیبث ابن ربیع کے بہ کاتے اور خوف دلانے سے سب ڈر گئے۔ یہاں تک کہ نماز مغرب میں آپ کے ہمراہ صرف ۳۰ آدمی تھے، اور جب آپ نے نماز تمام کی تو کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ آپ نے چاہا کہ کوفہ سے باہر جا کر کہیں رات گزاریں۔ مگر محمد ابن کثیر نے کہا کہ کوفہ کے تمام راستے بند ہیں۔ آپ میرے مکان میں جا ٹھہریے۔ ابن زیاد نے باپ اور بیٹے دونوں کو طلب کیا اور دربار میں نہایت سخت اور حسرت کیا۔ اس وقت ہوا خواہان محمد ابن کثیر اور درباریوں میں سخت جنگ ہوئی بالآخر یہ باپ اور بیٹا دونوں شہید ہو گئے۔

حضرت مسلم کو جب محمد کثیر کی شہادت کی اطلاع ملی تو وہ ان کے گھر سے باہر برآمد ہوئے مسلم
 یہ چاہتے تھے کہ کوئی ایسا راستہ مل جائے کہ میں کوئٹہ سے باہر چلا جاؤں اور اسی کی سعی بلیغ میں گھوڑوں
 پر سوار ہو کر کوئٹہ کے ہر دروازہ پر گئے۔ لیکن کسی دروازہ سے راستہ نہ ملا کیونکہ ہر جگہ دو دو ہزار کاپہو
 تھا۔ ناگاہ صبح ہو گئی اور مسلم ناچار اپنا گھوڑا شارع عام پر چھوڑ کر ایک کوچہ میں گھس گئے اور وہاں
 کی ایک بوسیدہ مسجد میں چھپ رہے، ابن زیاد جسے یہ معلوم تھا کہ کوئٹہ ہی میں مسلم کہیں روپوش ہیں
 اُس نے منادی کرادی کہ جو مسلم کو گرفتار کر کے لائے گا۔ پان کا سردربار میں پہنچائے گا۔ اُسے
 کافی مال دیا جائے گا۔ حضرت مسلم نے دن مسجد میں گزارا اور رات کو مسجد سے نکل کھڑے ہوئے۔
 جناب مسلم کی حالت بھوک اور پیاس سے ایسی ہو چکی تھی کہ راستہ چلنا دو بھر تھا۔ آپ اسی حالت
 میں ایک محلہ میں سرگرداں پھر رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک ضعیفہ پر پڑی۔ آپ اُس کے قریب گئے
 اور پانی مانگا۔ اُس نے پانی دے کر خود ہرش کی کہ جلدی اپنی راہ لگے کیونکہ یہاں کی فضا بہت مکرر
 ہے، آپ نے فرمایا کہ اے ”طوعہ“ جس کا کوئی گھر نہ ہو وہ کہاں جائے۔ اُس نے پوچھا آپ
 کون ہیں۔ فرمایا محمد مصطفیٰ اور علی رضی اللہ عنہما اور امام حسین کا چچا زاد بھائی ہوں۔ طوعہ نے
 اپنے گھر میں جگہ دی، آپ نے رات تو گذاری۔ لیکن صبح ہوتے ہی دشمن کا لشکر آپہنچا کیونکہ پسر
 طوعہ نے مال سے پوشیدہ ابن زیاد سے چٹاخوری کر دی تھی۔ لشکر کا سردار محمد بن اشعث تھا جو
 امام حسین کی قاتل جعدہ بنت اشعث کا حقیقی بھائی تھا۔ مسلم نے جب تین ہزار گھوڑوں کی ٹاپوں
 کی آواز سنی تو تلوار لے کر گھر سے باہر نکل پڑے اور سینکڑوں دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا۔ بالآخر ابن
 اشعث نے اور فوج مانگی۔ ابن زیاد نے کہا بھیجا کہ ایک شخص کے لیے تین ہزار کی فوج کیسے کافی
 ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ شاید تو نے یہ سمجھا ہے کہ کسی بقال یا بولا سے اٹھنے کے لیے
 بھیجتے۔ غرض کہ جب مسلم پر کسی طرح قابو نہ پایا جا سکا تو ایک نمس پوش کرھے میں آپ کو گرا دیا گیا پھر
 گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ اس نے حکم دیا کہ انھیں کوٹھے سے زمین پر گرا کر ان کا
 سر کاٹ لیا جائے آپ نے چند وصیتیں کیں اور کوٹھے سے گرتے وقتے السلام علیک یا ابا عبد اللہ
 کہا اور نیچے تشریف لائے۔ آپ کا سر کاٹا گیا۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ کا اور ہانی کا سر کاٹ کر دمشق بھیج
 دیا گیا۔ اور قن بازار قصاباں میں وار پر لٹکا دیا گیا۔ ایک آیت میں ہے کہ دونوں کے پیروں میں رسی باندھ
 کر بازاروں میں پھرا رہے تھے کہ قبیلہ مذحج نے کافی جنگ جہاد کر کے لاشیں حاصل کر لیں اور قن
 کر دیا۔ ملاحظہ ہو۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۶ تا ۲۷) و کشف الغم ص ۶۸ و خلاصۃ المصائب ص ۱۲۷
 آپ کی شہادت ۹ ذی الحجہ ۶۰ ہجری کو واقع ہوئی ہے۔ انوار المجالس باب مجلس طبع ایران۔

محمد اور ابراہیم کی شہادت

مورخین کا بیان ہے کہ شہادتِ مسلم کے بعد لوگوں نے ابن ابیہ

کو جنابِ مسلم کے دونوں کم سن فرزندوں کے کوڑے میں موجود

ہونے کی خبر دی جن کا نام محمد اور ابراہیم تھا۔ ابن زیاد نے ان کی گرفتاری کا حکم نافذ کر دیا۔ پسرانِ مسلم

قاضی شریح کے گھر میں پوشیدہ تھے۔ سرکاری اعلان کے بعد قاضی نے بچوں سے کہا کہ ہماری اور

تمہاری دونوں کی جان اب خطرے میں ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں کسی صورت سے مدینہ پہنچا

دیا جائے۔ بچوں نے اسے قبول کیا۔ قاضی نے اپنے بیٹے اسد کو حکم دیا کہ ان بچوں کو دروازہ عراقین

کے باہر جو قافلہ عازم مدینہ ٹھہرا ہوا ہے، اس میں چھوڑا۔ اسد ان بچوں کو لے کر جب رات کے وقت

وہاں پہنچا تو قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ لیکن اس مقام سے نظر آ رہا تھا۔ اسد نے بچوں کو اسی راہ

قافلہ پر لگا دیا اور گھر واپس آیا۔ کم سن بچے چند قدم چلے تھے کہ قافلہ نظروں سے غائب ہو گیا اور صبح

کا ترطکا ہو گیا۔ بچے حیران و سرگردان پھر رہے تھے کہ ناگاہ سرکاری آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ اور

ابن زیاد کے پاس پہنچا دیا۔ اس نے انہیں قید خانہ میں بند کر کے زید کو بچوں کی گرفتاری کی اطلاع

دے دی۔ قید خانہ کا دربان اتفاقاً محب آل محمد تھا۔ اس نے رات کے وقت بچوں کو رہا کر دیا۔

اور راہِ قادسیہ پر لگا کر ایک انگشتری دی اور کہا کہ قادسیہ میں میرے بھائی سے ملنا اور اس انگشتری

کے ذریعہ سے تعارف کے بعد اس سے کہنا کہ وہ تمہیں مدینہ پہنچا دے۔ بچے فوراً روانہ ہو گئے لیکن صبح

ہوتے ہی دربان جس کا نام "مشکور" تھا قتل کر دیا گیا۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو نے پسرانِ مسلم کو کیوں

چھوڑ دیا۔ اس نے کہا کہ خوشنودی خدا کے لیے۔ ابن زیاد نے پانچ سو کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ مشکور

کی شہادت کے بعد اسے عمر ابن العاص نے دفن کر دیا۔

پسرانِ مسلم بن عقیل مشکور کی مہربانی سے رہا ہو کر بقصد قادسیہ جا رہے تھے کہ جدو کوڑے کے اندر

ہی راستہ بھٹول گئے اور ساری رات چکر لگا کر صبح جوگی تو اپنے کو کوڑے ہی میں پایا۔ صبح بوجھتی تھی دشمن

کے خطرے سے ایک درخت پر چڑھ گئے۔ اتفاقاً اس جگہ ایک عورت پانی بھرنے آئی۔ اس نے پانی میں

بچھڑائیں دیکھ کر پوچھا تم کون ہو۔ انھوں نے اطمینان کرنے کے بعد کہا کہ تم فرزندانِ مسلم ہیں۔ اس عورت نے

اپنی مالکہ کو خبر دی۔ وہ سر و پا برہنہ دوڑ کر آئی اور ان بچوں کو لے گئی اور اپنے مکان کے ایک گوشہ

تھالی میں انہیں بٹھا دیا، تھوڑی رات گزری تھی کہ اس مومنہ کا شوہر "حارث بن عروہ" سرگرداں

ویریشان داخل خانہ ہوا۔ مومنہ نے پوچھا کہ آج بڑی رات کو دی شیر تو ہے۔ اس نے کہا کہ مشکور دربان

نے پسرانِ مسلم کو قید سے رہا کر دیا ہے۔ جن کی تلاش کے لیے انعام و اکرام ابن زیاد کی طرف سے مقرر

کیا گیا ہے میں بھی اب تک انہیں کی تلاش میں پھیر رہا تھا۔ حارث اٹھا نا کھا کر بستر پر لیٹ گیا

ابھی آنکھ نہ لگی تھی کہ وہ بچوں کی سانس کی آواز کو محسوس کر کے اٹھ کھڑا ہوا، بیوی سے پوچھا۔ یہ

کس کے سانس کی آواز آتی ہے۔ اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ اس تہ خانے کی طرف چلا جس میں
نوزملائان رسالت جلود افروز تھے۔ اُس کی آہٹ پا کر ایک بھائی نے دوسرے کو جگا کر کہا بھتیجا! ابھی
محمد مصطفیٰؐ، علیؑ ترضی، فاطمہ زہراؑ، حسن مجتبیٰ اور امام حسین اور میرے بابا خواب میں تشریف لائے
تھے، اور انھوں نے فرمایا ہے کہ ہم تمھارے انتظار میں ہیں۔ اتنے میں حارث اندر داخل ہو گیا اور
انھیں پکڑ کر کہا تم کون ہو؟ انھوں نے فرمایا۔ ہم تیرے نبی کی اولاد میں "ہر بنامت السبعین" قید خانہ
سے بھاگ کر آئے ہیں اور تیرے گھر میں پناہ گیر ہیں۔ اس نے کہا تم قید سے بھاگ کر موت کے مزے میں
آگے ہو۔ اس کے بعد اُس نے ان تینوں کے زخموں پر اس زور سے طمانچے مارے کہ یہ تینوں کے دل
گر پڑے۔ پھر اُس نے ان کی مشکیں کس دیں اور ہاتھ پاؤں باندھ کر ڈال دیا۔ یہ بے چارے ساری رات
اپنی بے بسی اور بے کسی پر روتے رہے۔ جب صبح ہوئی تو انھیں برہنہ قتل کرنے کے لیے لے چلا
بیوی نے فریاد کی اُسے ایک تلوار ماری، غلام نے روکا اس کو قتل کر دیا۔ بیٹے نے منع کیا اسے بھی
قتل کر دیا۔ الغرض نہ فرات پر لے جا کر قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ بچوں نے کہا اسے شیخ داہمیں زندہ
ابن زیاد کے پاس لے چل (۲) ہمیں بازار میں بیچ ڈال (۳) ہماری کم سن پریچم کر (۴) ہمیں دو رکعت نماز
پڑھنے کی اجازت دے۔ اس نے کہا کہ قتل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ البتہ نماز اگر پڑھتے ہو
پڑھ لو، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہے۔ الغرض بچوں نے وضو کیا اور دو دو رکعت نماز ادا کی اور دعا
کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ اس ملعون نے بڑے بھائی کی گردن پر تلوار لگائی، سر مبارک مورا جاگرا۔ چھوٹے
بھائی نے دوڑ کر سر مبارک اٹھالیا اور بھائی کے خون میں لوٹنے لگا اس ظالم نے بڑے بھائی کی لاش
پانی میں ڈال دی اور چھوٹے کا سر بھی کاٹ لیا۔ جب دونوں لاشیں پانی میں پہنچیں تو باہم بغل گیر ہو
کر ڈوب گئیں۔ راوی کا بیان ہے کہ حارث نے جس وقت ابن زیاد کے سامنے فرزند ابن سلم کے سر
پیش کئے "تام تعدد و فعل ذاک ثلاثاً۔ تو وہ تین مرتبہ اٹھا اور بیٹھا۔ پھر حکم دیا کہ یہ سراسی جگہ
پانی میں ڈال دیا جائے۔ جس جگہ ان کے تن ڈالے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک محب آل محمدؐ نے ان سروں
کو فرات میں ڈال دیا۔ مروی ہے کہ سروں کے پانی میں پہنختے ہی ڈوبے ہوئے جسم سطح آب پر ابھر گئے
اور اپنے سروں سمیت تہ نشین ہو گئے۔ علامہ حسین واعظ کاشفی تحریر فرماتے ہیں کہ وہ شخص جو سر ہائے
فرزند ابن سلم پانی میں ڈالنے کے لیے لایا تھا اس کا نام "مقال" تھا اس نے دونوں سروں کو پانی میں
ڈالنے کے بعد حارث ملعون کے مقتول غلام اور بیٹے کی لاشوں کو باب بنی خرمیر میں دفن کر دیا۔
ذروضة الشهداء از ص ۲۶۶ تا ص ۲۸۵ و خلاصۃ المصائب ص ۲۲۱ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ جناب مسلم بن
عقیل دہانی ابن عروہ و محمد ابن کثیر اور فرزند ابن سلم کو ٹھکانے لگانے کے بعد عمر ابن سعد اور ابن زیاد
کے مابین حکومت رے کا معاہدہ ہو گیا اور طے پایا کہ حذر ابن یزید ریاحی کو سب سے پہلے دو ہزار سوار

سمیت روانہ کر کے امام حسینؑ کو گرفتار کر لیا جائے اور انھیں کوفہ لاکر قتل کروایا جائے۔ (کشف الغمہ ص ۶۵)

مکہ معظمہ میں امام حسینؑ کی جان نہ بچ سکی

یہ واقعہ ہے کہ امام حسینؑ مدینہ منورہ سے اس لیے عازم مکہ ہوئے تھے کہ یہاں ان کی جان بچ جائے گی۔ لیکن آپ کی جان لینے پر ایسا سفاک دشمن نکلا ہوا تھا جس

نے مکہ معظمہ اور کعبہ محترمہ میں بھی آپ کو محفوظ نہ رہنے دیا اور وہ وقت آگیا کہ امام حسینؑ منگام امن کو محل خوف سمجھ کر مکہ معظمہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور مجبوری اس حد تک بڑھ گئی کہ آپ حج تک نہ کر سکے، یہ مسلمات سے ہے کہ شیطین بنی امیہ کے تیس نو خوار حج کے لباس میں امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور قریب تھا کہ آپ کو عالم حج و طواف میں قتل کر دیں، امام حسینؑ کو جیسے ہی سازش بکا پتہ لگا۔ آپ نے فوراً حج کو عمرہ منفر دہ سے بدلا اور ۸ رزی الحجہ ستیمہ کو جناب مسلم کے خط پر بھروسہ کر کے عازم کوفہ ہو گئے۔ ابھی آپ روانہ نہ ہونے پائے تھے کہ اعرار و اقربا نے کمال ہمدردی کے ساتھ التوائے سفر کوفہ کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میں چینیٹی کے بل میں بھی چھپ جاملں تو بھی ضرور قتل کیا جاؤں گا۔ اور سنو میرے مانا نے فرمایا ہے کہ حرمت مکہ ایک ذنبہ کے قتل سے برباد ہوگی۔ میں ڈرتا ہوں کہ وہ ذنبہ میں ہی نہ قرار پاؤں۔ میری خواہش ہے کہ میں مکہ سے باہر جاؤں ایک ہی بالشت پر کیوں نہ ہو قتل کیا جاؤں۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۳۷) نیابیح المودۃ ص ۲۳۷ صواعق محررقہ ص ۱۱۱ یہ واقعہ ہے کہ زید کا ارادہ بہر صورت امام حسینؑ کو قتل کرنا اور استیصال بنی فاطمہ تھا۔ (کشف الغمہ ص ۶۵) یہی وجہ ہے کہ جب امام حسینؑ کے مکہ معظمہ سے روانہ ہونے کی اطلاع والی مکہ عمر بن سعید کہ ہوئی تو اُس نے پوری طاقت سے آپ کو واپس لانے کی سعی کی اور اسی سلسلہ میں اُس نے یحییٰ بن سعید ابن العاص کو ایک گروہ کے ساتھ آپ کو روکنے کے لیے بھیج دیا۔ فقوالوالد انصرف ابن تذهب ان لوگوں نے آپ کو روکا اور کہا کہ آپ یہاں سے کہاں نکلے جارہے ہیں۔ فوراً کہتے، آپ نے فرمایا ایسا برگز نہیں ہوگا، یہ روکا معمولی نہ تھا بلکہ ایسا تھا جس میں مار پیٹ کی بھی نوبت آئی۔ (دعوتِ سادہ ص ۳۱۶) مقصد یہ ہے کہ والی مکہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ امام حسینؑ اس کے حدود اقتدار سے نکل جائیں اور زید کے منشا کو پورا نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے پیش نظر والی مدینہ کی برطرفی یا تعطل تھا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ حسینؑ کے مدینہ سے سالم نکل آنے پر والی مدینہ برطرف کر دیا گیا تھا۔

امام حسینؑ کی مکہ سے روانگی

الغرض امام حسینؑ اپنے جملہ اعرار و اقربار اور انصار جان و مال کو ہمراہ لے کر جن کی تعداد بقول امام شجاعی ۸۲ تھی مکہ سے روانہ ہو گئے۔ آپ جس وقت منزل صفحہ پر پہنچے تو فرزوق شاعر سے ملاقات ہوئی۔ وہ کوفہ سے آ رہا

تھا۔ استیضاح پر اس نے بتایا کہ چاہے لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہوں۔ لیکن ان کی تلواریں آپ کے خلاف ہیں۔ آپ نے اپنی روانگی کے وجوہ بیان فرمائے اور آپ وہاں سے آگے بڑھے پھر منزل حاجزہ کے ایک چشمہ پر اترے۔ وہاں عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہوئی انھوں نے بھی کوفیوں کی بے پروائی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپ منزل بطن الرتمہ پہنچے اور وہاں سے منزل ثبات لعرق میں ڈیرہ ڈالا۔ وہاں ایک شخص شیبہ بن غالب سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی کوفیوں کی غداری کا تذکرہ کیا پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے۔ ایک مقام پر ایک خیمہ نصب دیکھا۔ اچھا اس جگہ کون ٹھہرے معلوم ہوا کہ زبیر ابن العقیل۔ آپ نے انھیں بلوا بھیجا۔ جب وہ آئے تو آپ نے بیسی حمایت کا ذکر کیا۔ انھوں نے قبول کر کے اپنی بیوی کو برداستے اپنے بھائی کے ہمراہ گھر روانہ کر دیا اور خود امام حسین کے ساتھ ہو گئے۔ پھر آپ وہاں سے روانہ ہو کر منزل "زبالہ" میں پہنچے وہاں آپ کو حضرت سلم دہانی اور محمد بن کثیر اور عبداللہ بن یقظہ جیسے دیروں کی شہادت کی خبر ملی آپ نے اِنَّا مَشَاءُ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ فرمایا اور داخل خیمہ ہو کر حضرت مسلم کی بچیوں کو کمال محبت کے ساتھ پیار کیا اور بے انتہا روتے۔ اس کے بعد بقول علامہ اربلی آپ نے بوقت شب ایک خطبہ دیا جس میں حالات کی وضاحت کے بعد ارشاد فرمایا کہ میرا قتل یقینی ہے۔ میں تم لوگوں کی گردنوں سے طوق بیعت اتارے لیتا ہوں تمہارا جد بھرجی چاہے چلے جاؤ۔ گویا دار تو واپس ہو گئے، لیکن سب دیندار ہم رکاب ہی رہے۔

پھر وہاں سے روانہ ہو کر منزل قصر بنی مقاتل پر اترے، وہاں پر عبداللہ ابن مجر جعفی سے ملاقات ہوئی۔ آپ کے اصرار کے باوجود وہ بقول واعظ کاشفی آپ کے ہم رکاب ہوا۔ پھر آپ منزل ثعلبہ پر پہنچے، وہاں جناب زینب کی آغوش میں سر رکھ کے سو گئے۔ خواب میں رسول خدا کو دیکھا کہ وہ بلا رہے ہیں۔ آپ رو پڑے۔ ام کلثوم نے سبب گریہ پوچھا آپ نے خواب کا حوالہ دیا اور خاندان کی تباہی کا تاثر ظاہر فرمایا۔ علی اکبر نے عرض کی بابا ہم حق پر ہیں ہمیں موت سے ڈر نہیں۔ اس کے بعد آپ نے منزل قطیف طانیہ پر خطبہ دیا اور وہاں سے روانہ ہو کر قبیلہ بنی سکون میں ٹھہرے۔ آپ کی یہاں سکونت کی اطلاع ابن زیاد کو دی گئی۔ اس نے ایک ہزار یاد و ہزار کے لشکر تہمت سحرین بیدریاچی کو امام حسین کی گرفتاری کے لیے روانہ کر دیا۔ امام حسین اپنی قیام گاہ سے نکل کر کوفہ کی طرف بدستور روانہ ہو گئے۔ راستے میں بنی حکومہ کا ایک شخص ملا، اس نے کہا قادیبہ سے غیبت تک ساری زمین لشکر سے پٹی پڑی ہے۔ آپ نے اُسے دعائے خیر دی اور خود آگے بڑھ کر "منزل شراف" پر قیام کیا۔ وہاں آپ نے محرم ۱۰ سالہ حج کا چاند دیکھا اور آپ رات گزار کر علی الصبح روانہ ہو گئے۔

صبح کا وقت گزرا دوپہر آئی، لشکر حسین بنیادیہ پیمانی کر رہا تھا کہ ناگاہ

حزین زبیر لیاچی

ایک صحابی حسین نے تکبیر کہی۔ لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے جواب

دیا کہ مجھے کوفہ کی سمت خرمے اور کیلے کے درخت جیسے نظر آ رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس جنگل میں درخت کہاں۔ اُس طرف غور سے دیکھنے لگے، تھوڑی دیر میں گھوڑوں کی کنتیاں نظر آئیں۔ امام نے فرمایا کہ دشمن آ رہے ہیں لہذا منزل دو خشب یاہ و جسم کی طرف مڑ چلو۔ لشکرِ حسین نے ٹرخ بدلا اور لشکرِ خرمے تیز رفتاری اختیار کی بالآخر سامنے آپہنچا اور بروایتیہ لجامِ فرس پر ہاتھ ڈال دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت عباس آگے بڑھے اور فرمایا تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ "ماتریل" کیا چاہتا ہے۔ (ماتین ص ۳۳) مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ لشکرِ خرمیاس سے بے چین تھا۔ اس لیے ساتھی کوشم کے فرزند نے اپنے بہادروں کو حکم دیا کہ شمر کے سواروں اور سواری کے جانوروں کو اچھی طرح سیراب کر دو۔ چنانچہ اچھی طرح سیرانی کر دی گئی۔ اس کے بعد نمازِ ظہر کی اذان ہوئی خرمے امام حسین کی قیادت میں نماز ادا کی اور یہ بتایا کہ ہمیں آپ کی رفتاری کے لیے بھیجا گیا ہے اور ہمارے لیے یہ حکم ہے کہ ہم آپ کو ابن زیاد کے دربار میں حاضر کریں۔ امام حسین نے فرمایا کہ میرے جیتے جی یہ ناممکن ہے کہ میں گزرتا ہوں کہ غاموشی کے ساتھ کوفہ میں قتل کر دیا جاؤں۔ پھر اُس نے تنہائی میں لائے دی کر چیکے سے رات کے وقت کسی طرف نکل جائے، آپ نے اس کی رائے کو پسند کیا اور ایک راستے پر آپ چل پڑے جب صبح ہوئی تو پھر شمر کو تعاقب کرتے دیکھا اور پوچھا کہ اب کیا بات ہے۔ اس نے کہا، مولا کسی جاسوس نے ابن زیاد سے غمازی کر دی ہے۔ چنانچہ اب اُس کا حکم یہ آ گیا ہے کہ میں آپ کو بے آب و گیاہ جنگل میں روک لوں گفتگو کے ساتھ ساتھ رفتار بھی جاری رکھی کہ ناگاہ امام حسین کے گھوڑے نے قدم روکے، آپ نے لوگوں سے پوچھا اس زمین کو کیا کہتے ہیں کہا گیا "کربلا"۔ آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ یہیں پر ڈیرے ڈال دو۔ اور میں جیسے لگا دو کیونکہ قضائے الہی ہمیں ہمارے گلے لے گی۔ (نور الابصار ص ۱۱۱ مطالب السؤل ص ۲۵۷ طبری جلد ۳ ص ۳۰۷ کامل جلد ۴ ص ۲۶۱ ابوالفداء جلد ۲ ص ۲۰۱ ومعہ ساکبہ ص ۲۳ اخبار الطوال ص ۱۲۵ ابن اوردی جلد ۱ ص ۱۱۱ تاریخ جلد ۱ ص ۲۱۹ بحار الانوار جلد ۱ ص ۲۸۶)

کربلا میں ورود

۲ محرم الحرام ۱۰ ص ۱۰ یومِ پنجشنبہ کو امام حسین علیہ السلام وارد کربلا ہو گئے۔ نورالعین ص ۲۶ حیوۃ الجنوان جلد ۱ ص ۱۵۷ مطالب السؤل ص ۲۵۷ ارشاد مفید ومعہ ساکبہ ص ۲۲۱، واعظ کا شفی اور علامہ اربلی کا بیان ہے کہ جیسے ہی امام حسین نے زمین کربلا پر قدم رکھا زمین کربلا زرد ہو گئی اور ایک ایسا غبار اٹھا جس سے آپ کے چہرہ مبارک پر پریشانی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ یہ دیکھ کر اصحاب ڈر گئے اور جناب ام کلثوم رونے لگیں۔ (کشف الغمہ ص ۶۹ وروضۃ الشهداء ص ۳۱)۔

صاحب مخزن البرکات لکھتے ہیں کہ کربلا پر ورود کے فوراً بعد جناب ام کلثوم نے امام حسین سے

عرض کی، بھائی جان یہ کیسی زمین ہے کہ اس جگہ ہمارا دل وصل رہا ہے۔ امام حسین نے فرمایا بس یہ وہی مقام ہے جہاں بابا جان نے صفین کے سفر میں خواب دیکھا تھا۔ یعنی یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارا خون بہے گا۔ تب مایسین میں ہے کہ اسی دن ایک صحابی نے ایک بیری کے درخت سے مسواک کے لیے شاخ کاٹی تو اس سے خون تازہ جاری ہو گیا۔

امام حسین کا خط اہل کوفہ کے نام | کربلا پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے تمام حجت کیلئے اہل کوفہ کے نام قیس ابن مہم کے ذریعے سے ایک خط ارسال فرمایا۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا کہ تمھاری دعوت پر میں کربلا تک آ گیا ہوں الخ قیس خط ایسے جا رہے تھے کہ راستے میں گزرا کر لیے گئے۔ اور انھیں ابن زیاد کے سامنے کوفہ لے جا کر پیش کر دیا گیا۔ ابن زیاد نے خط مانگا۔ قیس نے بروایتے چاک کر کے پھینک دیا اور بروایت اس خط کو کھا لیا۔ ابن زیاد نے انھیں بضر تازیانہ شہید کر دیا۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۰، کشف الغمہ ص ۶۶)۔

عبید اللہ ابن زیاد کا خط امام حسین کے نام | علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ امام حسین کے کربلا پہنچنے کے بعد محمد نے ابن زیاد کو آپ کی رسیدگی کربلا کی خبر دی۔ اس نے امام حسین کو فوراً ایک خط ارسال کیا۔ جس میں لکھا کہ مجھے یہ زبردستی حکم دیا ہے کہ میں آپ سے اس کے لیے بیعت لے لوں، یا آپ کو قتل کر دوں۔ امام حسین نے اس خط کا جواب نہ دیا۔ "القاء من یدک" اور اُسے زمین پر پھینک دیا۔ (مطالب السؤل ص ۲۵۷ و نور الابصار ص ۱۱) اس کے بعد آپ نے محمد بن حنفیہ کو اپنے کربلا پہنچنے کی ایک خط کے ذریعے سے اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ میں نے زندگی سے ہاتھ دھویا ہے اور عنقریب عروس موت سے ہم کنار ہو جاؤں گا۔ (جلال العیون ص ۱۹۶)۔

دوسری محرم سے نویں محرم تک کے مختصر واقعات

دوسری محرم الحرام ۶۱ھ ہجری | کو آپ کا کربلا میں ورود ہوا۔ آپ نے اہل کوفہ کے نام خط لکھا۔ آپ کے نام ابن زیاد کا خط آیا، اسی تاریخ کو آپ کے حکم سے برب فرات نیچے نصب کئے گئے۔ (کشف الغمہ ص ۶۹ و شہید اعظم ص ۱۱) خرنے مزاحمت کی اور کہا کہ فرات سے دُور نیچے نصب کیجئے۔ (نور العین ص ۲۶) عباس ابن علی کو غصہ آ گیا (شہید اعظم جلد ۲ ص ۱۷۷) امام حسین نے غصہ کفر کیا۔ اور بقول علامہ اسفراسنی ۳ یا ۵ میل کے فاصلے پر نیچے نصب کئے گئے (نور العین ص ۲۶) نصب خیام کے بعد ابھی آپ اس میں داخل نہ ہوئے تھے۔ کہ چند اشعار آپ کی زبان پر جاری ہوئے۔ جناب زینب نے جو نبی اشعار کو سننا اس درجہ روئیں

کہ بے ہوش ہو گئیں۔ امام نے رخسار پر پانی چھڑک کر باہوش کیا (لحوف ص ۱۰۶، اشارة الاحزان ص ۳۶) پھر آل محمد داخل خیمہ ہوئے۔ اس کے بعد ساٹھ ہزار و دس سو ۶۷۰ رج میل زمین خرید کر چند شرائط کے ساتھ انھیں کوبہ کر دی۔ (مشکوٰۃ بہائی ص ۹۱ ذکر العباس ص ۱۲۴)۔

تیسری محرم الحرام یوم جمعہ کو عمر ابن سعد ۶۰۵ھ اور بقول علامہ اربلی ۲۲ ہزار سوار و پیادے لے کر بلا پہنچا اور اُس نے امام حسین سے تبادلہ خیالات کی خواہش کی حضرت نے ارادہ کوفہ کا سبب بیان فرمایا۔ اُس نے ابن زیاد کو گفتگو کی تفصیل لکھ دی اور یہ بھی لکھا کہ امام حسین فرماتے ہیں کہ اگر اب اہل کوفہ مجھے نہیں چاہتے تو میں واپس جانے کو تیار ہوں۔ ابن زیاد نے عمر بن سعد کے جواب میں لکھا کہ اب جب کہ ہم نے حسین کو جنگل میں لیا ہے تو وہ چھٹکارا چاہتے ہیں۔ "لات حین مناھ" یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ان سے کہہ دو کہ یہ اپنے تمام اعزاء و اقربا سمیت بیعت یزید کریں یا قتل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ میں بیعت سے پہلے ان کی کسی بات پر غور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں (ناسخ دروضۃ الشهداء) اسی تیسری تاریخ کی شام کو حبیب ابن مظاہر قبیلہ بنی اسد میں گئے اور ان میں سے ۹۰ جان بازا آمد حسین کے لیے تیار کئے وہ انھیں لارہے تھے کہ کسی نے ابن زیاد کو اطلاع کر دی۔ اُس نے ۴۰۰ سو کا لشکر بھیج کر اس ملک کو روکوا دیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۵)۔

چوتھی محرم الحرام یوم شنبہ کو ابن زیاد نے مسجد جامع میں ایک خطبہ دیا جس میں اُس نے امام حسین کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا اور کہا کہ حکم یزید سے تمھارے لیے خزانوں کے منہ کھول دیتے گئے ہیں تم اس کے دشمن حسین سے لڑنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ۔ اس کے کہنے سے بے شمار لوگ آمادہ کر بلا ہو گئے اور سب سے پہلے شمر نے روانگی کی درخواست کی چنانچہ شمر کو چار ہزار، ابن رکاب کو دو ہزار، ابن نمیر کو چار ہزار، ابن رھینہ کو تین ہزار، ابن خشرہ کو دو ہزار سوار دے کر روانہ کر بلا کر دیا گیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۲)۔

پانچویں محرم الحرام یوم یک شنبہ کو شیدت ابن ربیع کو چار ہزار، عروہ ابن قیس کو چار ہزار سنان ابن انس کو دس ہزار، محمد ابن اشعث کو ایک ہزار، عبد اللہ ابن حسین کو ایک ہزار کا لشکر دے کر روانہ کر دیا گیا۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۲ و دمعہ ساکبہ ص ۳۲۲)۔

چھٹی محرم الحرام یوم دو شنبہ کو خولی ابن یزید اصبحی کو دس ہزار کعب ابن العجر کو تین ہزار، حجاج ابن عمر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر روانہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ چھوٹے بڑے اور کسی لشکر ارسال کرنے کے بعد ابن زیاد نے عمر ابن سعد کو

لکھا کہ اب تک مجھے اتنی ہزار کا کوئی لشکر بھیج چکا ہوں، ان میں حجازی اور شامی شامل نہیں ہیں
 مجھے چاہیے کہ بلا حیلہ حوالہ حسین کو قتل کر دے۔ (ناسخ جلد ۶ ص ۲۳۳ و معرہ ساکبہ ص ۳۲۷ جلا العیون
 ص ۱۹۷) اسی تاریخ کو عمالی ابن یزید نے ابن زیاد کے نام ایک خط ارسال کیا جس میں عمر ابن سعد
 کے لیے لکھا کہ یہ امام حسین سے رات کو چھپ کر ملتا ہے۔ اور ان سے بات چیت کیا کرتا ہے۔
 ابن زیاد نے اس خط کو پاتے ہی عمر سعد کے نام ایک خط لکھا کہ مجھے تیری تمام حرکتوں کی اطلاع ہے
 تو چھپ کر بائیں کرتا ہے۔ دیکھ میرا خط پاتے ہی امام حسین پر پانی بند کر دے اور انھیں جلد سے
 جلد موت کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کر۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۳ اخبار الطوال ص ۲۵۲

طبری جلد ۲۱۷ البدایۃ والنہایۃ جلد ۸ ص ۱۷۵) -
 عمر ابن حجاج کو پانچ سو سواروں سمیت نفرات پر
 ساتویں محرم الحرام یوم شنبہ اس لیے مقرر کر دیا گیا کہ امام حسین کے خیمہ تک پانی نہ

پہنچنے پائے (تاریخ طبری جلد ۱ ص ۳۱۳ و ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۳۷) پھر مزید احتیاط کے لیے
 چار ہزار کا لشکر دے کر حجر کو ایک ہزار کا لشکر دے کر شبث ابن ربعی کو روانہ کیا گیا۔ (مقتل ابنی
 مخنف ص ۳۲) اور پانی کی بندش کر دی گئی۔ پانی بند ہو جانے کے بعد عبداللہ ابن حسین نے نہایت
 کریمہ لفظوں میں طعنہ زنی کی (تورالعین ص ۳) جس سے امام حسین کو سخت صدمہ پہنچا (تذکرہ)
 پھر ابن حوشب نے طعنہ زنی کی جس کا جواب حضرت عباس نے دیا۔ (الامات والسیاست جلد ۱
 ص ۷۸) آپ نے غالباً طعنہ زنی کے جواب میں خیمہ سے ۱۹ قدم کے فاصلہ پر جانب قبلہ ایک ضرب
 بیٹشہ سے چشمہ جاری کر دیا۔ (مقتل عوالم ص ۷۸ و اعثم کوئی ص ۲۶۶) اور یہ بتا دیا کہ ہمارے لیے
 پانی کی کمی نہیں ہے لیکن ہم اس مقام پر معجزہ دکھانے نہیں آتے بلکہ امتحان دینے آتے ہیں۔

آٹھویں محرم الحرام یوم چہار شنبہ
 کی شب کو خیمہ آل محمد سے پانی بالکل غائب ہو گیا اس
 پیاس کی شدت نے بچوں کو یہ چین کر دیا ہے۔ امام

حسین نے حالات کو دیکھ کر حضرت عباس کو پانی لانے کا حکم دیا آپ چند سواروں کو لے کر تشریف لے گئے
 اور بری مشکلوں سے پانی لائے۔ ولذا لك سمی العباس السقاء اسی سقائی کی وجہ سے عباس کو سقائ
 کہا جاتا ہے۔ (اخبار الطوال ص ۲۵۳ جلا العیون ص ۱۹۸ و معرہ ساکبہ ص ۳۲۳) رات گزرنے کے بعد جب صبح
 ہوئی تو یزید ابن حسین صحرائی نے باجارت امام حسین، ابن سعد کو فہمائش کی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔
 اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں حسین کو پانی دے کر حکومت رے چھوڑ دوں۔ (ناسخ التواریخ جلد ۳
 ص ۳۳۸) امام شبلنجی کہتے ہیں کہ ابن حسین اور ابن سعد کی گفتگو کے بعد امام حسین نے اپنے خیموں کے
 گرد خندق کھودنے کا حکم دیا۔ (تور الابصار ص ۱۱۷) اس کے بعد حضرت عباس کو حکم دیا کہ کنواں کھود کر

پانی برآمد کرو۔ آپ نے کنواں تو کھودا۔ لیکن پانی نہ نکلا۔ (مقتل ابی مخنف ص ۱۲)

کی شب کو امام حسین اور عمر بن سعد میں آخری گفتگو ہوئی۔ آپ کے ہمراہ حضرت عباس اور علی اکبر بھی تھے۔ آپ نے

نویں محرم الحرام یومِ پنجشنبہ

گفتگو میں ہر قسم کی ہجرت تمام کر لی۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳) نویں کی صبح کو آپ نے حضرت عباس کو پھر کنواں کھودنے کا حکم دیا لیکن پانی برآمد نہ ہوا۔ (تاریخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۲۵) تھوڑی دیر کے بعد امام حسین نے پتھروں کی حالت کے پیش نظر پھر عباس سے کنواں کھودنے کی فرمائش کی آپ نے سعی بلیغ شروع کر دی جب پتھروں نے کنواں کھودنا بھلا دیکھا تو سب کوزے لے کر آ پہنچے۔ ابھی پانی نکلنے نہ پایا تھا کہ دشمنوں نے آکر اسے بند کر دیا۔ فہریت الاطفال الغنیام دشمنوں کو دیکھ کر بچے خیموں میں جا چھپے پھر تھوڑی

دیر کے بعد حضرت عباس نے کنواں کھودا وہ بھی بند کر دیا گیا حتیٰ حقرا اربعجا۔ یہاں تک کہ چار کنویں کھودے اور پانی حاصل نہ کر سکے۔ بروایتے پانچویں مرتبہ پانی برآمد ہوا۔ سیکینہ نے کوزہ بھرا اور دشمن کے خوف سے خیمہ کی طرف بھاگیں، طناب خیمہ میں پاؤں اٹھے اور آپ گڑوں پانی جاتا رہا اور دشمن نے کنواں بند کر دیا سیکینہ پیاسی کی پیاسی ہی رہیں۔ (خلاصۃ المصاب ص ۱۲ طبع نول کشور ص ۱۸۷)

اس کے بعد امام حسین ایک ناقہ پر سوار ہو کر دشمن کے قریب گئے اور اپنا تعارف کرایا لیکن کچھ نہ بنا (کشف الغمہ ص ۱۲) مورخین لکھتے ہیں کہ نویں تاریخ کو شمر کو فر واپس گیا اور اس نے عمر ابن سعد کی شکر

کر کے ابن زیاد سے ایک سخت حکم حاصل کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر حسین بیعت نہیں کرتے تو انھیں قتل کر کے ان کی لاش پر گھوڑ دوڑا دے اور اگر تجھ سے یہ نہ ہو سکے تو شمر کو چارج دے دے ہم نے

اسے حکم تعمیل حکم یزید دے دیا ہے۔ (روضۃ المشداد ص ۳۰۶ دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳) ابن زیاد کا حکم پاتے ہی ابن سعد تعمیل پر تیار ہو گیا۔ اسی نویں تاریخ کو شمر نے حضرت عباس اور ان کے بھائیوں کو امان کی

پیش کش کی انھوں نے بڑی دلیری سے اسے ٹھکرا دیا (جلار العیون ص ۱۹۸ طبری ص ۲۳۰ جلد ۶) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ذکر العباس از ص ۱۶۶ تا ص ۱۸۲ اسی نویں کی شام آنے سے پہلے شمر کی تحریک سے ابن سعد

نے حملہ کا حکم دے دیا۔ امام حسین خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ آپ کو حضرت زینب پھر حضرت عباس نے دشمن کے آنے کی اطلاع دی۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھ پر ابھی غنودلی طاری ہو گئی تھی میں نے آنحضرت

کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے فرمایا کہ انک تروح غلا حسین تم کل میرے پاس پہنچ جاؤ گے (دمعہ ساکبہ ص ۳۲۳) جناب زینب رونے لگیں اور امام حسین نے حضرت عباس سے فرمایا کہ جھیا تم جاکر ان

دشمنوں سے ایک شب کی مدت لے لو حضرت عباس تشریف لے گئے اور لڑائی ایک شب کے لئے ملتوی ہو گئی۔ (تاریخ اسلام ص ۲۶۱ طبع گورکھ پور ص ۱۹۳) جنگ کے التوار کی غرض کیا تھی۔ اس کے لیے

ملاحظہ ہو ذکر العباس ص ۱۸۶۔

شب عاشور

نویں کا دن گذرا، عاشور کی رات آئی۔ التوائے جنگ کے بعد امام حسینؑ کو جس چیز کی زیادہ فکر تھی وہ یہ تھی کہ اپنے اصحاب کو موت سے بچالیں، آپ نے رات کے وقت اپنے اصحاب اور اعرار کو جمع کر کے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ تم سے بہتر اعرار اور اصحاب کسی کو نصیب نہیں ہوئے لیکن دیکھو چونکہ یہ صرف مجھ ہی کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے میں تمھاری گردنوں سے طوق بیعت اتار لیتا ہوں، تم رات کی تاریکی میں اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ یہ سننا تھا کہ حضرت عباسؑ، فرزندِ انبیاؑ بن عقیل، مسلم بن عویض، زہیر بن قین، سعد بن عبد اللہ کیے بعد دیگرے کھڑے ہو گئے، اور عرض کرنے لگے، مولانا، آپ نے یہ کیا فرمایا۔ "ارے لعنت ہے اس زندگی پر جو آپ کے بعد باقی رہے۔ (ابن الوردی جلد ۱ ص ۱۶۳ ارشاد ص ۲۹۷ و مع ساکبہ ص ۳۲۲ جلا العیون ص ۱۹۹ انسانیت موت کے دروازے پر ص ۷۲) خطبہ کے بعد آپ نے حضرت عباسؑ کو پانی لانے کا حکم دیا۔ آپ ۳۰ سواروں اور بیس پیادوں سمیت نہر پر تشریف لے گئے اور بڑی دیر جنگ کرنے کے باوجود پانی نہ لاسکے (تذکرہ خواص الامتہ ص ۱۴۱) اس کے بعد امام حسینؑ موقع جنگ دیکھنے کے لیے میدان کی طرف تشریف لے گئے واپسی میں خمیر جناب زینبؑ میں درود فرمایا۔ زینبؑ نے پوچھا بھئی آپ نے اصحاب کا امتحان کر لیا ہے یا نہیں آپ نے اطمینان دلایا۔ پھر بلال ابن نافع نے زینبؑ کو مطمئن کیا (و مع ساکبہ ص ۳۲۵) زینبؑ سے گفتگو کے بعد آپ نے پھر ایک خطبہ فرمایا اور اعرار و اصحاب سے مثل سابق کہا کہ یہ لوگ میری جان چاہتے ہیں تو لوگ اپنی جانیں نہ دو۔ یہ سن کر اصحاب و اعرار نے بڑا دلیرانہ جواب دیا۔ (ناسخ جلد ۲ ص ۲۲۷) اس کے بعد امام حسینؑ نے اپنے اصحاب کو جنت دکھلا دی۔ (وسائل مظہری ص ۲۹۲)

علامہ کننوری لکھتے ہیں کہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے خمیر میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا اور جناب زینبؑ کے گرد ۲۰ لڑکے اور لڑکیاں جمع ہو کر فریاد کرنے لگیں (ماتیں جلد ۱ ص ۳۱۸) یہ حالت بربر ہلانی کو معلوم ہو گئی۔ وہ چند ساتھیوں کو لے کر نہر پر پہنچے۔ زبردست جنگ ہوئی حضرت عباسؑ مدد کو بھیجے گئے چند جاں باز کام آگئے۔ غالباً اسی موقع پر حضرت عباسؑ کے ایک بھائی عباس الاصغر بھی شہید ہوئے ہیں (ناسخ جلد ۲ ص ۲۸۹) الخضر بربر ہزار وقت دو شکاری ایک مشک نیمہ تک لے ہی آتے نیچے بے تابی کی وجہ سے اس مشک پر جا گرے۔ دھانہ کھل گیا۔ پانی بہ گیا۔ بچوں اور عورتوں کے ساتھ بربر نے بھی منہ پیٹ لیا، اور انتہائی حسرت و افسوس کے ساتھ کہا۔ ہائے آل محمدؑ کی پساں بچہ نہ سکی۔ (ماتیں ج ۱ ص ۳۱۶) علامہ کاشفی لکھتے ہیں کہ پانی کی جدوجہد کی ناکامی کے بعد امام حسینؑ نے حکم دیا کہ سب اپنے اپنے خمیوں میں جا کر عبادت میں مشغول ہو جائیں۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۱۲)

مجاہدین کربلا کی آخری سحر

امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب و اعزاء مشغول عبادت میں بیفیدہ سحری نمودار ہونے کو ہے زندگی کی آخری سحر طالع ہونے والی ہے۔ ناگاہ امام حسینؑ کی آنکھ لگ گئی۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے گتے آپ پر حمل آور ہیں اور ان گتوں میں ایک ابلق مبروص گتا ہے جو بہت ہی سختی کر رہا ہے۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۶۹)۔ علامہ دیرمی لکھتے ہیں کہ امام حسینؑ کو شمر نے شہید کیا ہے جو مبروص تھا (حیوۃ الحيوان جلد ۱ ص ۱۵) کاشفی کا بیان ہے کہ جب صبح کا ابتدائی حصہ ظاہر ہو گیا تو آسمان سے آواز آئی یا خیل اللہ ارکبی۔ اے اللہ کے بہادر سپاہیو! تیار ہو جاؤ۔ موقع امتحان اور وقت موت آ رہا ہے۔ اس کے بعد صبح ہو گئی۔ (روضۃ الشہداء ص ۳۱۲ بیچ الاعزاز ص ۱۲)۔

صبح عاشورا

طلوع صبح محشر تھی طلوع صبح عاشورا

رات گذری، صبح کا ظہور ہوا تو زیدی کا دل
اور جھوٹوں نے اپنے لشکر کی ترتیب دے لی اور

۱۰۔ ارمحرم الحرام السنۃ ہجری یوم جمعہ

صبح صادق کا طلوع ہوا تو صدیقین نے نماز صبح کا تہیہ کیا۔ حضرت علی اکبر نے اذان کہی امام حسینؑ نے نماز جماعت پڑھائی۔ اللہ کے سچے بندے ابھی مصعبؓ ہی پر تھے کہ ۸۰ ہزار کے لشکر میں حملہ آور ہونے کے اشارہ ظاہر ہونے لگے۔ امام مصعبؓ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ نے ۷۲ جانباڑوں پر مثل لشکر کی جنگی تنظیم یوں فرمادی یہ منہ ۲۰ بہادر۔ میسرہ ۲۰ بہادر، بقیہ قلب لشکر مہینہ کے سردار۔ زہیر بن مہرہ کے، جعیب ابن مظاہر اور عبدالمبار لشکر حضرت عباس کو قرار دیا (جلال العیون ص ۱۰۱ الاخبار الطوال ص ۲۰۳) اس کے بعد حضرت عباس سے فرمایا کہ جنگ چھڑی جا ستی ہے۔ بھتیہ ایک دفعہ پانی کی اور کوشش کر لو۔ اور سنو صرف اپنے بھائی بھتیہ چوں کو جمع کر کے کنواں کھودو، یعنی اصحاب کو زحمت نہ دو۔ حضرت عباسؓ نے کمال جانفشانی سے کنواں کھودا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا پھر دوسرا کنواں کھودا وہ بھی بے سود ہی رہا (دمعہ ساکبہ ص ۲۶۹ حالات صبح عاشورا) امام حسینؑ غمیر میں تھے اور بقول عبدالمجید ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی۔ ٹھیک دس بجے لشکر والوں کو عمر ابن سعد کا ارجحٹ حکم ملتا ہے کہ حسینؑ کو قتل کرنے کے لیے آگے بڑھو۔ بڑی دل فوج نے حرکت کی اور تین دن کے بھوکے پیاسے حضورؑ سے مسافروں کو قتل کرنے دشمنان اسلام آگے بڑھے (شہید اعظم ص ۱۶۹ طبع دہلی) حضرت نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنی۔ رسول خدا کی زہر زہر تن کی اور خندق میں آگ دینے کا حکم دے کر آپ اصحاب کی

فمائش کرنے لگے۔ (ناسخ جلد ۶ ص ۱۲۵) اتنے میں دشمنوں نے خیموں کو گھیر لیا۔ بریر ابن خبیر نے باہر نکل کر انھیں بچھایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا، پھر آپ خود دشمن کے سامنے آئے اور اپنا تعارف کرایا اور بروایت یہ بھی فرمایا کہ مجھے چھوڑ دو، میں یہاں سے نہ یا کسی اور طرف کو چلا جاؤں۔ مگر انھوں نے ایک زبانی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ مجھے کس جرم کی بنا پر قتل کرنا چاہتے ہو۔ انھوں نے جواب دیا۔ نقت تک بغضاً لابیٹ ہم تمھیں تمھارے باپ کی دشمنی میں قتل کر رہے ہیں۔ (نبایح المودۃ ص ۱۲۶) پھر آپ نے قرآن مجید کو حکم قرار دیا۔ لیکن انھوں نے ایک نہ مانی۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۲۵) پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا بلند کیا اور آخر میں بروایت دوحہ ساکبہ مش ۳۲۵ عرض کی اللہم سلط علیہم غلام ثقیف، خدایا ان پر قبیلہ ثقیف کے ایک غلام (مختار) کو مسلط کر کہ انھیں ظلم آفرینی کا مزہ چکھا۔

جنابِ حُر کی آمد | امام حسینؑ کے مواعظ کا اثر صرف جنابِ حُر پر پڑا۔ انھوں نے ابنِ سعد کے پاس جا کر آخری ارادہ معلوم کیا پھر اپنے گھوڑے کو ایڑ دی اور امام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ (تاریخ طبری) اس کے بعد گھوڑے سے اتر کر امام حسینؑ کی رکاب کو بوسہ دیا (روضۃ الاحباب) امام نے حُر کو مٹھائی دے کر جنت کی بشارت دی (طبری) دوحہ ساکبہ مش ۳۳ میں ہے کہ حُر کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حمید ابن مسلم کا بیان ہے کہ عمر سعد نے لشکرِ حسینی پر سب سے پہلے تیر چلایا۔ اس کے بعد فیروں کی بارش شروع ہوئی۔ روضۃ الاحباب میں ہے کہ جنابِ حُر کو قصور ابنِ کانہ اور ارشاد میں ہے کہ ایوب مشرح نے ایک کوئی کی مدد سے شہید کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب بہتر تارے، مؤلفہ حقیر طبع لاہور۔)

امام حسین اور ان کے اصحابِ اعزاز کی حشر آفریں جنگ

علامہ عیسیٰ اربلی لکھتے ہیں کہ جنابِ حُر کی شہادت کے بعد عمر سعد کے لشکر سے دو ناہنجار مبارز طلب ہوئے جن کے نام نسیان و سالم تھے۔ ان کے مقابلہ کے لیے امام حسینؑ کے لشکر سے جنابِ حُجیب ابن مظاہر اور یزید ابنِ حصین برآمد ہوئے اور ان دونوں کو چند حملوں میں فنا کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد مقتل ابنِ یزید سامنے آیا۔ جنابِ یزید ابنِ حصین اور بقول مجلسی بریر ابنِ خبیر بھوانی نے اُسے قتل کر ڈالا۔ پھر مزاحم ابنِ حریش سامنے آیا۔ اسے جنابِ نافع ابنِ ہلال نے قتل کر دیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۰۰)

۱۔ علامہ ابنِ قتیبہ لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ نے ارشاد فرمایا ان لستم براھین بحدود العراق فاترکونی الا لیب
الاسندۃ، تم اگر میرے عراق پہنچنے پر راضی نہیں ہو تو مجھے چھوڑ دو۔ میں سندھ (ہند) چلا جاؤں۔
۲۔ تفصیل کے لیے دیکھو۔ مختار آلِ محمد ص ۱۲ لاہور ۱۳۲۰

جنگِ معلوبہ

عمر ابن سعد نے جب حسین بنی ہمدانوں کی شانِ شجاعت دیکھی تو سمجھ گیا کہ ان سے انفرادی مقابلہ ناممکن ہے۔ لہذا اجتماعی حملہ کا پروگرام بنایا اور اپنے چیف کمانیر کو حکم دیا کہ کثیر تعداد میں کمان اندازوں کو لا کر یکبارگی تیر بارانی کر دے۔ چنانچہ اُس نے تعمیلِ حکم کی اور بے شمار تیر اندازوں کے ذریعہ سے تیر بارانی شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسینؑ کا تقریباً تمام لشکر مجروح ہو گیا اور ۳۲ یا ۴۰ یا ۲۲ یا ۵۰ اصحاب اسی وقت شہید ہو گئے۔ (ملاحظہ ہو تفصیل کے لیے "بہتر ستارے" مؤلفہ حقیر۔)

جنگِ معلوبہ کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام اپنے بہادروں کو لے کر جن کی کل تعداد ۳۲ تھی۔ میدان میں نکل آئے اور اس بے جگری سے لڑ کر لشکرِ مخالف کے چھکے چھوٹ گئے جس طرف حملہ کرنے تھے صفیں صاف ہو جاتی تھیں اور اس حملہ میں بے شمار دشمن موت کے گھاٹ اتار دیتے۔ ان جھوکے پیاسے بہادریوں نے لشکر میں ایسی پھل مچا دی، جس نے افسرانِ تک کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔ بالآخر لشکرِ کوفہ کے کمانیر عروہ بن قیس نے عمر ابن سعد کو کھلا بھیجا کہ جلد لشکر اور خصوصاً تیر انداز بھیجو۔ کیونکہ ان تھوڑے سے علوی بہادروں نے ہماری درگت بنا دی ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۵ طبری جلد ۶ صفحہ ۲۵ بحار الانوار جلد ۲۹۹) عمر ابن سعد نے فوراً ۵۰۰ کمان داروں کو حسین ابن نمیر کے ہمراہ عروہ بن قیس کی ملک میں بھیج دیا۔ ان رو بہوں نے پہنچتے ہی تیر بارانی شروع کر دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امام حسین کے کئی بہادر کام آگئے۔ اور تقریباً کل کے کل پیادہ ہو گئے۔ اسی دوران میں عمر ابن سعد نے آواز دی کہ آگ لاؤ ہم تمہیں کو جلائیں گے۔ یہ دیکھ کر امام حسین نے شکر کو یکبارہ کہ یہ کیا بے حیائی کی جا رہی ہے۔ اتنے میں شبث ابن اربعی آ گیا اور اُس نے اُس حرکتِ ناشائستہ سے باز رکھا۔ (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۶)۔

مورخ ابن اثیر اور علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ دورانِ جنگ میں نماز ظہر کا وقت آ گیا تو ابو الثمامہ صامی یا سعید اسی نے خدمتِ امام حسینؑ میں عرض کی مولا اگر چہ ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، لیکن دل ہی چاہتا ہے کہ نماز ظہر ادا کر لی جائے۔ امام نے ابو الثمامہ کو دعویٰ اور نماز کا تہیہ فرمایا۔ تیر چوکے مسلسل آ رہے تھے اس لیے زبیر ابن تیہن اور سعید ابن عبد اللہ امام حسینؑ کے سامنے کھڑے ہو کر تیروں کو سینوں پر لپٹے گئے۔ یہاں تک کہ امام حسینؑ نے نماز تمام فرمائی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ تلوار اور نیزوں کے زخم کے علاوہ ۱۳ تیر سعید کے سینے میں پورے ہو گئے۔ نماز تمام ہوئی اور جناب سعید بھی دنیا سے رخصت ہو گئے (تاریخ کامل بحار جلد ۱۰ ص ۲۹۹) جبکہ معلوبہ کے بعد جو ۳۲۔ اصحاب بچے ان میں سے بعض کے مختصر حالات درج ذیل کے جاتے۔

حضرت امام حسین کے مشہور اصحاب اور ان کی شہادت

جناب حبیب مظاہر

جناب حبیب مظاہر ابن ریاب ابن اشتر ابن جنجان ابن نقض ابن بکر
ابن مہربن قیس ابن حرث ابن ثعلبہ، ابن ودان، ابن اسد الواقم

الاسدی کے جیسے امام حسین کے بچپنے کے دوست تھے۔ انھیں رسالت مآب کے صحابی ہونے کا بھی شرف حاصل تھا۔ یہ اصحاب امیر المومنین میں بھی تھے اور ہرجگ میں شریک نہ۔ انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلم بن عقیل کا پورا پورا ساتھ دیا اور یہ شہادت مسلم کے بعد کربلا کو پایادہ روانہ ہو کر امام حسین کی خدمت میں پہنچے تھے کربلا پہنچ کر انھوں نے پوری کوشش کی کہ بنی اسد سے کچھ مددگار لے آئیں۔ لیکن عمر سعد کے لشکر نے راستے میں مزاحمت کی۔ شب عاشور ایک شب کی ہمت کے لیے جب حضرت عباس گئے تھے تو حبیب بھی ساتھ تھے۔ نماز ظہر عاشورا کے موقع پر حسین ابن میر کی بدکلامی کا جواب حبیب ہی نے دیا تھا اور اس کے کہنے پر کہ "حسین کی نماز قبول نہ ہوگی، حبیب نے بڑھ کر گھوڑے کے منہ پر تلوار لگائی تھی۔ پھر میدان میں مسلسل لوگوں سے لڑتے اور انھیں قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بدیل ابن حریم عقیقانی نے آپ پر تلوار لگائی اور بنی تمیم کے ایک شخص نے نیزہ مارا اور حسین بن میر نے سر پر تلوار لگائی۔ آپ گھوڑے سے گر پڑے۔ اس وقت ایک تمیمی نے سر کاٹ لیا۔ حبیب کی شہادت کے بعد امام حسین نے انتہائی درد انگیز بیچے میں کہا۔ اے حبیب میں تم کو اور اپنے اصحاب کو خدا سے ٹوں گا۔

زہیر ابن قین

جناب زہیر، قین ابن قیس، نمازی بجلی کے بیٹے تھے۔ یہ قوم کے سردار اور رئیس تھے۔ سنہ ۴ھ میں امام حسین کے ساتھ ہوئے۔ شب عاشور حضرت

عباس جب ایک شب کی ہمت کے لیے آگے بڑھے تو آپ کے ہمراہ زہیر بھی تھے۔ امام حسین کی زندگی میں جب شمر نے نیمہ کے پاس آکر سے جلانا چاہا تھا۔ تو جناب زہیر ہی نے اس سے مقابلہ کر کے اس ارادہ سے باز رکھا تھا، اور نماز ظہر کے لیے سعید کے ساتھ زہیر نے بھی امام حسین کی حفاظت کے لیے سینہ تان دیا تھا۔ آپ نے میدان میں زبردست جنگ کی بالآخر کثیر ابن عبداللہ شعبی اور مباحر ابن اوس تمیمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ شہادت کے بعد امام حسین لاش پر شریف اراے اور کہا زہیر خدا تم پر رحمت نازل کرے اور تمہارے قاتلوں پر جو بندوں اور پتھروں کی طرح مسخ ہو گئے ہیں لعنت کرے۔

نافع ابن ہلال

جناب نافع، ہلال ابن نافع ابن جمل ابن سعد العشیرہ ابن مدح جملی کے بیٹے تھے۔ آپ شریف النفس سردار قوم، بہادور و قاری قرآن راوی

الحديث تھے۔ آپ ہرجگ میں امیر المومنین کے ساتھ رہے کربلا میں جب حضرت عباس پانی کی

جدوجہد کے لیے نہر بدر تشریف لے گئے تھے تو نافع ابن ہلال آپ کے ساتھ تھے۔ میدان کارزار کرکڑ میں نافع ابن ہلال نے ۱۲ دشمنوں کو زہر میں الجھے ہوئے تیر سے قتل کیا پھر جب تیر ختم ہو گئے تو تلوار سے لڑنے لگے۔ بالآخر تیر بارانی کی گئی اور آپ کے دونوں بازو ٹوٹ گئے اور آپ گرفتار ہو کر ابن سعد کے سامنے لائے گئے۔ پھر شمر کے ہاتھوں قتل کر دیے گئے۔

مسلم ابن عوسجہ جناب مسلم، عوسجہ ابن سعد ابن نعلبہ ابن دودان ابن اسد، ابن حزمیر ابو جحل اسدی سعدی کے بیٹے تھے۔ یہ تشریف ترین مردم، عابد و زاہد اور صحابی

رسول تھے۔ اکثر اسلامی جنگوں میں شریک رہے۔ کوفہ میں مسلم بن عقیل کی پوری طاقت سے مدد کی آپ کے ہمراہ مدح کے چار قبیلے تھیم و ہمدان و کندہ و ربیعہ تھے۔ جناب ہانی و مسلم کی شہادت کے بعد اپنے بال بچوں سمیت کربلا آ پہنچے اور امام حسینؑ کے قدموں میں شرف شہادت سے سرفراز ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ مسلم ابن عوسجہ نہایت دلیری کے ساتھ جنگ فرما رہے تھے کہ مسلم ابن عبداللہ ضیانی ملعون اور عبداللہ ابن خندکاء نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔

عابس شاکری جناب عابس، ابوشیبہ بن شاکری ابن ربیع بن مالک ابن صعرب ابن معاویہ بن کثیر بن مالک ابن حثم ابن حاشد ہمدانی کے بیٹے تھے۔ آپ نہایت بہادر۔

رہیں، عابد شب زندہ دار اور امیر المومنین کے مخلص ترین ماننے والوں میں تھے۔ آپ کے قبیلہ بنو شاکر پر امیر المومنین کو بڑا اعتماد تھا۔ اسی وجہ سے آپ نے جنگ صفین میں فرمایا تھا کہ اگر قبیلہ بنو شاکر کے ایک ہزار افراد موجود ہوں تو دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب باقی ہی نہ رہے۔ عابس نے کوفہ میں جناب مسلم کا پورا ساتھ دیا اور جب جناب مسلم کوفہ پہنچے تھے تو آپ نے سب سے پہلے تعاون کا یقین دلایا تھا۔ آپ کوفہ سے جناب مسلم کا خط لے کر کوٹ گئے تھے اور وہیں سے امام حسینؑ کے ساتھ ہو گئے اور یوم عاشورا شہید ہو گئے۔ آپ میدان میں آئے اور مبارز طلبی کی۔ مگر کسی میں دم نہ تھا کہ عابس سے لڑتا بالآخر ان پر اجتماعی طور پر پتھراؤ کیا۔ پھر بے شمار افراد نے مل کر انہیں شہید کر کے سر کاٹا لیا۔

بریر ہمدانی جناب بریر بن خضیر ہمدانی مشرقی، بنو مشرق کے قبیلہ ہمدان کے ایک محرم تابعی تھے۔ یہ نہایت بہادر عابد و زاہد اور بے مثل قاری قرآن تھے۔ ان کا شمار

کوفہ کے شرفاء میں تھا۔ انھوں نے کوفہ سے کجا کر امام حسینؑ کی ہمراہی اختیار کی تھی اور تاحیات ساتھ رہے۔ شب عاشورا پانی لانے میں انھوں نے عظیم جدوجہد کی تھی۔ میدان جنگ میں آپ کا مقابلہ بریر ابن معقل سے ہوا، بریر نے اُسے قتل کر دیا۔ پھر رضی ابن منتقد عہدی سامنے آیا۔ آپ نے زمین پر رے مارا۔ اتنے میں کعب ابن جابر ازوی نے آپ کی پشت میں نیزہ مارا اور آپ نے اُس رضی کی ناک دانست سے کاٹ لی جس کے سینے پر سوار تھے۔ کعب کا نیزہ بریر کی پشت میں رہ گیا۔ اور اس نے تلوار سے بریر کو شہید کر دیا۔

امام حسین کے اعزاز و تیرا اور اولاد کی شہادت

صحاب باوفا اور انصاریان باصفاء کی شہادت کے بعد آپ کے اعزاء و اقربا کے بعد دیگرے میدان کارزار میں آکر شہید ہوئے۔ میرے نزدیک بنی ہاشم میں سب سے پہلے جس نے شرف شہادت حاصل کیا وہ عبد اللہ ابن مسلم ابن عقیل تھے۔ آپ حضرت علی کی بیٹی رقیہ بنت صہبانت عمائد بن ربیعہ بن نجیحی بن عبد بن علقمہ ثعلبہ کے فرزند تھے۔ آپ میدان میں تشریف لائے اور ایسا حال شہداء کیا کہ رو بہا ہوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ آپ نے تین حملے فرمائے اور ۹۰ دشمنوں کو فی النار کیا۔ دوران جنگ میں عمر بن صبیح صیداوی نے آپ کی پیشانی پر تیر مارا۔ آپ نے فطرت کے تقاضے پر تیر سینچنے سے پہلے اپنا ہاتھ پیشانی پر رکھ لیا۔ اور ہاتھ پیشانی سے اس طرح پیوست ہو گیا کہ پھر جدا نہ ہوا۔ پھر اس نے دوسرا تیر مارا جو صا جزا دے کے دل پر لگا اور آپ زمین پر تشریف لائے۔ (نور العین ترجمہ البصائر الحسین علیہ السلام) آپ کو خاک و خون میں غلطان دیکھ کر آپ کے بھائی محمد بن مسلم آگے بڑھے اور انھوں نے بھی زبردست جنگ کی بالآخر ابو جہم ازوی اور لقیطہ اور ابن ابی جہمی نے آپ کو شہید کر دیا۔ (بخاری الانوار جلد ۱۰ ص ۳۰۲) ان کے بعد جعفر بن عقیل ابن ابی طالب میدان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے ۱۵ زبردست دشمنوں کو فنا کے گھاٹ اتارا آخر میں بشر بن عوط نے آپ کو شہید کر دیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲) ان کے بعد جناب عبدالرحمن ابن عقیل میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور آپ کو دشمنوں نے گھیر لیا۔ آخر کار عثمان بن خالد طعن کی ضرب شدید سے داہنی جنت ہوئے۔ ان کے بعد عبد اللہ اکبر بن عقیل میدان میں آئے اور زبردست قتال کے بعد عثمان بن خالد کے ہاتھوں شہید ہوئے ابو صفح کے کہنے کے مطابق عبد اللہ اکبر کے بعد موسیٰ بن عقیل نے میدان لیا اور ۷ آدمیوں کو قتل کر کے شہید ہوئے۔ ان کے بعد عمون بن عقیل اور علی بن عقیل درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ ان کے بعد محمد بن سعید بن عقیل اور جعفر بن محمد بن عقیل اور احمد ابن محمد بن عقیل کے بعد دیگرے میدان میں تشریف لائے اور کارہائے نمایاں کر کے درجہ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد محمد بن عبد اللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۱۰ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عام بن نیشل شہید ہوئے۔ ان کے بعد عمون بن عبد اللہ بن جعفر میدان میں آئے اور ۳۰ سوار ۸ پیادہ کو قتل کرنے کے بعد عبد اللہ ابن بطح کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ آپ کے بعد جناب حسن مشہے میدان میں تشریف لائے۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور اس درجہ زخمی ہو گئے کہ جانبر ہونے کا کوئی امکان نہ تھا۔ بالآخر مقتولین میں ڈال دیے گئے۔ نتیجہ پر ان کا ایک رشتہ کاماموں اسماء ابن خاریجہ کنیہ ابی حسان انھیں اٹھا کر لے گئے۔ ان کے بعد جناب قاسم میدان میں تشریف لائے۔ اگر آپ کی عمر

نے بے حسنیٰ میں زبان تو منہ میں دے دی۔ لیکن فوراً ہی کھینچ لی۔ اور کہا بابا جان "لسانک ایس میں
لسانی ش آپ کی زبان تو میری زبان سے بھی زیادہ خشک ہے۔ پھر امام حسینؑ نے رسول کریمؐ کی ایک
انگھوٹی علی اکبر کے منہ میں دی اور فرمایا بیٹا جاؤ، خدا حافظ۔

حضرت علی اکبر دوبارہ میدان میں پہنچے، طارق ابن شیبث جس سے عمر سعد نے حکومت رقبہ اور
موصل کا وعدہ کیا تھا۔ علی اکبر کے مقابلہ میں آگیا۔ آپ نے کمال جوانمردی سے اس پر نیرے کا وار کیا نیزہ
اُس کے سینے میں لگ کر پشت سے دو بالشت باہر نکل گیا۔ اس کے مرتے ہی اس کا بیٹا عمر طارق میدان
میں آگیا۔ آپ نے اُسے بھی قتل کر دیا۔ پھر طلحہ ابن طارق سامنے آیا آپ نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے
پھینچا ڈر دیا۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے مصراع ابن غالب کو حکم مقابلہ دیا۔ وہ علی اکبر کے سامنے آ کر دو ٹکڑے
ہو گیا۔ اس کے قتل ہونے سے لشکر میں پھیل مچ گئی عمر سعد نے حکم ابن طفیل . . . اور ابن نوفل کو دو
ہزار سواروں کے ساتھ علی اکبر پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ علی اکبر نے نہایت دلیری سے حملہ کا جواب دیا اور
اور پیاس سے بے چین ہو کر آپ امام حسینؑ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئے۔ اور پانی کا سوال کیا۔ آپ
نے فرمایا۔ بیٹا! اب تمہیں ساتی کوڑھی سیراب کریں گے۔ فوراً نظر جان پر جلد جاؤ، رسول کریمؐ انتظار
فرما رہے ہیں۔ حضرت علی اکبر میدان میں واپس آئے۔ دشمنوں نے یورش کر دی، آپ نے شیر غمگین کی طرح
حملے کئے اور تھوڑی دیر میں ۸۰ دشمنوں کو قتل کر ڈالا۔ بالآخر منقذین مرہ مجدی اور ابن نمیر نے سینے
میں نیزہ مارا، آپ کے ہاتھ سے عنان فرس چھوٹ گئی اور آپ گھوڑے کی گردن میں لپٹ گئے۔ گھوڑا
جس طرف سے گزرتا تھا۔ آپ کے جسم پر تلواریں لگتی تھیں۔ یہاں تک کہ آپ کا جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ آپ
نے آواز دی۔ "یا ابتاہ ادرکنی" بابا جان خبر لیجئے! امام حسینؑ دوڑ کر پہنچے لیکن آپ سے قبل حضرت
زینب پہنچ گئیں، علمائے لکھنؤ نے لکھا ہے کہ زینب نے وہاں پہنچ کر اپنے کو علی اکبر پر گرا دیا تھا۔ امام حسینؑ نے
انہیں خمیر میں پہنچایا اور علی اکبر کے چہرے سے خون صاف کیا اور کہا اے بیٹے تیرے بعد اس زندگی
کو دنیا پر خاک ہے۔ پھر آپ نے علی اکبر کو خمیر میں لے جانے کی سعی کی۔ لیکن ہر قسم کے ضعف نے کامیاب
نہ ہونے دیا۔ بالآخر پتھلوں کو آواز دی۔ "پتھو! آؤ اور میری مدد کرو۔ چنانچہ پتھلوں کی امداد سے علی اکبر کا لاشہ
جہلم کے قریب لایا گیا۔ اور مخدرات عصمت میں کھرام عظیم برپا ہو گیا، روزِ شہدائے ۱۰؍ ۶۱۰ء کشف الغمہ
ص ۲۷ ابصار العین ص ۲۷ علامہ سماوی لکھتے ہیں کہ حضرت علی اکبر کا اصلی نام علی لقب اکبر اور کنیت ابوالحسن
تھی۔ آپ کی عمر شہادت کے وقت ۱۸ سال تھی۔ (نور العین ترجمہ ابصار العین ص ۲۷)۔

حضرت علی اصغر کی شہادت

علامہ ربیع لکھتے ہیں کہ جب امام حسینؑ علیہ السلام بے
یار و مددگار ہو گئے تو آپ خود باعقد شہادت میدان

کے لیے عازم ہوئے اور وہاں پہنچ کر آپ نے "ہل من ناصر نصرنا" کی آواز بلند کی، جنوں

کے ایک گروہ عظیم نے معادۂ نصرت حاصل کرنے کی خواہش کی آپ نے انھیں دوعائے خیر سے یاد فرمایا اور نصرت قبول کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ مجھے شرف شہادت حاصل کرنا ہے۔ اور میں نے آواز استغاثہ اتمام حجت کے لیے بلند کیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ دشمنانِ خدا و رسول کے لیے میری مدد کرنے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔ ابھی آپ جنوں سے جو گفتگو تھی کہ ناگاہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی کمالِ علالت کے باوجود ایک عھصالے ہوئے خیمہ سے نکل آئے امام حسین نے جنابِ ام کلثوم کو آواز دی۔ بہن فوراً عابد بیمار کو روکو کہیں ایسا نہ ہو کہ سادات کا سلسلہ نسل و نسب ہی ختم ہو جائے۔

سید الشہداء نے آواز استغاثہ کا اثر جب اپنے خیموں کے باشندوں پر دیکھا، تو فوراً واپس تشریف لاکر سب کو بھجایا اور اپنی موت کا حوالہ دے کر اسرارِ امامت امام زین العابدین علیہ السلام کے سپرد فرمایا۔ آپ روانہ ہوا ہی چاہتے تھے کہ بروایت جناب سیکینہ گھوڑے کے ٹم سے لپٹ گئیں امام حسین نے انھیں سینے سے لگایا۔ زخماں کا بوسہ دیا۔ صبر کی تلقین کی اور جناب زینب کو سیکینہ کی نگہداشت کی ہدایت فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی اصغر کو جنھوں نے بروایت اپنے کو بھولے سے گرا دیا تھا۔ امام حسین نے بڑھ کر اپنی آغوش میں لیا اور قتل کی طرف روانہ ہو گئے۔

میدان میں پہنچ کر آپ ایک ٹیلہ پر بلند ہوئے اور آپ نے قوم اشقیاء کو مخاطب کر کے کہا کہ دیکھو میں اپنے ششما ہے بچہ کو پانی پلانے کے لیے لایا ہوں۔ اس کی ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے اور اس کی زبان سوکھ گئی ہے۔ خدا را اسے پانی پلا کر اس کی جان بچا لو، اور سنو! اگر میں تمھارے زعمِ ناقص میں گناہگار ہو سکتا ہوں تو میرے اس محضوم بچے میں گناہ کی صلاحیت نہیں ہے۔ یہ تو بے خطا ہے۔ اس حدیث پر تباہی کا اثر یہ ہوا کہ لشکر کا مزاج بگڑنے لگا۔ شقی القلوب لشکری روپڑے، عمر سعد نے جب یہ دیکھا، فوراً حمرہ ابن کابل ازوی کو حکم دیا۔ اقطع کلام المحسین۔ حسین کے کلام کو نوک تیر سے قطع کر دے۔ حمرہ نے تیر سر شجہہ چلے مکان میں جوڑا، اور گولے علی اصغر کی طرف رہا کی تیر جو زہر میں بچھا ہوا تھا گولے علی اصغر پر لگا اور اس نے علی اصغر کے گلے کے ساتھ ساتھ امام حسین کا بازو بھی پھید دیا۔ امام حسین نے بچے کو سینے سے لگا کر اس کے خون سے چلو بھریا اور چاہا کہ آسمان کی طرف پھینکیں۔ جواب آیا۔ یہ خون ناسخ ہے اسے اس طرف نہ پھینکنے، ورنہ قیامت تک کے لیے بارش کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ آپ نے چاہا کہ اسے زمین کی طرف ہی پھینک دیں، اُدھر سے بھی جواب مل گیا۔ تو آپ نے اسے چہرہ مبارک پر مل لیا۔ اور فرمایا: "هلکنا الا فی جدی رسول اللہ" میں اسی طرح اپنے جدِ نامدار حضرت محمد مصطفیٰ کی خدمت میں پہنچوں گا (البصائر العین والنوار الشہادت) اس کے بعد آپ نے ایک ٹھکی سی قبر توار سے کھودی اور اس میں حضرت علی اصغر کو دفن فرمایا۔

نٹھی سی قبر کھود کے اصغر کو کاٹ کے
شہید اٹھ کھڑے ہوئے دامن کو چھاڑ کے

امام حسین علیہ السلام کی رخصتِ آخری

حضرت علی اصغر کی شہادت کے بعد نہ سرکار ہے نہ دربار نہ لشکر ہے۔ نہ علمدار، علی اصغر کو نٹھی سی قبر کھود کر دفن فرماتے ہیں اور تنہا خیامِ حرم کی طرف آتے ہیں اور اہلبیت سے رخصت ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں اے زینب، اے ام کلثوم، اے رقیہ، اے رباب، اے سکینہ علیکم منی السلام سلام اللوطی۔ یہ میری آخری رخصت ہے۔ اے بہنو! اے بیٹیو! اے بیٹیو! بس خدا حافظ و تاجر ہے اور موسیٰ حامی و مددگار ہے۔ بہن زینب دیکھنا، ہر مصیبت میں، ہر بلا میں خدا کو یاد رکھنا۔ اپنے رحیم و کریم خالق کو نہ بھولنا۔ عنانِ صبر کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ راہِ النبی میں ہر ایک رنج و مصیبت کو رحمت سمجھنا، رستی سے ہاتھ بندھیں تو اُف نہ کرنا۔ چادر چھینے تو غم نہ کھانا۔ اماں کے صبر اور بابا کے علم کے جوہر دکھلانا۔ نانا رسول تمہارے مددگار، اور خدا تمہارا حامی ہے، ہاں لٹنے کے لیے تیار ہو جاؤ قید ہونے کے لیے کمروں کو کس لو، چادروں کو اچھی طرح اوڑھ لو مقنعوں کو مضبوطی سے باندھ لو، اے بہن زینب یہ تمہارے قیمتی بچے، یہ اسیرانِ اہل بیت کا تافلہ بس تمہارے ساتھ ہے۔ بیمار کر بلا تید سجاد زین العابدین کو غش سے جگادو، ہوشیار کر دو، اب طوق و زنجیر پہننے اور قید و اسیر ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ بیڑیاں پہننے اور کانٹوں پر پیدل چلنے کا زمانہ قریب ہے۔ اب جنگل کے کانٹوں بھرے راستے ہیں اور صحرانوردی ہے۔ کبھی کوفہ و شام کے بازار ہیں اور غلقت کا ہجوم ہے۔ تماشاخیوں کا مجمع ہے، ماں بہنوں کے شگے سر ہیں۔ ہونٹوں کی جمار ہے اور زین العابدین ہے، بیزید اور ابن زیاد کے دربار میں شمر کے تازیانے ہیں اور ہمارا لاڈلا بیمار ہے۔ اے زین العابدین۔

پیا سا گلا کٹتے یہ عمدہ ہے باپ کا
پہنو گلے میں طوق یہ حصہ ہے آپ کا

بس ہمارے بعد دنیا کے امام تم ہو۔ اے جانِ پدرا اس کشتی کی ملاحی اب تیری ذات پر ہے۔ دیکھنا باپ کی محنت رائیگاں نہ جانے پائے، عنانِ صبر و تحمل ہاتھ سے نہ چھوڑے۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک ماں بہنوں کے تافلہ کے ساتھ بیڑیاں پہنے، طوق ڈالے۔ شگے پاؤں جاؤ۔ صبر و رضائے الہی کے جوہر دکھلاؤ۔ توجید کے خطبے پڑھو۔ ہدایت کے راستے بتاؤ۔ ہاں ہاں مبتلا دیکھنا۔ بیڑی پہن کر سلسلہ صبر چھڑ نہ جائے، بس ہم راہِ رضا سر سے قطع کرنے کو تیار ہیں اور تم اپنے پیروں سے طے کرنا۔ راہِ النبی میں خار و اڑھلے کو پھولوں کا ہار سمجھنا اور عشقِ الہی میں لوہے کی پتی بیڑیوں کو محنتِ خدا کی زنجیریں جاننا۔

پھٹے پڑنے کپڑے منگاتے ہیں۔ پوشاک کے نیچے پہنتے ہیں، انھیں بھی جگہ جگہ سے چاک فرمادیتے ہیں۔ سبب پوچھا جاتا ہے تو فرماتے ہیں کہ میرے شہید ہو جانے کے بعد یہ ظالم شقی میرا لباس بھی کھیں گے اور کپڑے بھی اتاریں گے۔ شاندار پھٹے پڑنے کپڑے نیچے دیکھ کر چھوڑ دیں اور اس طرح میری لاش برہنگی سے بچ جائے۔ تاریخ کامل جلد ۴ ص ۳۴۔

ہن کو رحمت فرما کر، بیبیوں کو الوداع کہہ کر، ماں کی کینیزِ فضاہ پالنے والی کو بھی سلام کر کے بالی سکینہ سینہ پر سونے والی لاٹلی بیٹی کو چھاتی سے لگا کر منہ چومتے اور فرماتے تھے ”بیٹی“ خدا کے پیرو کیا۔ نیمہ کا پردہ اٹھا، باہر نثر لیت لائے۔ ہن نے رکاب تھامی، ڈو الجناح پر سوار ہوئے اور میدانِ کارزار کو روانہ ہو گئے۔ (ناموسِ اسلام)۔

حضرت امام حسینؑ میدانِ جنگ میں

جب آپ کے بہتر اصحاب و انصار اور بنی ہاشم قربانِ گاہِ اسلام پر چڑھ چکے تو آپ خود اپنی قربانی پیش کرنے لیے میدانِ کارزار میں آ پہنچے۔ لشکرِ یرید جو ہزاروں کی تعداد میں تھا، اصحابِ باوفا اور بہادرانِ بنی ہاشم کے ہاتھوں واصلِ جہنم ہو چکا تھا۔ امام حسین جب میدان میں پہنچے تو دشمنوں کے لشکر میں سے تیس ہزار سوار و پیادے باقی تھے یعنی صرف ایک پیا سے تو تیس ہزار دشمنوں سے لڑنا تھا۔ (کشف الغم) میدان میں پہنچنے کے بعد آپ نے سب سے پہلے دشمنوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے کہا۔

”اے ظالمو! میرے قتل سے باز آؤ۔ میرے خون سے ہاتھ نہ رگو، تم جانتے ہو میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ میرے بابا علی سابقِ الاسلام ہیں، میری ماں فاطمہ الزہراء تمہارے نبی کی بیٹی ہیں اور تم جانتے ہو کہ میرے نانا رسول اللہ نے مجھے اور میرے بھائی حسن کو سردارِ جوانانِ بہشت فرمایا ہے۔ افسوس تم کیسی بُری قوم اور کیسی بُری امت ہو کہ تم کو خدا کا خوف ہے نہ رسول سے شرم ہے۔ تم اپنے نبی کی ذریت اور اپنے رسول کی آل کا خون بہاتے ہو اور میرے خونِ ناحق پر آمادہ ہوتے ہو، حالانکہ نہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے نہ کسی کا مال چھینا ہے۔ کہ جس کے بدلے میں تم مجھ کو قتل کرتے ہو۔ میں تو دنیا سے بے تعلق اپنے نانا رسول کی قبر پر مجاور بنا بیٹھا تھا۔ تم نے مجھے ہدایت کے لیے بلایا اور مجھے نہ نانا کی قبر پر بیٹھنے دیا۔ نہ خدا کے گھر میں رہنے دیا۔ سنو اب بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اس کا موقع دے دو۔ کہ میں نانا کی قبر پر جا بیٹھوں یا خانہٴ سخا میں پناہ لے لوں۔

اس کے بعد آپ نے تمام حجت کے لیے عمر سعد کو بلایا اور اس سے فرمایا (اے تم میرے قتل

سے باز آؤ (۳) مجھے پانی دے دو (۳) اگر منظور نہ ہو تو پھر میرے مقابلہ کے لیے ایک ایک شخص کو بھیجو۔
 اُس نے جواب دیا آپ کی میسرے درخواست منظور کی جاتی ہے اور آپ سے لڑنے کے لیے
 ایک ایک شخص مقابلہ میں آئے گا۔ (روضۃ الشهداء)۔

امام حسین کی نبرد آزمانی | معاہدہ کے مطابق آپ سے لڑنے کے لیے لشکر شام سے ایک
 ایک شخص آنے لگا اور آپ اسے فنا کے گھاٹ اتارنے لگے۔ سب سے پہلے جو شخص مقابلہ کے لیے نکلا وہ تمیم ابن قحطیبہ تھا۔ آپ نے اس پر برقِ خاطر کی طرح
 حملہ کیا اور اسے تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ سلسلہ جنگ تھوڑی دیر جاری رہا اور مدتِ قلیل میں کشتوں کے
 پستے لگ گئے اور مقتولین کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہو گئی۔ یہ دیکھ کر عمر سعد نے لشکر والوں کو پکار
 کر کہا کیا دیکھتے ہو سب مل کر کیا رنگی حملہ کرو۔ یہ علی کا شیر ہے اس سے افرادی مقابلہ میں کامیابی
 قطعاً ناممکن ہے۔ عمر سعد کی اس آواز نے لشکر کے حوصلے بلند کر دیئے اور سب نے مل کر کیا رنگی حملہ
 کا فیصلہ کیا۔ آپ نے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ کے پہلے حملہ میں ایک ہزار فوسو
 پچاس دشمن قتل ہوئے اور میدان خالی ہو گیا۔ ابھی آپ سکون نہ لینے پاتے تھے کہ اٹھائیس ہزار
 دشمنوں نے پھر حملہ کر دیا۔ اس تعداد میں چار ہزار کماندار تھے۔ اب صورت یہ ہوئی کہ سوار پیادے
 اور کمانداروں نے ہم آہنگ دہم عمل ہو کر مسلسل اور متواتر حملے شروع کر دیئے۔ اس موقع پر آپ
 نے جو شجاعت کا جوہر دکھلایا اس کے متعلق مورخین کا کہنا ہے کہ سرور سے لگے۔ دھڑکنے لگے، اور
 آسمان تھر تھرایا۔ زمین کانپی، صغیر ایشیں، پر سے دہم دہم ہو گئے۔

اللہ سے حسین کا وہ آخری جہاد ہر وار پر علی ولی نے رہے تھے واد
 کبھی میسرہ کو اٹھتے ہیں، کبھی میمنہ کو توڑتے ہیں کبھی قلبِ لشکر میں ڈراتے ہیں کبھی جناحِ لشکر
 پر حملہ فرماتے ہیں شامی کٹ رہے ہیں۔ کوئی گر رہے ہیں۔ لاشوں کے ڈھیر لگ رہے ہیں۔ حملے کرتے
 ہوئے فوجوں کو بھگاتے ہوئے نہر کی طرف پہنچ جاتے ہیں۔ بھائی کی لاش ترائی میں پڑی نظر آتی ہے۔
 آپ پکار کر کہتے ہیں اے عباس تم نے سے

یہ حملے نہ دیکھے ایصف آرائی نہ دیکھی افسوس کہ تم نے مرئی نہائی نہ دیکھی
 علامہ اسفرائینی کا کہنا ہے کہ امام حسینؑ دشمنوں پر حملہ کرتے تھے، تو لشکر اس طرح سے بھاگتا تھا
 جس طرح مڈیاں منتشر ہو جاتی ہیں نور العین میں ایک مقام پر لکھا ہے کہ امام حسینؑ بہادر شیر کی طرح
 حملہ فرماتے اور صفوں کو دہم دہم کر دیتے تھے اور دشمنوں کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتے تھے
 جس طرح تیز دھار آگ سے کھیتی کشتی ہے۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ حملہ گراں افگند ہر کہ باو کو شید شربت مرگ نوشید و بہر جانب

کہ مباحثہ کر رہے رہا بھاگ انداخت کہ آپ کے عظیم الشان حملہ کی کوئی تاب نہ لاسکتا تھا جو آپ کے سامنے آتا تھا، شہرت مرگ سے سیراب ہوتا تھا اور آپ جس جانب حملہ کرتے تھے۔ گروہ کے گروہ کو خاک میں ملا دیتے تھے۔ (کشف الغمہ ص ۷۱)۔

مورخ ابن اثیر کا بیان ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام کو یوم عاشورا دہانے اور بائیں دونوں جانب سے گھیر لیا گیا۔ تو آپ نے دائیں جانب حملہ کر کے سب کو بھگادیا۔ پھر لیٹ کر بائیں جانب حملہ کرتے ہوئے آئے تو سب کو مار کر ہٹا دیا۔ خدا کی قسم حسین سے بڑھ کر کسی شخص کو ایسا قوی و ثابِت قدم، بہادر نہیں دیکھا گیا جو شکستہ دل ہو۔ صدمے اٹھائے ہوئے، بیٹوں، عزیزوں اور دوست، احباب کے داغ بھی کھائے ہوئے ہو، اور پھر حسین کی سی ثابت قدمی اور بے بگری سے جنگ کر سکے۔ بخدا دشمنوں کی فوج کے سوار اور پیادے حسین کے سامنے اس طرح بھاگتے تھے جس طرح بھیڑ بکریوں کے گلے شیر کے حملہ سے بھاگتے ہیں حسین جنگ کر رہے تھے۔ "اذ اخرجت زینباً کہ جناب زینب خیمہ سے نکل آئیں اور فرمایا۔ کاشش آسمان زمین پر گر پڑتا۔ اے عمر سعد تو دیکھ رہا ہے اور ابو عبد اللہ قتل کے جا رہے ہیں، یہ سن کر عمر سعد رو پڑا۔ آنسو ڈاڑھی پر بہنے لگے، اور اُس نے منہ پھیر لیا۔ امام حسین اُس وقت خون کا جتہ پینے ہوئے تھے۔ سر پر عامہ بندھا ہوا تھا اور وہمہ کا خضاب لگائے ہوئے تھے، حسین نے گھوڑے سے گر کر بھی اسی طرح جنگ فرمائی جس طرح جنگ جو بہادر سوار جنگ کرتے ہیں۔ تیروں کا مقابلہ کرتے تھے۔ حملوں کو روکتے تھے اور سواروں کے پیروں پر پھلے فرماتے تھے اور کہتے تھے، اے ظالمو! میرے قتل پر تم نے ایسا کر لیا ہے قہم خدا کی تم میرے قتل سے ایسا گناہ کر رہے ہو جس کے بعد کسی کے قتل سے بھی اتنے گناہ گار نہ ہو گے۔ تم مجھے قتل کر رہے ہو اور خدا مجھے عزت دے رہا ہے اور سنو وہ دن دور نہیں کہ میرا خداتم سے اچانک میرا بدلہ لے گا۔ تمہیں تباہ کر دے گا تمہارا خون بہائے گا تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۱۱۱) مشر جیمس کارکن امام حسین کی بہادری کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ "دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے۔ لیکن کسی شخص ایسے گذر گئے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام لینے کے قابل نہیں۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین ابن علی ہیں کیونکہ میدان کربلا میں گرم ریت پر اور گرہنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو، اُس کے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے۔ کس کے قلم کو قدرت سے کہ امام حسین کا حال لکھے۔ کس کی زبان میں طاقت ہے کہ ان بہتر بزرگواریوں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور ہزاروں غوغوار سواروں کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں ایسی مدح کرے۔ جیسی ہونی چاہیے۔ کس کے بس کی بات ہے جو ان پر واقع ہونے والے حالات کا تصور کر سکے۔ لشکر میں گھر جانے کے بعد

سے شہادت تک کے حالات عجیب و غریب قسم کی بہادری کو پیش کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ایک کی دوا۔ دو مشہور ہے اور مالشہ کی ہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہ کہا جاتا ہے کہ تم نے چار طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسین اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ چار طرف سے یزیدی فوج جو آدھی کی طرح تیز برسا رہی تھی۔ پانچواں دشمن عرب کی دھوپ چھٹا دشمن ریگ گرم جو تنور کے ذرات کی مانند کو دے رہی تھی۔ اور ساتواں اور آٹھواں دشمن بھوک اور پیاس جو دغا باز ہمراہی کے مانند جان لیوا حرکتیں کر رہے تھے۔ پس جنھوں نے ایسے معرکہ میں ہزاروں کافروں کا مقابلہ کیا جو ان پر بہادری کا خاتمہ ہو چکا، ایسے لوگوں سے بہادری میں کوئی فوقیت نہیں رکھتا۔ (تاریخ حسین و خردوم باب ۲)

امام حسین اپنے مقتول بہادروں کو پکارتے ہیں

بھوک اور پیاس کے عالم میں نبی و آذانی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ آخر کار جب امام حسین علیہ السلام کا جسم مبارک تیروں سے مثل جسم ساہی ہو گیا اور آپ بے حد زخمی ہو گئے تو اپنے بہادر مقتولوں کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے گئے، "اے بہادر شہداء و اٹھو اور حسین کی مدد کرو۔ بیشک تم نے طبی مدد کی اور تم میری حمایت میں سر سے گور گئے ہو جان سے بے نیاز ہو گئے ہو۔ لیکن سزا ب وقت و حالت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ اس وقت میری مدد کرو۔ لیکن افسوس جان سے گزر جانے والے اور سر کو فدا کر دینے والے حیات ظاہری سے محروم کیونکہ مدد کرنے، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ کی آواز پر زعفران نے لبیک کہی اور امداد کی درخواست کی۔ آپ نے یہ کہہ کر اسے مسترد کر دیا کہ میں امتحان دینے کے لیے آیا ہوں اور اتمام حجت کے لیے صدائے امداد بلند کی ہے، ورنہ مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ پھر فرشتوں نے مدد کرنا چاہی انھیں بھی جواب دے دیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حسین کی اس آخری پکار پر کئی ہونئی گردنوں سے لبیک کی آواز آئی۔

بارگاہِ احدیت میں امام حسین کے دل کی آواز

حسین یک دن تھا، بے یار و مددگار، جلتی ہوئی زمین پر دشمنوں کے ہجوم میں کھڑے ہیں۔ نانا رسول عربی کا عمامہ جس کے پیچ کٹے ہوئے خون میں بھرا ہوا سر پر ہے، پیراہن احمدی زیب تن ہے۔ لیکن تیروں سے چھلنی اور خون سے رنگین ہے۔ تباہی کا دامن علی اکبر کے خون سے لال۔ چہرہ انور علی اصغر کے لہو سے گلنار ہے، پیشانی مبارک سے خون ٹپک رہا ہے اور عباس کے غم سے سر ٹوٹ چکی ہے، بدن زخموں سے چھرا سینے سے خون کے قوارے جاری ہیں۔ پیاس سے کلجہ جھنک رہا ہے، انصاری لاشیں سٹا پڑی ہیں، برابر کا بیٹا، کرپیل جوان، شبیبہ پیغمبر سے پرہیجھی کھائے، خون میں نہائے سو رہا ہے بجائی کی نشانانی قاسم ابن حسن خون کی مندی لگائے عروس موت سے ممکن آرام کر رہا ہے۔ بہن کے لادلے

داغ دے کر چلے جا چکے ہیں۔ لشکر کی زمینت، بچوں کی ڈھارس، سیکینہ کا سناٹا، علی کا شیر، قوت بازو
 شانے لگائے نہر کی ترانی میں پڑا ہے۔ چھ ماہ کی جان تیرسہ شعبہ کے نذر ہو چکی ہے۔ قتل گاہ، منی کا نقشہ
 پیش کر رہا ہے، خیام سے بھوکے پیاسے بچوں کے رونے اور بلبلانے کی جگر سوز صدائیں آ رہی ہیں۔
 یواؤں کے رونے اور فریاد کرتے کی آوازیں دل کو جلا رہی ہیں۔ لیکن اللہ سے حسینؑ کا جذبہ قربانی۔ یہ عشق
 خدا کا متوالا۔ اسلام کا فریفتہ، توحید کا شیفتہ، صبر و رضا کا مجتہد یا خدا میں محو اور مناجات میں مشغول ہے
 جیسے جیسے مصائب و آلام بٹھتے جاتے ہیں چہرہ شگفتہ ہوتا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ میرے پانچنے
 والے میں اپنی زندگی سے اس موت کو پسند کرتا ہوں جو تیری راہ میں ہو، میرے مولا، مجھے اس میں خوشی
 محسوس ہوتی ہے کہ میں ستر مرتبہ تیری بارگاہ میں شہید کیا جاؤں اور اس قتل پر فخر کرتا ہوں جس میں تیرے
 دین کی نصرت کا راز مضمر ہو (ناموس اسلام ص ۱۸۵) اس کے بعد آپ عرض کرتے ہیں سے

تروکت الناس طرفانی هوارك وابتعت العیال لکی الاراک

دا، میرے مالک تو جانتا ہے اور بہتر جانتا ہے کہ میں نے صرف تیری محبت میں سب سے ہاتھ اٹھا
 لیا ہے اور فقط تیرے دیدار کے شوق میں اہل و عیال کو چھوڑ دیا۔ اور بچوں کو یتیم بنا دیا ہے (۱) مالک
 اگر تیرے دیدار عشق میں میرے ٹکٹے کر دیے جائیں۔ تب بھی میرا دل تیرے سوا کسی اور کی طرف جھک
 نہیں سکتا۔

یہ کہہ کر آپ نے تلوار نیام میں رکھ لی۔ کیونکہ صدائے آسمانی آگئی تھی کہ "اپنا وعدہ طفلی پورا کرو۔"
 آپ کے ہاتھوں کا رکنا تھا۔ کہ سارا لشکر مسلسل حملے پر آمادہ ہو گیا۔ اور چالیس افراد نے آپ کو گھیرے
 میں لے کر وار کرنا شروع کر دیا۔

امام حسینؑ عرش زمین سے فرش زمین پر

آپ پر مسلسل وار ہو رہے تھے کہ ناگاہ ایک پتھر پشانی اقدس پر لگا اس کے فوراً بعد ابوالحسینؑ
 جعفری طعون نے جبین مبارک پر تیر مارا آپ نے اسے نکال کر بھینک دیا اور پوچھنے کے لیے آپ اپنا دامن
 اٹھانا ہی چاہتے تھے کہ سینہ اقدس پر ایک تیرسہ شعبہ پیوست ہو گیا۔ جو زہر منی بچھا ہوا تھا۔ اس کے
 بعد صالح ابن وہب یعین نے آپ کے پہلو پر اپنی پوری طاقت سے ایک نیزہ مارا۔ جس کی تاب نہ لا
 کر زمین گرم پر داہنے رخسار کے بل گرے، زمین پر گرنے کے بعد آپ پھر اٹھ کھڑے ہوئے دروغیابی
 شریک یعین نے آپ کے دائیں شانے پر تلوار لگائی اور دوسرے طعون نے داہنے طرف وار کیا
 آپ پھر زمین پر گر پڑے، اتنے میں ستان بن انس نے حضرت کے "ترقوہ" ہنسلی پر نیزہ مارا اور
 اُس کو کھینچ کر دوسری دفعہ سینہ اقدس پر لگایا۔ پھر اسی نے ایک تیر حضرت کے گلے مبارک پر مارا

ان پیہم ضربات سے حضرت کمال بے حسینی میں اٹھ بیٹھے اور آپ نے تیر کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور خون ریش مبارک پر ملا۔ اس کے بعد مالک بن نسر کندی عین نے سر پر تلوار لگائی اور ورعہ ابن شریک نے شانہ پر تلوار کا وار کیا۔ حصیین بن نمیر نے دہن اقدس پر تیر مارا۔ ابوالیوب غنوی نے حلق پر حمل کیا۔ نصر بن حرشہ نے جسم پر تلوار لگائی اصالح ابن وہب نے سینہ مبارک پر نیزہ مارا۔

یہ دیکھ کر عمر سعد نے آواز دی اب دیر کیا ہے ان کا سر فوراً کاٹ لو۔ سر کاٹنے کے لیے شبث ابن ربیع بڑھا۔ امام حسین نے اس کے چہرہ پر نظر کی اُس نے حسین کی آنکھوں میں رسول اللہ کی تصویر دیکھی اور کانپ اٹھا۔ پھر سنان بن انس آگے بڑھا۔ اس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا۔ وہ بھی سر مبارک کاٹ سکا۔ یہ دیکھ کر شمر ملعون نے کہا۔ یہ کام صرف مجھ سے ہو سکتا ہے اور وہ خنجر لیے ہوئے امام حسین کے قریب آکر سینہ مبارک پر سوار ہو گیا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ اُس نے کہا میں شمر ہوں۔ فرمایا تو مجھے نہیں پہچانتا۔ اس نے کہا، ”اچھی طرح جانتا ہوں“ تم علی وفاطمہ کے بیٹے اور محمد کے نواسے ہو، آپ نے فرمایا پھر مجھے کیوں ذبح کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا اس لیے کہ مجھے یزید کی طرف سے مال و دولت ملے گا۔ (کشف الغمہ ص ۷۹) اس کے بعد آپ نے اپنے دوستوں کو یاد فرمایا اور سلام آخری کے جملے ادا کئے۔

جب آپ اس کی شقی قلبی کی وجہ سے مایوس ہو گئے تو فرمانے لگے۔ اے شمر مجھے اجازت دے شے کر میں اپنے خالق کی آخری نماز عصر ادا کر لوں۔ اس نے اجازت دی آپ سجدہ میں تشریف لے گئے۔ (روضۃ الشهداء ص ۳۷) اور شمر نے آپ کے گلو مبارک کو خنجر کے بارہ ضربوں سے قطع کر کے سراقس کو نیزہ پر بلند کر دیا۔ حضرت زینب عجمہ سے بھل پڑیں۔ زمین کا پھینک لی، عالم میں تاریکی چھا گئی، لوگوں کے بدن میں کپکپی پڑ گئی۔ آسمان ٹخن کے آنسو رونے لگا۔ جو شفق کی صورت سے رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ (صواعق محرقة ص ۱۱) اس کے بعد عمر سعد نے ثویبی بن یزید اور حمید بن مسلم کے ہاتھوں سر مبارک کو بلا سے کوفہ ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ (الحسین از عمر بن نصر ص ۱۵) امام حسین کی سر یزیدگی کے بعد آپ کا لباس لوٹا گیا۔ اخنس بن مرثد عمامہ لے گیا۔ اسحاق ابن حشوہ قمیص، پیرا من لے گیا۔ ابجر بن کعب پانچواں لے گیا۔ اسود بن خالد نعلین لے گیا۔ عبداللہ بن اسید کلاہ لے گیا۔ بجدل بن سلیم انگشتری لے گیا۔ قیس بن اشعث چٹک لے گیا۔ عمر بن سعد زہ لے گیا۔ یحییٰ بن علق ازدی تلوار لے گیا۔ اللہ نے ظلم ایک کمر بند کے لیے مجال ملعون نے ہاتھ قطع کر دیا۔ ایک انگوٹھی کے لیے بجدل نے انگلی کاٹ ڈالی۔

اس کے بعد دیگر شہدار کے سر کاٹنے گئے اور لاشوں پگھوٹے دوڑانے کے لیے عمر سعد نے لشکریوں کو حکم دیا دس افراد اس اہم جرم خدائی کے لیے تیار ہو گئے۔ جن کے نام یہ ہیں کہ اسحاق بن حویہ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمر بن اصبح، رجا بن منقذ، سالم بن عیثہ صالح بن وہب، واعظ

بن ساعثم، ابانی بن مہبت، اسید بن مالک، تواریخ میں ہے۔ "فلما سوا الحسین بجا فرخیولہم حتی
 سہنواظہرہ وصدہ" امام حسینؑ کی لاش کو اس طرح گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا کہ آپ کا سینہ
 اور آپ کی پشت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ جب ان لوگوں نے چاہا کہ جسم کو اس
 طرح پامال کر دیں کہ بالکل ناپید ہو جائے تو جنگل سے ایک شیر نکلا اور اس نے بجایا۔ (دمعہ ساکبہ
 صفحہ ۳۵) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے فوراً بعد وہ مٹی جو
 رسول خداؐ مدینہ میں ام سلمہ کو دے گئے تھے۔ خون ہو گئی (صواعق محرقة صفحہ ۱۱۵) اور رسول خدا، ام سلمہ کے
 خواب میں مدینے پہنچے۔ ان کی حالت یہ تھی وہ بال بکھراے ہوئے خاک سر پر ڈالے ہوئے تھے۔ ام سلمہ نے
 پوچھا کہ آپ کا یہ کیا حال ہے؟ فرمایا "شہادت قتل الحسین انفا" میں ابھی ابھی حسین کے گل گاہ
 میں تھا اور اپنی آنکھوں سے اُسے ذبح ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح ترمذی جلد ۲ صفحہ ۳۲ مستدرک
 حاکم جلد ۲ صفحہ ۱۹، التہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۵۶، ذخائر العقبیٰ صفحہ ۱۴۸)۔

شام غریباں

شہادت حسینؑ کے بعد اسی وفادار نے اپنی پیشانی امام حسینؑ کے خون میں رنگیں کر کے اہل حرم
 میں خبر شہادت پہنچا ہی دی تھی جس کی وجہ سے خیمہ میں کھرام عظیم برپا ہی تھا کہ دشمنوں نے خیمہ کا رخ کیا
 اور پہنچتے ہی خیموں میں آگ لگا دی اور سامان لوٹنا شروع کر دیا۔ اہل بیت رسولؐ فریاد و فغان کی
 آوازیں بلند کر رہے تھے۔ اور کوئی فریاد رس اور پُرساں حال نہ تھا۔ تمام بیبیوں کے سروں سے چادریں
 چھین لیں۔ فاطمہ بنت حسینؑ کے پیروں سے چھالیں اتار لیں، اور حضرت زینبؑ و ام کلثومؑ کے کانوں
 سے گوشوارے کھینچ لیے۔ بیت سجاد کے نیچے سے بستر کھینچ کر انھیں زمین پر ڈال دیا۔ غرض کہ ایک ایسا ہشتر
 برپا کر دیا گیا جو کسی کے ساتھ کبھی روا رکھا گیا تھا اور نہ اس سے قبل سننے میں آیا تھا۔ ان حالات کو دیکھ
 کر ایک عورت جو قبیلہ بکر ابن وائل سے تھی ایک تلوار کا ٹکڑا لے کر ان مخالفوں پر حملہ آور
 ہوئی جو آل رسولؐ کو لوٹ رہے تھے بعض روایتوں میں سے کہ ایک بچے کے گرنے میں آگ لگی ہوئی تھی۔
 اور وہ باہر کی طرف بھاگ رہا تھا جیسے جیسے ہوا لگتی تھی آگ بھڑکتی جاتی تھی، یہ حال دیکھ کر ایک دشمن
 نے ترس کھایا، اور بڑھ کر دامن سے آگ بچا دی۔ نونہال نے جب اُسے اپنے اوپر مہربان پایا تو پوچھنے
 لگا کہ اے شیخ نجف کا راستہ کدھر ہے۔ اُس نے کہا اے فرزند اس کم سنی میں نجف کا راستہ کیوں پوچھتے
 ہو۔ فرمایا میں اپنے نانا کے پاس جا کر ان کے سامنے فریاد کروں گا۔ کتاب توضیح میں یہ واقعہ جناب بیکنہ
 کی طرف منسوب ہے۔

الغرض ظلم و جور کی انتہا ہو رہی تھی کسی بی بی کی پشت پر تازیانے لگائے جا رہے تھے کسی کے

یوم چہار شنبہ شام پہنچا دیا گیا اور وہاں ایک سال قید میں رکھا گیا۔ پھر وہاں سے رہائی کے بعد آل رسولؐ بتاریخ ۲۰ صفر ۳۲ھ حج کر بلا ہوتے ہوئے ۸ ربیع الاول ۳۳ھ حج کو وارد مدینہ منورہ ہوئے۔ اس اجمال کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ گیارہویں محرم یوم شنبہ کو شمر بن ذی الجوشن نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے کہا کہ اب تمہیں عورتوں اور بچوں سمیت دربار ابن زیاد میں جانا ہوگا۔ جو کوفہ میں ہے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ میں ثانی زہرا سے عرض کرتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے پھوپھی سے عرض کی، زینب بنت علیؑ کو جلال آگیا۔ لیکن فوراً گھائی کی وصیت یاد آگئی، سر جھکا کر کہا، بیٹا ہر مصیبت برداشت کروں گی۔

پھر روانگی کا بندوبست شروع ہو گیا۔ بے محل و عماری کے ناقول پر سر پر ہنہ مخدرات عصمت و طہارت سوار کی گئیں، سروں کو برداستے صندوقوں میں بند کیا گیا اور بروایتے نیزوں پر بند کیا گیا، اور شہدار کے لاشوں کو زمین گرم پر چھوڑ کر قافلہ کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ بازار کوفہ میں داخلہ کے وقت حضرت زینب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہما کی فریادی آواز کو مانگنے کے لیے باجمل کی آواز تیز کرادی گئی۔ بروایتے حضرت زینب نے ماتم شروع کر دیا پھر ان کے ہاتھ لیس گردن سے باندھ دیئے گئے۔ کوفہ میں داخلہ ہوا۔ بازار کوفہ میں حضرت زینب حضرت ام کلثوم، حضرت فاطمہ بنت الحسین اور حضرت امام زین العابدینؑ نے زبردست تقریریں کیں۔ اور واقعہ پر پھر پور روشنی ڈالی۔ دارالامارہ کے دروازے پر مسلم بن عقیل علیہ الرحمۃ لٹکا ہوا دیکھا گیا۔ ابن زیاد نے مختار کو قید خانے سے بلایا اور سر حسینؑ طشت طلا میں رکھ کر ان کے سامنے لایا گیا، پھر چھڑی سے دندان مبارک امام حسینؑ کے ساتھ بے ادبی کی گئی۔ ایک ہفتہ قید خانہ کوفہ میں مخدرات عصمت و طہارت کو قید رکھنے کے بعد حسینی قافلہ کو شام کے لیے روانہ کر دیا گیا۔ جو برداستے ۲۶ دن میں اور بروایتے ۱۶ ربیع الاول ۳۳ھ یوم چہار شنبہ وارد شام ہوا۔ جب شام کے پایہ تخت یعنی دمشق میں جہاں یزید کا دربار لگتا تھا۔ داخلہ کا موقع آیا تو تین دن تک اس قافلہ کو باب الساعات پر ٹھہرایا گیا کیونکہ دربار کے سجنے میں من دن کی ضرورت باقی تھی، پھر دربار میں داخلہ ہوا، ہزاروں کرسی نشین آل محمدؑ کی مخدرات کا تماشہ دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ یزید نے حضرت زینب سے کلام کرنا چاہا۔ جناب فصد نے مزاحمت کی، پھر یزید کی طعنہ زنی پر بنت علیؑ نے دُکھ درد سے بھرے ہوئے الفاظ میں زبردست تقریر کی، دربار میں طبل مچی اور مخدرات عصمت و طہارت کو ایسے قید خانے میں بھیج دیا گیا جس میں دُھوپ اور شبنم سے بچاؤ کا کوئی انتظام نہ تھا۔ پھر امام زین العابدینؑ نے مسجد دمشق میں یادگار خطبہ دیا جو افان کے درجہ سے منقطع کر دیا گیا۔ (بحار جلد ۱۰ ص ۳۳۱)۔

الغرض یہ حسینی قافلہ تقریباً ایک سال اس قید خانے میں پڑا رہا۔ اسی دوران میں حضرت سکینہ

کا انتقال بھی ہو گیا، کتب مقاتل سے قید خانے میں ہندہ زوجہ یزید کے آنے کا بھی نشان ملتا ہے۔ طویل مدت گزارنے کے بعد یہ قافلہ رہا کیا گیا، ایک خالی مکان میں محذرات و طہارت نے ایک تختہ نوحہ و ماتم کیا اور شام کی عورتوں سے تعزیت قبول کیا، پھر بشیر بن جزلم کی رہنمائی میں یہ قافلہ ۲۰ صفر ۱۱ھ کو دارو کربلا ہوا، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری جو صحابی رسول اور قبر حسین کے مجاور اول تھے۔ انھوں نے فریاد و فغان کی حالت میں انتہائی رنج و غم کے ساتھ اس قافلہ کا استقبال کیا، زینب نے قیرام حسین پر اپنے لوگ لگادیا۔ بروایت تین دن تک فریاد و فغان اور نوحہ ماتم کے بعد یہ قافلہ مدینہ کو روانہ ہوا، قریب مدینہ قافلہ ٹھہرا، اشیر نے خبر غم اہل مدینہ تک پہنچائی، جو حق درجوق اہل مدینہ قافلہ کے مستقر پر سر و پا برہمنہ روتے بیٹھے جمع ہو گئے۔ محمد حنفیہ بھی آئے، جبرائیل بن جعفر بھی آئے اور ام سلمہ بھی آئیں۔ ام سلمہ کے ایک ہاتھ میں فاطمہ صغریٰ کا ہاتھ تھا اور ایک ہاتھ میں وہ شیشی تھی جو رسول خدا دے گئے تھے اور اس میں کربلا کی مٹی خون ہو گئی تھی۔ قافلہ داخل مدینہ ہوا۔ حضرت ام کلثوم نے مژبہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے

مدینۃ جدنا لا تقبلینا فی الحسرات والاحزان جینا

(ترجمہ) اے ہمارے نانا کے مدینے تو ہمیں قبول نہ کر کیونکہ ہم قبول کئے جانے کے قابل نہیں ہیں ہم یہاں حسرتوں و مصیبتوں اور اندوہ و غم کے ساتھ واپس آئے ہیں۔ مدینہ میں داخلہ کے بعد روزہ رسول پر بے پناہ فریاد و فغان کی گئی ۱۵ شبانہ روز بنی ہاشم کے گھروں میں چولہا نہیں جلا اور ان کے گھروں سے ٹوہواں نہیں اٹھا، اس واقعہ ہاکدہ کے بعد حضرت امام زین العابدین چالیس سال زندہ رہے اور شب و روز گریہ و زاری فرماتے رہے۔ یہی حال حضرت زینب اور حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمہ یزدیہ کو تمام شراک و رگواب مصائب کا رہا تا زندگی ان کے آنسو خشک نہیں ہوئے۔

حضرت ام کلثوم علیہا السلام کی بہن جناب زینب ام کلثوم مختصر حالات

ولادت، وفات اور مدفن

جناب زینب و ام کلثوم، حضرت رسول کریم صلعم و خدیجہ الکبریٰ کی نواسیان، حضرت ابوطالب و فاطمہ بنت اسد کی پوتیاں حضرت علی و فاطمہ کی بیٹیاں حضرت امام حسن و امام حسین کی چھٹی اور حضرت عباس و جناب محمد حنفیہ کی علاقہ بنیں تھیں۔ اس سلسلہ کے پیش نظر جس کی بالائی سطح میں حضرت حمزہ حضرت جعفر طیار، حضرت عبدالمطلب اور حضرت ہاشم بھی ہیں ان دونوں بہنوں کی عظمت بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔

یہ واقعہ ہے کہ جس طرح ان کے آباؤ اجداد، ماں باپ اور بھائی بے مثل و بے نظیر ہیں اسی طرح یہ دو بہنیں بھی بے مثل و بے نظیر ہیں خدا نے انہیں جن خاندانی صفات سے نوازا ہے اس کا مقتضی یہ ہے کہ میں یہ کہوں کہ جس طرح علی و فاطمہ کے فرزند ان لاجواب ہیں اسی طرح ان کی دختران بھی لاجواب ہیں بے شک زینب و ام کلثوم معصومہ بنتی ہیں لیکن ان کے محفوظ ہونے میں کوئی شبہ نہیں جو معصوم کے مترادف ہے، اہم ذیل میں دونوں بہنوں کا مختصر الفاظ میں علیحدہ علیحدہ ذکر کرتے ہیں۔

توزیع کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب بنت امیر المؤمنین علیہ السلام

حضرت زینب کی ولادت

۵ جمادی الاول ۳۰ھ ہجری کی مدینہ منورہ میں پیدا ہوئی ہیں جیسا

کہ زینب بنت الحسین "علامہ محمد حسین الادیب نجف اشرف ص ۱۱۱" بطالعہ کر بلا "ڈاکٹر بنت اشرفی

الاندلسی ص ۲ طبع بیروت سلسلہ الذہب "ص ۱۹ و کتاب بحر المصائب اور خصائص زینبیر ابن محمد جعفر

الجزائری سے ظاہر ہے، مسٹر اعجاز الرحمن ایم۔ اے لاہور نے کتاب "زینب" کے صفحہ پر ۳۰ھ ہجری

لکھا ہے جو میرے نزدیک صحیح نہیں ہے ایک روایت میں ماہ رجب ایک ماہ شعبان اور ایک میں ماہ رمضان کا حوالہ

بھی ملتا ہے، علامہ محمد حسین الادیب کی عبارت کا متن یہ ہے "فقد ولدت عقیلہ زینب فی العام

السادس للهجرة علی ما انفق المورخون علیہ ذالک یوم الخامس من شهر جمادی الاول الی حضرت

زینب سلمة الله و سلامه علیہا در جمادی الاول ۳۰ھ ہجری میں پیدا ہوئی ہیں، اس پر توزیع کا اتفاق ہے

میرے نزدیک یہی صحیح ہے۔ یہی کچھ الوقائع و الحوادث جلد ۱۳ طبع قم ۱۳۲۳ھ میں بھی ہے۔

وقت ولادت کے متعلق جناب

حضرت زینب کی ولادت پر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاثر

آقائی سید نور الدین ابن آقائی سید

محمد جعفر الجزائری خصائص زینب میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت زینب سلام اللہ علیہا متولد ہوئیں اور

اُس کی خبر حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو حضور جناب فاطمہ زہرا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ اے

میری راحت جان بیچھی کو میرے پاس لاؤ، جب سچی رسول کی خدمت میں لائی گئی تو آپ نے اسے سینے

سے لگایا اور اس کے رخسار پر رخسار رکھ کر بے پناہ گریہ کیا۔ یہاں تک کہ آپ کی ریش مبارک آنسوؤں

سے تر ہو گئی، جناب سیدہ نے عرض کی بابا جان آپ کو خدا بھی نہ ڈرائے۔ آپ کیوں رو پڑے،

ارشاد ہوا کہ اے جان پدرا میری بیچھی تیرے بعد متعدد بچلیغوں اور مختلف مصائب میں مبتلا ہوگی۔

جناب سیدہ یہ سن کر بے اختیار گریہ کرنے لگیں اور انھوں نے پوچھا کہ اس کے مصائب پر گریہ کرنے کا

کیا ثواب ہوگا۔ فرمایا وہی ثواب ہوگا جو میرے بیٹے حسین کے مصائب سے متاثر ہونے والے کا ہوگا

اس کے بعد آپ نے اس سچی کا نام زینب رکھا۔ (امام مبین ص ۱۶ طبع لاہور) بروایت زینب

عبرانی لفظ ہے جس کے معنی بہت زیادہ رونے والی کے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ لفظ انیل اور

”اب سے مرکب ہے۔ یعنی باپ کی زینت پھر کمزرت استعمال سے زینب ہوگی۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ نام بچکرم رب جلیل رکھا تھا جو بزرگوار ہے نہ بچا تھا۔“

ولادت زینب پر علی بن ابی طالب کا تاثر

ہیں کہ حضرت زینب کی ولادت پر جب جناب سلمان فارسی نے اسد اللہ حضرت علی علیہ السلام کو مبارکباد دی تو آپ رونے لگے۔ اور آپ نے ان حالات و مصائب کا تذکرہ فرمایا جن سے جناب زینب متقبل ہیں دوچار ہونے والی تھیں۔

مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت زینب سلام اللہ علیہا جب بچپن جوانی اور بڑھاپے کی منزلیں طے کرنے اور واقعہ کربلا کے مراحل سے

گذرنے کے بعد قید خانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچیں تو آپ نے واقعات کربلا سے اہل مدینہ کو آگاہ کیا اور رونے بیٹھے، نوحہ و ماتم کو اپنا شغل زندگی بنا لیا۔ جس سے حکومت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا جس کے نتیجہ میں واقعہ حرہ عمل میں آیا۔ بالآخر آل محمد کو مدینہ سے نکال دیا گیا۔

عبید اللہ والی مدینہ المتوفی ۳۷ھ اپنی کتاب، اخبار الزینبہ، میں لکھتے ہیں کہ جناب زینب مدینہ میں اکثر مجالس عزا برپا کرتی تھیں اور خود ہی ذاکری فرماتی تھیں، اس وقت کے حکام کو یہ گوارا نہ تھا کہ واقعہ کربلا حکم کھلا طور پر بیان کیا جائے۔ چنانچہ عروہ بن سعید اشدق والی مدینہ نے یزید کو لکھا کہ مدینہ میں جناب زینب کی موجودگی لوگوں میں ہیجان پیدا کر رہی ہے۔ انھوں نے اور ان کے ساتھیوں نے تجھ سے خون حسین کے انتقام کی ٹھان لی ہے۔ یزید نے اطلاع پاکر فوراً والی مدینہ کو لکھا کہ زینب

اور ان کے ساتھیوں کو منتشر کر دے اور ان کو مختلف جگہوں میں بھیج دے الخ (حیات الزہراء ص ۵۹)

ڈاکٹر بنت اشاطی اندلسی اپنی کتاب ”بطانہ کربلا زینب بنت الزہراء طبع بیروت کے ص ۱۵۲ میں لکھتی ہیں کہ حضرت زینب واقعہ کربلا کے بعد مدینہ پہنچ کر یہ چاہتی تھیں کہ زندگی کے سارے بقیہ ایام یہیں گزیریں لیکن وہ جو مصائب کربلا بیان کیا کرتی تھیں وہ بے انتہا موثر ثابت ہوا اور مدینہ کے

باشندوں پر اس کا بے حد اثر ہوا۔“ فکتب والیہم بالمدينة الى يزيد ان وجودها بين اهل المدينة مهيج للخوارج ان حالات سے متاثر ہو کر والی مدینہ نے یزید کو لکھا کہ جناب زینب کا مدینہ میں رہنا

ہیجان پیدا کر رہا ہے، ان کی تقریروں سے اہل مدینہ میں بغاوت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے، یزید کو جب والی مدینہ کا خط ملا تو اس نے حکم دیا کہ ان سب کو مہاک و امصار میں منتشر کر دیا جائے، اس کے حکم آنے کے بعد والی مدینہ نے حضرت زینب سے کلام بھیجا کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں یہاں سے

چل جائیں، یہ سننا تھا کہ حضرت زینب کو جلال آ گیا اور کہا کہ ”والله لاخرجن وان ازلقت دعائنا“

خدا کی قسم ہم سرگز یہاں سے نہ جائیں گے چاہے ہمارے خون بہا دیئے جائیں، یہ حال دیکھ کر زینب بنت
عقیل بن ابی طالب نے عرض کی اے میری بہن غصہ سے کام لینے کا وقت نہیں ہے۔ بہتر یہی ہے
کہ ہم کسی اور شہر میں چلے جائیں، فخرحت زینب من مدینۃ جدھا الرسول ثم لم ترھا المدینۃ
بعد ذالک ابدالاً، پھر حضرت زینب مدینہ رسول سے نکل کر چلی گئیں اس کے بعد سے پھر مدینہ کی شکل
نہ دیکھی، وہ وہاں سے نکل کر مصر پہنچیں، لیکن وہاں زیادہ دن ٹھہر نہ سکیں۔ ہلکا منتقلہ من بلدالی
بلد لا یطمن بہا علی الارض مکان، اسی طرح وہ غیر مطمئن حالت میں پریشان شہر بہ شہر پھرتی رہیں
اور کسی ایک جگہ اور مکان میں سکونت اختیار نہ کر سکیں الخ۔ علامہ محمد الحسین الادیب الجفی لکھتے
ہیں۔ وقضت العقیلتا زینب ع حیاتها بعد اخیھا منتقلۃ من بلدالی بلد تقص علی الناس
فنادھنا ذلک ظلمھذا اللسان الی رخیہ اللسان الخ کہ حضرت زینب اپنے بھائی کی شہادت
کے بعد سکون سے نہ رہ سکیں وہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں سرگرداں پھرتی رہیں اور ہر جگہ ظلم مزید کو
بیان کرتی رہیں اور حق و باطل کی وضاحت فرماتی رہیں اور شہادت حسین پر تفصیلی روشنی ڈالتی رہیں
(زینب اخت الحسین ص ۴۴) یہاں تک کہ آپ شام پہنچیں اور وہاں قیام کیا کیونکہ بروایت آپ کے
شوہر عبداللہ بن جعفر طیار کی وہاں جائداد تھی وہیں آپ کا انتقال بروایت اخبار الزینبیہ وحیات الزہرا
روز شنبہ اتوار کی رات ۱۲ رجب ۶۱۰ھ کو ہو گیا یہی کچھ کتاب: بطلۃ کربلا کے ص ۵۵ آئیں ہے۔
بروایت خصائص زینبیہ قید شام سے رہائی کے چار ماہ بعد امام کا شوم کا انتقال ہوا اور اس کے دو ماہ میں
دن بعد حضرت زینب کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر ۵۵ سال کی تھی

آپ کی وفات یا شہادت کے متعلق مشہور ہے کہ ایک دن آپ اس باغ میں تشریف لے گئیں جس
کے ایک درخت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا سرعلق کیا گیا تھا اس باغ کو دیکھ کر آپ بے چین ہو گئیں
حضرت ظہور جارجوی تقیم لاہور لکھتے ہیں ہے

متصل شہر سے تھا باغ کیا اس میں قیام
کاروان شام کی سرحد میں جو پہنچا شام
واقعه پہلی اسیری کا جو یاد آیا تمام
دیکھ کر باغ کو رونے لگی ہمیشہ امام
حال تغیر ہوا فاطمہ کی جانی کا
شام میں لٹکا ہوا دیکھا تھا سر بھائی کا
بنت جید گئیں روتی ہوئی نزدیک شجر
ہاتھ اٹھا کر یہ کہا اے شجر بار آور
تیرا احسان ہے یہ بنت علی کے سر پر
تیری شاخوں سے بندھا تھا کے باغ کے کار
اے شجر تجھ کو خبر ہے کہ وہ سرس کا تھا
مالک باغ جہاں تاج سر طوبی تھا

دور ہی تھی یہ بیان کر کے جو وہ دکھ پائی باغبان باغ میں تھا ایک شقی ازلی
بیچے لے کے چلا دشمن اولاد بنی سر پہ اس زور سے مارا کہ زمین کانپ گئی

سہ کے ٹکڑے ہوئے، روئیں نہ پکاریں زینب
خاک پر گر کے سوئے خلد سدا رہیں زینب

حضرت زینب کا مدفن علامہ محمد الحسین الادیب النجفی تحریر فرماتے ہیں "قد اختلف
المؤرخون فی محل دفنہا بین المدینۃ والشام ومصر، وعلی

ما یغلب انطن والتحقیق علیہا، انہا مدفونۃ فی الشام ومقدها مزار الالوف من المسلمین
فی کل عام۔" مورخین نے ان کے مدفن یعنی محل دفن میں اختلاف کیا ہے کہ آیا مدینہ ہے یا شام یا مصر
لیکن ظن غالب کی بنا پر تحقیق یہ ہے کہ وہ شام میں دفن ہوئی ہیں اور ان کے مرقد اقدس اور مزار مقدس
کی ہزاروں مسلمان عقیدت مند ہر سال زیارت کیا کرتے ہیں۔ (زینب اخت الحسین ص ۵۰ طبع
نجف اشرف) یہی کچھ محمد عباس ایم اے جو انٹ ایڈیٹر سپیڈ اخبار نے، اپنی کتاب "مشاہیر نسوان"
طبع لاہور ۱۹۵۲ء کے ص ۶۱ میں، اور میاں اعجاز الرحمن ایم۔ اے نے اپنی کتاب "زینب رضی اللہ عنہا"
کے ص ۸۱ طبع لاہور ۱۹۵۵ء میں لکھا ہے شام میں جہاں جناب زینب صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہا کا
مزار مقدس ہے اسے "زینبہ" کہتے ہیں۔ ناچیز کو شرف زیارت ۶۶۷ء میں نصیب ہوا ہے۔

حضرت اُم کلثوم کی ولادت وفات اور ان کا مدفن تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ حضرت ام کلثوم انہی بہن
حضرت زینب کے کارناموں میں برابر کی شریک تھیں وہ تاریخ میں اپنی بہن کے بالکل دوش بدوش نظر آتی

ہیں، وہ مدینہ کی زندگی، کربلا کے واقعات، دوبارہ گرفتاری اور مدینہ سے اخراج سب میں حضرت
زینب کے ساتھ رہیں۔ ان کی ولادت ۶۰۰ھ میں ہوئی ان کا عقد محمد بن جعفر بن ابی طالب سے
ہوا۔ ان کی وفات حضرت زینب سے دو ماہ بیس دن قبل ہوئی (خصائص زینبیہ) وہ شام میں دفن
ہوئی ہیں۔ (مجم البلدان یا قوت حموی ج ۴ ص ۲۱۷) ان کا مزار اور سکینہ بنت الحسین کا مزار شام میں
ایک ہی عمارت میں واقع ہے۔ ان کی عمر ۵۵ سال کی تھی، ان کی اولاد کا تاریخ میں سراغ نہیں ملتا۔
البتہ حضرت زینب کے عبداللہ بن جعفر طیار سے چار فرزند، علی، محمد، عون، عباس اور ایک دختر
ام کلثوم کا ذکر ملتا ہے۔ (زینب اخت الحسین ص ۵۵ و سفینۃ البحار جلد ۸ ص ۵۵)۔

۱۔ حضرت ام کلثوم کے ساتھ عمر بن خطاب کے عقد کا افسانہ تو بہن آمل محمد کا ایک دستوز باب ہے۔ اس کی رد
کے لیے ملاحظہ ہو، مقدمہ ترجمہ، احیاء الامت علامہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ لاہور ۱۲ منہ ۱۲

و ابوہماخیر مستہما ۶ حسن اور حسین جو انمانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار ان دونوں سے بہتر ہیں (ابن ماجہ) صحابی رسول جناب حذیفہ ریمانی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا مسرور دیکھ کر پوچھا حضور! افراطِ مسرت کی کیا وجہ ہے فرمایا اے حذیفہ آج ایک ایسا ملک نازل ہوا ہے جو میرے پاس اس سے قبل کبھی نہیں آیا تھا۔ اُس نے مجھے میرے بچوں کی سرورِ جنت پر مبارک باد دی ہے اور کہا ہے کہ ان فاطمہ سیدۃ نساء اہل الجنة و اہل الحسن و الحسنین سیدۃ اشباب اہل الجنة ۷ فاطمہ حقیقت کی عورتوں کی سرور اور حسین حقیقت کے مردوں کے سرور ہیں۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۱۰۷ تا ۱۰۸ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۲ اسد الغابہ ص ۱۲ اصابہ جلد ۲ ص ۱۲ ترمذی شریف، مطالب السؤل ص ۲۲۲ صواعق محرقہ ص ۱۱۳)۔

اس حدیث سے سیادتِ علویہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ قطع نظر اس سے کہ حضرت علیؑ میں مثلِ بنی سیادت کا فاتی ثروت موجود تھا اور خود سرورِ کائنات نے بار بار آپ کی سیادت کی تصدیق سید العرب سید المتقیین، سید المؤمنین وغیرہ جیسے الفاظ سے فرمائی ہے حضرت علیؑ کا سرور ان جنت امام حسن اور امام حسین سے بہتر ہونا واضح کرتا ہے کہ آپ کی سیادت مسلمہ ہی نہیں بلکہ بہت بلند درجہ رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک جملہ اولادِ علیؑ سید ہیں یہ اور بات ہے کہ بنی فاطمہ کے برابر نہیں ہیں۔

خدا نے جو شرفِ امام حسن اور امام حسین کو عطا فرمایا ہے وہ اولادِ رسول اور فرزندانِ علیؑ میں آلِ محمد کے سوا کسی کو نصیب نہیں۔ ان حضرات کا ذکر عبادت اور ان کی محبت عبادت، یہ حضرات اگر کشتِ رسول پر عالم نمازیں سوار ہو جائیں، تو نمازیں کوئی کھل واقع نہیں ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ یہ نونہالانِ رسالت کشتِ رسول پر عالم نمازیں سوار ہو جایا کرتے تھے اور جب کوئی منع کرنا چاہتا تھا تو آپ اشارہ سے روک دیا کرتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ بچہ میں اُس وقت تک مشغول ذکر رہا کرتے تھے جب تک بچے آپ کی کشت سے ٹوڑا تر آئیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے خدا میں انھیں دوست رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر، کبھی ارشاد ہوتا تھا اے دنیا والو! اگر مجھے دوست رکھتے ہو تو میرے بچوں سے بھی محبت کرو۔ (اصابہ ص ۱۱۳ جلد ۲ مسند رک امام حاکم و مطالب السؤل ص ۲۲۳)۔

سرورِ کائنات نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ اے دنیا والو! بس مختصر یہ سمجھ لو کہ حسینؑ منور و انانہ الحسینؑ حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں۔ خدا سے دوست رکھے جو حسینؑ کو دوست رکھے۔ (مطالب

السؤل ۲۲۲ صواعق خرقہ ص ۱۱۲ نور الابصار ص ۱۱۳ و صحیح ترمذی جلد ۶ ص ۳۰۷ مستدرک امام حکم
جلد ۲ ص ۱۷۰ و مستدرک احمد جلد ۲ ص ۹۷۲ اسد الغابۃ جلد ۲ ص ۹۱ کنز العمال جلد ۳ ص ۲۲۱۔

مکتوبات باب جنت | سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شبِ معراج جب میں سیر آسمانی کرتا ہوا جنت کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ بابِ جنت پر سونے کے حروف میں لکھا ہوا ہے۔

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ»
«صَفْوَةُ اللَّهِ وَمَنْ ابْتَغَاهُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ»

(ترجمہ) خدا کے سوا کوئی معبود نہیں محمد صلعم اللہ کے حبیب ہیں۔ علی اللہ کے ولی ہیں فاطمہ اللہ کی کینیز ہیں۔ حسن اور حسین اللہ کے برگزیدہ ہیں اور ان سے بغض رکھنے والوں پر خدا کی لعنت ہے۔
الرجح المطالب باب ۳ ص ۳۱۳ طبع لاہور ۱۲۸۱ء۔

امام حسین اور صفاتِ حسنہ کی مرکزیت

یہ تو معلوم ہی ہے کہ امام حسین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے، حضرت علیؑ و فاطمہ کے بیٹے اور امام حسن کے بھائی تھے، اور انھیں حضرات کو بیچ تن پاک کہا جاتا ہے۔ اور امام حسین بیچ تن کے آخری فرزند ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دورت گزرنے والے کے لیے اکتابِ صفاتِ حسنہ کے امکات زیادہ ہوتے ہیں۔ امام حسین ۳ شعبان ۴۸ ہجری کو پیدا ہو کر سرور کائنات کی پرورش و پرورش اور اخوشِ مادر میں رہے اور کسبِ صفات کرتے رہے۔ ۲۸ ستمبر ۶۱۰ ہجری کو جب آنحضرت شہادت پا گئے اور ۳ جمادی الثانی کو ماں کی برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علیؑ نے تعلیماتِ انبیہ اور صفاتِ حسنہ سے بہرہ ور کیا۔ ۲۱ رمضان ۶۱۰ ہجری کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسن کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ امام حسن ہر قسم کی استمداد و استعانتِ خاندانی اور فیضانِ باری میں برابر کے شریک رہے۔ ۲۸ صفر ۶۱۰ ہجری کو جب امام حسن شہید ہو گئے تو امام حسینؑ صفاتِ حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفاتِ حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرزِ حیات میں محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا اور آپ نے جو کچھ کیا قرآن و حدیث کی روشنی میں کیا کتبِ مقابل میں ہے کہ کہہ لایں جب امام حسین رخصتِ آخری کے لیے خیمہ میں تشریف لائے تو جناب زینب نے فرمایا تھا کہ اے خاتم آلِ عباس! تمہاری جدائی کے تصور سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰؐ، علی رضیؑ، فاطمہ الزہراءؑ، حسن مجتبیٰؑ ہم سے جدا ہو رہے ہیں۔

ابھی نابالغی کی حد سے متجاوز نہ ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے ایسی جنگ کی کہ دشمنوں کی ہمتیں پست ہو گئیں۔ آپ کے مقابلہ میں ارتزق شامی آیا۔ آپ نے اُسے پچھاڑ دیا۔ اس کے بعد چاروں طرف سے حملے شروع ہو گئے۔ آپ نے ۷۰ دشمنوں کو قتل کیا آخر کار عمر بن معدین عروہ بن نفیل ازوی کی تیغ سے شہید ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے کہ آپ کا جسم مبارک زندگی سی میں پامال سم اسپاں ہو گیا تھا۔ ان کے بعد عبد اللہ ابن حسن میدان میں آئے اور زبردست جنگ کی۔ آپ نے ۱۲ دشمنوں کو تیرخ کیا۔ آپ کو ہانی ابن شیدہ، خضر می نے شہید کیا۔ ان کے بعد ابو بکر ابن حسن میدان میں آئے آپ نے میمنہ اور میسرہ کو تباہ کر دیا۔ آپ ۸۰ دشمنوں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔ آپ کو بقول علامہ سماوی عبد اللہ ابن عقبہ غنوی نے شہید کیا ہے ان کے بعد احمد بن حسن میدان میں آئے۔ اگرچہ آپ کی عمر ۱۸ سال سے کم تھی لیکن آپ نے یادگار جنگ کی اور ۶۰ سواروں کو قتل کر کے درجہ شہادت حاصل کیا۔ ان کے بعد عبد اللہ اصغر میدان میں آئے۔ آپ حضرت علی کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ لیلی بنت مسعود مہمی تھیں۔ آپ نے زبردست جنگ کی اور درجہ شہادت حاصل کیا۔ آپ ۲۱ دشمنوں کو قتل کر کے بدست عبد اللہ ابن عقبہ غنوی شہید ہوئے۔ بعض اقوال کی بنا پر ان کے بعد عمر بن علی میدان میں آئے اور شہید ہوئے۔ ظہری کا بیان ہے کہ یہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے۔ اکثر مورخین کا کہنا ہے کہ عبد اللہ اصغر کے بعد عبد اللہ بن علی میدان میں تشریف لائے۔ یہ حضرت عباس کے حقیقی بھائی تھے۔ ان کی عمر بوقت شہادت ۲۵ سال تھی۔ آپ کو ہانی ابن شہید الخضر می نے شہید کیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے حقیقی بھائی عثمان بن علی میدان میں آئے۔ آپ نے رجب پر بھی اور زبردست جنگ کی۔ دوران قتال میں خولی ابن یزید اصبحی نے عیشانی مبارک پر ایک تیر مارا جس کی وجہ سے آپ زمین پر آ کرے۔ پھر ایک شخص نے جو قبیلہ ابان بن دارم کا تھا۔ آپ کا سر کاٹ لیا شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۳ سال تھی۔ ان کے بعد حضرت عباس کے تیسرے حقیقی بھائی میدان میں تشریف لائے اور بقول ابو الفرج بدست خولی ابن یزید اور بروایت ابو مخنف بضر ہانی ابن شہید الخضر می شہید ہوئے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۲۱ سال تھی، ان کے بعد فضل بن عباس بن علی میدان میں تشریف لائے اور مشغول کارزار ہو گئے۔ آپ نے ۶۵۰ دشمنوں کو قتل کیا بالآخر چاروں طرف سے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا گیا۔ ان کے بعد حضرت عباس کے دوسرے بیٹے قاسم ابن عباس میدان میں تشریف لائے۔ آپ کی عمر بقول امام غزالی ۱۹ سال کی تھی۔ آپ نے ۸۰۰ دشمنوں کو خاک کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے بعد ایام حسین کی خدمت میں حاضر ہو کر پانی مانگا۔ پانی نہ ملنے پر آپ پھر واپس گئے اور ۲۰ سواروں کو قتل کر کے شہید ہو گئے۔

علمدار کربلا حضرت عباس کی شہادت | ان بنی ہاشم کے بہادر نونہالوں کی شہادت کے بعد حضرت عباس ستم علمدار میدان میں

حصول آب کے لیے تشریف لائے اور کار نمایاں کر کے شہید ہو گئے۔ آپ کے تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب ذکر العباسی مؤلفہ حقیرہ مطبوعہ لاہور۔ آپ کے مختصر حالات یہ ہیں کہ آپ ۳ شعبان ۲۶ھ ہجری مطابق ۱۸ مئی ۶۴۷ء یوم شنبہ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ امام حسین کے مستقل علمبردار تھے۔ آپ کو کربلا میں جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی گئی صرف پانی لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ آپ کمال وفاداری کی وجہ سے نہ فرات میں داخل ہو کر پیاسے برآمد ہو گئے تھے۔ آپ کا واہنا ہاتھ خمیر میں پانی پہنچانے کی سعی میں زید ابن ورقان کی تلوار سے کٹ گیا تھا، اور بائیں ہاتھ حکیم ابن طفیل کی تلوار سے کٹا۔ پھر ایک تیز شکنیزہ پر لگا اور سارا پانی بہ گیا۔ پھر ایک تبر آپ کے سینے میں لگا۔ اس کے بعد لوہے کا گرز سر پر پڑا اور آپ زمین پر آ رہے۔ آپ نے امام حسین کو آزدی امام حسین نے مکر تمام کر فریاد کی "الان انکسر ظہری" ہائے میری مکر لوٹ گئی۔ آپ کا لقب سقا اور کنیت ابوالفضل والوقرہ تھی۔ آپ بھی یوم عاشورا شہید ہوئے۔ آپ کی تالیف شہادت مولینا روم نے مصرعہ "سر دین را برید بے دینے" سے نکالی ہے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۳۴ سال چند ماہ کی تھی۔

حضرت علی اکبر کی شہادت | حضرت عباس علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت علی اکبر نے اذن جہاد کی سعی تبلیغ کی۔ بالآخر آپ کامیاب ہو کر میدان میں تشریف لائے۔ آپ کو امام حسین نے اپنے ہاتھوں سے آراستہ کیا۔ حضرت علی کی تلوار جمالی کی زرد پہنائی اور غیر اسلام کی سواری کے گھوڑے پر سوار فرمایا جس کا نام عقاب یا مہر تاجر تھا۔ روانگی کے وقت امام حسین نے بارگاہِ اہدیت میں ہاتھوں کو بند کر کے کہا "میرے پالنے والے اب تیری راہ میں میرا وہ فرزند قربان ہونے کو جا رہا ہے جو صورت و میرت میں تیرے رسولِ کریم سے بہت مشابہ ہے میرے مولا جب میں ناناکا کی زیارت کا مشتاق ہوتا تھا تو اس کی صورت دیکھ لیا کرتا تھا۔ مالک اس کی تو ہی مدد فرماتا۔ علمار نے لکھا ہے کہ میدان میں پہنچنے کے بعد حضرت علی اکبر نے رجز پڑھی اور مقابلاً شروع ہو گیا۔ اور ایسی زبردست جنگ ہوئی کہ دشمنوں کے ہاتھوں پینے آگے صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔ ایک سو بیس دشمن فی النار و السقر ہو گئے۔ حضرت علی اکبر جو تین دن کے جھوکے اور پیاسے تھے۔ باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کی باباجان! پیاس مارے ڈالتی ہے۔ پانی کی کوئی سبیل کر دیجئے امام حسین کے پاس پانی کہاں تھا جو زخموں سے چور علی اکبر جیسے کی آخری فرمائش پوری فرماتے۔ آپ نے کہا بیٹا پانی تو تھوڑی ہی دیر میں نانا جان پلائیں گے۔ البتہ اپنی زبان میرے منہ میں دے دو۔ علی اکبر

لے کر لڑی کے ایک مولوی صاحب نے اپنے ایک رسالے میں جو حضرت عباس کے حالات پر مشتمل ہے ذکر العباس پر بڑے معتدات کے ہیں ان کے ساتھ سال اور ہجرت کے وجہ سے ان کے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

رخسار پر پلانچے لگ رہے تھے کسی کی پیٹھ پر نیزے کی آنی چھوئی جا رہی تھی۔ جب سب کچھ کو لگا جا چکا۔
نصیبے جل چکے اور شام آگئی تو وہیں کے جھے بھنے غلے کے دانوں سے اور بروتے ٹھکر کی بیوی دانہ پانی
لائی اور فاقہ شکنی کی گئی۔

اس کے بعد حضرت زینب نے جناب ام کلثوم سے فرمایا کہ بہن اب رات ہو چکی ہے، تاریکی
چھائی ہوئی ہے، تم سب گورنوں اور بچوں کو ایک جگہ جمع کریں۔ ان کی حفاظت میں رات بھر یہ وہاں کی۔
حضرت کلثوم نے سب بیبیوں، بچوں اور بیٹیوں کو جمع کیا، لیکن انھیں جناب سکینہ نہ ملیں، آپ نے
نہایا جناب زینب سے عرض واقعہ کیا۔ زینب منقل کی طرف حضرت سکینہ کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔
ایک نشیب سے سکینہ کے رونے کی آواز آئی، جا کر دیکھا کہ سکینہ باپ کے سینے سے لپٹی ہوئی گریہ
کر رہی ہیں۔ جناب زینب انھیں خمیر میں لے آئیں۔ جناب سکینہ کا بیان ہے کہ اس وقت بابا کی کٹی
ہوئی گرون سے یہ آواز آرہی تھی۔

شیبعی ما ان شریتم ما عذب فاذا کرونی اور سمعتم بغریب او شہید فاند بونی
وانا السبط الذی من غیر جرم قتلونی ورجرد الخمل بعد القتل سحوقی

لیت حکم فی یوم عاشوراء جمیعاً تنظرونی

کیف استسقی لطفی فابوا ان یرحمونی

(ترجمہ) اے میرے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو مجھے یاد کرنا اور جب کسی غریب یا شہید کے واقعات
سننا تو مجھ پر گریہ کرنا۔ اے میرے دوستو، سنو میں رسول کا وہ مظلوم نواسہ ہوں جسے بلا جرم و خطا
نے قتل کر دیا اور پھر قتل کے بعد اس کی لاش پکھوڑے دوڑا دیے۔ اے میرے شیعو! کاش تم آج
عاشوراء کے دن ہوتے تو یہ رُوح فرسا منظر دیکھتے کہ میں اپنے پیاسے بچے (علی اصغر) کے لیے کس طرح
پانی مانگ رہا تھا اور یرنگ دل کس دلیری اور بے باکی سے انکار کر رہے تھے۔

غرض کہ حضرت زینب جناب سکینہ کو باپ کے سینے پر سے سمجھا جھا کر اٹھا لائیں اور انھیں جناب
ام کلثوم کے پیروں کے علاوہ پھرنا شروع کر دیا۔ (دمعہ ساکبہ)

رات کا کافی حصہ گزرنے کے بعد جناب زینب نے دیکھا کہ ایک سوار گھوڑا بڑھائے چلا آ رہا
ہے۔ آپ نے بڑھ کر اس سے کہا کہ تم آل رسول ہیں۔ ہمارے چھوٹے بڑے، بوڑھے، جوان سب آج
ہی قتل کئے جا چکے ہیں۔ اب ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ابھی روتے روتے سو گئے ہیں۔ اے سوار اگر
مجھے تم کو اور زیادہ ٹوٹنا مقصود ہے تو صبح آجانا اور جو کچھ ہمارے پاس رہ گیا ہو، اُسے بھی لوٹ لینا
لیکن دیکھ ان بچوں کو نہ سنا، اور انھیں سونے دے، خدا کے لیے اس وقت چلا جا۔ لیکن سوار نے
ایک نہ سنی اور قدم فرس برابر بڑھتا ہی رہا، آخر زینب بھی شیر خدا کی بیٹی تھیں۔ انھیں جلال آگیا اور

انہوں نے بڑھ کر لجام فرس پر ہاتھ ڈال دیا، اور کہا کہ میں کیا کہتی ہوں اور تو کیا کرتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر سوار گھوڑے سے اتر پڑا اور زینب کو سینے سے لگا کر کہنے لگا۔ اسے بیٹی میں تیرا باپ علی ہوں۔ بیٹی تیری حفاظت کے لیے آیا ہوں۔ اسے جان پر نذر دینے میں جا تیری حفاظت کروں گا۔ زینب نے فریاد و فغاں شروع کر دی اور تمام واقعات بیان کئے۔ القرض جب یہ حشر آفریں شب تمام ہوئی تو حکم عمر سعد سے لشکریوں نے آکر آل رسول کو گھیر لیا اور بلا مصلحہ و کجاوہ کے ناقوں پر سوار ہونے کو کہا، چارو ناچار رسول زادیاں ناقوں پر سوار ہوئیں، حال یہ تھا کہ سر کھٹکے ہوئے تھے، بال بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ امام زین العابدین علائق کی وجہ سے چونکہ تاب و توان نہ رکھتے تھے۔ اس لیے انہیں سوار ہونے میں تکلف تھا۔ شمر نے تازیانے سے اذیت پہنچانی اور فضل نے دوڑ کر امام کو سوار ہونے میں امداد دی اور آپ ناقے پر سوار ہو گئے۔ لیکن طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پشت پر سنبھلنا سخت دشوار تھا۔ اس لیے دشمنان اسلام نے آپ کے پیروں کو ناقہ کے پیٹ سے ملا کر باندھ دیا۔ (اسرار الشہادت ص ۲۶۷)۔

پھر اس کے بعد اس قافلہ کو لے کر بارادہ کو ذروانہ ہوتے اور غضب یہ کیا کہ، ان رسول زادوں کو قتل کی طرف سے گزراؤ تو خیمین کا بیان ہے کہ جیسے ہی حسین قافلہ قتل میں پہنچا حشر کا سماں پیش ہو گیا۔ زینب نے اپنے کو ناقہ سے گرا دیا اور فریاد و فغاں کرنے لگیں۔ آپ نے کہا۔

”اے محمد مصطفیٰ! جن پر ملائکہ آسمان سے درود بھیجتے ہیں۔ دیکھئے یہ حسین خاک و خون میں آلودہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چٹیل میدان میں پڑے مریح آپ کی بیٹیاں و لواریاں قیدی ہیں۔ آپ کی اولاد مقتول ہے اور ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے“

یہ درد ناک مثنوی سن کر دوست دشمن کوئی ایسا نہ تھا جو رونے نہ لگا ہو۔ اس وقت ان لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ کس قدر شدید گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ (الحسین ابو نصر ۱۵۵) دمہ سا کہ میں ہے کہ زینب کی فریاد سے جانور بھی رونے لگے اور ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ اسی طرح حضرت ام کلثوم بھی نوحہ و فریاد کر رہی تھیں اور جناب سکینہ بھی نوحہ کر رہی تھیں۔ بالآخر دشمنوں کے تشدد سے یہ قافلہ آگے بڑھ گیا اور آل رسول کی لاشیں بے گور و کفن زمین گرم کر بلا پر پٹی رہیں، چند دنوں کے بعد ہی اسد نے ان پر نمازیں پڑھیں اور انہیں سپرد خاک کر دیا۔

صبح یازدہم

واقعہ یہ ہے کہ علی و فاطمہ کی بیٹیاں، رسول کریم کی نواریاں بے محل و

عماری کے ناقوں پر سوار کر کے دربار کو ذروانہ میں داخل کی گئیں۔ پھر ایک

ہفتہ انہیں کو ذروانہ کے قید خانہ میں رکھا گیا۔ اس کے بعد ان غریبوں کو بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۱۱ سال



ابو محمد محمد

حسنت

امام زین العابدین

عليه السلام

بن کے سجادے کی زینت آئے سجادِ حزیں
 دوست کا کیا ذکر ہے موزی کو یہ کہنا پڑا
 پومتی ہے جگے قدموں کو عبادت کی جبین
 انت زین العابدین وانت زین العابدین
 (صاحبِ تحاریاتی دگرچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۶

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

مثل جدِ خود امام اولیاء
چوں پدر مشہور در صبر و رضا
در عبادت این قدر سرگرم بود
انت زین العابدین آمدند

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چوتھے جانشین، ہمارے چوتھے امام اور چہارویں معصومین کی چھٹی محترم فرد ہیں۔ آپ کے والد ماجد شہیدِ کربلا حضرت امام حسین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب شاہ زنان عرف شہر بانو تھیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام معصومین معصوم۔ اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے، علما کا بیان ہے کہ آپ علم، زہد، عبادت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (عواعن محرقہ ص ۱۱۹) امام زہری ابن عینیہ اور ابن مسیب کا کہنا ہے کہ ہم نے آپ سے زیادہ کسی کو افضل عبادت گزار اور فقیہ نہیں دیکھا (نور الابصار ص ۱۲۶) ایک شخص نے سید بن مسیب سے کسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ بڑا متقی ہے۔ ابن مسیب نے پوچھا، تم نے امام زین العابدین کو دیکھا ہے اس نے کہا نہیں۔ انھوں نے جواب دیا "مارایت احداً اورع منہا" میں نے ان سے زیادہ متقی اور پرہیزگار کسی کو بھی نہیں دیکھا (مطالب السؤل ص ۲۶) ابن ابی شیبہ کا کہنا ہے کہ "صحح الاسانید" وہ روایت ہے جو زہری امام زین العابدین سے منسوب کرے۔ (طبقات الحفاظ ذہبی ارجح المطالب ص ۲۳۵) علامہ میرزا فراتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام حدیث بیان کرنے میں نہایت معتمد علیہ اور صادق الزمان تھے۔ آپ بہت بڑے عالم اور فقہ اہل بیت میں بے مثل و بے نظیر تھے۔ (حیوۃ السیوان جلد ۱ ص ۱۲) تاریخ ابن خلکان جلد ۱ ص ۳۲) آپ ایسے پر جلال و جمال تھے کہ جو بھی آپ کو دیکھتا تھا تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص ۳۱۹)۔

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۵ رجبی الثانی ۳۸ حجریوم جمعہ بقولے ۵ رجبی الاول ۳۸ حجریوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے۔ (اعلام الوری ص ۱۵۰ و مناقب جلد ۴ ص ۱۳۱) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب جناب شہر بانو ایران سے مدینہ کے لیے روانہ ہو رہی تھیں تو جناب رسالت مآب نے عالم خواب میں ان کا عقد حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ پڑھ دیا تھا۔ (جلار العیون ص ۱۵۶)۔ اور جب آپ وارد مدینہ ہوئیں تو حضرت علی علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کے سپرد کر کے فرمایا کہ یہ وہ عصمت پرور نبی بی ہے کہ جس کے بطن سے بعد افضل اوصیاء اور افضل کائنات ہونے والا بچہ پیدا ہوگا۔ چنانچہ حضرت امام زین العابدین متولد ہوئے۔ لیکن انسوس یہ ہے کہ آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھانے سکے۔ ماتت فی نفاہا لباب۔ آپ کے پیدا ہوتے ہی ”مدت نفاس“ میں جناب شہر بانو کی وفات ہو گئی۔ (مقام جلال العیون)۔ عیون اخبار رضا و معہ ساکبہ جلد ۱ ص ۲۶۶) کامل مبرد میں ہے کہ جناب شہر بانو، معرفتہ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہر بانو۔ بادشاہ ایران یزید جو بن شہر یار بن شیروہ ابن پرویز بن ہرمز بن نو شیر وان عادل ”کسری“ کی بیٹی تھیں۔ (ارشاد ص ۲۹۱ و فصل الخطاب) علامہ طبری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علی نے شہر بانو سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو انھوں نے کہا ”شاہ جہاں“ حضرت نے فرمایا نہیں اب ”شہر بانو“ ہے (مجمع البحرین ص ۵۴)۔

نام، کنیت، القاب | آپ کا اسم گرامی ”علی“ کنیت ابو محمد۔ ابو الحسن اور ابو القاسم تھی، آپ کے القاب بے شمار تھے جن میں زین العابدین، تیل الساجدین، ذوالشفقات اور سجاد و عابد زیادہ مشہور ہیں (مطاب السؤل ص ۲۶۱، شواہد النبوت ص ۱۶۹، نور الابصار ص ۱۲۹، الفرع النامی نواب صدیق حسن ص ۱۵۸)۔

لقب نے بن العابدین کی توجیہ | علامہ شبلی نجفی کا بیان ہے کہ امام مالک کا کہنا ہے کہ آپ کو زین العابدین کثرت عبادت کی وجہ سے کہا جاتا ہے (نور الابصار ص ۱۲۹) علماء فریقین کا ارشاد ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ایک شب نماز تہجد میں مشغول تھے کہ شیطان اڑوے کی شکل میں آپ کے قریب گیا اور اُس نے آپ کے پائے مبارک کے انگوٹھے کو منہ میں لے کر کاٹنا شروع کیا، امام جو ہمہ تن مشغول عبادت تھے اور آپ کا رجحان کامل بارگاہ ایزدی کی طرف تھا۔ وہ ذرا بھی اُس کے اس عمل سے متاثر نہ ہوئے اور بدستور نماز میں منہمک و مصروف و مشغول رہے بالآخر وہ عاجز آ گیا اور امام نے اپنی نماز بھی تمام

کر لی اس کے بعد آپ نے اس شیطان ملعون کو طمانچہ مار کر ڈور ہٹا دیا اس وقت ہاتھ ٹھہری نے انت
زین العابدینؑ کی تین بار صدا دی اور کہا ہے شک تم عبادت گزاروں کی زینت ہو۔ اسی وقت سے
آپ کا لقب ہو گیا۔ (مطالب السؤل ص ۲۶۲ شواہد النبوت ص ۱۷۱) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے
ہیں کہ اس اثر ہے کے وہ سر تھے۔ اور اس کے دانت بہت تیز اور اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور
وہ مصلیٰ کے قریب سے زمین پھاڑ کے نکلا تھا (مناقب جلد ۲ ص ۱۵۱) ایک روایت میں اس کی وجہ یہ
بھی بیان کی گئی ہے کہ قیامت میں آپ کو اسی نام سے پکارا جائے گا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۲۶۶)۔

لقب "سجاد" کی توجیہ

ذہبی نے طبقات الحفائذ میں بحوالہ امام محمد باقر علیہ السلام لکھا ہے کہ
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو سجاد اس لیے کہا جاتا ہے
کہ آپ تقریباً سرکار خیر پر سجدہ فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ خدا کی کسی نعمت کا ذکر کرتے تو سجدہ کرتے
جب کلام خدا کی آیت "سجدہ" پڑھتے تو سجدہ کرتے۔ جب بے شخصوں میں صلح کرتے تو سجدہ کرتے اسی کا نتیجہ
تھا کہ آپ کے مواضع سجود پر اونٹ کے گھٹوں کی طرح گھٹے پر جاتے تھے پھر انھیں کٹوانا پڑتا تھا۔
اسی لیے آپ کا لقب "ذوالثفتان" یعنی گھٹے والے بھی تھا (ارح المطالب ص ۲۳۷)۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی نسبی بلندی

نسب اور نسل باپ اور ماں کی طرف سے دیکھے جاتے ہیں، امام علیہ السلام کے والد ماجد حضرت
امام حسین اور دادا حضرت علیؑ اور دادا حضرت فاطمہ الزہرا بنت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں
اور آپ کی والدہ جناب شہر بانو بنت یزید جرد ابن شہر یار۔ ابن کسریؑ میں یعنی آپ حضرت پیغمبر اسلام
علیہ السلام کے پوتے اور نوشیرواں عادل کے نواسے ہیں، یہ وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے
پر سرور کائنات نے اظہار شرت فرمایا ہے۔ اس سلسلہ نسب کے متعلق ابوالاسود دؤلی نے اپنی
اشعار میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اس سے بہتر اور سلسلہ ناممکن ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

وان غلاماً بسین کسری و ہاشم لاکرم من ینطت علیہ التمام

اس فرزند سے بلند نسب کوئی اور نہیں ہو سکتا جو نوشیرواں عادل اور فخر کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ
کے دادا ہاشم کی نسل سے ہو (اصول کافی ص ۲۵۵) شیخ سلیمان قندوزی اور دیگر علماء اہل اسلام لکھتے
ہیں کہ نوشیرواں کے عادل کی برکت تو دیکھو کہ اسی کی نسل کو آل محمد کے نور کی حامل قرار دیا اور آئمہ اطہرین
کی ایک عظیم فرد کو اس لوہی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے، پھر تحریر کرتے ہیں کہ امام حسین
کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہر بانو کو نصیب ہوا جو حضرت امام زین العابدین کی والدہ ماجدہ
ہیں (دیباچہ المودۃ ص ۳۱۵ و فصل الخطاب ص ۲۶۱) علامہ عبید اللہ بحوالہ ابن حکان لکھتے ہیں کہ جناب

شہر بانو بادشاہانِ فارس کے آخری بادشاہ یزدجرد کی بیٹی تھیں اور آپ ہی سے امام زین العابدین متولد ہوئے ہیں جن کو "ابن الخیرتین" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ فرمایا کرتے تھے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں میں سے دو گروہ عرب اور عجم کو بہترین قرار دیا ہے اور میں نے عرب سے قریش اور عجم سے فارس کو منتخب کر لیا ہے، چونکہ عرب اور عجم کا اجتماع امام زین العابدین میں ہے۔ اسی لیے آپ کو "ابن الخیرتین" سے یاد کیا جاتا ہے۔ (ارجح المطالب ص ۳۳۳) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہر بانو کو "سیدۃ النساء" کہا جاتا ہے۔ (مناقب جلد ۲ ص ۱۳)۔

جناب شہر بانو کی تشریف آوری کی بحث

ہاتھ کی تھیں اور وہاں سے اپنی دیگر بہنوں کے ساتھ مدینہ پہنچ کر حضرت امام حسین کی زوجیت سے مشرف ہوئیں۔ (ریح الابرار محشری) لیکن میرے نزدیک یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ فتح مدائن صفر ۱۶ یا ۱۷ ہجری میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۱۱۱ تاریخ کامل جلد ۱ ص ۱۹۱ معجم البلدان جلد ۱ ص ۱۱۳ و فتوح العجم ص ۱۶ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۱۱۱ میں ہے اور یزدجرد جناب شہر بانو کا باپ تھا۔ سلسلہ ہجری کے شروع میں عمان حکمرانی کا مالک ہوا۔ جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۲ ص ۱۶۹ و تاریخ کامل جلد ۱ ص ۱۶۸ تاریخ ابوالفداء جلد ۱ ص ۵۶ میں ہے اور تخت نشینی کے وقت اُس کی عمر ۲۱ سال کی تھی۔ جیسا کہ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۱۱ تاریخ کامل جلد ۲ ص ۱۶۱ تاریخ ابن خلدون جلد ۲ ص ۹۱، فتوحات اسلامیہ ج ۱ ص ۱۶ میں ہے اس حساب سے فتح مدائن کے وقت اُس کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۲ سال کی ہو سکتی ہے، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عجمی جو گرم ملک کا باشندہ نہ ہو وہ غریبوں کی طرح اتنی حقوڑی عمر میں کیونکر مباشرت کے قابل بن سکتا ہے یعنی ٹایم ممکن ہے کہ ایک اتنے کس شخص سے ایسی لڑکی پیدا ہو سکے جو سلسلہ ہجری میں فتح مدائن کے وقت شادی کے قابل ہو۔ اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ یزدجرد کی شادی ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں ہوئی ہوگی۔ اب ایسی صورت ہیں کہ اس کی شادی ۱۸-۱۹ سال کی عمر میں تسلیم کی جائے اور یہ بھی مان لیا جائے کہ جناب شہر بانو اُس کی پہلی اولاد تھیں۔ تب بھی فتح مدائن کے وقت جناب شہر بانو کی عمر ۵-۶ سال سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ حضرت امام حسینؑ جو سلسلہ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں اُن کی شادی اتنی کمسنی میں بحالت نابالغی پھر ایسی صورت میں جب کہ امام حسن کی شادی نہ ہوئی ہو جو امام حسین سے بڑے تھے۔ سلسلہ ہجری میں فتح مدائن کے بعد حضرت علیؑ کیونکر کر سکتے تھے۔

مورخ شہیر شمس العلماء شبلی نعمانی حضرت عمر کا حال لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ "اس موقع پر حضرت شہر بانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اس کا ذکر نا ضروری ہے۔ عام طور پر مشہور ہے

کہ جب فارس فتح ہوا تو یزدگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمر نے عام لوٹریوں کی طرح بازار میں ان کے بیچے کا حکم دیا۔ لیکن حضرت علی نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں۔ ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کر لیا جائے۔ پھر یہ لڑکیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اُس سے ان کی قیمت اعلیٰ سے اعلیٰ شرح پر لگوا لی جائے چنانچہ حضرت علی نے خود ان کو اپنے اہتمام میں لیا اور ایک امام حسین کو ایک محمد بن ابی بکر کو ایک عبداللہ بن عمر کو عنایت کیں۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زرخشتری نے جس کو فن تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں۔ ریح الاربار میں اس کو لکھا اور ابن خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اُس کے حوالہ سے نقل کر دی لیکن یہ محض غلط ہے۔ اولاً تو زرخشتری کے سوا طبری۔ ابن اثیر یعقوبی بلاذری ابن قتیبہ وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا اور زرخشتری کا فن تاریخ میں جو پایا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی قرآن اس کے بالکل خلاف ہیں۔ حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد اور خاندان شاہی پر مسلمانوں کو مطلق قابو حاصل نہیں ہوا۔ مدائن کے محاصرے میں یزدگرد مدینہ تمام اہل و عیال کے دارالسلطنت سے نکلا اور حلوان پہنچا۔ جب مسلمان حلوان پر چڑھے تو وہ اصفہان بھاگ گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا۔ مرو میں پہنچ کر ۳۰ سالہ عمر میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا زمانہ تھا مارا گیا۔ مجھ کو شبہ ہے کہ زرخشتری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں ہوا۔ اس کے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت امام حسین علیہ السلام کی عمر ۱۲ سال تھی۔ کیونکہ جناب ممدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ۳۰ سالہ عمر میں فتح ہوا اس لیے یہ امر بھی کسی قدر مستبعد ہے کہ حضرت علی نے ان کی نابالغی میں ان پر اس قسم کی عنایت کی ہوگی اس کے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی اور حضرت علی نہایت زاہدانہ اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا۔ (الفاروق ص ۱۷۱)۔

میں نے تواریخ سے جو استنباط کیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ عہد عثمانی میں اہل فارس نے بغاوت کر کے عید اللہ بن عمر "والی فارس" کو مار ڈالا اور حدود فارس سے لشکر بھی نکال دیا۔ اس وقت فارس کی لشکر چھاؤنی کا مقام "اصطخ" تھا۔ ایملن کا آخری بادشاہ "یزدجرد" اہل فارس کے ساتھ تھا حضرت عثمان نے عبداللہ ابن عامر کو حکم دیا کہ بصرہ اور عثمان کے لشکر کو ملا کر فارس پر چڑھائی کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ حدود اصطخ میں یزدگرد اور گھمسان کی جنگ ہوئی اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ اصطخ فتح ہونے کے بعد ۳۰ سالہ عمر میں یزدگرد سے اور پھر وہاں سے خراسان اور خراسان سے مرو چلا پہنچا۔ اُس کے ہمراہ چار ہزار جبار سپاہی بھی تھے۔ مرو میں وہ خاقان چین کی سازشی امداد کی وجہ سے مارا گیا۔

اور شاہانِ عجم کے گورستان "اصطخر" میں دفن ہوا۔ اس کے بعد عہدِ عثمانی بدل گیا اور حضرت علی شیر خدا کا زمانہ آ گیا۔

جنگِ جمل کے بعد ایرانِ خراسان کے مقامِ مرو میں سخت بغاوت ہوئی۔ اس وقت ایران میں توحید ارشاد و مفید و روضۃ الصفا " حریت ابن جابر جعفی گوزر تھے، حضرت علی نے مرو کے قیضہ نام ضیہ کو ختم کرنے کے لیے امدادی طور پر علیہ ابن قرہ بر بوعی کو روانہ کیا۔ وہاں جنگ ہوئی اور لشکرِ اسلام کامیاب ہوا۔ حریت ابن جابر جعفی نے یزید و عمرو ابن شہریار ابن کسری جو عہدِ عثمانی میں مارا جا چکا تھا کی دو بیٹیاں شہر بانو اور گیہان بانو کو عام اسپروں کے ساتھ حضرت علی کی خدمت میں بھیجا۔ شیر خدا علی علیہ السلام نے شہر بانو کو امام حسین اور گیہان بانو کو محمد بن ابی بکر کی زوجیت میں لئے دیا۔ جیسا کہ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۹ طبع نوکشور، ارشاد و مفید جلد ۲ ص ۲۹۲، اعلام الوری ص ۱۰۰، عمدۃ الطالب ص ۱۷۱، جامع التواریخ ص ۱۰۱ کشف الغم ص ۱۹ مطالب السؤل ص ۲۶۱ صواعق محرقة ص ۱۲، نور الابصار ص ۱۲۶، تحفہ سلیمانیر شرح ارشاد ص ۳۹ میں موجود ہے، اُس وقت امام حسین کی عمر اور جناب شہر بانو کی عمر کافی ہو چکی تھی اور امام حسن کی شادی ہوئے عرصہ گزر چکا تھا۔ حضرت علی کی خلافت ۳۵ حج سے سن ۳۵ حج تک رہی۔ جناب شہر بانو سے ۳۵ حج میں امام زین العابدین اور گیہان بانو سے قاسم بن محمد پیدا ہوئے۔

امام زین العابدین کے بچپن کا ایک واقعہ

علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ ایک دن امام زین العابدین جب کہ آپ کا بچپن تھا۔ بیمار ہوئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "بیٹا" اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اور تم کوئی چیز چاہتے ہو تو بیان کرو تاکہ میں تمہاری خواہش کے مطابق اسے فراہم کرنے کی سعی کروں۔ آپ نے عرض کی بابا جان اب خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ میری خواہش صرف یہ ہے کہ خداوند عالم میرا شمار ان لوگوں میں کرے۔ جو پروردگار عالم کے قضا و قدر کے خلاف کوئی خواہش نہیں رکھتے۔ یہ سُن کر امام حسین علیہ السلام خوش و مسرور ہو گئے اور فرمانے لگے بیٹا، تم نے بڑا مستر افزا اور معرفت خیز جواب دیا ہے تمہارا جواب بالکل حضرت ابراہیم کے جواب سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم کو جب منجیق میں رکھ کر آگ کی طرف پھینک دیا گیا تھا اور آپ فضا میں ہوتے ہوئے آگ کی طرف جا رہے تھے۔ تو حضرت جبریل نے آپ سے پوچھا تھا "ہل لک حاجتہ" آپ کی کوئی حاجت و خواہش ہے اُس وقت آنہوں نے جواب دیا تھا "نعم اما ایک فلا" بے شک مجھے حاجت ہے۔ لیکن تم سے نہیں اپنے پالنے والے سے ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۱۱ طبع ایران)۔

آپ کے ہمہ جیات کے بادشاہان وقت

آپ کی ولادت بادشاہ دین و ایمان حضرت علیؑ علیہ السلام کے عہد عصمت مہد میں ہوئی پھر امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا۔ پھر بنی اُمیہ کی خالص دنیاوی حکومت ہو گئی، صلح امام حسن کے بعد سے ۶۰ھ جم جم تک معاویہ بن ابی سفیان بادشاہ رہا۔ اُس کے بعد اُس کا ناستق و نائب بنیایزید ۶۲ھ جم جم تک حکمران رہا۔ ۶۳ھ جم جم میں معاویہ بن یزید ابن معاویہ اور مروان بن حکم حاکم رہے۔ ۶۶ھ جم جم سے ۷۰ھ جم جم تک عبد الملک بن مروان حاکم اور بادشاہ وقت رہا۔ پھر ۷۱ھ جم جم تک ولید بن عبد الملک نے حکمرانی کی اور اُس نے ۹۵ھ جم جم میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو زہر دغا سے شہید کر دیا۔ (تاریخ ائمہ ۳۹۲ و صواعق محرقة ص ۱۲۸ و نور الابصار ص ۱۲۸)۔

امام زین العابدینؑ کا عہد طفولیت اور حج بیت اللہ

عقلمند مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ابراہیم بن ادہم کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے جاتا ہوا تھا۔ قضاے حاجت کی خاطر قافلہ سے پیچھے رہ گیا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ایک نوعمر لڑکے کو اس جنگل میں سفر پیمایا دیکھا۔ اُسے دیکھ کر پھر ایسی حالت میں کہ وہ پیدل چل رہا تھا۔ اور اُس کے ساتھ کوئی سامان نہ تھا اور نہ اس کا کوئی ساتھی تھا، میں حیران ہو گیا اور فوراً اُس کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر واز ہوا۔ "عاجز ادے" یہ لقمہ و دق صحرا اور تم بالکل تنہا، یہ معاملہ کیا ہے، ذرا مجھے بتاؤ تو سہی کہ تمہارا زاد راہ اور تمہارا راہلہ کہاں ہے اور تم کہاں جا رہے ہو؟ اُس نے توخیر نے جواب دیا "زادی تقویٰ و راہلتی رجلائی و قصلی مسولائی" میرا زاد راہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں۔ اور میرا مقصود میرا پالنے والا ہے اور میں حج کے لیے جا رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ تو بالکل کمسن ہیں۔ حج تو ابھی آپ پر واجب نہیں ہے۔ اُس نے توخیر نے جواب دیا۔ بے شک تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن اسے شیخ میں دیکھا کرتا ہوں کہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے بچے بھی مر جاتے ہیں اس لیے حج کو ضروری سمجھتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس فریضہ کی ادائیگی سے پہلے مر جاؤں۔ میں نے پوچھا اے عاجز ادے تم نے کھانے کا کیا انتظام کیا ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارا ساتھ کھانے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے، اُس نے جواب دیا اے شیخ کیا جب تم کسی کے یہاں حمان جاتے ہو تو کھانا اپنے ہمراہ لے جاتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اُس نے فرمایا "کنو! میں تو خدا کا حمان ہو کر جا رہا ہوں۔ کھانے کا انتظام اُس کے ذمہ ہے۔ میں نے کہا اتنے لمبے سفر کو پیدل کیوں کر طے کرو گے۔ اُس نے جواب دیا کہ میرا کام کو شمش کرنا ہے اور خدا کا کام منزل مقصود

سبک پہنچانا ہے۔

ہم ایسی باہمی گفتگو ہی میں مصروف تھے کہ ناگاہ ایک خوب صورت جوان سفید لباس پہنے ہوئے آپہنچا اور اس نے اس فوج کو گلے سے لگالیا، یہ دیکھ کر میں نے اُس جوان رعنا سے دریافت کیا کہ یہ تو عمر فرزند کون ہیں؟ اُس نے جوان نے کہا کہ یہ حضرت امام زین العابدین بن امام حسین بن علی بن ابی طالب ہیں۔ یہ سن کر میں اُس جوان رعنا کے پاس سے امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت خواہی کے بعد اُن سے پوچھا کہ یہ خوب صورت جوان جنھوں نے آپ کو گلے سے لگایا یہ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر نبی ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ روزانہ ہماری زیارت کے لیے آیا کریں۔ اس کے بعد میں نے پھر سوال کیا اور کہا کہ آخر آپ اس طویل اور عظیم سفر کو بلا زاد اور راحلہ کیونکر طے کریں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں زاد اور راحلہ سب کچھ رکھتا ہوں اور وہ یہ چار چیزیں ہیں (۱) مونیہ اپنی تمام موجودات سمیت خدا کی مملکت ہے (۲) ساری مخلوق اللہ کے بندے اور غلام ہیں۔ (۳) اسباب اور ارزاق خدا کے ہاتھ میں ہیں (۴) قضائے خدا بر زمین میں نافذ ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا خدا کی قسم آپ ہی کا زاد و راحلہ صحیح طور پر مقدس ہستیوں کا سامان سفر ہے۔ (دومعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۷) علماء کا بیان ہے کہ آپ نے ساری عمر میں ۲۵ حج پا پیادہ کئے ہیں۔ آپ نے سواری پر جب بھی سفر کیا ہے اپنے جانور کو ایک کوڑا بھی نہیں مارا۔

آپ کا حلیہ مبارک | امام شبلیؒ لکھتے ہیں کہ آپ کا رنگ گندم گوں (سافولہ) اور قد میاں تھا۔ آپ نحیف اور لاغر قسم کے انسان تھے (ذوالاصباح)

۱۲۶ و اخبار الاول ص ۱۰۹ ملاحظہ فرماتے ہیں کہ آپ حسن و جمال، صورت و کمال میں نہایت ہی ممتاز تھے، آپ کے چہرہ مبارک پر جب کسی کی نظر پڑتی تھی تو وہ آپ کا احترام کرنے اور آپ کی تعظیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص ۱۹) محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ آپ صاف کپڑے پہنتے تھے اور جب راستہ چلتے تھے تو نہایت خشوع کے ساتھ راہ روی میں آپ کے ہاتھ زانو سے باہر نہیں جاتے تھے۔ (مطالب السؤل ص ۲۶ و ۲۷)۔

حضرت امام زین العابدینؑ کی شانِ عبادت

جس طرح آپ کی عبادت گزاری میں پیروی ناممکن ہے۔ اسی طرح آپ کی شانِ عبادت کی رقمطرازی بھی دشوار ہے۔ ایک وہ ہستی جس کا سطح نظر مہبود کی عبادت اور خالق کی معرفت میں استغراق کامل ہو اور جو اپنی حیات کا مقصد اطاعت خداوندی ہی کو سمجھتا ہو اور علم و معرفت میں حد درجہ کمال رکھتا ہو۔ اُس کی شانِ عبادت کو سطح قرطاس پر کیونکر لایا جاسکتا ہے اور زبانِ قلم

اس کی ترجمانی میں کس طرح کامیابی حاصل کر سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کی بے انتہا کاہش و کاوش کے باوجود آپ کی شانِ عبادت کا مظاہرہ نہیں ہو سکا۔ ”قد بلغ من العبادۃ ما لم یبلغ احدٌ“ آپ عبادت کی اُس منزل پر فائز تھے۔ جس پر کوئی بھی فائز نہیں ہوا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۹) اس سلسلہ میں اربابِ علم اور صاحبانِ قلم جو کچھ کہہ اور لکھ سکے ہیں اُن میں سے بعض واقعات و حالات یہ ہیں۔

آپ کی حالت و وضو کے وقت

وضو نماز کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتا ہے، اور اسی پر نماز کا دار و مدار ہوتا ہے، امام زین العابدین

علیہ السلام جس وقت مقدمہ نماز یعنی وضو کا ارادہ فرماتے تھے۔ آپ کے رگ و پے میں خوفِ خدا کے اثرات نمایاں ہو جاتے تھے۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کا قصد فرماتے تھے اور وضو کے لیے بیٹھتے تھے تو آپ کے چہرہ مبارک کا رنگ زرد ہو جاتا یا کزتا تھا۔ یہ حالت بار بار دیکھنے کے بعد اُن کے گھر والوں نے پوچھا کہ بوقتِ وضو آپ کے چہرہ کا رنگ زرد کیوں پڑ جاتا کرتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس وقت میرا تصور کامل اپنے خالق و معبود کی طرف ہوتا ہے۔ اُس لیے اُس کی جلالت کے رعب سے میرا یہ حال ہو جاتا ہے۔ (مطالب السؤل ص ۶۲)۔

عالم نماز میں آپ کی حالت

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کو عبادت گزاروں میں امتیاز کامل حاصل تھا۔ رات بھر جاگنے کی وجہ سے آپ کا سارا

بدن زرد رہا کرتا تھا اور خوفِ خدا میں روتے روتے آپ کی آنکھیں پھول جاتا کرتی تھیں اور نماز میں کھڑے کھڑے آپ کے پاؤں سوچ جاتا کرتے تھے۔ (اعلام الوری ص ۱۵۳) اور پیشانی پر گھٹے رہا کرتے تھے۔ اور آپ کی ناک کا سرا زہمی رہا کرتا تھا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۳۹) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جب آپ نماز کے ایسے مصلیٰ پر کھڑے ہوا کرتے تھے تو لرزہ بر اندام ہو جاتا کرتے تھے۔ لوگوں نے بدن میں پکیپی اور جسم میں تھر تھری کا سبب پوچھا تو ارشاد فرمایا کہ میں اُس وقت خدا کی بارگاہ میں ہوتا ہوں اور اُس کی جلالت مجھے از خود رفتہ کر دیتی اور مجھ پر ایسی حالت طاری کر دیتی ہے۔ (مطالب السؤل ص ۲۲۶) ایک مرتبہ آپ کے گھر میں آگ لگ گئی اور آپ نماز میں مشغول تھے۔ اہل محلہ اور گھر والوں نے بے حد شور مچایا اور حضرت کو پکارا۔ ”حضور آگ لگی ہوئی ہے“ مگر آپ نے سربنیز سجدہ بے نیاز سے نہ اٹھایا۔ آگ بجھا دی گئی۔ اختتام نماز پر لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور آگ کا معاملہ تھا۔ ہم نے اتنا شور مچایا۔ لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ . . . آپ نے ارشاد فرمایا ”ہاں“ مگر جہنم کی آگ کے ڈر سے نماز توڑ کر اُس آگ کی طرف توجہ نہ ہو سکا (شواہد النبوت ص ۱۱) علامہ شیخ صہبان مالکی لکھتے ہیں کہ جب آپ وضو کے لیے بیٹھتے تھے تب ہی

سے کا پٹ لگتے تھے اور جب تیز ہوا چلتی تھی تو آپ خوفِ خدا سے لاغر ہو جانے کی وجہ سے گر کر بیہوش ہو جایا کرتے تھے۔ (اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار ص ۲)

ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نماز شب سفر و حضر دونوں میں پڑھا کرتے تھے اور کبھی اُسے قضا نہیں ہونے دیتے تھے۔ (مطالب السؤل ص ۲۶۳) علامہ محمد باقر بحوالہ بحار الانوار تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ایک دن نماز میں مصروف و مشغول تھے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کنوئیں میں گر پڑے۔ بچہ کے گہرے کنوئیں میں گرنے سے ان کی ماں بے چین ہو کر رونے لگیں اور کنوئیں کے گرد پیٹ پیٹ کر چکر لگانے لگیں اور کہنے لگیں، ابن رسول اللہ محمد باقر غرق ہو گئے۔ امام زین العابدین نے بچے کے کنوئیں میں گرنے کی کوئی پرواہ نہ کی اور اطمینان سے نماز تمام زمانی اُس کے بعد آپ کنوئیں کے قریب آئے اور آکر پانی کی طرف دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر بلا رسی کے گہرے کنوئیں سے بچے کو نکال لیا۔ بچہ ہنسنا ہوا برآمد ہوا۔ قدرتِ خداوندی دیکھئے۔ اُس وقت بچے کے کپڑے بھیگے تھے اور نہ بدن تر تھا۔ (ومعہ ساکبہ ص ۳۳ مناقب جلد ۴ ص ۱۰۹)۔

امام شینبلی تحریر فرماتے ہیں کہ طاؤس راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب حجرِ اسود کے قریب جا کر دیکھا کہ امام زین العابدین بارگاہِ خالق میں مسلسل سجدہ ریزی کر رہے ہیں۔ میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے ایک سجدہ کو بے حد طول دے دیا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے کان لگا یا تو سنا کہ آپ سجدہ میں فرماتے ہیں: "عبدک یفنا ناک مسکینک یفنا ناک سائلک یفنا ناک فقیرک یفنا ناک" یہ سن کر میں نے بھی انہیں کلمات لے ذریعہ سے دُعا مانگنی شروع کر دی، فواللہ لہم۔ خدا کی قسم میں نے جب بھی ان کلمات کے ذریعہ سے دُعا مانگی فوراً قبول ہوئی (نور الابصار ص ۱۲۶ طبع مصر ارشاد متیفذ ۲۹۶)

امام زین العابدین کی شبانہ روز
ایک ہزار رکعتیں

شمارہ تھا۔ اسی لیے آپ کے اعضاء سجود "أخذت ببعیر" اونٹ کے گھٹے کی طرح ہو جایا کرتے تھے اور سال میں کئی مرتبہ کاٹے جاتے تھے۔ (الفرع النامی ص ۱۵۵ و ومعہ ساکبہ کشف الغمہ ص ۹) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ کے مقاماتِ سجود کے گھٹے سال میں دو بار کاٹے جاتے تھے اور ہر مرتبہ پانچ تہ نکلتی تھی۔ (بحار الانوار جلد ۲ ص ۳) علامہ میری مونس ابن عساکر کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ دمشق میں حضرت امام زین العابدین کے نام سے موسوم ایک مسجد ہے جسے "جامع دمشق" کہتے ہیں۔ (حیوۃ الحيوان جلد ۱ ص ۱۲۱)۔

امام زین العابدین علیہ السلام منصبِ امامت پر فائز ہونے سے پہلے

اگرچہ ہمارے عقیدہ ہے کہ امام بطینِ مادر سے امامت کی تمام صلاحیتوں سے بھرپور آتا ہے۔ تاہم فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری اسی وقت ہوتی ہے۔ جب وہ امام زمانہ کی حیثیت سے کام شروع کرے۔ یعنی ایسا وقت آجائے جب کائناتِ ارضی پر کوئی بھی اُس سے افضل و اعلم برتر و اکل نہ ہو، امام زین العابدین اگرچہ وقتِ ولادت ہی سے امام تھے۔ لیکن فرائض کی ادائیگی کی ذمہ داری آپ پر اُس وقت عائد ہوئی۔ جب آپ کے والد ماجد حضرت امام حسین علیہ السلام درجہ شہادت پر فائز ہو کر حیاتِ ظاہری سے شردوم ہو گئے۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۳۸ شعبان میں ہوئی جبکہ حضرت علی علیہ السلام امام زمانہ تھے۔ دو سال اُن کی ظاہری زندگی میں آپ نے حالتِ طفولیت میں ایامِ حیات گزارے۔ پچھتر شعبان ہجری تک امام حسن علیہ السلام کا زمانہ رہا۔ پھر عاشوراء تک امام حسین علیہ السلام نے فرائضِ امامت کی انجام دہی فرماتے رہے۔ عاشوراء کی دوپہر کے بعد سے ساری ذمہ داری آپ پر عائد ہو گئی۔ اس عظیم ذمہ داری سے قبل بے واقعات کا پتہ صراحت کے ساتھ نہیں ملتا۔ البتہ آپ کی عبادت گزار اور آپ کے اخلاقی کارنامے بعض کتابوں میں ملتے ہیں۔ بہر صورت حضرت علی علیہ السلام کے آخری ایامِ حیات کے واقعات اور امام حسن علیہ السلام کے حالات سے متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔ پھر امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تو ۲۲ - ۲۳ سال گزارے تھے۔ یقیناً امام حسین علیہ السلام کے جملہ معاملات میں آپ نے بڑے بیٹے کی حیثیت سے ساتھ دیا ہی ہو گا۔ لیکن مقصدِ حسین کے فروغ دینے میں آپ نے اپنے عہدِ امامت کے آغاز ہونے پر انتہائی کمال کر دیا۔

واقعہ کربلا کے سلسلہ میں امام زین العابدین کا سنا سنا کردار

۲۸ رجب شعبان کو آپ حضرت امام حسین کے ہمراہ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے چار ماہ قیام کے بعد وہاں سے روانہ ہو کر ۲ محرم الحرام کو وارد کربلا ہوئے، وہاں پہنچتے ہی یا پہنچنے سے پہلے آپ علیل ہو گئے اور آپ کی علالت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے وقت تک اس قابل نہ ہو سکے کہ میدان میں جا کر درجہ شہادت حاصل کرتے۔ تاہم پھر آپ نے جذباتِ نصرت کو بروئے کار لانے کی سعی کی۔ جب کوئی آوازِ استغاثہ کان کان میں آئی آپ اٹھ بیٹھے اور میدانِ کارزار میں شدتِ مرض کے باوجود جا پہنچنے کی سعی بلیغ کی، امام کے استغاثہ پر تو آپ خیمہ سے باہر بھی نکل آئے اور ایک چوب خیمہ کے کرمیدان کا عزم

کر دیا، ناگاہ امام حسین کی نظر آپ پر پڑ گئی اور انھوں نے جنگاہ سے لیتو لے حضرت زینب کو آواز دی۔ "بہن سید سجاد کو روکو ورنہ نسل رسول کا خاتمہ ہو جائے گا" حکم امام سے زینب نے سید سجاد کو میدان میں جانے سے روک لیا۔ یہی وجہ ہے کہ سیدوں کا وجود نظر آ رہا ہے۔ اگر امام زین العابدین علیہ السلام جو کہ شہید ہونے سے نہ بچ جاتے تو نسل رسول صرف امام محمد باقر میں محدود رہ جاتی۔ امام شیخی لکھتے ہیں کہ مرض اور علالت کی وجہ سے آپ درجہ شہادت پر فائز نہ ہو سکے۔ (نور الابصار ص ۲۶)۔

شہادت امام حسین کے بعد جب خیموں میں آگ لگائی گئی تو آپ انھیں خیموں میں سے ایک خیمہ میں بدستور پڑے ہوئے تھے۔ ہماری ہزار جاہیں قربان ہو جائیں۔ حضرت زینب پر کہ انھوں نے اہم فراتس کی ادائیگی کے سلسلہ میں سب سے پہلا فریضہ امام زین العابدین علیہ السلام کے تحفظ کا ادا فرمایا۔ اور امام کو بچایا۔ الخضر رات گزری اور صبح نمودار ہوئی، دشمنوں نے امام زین العابدین کو اس طرح جھنجھوڑا کہ آپ اپنی بیماری بھول گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ ناقروں پر سب کو سوار کرو اور ابن زیاد کے دربار میں چلو۔ سب کو سوار کرنے کے بعد آل محمد کا ساربان چھو پھیوں میںوں اور تمام محذرات کو لے ہوئے داخل دربار ہوا۔ حالت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے رستوں میں بندھے ہوئے اور امام کو پیٹے میں جکڑے ہوئے دربار میں پہنچ گئے۔ آپ چونکہ ناقہ کی برہنہ پشت پر بیٹھ سکتے تھے اس لیے آپ کے پیروں کو ناقہ کی پشت سے باندھ دیا گیا تھا۔ دربار کو فریضے داخل ہونے کے بعد آپ اور محذرات عصمت قید خانہ میں بند کر دیے گئے۔ سات روز کے بعد آپ سب کو لیے ہوئے شام کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۹ منزلیں طے کر کے تقریباً ۳۶ یوم میں وہاں پہنچے کامل بھائی میں ہے کہ ۱۶ ربیع الاول ۶۱ھ کو مدینہ کے دن آپ دمشق پہنچے ہیں۔ اللہ کے صبر امام زین العابدین یسوں اور چھو پھیوں کا ساتھ اور ب شکوہ پر سکوت کی گھر مدد و شام کا ایک واقعہ یہ ہے۔ کہ آپ کے ہاتھوں میں ہتھکڑی، پیروں میں بڑی اور گلے میں خار وار طوق آہنی پڑا ہوا تھا۔ اس پرستنداد یہ کہ لوگ آپ پر آگ برسا رہے تھے۔ اسی لیے آپ نے بعد واقعہ کر بلا ایک سوال کے جواب میں "الشام الشام الشام" فرمایا تھا۔ (تحفہ حسینینہ علامہ بسطامی) شام پہنچنے کے کسی گھنٹوں یا دنوں کے بعد آپ آل محمد کو لیے ہوئے سہارے شہدار بیت داخل دربار ہوئے۔ پھر قید خانہ میں بند کر دیے گئے۔ تقریباً ایک سال قید کی مشقتیں چھیلیں

قید خانہ بھی ایسا تھا کہ جس میں تمام آفتابی کی وجہ سے ان لوگوں کے چہروں کی کھالیں متغیر ہو گئی تھیں۔ (لوف) مدت قید کے بعد آپ سب کو لیے ہوئے ۲۰ صفر ۶۱ھ کو وارد کر بلا ہوئے۔ آپ کے ہمراہ حسین بھی کر دیا گیا تھا۔ آپ نے اسے اپنے پدر بزرگوار کے جسم مبارک سے ملحق کیا (ناسخ تواریخ) ۸ ربیع الاول ۶۱ھ

کو آپ امام حسینؑ کا ٹٹا ہوا قافلہ لئے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے، وہاں کے لوگوں نے آہ و گریہ اور کمال رنج و غم سے آپ کا استقبال کیا۔ ۱۵ شبانہ دروازہ نوحہ و ماتم ہوتا رہا۔ (تفصیلی واقعات کے لیے کتب مقاتل و سیر ملاحظہ کی جائیں۔)

اس عظیم واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ زینب کے بال اس طرح سفید ہو گئے تھے کہ جاننے والے انھیں پہچان نہ سکے۔ (احسن القصص ص ۱۸۲ طبع نجف) رباب نے سایہ میں بیٹھنا چھوڑ دیا۔ امام زین العابدینؑ تا حیات گریہ فرماتے رہے۔ (جلال العیون ص ۲۵۶) اہل مدینہ یزید کی بیعت سے علیحدہ ہو کر باغی ہو گئے بالآخر واقعہ حرہ کی نوبت آگئی۔

واقعہ کربلا اور حضرت امام زین العابدینؑ کے خطبات

معرکہ کربلا کی غم آئین داستان تاریخ اسلام ہی نہیں تاریخ عالم کا انور سناک سا لمحہ ہے۔ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اقل سے آخر تک اس ہوش ربا اور روح فرسا واقعہ میں اپنے باپ کے ساتھ رہے اور باپ کی شہادت کے بعد خود اس المیرہ کے سر پر بیٹے اور پھر جب تک زندہ رہے اس سائبر کا ماتم کرتے رہے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کا یہ اندوہناک حادثہ جس میں ۱۸ بنی ہاشم اور بہتر اصحاب و انصار کام گئے۔ حضرت امام زین العابدین کو مدت العمر گھلاتا رہا اور مرتے دم تک اس کی یاد فراموش نہ ہوئی اور اس کا صدمہ جانکاہ دور نہ ہوا، آپ یوں تو اس واقعہ کے بعد تقریباً چالیس سال زندہ رہے۔ مگر لطف زندگی سے محروم رہے اور کسی نے آپ کو لباش اور فرحناک نہ دیکھا، اس جانکاہ واقعہ کربلا کے سلسلہ میں آپ نے جو جاہجاہ خطبات ارشاد فرمائے ہیں ان کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

کتاب لہوف ص ۱۱ میں ہے کہ کوفہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدینؑ نے لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سب خاموش ہو گئے، آپ

کوفہ میں آپ کا خطبہ

کہہ رہے ہوئے خدا کی حمد و ثنا کی۔ حضرت نبی صلعم کا ذکر کیا۔ ان پر صلوة بھیجی۔ پھر ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! جو مجھے پہچانتا ہے وہ تو پہچانتا ہی ہے۔ جو نہیں پہچانتا اُسے میں بتاتا ہوں۔ میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی جس کا سامان لوٹ لیا گیا۔ جس کے اہل و عیال قید کر دیئے گئے۔ میں اس کا فرزند ہوں جو ساحل فرات پر فرج کر دیا گیا، اور بغیر کفن و دفن چھوڑ دیا گیا اور (شہادت حسینؑ) ہمارے فخر کے لیے کافی ہے۔ اے لوگو! میں تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں ذرا سوچو! تم نے ہی میرے پدر بزرگوار کو خط لکھا اور پھر تم نے ہی ان کو دھوکا دیا۔ تم نے ہی ان کے ساتھ عہد و پیمانہ کیا اور ان کی بیعت کی اور پھر تم نے ہی ان کو شہید کر دیا۔ تمھارا برا ہو کہ تم نے اپنے لیے ہلاکت کا سامان متیا کر لیا، تمھاری برائیاں کس قدر بری ہیں۔ تم کن آنکھوں سے رسول اللہ صلعم کو دیکھو گے۔ جب رسول صلعم

تم سے باز پرس کریں گے کہ تم لوگوں نے میری عزت کو قتل کیا۔ اور میرے اہل حرم کو ذلیل کیا۔ اس لیے تم میری امت میں نہیں۔“

مسجد و مشرق (شام) میں آپ کا خطبہ

مقتل ابی مخنف ص ۱۳۵، بحار الانوار جلد ۱۰
ص ۲۳۳، ریاض القدس جلد ۲ ص ۲۷۸ اور

روضۃ الاحباب وغیرہ میں ہے کہ جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اہل حرم سمیت دربارِ یزید میں داخل کئے گئے اور ان کو نمبر پر جانے کا موقع ملا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے اور انبیاء کی طرح شیریں زبان میں نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم میں سے جو مجھے پہچانتا ہے۔ وہ تو پہچانتا ہی ہے، اور جو نہیں پہچانتا میں اسے بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ سنو، میں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جس نے حج کئے ہیں اُس کا فرزند ہوں جس نے طواف کعبہ کیا ہے اور سعی کی ہے، میں پسرِ نرم و صفا ہوں، میں فرزندِ فاطمہ زہرا ہوں، میں اس کا فرزند جو پس گردن سے فرج کیا گیا۔ میں اُس پیاسے کا فرزند ہوں جو پیاسا ہی دُنیا سے اٹھا، میں اُس کا فرزند ہوں جس پر لوگوں نے پانی بند کر دیا۔ حالانکہ تمام مخلوقات پر پانی کو اجازت قرار دیا۔ میں محمد مصطفیٰ صلعم کا فرزند ہوں، میں اس کا فرزند ہوں جو کربلا میں شہید کیا گیا، میں اس کا فرزند ہوں جس کے انصارِ زمین میں آرام کی نعمت سونگئے۔ میں اس کا پسر ہوں جس کے اہل حرم قید کر دیئے گئے میں اُس کا فرزند ہوں جس کے بچے بغیر حرم و خطا فرج کر ڈالے گئے۔ میں اُس کا بیٹا ہوں جس کے ٹھنوں میں آگ لگا دی گئی، میں اُس کا فرزند ہوں جو زمین کربلا پر شہید کر دیا گیا، میں اُس کا فرزند ہوں جس کو نہ غسل دیا گیا اور نہ کفن۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کا سر لوک نیزہ پر بلند کیا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کی کربلا میں بے حرمتی کی گئی۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کا جسم زمین کربلا پر چھوڑ دیا گیا اور سر دوسرے مقامات پر لوک نیزہ پر بلند کر کے پھرایا گیا۔ میں اُس کا فرزند ہوں جس کے ارد گرد سوائے دشمن کے کوئی اور نہ تھا۔ میں اس کا فرزند ہوں جس کے اہل حرم کو قید کر کے شام تک پھرایا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جو بے یار و مددگار تھا۔ پھر۔ امام علیہ السلام نے فرمایا۔ لوگو! خدا نے تم کو پانچ چیزوں سے فضیلت بخشی ہے۔ (۱) خدا کی قسم ہمارے ہی گھر میں فرشتوں کی آمد و رفت رہی اور ہم ہی معدنِ نبوت و رسالت ہیں (۲) ہماری ہی شان میں قرآن کی آیتیں نازل کیں، اور ہم نے لوگوں کی ہدایت کی (۳) شجاعت ہمارے ہی گھر کی کینز ہے، ہم کبھی کسی کی قوت و طاقت سے نہیں ڈرے اور فصاحت ہمارا ہی حصہ ہے، جب فصحاء و فخر و مباحث کریں (۴) ہم ہی صلواتِ مستقیمہ اور ہدایت کا مرکز ہیں اور اس کے لیے علم کا سرچشمہ ہیں جو علم حاصل کرنا چاہے اور دنیا کے مومنین کے دلوں میں ہماری محبت ہے (۵) ہمارے ہی مرتبے آسمانوں اور زمینوں میں بلند ہیں۔ اگر ہم نہ ہوتے تو خدا

دُنیا کو پیدا ہی نہ کرنا، ہر فخر ہمارے فخر کے سامنے پست ہے۔ ہمارے دوست (روزِ قیامت) سیر ہو جائیں گے اور ہمارے دشمن روزِ قیامت بدبختی میں ہوں گے۔ جب لوگوں نے امام زین العابدینؑ کا کلام سنا تو چیخ مار کر رونے اور پیٹنے لگے اور اُن کی آوازیں بے ساختہ بلند ہونے لگیں یہ حال دیکھ کر یزید گھبرا اٹھا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس کے ردِ عمل میں فوراً مؤذن کو حکم دیا کہ اذان شروع کر کے امام کے خطبہ کو منقطع کر دے، مؤذن (گلدستہ اذان پڑھی) اور کہا "اللہ اکبر" خدا کی ذات سب سے بزرگ و برتر ہے، امام نے فرمایا تو نے ایک بڑی ذات کی بڑائی بیان کی اور ایک عظیم الشان ذات کی عظمت کا اظہار کیا اور جو کچھ کہا "سچی" کہا۔ پھر مؤذن نے کہا اشلہلان **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ** میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، امام نے فرمایا میں بھی اس مقصد کی ہر گواہ کے ساتھ گواہی دیتا ہوں اور ہر انکار کرنے والے کے خلاف اقرار کرتا ہوں۔ پھر مؤذن نے کہا "اشلہلان مُحَمَّدًا رَسُوْلَ اللّٰهِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں، فیکلی علی، یہ سن کر حضرت علی بن الحسین روپڑے اور فرمایا اے یزید میں تجھ سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں "بتا" حضرت محمد میرے نانا تھے یا تیرے۔ یزید نے کہا آپ کے آپ نے فرمایا، پھر کیوں تو نے اُن کے اہلبیت کو شہید کیا۔ یزید نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنے محل میں یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ "لا حاجتالی بالصلوٰۃ" مجھے نماز سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس کے بعد منہال بن عمر کھڑے ہو گئے اور کہا فرزندِ رسول آپ کا کیا حال ہے، فرمایا اے منہال ایسے شخص کا کیا حال پوچھتے ہو جس کا باپ (نہایت بے دردی سے) شہید کر دیا گیا ہو، جس کے مددگار ختم کر دیئے گئے ہوں۔ جو اپنے چاروں طرف اپنے اہل حرم کو قیدی دیکھ رہا ہو۔ جن کا نہ پردہ رہ گیا نہ چادریں رہ گئیں، جن کا نہ کوئی مددگار ہے نہ حامی، تم تو دیکھ ہی رہے ہو کہ میں مقید ہوں، ذلیل و دروسا کیا گیا ہوں، نہ کوئی میرا ناصر ہے نہ مددگار، میں اور میرے اہل بیت لباسِ کندی میں لبوس ہیں، ہم پر نئے لباسِ حرام کر دیئے گئے ہیں۔ اب جو تم میرا حال پوچھتے ہو تو میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم دیکھ ہی رہے ہو، ہمارے دشمن ہمیں برا بھلا کہتے ہیں اور ہم صبح و شام موت کا انتظار کرتے ہیں۔ پھر زبایا عرب و عجم اس پر فخر کرتے ہیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ان میں سے تھے۔ اور قریش عرب پر اس لیے فخر کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم قریش میں سے تھے اور ہم ان کے اہل بیت ہیں لیکن ہم کو قتل کیا گیا۔ ہم پر ظلم کیا گیا۔ ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے اور ہم کو قید کر کے در بدر پھیرا گیا۔ گویا ہمارا حسب بہت گرا ہوا ہے اور ہمارا نسب بہت ذلیل ہے۔ گویا ہم عزت کی بلندیوں پر نہیں چڑھے اور بزرگیوں کے فرش پر جلوہ افروز نہیں ہوئے۔ آج گویا تمام ممالک یزید اور اس کے لشکر کا ہو گیا اور آلِ مصطفیٰ اصلمع یزید کی ادنیٰ غلام ہو گئی ہے، یہ سنا تھا کہ ہر طرف سے رونے

پہننے کی صدائیں بلند ہوئیں، یزید بہت خائف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے اس نے اس شخص سے کہا جس نے امام کو منبر پر تشریف لے جانے کے لیے کہا تھا، ”وہیچک اسرت بصعود زوال ملک“ تیرا برا ہو تو ان کو منبر پر بٹھا کر میری سلطنت ختم کرنا چاہتا ہے۔ اس نے جواب دیا، بخدا میں یہ نہ جانتا تھا کہ یہ لڑاکا اتنی بلند گفتگو کرے گا۔ یزید نے کہا ”کی تو نہیں جانتا کہ یہ اہمیت نبوت اور حدیث رسالت کی ایک فرد ہے، یہ سن کر مؤذن سے نہ رہا گیا اور اس نے کہا کہ اسے یزید“ اذا كان كذلك فلما قلت اباه“ جب تو یہ جانتا تھا تو تو نے ان کے پدر بزرگوار کو کیوں شہید کیا۔ مؤذن کی گفتگو سن کر یزید برہم ہو گیا ”نام بھنرب عنقہ“۔ اور مؤذن کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا۔

میدنہ کے قریب پہنچ کر آپ کا خطبہ | مقتل ابی عقیق مدینہ میں ہے (ایک سال تک قید خانہ شام کی صعوبت برداشت کرنے کے بعد جب ان

رسول کی رہائی ہوئی اور یہ قافلہ کربلا پہنچا ہوا مدینہ کی طرف چلا تو قریب مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام نے لوگوں کو خاموش ہو جانے کا اشارہ کیا۔ سب کے سب خاموش ہو گئے۔ آپ نے فرمایا۔

ہم اس خدا کی جو تمام دنیا کا پروردگار ہے، روزِ جزا کا مالک ہے، تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے جو اتنا دور ہے کہ بلند آسمان سے بھی بلند ہے اور اتنا قریب ہے کہ سامنے موجود ہے اور ہماری باتوں کو سنتا ہے۔ ہم خدا کی تعریف کرتے ہیں اور اس کا شکر بجالاتے ہیں عظیم حادثوں، زمانے کی ہولناکیوں، دردناک غموں، خطرناک آفتوں، شدید تکلیفوں اور قلب و جگر کو ہلا دینے والی مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت اے لوگو! خدا اور صرف خدا کے لیے حمد ہے، ہم بڑے بڑے مصائب میں مبتلا کئے گئے، دیوارِ اسلام میں بہت بڑا رخنہ (شکاف) پڑ گیا، حضرت ابو عبد اللہ

الحسین اور ان کے اہل بیت شہید کر دیئے گئے، ان کی عزتیں اور بچے قید کر دیئے گئے اور (شکر یزید نے) ان کے سر ہاتے مبارک کو بلند نیروں پر رکھ کر شہروں میں پھرایا، یہ وہ مصیبت ہے جس کے برابر کوئی مصیبت نہیں۔ اے لوگو! تم میں سے کون مدہ ہے جو شہادتِ حسین کے بعد خوش ہے یا کونسا دل ہے جو شہادتِ حسین سے غمگین نہ ہو یا کونسی آنکھ ہے جو آنسوؤں کو روک سکے۔ شہادتِ حسین پر سائوں آسمان روتے۔ سمندر اور اس کی موجیں رویں، آسمان اور اس کے ارکان روتے۔ زمین اور اس کے اطراف روتے۔ درخت اور اس کی شاخیں رویں، پھلیاں اور مندے کے گرواب روتے۔ ملائکہ مقربین اور تمام آسمان والے روتے، اے لوگو! کون سا قلب ہے جو شہادتِ حسین کی خبر سن کر نہ پھٹ جائے، کونسا قلب ہے جو محزون نہ ہو، کونسا کان ہے جو اس مصیبت کو سن کر جس سے دیوارِ اسلام میں رخنہ پڑا۔ بہرہ نہ ہو۔ اے لوگو! ہماری یہ حالت تھی کہ ہم کشاں کشاں پھراتے جاتے تھے، در بدر ٹھکراتے جاتے تھے۔ ذلیل کئے گئے شہروں سے دور تھے، گریا ہم کو

اولاد ترک و کابل سمجھ لیا گیا تھا۔ حالانکہ نہ ہم نے کوئی جرم کیا تھا نہ کسی بُرائی کا ارتکاب کیا تھا نہ دیوار اسلام میں کوئی رخنہ ڈالا تھا اور نہ ان چیزوں کے خلاف کیا تھا جو ہم نے اپنے اباؤ اجداد سے سنا تھا، خدا کی قسم اگر حضرت نبی بھی ان لوگوں (لشکرِ یزید) کو ہم سے جنگ کرنے کے لیے منع کرتے (تو یہ نہ مانتے) جیسا کہ حضرت نبی نے ہماری وصایت کا اعلان کیا (اور ان لوگوں نے نہ مانا) بلکہ جتنا انھوں نے کیا ہے اس سے زیادہ سلوک کرتے، ہم خدا کے لیے ہیں اور خدا کی طرف ہماری بازگشت ہے۔

روضة رسول پر امام علیہ السلام کی فریاد

مقتل ابی مخنف ۳۳۱ھ میں ہے کہ جب یہ ظاہر ہوا

تافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت ام کلثوم گریہ و بکا کرتی ہوئی مسجد نبوی میں داخل ہوئیں اور عرض کی، اے نانا آپ پر میرا سلام ہو، اتنی ناعیۃ الیک ولدک الحسین۔ میں آپ کو آپ کے فرزند حسین کی خبر شہادت سناتی ہوں، یہ کہنا تھا کہ قبر رسول سے گریہ کی صدا بلند ہوئی اور تمام لوگ رونے لگے۔ پھر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے نانا کی قبر مبارک پر تشریف لائے اور اپنے رُخسار قبر مطہر سے رگڑتے ہوئے فریاد کرنے لگے۔

اناجیک یا جلہ یا خیر مرسل حییک مقتول و نسکک هنا شاع

اناجیک فخر و ناعلیک موجلاً آسیراً و مالی حامیا و مدافع

سیناکما تسبی الاماء و مسنا من الضرما لا تختملہ الاصابع

(ترجمہ) میں آپ سے فریاد کرتا ہوں اے نانا۔ اے تمام رسولوں میں سب سے بہتر، آپ کا محبوب "حسین" شہید کر دیا گیا اور آپ کی نسل تباہ برباد کر دی گئی، اے نانا میں رنج و غم کا مارا آپ سے فریاد کرتا ہوں مجھے قید کیا گیا۔ میرا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ اے نانا ہم سب کو اس طرح قید کیا گیا۔ جس طرح (لاوارث) کینڑوں کو قید کیا جاتا ہے۔ اے نانا ہم پر اتنے مصائب ڈھائے گئے جو آنکھوں پر گئے نہیں جاسکتے۔

امام زین العابدین اور خاکِ شفا

مصباح المتہجد میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس ایک کپڑے میں بندھی ہوئی تھوڑی سی خاکِ شفا رہا کرتی تھی۔ (مناقب جلد ۲ ص ۲۱۹ طبع متان) حضرت کے ہمراہ خاکِ شفا رہا ہمیشہ رہنا میں حال سے خالی نہ تھا یا اُسے تبرک رکھتے تھے یا اُس پر نمازیں سجدہ کرتے تھے یا اُسے بحیثیت محافظ رکھتے تھے اور لوگوں کو یہ بتانا مقصود رہتا تھا کہ جس کے پاس خاکِ شفا ہو وہ بکلمہ مصائب و آلام سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اُس کا مال چوری نہیں ہوتا جیسا کہ احادیث سے واضح ہے۔

امام زین العابدین اور محمد حنفیہ کے درمیان حجِ اسود کا فیصلہ

اگل محمد کے مدینہ پہنچنے کے بعد امام زین العابدین کے چچا محمد حنفیہ نے بروایت اہل اسلام امام سے خواہش کی کہ مجھے تبرکاتِ امامت دے دو، کیونکہ میں بزرگ

خانداں اور امامت کا اہل و مستحق ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حجرِ اسود کے پاس چلو وہ فیصلہ کر دے گا۔ جب یہ حضرات اُس کے پاس پہنچے تو وہ مجھ سے دعا لیا اور بولا۔ "امامت زین العابدین کا حق ہے" اس فیصلہ کو دونوں نے تسلیم کر لیا۔ (شواہد النبوت ص ۱۷۷)

کامل مبرو میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد سے محمد حنفیہ امام زین العابدین کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک دن ابو خالد کابلی نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو کہا کہ حجرِ اسود نے خلافت کا ان کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور یہ امامِ زمانہ ہیں یہ مُسکر وہ مذہبِ امامیہ کا قائل ہو گیا۔ (مناقب جلد ۲ ص ۳۲۶)۔

شہوتِ امامت میں امام زین العابدین کا کنکری پر مہر فرمانا

اصول کافی میں ہے کہ ایک عورت جس کی عمر ۱۱۳ سال کی ہو چکی تھی۔ ایک دن امام زین العابدین کے پاس آئی اس کے پاس

وہ کنکری تھی جس پر حضرت علی امام حسن امام حسین کی مہر امامت لگی ہوئی تھی۔ اُس کے آتے ہی بلا کے ہوئے آپ نے فرمایا کہ وہ کنکری لا جس پر میرے آبار و اجداد کی مہریں لگی ہوئی ہیں اُس پر میں بھی مہر کر دوں۔ چنانچہ اُس نے کنکری دے دی۔ آپ نے اُسے مہر کر کے واپس کر دی، اور اس کی جوانی بھی پلٹا دی، وہ خوش و خرم واپس چلی گئی (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۲۳۶)۔

واقعہ حمرہ اور امام زین العابدین علیہ السلام

مستند تواریخ میں ہے کہ کربلا کے بے گناہ قتل نے اسلام میں ایک تنہا ڈال دیا۔ خصوصاً ایران میں ایک قوی جوش پیدا کر دیا۔ جس نے بعد میں بنی عباس کو بنی امیہ کے غارت کرنے میں بڑی مدد دی۔ چونکہ یزید تارک الصلوٰۃ اور شراب الخمر پیتا تھا اور بیٹی بہن سے نکاح کرتا اور کتوں سے کھیلتا تھا، اس کی طمانہ حرکتوں اور امام حسین کے شہید کرنے سے مدینہ میں اس قدر جوش پھیلا کہ ۱۲ھ میں اہل مدینہ نے یزید کی معضی کا اعلان کر دیا اور عبد اللہ بن حنظلہ کو اپنا سردار بنا کر یزید کے گورنر عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو مدینہ سے نکال دیا۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ غیسل الملائکہ (حنظلہ) کہتے ہیں کہ ہم نے اُس وقت تک یزید کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ جب تک ہمیں یہ یقین نہیں ہو گیا کہ آسمان سے پتھر برس پڑیں گے غضب ہے کہ لوگ

ہاں بہنوں اور بیٹیوں سے نکاح کریں۔ علانیہ شراہیں پیئیں اور نماز چھوڑ بیٹھیں۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو جو خونریزی کی کثرت کے سبب "مُسْرَف" کے نام سے مشہور ہے، فوج کشی کے لیے اہل مدینہ کی سرکوبی کو روانہ کیا۔ اہل مدینہ نے باب الطیبہ کے قریب مقام "حرہ" پر شامیوں کا مقابلہ کیا۔ گھمسان کا رن پڑا، مسلمانوں کی تعداد شامیوں سے بہت کم تھی باوجودیکہ انہوں نے داد مروا لگی دی۔ مگر آخر شکست کھائی، مدینہ کے چیدہ چیدہ بہادر رسول اللہ کے بڑے بڑے صحابی انصار و ہاجر اس ہنگامہ آفت میں شہید ہوئے، شامی شہر میں گھس گئے۔ مہرات کو ان کی زینت و آرائش کی خاطر سمار کر دیا، ہزاروں عورتوں سے بدکاری کی ہزاروں بارہ لڑکیوں کا ان کا بھارت کر ڈالا، شہر کو لوٹ لیا۔ تین دن قتل عام کرایا، دس ہزار سے زائد باشندگان مدینہ جن میں سات سو ہاجر و انصار اور اتنے ہی حاطان و حافظان قرآن و علمار و صلحا و محارث تھے اس واقعہ میں مقتول ہوئے ہزاروں لڑکے لڑکیاں غلام بنائی گئیں اور باقی لوگوں سے بشرط قبول غلامی یزید کی بیعت لی گئی، مسجد نبوی اور حضرت کے حرم محترم میں گھوڑے بندھوائے گئے۔ یہاں تک کہ لید کے انبار لگ گئے۔ یہ واقعہ جو تاریخ اسلام میں واقعہ حرہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۲۷ ذی الحجہ ۶۳ھ کو ہوا تھا۔ اس واقعہ پر مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ کفر و بت پرستی نے پھر غلبہ پایا۔ ایک فرنگی تو رنج لکھتا ہے کہ کفر کا دوبارہ جنم لینا اسلام کے لیے سخت خوفناک اور تباہی بخش ثابت ہوا۔ لیکہ تمام مدینہ کو یزید کا غلام بنا لیا گیا۔ جس نے انکار کیا اس کا سر اتار لیا گیا، اس رسوائی سے صرف دو آدمی بچے "علی بن الحسین اور علی بن عبد اللہ ابن عباس۔" ان سے یزید کی بیعت بھی نہیں لی گئی۔ مدارس شفا خانے اور دیگر رفاہ عام کی عمارتیں جو خلفاء کے زمانہ میں بنائی گئی تھیں یا تو بند کر دی گئیں۔ یا سمار اور عرب پھر ایک ویرانہ بن گیا۔ اس کے چند مدت بعد علی بن الحسین کے پوتے جعفر صادقؑ نے اپنے جد امجد علی مرتضیٰ کا مکتب خانہ پھر مدینہ میں جاری کیا۔ مگر یہ صحرا میں صرف ایک ہی سچا شغلستان تھا۔ اس کے چاروں طرف ظلمت و ضلالت چھائی ہوئی تھی۔ مدینہ پھر بھی نہ سفینہ صلا۔ بنی امیہ کے عہد میں مدینہ ایسی اجڑی بستی ہو گیا کہ جب منصور عباسی زیارت کو مدینہ آیا۔ تو اسے ایک رہنما کی ضرورت پڑی۔ جو اس کو وہ مکانات بتائے جہاں ابتدائی زمانہ کے بزرگان اسلام رہا کرتے تھے۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۶، تاریخ الالفجار جلد ۱ ص ۱۹ تاریخ مخبری ص ۵۶، تاریخ کامل جلد ۲ ص ۲۹ صواعق محرقة ص ۱۳۲)

واقعہ حرہ اور آپ کی قیام گاہ

تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ایک چھوٹی سی جگہ "منبع" نامی تھی جہاں کھیتی باڑی کا کام ہوتا تھا۔ واقعہ حرہ کے موقع پر آپ شہر مدینہ سے نکل کر اپنے گاؤں چلے گئے تھے۔ (تاریخ کامل جلد ۲ ص ۵۶) یہی

جگہ ہے۔ جہاں حضرت علی خلیفہ عثمان کے عہد میں قیام پذیر تھے۔ (عقد فرید جلد ۲ ص ۲۱۶)۔

خاناندانی دشمن مروان کے ساتھ
آپ کی کرم گوستری

کی نظر میری طرف سے بھی پھری ہوئی ہے۔ میں جان اور عورتوں کی بے حرمتی سے ڈرتا ہوں۔ انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اُس وقت وہ امام زین العابدین کے پاس آیا اور اُس نے اپنی اور اپنے بچوں کی تباہی و بربادی کا حوالہ دے کر حفاظت کی درخواست کی حضرت نے یہ خیال کے بغیر کہ یہ خاناندانی ہمارا دشمن ہے اور اس نے واقعہ کربلا کے سلسلہ میں پوری دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ نے فرما دیا بہتر ہے کہ اپنے بچوں کو میرے پاس بمقام منبع بھیجو، جہاں میرے بچے رہیں گے تھارے بھی رہیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے بال بچوں کو جن میں حضرت عثمان کی بیٹی عاتشہ بھی تھیں آپ کے پاس پہنچا گیا اور آپ نے سب کی مکمل حفاظت فرمائی۔ (تاریخ کامل جلد ۳ ص ۲۵)۔

امام زین العابدین اور مسلم بن عقیقہ
علامہ سعودی لکھتے ہیں کہ مدینہ کے ان بھگامی حالات

عیدہ السلام کو بلا بھیجا۔ ابھی وہ پہنچے نہ تھے کہ اُس نے اپنے پاس کے بیٹھنے والوں سے آپ کی اور آپ کے خاندان کی بُرائی شروع کی اور نہ جانے کیا کیا کد ڈالا۔ لیکن اللہ سے آپ کا رعب و جلال کہ جو نہی آپ اُس کے پاس پہنچے وہ بسر و قدر تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بات چیت کے بعد جب آپ واپس تشریف لے گئے تو کسی نے مسلم سے کہا کہ تو نے اتنی شاندار تعظیم کیوں کی اُس نے جواب دیا، میں نے قصداً و ارادتاً ایسا نہیں کیا بلکہ اُن کے رعب و جلال کی وجہ سے مجبوراً ایسا کیا ہے۔ (مروج الذهب سعودی بر حاشیہ تاریخ کامل جلد ۶ ص ۲۸)۔

امام زین العابدین سے بیعت کا
سوال نہ کرنے کی وجہ

عیدہ السلام بیعت نہ کرنے کے باوجود محفوظ رہے، بلکہ اُسے یوں کہا جائے کہ آپ سے بیعت طلب ہی نہیں کی گئی۔ علامہ جلال الدین حسینی مصری اپنی کتاب "الحسین" میں لکھتے ہیں کہ نزدیک حکم تھا کہ سب سے بیعت لینا لیکن علی بن الحسین کو نہ چھیڑنا در نہ وہ بھی سوال بیعت پر حسینی کو درپیش کریں گے اور ایک نیا بندگامہ کھڑا ہو جائے گا۔

دشمن انہی حسین بن نمیر کے ساتھ آپ کی کرم نوازی

مدینہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد سلم بن عقبہ ابتدائے
سلسلہ میں مدینہ سے مکہ کو روانہ ہو گیا۔ اتفاقاً راہ
میں بیمار ہو کر وہ گمراہ راہی جہنم ہو گیا، مرتے وقت
اُس نے حسین بن نمیر کو اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ اُس نے وہاں پہنچ کر خانہ کعبہ پر سنگ باری کی
اور اُس میں آگ لگا دی، اُس کے بعد مکمل محاصرہ کر کے بعد اللہ ابن نمیر کو قتل کرنا چاہا۔ اس معاملہ
کو چالیس دن گزرے تھے کہ یزید پلید واصل جہنم ہو گیا۔ اُس کے مرنے کی خبر سے ابن نمیر نے
غلبہ حاصل کر لیا اور یہ وہاں سے بھاگ کر مدینہ جا پہنچا۔

مدینہ کے دوران قیام میں اس ملعون نے ایک دن بوقتِ شب چند سواروں کو لے کر فوج
کے غذائی سامان کی فراہمی کے لیے ایک گاؤں کی راہ پکڑی۔ راستہ میں اُس کی ملاقات حضرت امام
زین العابدین سے ہو گئی، آپ کے ہمراہ کچھ اونٹ تھے جن پر غذائی سامان لدا ہوا تھا۔ اُس نے
آپ سے وہ غلہ خریدنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تجھے ضرورت سے تو یونہی لے لے ہم اسے فروخت
نہیں کر سکتے، کیونکہ میں اسے فقرا مدینہ کے لیے لایا ہوں، اُس نے پوچھا کہ آپ کا نام کیا ہے۔
آپ نے فرمایا مجھے "علی بن الحسین" کہتے ہیں۔ پھر آپ نے اُس سے نام دریافت کیا تو اس نے
کہا میں حسین بن نمیر ہوں۔ اللہ سے، آپ کی کرم نوازی، آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ
میرے باپ کے قاتلوں میں سے ہے اسے سارا غلہ مفت دے دیا اور فقرا کے لیے دوسرا
بندوبست فرمایا، اُس نے جب آپ کی یہ کرم گستری دیکھی اور اچھی طرح پہچان بھی لیا تو کہنے
لگا کہ یزید کا انتقال ہو چکا ہے۔ آپ سے زیادہ مستحقِ خلافت کوئی نہیں۔ آپ میرے ساتھ
تشریف لے چلیں۔ میں آپ کو تختِ خلافت پر بٹھا دوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ میں خداوندِ عالم سے
عہد کر چکا ہوں کہ ظاہری خلافت قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر آپ اپنے دولت سرا کو تشریف لے
گئے۔ (تاریخ طبری فارسی ص ۲۲۳)۔

امام زین العابدین اور فقرا مدینہ کی کفالت

علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام
فقرا مدینہ کے تنوگھروں کی کفالت فرماتے تھے اور سارا سامان
اُن کے گھر پہنچایا کرتے تھے۔ اُن میں بہت زیادہ ایسے

گھرانے تھے جنہیں آپ یہ بھی معلوم نہ ہونے دیتے تھے کہ یہ سامان خورد و نوش رات کو کون دے
جاتا ہے۔ آپ کا اصول یہ تھا کہ بوریاں پشت پر لا کر گھروں میں روٹی اور آٹا وغیرہ پہنچاتے
تھے اور یہ سلسلہ تباہیات جاری رہا بعض معتز زین کا کہنا ہے کہ ہم نے اہل مدینہ کو یہ
کہتے ہوئے سنا ہے کہ امام زین العابدین کی زندگی تک ہم خفیہ غذائی رسد سے محروم نہیں ہوئے۔

(مطالب السؤل صفحہ ۲۶۵ نور الابصار ص ۱۲۶)۔

حضرت امام زین العابدین اور زراعت

احادیث میں ہے کہ زراعت و کاشتکاری سنت ہے حضرت ادریس کے علاوہ

کہ وہ خیالی کرتے تھے۔ تقریباً جملہ انبیاء زراعت کیا کرتے تھے۔ حضرات امہ طاہرین علیہم السلام کا بھی یہی پیشہ رہا ہے لیکن یہ حضرات اس کاشتکاری سے خود فائدہ نہیں اٹھاتے تھے بلکہ اس سے غریب اور یتیم کے لیے روزی فراہم کیا کرتے تھے، حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں۔ "ما ازرع الزرع لطلب الفضل فیہ وما ازرع الا لیتناولہ الفقیر و ذوالحاجتہ و لیتناول منہ القبرۃ خاصۃ من الطیر" میں اپنا فائدہ حاصل کرنے کے لیے زراعت نہیں کیا کرتا۔ بلکہ اس لیے زراعت کرتا ہوں کہ اس سے غریبوں، فقروں، محتاجوں اور یتیموں خصوصاً قبرہ کو روزی فراہم کروں۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ صفحہ ۵۴۹)۔ واضح ہو کہ قبرہ وہ طائر ہے جو اپنے محل عبادت میں کہا کرتا ہے۔ "اللہم العن مبغضی آل محمد" خدایا ان لوگوں پر لعنت کر جو آل محمد سے بغض رکھتے ہیں۔ (باب التویل بغوی)۔

امام زین العابدین علیہ السلام اور ستہ ابن بکر

تورخ مسطر ذکر حسین لکھتے ہیں کہ عبداللہ ابن زبیر جو آل محمد کا شدید دشمن تھا ستہ بصری میں حضرت ابوبکر کی بڑی صاحبزادی اسماء کے بطن سے پیدا ہوا۔ اسے خلافت کی ٹری ٹکرتھی۔ اسی لیے جنگ جمل کا میدان گرم کرنے میں اس نے پوری سعی سے کام لیا تھا۔ شخص انتہائی کنجوس اور بنی ہاشم کا سخت دشمن تھا اور انھیں بہت رستاتا تھا۔ بروایت مسعودی اس نے جعفر بن عباس سے کہا کہ میں چالیس برس سے تم بنی ہاشم سے دشمنی رکھتا ہوں۔ امام حسین کی شہادت کے بعد اللہ حج میں مکہ میں اور رجب ۱۱ سالہ حج میں مکہ شام کے بعض علاقوں کے علاوہ تمام ممالک اسلام میں اس کی بیعت کر لی گئی عقدا الفرید اور مروج الذهب میں ہے کہ جب اس کی قوت بہت بڑھ گئی تو اس نے خطبہ میں حضرت علی کی مذمت کی اور چالیس روز تک خطبہ میں درود نہیں پڑھا۔ اور محمد حنفیہ اور ابن عباس اور دیگر بنی ہاشم کو بیعت کے لیے بلایا۔ انھوں نے انکار کیا تو برسر نیران کو گایاں دیں اور خطبہ سے رسول اللہ کا نام نکال ڈالا، اور جب اس ک بارے میں اس پر اعتراض کیا گیا تو جواب دیا کہ اس سے بنی ہاشم بہت بچھوٹے ہیں، میں دل میں کہہ لیا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس نے محمد حنفیہ اور ابن عباس کو جس بیجا میں مح ۱۵ بنی ہاشم کے قید کر دیا اور لکڑیاں قید خانہ کے دروازے پر چن دیں اور کہا کہ اگر بیعت نہ کرو گے تو میں آگ لگا دوں گا۔ جس طرح پہلے بنی ہاشم کے انکار بیعت پر لکڑیاں چنوا دی گئی تھیں۔ اتنے میں وہ فوج

وہاں پہنچ گئی۔ جسے مختار نے اُن کی مدد کے لیے عید اللہ جہلی کی سرکردگی میں بھیجی تھی اور اسے ان محترم لوگوں کو بچایا اور وہاں سے طائف پہنچا دیا (عقد فرید و مسعودی) انہیں حالات کی بنا پر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام، اکثر فقہاء ابن زبیر کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ عالم اہل سنت - علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور چاہا کہ آپ سے ملاقات کروں۔ لیکن چونکہ آپ گھر کے اندر تھے اس لیے سو ادب سمجھتے ہوئے میں نے آواز نہ دی، ٹھوڑی دیر کے بعد خود باہر تشریف لائے، اور مجھے ہمراہ لے کر ایک جانب روانہ ہو گئے، راستے میں آپ نے ایک دیوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اے ابو حمزہ میں ایک دن سخت رنج و الم میں اس دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ابن زبیر کے فقہ سے بنی ہاشم کو کیونکر بچایا جائے۔ اتنے میں ایک شریف اور مقدس بزرگ پتھرے لباس میں ملبوس میرے پاس آئے اور کہنے لگے آخر کیوں پریشان کھڑے ہیں میں نے کہا کہ مجھے فقہ ابن زبیر کا غر اور اسی کی فکر ہے وہ بولے۔ "اے علی ابن الحسین" گھبراؤ نہیں جو خدا سے ڈرتا ہے خدا اُس کی مدد کرتا ہے۔ جو اُس سے طلب کرتا ہے وہ اسے دیتا ہے، یہ کہہ کر وہ مقدس میری نظروں سے غائب ہو گئے اور ہاتھ نیچی نے آواز دی۔ "ھذا الخضر ناجال" کہہ کر جو آپ سے باتیں کر رہے تھے وہ جناب خضر علیہ السلام تھے۔ (نور الابصار ج ۱۲۹ مطالعہ، سوال ۲۶۴ شواہد النبوت ص ۷۵) - واضح ہو کہ روایت برادران اہل سنت کی ہے۔ ہمارے نزدیک امام کائنات کی ہر چیزے آفت ہوتی ہے

حضرت امام زین العابدین کی اپنے پدگوار کے قرضے سے سبکدوشی

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام قید خانہ شام سے چھوٹ کر مدینہ پہنچنے کے بعد سے اپنے پدربزرگوار حضرت امام حسین علیہ السلام کے قرضہ کی ادائیگی کی فکر میں رہا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی صورت سے ۵۰ ہزار دینار جو حضرت تیدا الشہداء کا قرضہ ہے میں ادا کروں۔ بالآخر آپ نے "چشمہ تحسن" کو جو کہ امام حسین کا مقام ذی خشب بنوایا ہوا تھا فروخت کر کے قرضہ کی ادائیگی سے سبکدوشی حاصل فرمائی چشمہ کی فروختگی میں یہ شرط تھی کہ شب شبہ کو پانی لینے کا حق خریدنے والے کو نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی حق دار صرف امام علیہ السلام کی ہمشیرہ ہوں گی۔ (بحار الانوار وفار الوفا جلد ۲ ص ۲۹۹ و مناقب جلد ۴ ص ۱۱۱)۔

معاویہ ابن زبید کی تخت نشینی اور امام زین العابدین

یزید کے مرنے کے بعد اُس کا بیٹا ابولیل، معاویہ بن زبید خلیفہ وقت بنا دیا گیا۔ وہ اس عہد کو قبول کرنے پر راضی نہ تھا۔ کیونکہ وہ فطرتاً حضرت علی کی محبت پر پیدا ہوا تھا اور ان کی اولاد کو دوست

رکھتا تھا، بروایت حبیب السیر، اس نے لوگوں سے کہا کہ میرے لیے خلافت سزاوار اور مناسب نہیں ہے
 میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں تمھاری رہبری کروں اور بتا دوں کہ یہ منصب کس کے لیے زیادہ ہے
 منو، امام زین العابدین موجود ہیں ان میں کسی طرح کا کوئی عیب نکالا نہیں جاسکتا، وہ اس کے حقدار
 اور مستحق ہیں، تم لوگ ان سے ملو اور انھیں راضی کرو۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ وہ اسے قبول نہ کریں گے
 مسند فاخر حسین لکھتے ہیں کہ ۶۱ھ میں یزید کے مرتے ہی معاویہ بن یزید کی بیعت شام میں عبداللہ
 ابن زبیر کی حجاز اور یمن میں ہو گئی اور عبید اللہ ابن زیاد عراق میں خلیفہ بن گیا۔ معاویہ ابن یزید سلیم
 سدیم ابلح جوان صالح تھا وہ اپنے خاندان کی خطاؤں اور برائیوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا اور
 علی و اولاد علی کو مستحق خلافت سمجھتا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۷) علامہ معاصر رقم طراز ہیں کہ ۶۱ھ
 میں یزید مرا تو اس کا بیٹا معاویہ خلیفہ بنایا گیا۔ اس نے چالیس روز اور بعض قول کے مطابق ۵۷ ماہ
 خلافت کی اس کے بعد خود خلیفہ خلافت کر دیا اور اپنے کو خلافت سے الگ کر لیا۔ اس طرح کہ ایک
 روز منبر پر چڑھ کر دیکھ کر خاکوش بیٹھا رہا پھر کہا "لوگو! مجھے تم لوگوں پر حکومت کرنے کی خواہش
 نہیں ہے۔ کیونکہ میں تم لوگوں کی جس بات (مگر اسی اور بے ایمانی) کو ناپسند کرتا ہوں وہ معمولی درجہ کی
 نہیں بلکہ بہت بڑی ہے اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ بھی مجھے ناپسند کرتے ہو۔ اس لیے کہ میں تم لوگوں
 کی خلافت سے بڑے عذاب میں مبتلا اور گرفتار ہوں، اور تم لوگ بھی میری حکومت کے سبب سے
 گمراہی کی سخت مصیبت میں پڑے ہو۔" من لو کہ میرے دادا معاویہ نے اس خلافت کے لیے اس
 بزرگ سے جنگ و جدل کی جو اس خلافت کے لیے اس سے کہیں زیادہ سزاوار اور مستحق تھے اور
 وہ حضرت اس خلافت کے لیے صرف معاویہ ہی نہیں بلکہ دوسرے لوگوں سے بھی افضل تھے۔ اس
 سبب سے کہ حضرت کو حضرت رسول خدا سے قرابت قریبہ حاصل تھی۔ حضرت کے فضائل بہت تھے
 خدا کے یہاں حضرت کو سب سے زیادہ تقرب حاصل تھا۔ حضرت تمام صحابہ، مہاجرین سے زیادہ
 عظیم القدر، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ صاحب علم۔ سب سے پہلے ایمان لانے والے
 سب اسے اعلیٰ اور اشرف درجہ رکھنے والے اور سب سے پہلے حضرت رسول خدا کی صحبت کا فخر
 حاصل کرنے والے تھے۔ علاوہ ان فضائل و مناقب کے وہ جناب حضرت رسول خدا کے چچا زاد
 بھائی، حضرت کے داماد اور حضرت کے دینی بھائی تھے جن سے حضرت نے کئی بار مواخات فرمائی۔
 جناب حسین جو ان اہل بہشت کے سردار اور اس امت میں سب سے افضل اور پروردہ رسول اور
 ناظم قبول کے ذواللال یعنی پاک و پاکیزہ درخت رسالت کے پھول تھے۔ ان کے پدر بزرگوار حضرت علی
 ہی تھے۔ ایسے بزرگ سے میرا دادا جس طرح سرکشی پر آمادہ ہوا، اس کو تم لوگ خوب جانتے ہو، اور
 میرے دادا کی وجہ سے تم لوگ جس گمراہی میں پڑے اس سے بھی تم لوگ بے خبر نہیں ہو۔ یہاں تک کہ میرے

داوا کو اس کے ارادہ میں کامیابی ہوئی اور اُس کے دنیا کے سب کام بن گئے، مگر جب اُس کی اصل غموم
 پہنچ گئی اور موت کے پہنچنے نے اس کو اپنے شکنجے میں کس دیا تو وہ اپنے اعمال میں اس طرح گرفتار ہو کر رہ
 گیا کہ اپنی قبر میں کیلا پڑا ہے اور جو جو ظلم کر چکا تھا ان سب کو اپنے سامنے پارا ہے اور جو شیطن نے
 فرعونیت اُس نے اختیار کر رکھی تھی اُن سب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پھر یہ خلافت میرے
 باپ یزید کے سپرد ہوئی تو جس مگر اسی میں میرا داوا تھا۔ اسی ضلالت میں پڑ کر میرا باپ بھی خلیفہ بن
 بیٹھا اور تم لوگوں کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ حالانکہ میرا باپ یزید بھی اپنے اسلام کش باتوں
 دین سوز حرکتوں اور اپنی روسیاسیوں کی وجہ سے کسی طرح اس کا اہل نہ تھا کہ حضرت رسول کریم
 کی امت کا خلیفہ اور اُن کا سردار بن سکے۔ مگر وہ اپنی نفس پرستی کی وجہ سے اس گمراہی پر آمادہ ہو
 گیا اور اُس نے اپنے غلط کاموں کو اچھا سمجھا۔ جس کے بعد اُس نے دنیا میں جو جو اندھیر کیا اُس سے
 زمانہ واقف ہے کہ اللہ سے مقابلہ اور سرکشی کرنے تک پر آمادہ ہو گیا اور حضرت رسول خدا سے اتنی
 بغاوت کی کہ حضرت کی اولاد کا خون بہانے پر مکر باندھ لی، مگر اس کی مدت کمری اور اُس کا ظلم ختم
 ہو گیا۔ وہ اپنے اعمال کے مزے چکھ رہا ہے اور اپنے گڑھے (قبر سے) لپٹا ہوا اور اپنے گناہوں
 کی بلاؤں میں پھنسا ہوا پڑا ہے۔ البتہ اُس کی سفایکوں کے نتیجے جاری اور اس کی غمخیزوں کی
 علامتیں باقی ہیں اب وہ بھی وہاں پہنچ گیا۔ جہاں کے لیے اپنے کرتوتوں کا ذخیرو ہتیا کیا تھا اور اب
 اپنے کئے پر نادم ہو رہا ہے۔ مگر کب؟ جب کسی ندامت کا کوئی فائدہ نہیں اور وہ اس عذاب میں
 پڑ گیا کہ ہم لوگ اُس کی موت بھول گئے اور اُس کی جدائی پر ہمیں افسوس نہیں ہوتا بلکہ اس کا غم ہے
 کہ اب وہ کس آفت میں گرفتار ہے۔ کاشح معلوم ہو جاتا کہ وہاں اُس نے کیا عذر تراشا اور پھر اُس
 سے کیا کیا گیا۔ کیا وہ اپنے گناہوں کے عذاب میں ڈال دیا گیا اور اپنے اعمال کی سزا جگت رہا ہے
 میرا گمان تو یہی ہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ اُس کے بعد گریہ اُس کے گویا ہو گیا اور وہ دیر تک روتا اور
 زور زور سے چیختا رہا۔ پھر لولا اب میں اپنے ظالم خاندان بنی امیہ کا تیسرا خلیفہ بنا یا گیا ہوں حالانکہ
 جو لوگ مجھ پر میرے داوا اور باپ کے ظلموں کی وجہ سے غضبناک ہیں۔ اُن کی تعداد اُن لوگوں سے
 کہیں زیادہ ہے جو مجھ سے راضی ہیں۔ بھائیو! میں تم لوگوں کے گناہوں کے بار اٹھانے کی طاقت نہیں
 رکھتا اور خدا وہ دن بھی مجھے نہ دکھائے کہ میں تم لوگوں کی گمراہیوں اور برائیوں کے بار سے لدا ہوا
 اُس کی درگاہ میں پہنچوں۔ اب تم لوگوں کو اپنی حکومت کے بارے میں اختیار ہے اسے مجھ سے لے لو اور
 جسے پسند کرو اپنا بادشاہ بنا لو کہ میں نے تم لوگوں کی گردنوں سے اپنی بیعت اٹھالی والسلام۔
 جس منبر پر معاویہ ابن یزید خطبہ دے رہا تھا۔ اُس کے نیچے مروان بن حکم بھی بیٹھا ہوا تھا۔ خطبہ ختم
 ہونے پر وہ لولا۔ کیا حضرت عمر کی سنت جاری کرنے کا ارادہ ہے کہ جس طرح انھوں نے اپنے بعد خلافت

کو شوریٰ کے حوالہ کیا تھا، تم بھی اسے شوریٰ کے سپرد کرتے ہو۔ اس پر معاویہ بولا۔ آپ میرے پاس سے تشریف لے جائیں کیا آپ مجھے بھی میرے دین میں دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خدا کی قسم میں تم لوگوں کی خلافت کا کوئی مزہ نہیں پاتا۔ البتہ اس کی تنجیوں برابر چکھ رہا ہوں۔ جیسے لوگ عمر کے زمانے میں تھے۔ ویسے ہی لوگوں کو میرے پاس بھی لاؤ۔ علاوہ بریں جس تاریخ سے انھوں نے اس خلافت کو شوریٰ کے سپرد کیا۔ اور جس بزرگ (حضرت علیؓ) کی عدالت میں کسی قسم کا شبہ کسی کو ہو بھی نہیں سکتا اس کو اس سے ہٹا دیا۔ اُس وقت سے وہ بھی ایسا کرنے کی وجہ سے کیا ظالم نہیں سمجھے گئے۔ خدا کی قسم اگر خلافت کوئی نفع کی چیز ہے تو میرے باپ نے اُس سے نقصان اٹھایا اور گناہ ہی کا ذخیرہ مہتیا کیا اور اگر خلافت کوئی اور وبال کی چیز ہے تو میرے باپ کو اس سے جس قدر بُرائی حاصل ہوئی وہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ منبر سے اتر آیا، پھر اس کی ماں اور دوسرے رشتہ دار اُس کے پاس گئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے۔ اُس کی ماں نے کہا کہ کاش تو جیض ہی میں ختم ہو جاتا اور اس دن کی فریفت نہ آتی، معاویہ نے کہا خدا کی قسم میں بھی یہی تمنا کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہیں کیا تو میری نجات کسی طرح نہیں ہو سکتی۔ اُس کے بعد بنی امیہ اس کے استاد عمر مقصوص سے لیتے گئے کہ توہی نے معاویہ کو یہ باتیں سکھائی ہیں اور اُس کو خلافت سے الگ کیا ہے اور علیؓ و اولاد علیؓ کی محبت اس کے دل میں لاسخ کر دی ہے۔ غرض اُس نے ہم لوگوں کے جو عیوب و مظالم بیان کئے اُن سب کا باعث توہی ہے۔ اور توہی نے ان بدعتوں کو اُس کی نظریں پسندیدہ قرار دے دیا ہے جس پر اُس نے یہ خطبہ بیان کیا ہے مقصوص نے جواب دیا خدا کی قسم مجھ سے اُس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ مجھ سے ہی ہے حضرت علیؓ کی محبت پر پیدا ہوا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے اس بیچارے کا کوئی عذر نہیں سنا اور قبر کھود کر اسے زندہ دفن کر دیا۔ (تحریر الشہادتین ص ۱۰۲، صواعق محرقة ص ۱۲۳ حیوات الجوان جلد ۵۵ تاریخ نجمیہ جلد ۲ ص ۲۳۲، تاریخ آئمہ ص ۳۹۱)۔

مؤرخ مسطر ذاکر حسین لکھتے ہیں، اس کے بعد بنی امیہ نے معاویہ بن یزید کو بھی زہر سے شہید کر دیا اس کی عمر ۲۱ سال ۱۸ یوم کی تھی۔ اُس کی خلافت کا زمانہ چار ماہ اور بروایت چالیس یوم شمار کیا جاتا ہے، معاویہ ثانی کے ساتھ بنی امیہ کی سفیانی شاخ کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مروانی شاخ کی داغ بیل پڑ گئی۔ (تاریخ اسلام جلد ۸ ص ۳۸) مؤرخ ابن الورودی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ معاویہ ابن یزید کے مرنے کے بعد شام میں بنی امیہ نے متفقہ طور پر مروان بن حکم کو خلیفہ بنا لیا۔

مروان کی حکومت صرف ایک سال قائم رہی پھر اُس کے انتقال کے بعد اُس کا لڑکا عبد الملک ابن مروان خلیفہ وقت قرار دیا گیا۔

عبد الملک ابن مروان اور امام زین العابدین علیہ السلام

۳۳ھ میں مروان کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا عبد الملک مصر و شام کا بادشاہ تسلیم کیا گیا، یہ زین العابدین کا اصل نمونہ تھا چونکہ مستبد فریبی اور ایمان سے معری تھا۔ وہ عجیب قابلیت کے ساتھ اپنی خلافت کو مستحکم کرنے میں مصروف ہوا۔ اس کی راہ میں مختار بن ابی عبیدہ ثقفی اور عبد اللہ ابن زبیر روٹا تھے۔ ان کے بعد جلدی ۳۳ھ میں عبد الملک ابن مروان تمام ممالک اسلامیہ کا اکیلا بادشاہ بن گیا۔ ابن زبیر سے لڑنے میں چونکہ حجاج بن یوسف اموی جریریل نے نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے عبد الملک ابن مروان نے اُسے حجاز کا گورنر بنا دیا تھا۔ ۳۳ھ میں عبد الملک نے اسے اپنی مشرقی سلطنت۔ عراق، فارس اور سیستان، کرمان اور خراسان کا جس میں کابل اور کچھ حصہ ماوراء النہر کا بھی شامل تھا وائسرائے بنا دیا۔ حجاج نے اپنی حجاز کی گورنری کے زمانہ میں مدینہ کے لوگوں پر جن میں اصحاب رسول بھی تھے بڑے بڑے ظلم کئے۔ عراق میں اپنی بیس برس کی گورنری کے دوران میں اس نے تقریباً ڈیڑھ لاکھ اور برویت مشکوٰۃ پانچ لاکھ بندگانِ خدا کا عمن بہایا تھا۔ جن میں سے بہت سوں پر جھوٹے الزام اور بہتان لگائے گئے تھے۔ اس کی وفات کے وقت پچاس ہزار مرد و زن زندان میں پڑے ہوئے اُس کی جان کو رو رہے تھے۔ بے سقف قید خانہ اُسی کی ایجاد ہے۔ ابن خلکان لکھتا ہے کہ عبد الملک بڑا ظالم اور سفاک تھا اور ایسے ہی اُس کے گورنر حجاج عراق میں۔ حلب خراسان میں۔ ہشام ابن اسمعیل حجاز اور مغربی عرب میں اور اُس کا بیٹا عبد اللہ مصر میں۔ حسان بن نعمان مغرب میں۔ حجاج کا بھائی محمد بن یوسف یمن میں۔ محمد بن مروان جزیرہ میں یہ سب کے سب ظالم اور سفاک تھے اور سعودی لکھتا ہے کہ بے پروائی سے خون بہانے میں عبد الملک کے عامل اسی کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں کہ یہ کینجوس بے رحم سفاک وعدہ خلاف و غا باز بے ایمان تھا۔ یہ مطلب براری کے لیے سب کچھ کیا کرتا تھا۔ انھل اس کے دربار کا مشہور شاعر اور زہری مشہور محدث تھا۔ جس نے سب سے اول حدیث کی کتاب لکھی۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۱۲۳) زہری کا اصل نام امام ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ ابن شہاب زہری مدنی شامی تھا۔ یہ تابعی فقیہ اور محدث تھا۔ ۱۳۳ھ میں پیدا ہو کر ۱۲۲ھ میں فوت ہوا۔ مدینہ کے نامی محدثوں اور فقیہوں میں سے تھا، عبد الملک اور ہشام خلفا زین العابدین کی صحبت میں رہا۔ امام مالک کا استاد اور علم حدیث کا مدون تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۵ ص ۱۹۱) متعدد علمائے کھابے کہ عبد الملک ابن مروان نے جب مدینہ میں حجاج کے ذریعہ سے تباہی مچائی تھی۔ اسی زمانہ میں عبد الملک ابن مروان نے حکم دے دیا تھا کہ علی ابن حسین کو گرفتار کر کے شام پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ آپ کو زنجیروں میں جکڑ کر مدینہ سے باہر ایک نیمہ میں ٹھہرا لے آیا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینب پہلے شہر بدر کی کمی تھیں اور حضرت امام زین العابدین بعد میں مدینہ سے شام کی طرف

دیا گیا۔ زہری کا بیان ہے کہ میں انھیں رخصت کرنے کے لیے اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب میری نظر ہتھکڑیوں اور میڑیوں پر پڑی تو میری آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور میں عرض پر واد ہوا کہ کاش آپ کے بجائے یہ لوہے کے زیورات میں بہن لیتا اور آپ اس سے بری ہوتے۔ آپ نے فرمایا اے زہری تم میری ہتھکڑی اور میڑی اور میرے طوق گرانا رکھو دیکھ کر گھبرا رہے ہو، سُنو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ (شواہد النوت ص ۱۷۷ و المرجع المطالب ص ۲۲۲ جلد ۱ و الاویار جلد ۳ ص ۱۳۵ طبع مصر) علامہ حجر بن طغر شافعی جو الزہری لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے بعد میں عبد الملک ابن مروان کے پاس گیا اور میں نے کہا کہ اے امیر بیس سکنی بن الحسین حیث تظن انہ مشغول برتبہ ۱۱۱ م زین العابدین پر کسی قسم کا کوئی الزام نہیں ہے۔ وہ تیری حکومت کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے وہ خالص اللہ والے ہیں اور خدا کے سوا انھیں کسی سے کوئی مطلب نہیں (مطاب الرسول ص ۲۶۳) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ زہری کے تذکرہ خصوصی کے بعد عبد الملک ابن مروان نے حجاج بن یوسف کو لکھا کہ ”ان یجبتنبت و ما بدی عبد المطلب“ بنی ہاشم کو ستانے اور اُن کے تخوں بہانے سے اجتناب اور پرہیز کرے۔ (صواعق مخرقة ص ۱۱۱) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ بادشاہ نے حجاج کو اجتناب کی وجہ بھی لکھی تھی اور وہ یہ سٹی کر بنی امیہ کے اکثر بادشاہ انھیں ستا کر جلد تباہ ہو گئے ہیں۔ (نور الابصار ص ۱۲۷) عرض عبد الملک کے زمانہ میں اس واقعے کے بعد سے اولاد ابوطالب حجاج کے ہاتھوں سے امان میں رہی۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۱۲۱)۔

امام زین العابدین اور بنیاد کعبہ محترمہ و نصب حجر اسود

۱۱۷ھ میں عبد الملک بن مروان نے عراق پر لشکر کشی کر کے مصعب بن زہیر کو قتل کیا پھر ۱۱۷ھ میں حجاج بن یوسف کو ایک عظیم لشکر کے ساتھ عبد اللہ ابن زہیر کو قتل کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ کیا۔ (ابوالفداء) وہاں پہنچ کر حجاج نے ابن زہیر سے جنگ کی ابن زہیر نے زبردست مقابلہ کیا اور بہت سی لڑائیاں ہوئیں، آخر میں ابن زہیر محصور ہو گئے اور حجاج نے ابن زہیر کو کعبہ سے نکالنے کے لیے کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہی نہیں بلکہ اُسے کھدوا ڈالا، ابن زہیر حمادی الاخر ۳۷ھ میں قتل ہوا (تاریخ ابن الوردی) اور حجاج جو خانہ کعبہ کی بنیاد تک خراب کر چکا تھا۔ اس کی تعمیر کی طرف متوجہ ہوا۔ علامہ صدوق کتاب علل الشرائع میں لکھتے ہیں کہ حجاج کے ہدم کعبہ کے موقع پر لوگ اُس کی منی تک اٹھا کر لے گئے اور کعبہ کو اس طرح لوٹ لیا کہ اس کی کوئی پرانی چیز باقی نہ رہی۔ پھر حجاج کو خیال پیدا ہوا کہ اس کی تعمیر کرانی چاہیے۔ چنانچہ اُس نے تعمیر کا پروگرام مرتب کر لیا اور کام شروع کر دیا۔ کام کی ابھی بائیس ہفت روزہ تک تھی کہ ایک اثر دہا برآمد ہو کر ایسی جگہ بیٹھی جس کے پتے بغیر کام آگے نہیں بڑھ

سکتا تھا۔ لوگوں نے اس واقعہ کی اطلاع حجاج کو دی، حجاج گھبرا اٹھا اور لوگوں کو جمع کر کے اُن سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ جب لوگ اس کا حل نکالنے سے قاصر رہے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ آج کل قرظ نذر رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام یہاں آتے ہوئے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ اُن سے دریافت کرا جا جائے۔ یہ سہل ان کے علاوہ کوئی حل نہیں کر سکتا، چنانچہ حجاج نے آپ کو زحمت تشریف آوری دی، آپ نے فرمایا کہ اے حجاج تو نے تو خوار کعبہ کو اپنی میراث سمجھ لیا ہے۔ تو نے تو نبی سے ابراہیم علیہ السلام کو اکٹھا کر راستہ میں ڈکوا دیا ہے۔ سن، مجھے خدا اُس وقت تک کعبہ کی تعمیر میں کامیاب نہ ہونے دے گا۔ جب تک تو کعبہ کا کٹا ہوا سامان واپس نہ منگائے گا۔ یہ سن کر اس نے اعلان کیا کہ کعبہ سے متعلق جو شے بھی کسی کے پاس ہو وہ جلد سے جلد واپس کرے۔ چنانچہ لوگوں نے پتھر مٹی وغیرہ جمع کر دی۔ جب سب کچھ جمع ہو گیا تو آپ اُس اژدہ کے قریب گئے اور وہ ہٹ کر ایک طرف ہو گیا۔ آپ نے اُس کی بنیاد استوار کی اور حجاج سے فرمایا کہ اس کے اوپر تعمیر کرو۔ فلذا لکھا۔

مرفوعاً "پتھر اسی بنیاد پر خوار کعبہ کی تعمیر بلند ہوئی۔ کتاب الخراج والخراج میں علامہ قطب راوندی لکھتے ہیں کہ جب تعمیر کعبہ اُس مقام تک پہنچی جس جگہ حجر السود نصب کرنا تھا تو یہ دشواری پیش ہوئی کہ جب کوئی عالم زاہد، قاضی اُسے نصب کرتا تھا تو یہ یستزلزل ویضطرب ولا یستقر، حجر السود مترزل اور مضطرب رہتا اور اپنے مقام پر ٹھہرتا نہ تھا۔ بالآخر امام زین العابدین بلائے گئے اور آپ نے بسم اللہ کہہ کر اُسے نصب کر دیا، یہ دیکھ کر لوگوں نے انذار اکبر کا نعرہ لگایا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۳۴)

علماء و توفیقین کا بیان ہے کہ حجاج بن یوسف نے یزید بن معاویہ ہی کی طرح خانہ کعبہ پر بھینچنے سے پتھر وغیرہ چھنکوائے تھے۔

امام زین العابدین اور عبد الملک بن مروان کا حج

بادشاہ دنیا عبد الملک بن مروان اپنے عہد حکومت میں اپنے پای تخت سے حج کے لیے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچا اور بادشاہ دین حضرت امام زین العابدین بھی مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے۔ مناسک حج کے سلسلہ میں دونوں کا ساتھ ہو گیا، حضرت امام زین العابدین آگے آگے چل رہے تھے اور بادشاہ پیچھے چل رہا تھا۔ عبد الملک کو یہ بات نالوارہ ہوئی اور اُس نے آپ سے کہا کیا میں نے آپ کے باپ کو قتل کیا ہے جو آپ میری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ اُس نے اپنی دنیا و آخرت خراب کر لی ہے۔ کیا تو بھی یہی حوصلہ رکھتا ہے۔ اس نے کہا نہیں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ میرے پاس آئیں تاکہ میں آپ سے کچھ مالی سلوک کروں۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے تیرے مال دنیا کی ضرورت نہیں ہے مجھے دینے والا خدا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اسی جگہ زین پر روئے

مبارک ڈال دی اور کعبہ کی طرف اشارہ کر کے کہا، میرے مالک اسے بھروسے۔ امام کی زبان سے الفاظ کا کھلنا تھا کہ روانے مبارک منبروں سے بھر گئی۔ آپ نے اُسے راہِ خدا میں دے دیا۔ (دمعۃ سائیکہ جنات الخلود ص ۱۳)

بدر کردار اور ریاکار حاجیوں کی شکل

امام الحدیث زہری کا بیان ہے کہ میں حج کے موقع پر امام زین العابدین علیہ السلام کے پاس مقام عرفا

میں کھڑا حاجیوں کو دیکھ رہا تھا۔ دفعۃً میرے مُنہ سے نکلا کہ مولا کہتے لاکھ حاجی ہیں اور کتنا زبردست شور مچا ہوا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے قریب آؤ۔ جب میں بالکل نزدیک ہوا تو آپ نے میرے چہرہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا۔ ”اب دیکھو“ جب میں نے پھر نظر کی تو مجھے ”لکھو کھا“ آدمیوں میں دس ہزار میں ایک کے تناسب سے انسان دکھائی دئے۔ باقی سب کے سب، بند رکتے، سُور پھیرتے اور اسی طرح کے جانور نظر آئے، یہ دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ سنو جو صحیح نیت اور صحیح عقیدہ کے بغیر حج کرتے ہیں۔ اُن کا یہی حشر ہوتا ہے۔ اسے زہری، نیک نیتی اور ہماری مودت و محبت کے بغیر سارے اعمال بے کار ہیں۔ (تفسیر امام حسن عسکری، دمعۃ سائیکہ جلد ۲ ص ۲۳۵)۔

امام زین العابدین اور ایک مرد بخنی

اور جب حج کو آتا تھا تو مدینہ جا کر امام زین العابدین کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ جب حج سے لوٹا تو اُس کی بیوی نے کہا کہ تم ہمیشہ اپنے امام کی خدمت میں متحدہ تحائف لے جاتے ہو، مگر انھوں نے آج تم کو کچھ نہ دیا۔ اُس نے کہا تو بے پروا ہو کر تمہارے لیے یہ کینا سزا نہیں ہے۔ وہ امام زمانہ ہیں، وہ مالکِ دین و دنیا ہیں وہ فرزندِ رسول ہیں وہ تمہاری باتیں سن رہے ہیں یہ سن کر وہ خاموش ہو گئی، اگلے سال جب وہ حج سے فراغت حاصل کر کے امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور سلام و دست بوسی کے بعد آپ کے پاس بیٹھا تو آپ نے کھانا طلب فرمایا حکم امام سے مجبور ہو کر اُس نے معیت میں کھانا کھایا۔ جب دونوں کھانا کھا چکے تو امام کے اس بلخی نے ہاتھ دھلانا چاہا۔ آپ نے فرمایا تو ہمان ہے، تیرا کام نہیں، اُس نے اصرار کیا اور ہاتھ دھلانا شروع کر دیا۔ جب طشت بھر گیا تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے کہا ”پانی“ حضرت نے فرمایا نہیں یا قوتِ احمر ہے جب اُس نے غور سے دیکھا تو وہ طشت یا قوتِ سُرخ سے پُر تھا۔ اسی طرح زمر و ہمز اور ذر بیض سے پُر ہو گیا۔ یعنی تین بار ایسا ہی ہوا یہ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور آپ کے ہاتھوں کا بھوسہ دینے لگا۔ حضرت نے فرمایا اسے لیتے جاؤ اپنی بیوی کو دے دینا اور کہنا کہ ہمارے پاس اور کچھ مال دنیا سے نہیں ہے، وہ شخص شرمندہ ہو کر بولا۔ مولا آپ کو ہماری بیوی کی بات کس نے بتادی۔ امام نے فرمایا ہمیں سب معلوم ہو جاتا ہے، اس کے بعد وہ امام علیہ السلام سے رخصت ہو کر بیوی کے پاس

پہنچا۔ جاہرات دے کر سارا واقعہ بیان کیا۔ بیوی نے کہا آئندہ سال میں بھی چل کر زیارت کروں گی جب دوسرے سال بیوی ہمراہ روانہ ہوئی تو راستے میں انتقال کر گئی۔ وہ شخص حضرت کی خدمت میں توپاٹینا حاضر ہوا حضرت نے دو رکعت نماز پڑھ کر فرمایا۔ جاؤ تمھاری بیوی زندہ ہو گئی ہے۔ اُس نے قیام گاہ پر لوٹ کر زندہ پایا، جب وہ حاضر خدمت ہوئی تو کہنے لگی، خدا کی قسم انھیں نے مجھے ملک الموت سے کہہ کر زندہ کیا تھا اور اُس سے کہا تھا کہ یہ میری زائرہ ہے۔ میں نے اس کی عمر تیس سال بڑھوائی ہے (المنتخب والبخار)۔

امام زین العابدین علیہ السلام اخلاق کی دُنیا میں

امام زین العابدین علیہ السلام چونکہ فرزند رسول تھے۔ اس لیے آپ میں سیرتِ محمدیہ کا ہونا لازمی تھا۔ علامہ محمد ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ کو بڑا بھلا کہا، آپ نے فرمایا بھائی میں نے تو تیرا کچھ نہیں بگاڑا۔ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو بتاتا کہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر آپ کے اخلاق کا کلمہ پڑھنے لگا۔ (مطالب السؤل ص ۱۷۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں۔ ایک شخص نے آپ کی بڑائی آپ کے مُتربس کی۔ آپ نے اس سے بے توجہی برتی، اُس نے مخاطب کر کے کہا، میں تم کو کہہ رہا ہوں، آپ نے فرمایا، میں حکمِ خدا "واعرف من عن الجاہلین" جاہلوں کی بات کی پرواہ نہ کرو پرمٹل کر رہا ہوں۔ (صواعق محرقة ص ۱۷۷) علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے اگر کہا کہ فلاں شخص آپ کی بڑائی کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اُس کے پاس لے چو، جب وہاں پہنچے، تو اُس سے فرمایا بھائی جو بات تو نے میرے لیے کہی ہے، اگر میں نے ایسا کیا ہو تو خدا مجھے بخشے اور اگر نہیں کیا تو خدا مجھے بخشے کہ تو نے بتان رکھ دیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ مسجد سے نکل کر چلے تو ایک شخص آپ کو سخت الفاظ میں گالیاں دینے لگا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی حاجت رکھتا ہے تو میں پوری کروں، "اچھالے" یہ پانچ ہزار درہم وہ شرمندہ ہو گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ پر بہتان بانہا۔ آپ نے فرمایا میرے اور جنتم کے درمیان ایک گھاٹی ہے۔ اگر میں نے اُسے طے کر لیا تو پرواہ نہیں جو جی چاہے کہو اور اگر اُسے پار نہ کر سکوں تو میں اس سے زیادہ بڑائی کا مستحق ہوں جو تم نے کی ہے (نور الابصار ص ۱۷۶-۱۷۷) علامہ دمیری لکھتے ہیں کہ ایک شامی حضرت علی کو گالیاں دے رہا تھا، امام زین العابدین نے فرمایا بھائی تم مسافر معلوم ہوتے ہو، اچھا میرے ساتھ چلو۔ میرے یہاں قیام کرو اور جو حاجت رکھتے ہو بتاؤ تاکہ میں پوری کروں۔ وہ شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ (جیوات الجیوان جلد ۱ ص ۱۲) علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے آپ سے بیان کیا کہ فلاں شخص آپ کو گراہ اور بدعتی کہتا ہے، آپ نے فرمایا افسوس ہے کہ تم نے اُس کی ہمنشین اور دوستی کا کوئی خیال نہ کیا، اور اُس کی بڑائی مجھ سے بیان کر دی۔ دیکھو، یہ

غیرت ہے، اب ایسا کبھی نہ کرنا (احتجاج ص ۳۲۳) جب کوئی سال آپ کے پاس آتا تھا تو خوش مسرور ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے خدا تیرا بھلا کرے کہ تو میرا زادراہ آخرت اٹھانے کے لیے آگیا ہے (مطالعہ) (۲۱۳)۔ امام زین العابدین علیہ السلام صحیفہ کاملہ میں فرماتے ہیں۔ خداوند امیر کوئی درجہ نہ بڑھا۔ مگر یہ کہ اتنا ہی خود میرے نزدیک مجھ کو گھٹا اور میرے لیے کوئی ظاہری عزت نہ پیدا کر مگر یہ کہ خود میرے نزدیک اتنی ہی باطنی لذت پیدا کر دے۔ الخ

امام زین العابدین اور صحیفہ کاملہ

کتاب صحیفہ کاملہ آپ کی دعائوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں بے شمار علوم و فنون کے جوہر موجود ہیں یہ پہلی صدی کی تصنیف ہے۔ (مخالف العلماء ص ۱۷ طبع ایران) اسے علماء اسلام نے زبور آل محمد اور انجیل نبوت کہا ہے۔ (بینا بیع المودۃ ص ۲۹۹ و فہرست کتب خانہ طهران ص ۳۲) اور اس کی فصاحت و بلاغت معانی کو دیکھ کر اسے کتب سماویہ اور صحف لوحیہ و عرشیہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ (ریاض السالکین ص)۔ اس کی چالیس شرحیں ہیں۔ جن میں میرے نزدیک ریاض السالکین کو فوقیت حاصل ہے۔

ہشام بن عبد الملک اور قصیدہ فرزدق

عبد الملک ابن مروان کا سلسلہ میں خلیفہ ہونے والا بیٹا ہشام بن عبد الملک اپنے باپ کے عبد الملک میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ گیا۔ مناسک حج بجالانے کے سلسلہ میں طواف سے فراغت کے بعد حجر اسود کا بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا، اور پوری سعی کے باوجود کثرت حجاج کی وجہ سے تباہ حجر اسود نہ پہنچ سکا۔ آخر کار ایک کرسی پر بیٹھ کر مجمع کے چھٹنے کا انتظار کرنے لگا۔ ہشام کے گرد اس کے ماننے والوں کا اینٹوہ کثیر تھا، یہ بیٹھا ہوا انتظار ہی کر رہا تھا کہ ناگاہ ایک طرف سے فرزدق رسول حضرت امام زین العابدین علیہ السلام برآمد ہوئے۔ آپ نے طواف کے بعد جو نہی حجر اسود کی طرف رخ کیا۔ مجمع چھٹنے لگا، حاجی ہٹنے لگے، راستہ صاف ہو گیا اور آپ قریب پہنچ کر تقبیل فرمائے گئے۔ ہشام جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا حالات کا مطالعہ کر رہا تھا جل جہنم کر خاکستر ہو گیا اور اس کے حواری بھر حیرت میں غرق ہو گئے۔ ایک منٹہ چڑھے نے بڑھ کر ہشام سے پوچھا۔ حضور یہ کون ہے؟ ہشام نے یہ سمجھتے ہوئے کہ اگر تعارف کر دیا اور انھیں بتا دیا کہ یہ خاندان رسالت کے چشمہ و چراغ ہیں تو کہیں میرے ماننے والوں کی نگاہ میری طرف سے پھر کر اُن کی طرف نہ مڑ جائے۔ تب اہل عارفانہ کے طور پر کہنے لگا "ما اعرفہ" میں نہیں پہچانتا یہ من کر شاعر دربار جناب فرزدق سے نہ رہا گیا اور انھوں نے شایموں کی طرف مخاطب ہو کر کہا "انا اعرفہ" اسے میں جانتا ہوں کہ یہ کون ہے۔" مجھ سے سنو " یہ کہہ کر انھوں نے ارتجالاً اور فی البدیہہ ایک

عظیم الشان قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے (ترجمہ) یہ وہ شخص ہے جس کو خانہ کعبہ
 حل و حرم سب پہچانتے ہیں اور اُس کے قدم رکھنے کی جگہ، قدم کی چاپ کو زمین لطیٰ بھی محسوس کر لیتی ہے
 میں اس روایف میں اس قصیدہ کا اُردو منظوم ترجمہ درج ذیل کرتا ہوں۔

یہ وہ ہے جانتا ہے کہ جس کے نقش قدم خدا کا گھر بھی ہے آگاہ اور حل و حرم
 جو بہترین خلائق ہے اس کے پاس کا ہے فرزند سے پاک و زاہد و پاکیزہ و بلس و چشم
 قریش دیکھتے ہیں جب اسے تو کہتے ہیں بزرگیوں پہ مٹنی اس کی انتہائے کرم

لے اس قصیدے کے تمام آقاہین نے پہلا شعر یہ لکھا ہے۔

هذا الذي تعرف البطحاء وطاها والبيت يعرفه والحل والحرم

لیکن یہ معلوم ہونے کے بعد کہ قصیدہ کے لیے مطلع ضروری ہوتا ہے۔ اسے پہلا شعر قرار نہیں دیا جاسکتا، البتہ یہ ممکن ہے کہ
 یہ سبھا سب سے کہ شاعر نے مرقع کے لحاظ سے اپنے قصیدہ کے اس وقت پڑھنے کی ابتداء اسی شعر سے کی تھی اور توغیغین نے
 اسی شعر کو پہلا شعر قرار دے لیا، علامہ ابو محمد عبداللہ ابن محمد ابن یوسف زوزنی المتوفی ۳۳۵ھ، شرح سبع معلقات میں
 لکھتے ہیں کہ اس قصیدے کا پہلا شعر یہ ہے۔

یا سائلی ابن حل الجود والحرم عندی بیان اذا طلابہ قدم

قصیدہ فرزدق کے متعلق ایک غلط فہمی اور اس کا الزام امام اہلسنت محمد عبدالقادر سعید الراضی

نے ۱۹۲۷ء میں شاعر عرب ابوالقاسم حبیب ابن اوس بن حارث طائی عاملی شامی بغدادی کے دیوان "حماہ" کو مصر میں
 طبع کرایا ہے۔ اس کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۸۳ پر اس قصیدہ کے ابتدائی چھ اشعار کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ اشعار عمر بن کفانی
 کے ہیں۔ اس نے انھیں عبداللہ بن عبد الملک بن مروان کی مدح میں کہے تھے، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی لکھا ہے "والناس
 یروون هذه الابیات للفرزدق یمدح بها علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب وهو غلط ممن رواهاقیہ
 لان هذا لیس مما یمدح بہ مثل علی بن الحسین ولہ من الفضل الباہر الیس لاحد فی وقتہ" اور لوگ
 جو ان ابیات کے متعلق یہ روایت کرتے ہیں کہ یہ فرزدق کے ہیں اور اُس نے انھیں مدح امام زین العابدین علیہ السلام میں کہا ہے
 "غلط ہے" کیونکہ یہ اشعار ان کے شاہانِ شان نہیں ہیں وہ تو اپنے وقت کے سب سے بڑے صاحبِ فضیلت تھے۔

میں کتا ہوں کہ یہ اشعار فرزدق ہی کے ہیں کیونکہ اسے بے شمار فحول علماء و توغیغین نے انھیں کے اشعار تسلیم کیے ہیں
 جن میں امام المحققین علامہ شیخ منید علیہ الرحمۃ المتوفی ۳۳۵ھ و امام زوزنی المتوفی ۳۳۵ھ و علامہ ابن حجر مکی و
 حافظ ابن نعیم اور صاحب مجانی الادب شامل ہیں۔ ملاحظہ ہوا رشاد مفید ص ۳۹۹ طبع ایران ۱۳۲۷ھ، ان علماء کے تسلیم کرنے
 کے بعد کسی فرد واحد کے انکار سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

پہنچ گیا ہے یہ عزت کی اُس بندگی پر
یہ چاہتا ہے کہ لے ہاتھوں ہاتھ رکھ کر
پھٹے ہاتھوں میں جس کی نہکتی ہے خوشبو
نظر جھکائے ہیں سب یہ جیائے رعب سے لوگ
جیوں کے نور ہدایت سے کفر گھٹتا ہے یوں
فضیلت اور زینوں کی اس کے جد سے ہے نسبت
یہ وہ درخت ہے جس کی ہے جڑ خدا کا رسول
یہ ناظر کا ہے فرزند "تو نہیں واقف"
ازل سے لکھی ہے حق نے شرافت و عورت
جو کوئی غیر خدا ولا دے تو تیرے بڑھ جائے
ضرر نہ ہوگا اسے تو بنے ہزار انجان
برستے ابر میں ہاتھ اس کے جن کا فیض ہے علم
وہ نرم ہے کر ڈر جلد بازیوں کا نہیں
مضببیتوں میں قبیلوں کے بار اٹھاتا ہے
کبھی نہ اُس نے کہا "علا" بجز تشدد کے
خلافت وعدہ نہیں کرتا یہ مبارک ذات
تمام خلق پہ احسان عام ہے اس کا
محبت اس کی ہے "دین" اور عداوت اسکی ہے کفر
شمار زہدوں کا ہو، تو پیشوا یہ ہو
پہنچنا اس کی سخاوت کو غیر ممکن ہے
جو قحط کی ہو مصیبت یہ ابر باران ہے
مغلسی کا اثر ہے فراخ دستی پر
اسی کی چاہ سے جاتی ہے آفت اور بدی
اسی کا ذکر مقدم ہے بعد ذکر خدا
مذمت آنے سے اس کے قریب جھاگتی ہے
خدا کے بندوں میں ہے کون ایسا جس کا سر
خدا کو جانتا ہے جو اسے بھی جانتا ہے

جہاں پر جا سکے اسلام کے عرب نہ عجم
جو چوڑے تھرا لا سود آئے نر و عجم
وہ ہاتھ جو نہیں عزت میں اور شان میں کم
جو مسکرائے تو آجائے بات کرنے کا دم
ضیاء مہر سے تاریکیاں ہوں جیسے کم
تمام امتیں امت سے اس کی تیر میں کم
اس سے فطرت و عادات بھی ہیں پاک ہم
اسی کے جد سے نبیوں کا بڑھ سکا نہ قدم
چلا اسی کے لیے لوح پر حشر کا قلم
سنتھ کر کوئی اس پر تو موت کا نہیں علم
اتے تو جانتے ہیں سب عرب تمام عجم
وہ برسا کرتے ہیں کیساں کبھی نہیں ہونے کم
بے حسن خلق اسی کی تو زینت باہم
ہیں جتنے خوب شمال میں اتنے خوب کرم
اگر نہ ہوتا تشدد تو ہوتا "لا" بھی نعم
ہے میزبان بھی عقل و ارادہ بھی سے ہم
اسی سے اٹھ گیا افلاس رنج و فقہ اکرم
ہے قرب اس کا نجات و پناہ کا عالم
کہ بہترین خلاق اسی کو کہتے ہیں ہم
سختی ہوں لاکھ نہ پائیں گے اس کی گردن دم
جو بھڑکے جنگ کی آتش یہ شیر سے نہیں کم
کہ اس کو زور کی خوشی ہے نہ بے زری کا اہم
اسی کی وجہ سے آتی ہے نیکی اور کرم
اسی کے نام سے ہر بات ختم کرتے ہیں ہم
کہ کرم خلق سے ہوتی، نہیں سخاوت کم
اسی گھرانے کے احسان سے ہوا نہ ہو ختم
اسی کے گھر سے ملا امتوں کو دین ہم

اس قصیدہ کو سن کر مشام غیظ و غضب سے بیچ تاب کھانے لگا، اور اس کا نام درباری شعرا کی فرست نے نکال کر اسے بمقام عسغان قید کر دیا، حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو جب اس کی قید کا حال معلوم ہوا، تو آپ نے ۱۲ ہزار درہم ان کے پاس بھیجا۔ فرزوق نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ میں نے دنیاوی اجرت کے لیے یہ قصیدہ نہیں کہا۔ اس سے میں کسب ثواب کا ارادہ رکھتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ تم آل محمد کا یہ اصول ہے کہ جو چیز دے دیتے ہیں پھر اسے واپس نہیں لیتے۔ تم اسے لے لو خدا تمھاری نیت کا اجر عظیم دے گا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے قبلہا الفرزوق پھر فرزوق نے اسے قبول کر لیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۲، المطاب السؤل ص ۲۶۶۔ ارجح المطاب ص ۱۱، مجانی الادب جلد ۶ ص ۲۵۴) و سیدہ النجات ص ۲۱، تاریخ احمدی ص ۲۲۸، تاریخ آئمہ ص ۳۶۹، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم رسالہ حقائق لکھنؤ علامہ ابن حسن جارجوی لکھتے ہیں کہ "مشام ان کو ایک ہزار دینار سالانہ دیا کرتا تھا جب اُس نے یہ رقم بند کر دی تو یہ بہت پریشان ہوئے، معاویہ بن عبد اللہ ابن جعفر طیار نے کہا، فرزوق گھبراتے کیوں ہو؟ کتنے سال زندہ رہنے کی امید ہے۔ انھوں نے کہا یہی بیس سال، فرمایا تو یہ بیس ہزار دینار لے لو اور مشام کا خیال چھوڑ دو۔ انھوں نے کہا مجھے ابو محمد علی بن الحسین نے بھی رقم عنایت فرمانے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر میں نے قبول نہ کیا، میں اس دنیا کا نہیں آخرت کے اجر کا امیدوار ہوں۔ سارا انوار میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین نے چالیس ہزار دینار عطا فرمائے اور ہوا بھی ایسا ہی کہ فرزوق اس کے بعد چالیس سال اور زندہ رہے۔ (سندکرہ محمد و آل محمد جلد ۲ ص ۱۹)۔

فرزند رسول امام زین العابدین اور مختار آل محمد

عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت میں حضرت مختار بن ابی عبیدہ ثقفی قاتلان حسین سے بدل لینے کے لیے میدان میں نکل آئے علامہ سعودی لکھتے ہیں کہ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی بیعت کرنی چاہی مگر آپ نے بیعت لینے سے انکار کر دیا۔ (مروج الذهب جلد ۶ ص ۱۵۵) علامہ نور اللہ شوستر شہید ثالث تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ علی نے مختار کو مقبول لوگوں میں شمار کیا ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے ان پر نکتہ چینی کرنے سے روکا ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کے لیے رحمت کی دعا کی ہے۔ (مجالس المؤمنین ص ۲۶۶) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے ان کی کارگزاری کے سلسلہ میں خدا کا شکر ادا کیا۔ (جلال العمیون) آپ کوؤ کے رہنے والے تھے، جناب مسلم بن عقیل کو آپ ہی نے سب سے پہلے مہمان رکھا تھا۔ آپ کو ابن زیاد نے آل محمد سے محبت کے جرم میں قید کر دیا تھا۔ وہاں سے چھوٹنے کے بعد آپ نے عثمان حسین کا بدلہ لینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا چنانچہ ۶۷ھ میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ برآمد ہو کر

کوفہ کے حاکم بنیٹھے اور آپ نے کتاب و سنت اور انتقام خون حسین پر بیعت لے کر بڑی مستعدی سے
 انتقام لینا شروع کر دیا، شمر کو قتل کر دیا، خولی کو قتل کر کے آگ میں جلا دیا۔ عمر بن سعد اور اس کے بیٹے
 حفص کو قتل کیا (تاریخ ابوالفداء) ملا میں لکھتے ہیں کہ شمر کو قتل کر کے اس کی لاش کو اسی طرح گھوڑوں
 کی ٹاپوں سے پامال کر دیا۔ جس طرح اُس نے امام حسین کی لاش کو پامال کیا تھا۔ (وسیلہ النجات) ۱۰
 میں ابن زیاد کو گرفتار کرنے کے لیے ابراہیم ابن مالک اشتر کی سرکردگی میں ایک بڑا لشکر موصل بھیجا۔
 جہاں کا وہ اس وقت گورنر تھا۔ شدید جنگ کے بعد ابراہیم نے اُسے قتل کیا۔ اور اس کا سر مختار کے
 پاس بھیج کر باقی بدن نذر آتش کر دیا۔ (ابوالفداء) پھر مختار کے حکم سے عیسیٰ ابن اشعث کی گردن ماری
 گئی، بعدل ابن سلیم (جس نے امام حسین کی انگلی ایک انگوٹھی کے لیے کاٹی تھی) کے ہاتھ پاؤں کاٹے
 گئے۔ پھر حکیم ابن طفیل پر تیز بارانی کی گئی۔ اس نے عمار کر بلا حضرت عباس کو شہید کیا تھا۔ اسی کے
 ساتھ ساتھ یزید ابن سائب۔ عمران بن خالد۔ عبداللہ بن جلی۔ عبداللہ ابن قیس۔ زرعر ابن شریک۔ صبیح
 شامی اور رنان بن انس تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ (جیب السیر) عمر بن حجاج بھی گرفتار ہو کر
 قتل ہوا۔ (روضۃ الصفا) منہال بن عمر کا کنہ ہے کہ میں اسی دوران میں حج کے لیے گیا تو حضرت امام
 زین العابدین سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا حرملہ بن کابل اسدی کا کیا حشر ہوا۔ میں نے کہا وہ
 تو سالم تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر فرمایا۔ ر خدا یا اُسے آتش تیغ کا مزہ چکھا۔ جب
 میں کوفہ واپس آیا اور مختار سے ملا اور اُن سے واقعہ بیان کیا تو وہ امام کی بددعا کی تکمیل پر سجدہ شکر
 ادا کرنے لگے۔ غرض کہ آپ نے بے شمار قاتلان حسین کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا۔ قاضی میمنی نے
 شرح دیوان مرقصوی میں لکھا ہے کہ مختار آل محمد کے ہاتھوں سے قتل ہونے والوں کی تعداد اسی ہزار تین
 سو تین (۸۰۳۰۳) تھی۔ تو زمین کا بیان ہے کہ جناب مختار کے سامنے جس وقت ابن زیاد ملعون کا سر رکھا
 گیا تھا تو ایک سانپ آکر اُس کے منہ میں گھس کر ناک سے نکلنے لگا۔ اسی طرح دیر تک آسمان جاتا رہا۔ وہ
 یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت مختار نے ابن زیاد کا سر حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں
 دیر نہ منورہ بھیج دیا۔ جس وقت وہ سر پہنچا تو آپ نے شکر خدا ادا کیا اور مختار کو دعائیں دیں۔ موزین کا
 یہ بھی بیان ہے کہ اسی وقت سے ان عورتوں نے بالوں میں نکلھی کرنی اور سر میں تیل ڈالنا اور آنکھوں
 میں سرسراگانا شروع کیا، جو واقعہ کربلا کے بعد سے ان چیزوں کو چھوڑے ہوئے تھیں۔ (مختصر فرید جلد ۲
 ص ۲۵۱) نورالابصار ص ۱۲۴، مجالس المؤمنین بحار الانوار) غرض کہ جناب مختار نے انتقام خون شہداء لینے
 کے سلسلے میں کارہائے نمایاں کئے۔ بالآخر ۱۳ رمضان ۶۰ھ جمعہ کو آپ کوفہ کے دارالامارہ کے باہر شہید
 کر دیے گئے، (اناشدات الیوم راجعون)۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتاب مختار آل محمد، مؤلف
 حقیر مطبوعہ لاہور)۔

امام زین العابدین عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ میں

۶۷ھ میں عبدالملک ابن مروان کے انتقال کے بعد اُس کا بیٹا ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا یا گیا۔ یہ حجاج بن یوسف کی طرح نہایت ظالم و جاہل تھا۔ اسی کے عہدِ خلافت میں عمر بن عبدالعزیز جو کہ ولید کا چچا زاد بھائی تھا۔ حجاز کا گورنر مقرر ہوا۔ یہ بڑا منصف مزاج اور فیاض تھا۔ اسی کے عہد گورنری کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ششہ حج میں سرورِ کائنات کے روضہ کی ایک دیوار گر گئی تھی۔ جب اُس کی مرمت کا سوال پیدا ہوا، اور اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کسی مقدس ہستی کے ہاتھ سے اس کی ابتدا کی جائے تو عمر بن عبدالعزیز نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہی کو سب پر ترجیح دی۔ (وفار الوفا جلد ۱ ص ۳۸۶) اسی نے فکر واپس کیا تھا اور امیر المؤمنین پر سے تبرا کی وہ بدعت جو معاویہ نے جاری کی تھی، بند کرانی تھی۔

امام زین العابدین علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر فرما رہے تھے۔ لیکن آپ کے روحانی اقتدار کی وجہ سے بادشاہ وقت ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دے دیا۔ اور آپ بتاریخ ۲۵ محرم الحرام ۶۰ھ میں مطابقت کو درجہ شہادت پر فائز ہو گئے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ مدینہ کے حبشہ میں دفن کر دیئے گئے۔ علامہ شبلی، علامہ ابن حجر، علامہ ابن صباغ، علامہ ابن جوزی، تحریر فرماتے ہیں کہ "وان الذی سمیہ الولید بن عبدالملک" جس نے آپ کو زہر دے کر شہید کیا، وہ ولید بن عبدالملک خلیفہ وقت ہے۔ (نور الابصار ص ۱۲۵، صواعق محرقة ص ۱۲۰، فصول المهمہ، مذکرہ سبط ابن جوزی، ارجح المطالب ص ۴۲۴، مناقب جلد ۴ ص ۱۲۱) ملا جامی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی شہادت کے بعد آپ کا ناقہ قبر پر نالہ و فریاد کرتا ہوا تین روز میں مر گیا۔ (شواہد النبوت ص ۱۷۱ شہادت کے وقت آپ کی عمر ۷۵ سال کی تھی۔

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے گیارہ لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں۔

آپ کی اولاد

پندرہ اولاد کے نام یہ ہیں (۱) حضرت امام محمد باقر ۳ آپ کی والدہ حضرت امام حسن کی بیٹی ام عبداللہ جناب فاطمہ تھیں (۲) عبداللہ (۳) حسن (۴) زید (۵) عمر (۶) حسین (۷) عبدالرحمن (۸) سلیمان (۹) علی (۱۰) محمد اصغر (۱۱) حسین اصغر (۱۲) خدیجہ (۱۳) فاطمہ (۱۴) علیہ (۱۵) ام کلثوم (ارشاد مفید فارسی ص ۱۰۰)۔

جناب زید شہید

آپ کی اولاد میں حضرت امام باقر علیہ السلام کے بعد سب سے زیادہ نمایاں حیثیت جناب زید شہید کی ہے۔ آپ منہ حج میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۲ھ

میں ہشام بن عبد الملک سے تنگ آکر اپنے ہم نوا تلاش کرنے لگے اور یکم صفر ۱۲۲ھ حج کو چالیس ہزار کوفیوں سمیت میدان میں نکل آئے۔ عین موقع جنگ میں کوفیوں نے ساتھ چھوڑ دیا بعض معاصرین لکھتے ہیں کوفیوں کے ساتھ چھوڑنے کا سبب امام باقر علیہ السلام کی نکث بیعت ہے۔ کیونکہ انھوں نے پہلے جناب زید کی بیعت کی تھی۔ پھر جب ہشام نے آپ کو دربار میں بلا کر امام اعظم کا خطاب دیا تو یہ حکومت کے ساتھ ہو گئے، اور انھوں نے زید کی بیعت توڑ دی۔ اسی وجہ سے ان کے تمام ماننے والے انھیں چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے۔ اس وقت آپ نے فرمایا: "رفضتمونی" اے کوفیو! تم نے میرا ساتھ چھوڑ دیا، اسی فرمانے کی وجہ سے کوفیوں کو رافضی کہا جاتا ہے۔ جہاں اُس وقت چند افراد کے سوا کوئی بھی شیعہ نہ تھا۔ سب حضرت عثمان اور امیر معاویہ کے ماننے والے تھے۔ غرضیکہ دوران جنگ میں آپ کی پیشانی پر ایک تیر گا جس کی وجہ سے آپ زمین پر تشریف لائے۔ یہ دیکھ کر آپ کا ایک خادم آگے بڑھا اور اُس نے آپ کو اٹھا کر ایک مکان میں پہنچا دیا۔ زخم کاری تھا۔ کانی علاج کے باوجود جان بڑ نہ ہو سکے، پھر آپ کے خادموں نے خفیہ طور پر آپ کو دفن کر دیا اور قبر پر سے پانی گزار دیا تاکہ قبر کا پتہ نہ چل سکے۔ لیکن دشمنوں نے سزاغ لگا کر لاش قبر سے نکال لی اور سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیجنے کے بعد آپ کے جسد یعنی بدن کو سولی پر لٹکا دیا۔ چار سال تک یہ جسم سولی پر لٹکا رہا۔ خدا کی قدرت تو دیکھئے اُس نے کڑی کو حکم دیا اور اُس نے آپ کے عزیزین پر گھنا جلا اتان دیا۔ (خمیس جلد ۲ صفحہ ۳۵۴ حیوات الجیوان) چار سال کے بعد آپ کے جسم کو نذر آتش کر کے لاکھ دیر گزرات میں بہا دی گئی۔ (عمدة الطالب صفحہ ۲۴۲) شہادت کے وقت آپ کی عمر ۴۲ سال کی تھی حضرت زید شہید عظیم مناقب و فضائل کے مالک تھے۔ آپ کو "حلیف القرآن" کہا جاتا تھا۔ آپ ہی کی اولاد کو زیدی کہا جاتا ہے اور چونکہ آپ کا قیام بمقام واسط تھا۔ اس لیے بعض حضرات اپنے نام کے ساتھ زیدی الواسطی لکھتے ہیں۔ تاریخ ابن الوردي میں ہے کہ شہ حج میں حجاج بن یوسف نے شہر واسط کی بنیاد ڈالی تھی۔ جناب زید کے چار بیٹے تھے۔ جن میں جناب یحییٰ بن زید کی شجاعت کے کارنامے تاریخ

انھوں نے سلطنت ہشام میں دعویٰ خلافت کیا تھا۔ بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی تھی۔ مدائن، بصرہ واسط، موصل، خراسان، رے، جرجان کے علاوہ صرف کوفہ ہی کے ۵۰ ہزار شخص تھے جب یوسف ثقفی ان کے مقابلہ میں آیا تو یہ لوگ انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ زید شہید نے فرمایا: "رفضتمونا الیوم، اُس دن سے رافضی کا لفظ نکلا۔۔۔ ان کے چار فرزند تھے یحییٰ، حسین، عیسیٰ، محمد۔ ساتواں بارہ ولنگیم کاتب محمد بن عیسیٰ تک منتهی ہوتا ہے۔ (کتاب رحمة للعالمین جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

کے اوراق میں سونے کے حرف سے لکھے جانے کے قابل ہیں۔ آپ وادھیال کی طرف سے حضرت امام حسین اور نانیہال کی طرف سے جناب محمد بن الحنفیہ کی یادگار تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ریطہ تھا جو محمد بن حنفیہ کی پوتی تھیں۔ نسل رسول میں ہونے کی وجہ سے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے جان کے تحفظ کے لیے یادگار جنگ کی بالآخر ۱۵ حج میں آپ شہید ہو گئے۔ پھر ولید بن یزید بن عبد الملک کے حکم سے آپ کا سر کاٹا گیا اور ہاتھ پاؤں قطع کئے گئے۔ اس کے بعد نعش مبارک سولی پر لٹکا دی گئی۔ پھر ایک عرصہ کے بعد اسے اتار کر جلا یا گیا اور ہتھوڑے سے کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کیا گیا۔ پھر ایک بورے میں رکھ کر کشتی کے ذریعہ سے ایک ایک مٹھی رکھ کر دریائے فرات کی سطح پر چھڑک دی گئی۔ اس طرح اس فرزند رسول کے ساتھ ظلم عظیم کیا گیا۔

یہ بھی جناب زید شہید کے نہایت بہادر صاحبزادے تھے۔ خلیفہ وقت آپ **عیسیٰ بن زید** کے بھی خون کا پیاسا تھا، آپ اپنا حسب نسب ظاہر نہ کر سکتے تھے خلیفہ جابر و جابر کی وجہ سے روپوشی کی زندگی گزارتے تھے، کو فز میں آپاشی کا کام شروع کر دیا تھا اور وہیں ایک عورت سے شادی کر لی تھی اور اس سے بھی اپنا حسب و نسب ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس عورت سے آپ کی ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو بڑی ہو کر شادی کے قابل ہو گئی، اسی دوران میں آپ نے ایک مالدار بہشتی کے وہاں ملازمت کر لی جس کے ایک لڑکا تھا۔ مالدار بہشتی نے جناب عیسیٰ کی بیوی سے اپنے لڑکے کا پیغام دیا جناب عیسیٰ کی بیوی بہت خوش ہوئی کہ مالدار گھرانے سے لڑکی کا رشتہ آیا ہے جب جناب عیسیٰ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی نے کہا کہ میری لڑکی کی تقدیر چمک اٹھی ہے کیونکہ مالدار گھرانے سے پیغام آیا ہے۔ یہ سنا تھا کہ جناب عیسیٰ سخت متعجب ہوئے، بالآخر خدا سے کو عاکی، بار آکھا سیدانی غیر تید سے پیاسی جا رہی ہے۔ مالک میری لڑکی کو موت دے دے۔ لڑکی بیمار ہوئی اور دفعۃً اسی دن انتقال کر گئی۔ اس کے انتقال پر آپ رو رہے تھے، ان کے ایک دوست نے کہا کہ اتنے بہادر ہو کر آپ روتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کے مرنے پر نہیں رو رہا۔ میں اپنی اس بے بسی پر گریہ کر رہا ہوں کہ حالات ایسے ہیں کہ میں اس سے یہ تک نہیں بتا سکا کہ میں تید ہوں اور تو سید زادی ہے۔ (عمدۃ الطالب ص ۲۷) علامہ ابو الفرج اصفہانی المتوفی ۳۵۶ھ کہتے ہیں کہ جناب عیسیٰ بن زید نے اپنے دوست سے کہا تھا کہ میں اس حالت میں نہیں ہوں کہ ان لوگوں کو یہ بتا سکوں۔ بان خاکت غیر جانس کہ یہ شادی جانتے نہیں ہے اس لیے کہ یہ لڑکا ہمارے کفو کا نہیں ہے۔ (مقاتل الطالبین ص ۲۷ طبع نجف اشرف ۱۳۸۵ھ حج)۔

☆
ابو جعفر

حضرت

امام محمد باقر

عليه السلام

باقراک محمد اور زین العابدین
کس طرح زندہ رہے گویا ہے راز کبیرا
کرنا کی ہر بلا ہر استلا کو جیل کر
زندگی ان کی حقیقت میں ہے زندہ محمد
صابر قادیانی دلچسپی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

باب ۷

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

ہوا پیدا جہاں میں آج وہ ہمنام پیغمبر
امام المتقین، مخصوص اور محضوم عالم میں
لقب باقر ہے جس کا اور کنیت ابو جعفر
نبی کا پانچواں نائب ہمارا پانچواں رہبر

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں جانشین، ہمارے پانچویں امام اور سلسلہ عصمت کی ساتویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد تید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے۔ اور والدہ ماجدہ اُمّ عبد اللہ فاطمہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین ہاشمی تھے۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا۔ (صواعق محرقة ص ۱۲ و مطالب السؤل ص ۲۶۹) آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصور، معصوم، علم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ یعنی خدا کی طرف سے آپ امام، معصوم اور اپنے عہد امامت میں سب سے بڑے عالم اور کائنات میں سب سے افضل تھے۔ علامہ ابن حجر کی لکھتے ہیں کہ آپ عبادت علم اور زہد وغیرہ میں حضرت امام زین العابدین کی جیسی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقة ص ۱۲) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ علم زہد، تقویٰ، طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن و فضائل میں اس درجہ پرفا تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف اتساع سے ممتاز قرار پائے۔ (مطالب السؤل ص ۲۶۹) علامہ ابن سعد کا کہنا ہے کہ آپ تابعین کے تیسرے طبقہ میں سے تھے اور بہت بڑے عالم، عابد اور ثقہ تھے۔ ابن شہاب زہری اور امام نسائی نے آپ کو ثقہ فقیہ لکھا ہے۔ فقہائے بڑی جماعت نے آپ سے روایت کی ہے عطا کا بیان ہے کہ علماء کو از روئے علم کسی کے سامنے اس قدر اپنے آپ کو جھوٹا سمجھتے ہوئے نہیں دیکھا جس طرح سے کہ وہ اپنے آپ کو امام محمد باقر علیہ السلام کے رو برو سمجھتے تھے میں نے حکم جیسے عالم کو ان کے سامنے سپر انداختہ دیکھا ہے۔ (ارجح المطالب ص ۲۴۶) صاحب روضۃ الصفا کا کہنا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فضائل لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ خواہر محمد پور

لکھتے ہیں کہ "امام باقر مجمع جلالہ و کمالہ"۔ آپ عظیم الشان امام و پیشوا اور جامع صفات جلال کمال تھے (فصل الخطاب) علامہ شیخ محمد خضریٰ بک لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ (تاریخ فقہ ساطع کراچی)۔

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام بتاریخ یکم رجب المرجب ۵۷ھ بمطابق ۱۵ مئی ۶۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ (اعلام النبویہ ص ۱۵۵) و جلال العیون ص ۲۱۶ جنات الخلود ص ۲۵۱) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تشریف لائے تو آبار و اجداد کی طرح آپ کے گھر میں آواز غیب آنے لگی اور جب نو ماہ کے ہوئے تو فرشتوں کی بے انتہا آوازیں آنے لگیں اور شب ولادت ایک نور ساطع ہوا۔ ولادت کے بعد قبلہ رو ہو کر آسمان کی طرف رخ فرمایا۔ اور (آدم کی مانند) تین بار چھینکنے کے بعد حمد خدا بجالائے، ایک شبانہ روز دست مبارک سے نور ساطع رہا۔ آپ فقہ کرہ ائمان بریدہ، تمام آلائشوں سے پاک اور صاف متولد ہوئے تھے۔ (جلال العیون ص ۲۵۹)۔

اسم گرامی، کنیت اور القاب

آپ کا اسم گرامی "لوح محفوظ" کے مطابق اور سرور کائنات کی کنیتیں کے موافق "محمد" تھا۔ آپ کی کنیت ابو جعفر تھی، اور آپ کے القاب کثیر تھے جن میں باقر، شاکر، ہادی زیادہ مشہور ہیں۔ (مطاب السؤل ص ۲۶۹ شواہد النبوت ص ۱۸۱)۔

باقر کی وجہ تسمیہ

باقر، لقرہ سے مشتق اور اسی کا اسم فاعل ہے اس کے معنی شوق کرنے اور وسعت دینے کے ہیں۔ (المنجد ص ۴) حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو اس لقب سے اس لیے لقب کیا گیا تھا کہ آپ نے علوم و معارف کو نمایاں فرمایا اور حقائق احکام و حکمت و لطائف کے وہ سر بستہ خزانے ظاہر فرمادیے جو لوگوں پر ظاہر و ہویا نہ تھے۔ (مواہق مخرقہ ص ۱۲ مطاب السؤل ص ۲۶۹ شواہد النبوت ص ۱۸۱) جوہری نے اپنی صحاح میں لکھا ہے کہ "لوح محفوظ" کا لقب آپ کو لقرہ کہتے ہیں۔ اسی لیے امام محمد بن علی کو باقر سے لقب دیا جاتا ہے۔ علامہ سیوطی جو زنی کا کہنا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے چونکہ آپ کی پیشانی وسیع تھی اس لیے آپ کو باقر کہا جاتا ہے اور ایک جہ یہ بھی ہے کہ جامعیت علمیہ کی وجہ سے آپ کو یہ لقب دیا گیا ہے۔ شہید ثالث، علامہ نور اللہ شوشتری کا کہنا ہے کہ آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام محمد باقر علوم و معارف کو اس طرح شگافتہ کر دیں گے جس طرح زراعت کے لیے زمین شگافتہ کی جاتی ہے۔ (مجالس المؤمنین ص ۱۱۱)

بادشاہان وقت

آپ ۵۷ھ ہجری میں معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد میں پیدا ہوئے۔ ۶۰ھ ہجری میں یزید بن معاویہ بادشاہ وقت رہا۔ ۶۱ھ ہجری میں معاویہ بن یزید اور

مروان بن حکم بادشاہ رہے۔ ۶۵ھ سے ۶۷ھ تک عبد الملک بن مروان خلیفہ وقت رہا پھر ۶۷ھ سے ۶۹ھ تک ولید بن عبد الملک نے حکمرانی کی، اسی نے ۶۵ھ میں آپ کے والد ماجد کو درجہ شہادت پر فائز کر دیا۔ اسی ۶۵ھ میں آپ کی امامت کا آغاز ہوا، اور ۶۷ھ میں آپ قرآن امانت ادا فرماتے رہے۔ اسی دوران میں ولید بن عبد الملک کے بعد سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید ابن عبد الملک اور ہشام بن عبد الملک بادشاہ وقت رہے۔ (اعلام الوری ص ۱۵۶)۔

واقعہ کربلا میں امام محمد باقر علیہ السلام کا حصہ | آپ کی عمر ابھی اڑھائی سال کی تھی، مگر آپ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہمراہ وطن عزیز مدینہ منورہ چھوڑنا پڑا، پھر مدینہ سے مکہ اور وہاں سے کربلا تک کی صعوبت سفر برداشت کرنا پڑی۔ اس کے بعد واقعہ کربلا کے مصائب دیکھے، کوفہ و شام کے بازاروں اور درباروں کا حال دیکھا۔ ایک سال شام میں قید رہے۔ پھر وہاں سے چھوٹ کر ہربیع الاول ۶۱ھ ہجری کو مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ کی عمر چار سال کی ہوئی، تو آپ ایک دن کنوئیں میں گر گئے۔ لیکن خدا نے آپ کو ڈوبنے سے بچالیا۔ (اور جب آپ پانی سے برآمد ہوئے تو آپ کے کپڑے اور آپ کا بدن تک بھیگا ہوا نہ تھا۔) (مناقب جلد ۲ ص ۱۸)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور جابر بن عبد اللہ انصاری کی باہمی ملاقات

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ظاہری زندگی کے اختتام پر امام محمد باقر کی ولادت سے تقریباً ۲۶ سال قبل جابر بن عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے امام محمد باقر علیہ السلام کو سلام کہلایا تھا۔ امام علیہ السلام کا یہ شرف اس درجہ ممتاز ہے۔ کہ آل محمد میں سے کوئی بھی اس کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ (مطالب السؤل ص ۱۸)۔

مورخین کا بیان ہے کہ سرور کائنات ایک دن اپنی آغوش مبارک میں حضرت امام حسین علیہ السلام کو لے جوئے پیار کر رہے تھے ناگاہ آپ کے صحابی خاص جابر بن عبد اللہ حاضر ہوئے حضرت نے جابر کو دیکھ کر فرمایا۔ اے جابر، میرے اس فرزند کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو علم و حکمت سے بھر پور ہوگا۔ اے جابر! تم اس کا زمانہ پاؤ گے، اور اس وقت تک زندہ رہو گے جب تک وہ سطح ارض پر آئے جاتے۔ اے جابر! دیکھو، جب تم اس سے ملنا تو اسے میرا سلام کہہ دینا۔ جابر نے اس خبر اور اس پیشین گوئی کو کمال مسرت کے ساتھ سنا۔ اور اسی وقت سے اس بھجبت آفریں ساعت کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چشم انتظار پتھر اٹھیں اور آنکھوں کا نور جاتا رہا۔ جب تک آپ بیٹا تھے ہر مجلس و محفل میں تلاش کرتے رہے اور جب نور نظر جاتا رہا تو زبان سے پکارنا

شروع کر دیا۔ آپ کی زبان پر جب ہر وقت امام محمد باقر کا نام رہنے لگا۔ تو لوگ یہ کہنے لگے کہ جابر کا
 وارث شیعہ پیروی کی وجہ سے ازکار رفته ہو گیا ہے۔ لیکن ہر حال وہ وقت آ ہی گیا کہ آپ پیغام احمدی
 اور سلام محمدی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ راوی کا بیان ہے کہ ہم جناب جابر کے پاس بیٹھے ہوئے
 تھے کہ اتنے میں امام زین العابدین علیہ السلام تشریف لائے، آپ کے ہمراہ آپ کے فرزند امام محمد باقر
 علیہ السلام بھی تھے۔ امام علیہ السلام نے اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا کہ چچا جابر بن عبد اللہ انصاری کے
 سر کا بوسہ دو۔ انھوں نے فوراً تعمیل ارشاد کیا، جابر نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور کہا کہ ابن
 رسول اللہ آپ کو آپ کے جد نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام فرمایا ہے۔
 حضرت نے کہا اے جابر ان پر اور تم پر میری طرف سے بھی سلام ہو۔ اس کے بعد جابر بن عبد اللہ انصاری
 نے آپ سے شفاعت کے لیے ضمانت کی درخواست کی۔ آپ نے اسے منظور فرمایا اور کہا کہ میں
 تمہارا جنت میں جانے کا ضامن ہوں۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲ وسیلۃ النجات ص ۳۳ مطالب السؤل
 ص ۳۳ شواہد النبوت ص ۱۸ نور الابصار ص ۱۳۳ رجال کشی ص ۲۰ تاریخ طبری جلد ۳ ص ۹۱ مجالس المؤمنین
 ص ۱۱ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "ان بقاءک بعد رویتہم
 یسیر" کہ اے جابر میرا پیغام پہنچانے کے بعد بہت تھوڑا زندہ رہو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
 مطالب السؤل ص ۲۰)

سات سال کی عمر میں

امام محمد باقر کا حج خانہ کعبہ

علامہ جامی تحریر فرماتے ہیں کہ راوی بیان کرتا ہے کہ میں حج کے
 لیے جا رہا تھا، راستہ پر خطر اور انتہائی تاریک تھا جب میں
 حق و دق صحرا میں پہنچا تو ایک طرف سے کچھ روشنی کی کرن
 نظر آئی میں اس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ناگاہ ایک سات سال کا لڑکا میرے قریب آ پہنچا میں
 نے سلام کا جواب دینے کے بعد اس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آ رہے ہیں اور کہاں
 کا ارادہ ہے، اور آپ کے پاس زادراہ کیا ہے۔ اس نے جواب دیا، سنفو، میں خدا کی طرف سے
 آ رہا ہوں اور خدا کی طرف جا رہا ہوں، میرا زادراہ "تقویٰ" ہے۔ میں عربی النسل، قریشی خاندان کا
 علوی نژاد ہوں۔ میرا نام محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ یہ کہہ کر وہ نظروں سے
 غائب ہو گئے اور مجھے پتہ نہ چل سکا کہ آسمان کی طرف پرواز کر گئے یا زمین میں سما گئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۸)

حضرت امام محمد باقر اور اسلام میں سکے کی ابتداء

مؤرخ شہیر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۲ ص ۴۲ میں لکھتے ہیں کہ عبد الملک بن مروان نے ۷۰ھ ع
 میں امام محمد باقر علیہ السلام کی صلاح سے اسلامی سکہ جاری کیا اس سے پہلے روم و ایران کا سکہ اسلامی

ممالک میں بھی جاری تھا۔

اس واقعہ کی تفصیل علامہ دمیری کے حوالہ سے یہ ہے کہ ایک دن علامہ کسائی سے غلیفہ ہارون رشید عباسی نے پوچھا کہ اسلام میں درہم و دینار کے سکے، کب اور کیونکر راج ہوئے انھوں نے کہا کہ سکوں کا اجرا خلیفہ عبدالملک بن مروان نے کیا ہے۔ لیکن اس کی تفصیل سے ناواقف ہوں اور مجھے نہیں معلوم کہ ان کے ابرا اور ایجاد کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ ہارون الرشید نے کہا کہ بات یہ ہے کہ زمانہ سبالی میں جو کاغذ وغیرہ ممالک اسلامیہ میں مستعمل ہوتے تھے۔ وہ مصر میں تیار ہوا کرتے تھے۔ جہاں اس وقت نصرانیوں کی حکومت تھی، اور وہ تمام کے تمام بادشاہ روم کے مذہب پر تھے۔ وہاں کے کاغذ پر جو ضرب یعنی (ٹریڈ مارک) ہوتا تھا۔ اس میں بزیاں روم (اب۔ ابن۔ روح القدس لکھا ہوتا تھا۔ فلم یزل ذالک کذالک فی صدرا لا اسلام کلمہ بمعنی علی ما کان علیہ الخ) اور یہی چیز اسلام میں جتنے دور گزرے تھے سب میں راج تھی یہاں تک کہ جب عبدالملک بن مروان کا زمانہ آیا، تو چونکہ وہ بڑا ذہین اور ہوشیار تھا۔ لہذا اس نے ترجمہ کرا کے گورنر مصر کو لکھا کہ تم رومی ٹریڈ مارک کو موقوف و متروک کر دو۔ یعنی کاغذ کپڑے وغیرہ جو اب تیار ہوں ان میں یہ نشانات نہ لگنے دو۔ بلکہ ان پر یہ لکھو "اَوَّلُ شَهِدِ اللّٰہِ اَنَّمَا لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ"۔ چنانچہ اس حکم پر عمل درآمد کیا گیا۔ جب اس نے مارک کے کاغذوں کا جن پر کلمہ توحید ثبت تھا۔ رواج پایا تو قیصر روم کو بے انتہا اگوار گزرا۔ اس نے تحفے تحائف بھیج کر عبدالملک بن مروان خلیفہ وقت کو لکھا کہ کاغذ وغیرہ پر جو "مارک" پہلے تھا وہی بدستور جاوی کر دو۔ عبدالملک نے ہدایا لینے سے انکار کر دیا اور سفیر کو تحائف و ہدایا سمیت واپس بھیج دیا اور اس کے خط کا جواب تک نہ دیا۔ سفیر نے تحائف کو دو گنا کر کے پھر بھیجا اور لکھا کہ تم نے میرے تحائف کو کم سمجھ کر واپس کر دیا۔ اس لیے اب اضافہ کر کے بھیج رہا ہوں۔ اسے قبول کر لو اور کاغذ سے نیا "مارک" بنا دو۔ عبدالملک نے پھر ہدایا واپس کر دیا اور مثل سابق کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے بعد قیصر روم نے تیسری مرتبہ خط لکھا اور تحائف و ہدایا بھیجے اور خط میں لکھا کہ تم نے میرے خطوط کے جوابات نہیں دیے، اور نہ میری بات قبول کی۔ اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم نے اب بھی رومی ٹریڈ مارک کو از سر نو رواج نہ دیا اور توحید کے جملے کاغذ سے نہ جٹائے تو میں تمہارے رسول کو گالیاں دے سکے، درہم و دینار پر نقش کرا کے تمام ممالک اسلامیہ میں راج کر دوں گا اور تم کچھ نہ کر سکو گے۔ دیکھو اب جو میں نے تم کو لکھا ہے اسے پڑھ کر ارفض جبینک عرفاً۔ اپنی پیشانی کا پسیبہ پوچھ ڈالو۔ اور جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کرو تاکہ ہمارے درمیان جو رشتہ رحمت قائم ہے بدستور باقی رہے۔

عبدالملک ابن مروان نے جس وقت اس خط کو پڑھا اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ ہاتھ

کے عوطی اڑ گئے اور نظروں میں ڈوبنا ساریک ہو گئی۔ اُس نے کمال اضطراب میں علماء و فضلاء اہل الریاء سے اور سیاست دانوں کو فوراً جمع کر کے ان سے مشورہ طلب کیا اور کہا کہ کوئی ایسی بات سوچو کہ سانپ بھی مر جائے اور لالچی بھی نہ ٹوٹے یا سراسر اسلام کا میاب ہو جائے۔ سب نے سر جوڑ کر بہت دیر تک غور کیا۔ لیکن کوئی ایسی رائے نہ دے سکے جس پر عمل کیا جاسکتا۔ "فلما یجد عند احد منہم ریلایا یعل بہ" جب بادشاہ اُن کی کسی رائے سے مطمئن نہ ہو سکا تو اور زیادہ پریشان ہوا۔ اور دل میں کہنے لگا میرے پلنے والے اب کیا کروں۔ ابھی وہ اسی تڑد میں بیٹھا تھا کہ اس کا وزیر اعظم "ابن زیناب" بول اٹھا۔ بادشاہ تو یقیناً جانتا ہے کہ اس اہم موقع پر اسلام کی مشکل کشائی کون کر سکتا ہے۔ لیکن عمداً اس کی طرف رُخ نہیں کرتا۔ بادشاہ نے کہا: "ویحکما من" خدا تجھے سمجھے، بتا تو سہی وہ کون ہے؟ وزیر اعظم نے عرض کی "علیک بالباقر من اہل بیت النبی" میں فرزند رسول امام محمد باقر علیہ السلام کی طرف اشارہ کر رہا ہوں اور وہی اس آڑے وقت میں تیرے کام آسکتے ہیں۔ عبد الملک بن زیناب نے جو نہی آپ کا نام سنا۔ قال صدقت کہنے لگا۔ خدا کی قسم تم نے سچ کہا اور صحیح رہبری کی ہے۔ اس کے بعد اسی وقت فوراً اپنے عامل مدینہ کو لکھا کہ اس وقت اسلام پر ایک سخت مصیبت آگئی ہے اور اس کا دفع ہونا امام محمد باقر کے بغیر ناممکن ہے، لہذا جس طرح ہو سکے انھیں لاضعی کر کے میرے پاس بھیج دو، دیکھو اس سلسلہ میں جو مصارف ہوں گے، وہ بذمہ حکومت ہوں گے۔

عبد الملک نے درخواست طلبی، مدینہ ارسال کرنے کے بعد شاہ روم کے سفیر کو نظر بند کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جب تک میں اس مسئلہ کو حل نہ کر سکوں اسے پایہ سخت سے جانے نہ دیا جائے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عبد الملک بن مروان کا پیغام پہنچا اور آپ فوراً عازم سفر ہو گئے اور اہل مدینہ سے فرمایا کہ چونکہ اسلام کا کام ہے لہذا میں اپنے تمام کاموں پر اس سفر کو ترجیح دیتا ہوں۔ عرض آپ وہاں سے روانہ ہو کر عبد الملک کے پاس جا پہنچے، بادشاہ چونکہ سخت پریشان تھا، اس لیے اُس نے آپ کے استقبال کے فوراً بعد عرض مدعا کر دیا۔ امام علیہ السلام نے مسکراتے ہوئے فرمایا: "لا یعظم لہذا علیک فانہ لیس بشیخ" اے بادشاہ گھبرائیں یہ تو بہت ہی معمولی بات ہے۔ میں اسے ابھی چٹکی بجانے حل کئے دیتا ہوں۔ بادشاہ سن، مجھے بے جا بات معلوم ہے کہ خدائے تمہارے تو اتنا قیصر روم کو اس فعل قبیح پر قدرت ہی نہ دے گا اور پھر ایسی صورت میں جب کہ اُس نے تیرے ہاتھوں میں اس سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت دے رکھی ہے۔ بادشاہ نے عرض کی یا بن رسول اللہ وہ کونسی طاقت ہے جو مجھے نصیب ہے اور جس کے ذریعہ سے میں کامیابی حاصل کر سکتا ہوں۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اسی وقت حکاک اور کاریگروں کو بلاؤ اور ان سے درپردہ

دینار کے سکنے ڈھلواؤ اور ممالک اسلامیہ میں رائج کر دو۔ اُس نے پوچھا کہ ان کی کیا شکل و صورت ہوگی اور وہ کس طرح ڈھیلیں گے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ سکہ کے ایک طرف کلمہ توحید دوسری طرف پیغمبر اسلام کا نام نامی اور ضرب سکہ کا سن لکھا جائے۔ اس کے بعد اُس کے اوزان بتلئے آپ نے کہا کہ درہم کے تین سکنے اس وقت جاری ہیں۔ ایک بغلی جو دس مثقال کے دس ہوتے ہیں دوسرے ہمیری خفاف جو چھ مثقال کے دس ہوتے ہیں۔ تیسرے پانچ مثقال کے دس ایک ۲۱ مثقال ہوتے اس کو تین پقتسیم کرنے پر حاصل تقسیم مثقال ہوتے۔ اسی سات مثقال کے دس درہم ہوا۔ اور اسی سات مثقال کی قیمت سونے کے دینار تیار کر جس کا خوردہ دس درہم ہو۔ سکہ درہم کا نقش چونکہ فارسی میں ہے۔ اس لیے اسی فارسی میں رہنے دیا جائے، اور دینار کا سکہ رومی حرفوں میں ہے۔ لہذا اسے رومی ہی حرفوں میں کندہ کرایا جائے اور ڈھلنے کی مشین (سایچر) شیشے کا بنوایا جائے تاکہ سب ہم وزن تیار ہو سکیں۔

عبدالملک نے آپ کے حکم کے مطابق تمام سکنے ڈھلوائے اور سب کام درست کر لیا۔ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ اب کیا کروں؟ ”امراء محمد بن علی“ آپ نے حکم دیا کہ ان سکوں کو تمام ممالک اسلامیہ میں رائج کر دے۔ اور ساتھ ہی ایک سخت حکم نافذ کر دے جس میں یہ ہو کہ اسی سکہ کو استعمال کیا جائے اور رومی سکنے خلافت قانون قرار دیے گئے۔ اب جو خلافت ورزی کرے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی، اور بوقت ضرورت اسے قتل بھی کیا جاسکے گا۔ عبدالملک بن مروان نے تقبیل ارشاد کے بعد سفیر روم کو لہا کر کے کہا کہ اپنے بادشاہ سے کہنا کہ ہم نے اپنے سکنے ڈھلوا کر رائج کر دیئے اور تمہارے سکہ کو بغیر قانونی قرار دے دیا۔ اب تم سے جو ہو سکے کر لو۔

سفیر روم یہاں سے رہا ہو کر جب اپنے قبضہ کے پاس پہنچا اور اُس سے ساری داستان بتائی تو وہ حیران رہ گیا۔ اور سردار کو دیر تک خاموش بیٹھا سوچتا رہا۔ لوگوں نے کہا، بادشاہ تو نے جو یہ کہا تھا کہ میں مسلمانوں کے پیغمبر کو سکوں پر گالیاں کندا کرادوں گا۔ اب اس پر عمل کیوں نہیں کرتے اس نے کہا کہ اب گالیاں کندا کر کے کیا کروں گا۔ اب تو ان کے ممالک میں میرا سکہ ہی نہیں چل رہا۔ اور لین دین ہی نہیں ہو رہا۔ (حیوۃ الحیوان و میری المتوفی سنہ ۳۸۸ھ جلد ۲۳ طبع مصر ۱۳۵۶ھ)۔

ولید بن عبدالملک کی آل محمد پر ظلم آفرینی

تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ سنہ ۳۸۸ھ میں ولید بن عبدالملک ابن مروان خلیفہ مقرر ہوا تاریخ کامل میں ہے کہ سنہ ۳۸۸ھ میں اس نے حج کعبہ ادا کیا۔ مورخین اسلام کا بیان ہے کہ جب ولید بن عبدالملک

سج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ آیا تو ایک دن منبر رسول پر خطبہ دیتے ہوئے اُس کی نظر امام حسن کے بیٹے حسن مثنیٰ پر پڑی جو خانہ جناب سیدہ میں بیٹھے ہوئے آئینہ دیکھ رہے تھے۔ خطبہ سے فراغت کے بعد اُس نے عمر بن عبدالعزیز کو طلب کر کے کہا کہ تم نے حسن بن حسن وغیرہ کو کیوں اب تک اس مکان میں رہنے دیا، اور کیوں نہ ان کو یہاں سے نکال باہر کیا۔ میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پھر ان لوگوں کو یہاں دیکھوں۔ ضرورت ہے کہ یہ مکان ان سے خالی کرایا جائے اور اسے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا جائے۔ حسن مثنیٰ اور فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام اور ان کی اولاد نے گھر چھوڑنے سے انکار کیا۔ ولید نے حکم دیا کہ مکان کو ان لوگوں پر گرا دو۔ پھر لوگوں نے زبردستی اسباب نکال کر پھینکنا اور اُسے اُجاڑنا شروع کر دیا۔ مجبوراً یہ حضرات مخدرات عالیات سمیت روزِ روشن میں گھر سے نکال کر بیرون مدینہ سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد اسی قسم کا واقعہ جناب حفصہ کے مکان کا بھی پیش آیا جو اولاد حضرت عمر کے قبضہ میں تھا۔ چنانچہ جب اُن سے کہا گیا کہ گھر سے باہر نکلو تو اُنھوں نے منظور نہ کیا اور اس کی قیمت بھی قبول نہ کی۔ حجاج بن یوسف اُس وقت مدینہ میں موجود تھا۔ اُس نے چاہا کہ مکان کو گرا دے۔ مگر جب اس بات کی اطلاع ولید بن عبدالملک کو پہنچی تو اُس نے عمر بن عبدالعزیز عامل مدینہ کو لکھا کہ اولادِ عمر بن خطاب کی رضا جوئی میں کمی نہ کرو۔ اور ان کا احترام ملحوظ خاطر رکھو۔ اگر وہ مکان فروخت کرنے پر راضی نہ ہوں تو اُن کے رہنے کے لیے مکان کا ایک حصہ چھوڑ دو۔ اور ان کی آمد و رفت کے لیے مسجد کی جانب ایک دروازہ بھی رہنے دو۔ (کتاب جذب القلوب ص ۱۴۳ و وفار الوفا جلد ۱ ص ۲۶۳)۔

آپ کے والد ماجد کی وفات حسرتِ آیات

جب آپ کی عمر تقریباً ۳۸ سال کی ہوئی تو ولید بن عبدالملک نے آپ کے والد ماجد حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو ۹۵ھ حج میں زہد دعا سے شہید کر دیا۔ آپ نے قرآن مجید و تفسیر پر انجام دیا۔ آپ ہی نے نماز پڑھائی۔ مگر جامی کہتے ہیں کہ حضرت امام زین العابدین نے اپنے بعد آپ کو اپنا وصی مقرر فرمایا۔ کیونکہ آپ ہی تمام اولاد میں افضل و ارفع تھے۔ علماء کا بیان ہے کہ اپنے والد ماجد کی ظاہری وفات کے بعد آپ امام زمانہ قرار پائے اور آپ پر امامت کے قرآن کی ادائیگی کی ذمہ داری عاید ہو گئی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی حیثیت

کسی معصوم کی علمی حیثیت پر روشنی ڈالنی بہت دشوار ہے، کیونکہ معصوم اور امام زمانہ کو علم لڑنی ہوتا ہے، وہ خدا کی بارگاہ سے علمی صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتا ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

چونکہ امام زمانہ اور حضور الہی تھے۔ اس لیے آپ کے علمی کمالات، علمی کارنامے اور آپ کی علمی حیثیت کی وضاحت ناممکن ہے۔ تاہم میں ان واقعات میں سے مستثنیٰ از خروارے، لکھتا ہوں جن پر علماء عبود حاصل کر سکتے ہیں۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ حضرت کا خود ارشاد ہے کہ علمنا منطلق الطیر و اوتینا من کل شیئ۔ ہمیں طائروں تک کی زبان سکھانی گئی ہے اور میں ہر چیز کا علم عطا کیا گیا ہے۔ (مناقب شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۰۰)۔

روضۃ الصغار میں ہے، بخدا سوگند کہ ماخا زمان خدا نیکم در آسمان و زمین الخ خدا کی قسم زمین اور آسمان میں خداوند عالم کے خازن علم ہیں اور ہم ہی شجرۂ نبوت اور معدن حکمت ہیں۔ وحی ہمارے یہاں آتی رہی اور فرشتے ہمارے یہاں آتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ظاہری ارباب اقتدار ہم سے چلتے اور حسد کرتے ہیں۔ لسان الواعظین میں ہے کہ ابوہریرہ عبد الغفار کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر وازہ ہوا کہ (۱) مولا کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا جس سے اپنے برادر مومن کو تکلیف نہ پہنچے۔ (۲) کونسا خلق بہتر ہے فرمایا صبر اور محبت کر دینا (۳) کون سا مومن کامل ہے۔ فرمایا جس کے اخلاق بہتر ہوں (۴) کون سا جہاد بہتر ہے، فرمایا جس میں اپنا خون بہہ جائے۔ (۵) کون سی نماز بہتر ہے، فرمایا جس کا قنوت طویل ہو۔ (۶) کون سا عداقت بہتر ہے، فرمایا جس سے منافقان سے نجات ملے۔ (۷) بادشاہان دنیا کے پاس جانے میں آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا میں اچھا نہیں سمجھتا۔ (۸) پوچھا کیوں؟ فرمایا اس لیے کہ بادشاہوں کے پاس کی آمد و رفت سے تین باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ (۱) محبت دنیا (۲) فراموشی مرگ (۳) قلت رضائے خدا (۴) پوچھا پھر میں نہ جاؤں، فرمایا میں طلب دنیا سے منع نہیں کرتا۔ اللہ طلب معاصی سے روکتا ہوں۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ یہ سب حقیقت ہے اور اس کی شہرت عام ہے کہ آپ علم وزہد اور شرف میں ساری دنیا سے فوقیت لگے ہیں۔ آپ سے علم القرآن، علم الآثار، علم السنن اور ہر قسم کے علوم، حکم، آداب وغیرہ میں کوئی بھی فوق نہیں گیا۔ حتیٰ کہ آل رسول میں بھی ابوالائمہ کے علاوہ آپ کے برابر ان علوم کے مظاہرہ میں کوئی نہیں ہوا۔ بڑے بڑے صحابہ اور نمایاں تابعین، اور عظیم القدر فقہاء آپ کے سامنے زانوئے ادب نہ کرتے رہے۔ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع بن عبد اللہ انصاری (۴) کے وسیع سے سلام کہلایا تھا اور اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی کہ یہ میرا فرزند باقر العلوم، ہوگا علم کی گتھیوں کو اس طرح سلجھائے گا کہ دنیا حیران رہ جائے گی۔ اعلام الوری ص ۱۵، علامہ شیخ مفید، علامہ شیبانی وغیرہ فرماتے ہیں کہ علم دین، علم احادیث، علم سنن اور تفسیر قرآن و علم السیرت و علوم و فنون۔ ادب وغیرہ کے ذخیرے جس قدر امام محمد باقر علیہ السلام سے ظاہر ہوئے اتنے امام حسین اور امام حسن کی اولاد میں سے کسی سے

ظاہر نہیں ہوئے۔ ملاحظہ ہو کتاب الارشاد ص ۲۸۶ نور الابصار ص ۱۳۱ ریح المطالب ص ۲۲۷ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے علمی فیوض و برکات اور کمالات و احسانات سے اس شخص کے علاوہ جس کی بصیرت زائل ہوگئی ہو، جس کا دماغ خراب ہو گیا ہو۔ اور جس کی طینت و طبیعت فاسد ہوگئی ہو، کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اسی وجہ سے آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ "باقر العلوم" علم کے پھیلانے والے اور جامع العلوم ہیں۔ آپ ہی علوم و معارف میں شہرت عامہ حاصل کرنے اور اس کے مدارج بلند کرنے والے ہیں۔ آپ کا دل صاف، علم و عمل روشن و تابندہ نفس پاک اور خلقت شریف تھی۔ آپ کے کل اوقات اطاعت خداوندی میں بسر ہوتے تھے۔ عارفوں کے قلوب میں آپ کے آثارِ راسخ اور گہرے نشانات نمایاں ہو گئے تھے، جن کے بیان کرنے سے وصف کرنے والوں کی زبانیں گوئی اور عاجز و ماندہ ہیں۔ آپ کے زہد و تقویٰ آپ کے علوم و معارف آپ کے عبادات و ریاضات اور آپ کے ہدایات و کلمات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصار اس کتاب میں ناممکن ہے۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۱۱) علامہ ابن خلدکان لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر ۳ علامہ زمان اور سردار کبیر ایشان تھے۔ آپ علوم میں بڑے تبحر اور وسیع الاطلاع تھے۔ (وفیات الاعیان جلد ۴ ص ۲۵) علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ آپ بنی ہاشم کے سردار اور متبحر علمی کی وجہ سے باقر مشہور تھے۔ آپ علم کی تہ تک پہنچ گئے تھے، اور آپ نے اس کے دقائق کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۱۱) علامہ شبر آوی لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر ۲ کے علمی تذکرے دُنیا میں مشہور ہوئے۔ اور آپ کی مدح و ثناء میں بکثرت شعر لکھے گئے، مالک جہمی نے یہ تین شعر لکھے ہیں۔

ترجمہ :- جب لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کرنا چاہیں تو پورا قبیلہ قریش اس کے بتانے سے عاجز رہے گا، کیونکہ وہ خود محتاج ہے اور اگر فرزند رسول امام محمد باقر کے منہ سے کوئی بات نکل جائے تو بے حد و حساب مسائل و تحقیقات کے ذخیرے ہتیا کر دیں گے۔ یہ حضرات وہ ستارے ہیں جو ہر قسم کی تاریکیوں میں چلنے والوں کے لیے چمکتے ہیں اور ان کے انوار سے لوگ راستے پاتے ہیں۔ (الاتحاف ص ۲۵) و تاریخ الامم ص ۱۱۱) علامہ ابن شہر آشوب کا بیان ہے کہ صرف ایک راوی محمد بن مسلم نے آپ سے تیس ہزار حدیثیں روایت کی ہیں۔ (مناقب جلد ۵ ص ۱۱۱)۔

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ جابر جعفی کا بیان ہے کہ میں ایک دن حضرت

آپ کے بعض علمی ہدایات و ارشادات

امام محمد باقر علیہ السلام سے ملا تو آپ نے فرمایا اے جابر میں دُنیا سے بالکل بے فکر ہوں۔ کیونکہ جس کے دل میں دینِ خالص ہو وہ دُنیا کو کچھ نہیں سمجھتا، اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دُنیا چھوٹی مٹی کی سواری اُتارنا ہوا کپڑا اور استعمال کی ہوئی عورت ہے۔ مٹی کی بقیہ کی بقا سے مطمئن نہیں ہوتا اور اُس کی دیکھی ہوئی

چیزوں کی وجہ سے نور خدا اس سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔ مومن کو تقویٰ اختیار کرنا چاہیے کہ وہ ہر وقت اسے متنبہ اور بیدار رکھتا ہے۔ منو دنیا ایک سرانے فانی ہے نزالت بہ وار تحلت منہ۔ اس میں آنا جانا لگا رہتا ہے۔ آج آئے اور کل گئے۔ اور دنیا ایک خواب ہے جو کمال کے مانند دیکھی جاتی ہے اور جب جاگ اٹھے تو کچھ نہیں۔۔۔ آپ نے فرمایا تکبر بہت بُری چیز ہے، یہ جس قدر انسان میں پیدا ہوگا۔ اسی قدر اس کی عقل گھٹے گی۔ کیسے شخص کا حربہ گالیاں بکنا ہے۔ ایک عالم کی موت کو ابلیس نوے عابدوں کے مرنے سے بہتر سمجھتا ہے۔ ایک ہزار عابد سے وہ ایک عالم بہتر ہے جو

اپنے علم سے فائدہ پہنچا رہا ہو۔ میرے ماننے والے وہ ہیں جو اللہ کی اطاعت کریں۔ انکسوں کی بڑی قیمت ہے رونے والا بخشا جاتا ہے اور جس رُخسار پر آسٹو جاری ہوں وہ ذلیل نہیں ہوتا۔ سستی اور زیادہ تیزی برائیوں کی کنجی ہے۔ خدا کے نزدیک بہترین عبادت پاک دامن ہے انسان کو چاہیے کہ اپنے پیٹ اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں۔ دُعا سے قضا بھی مل جاتی ہے۔ نیکی بہترین خیرات ہے۔ بدترین عیب یہ ہے کہ انسان کو اپنی آنکھ کی شہتیر دکھائی نہ دے، اور دوسرے کی آنکھ کا تزکا نظر آئے۔ یعنی اپنے بڑے گناہ کی پرواہ نہ ہو، اور دوسروں کے چھوٹے عیوب اُسے بڑے نظر آئیں اور خود عمل نہ کرے، صرف دوسروں کو تلمیم دے۔ جو خوشحالی میں ساتھ دے اور تنگ دستی میں دُور رہے، وہ تمہارا بھائی اور دوست نہیں ہے۔

(مطالب السؤل ۲۶۲)۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جب کوئی نعمت ملے تو کہو الحمد للہ اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو کہو لا حول ولا قوۃ الا باللہ اور جب روزی تنگ ہو تو کہو استغفر اللہ۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، جتنی محبت تمہارے دل میں ہوگی۔ اتنی ہی تمہارے بھائی اور دوست کے دل میں بھی ہوگی۔ تین چیزیں خدا نے تین چیزوں میں پوشیدہ رکھی ہیں۔ (۱) اپنی رضا اپنی اطاعت میں، کسی فرمانبرداری کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید اسی میں خدا کی رضا ہو (۲) اپنی ناراضی اپنی معصیت میں۔ کسی گناہ کو معمولی نہ جانو شاید خدا اسی سے ناراض ہو جائے (۳) اپنی دوستی یا اپنے ولی، مخلوقات میں کسی شخص کو حقیر نہ سمجھو، شاید وہی ولی اللہ ہو۔ (نور الابصار ۱۳۱ و ۱۳۲)

اتحاف ۹۳ احادیث آئمہ میں ہے۔ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں۔ انسان کو جتنی عقل دی گئی ہے۔ اسی کے مطابق اس سے قیامت میں حساب و کتاب ہوگا۔ ایک نفع پہنچانے والا عالم شہ نزار عابدوں سے بہتر ہے۔ عالم کی صحبت میں ٹھوڑی دیر بیٹھنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے خدا اُن عمل پر رحم و کرم فرمائے جو احیاء علم کرنے اور تقویٰ کو فروغ دیتے ہیں۔ علم کی زلۃ یہ ہے

کہ مخلوق خدا کو تعلیم دی جائے۔ قرآن مجید کے بارے میں تم جتنا جانتے ہو اتنا ہی بیان کرو۔ بندوں پر خدا کا حق یہ ہے کہ جو جانتا ہو اسے بتائے اور جو نہ جانتا ہو اس کے جواب میں خاموش ہو جائے۔ علم حاصل کرنے کے بعد اسے پھیلاؤ۔ اس لیے کہ ظلم کو بند رکھنے سے شیطان کا غلبہ ہوتا ہے۔ معتدل اور معتدل کا ثواب برابر ہے۔ جس کی تعلیم کی غرض یہ ہو کہ وہ . . . علم سے بحث کرے۔ جہلا پر رعب جائے اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرے وہ جہنمی ہے۔ دینی راستہ دکھلانے والا اور راستہ پانے والا دونوں ثواب کی میزان کے لحاظ سے برابر ہیں۔ جو دنیاویات میں غلط کرتا ہو اسے صحیح بنا دو۔ ذات الہی وہ ہے۔ جو عقل انسانی میں سمائے سکے اور حدود میں محدود نہ ہو سکے۔ اس کی ذات فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ خدا ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ خدا کی ذات کے بارے میں بحث نہ کرو، ورنہ حیران ہو جاؤ گے۔ اجل کی دو قسمیں ہیں ایک اجل مسموم، دوسرے اجل موقوف، دوسری سے خدا کے سوا کوئی واقف نہیں۔ زمین حجت خدا کے بغیر باقی نہیں رہ سکتی۔ امت بے امام کی مثال بھیڑ کے اس گلے کی ہے، جس کا کوئی بھی نگران نہ ہو۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے رُوح کی حقیقت اور ماریت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ رُوح ہوا کی مانند متحرک ہے اور یہ ریح سے مشتق ہے ہم جنس ہونے کی وجہ سے اسے رُوح کہا جاتا ہے۔ یہ رُوح جو جانداروں کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے، وہ تمام ریحوں سے پاکیزہ تر ہے۔ . . . رُوح مخلوق اور مصنوع ہے اور حادث اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے والی ہے۔ . . . وہ ایسی لطیف شے ہے جس میں نہ کسی قسم کی گرانی اور سنگینی ہے نہ سبکی، وہ ایک باریک اور رقیق شے ہے جو غالب کیفیت میں پوشیدہ ہے۔ اس کی مثال اس مشک جیسی ہے جس میں ہوا بھر دو۔ ہوا بھرنے سے وہ پھول جاتے گی۔ لیکن اُس کے وزن میں اضافہ نہ ہوگا۔ رُوح باقی ہے اور بدن سے نکلنے کے بعد فنا نہیں ہوتی۔ یہ نفعِ صورت کے وقت ہی فنا ہوگی۔

آپ سے خداوند عالم کے صفات کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا، کہ وہ سمیع و بصیر ہے اور آک سمع و بصیر کے بغیر سنتا اور دیکھتا ہے۔ زمین معتزلہ عمر بن عبید نے آپ سے دریافت کیا کہ ”من یحال علیہ غضبسی“ سے کون سا غضب مراد ہے۔ فرمایا، عقاب اور غداہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ ابو خالد کابلی نے آپ سے پوچھا کہ قول خدا ”فامسوا باللہ ورسولہ والنور الذی انزلنا“ میں، نور سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ”واللہ النور لا یموت من آل محمد“ خدا کی قسم نور تم آل محمد مراد ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یوم ندم عواکل اناس بامامہم سے کون لوگ مراد ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ رسول اللہ میں اور ان کے بعد ان کی اولاد سے۔

آئمہ ہوں گے۔ انہیں کی طرف آیت میں اشارہ فرمایا گیا ہے جو انہیں دوست رکھے گا۔ اور ان کی تصدیق کرے گا۔ وہی نجات پائے گا اور جو ان کی مخالفت کرے گا جہنم میں جائے گا۔ ایک مرتبہ طاؤس یبانی نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کیا کہ وہ کونسی چیز ہے جس کا تھوڑا استعمال حلال تھا اور زیادہ استعمال حرام۔ آپ نے فرمایا کہ وہ نہر طلوت کا پانی تھا۔ جس کا صرف ایک چلو پینا حلال تھا اور اس سے زیادہ حرام پوچھا وہ کون سا روزہ تھا جس میں کھانا پینا جائز تھا۔ فرمایا وہ جناب مریم کا روزہ صمت تھا جس میں صرف نہ بولنے کا روزہ تھا، کھانا پینا حلال تھا۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو صرف کرنے سے کم ہوتی ہے۔ برہمنی نہیں، فرمایا کہ وہ عمر ہے۔ پوچھا وہ کون سی شے ہے جو برہمنی سے گھٹی نہیں، فرمایا وہ سمندر کا پانی ہے۔ پوچھا وہ کونسی چیز ہے جو صرف ایک بار اثری اور پھر نہ اثری فرمایا، وہ کوہ طور ہے جو ایک بار حکم خدا سے اڑ کر بنی اسرائیل کے سروں پر آگیا تھا۔ پوچھا وہ کون لوگ ہیں جن کی سچی گواہی خدا نے جھوٹی قرار دی۔ فرمایا، وہ منافقوں کی تصدیق رسالت ہے جو دل سے نہ تھی۔ پوچھا، بنی آدم کا پلہ حصہ کب ہلاک ہوا۔ فرمایا ایسا کبھی نہیں ہوا، تم یہ پوچھو کہ انسان کا پلہ حصہ کب ہلاک ہوا تو میں تمہیں بتاؤں کہ یہ اس وقت ہوا۔ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا۔ کیونکہ اس وقت چار آدمی تھے۔ آدم، حوا، ہابیل، قابیل پوچھا۔ پھر نسل انسانی کس طرح برہمنی۔ فرمایا جناب شیث سے جو قتل ہابیل کے بعد لطن حوا سے پیدا ہوئے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اور جناب ابو حنیفہ کا امتحان

مدت تک حضرت کی خدمت میں حاضر رہے اور انہیں سے فقہ حدیث کے متعلق بہت سی نادریاتیں حاصل کیں۔ شیعہ سنی دونوں نے مانا ہے کہ امام ابو حنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ہی کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا۔ جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے۔ (سیرۃ النعمان و اعلام المؤمنین جلد ۱ ص ۱۳۴) علامہ شبرادی شافعی لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے امام ابو حنیفہ سے فرمایا کہ میں نے تمہارے کرم قیاس کرنے میں زمین و آسمان کے گلابے ملائے ہو کیا یہ سچ ہے؟ انہوں نے کہا میں بے شک قیاس کرتا ہوں اور اس کی وجہ حدیث و اخبار ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اچھا میں چند سوالات کرتا ہوں تم قیاس کر کے جواب دو۔ انہوں نے کہا فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا قتل بڑا گناہ ہے کہ زنا، عرض کی قتل۔ فرمایا پھر کیا وجہ ہے کہ قتل میں صرف دو گواہ کافی ہیں اور زنا کی شہادت میں چار گواہ طلب

۱۔ اس کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ اسلام جلد ۱ صفحہ ۱۰۸۲ مطبوعہ امیر کتب خانہ مغل حری لاہور۔

ہوتے ہیں۔ انھوں نے سکوت اختیار کیا اور اصرار پر بولے مجھے علم نہیں۔ پھر آپ نے فرمایا، نماز کی عظمت زیادہ ہے یا روزہ کی۔ کہا نماز کی، کہا پھر کیا وجہ ہے کہ حالتہ عورت کو نماز کی قضا ضروری نہیں اور روزہ کی قضا لازمی ہے۔ انھوں نے کہا مجھے معلوم نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا تبادہ پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی۔ انھوں نے کہا کہ پیشاب زیادہ نجس ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ پیشاب کے بعد وضو کیا جاتا ہے اور منی کے بعد غسل واجب ہے۔ کہا مجھے علم نہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا بیان ہے کہ ان سوالات کے بعد آپ دوسرے کاموں میں لگ گئے تو میں نے عرض کی اے فرزند رسول ان سب مسائل کے بارے میں میری تشفی و تسلی فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس شرط سے بتاؤں گا کہ تم آئندہ قیاس کرنے سے باز رہنے کا وعدہ کرو۔ چنانچہ میں نے وعدہ کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ہنسنا!

(۱) قتل کرنے والا ایک ہی شخص ہوتا ہے، اس لیے صرف دو گواہ کافی ہوتے ہیں۔ اور زنا میں دو شخص ہوتے ہیں اس لیے چار گواہ کی ضرورت ہوتی ہے (۲) حالتہ کو سال میں ایک ہی مرتبہ روزہ سے دو چار ہونا پڑتا ہے۔ اس کی قضا آسان ہے اور نماز سے ہر ماہ سابقہ پڑتا ہے۔ اس کی قضا مشکل ہے۔ اس لیے خدانے یہ سہولت دی ہے کہ روزہ کی قضا کرے اور نماز کی قضا کرے (۳) پیشاب صرف مشانہ سے نکلتا ہے، اور دن میں کئی مرتبہ نکلتا ہے۔ اس میں غسل دشوار ہوتا، اور منی سارے جسم سے نکلتی ہے۔ "تحت کل شعرة جنابتہ" بلکہ نریں سمجھو کہ ہر منی ٹمٹے نکلتی ہے اور کبھی کبھی نکلتی ہے اس لیے غسل کرنا آسان ہوتا ہے۔ لہذا اس کے غسل اخراج کا لحاظ کرتے ہوئے غسل ضروری قرار دیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا بیان ہے کہ اس جواب سے مجھے پوری تسلی ہو گئی اور میں حضرت کو سلام کر کے گھر واپس آیا۔ (اتحاف ص ۵۵ طبع مصر) علامہ دمیری نے اپنی کتاب حیوانہ کی جلد ۲ ص ۱۵۷ تحت لغت طبع مصر میں اس واقعہ کو امام جعفر صادق علیہ السلام سے متعلق لکھا ہے۔

علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ علامہ ابن عمر بن عبید نے حضرت امام محمد باقرؑ سے پوچھا "ان السموات والارض کانتا ارتفاعتقناھا" کا کیا مطلب ہے، آپ نے ارشاد فرمایا آسمان و زمین دونوں (اپنی فیض رسانی سے) بند تھے پھر خدانے انھیں کھول دیا، یعنی آسمان سے پانی پرسنے لگا اور زمین سے دانہ اگانے لگا (نور الابصار ص ۳۱ و اتحاف ص ۵۵ و کشف الخمر ص ۵۵) علامہ جامی لکھتے ہیں کہ انسانوں کی طرح آپ سے جن بھی علمی فائدہ اٹھایا کرتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن بارہ اجنبی اشخاص کو آپ کے پاس دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، امام محمد باقرؑ نے فرمایا یہ جن ہیں میرے پاس مسائل شرعیہ پوچھنے آتے ہیں۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۲)۔

امام محمد باقر علیہ السلام کے بعض کرامات

آئمہ اہل بیت علیہم السلام کا صاحب کرامات ہونا مسلمات سے ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے کرامات جدا حصاً سے باہر ہیں۔ اس مقام پر چند لکھے جاتے ہیں۔ علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ (۱) ایک روز آپ نجر پسر فرما رہے تھے اور آپ کے ہمراہ ایک اور شخص گدھے پر سوار تھا۔ گدھے اور دینار کے درمیان پہاڑ سے ایک بھیڑ باندھوا۔ آپ نے اُسے دیکھ کر اپنی سواری روک لی۔ وہ قریب پہنچ کر گویا ہوا۔ مولا! اس پہاڑی میں میری مادہ ہے اور اُسے سخت درد زہ عارض ہے آپ نے دعا فرمادی تھی کہ اس مصیبت سے نجات ہو جائے۔ آپ نے دعا فرمادی۔ پھر اُس نے کہا کہ یہ بھی دعا کیجئے کہ "از نسل من بر شیعۃ تو مستط نہ گردانم" میری نسل میں سے کسی کو بھی آپ کے شیعوں پر غلبہ و تسلط نہ حاصل ہونے دے، آپ نے فرمایا میں نے دعا کر دی، وہ چلا گیا (۲) ایک شب ایک شخص شدید بارش کے دوران میں آپ کے دولت کدہ پر جا کر خاموش کھڑا ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس نامناسب وقت میں "دقی الباب" کروں یا واپس چلا جاؤں۔ ناگاہ آپ نے اپنی ٹونڈی سے فرمایا کہ فلاں شخص کدے سے آکر میرے دروازے پر کھڑا ہے اسے بلالو۔ اُس نے دروازہ کھول کر بلایا۔ (۳) راوی کا بیان ہے کہ میں ایک دن آپ کے دولت کدہ پر حاضر ہو کر اذن حضور کی کا طالب ہوا۔ آپ نے کسی وجہ سے اجازت نہ دی۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ اتنے میں دیکھا کہ بہت سے آدمی آتے اور گئے۔ یہ جلال دیکھ کر میں بہت رنجیدہ ہوا اور دیر تک سوچنے لگا کہ کسی اور مذہب میں چلا جاؤں اس خیال میں گھر چلا گیا۔ جب رات ہوئی تو آپ میرے مکان پر تشریف لائے اور کہنے لگے کسی مذہب میں مت جاؤ، کوئی مذہب درست نہیں ہے۔ آؤ میرے ساتھ چلو یہ کہہ کر اپنے ہمراہ لے گئے (۴) ایک شخص نے آپ سے کہا کہ خدا پر مومن کا کیا حق ہے۔ آپ نے اس کے جواب سے اعراض کیا جب وہ نہ مانا تو فرمایا کہ اس درخت کو اگر کہہ دیا جائے کہ چلا آ، تو وہ چلا آئے گا۔ یہ کہنا تھا کہ وہ اپنے مقام سے روانہ ہو گیا، پھر آپ نے حکم دیا وہ واپس چلا گیا۔ (۵) ایک شخص نے آپ کے مکان کے سامنے کوئی حرکت کی، آپ نے فرمایا مجھے علم ہے، دیوار جاری نظروں کے درمیان حامل نہیں ہوتی، آئندہ ایسا نہیں ہونا چاہیے (۶) ایک شخص نے آپ سے اپنے بالوں کے سفید ہونے کی شکایت کی آپ نے اُسے اپنے ہاتھوں سے مس کر دیا، وہ سیاہ ہو گئے (۷) جس زمانہ میں امام زین العابدین علیہ السلام کا انتقال ہوا تھا۔ آپ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے اتنے میں منصور دوانچی اور داؤد بن سلیمان مسجد میں آئے منصور آپ سے دُور بیٹھا اور داؤد قریب آ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ منصور میرے پاس کیوں نہیں آتا۔ اُس نے کوئی عذر بیان کیا۔ حضرت نے فرمایا اس سے

کہ دو کر تو عنقریب بادشاہ وقت ہوگا اور شرق و غرب کا مالک ہوگا۔ یہ سن کر دو الٹی آپ کے قریب آگیا اور کہنے لگا آپ کا رعب و جلال میرے قریب آنے سے مانع تھا، پھر آپ نے اُس کی حکومت کی تفصیل بیان فرمائی، چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ (۸) ابوبصیر کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، انھوں نے ایک دن کہا کہ آپ تو وارث انبیاء ہیں۔ میری روشنی پلاؤ مجھے۔ آپ نے اسی وقت آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر انھیں بینا بنا دیا (۹) ایک کوئی نے آپ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ کے تابع فرشتے ہیں جو آپ کو شیعہ اور غیر شیعہ بنا دیا کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا تو کیا کام کرتا ہے، اس نے کہا گندم فروشی۔ آپ نے فرمایا غلط ہے۔ پھر اس نے کہا کبھی کبھی جو بھی بیچتا ہوں، فرمایا یہ بھی غلط ہے، تو صرف خرے بیچتا ہے۔ اُس نے کہا کہ آپ سے یہ کس نے بتایا ہے۔ امام نے فرمایا اسی فرشتے نے جو میرے پاس آتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ تو فلاں بیماری میں تین دن کے اندر وفات کر جائے گا۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ (۱۰) راوی کہتا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا، کہ آپ بزبان سریانی مناجات پڑھ رہے ہیں۔ میرے سوال کے جواب میں فرمایا کہ یہ فلاں نبی کی مناجات ہے۔ (۱۱) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام ایک دن مدینہ میں بہت سے لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے، ناگاہ آپ نے سر ڈال لیا۔ اس کے بعد فرمایا، اے اہل بیت آئندہ سال یہاں نانخ بن اریق چار ہزار جوار سپاہی لے کر آئے گا اور تین شبانہ روز شدید مقابلہ و مقاتلہ کرے گا، اور تم اپنا تحفظ نہ کر سکو گے۔ سنو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں ہو کائنات لایب منہ وہ ہو کے رہے گا۔ چنانچہ آئندہ سال کان الامر علی ما قال۔ موسیٰ ہوا جو آپ نے فرمایا تھا۔ (۱۲) زید بن عازم کا بیان ہے کہ ایک دن زید شہید آپ کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ ضرور کو قہ میں خروج کریں گے اور قتل ہوں گے اور ان کا سر دیار بدیا پھرایا جائے گا۔ فلکان کما قال چنانچہ وہی کچھ ہوا۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۵) فوراً ابصار ص ۱۸۵۔

آپ کی عبادت گزار
اور آپ کے عام حالات

تھی۔ بوریسے پر بیٹھتے تھے۔ ہدایا جو آتے تھے اُس فقرا و مساکین پر تقسیم کر دیتے تھے۔ غریبوں پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ تواضع اور فروتنی، صبر و شکر غلام نوازی صلہ رحم وغیرہ میں اپنے آپ نظیر تھے۔ آپ کی تمام آمدنی فقرا پر صرف ہوتی تھی۔ آپ فقیروں کی بڑی عزت کرتے تھے اور انھیں اچھے نام سے یاد کرتے تھے۔ (کشف الغم ص ۹۵) آپ کے ایک غلام اقلح کا بیان ہے کہ ایک دن

آپ کعبہ کے قریب تشریف لے گئے، آپ کی جیسے ہی کعبہ پر نظر پڑی آپ صبح مار کر رونے لگے
میں نے نما کہ حضور سب لوگ دیکھ رہے ہیں آپ آہستہ سے گریہ فرماتیں۔ ارشاد کیا، اے فلح شاید خدا
بھی انھیں لوگوں کی طرح میری طرف دیکھ لے اور میری بخشش کا سہارا ہو جائے۔ اس کے بعد
آپ سجدہ میں تشریف لے گئے اور جب سر اٹھا یا تو ساری زمین آسواؤں سے تر تھی (مطالب السؤل ص ۱۷)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور ہشام بن عبد الملک

تواریخ میں ہے ۹۱ھ میں ولید بن عبد الملک فوت ہوا (ابوالفضل) اور اس کا بھائی سلیمان بن
عبد الملک خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (ابن الوری) ۹۱ھ میں عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہوا۔ (ابن الوری) اُس
نے خلیفہ ہوتے ہی اس بدعت کو جو سلمہ حج سے بنی امیہ نے حضرت علی پر سب و شتم کی صورت میں
جاری کر رکھی تھی حکماً روک دیا (ابوالفضل) اور قنوقم خمس بنی ہاشم کو دینا شروع کیا۔ (کنز الحوائج
ابو یوسف) یہ وہ زمانہ تھا جس میں علی کے نام پر اگر کسی بچے کا نام دیا جاتا تھا تو وہ قتل کر دیا جاتا تھا اور کسی
کو بھی زندہ نہ چھوڑا جاتا تھا۔ (تدریب الراوی سیوطی) اس کے بعد سلمہ سبھی میں یزید بن عبد الملک
خلیفہ بنایا گیا۔ (ابن الوری) ۹۱ھ میں ہشام بن عبد الملک بن مروان بادشاہ وقت مقرر ہوا۔
(ابن الوری)۔

ہشام بن عبد الملک ہجرت، چالاک، کنجوس، متعصب، چال باز، سخت مزاج، کج کرد، خود ستر
حریمیں، کانوں کا کچھا اور حد درجہ کاشکی تھا، کبھی کسی کا اقتدار نہ کرتا تھا۔ اکثر صرف شہ پر سلطنت
کے لائق لائق ملازموں کو قتل کرا دیتا تھا۔ یہ عہدوں پر انھیں کو فائز کرتا تھا جو خوشامدیوں میں اس نے
خالد بن عبد اللہ قسری کو ۹۱ھ سے ۹۲ھ تک عراق کا گورنر رکھا۔ قسری کا حال یہ تھا کہ ہشام کو
رسول اللہ سے افضل بتاتا اور اسی کا پر و پیگنڈہ کی کرتا تھا۔ (تاریخ کامل جلد ۱۱ ص ۳۱۱) ہشام اس
کا دشمن تھا۔ اسی نے زید شہید کو نہایت بُری طرح قتل کیا تھا۔ تاریخ اسلام جلد ۱۱ ص ۳۱۱ اسی نے اپنے
زمانہ ولید حدی میں فرزوق شام کو امام زین العابدین کی مدح کے جرم میں بمقام عثمان قید کیا تھا۔
(صواعق محرقة ص ۱۲)۔

ہشام کا سوال اور اس کا جواب | تخت سلطنت پر بیٹھنے کے بعد ہشام بن عبد الملک
حج کے لیے گیا۔ وہاں اُس نے امام محمد باقر علیہ السلام
کو دیکھا کہ مسجد الحرام میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو پسند و نفاق سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر ہشام
کی دشمنی نے کروٹ کی اور اُس نے دل میں سوچا کہ انھیں ذلیل کرنا چاہیے اور اسی ارادہ سے اس
نے ایک شخص سے کہا کہ جا کر ان سے کہو کہ خلیفہ پوچھ رہے ہیں کہ حشر کے دن آنری فیصلہ سے قبل لوگ کیا

کھائیں اور پیئیں گے۔ اُس نے جا کر امام علیہ السلام کے سامنے خلیفہ کا سوال پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جہاں
حشر و نشر ہوگا وہاں میوے دار و زحمت ہوں گے، وہ لوگ انھیں چیزوں کو استعمال کریں گے۔ بادشاہ
نے جواب سن کر کہا یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ حشر میں لوگ مصیبتوں اور اپنی پریشانیوں میں مبتلا ہوں گے
ان کو کھلنے پینے کا ہوش کہاں ہوگا؟ قاصد نے بادشاہ کا کفہ نقل کر دیا۔ حضرت نے قاصد سے فرمایا
کہ جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ تم نے قرآن بھی پڑھا ہے یا نہیں، قرآن میں یہ نہیں ہے کہ جہنم کے
لوگ جنت والوں سے کہیں گے کہ ہمیں پانی اور کچھ نعمتیں دے دو کہ پی اور کھالیں۔ اس وقت وہ جواب
دیں گے کہ کافروں پر جنت کی نعمتیں حرام ہیں۔ (پٹ، رکوع ۱۳) تو جب جہنم میں بھی لوگ کھانا
پینا نہیں بھولیں گے تو حشر و نشر میں کیسے بھول جائیں گے جس میں جہنم سے کم سختیاں ہوں گی۔ اور وہ
امید و بیم اور جنت و دوزخ کے درمیان ہوں گے۔ یہ سن کر ہشام شہزادہ ہو گیا۔ (ارشاد مفید ص ۴۵۸
و تاریخ ائمہ ص ۱۱۱)۔

یہ اور بات ہے کہ آل محمد کو دیدہ و دانستہ نظر انداز
کر دیا جائے، لیکن کٹھن مواقع پر اہم مراحل کے لیے

امام محمد باقر اور ہشام کی مشکل کشائی

ان کی مشکل کشائی کے بغیر کوئی چارہ کار ہی نہیں تھا۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: ہشام بن عبد اللہ
بن مروان کے زمانہ میں شام و عراق کے آئے ولے حجاج کو مکہ کے راستے میں ایک منزل پر پانی
ن ملنے کی وجہ سے سخت مصیبت کا سامنا ہوا کرتا تھا۔ غریب حجاج اس منزل کی بے آبی اور اپنی
اضطراب و بے تابی کا خیال کر کے منزل دو منزل پہلے سے اپنا سامان جمع کر لیا کرتے تھے تاکہ اس
منزل تک کفایت کر سکے، مگر بعض اوقات یہ انتظامات بھی ناکافی ثابت ہو جاتے تھے، اور
بہت سے غریب حجاج پانی نہ ملنے کی وجہ سے اس منزل پر جاں بحق تسلیم ہو جاتے تھے۔ اس
مصیبت کی شکایت اہل اسلام میں ہمیشہ سنی رہتی تھی۔ وہاں کی زمین بھی حجاز کی تمام زمینوں سے
زیادہ سنگلاخ تھی، وہاں زمین سے پانی نکالنا گویا آسمان سے پانی لانا تھا۔ آخر کار حجاز کی اس ناقابل
برداشت مصیبت پر سلطنت نے توجہ کی اور وہاں ایک بہت بڑا کنواں کھودنے کا بندوبست کیا گیا
ہشام نے اس کنویں کی تعمیر کا اہتمام خود اپنے ذمہ لیا اور اپنے میر عمارت کو مزدوروں اور کام کرنے
والوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اُس مقام پر بھیجا۔ غرض کہ محمد تعمیرات کا سلطان اسل
مقام پر پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہوا۔ وہ عرب کی زمین اور پھر عرب میں بھی کس حصہ کی، حجاز کی،
دن دن بھر کی جانگاہ محنتوں میں ہاتھ دو ہاتھ۔ زمین کا کھد جانا بھی غریب کام کرنے والوں کے لیے
بہت غنیمت تھا۔ خدا خدا کر کے کام کرنے والے سطح آب کے قریب پہنچے تو یکایک اُس کی جانب
سے ایک سولہا خ پیدا اور ہویدا ہو گیا۔ اس سے ایک نہایت گرم اور مچھلا دینے والی ہوا نکلی جس

نے ان سب کو ہلاک کر دیا جو اس وقت اس کنویں کے اندر تھے۔ کنویں کے اوپر جو دیگر کام کرنے والے تھے۔ انھوں نے جب ان کی زندگی کے آثار مفقود پائے تو شخص حال کے لیے چند اور آدمیوں کو کنویں میں اتارا وہ بھی جا کر واپس نہ آئے۔

جب تمام اسٹاف کے دو تہائی کارکن ضائع ہو چکے اور ان کی ہلاکت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میر عمارت نے مجبور ہو کر کام بند کر دیا اور ہشام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر واز ہوا، اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی تمام دربار میں شامٹا چھا گیا اور ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اس کے اسباب اور بواعث ڈھونڈنے لگا۔ آخر ہشام نے ایک تحقیقاتی جماعت کو مرتب کر کے موقع پر بھیجا مگر وہ بھی ناکام رہی اور یہ معلوم نہ کر سکی کہ اس میں جانے والے مر کیوں جاتے ہیں؟

ہشام اسی اضطراب اور پریشانی میں تھا کہ حج کا زمانہ آگیا، یہو مشق سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اس نے ہر مکتب خیال کے رہنماؤں کو جمع کیا اور ان کے سامنے کنویں والا واقعہ بیان کیا اور ان سے مشکل کشائی کی خواہش کی۔

بادشاہ کی عرضداشت سن کر سب خاموش ہو گئے اور کافی سوچنے کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ناگاہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جو بادشاہ کی طرف سے مدعو تھے آ پہنچے، اور آپ نے حالات سن کر فرمایا میں موقع دیکھو گا چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور واپس آ کر آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ قوم عادیوں سے جو اہل احکاف تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، یہ جگہ انھیں کے معذب ہونے کی ہے اور یہ ریح عظیم جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکل رہی ہے یہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ لہذا اس جگہ کو فوراً بند کرادے اور فلاں مقام پر کنواں کھودو۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ارشاد سے لوگوں کی جانیں بھی بچ گئیں اور کنواں بھی تیار ہو گیا۔ (حیوۃ القلوب جلد ۲ مجمع البحرین ص ۵۵ و ماثر باقریہ ص ۲۲) رسول کریم فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے جلد دور ہجاگو جو معذب ہو چکے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی متاثر ہو جاؤ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۵ طبع مصر)۔

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام محمد باقر علیہ السلام ہی جیسا واقعہ عبد مدی عباسی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔ (مناقب جلد ۵ ص ۶۹)۔

علامہ مجلسی اور سید ابن طاووس رقمطراز ہیں کہ ہشام بن عبد الملک اپنے عبد حکومت کے آخری ایام میں حج بیت اللہ کے لیے مکہ معظمہ میں پہنچا۔ وہاں حضرت

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام
کی دمشق میں طلبی

امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام بھی موجود تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق

علیہ السلام نے مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں روئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کی حجت ہیں۔ ہمارا دشمن جہنم میں جلے گا، اور ہمارا دوست نعمت سے متنعم ہوگا۔

اس خطبہ کی اطلاع بمشام کو دی گئی، وہ وہاں تو خاموش رہا۔ لیکن دمشق پہنچنے کے بعد والی مدینہ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور جعفر بن محمد کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں بمشام نے آپ کو تین روز تک اذین حضوری نہیں دیا۔ چوتھے روز جب اچھی طرح دربار کو سجالا۔ تو آپ کو بلوا بھیجا۔ آپ حضرات جب داخل دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں۔ حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں مجھے اس سے معاف رکھ، اُس نے بے رحم کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ پھر ایک تیر کمان آپ کو دوا دیا آپ نے بھیک نشانے پر تیر لگائے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا، بادشاہ ہم معدن رسالت ہیں۔ ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر مشام کو غصہ آ گیا۔ وہ بولا کہ آپ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابی طالب نے عیب کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علی امام مہین تھے۔ انہیں کیا نہیں معلوم تھا۔ (جلاء العیون) ثقہ الاسلام علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ مشام نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سسر دربار ذلیل کروں گا۔ تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہو جاؤں تو انہیں کلمات ناسزا کہنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ یا درکھ تم ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے، خداوند عالم نے ہمیں جو عزت دی ہے، اُس میں ہم نازدہیں۔ یاد رکھو عزت کی شاہی متعین کے لیے ہے۔ یہ سن کر مشام نے قاصد علی الحبیب آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ قید کر دیئے گئے۔

قید خانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجزہ فائزہ کی جس کے نتیجے میں قید خانہ کے اندر کرام عظیم برپا ہو گیا۔ بالآخر قید خانہ کے داروغہ نے مشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہو جائے گا۔ ان کی تقریر قید خانہ سے باہر بھی اثر ڈال رہی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے۔ یہ سن کر مشام ڈر گیا اور اُس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ نہ آپ کو کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے، چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخل مدینہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے کھانے پینے کی سعی کی، لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ بازار مشام کے حکم سے بند تھے یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اُس پر کھڑے ہو کر عذاب الہی کا حوالہ دیا۔ یہ سن کر

کہ ایک پروردگار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ جیسا تو ہوا سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھڑے ہو کر عذاب الہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا۔ میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ یہ سن کر سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے لیے بٹولوں کے دروازے کھول دیئے۔ (اصول کافی) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والی مدینہ ابراہیم بن عبد الملک کو لکھا کہ امام محمد باقر کو زہر سے شہید کر دے۔ (جلا العیون ص ۲۶۲)۔

کتاب الخراج والخراج میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام بن عبد الملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا لیکن والی مدینہ کی مہنوائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اُس نے تبرکات رسالت جبراً طلب کئے اور امام علیہ السلام نے بروایت ارسال فرما دیئے۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانہ دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لائے جہاں رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا۔

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

آپ نے انھیں حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، راہب جو انتہائی تنجیف تھا، مقررہ وقت پر برآمد ہوا۔ اور اُس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر بولا (۱) کیا آپ ہم میں سے ہیں فرمایا میں اُمت محمدیہ سے ہوں (۲) آپ علماء سے ہیں یا جہلا سے۔ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔ (۳) آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا نہیں (۴) جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں کیا؟ میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، فرمایا ضرور پوچھئے۔

یہ سن کر راہب نے سوال کیا (۱) شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے، جس کا شمار نہ وہ میں ہو نہ رات میں، فرمایا وہ شہورج کے طلوع سے پہلے کا وقت ہے۔ جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں۔ وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرکت ہے کہ اس میں بیماروں کو موتیں آجاتی ہے۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ جو رات بھر نہ سو سکے اُسے نیند آتی ہے۔ یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے خاص الخاص ہے (۲) آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی کیا؟ فرمایا اس کی کوئی مثال ہے۔ فرمایا بطن مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں۔ ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا (۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے ہرشت کا یہ وہ کم نہ ہوگا اس کی یہاں کوئی مثال ہے، فرمایا "ہاں"۔ ایک چراغ سے اگلیوں چراغ جلائے جائیں تب بھی پہلے

چراغ کی روشنی میں کسی نہ ہوگی (۴) وہ کون سے دو بھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے
لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی، فرمایا "عزیز اور عزیز بڑے پتھر میں
یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے۔ پیدائش کے بعد تیس برس تک
ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیز نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد
پھر زندہ فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے
انتقال کیا۔

یہ سن کر راجب اپنے ماتھے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود
میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا۔ سب کو چاہیے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے
اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ (جلال العیون ص ۲۶۱ طبع ایران ۱۳۱۰ھ)۔

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے۔ لیکن
اس کے باوجود بشام بن عبد الملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کر دیا اور آپ بتاریخ ۶۸
ذی الحجہ ۱۱۳ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۷ سال کی تھی
آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (کشف الغمہ ص ۹۳ جلال العیون ص ۲۶۲ جنات الخلود ص ۲۶
ومع ساکبہ ص ۲۲۹، النور الحسینیہ ص ۲۸ شواہد النبوت ص ۱۸۱ روضۃ الشہداء ص ۲۳۳)۔

علامہ شبلی نجفی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں "فات مسموماً کابیہ" آپ اپنے پرنسز گوار
امام زین العابدین علیہ السلام ہی کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ (نور الابصار ص ۲۷ و صواعق مخرقہ
ص ۱۱۱) آپ کی شہادت بشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والی مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی
تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبد الملک کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعہ سے
واقع ہوئی تھی۔ (جنات الخلود ص ۲۶ ومع ساکبہ جلد ۲ ص ۲۷۷)۔

شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کے
متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بیٹا میرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آ رہی ہیں۔ وہ مجھے جلد
بلا رہے ہیں (نور الایضاح ص ۱۳۱) آپ نے غسل و کفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام راجز
امام نشوید امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۱ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ
نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۸۰۰ درم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام
کرنا کہ دس سال تک منی میں بزمانہ حج میری منظومیت کا ماتم کیا جائے۔ (جلال العیون ص ۲۶۳) علامہ کا

بیان ہے کہ وصیتوں میں یہ بھی تھا کہ میرے بندھائے کفن قبر میں کھول دینا اور میری قبر چار انگل سے زیادہ اونچی نہ کرنا۔ (جنت المخلو ص ۷۷)۔

آپ کی چار بیویاں تھیں اور انہیں سے اولاد ہوئی۔ اُمّ قزوہ -

ازواج و اولاد

اُمّ حکیم - یسٰ اور ایک اور بیوی اُمّ فزہ بنت قاسم بن محمد بن ابی کریم
جن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور عبداللہ افطح پیدا ہوئے۔ اور اُمّ حکیم بنت اسد بن
مغیرہ ثقفی سے ابراہیم و عبداللہ اور یسٰ سے علی اور زینب پیدا ہوئے۔ اور چوتھی بیوی سے
اُمّ سلمیٰ متولد ہوئی (ارشاد مفید ص ۲۹۳ مناقب جلد ۵ ص ۱۹ و نور الابصار ص ۱۳۱)۔

علامہ محمد باقر بہجانی، علامہ محمد رضا اکل کاشف الغطاء اور علامہ حسین واعظ کاشفی
لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی نسل صرف امام جعفر صادق علیہ السلام سے بڑھی ہے
ان کے علاوہ کسی کی اولاد زندہ اور باقی نہیں رہی۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۴۷۹ انوار الحسینہ جلد ۱
ص ۴۸ روضۃ الشہداء ص ۴۳۲ طبع کھنور ۱۲۸۵ھ)۔

علیہ السلام نے مجمع عام میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ ہمیں روئے زمین پر خدا کے خلیفہ اور اس کی حجت ہیں۔ ہمارا دشمن جہنم میں جلے گا، اور ہمارا دوست نعمتِ حجت سے متنعم ہوگا۔

اس خطبہ کی اطلاع ہشام کو دی گئی، وہ وہاں تو خاموش رہا۔ لیکن دمشق پہنچنے کے بعد والی بیزنٹ کو فرمان بھیجا کہ محمد بن علی اور حضرت بن محمد کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ آپ حضرات دمشق پہنچے وہاں ہشام نے آپ کو تین روز تک اذہن حضور نہیں دیا۔ چوتھے روز جب اچھی طرح دربار کو سمجایا۔ تو آپ کو بلوا بھیجا۔ آپ حضرات جب داخل دربار ہوئے تو آپ کو ذلیل کرنے کے لیے آپ سے کہا کہ ہمارے تیر اندازوں کی طرح آپ بھی تیر اندازی کریں۔ حضرت امام محمد باقر نے فرمایا کہ میں ضعیف ہو گیا ہوں مجھے اس سے معاف رکھ، اُس نے یہ قسم کھا کر یہ ناممکن ہے۔ پھر ایک تیر کمان آپ کو دلوادکی آپ نے بھیک نشانی پر تیر لگائے، یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ اس کے بعد امام نے فرمایا، بادشاہ ہم معدن رسالت ہیں۔ ہمارا مقابلہ کسی امر میں کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر ہشام کو غصہ آ گیا۔ وہ بولا کہ آپ لوگ بہت بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں۔ آپ کے دادا علی بن ابی طالب نے عیب کما دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا بادشاہ قرآن مجید میں سب کچھ موجود ہے اور حضرت علی امام میں تھے۔ انہیں کیا نہیں معلوم تھا۔ (جلاء العیون) ثقۃ الاسلام علامہ کلینی تحریر فرماتے ہیں کہ ہشام نے اہل دربار کو حکم دیا تھا کہ میں محمد بن علی (امام محمد باقر علیہ السلام) کو سسر دربار ذلیل کروں گا۔ تم لوگ یہ کرنا کہ جب میں خاموش ہو جاؤں تو انہیں طمات نامنزا کہنا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آخر میں حضرت نے فرمایا۔ بادشاہ یا درکھ تم ذلیل کرنے سے ذلیل نہیں ہو سکتے، خداوندِ عالم نے ہمیں جو عزت دی ہے، اُس میں جہنم نافر وہیں۔ یاد رکھنا عفت کی شاہی متقیں کے لیے ہے۔ یہ سن کر ہشام نے قاصد ابی الحبیب آپ کو قید کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ آپ قید کر دیے گئے۔

قید خانہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے قیدیوں کے سامنے ایک معجز نما تقریر کی جس کے نتیجے میں قید خانہ کے اندر کرامِ عظیم برپا ہو گیا۔ بالآخر قید خانہ کے داروغہ نے ہشام سے کہا کہ اگر محمد بن علی زیادہ دنوں قید رہے تو تیری مملکت کا نظام منقلب ہو جائے گا۔ ان کی تقریر قید خانہ سے باہر بھی اثر ڈالی ہی ہے اور عوام میں ان کے قید ہونے سے بڑا جوش ہے۔ یہ سن کر ہشام ڈر گیا اور اُس نے آپ کی رہائی کا حکم دیا اور ساتھ یہ بھی اعلان کرا دیا کہ نہ آپ کو کوئی مدینہ پہنچانے جائے اور نہ راستے میں آپ کو کوئی کھانا پانی دے، چنانچہ آپ تین روز کے بھوکے پیاسے داخل مدینہ ہوئے۔

وہاں پہنچ کر آپ نے کھانے پینے کی سعی کی، لیکن کسی نے کچھ نہ دیا۔ بازار ہشام کے حکم سے بند تھے یہ حال دیکھ کر آپ ایک پہاڑی پر گئے اور آپ نے اُس پر کھڑے ہو کر عذابِ الہی کا حوالہ دیا۔ یہ سن کر

نے ان سب کو ہلاک کر دیا جو اس وقت اس کنویں کے اندر تھے۔ کنویں کے اوپر جو دیگر کام کرنے والے تھے۔ انھوں نے جب ان کی زندگی کے آثار مفقود پائے تو تفحص حال کے لیے چند اور آدمیوں کو کنویں میں اتارا وہ بھی جا کر واپس نہ آئے۔

جب تمام اسٹاف کے دو تہائی کارکن ضائع ہو چکے اور ان کی ہلاکت کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو میر عمارت نے مجبور ہو کر کام بند کر دیا اور ہشام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پر واز ہوا، اور سارا واقعہ اس سے بیان کیا۔ اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی تمام دربار میں شامٹا چھا گیا اور ہر ایک اپنی اپنی استعداد اور حیثیت کے مطابق اس کے اسباب اور بواعث ڈھونڈنے لگا۔ آخر ہشام نے ایک تحقیقاتی جماعت کو مرتب کر کھنوع پر بھیجا مگر وہ بھی ناکام رہی اور یہ معلوم نہ کر سکتی کہ اس میں جانے والے مریکوں جاتے ہیں؟

ہشام اسی اضطراب اور پریشانی میں تھا کہ حج کا زمانہ آگیا، یہ دمشق سے چل کر مکہ معظمہ پہنچا اور وہاں پہنچ کر اس نے برکتب خیال کے رہنماؤں کو جمع کیا اور ان کے سامنے کنویں والا واقعہ بیان کیا اور ان سے مشکل کشائی کی خواہش کی۔

بادشاہ کی عرضداشت سن کر سب خاموش ہو گئے اور کافی سوچنے کے باوجود کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔ ناگاہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام جو بادشاہ کی طرف سے مدعو تھے آہنچے، اور آپ نے حالات سن کر فرمایا میں موفح دیکھو گا۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے اور واپس آ کر آپ نے فرمایا۔ اے بادشاہ قوم عادیں سے جو اہل احتقاف تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے، یہ جگہ انھیں کے معذب ہونے کی ہے اور یہ ریح عظیم جو زمین کے ساتویں طبقے سے نکل رہی ہے یہ کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑے گی۔ لہذا اس جگہ کو فوراً بند کرادے اور فلاں مقام پر کنواں کھودوا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ آپ کے ارشاد سے لوگوں کی جانیں بھی بچ گئیں اور کنواں بھی تیار ہو گیا۔ (حیوۃ القلوب جلد ۲ مجمع البحرین ص ۵۵ و ماثر باقر ص ۱۲۲) رسول کریم فرماتے ہیں کہ ان مقامات سے جلد دور بھاگو جو مستذوب ہو چکے ہیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بھی متاثر ہو جاؤ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۵ طبع مصر)۔

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی بن شہر آشوب نے امام محمد باقر علیہ السلام ہی جیسا واقعہ عبد حمدی عباسی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔ (مناقب جلد ۵ ص ۶۹)۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی دمشق میں طلبی

امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام بھی موجود تھے۔ ایک دن حضرت امام جعفر صادق

کہ ایک پیر مرد بازار میں کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ بھائیو! سنو، یہی وہ جگہ ہے جس جگہ حضرت شعیب نبی نے کھوکھو ہو کر عذابِ الہی کی خبر دی تھی اور عظیم ترین عذاب نازل ہوا تھا۔ میری بات مانو اور اپنے کو عذاب میں مبتلا نہ کرو۔ یہ سن کر سب لوگ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آپ کے لیے ہوشیوں کے دروازے کھول دیئے۔ (اصول کافی) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام نے والی مدینہ ابراہیم بن عبد الملک کو لکھا کہ امام محمد باقر کو زہر سے شہید کر دے۔ (جلا العیون ص ۲۶۲)۔

کتاب الخراج والخراج میں علامہ راوندی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ہشام بن عبد الملک نے زید بن حسن کے ساتھ باہمی سازش کے ذریعہ امام علیہ السلام کو دوبارہ دمشق میں طلب کرنا چاہا۔ لیکن والی مدینہ کی مہنوائی حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اپنے ارادہ سے باز آیا۔ اُس نے تبرکات رسالت جبراً طلب کئے اور امام علیہ السلام نے بروایت ارسال فرمادئے۔

علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام قید خانہ دمشق سے رہا ہو کر مدینہ کو تشریف لے جا رہے تھے کہ ناگاہ راستے میں ایک مقام پر مجمع کثیر نظر آیا۔

دمشق سے روانگی اور ایک راہب کا مسلمان ہونا

آپ نے انھیں حال کیا تو معلوم ہوا کہ نصاریٰ کا ایک راہب ہے جو سال میں صرف ایک بار اپنے معبد سے نکلتا ہے۔ آج اس کے نکلنے کا دن ہے۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اس مجمع میں عوام کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے، راہب جو اتھالی ضعیف تھا، مقررہ وقت پر برآمد ہوا۔ اور اُس نے چاروں طرف نظر دوڑانے کے بعد امام علیہ السلام کی طرف مخاطب ہو کر بولا (۱) کیا آپ ہم میں سے ہیں فرمایا میں اُمتِ محمدیہ سے ہوں (۲) آپ علماء سے ہیں یا جلا سے۔ فرمایا میں جاہل نہیں ہوں۔ (۳) آپ مجھ سے کچھ دریافت کرنے کے لیے آئے ہیں۔ فرمایا نہیں (۴) جب کہ آپ عالموں میں سے ہیں کیا؟ میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، فرمایا ضرور پوچھئے۔

یہ سن کر راہب نے سوال کیا (۱) شب و روز میں وہ کونسا وقت ہے، جس کا شمار نہواں میں ہو نہ رات میں، فرمایا وہ سورج کے طلوع سے پہلے کہ وقت ہے جس کا شمار دن اور رات دونوں میں نہیں۔ وہ وقت جنت کے اوقات میں سے ہے اور ایسا متبرک ہے کہ اس میں بیماریاں کوڑھ و کوش آجاتے ہیں۔ درد کو سکون ہوتا ہے۔ جو رات بھر نہ سوسکے اُسے نیند آتی ہے۔ یہ وقت آخرت کی طرف رغبت رکھنے والوں کے لیے خاص الخاص ہے (۲) آپ کا عقیدہ ہے کہ جنت میں پیشاب و پاخانہ کی ضرورت نہ ہوگی کیا؟ فرمایا میں اس کی کوئی مثال ہے۔ فرمایا بطنِ مادر میں جو بچے پرورش پاتے ہیں۔ ان کا فضلہ خارج نہیں ہوتا (۳) مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ کھانے سے بہشت کا میوہ کم نہ ہوگا اس کی یہاں کوئی مثال ہے، فرمایا "ہاں"۔ ایک چراغ سے اکھوں چراغ جلائے جائیں تب بھی پہلے

چراغ کی روشنی میں کمی نہ ہوگی (۴) وہ کون سے دو بھائی ہیں جو ایک ساتھ پیدا ہوئے اور ایک ساتھ مرے
لیکن ایک کی عمر پچاس سال کی ہوئی اور دوسرے کی ڈیڑھ سو سال کی، فرمایا "عزیز اور عزیز بھائی ہیں
یہ دونوں دنیا میں ایک ہی روز پیدا ہوئے اور ایک ہی روز مرے۔ پیدائش کے بعد تیس برس تک
ساتھ رہے۔ پھر خدا نے عزیز نبی کو مار ڈالا (جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے) اور سو برس کے بعد
پھر زندہ فرمایا۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی کے ساتھ اور زندہ رہے اور پھر ایک ہی روز دونوں نے
انتقال کیا۔

یہ سن کر راسخ اپنے ماننے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا کہ جب تک یہ شخص شام کے حدود
میں موجود ہے میں کسی کے سوال کا جواب نہ دوں گا۔ سب کو چاہیے کہ اسی عالم زمانہ سے سوال کرے
اس کے بعد وہ مسلمان ہو گیا۔ (جلال العیون ص ۲۶۱ طبع ایران ۱۳۱۰ھ)

امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت

آپ اگرچہ اپنے علمی فیوض و برکات کی وجہ سے اسلام کو برابر فروغ دے رہے تھے۔ لیکن
اس کے باوجود ہشام بن عبد الملک نے آپ کو زہر کے ذریعہ سے شہید کرا دیا اور آپ بتاریخ ۶۰
ذی الحجہ ۴۰ھ یوم دوشنبہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۵۵ سال کی تھی
آپ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ (کشف الغمہ ص ۹۳ جلال العیون ص ۲۶۲ جنات الخلود ص ۲۶
ومعہ ساکبہ ص ۲۴۹، انوار الحسینیہ ص ۴۸ شواہد النبوت ص ۱۸۱ روضۃ الشہداء ص ۲۳۴)۔

علامہ شبلی نجفی اور علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں "مات مسموماً کابیہ" آپ اپنے پدر بزرگوار
امام زین العابدین علیہ السلام کی طرح زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ (نور الابصار ص ۲۱ و صواعق محرقہ
ص ۱۱۱) آپ کی شہادت ہشام کے حکم سے ابراہیم بن ولید والی مدینہ کی زہر خورانی کے ذریعہ واقع ہوئی
ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ خلیفہ وقت ہشام بن عبد الملک کی مرسلہ زہر آلود زین کے ذریعہ سے
واقع ہوئی تھی۔ (جنات الخلود ص ۲۶ ومعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۲۷۸)۔

شہادت سے قبل آپ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بہت سی چیزوں کے
متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ بشامیرے کانوں میں میرے والد ماجد کی آوازیں آرہی ہیں۔ وہ مجھے جلد
بلا رہے ہیں (نور الابصار ص ۱۳۱) آپ نے غسل و کفن کے متعلق خاص طور سے ہدایت کی کیونکہ امام راجز
امام نشوید امام کو امام ہی غسل دے سکتا ہے۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۱ علامہ مجلسی فرماتے ہیں کہ آپ
نے اپنی وصیتوں میں یہ بھی کہا کہ ۱۰۰ درم میری عزاداری اور میرے ماتم پر صرف کرنا اور ایسا انتظام
کرنا کہ دس سال تک منی میں بزمانہ حج میری مظلومیت کا ماتم کیا جائے۔ (جلال العیون ص ۲۶۳) علامہ کا



ابو عبد اللہ

حضرت

امام جعفر صادق

علیہم السلام

اسی جمال کی ہیں مخرج گو یا جعفر صادق ۲
 لقب جسکا کتاب اللہ میں ختم نبوت ہے
 انہیں کے دم سے قائم آج اسلامی شریعت ہے
 (صاحب نقاشی سیّدی رکیاتی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۸

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

صادق آل محمدؑ امام سادس زینب سزجس کے امامت کا ہے مورثی تاج
ہے یہ مولود جگر بند محمد باقرؑ خانہ ہستی بدعت کو کرے گا تاراج

عزیز

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام، پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھٹے جانشین اور سلسلہ عصمت کی آٹھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام تھے۔ اور والدہ ماجدہ جناب ام فرزدہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں۔ آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، باعلم زمانہ، اور افضل کائنات تھے۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام افضل و اکمل تھے۔ اسی بنا پر آپ اپنے باپ کے خلیفہ اور وصی قرار پائے (صواعق محرقة ص ۱۲) علامہ ابن خلدکان تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سادات اہلبیت سے تھے و فضلہ اشہر ان یدکر " ان کی اخصیبت اور ان کا فضل و کرم محتاج بیان نہیں (ذویات الاعیان جلد ۱ ص ۱۰۵) امام فخر الدین رافعی کی تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۲۹ و جلد ۶ ص ۸۳۳ طبع مصر بحوالہ آیہ تطہیر اور عارف صمدانی علی ہمدانی کی مودۃ القرنی ص ۳۴ طبع ممبئی ۱۳۱۰ اور شاہ عبد العزیز کی شرح عشر یہ طبع ۱۳ ص ۲۲۹ طبع کالجہ ۱۳۰۹ ص ۱۰۹ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ بھی اپنے آبا و اجداد کی طرح معصوم اور محفوظ تھے۔ (دراسات البیبت ص ۲ میں ہے کہ آپ نے ابتداء عمر سے آخر عمر تک کوئی گناہ نہیں کیا اور اسی کو معصوم اور محفوظ کہتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام خود ارشاد فرماتے ہیں غی قوم معصومون، ہم ہیں وحی خدا کے ترجمان، ہم میں علم خدا کے خزینہ دار اور ہم ہی لوگ معصوم ہیں۔ خدا نے ہماری اطاعت کا حکم دیا ہے اور ہماری معصیت سے جو نیر والوں کو روکا ہے۔ (اعلام الوری ص ۱۶۹) علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ اہلبیت اور سادات کی عظیم ترین فرد تھے اور آپ مختلف قسم کے علوم سے بھر پور تھے۔ آپ ہی سے قرآن مجید کے معانی کے چھٹے چھوٹے رہے ہیں آپ کے بحر علم سے علوم کے موتی رونے جاتے تھے۔ آپ ہی سے علمی عجائب و کمالات کا ظہور و

انکشاف ہوا ہے۔ (مطالب السؤل ص ۲۷۳) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ علامہ نے آپ سے اس درجہ نقل علوم کیا ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ آپ کا آواز علم تمام اصدا و یار میں پھیلا ہوا تھا۔ (صواعق محرقة ص ۱۸) علامہ صاحبی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے علوم کا احاطہ فہم و ادراک سے بلند ہے۔ (شواہد الثبوت ص ۱۸)۔ علامہ مصنف شیخ محمد خضریٰ بک لکھتے ہیں کہ ان سے امام مالک بن انس، امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء مدینہ نے روایت کی ہے۔ مگر امام بخاری نے ان سے کوئی روایت نہیں لی۔ (تاریخ فقہ ص ۲۷۳ طبع کراچی)۔ شاید اسی وجہ سے صحیح بخاری، صحاح ستہ میں سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ واضح ہو کہ دیگر صحاح میں آل محمد علیہم السلام سے بھی روایات لی گئی ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان صحاح کو بخاری سے بلند درجہ دیا جاتا، مگر ایسا نہیں ہے۔ ع

بہرین عقل و دانش بیاید گریست

آپ کی ولادت باسعادت

آپ بتاریخ ۷ ربیع الاول ۳۰ ہجری مطابق ۲۳ مئی ۵۷۰ م ووشنبہ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے (ارشاد مفید فارسی ص ۱۱۳ اعلام الوری ص ۱۵۹ جامع عباسی ص ۱۰۰ وغیرہ) آپ کی ولادت کی تاریخ کو خداوند عالم نے بڑی عزت دے رکھی ہے۔ احادیث میں ہے کہ اس تاریخ کو روزہ رکھنا ایک سال کے روزہ کے برابر ہے۔ ولادت کے بعد ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا یہ فرزند ان چند مخصوص افراد میں سے ہے جن کے وجود سے خدا نے بندوں پر احسان فرمایا ہے اور یہی میرے بعد میرا جانشین ہوگا۔ (جنات الخلوہ ص ۲) علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب آپ بطن مادر میں تھے۔ تب کلام فرمایا کرتے تھے ولادت کے بعد آپ نے کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا آپ ناف بریدہ اور ختنہ شدہ پیدا ہوئے ہیں۔ (جلال العیون ص ۲۱۵)۔ آپ تمام نبیوں کے خاص تھے۔

اسم گرامی کنیت۔ القاب

آپ کا اسم گرامی جعفر، آپ کی کنیت ابو عبد اللہ الواسعیل اور آپ کے القاب، صادق، صابر، فاضل طاہر وغیرہ

ہیں۔ علامہ مجلسی رقمطراز ہیں کہ آنحضرت نے اپنی ظاہری زندگی میں حضرت جعفر بن محمد کو لقب صادق سے موصوم و لقب فرمایا تھا اور اس کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ اہل آسمان کے نزدیک آپ کا لقب پہلے ہی سے "صادق" تھا۔ (جلال العیون ص ۲۱۵) علامہ ابن خلدان کا کہنا ہے کہ صدق مقال کی وجہ سے آپ کے نام نامی کا جزو "صادق" قرار پایا ہے۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۰۸)۔

"جعفر" کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ جنت میں جعفر نامی ایک شیریں نر ہے اسی کی مناسبت سے آپ کا یہ لقب رکھا گیا ہے۔ چونکہ آپ کا فیض عام نہر جاری کی طرح تھا۔ اسی لیے

اس لقب سے ملقب ہوئے۔ (ارجح المطالب ص ۳۶ بحوالہ تذکرۃ الخواص الامتہ)۔

امام اہل سنت و علماء الزمان حیدر آبادی تحریر فرماتے ہیں، جعفر چھوٹی ٹنہریا بڑی واسح (کشادہ) امام جعفر صادق، مشہور امام ہیں۔ بارہ اماموں میں سے اور بڑے ثقہ اور فقیہ اور حافظ تھے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے شیخ (حدیث) میں اور امام بخاری کو معلوم نہیں کیا شبہ ہو گیا کہ وہ اپنی صحیح میں ان سے روایت نہیں کرتے اور یحییٰ بن سعید قطان نے بڑی بے ادبی کی ہے جو کہتے ہیں۔ "نفی منہ شمیٰ و مجالد احب الی منہ" میرے دل میں امام جعفر صادق کی طرف سے غلش ہے۔ میں ان سے بہتر مجالد کو سمجھتا ہوں۔ حالانکہ مجالد کو امام صاحب کے سامنے کیا رتبہ ہے؟ ایسی ہی باتوں کی وجہ سے اہل سنت بدنام ہوتے ہیں کہ ان کو آئمہ اہل بیت سے کچھ محبت اور اعتقاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ امام بخاری پر رحم کرے کہ مروان اور عمران بن خطاب اور کئی خوارج سے تو انھوں نے روایت کی اور امام جعفر صادق سے جو ابن رسول اللہ ہیں ان کی روایت میں شبہ کرتے ہیں۔ (انوار اللغز پارہ ۴۷ طبع حیدر آباد دکن)۔

علامہ ابن حجر مکی اور علامہ شلبنجی رقمطراز ہیں کہ اعیان آئمہ میں سے ایک جماعت مثل یحییٰ بن سعید ابن جریج، امام مالک، امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، امام ابو حنیفہ، ابوب جحیمان نے آپ سے حدیث اخذ کی ہے، الوجود کا قول ہے کہ امام جعفر صادق ایسے ثقہ میں لایسٹل عنہ مشلہ کہ آپ ایسے شخصوں کی نسبت کچھ تحقیق اور استفسار و تفحص کی ضرورت ہی نہیں۔ آپ ریاست کی طلب سے بے نیاز تھے اور ہمیشہ عبادت گزار ہی میں بسر کرتے رہے، عمر ابن مقدم کا کہنا ہے کہ جب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھتا ہوں تو مجھے معاشیال ہوتا ہے کہ یہ جوہر رسالت کی اصل و بنیاد ہیں۔ (صواعق محرقتہ ص ۱۲۰ نور الابصار ص ۱۳۱ جلیتہ الابراہیم تاریخ آئمہ ص ۲۳۳)۔

بادشاہان وقت آپ کی ولادت سلمہ میں ہوئی ہے اس وقت عبد الملک بن مروان بادشاہ وقت تھا۔ پھر ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیز، یزید بن عبد الملک، ہشام بن عبد الملک، ولید بن یزید بن عبد الملک، یزید الناقص، ابراہیم ابن ولید، اور مروان الحار۔ علی الترتیب خلیفہ مقرر ہوئے۔ مروان الحار کے بعد سلطنت بنی اُمیہ کا چراغ گل ہو گیا اور بنی عباس نے حکومت پر قبضہ کر لیا، بنی عباس کا پہلا بادشاہ ابوالعباس، سفاح اور دوسرا منصور ووالقی ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو (اعلام الوری) تاریخ ابن الوری و تاریخ آئمہ ص ۲۳۶) اسی منصور نے اپنی حکومت کے دو سال گزرنے کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام کو نہر سے شہید کر دیا۔ (انوار الحسینیہ جلد ۵)۔

عبدالملک بن مروان کے عہد میں آپ کا ایک مناظرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بے شمار علمی مناظرے فرماتے ہیں، آپ نے دہریوں، قدریوں، کافروں اور یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ شکست فاش دی ہے۔ کسی ایک مناظرہ میں بھی آپ پر کوئی غلبہ حاصل نہیں کر سکا۔ عبد الملک ابن مروان کا ذکر ہے کہ ایک قدریہ مذہب کا مناظر اس کے دربار میں آکر علماء سے مناظرہ کا خواہشمند ہوا۔ بادشاہ نے حسب عادت اپنے علماء کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ اس قدریہ مناظر سے مناظرہ کرو۔ علماء نے اس سے کافی زور آزمائی کی۔ مگر وہ میدان مناظرہ کا کھلاڑی ان سے نہ ہاں سکا۔ اور تمام علماء عاجز آ گئے۔ اسلام کی شکست ہوتے ہوئے دیکھ کر عبد الملک ابن مروان نے فوراً ایک خط حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ روانہ کر دیا اور اس میں بتا دیا کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں جب اس کا خط پہنچا تو آپ نے اپنے فرزند حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا کہ میں میں ضعیف ہو چکا ہوں تم مناظرہ کے لیے شام چلے جاؤ۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے پدیر بزرگوار کے حسب حکم مدینہ سے روانہ ہو کر شام پہنچ گئے۔

عبدالملک ابن مروان نے جب امام محمد باقر علیہ السلام کے بجائے امام جعفر صادق علیہ السلام کو دیکھا تو کہنے لگا کہ آپ ابھی کم سن ہیں اور وہ بڑا پرانا مناظر ہے، ہو سکتا ہے کہ آپ بھی اور علماء کی طرح شکست کھا جائیں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ مجلس مناظرہ پھر منعقد کی جائے۔ حضرت نے فرمایا، بادشاہ تو گھبر نہیں۔ اگر خدا نے چاہا تو میں صرف چند منٹ میں مناظرہ ختم کر دوں گا۔ آپ کے ارشاد کی تائید و تکرار نے بھی کی اور موقعہ مناظرہ پر فریقین آ گئے۔

چونکہ قدریوں کا اعتقاد ہے کہ خدا کو بندوں کے معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ اور نہ خدا کچھ کر سکتا ہے یعنی خدا کے حکم اور قضا و قدر و ارادہ کو بندوں کے کسی امر میں دخل نہیں۔ لہذا حضرت نے اس کی پہلی کرنے کی خواہش پر فرمایا کہ میں تم سے صرف ایک بات کہتی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم "شورۃ محمد پڑھو، اس نے پڑھنا شروع کیا۔ جب وہ "ایاک نعبد وایاک نستعین پر پہنچا جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور بس تجھی سے مدد چاہتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا، ٹھہر جاؤ اور مجھے اس کا جواب دو کہ جب خدا کو تمہارے اعتقاد کے مطابق تمہارے کسی معاملہ میں دخل دینے کا حق نہیں تو پھر تم اس سے بددیکوں مانگتے ہو، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ بالآخر مجلس مناظرہ برخواست ہو گئی اور بادشاہ بے حد خوش ہوا (تفسیر برہان جلد ۱ ص ۳۳)۔

ابوشاکر دیصانی کا جواب

ابوشاکر دیصانی جو لائڈ مذہب تھا۔ حضرت سے کہنے لگا کہ کیا آپ خدا کا تعارف کرا سکتے ہیں اور اس کی طرف میری رہبری فرما

سکتے ہیں۔ آپ نے ایک طاؤس کا انڈا ہاتھ میں لے کر فرمایا۔ دیکھو اس کی بالائی ساخت پر غور کرو، اور اندر کی ہستی ہوتی زردی اور سفیدی کو نظر غائر دیکھو اور اس پر توجہ دو کہ اس میں رنگ رنگ کے طائر کیوں کر پیدا ہو جاتے ہیں کیا تمہاری عقل سلیم اس کو تسلیم نہیں کرتی کہ اس انڈے کا اچھوتے انداز میں بنانے والا اور اس سے پیدا کرنے والا کوئی ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور دہریت سے باز آیا۔ اسی دیصانی کا ذکر ہے کہ اُس نے ایک دفعہ آپ کے صحابی ہشام بن حکم کے ذریعہ سے سوال کیا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ کہ خدا ساری دنیا کو ایک انڈے میں سمودے اور نہ انڈا بڑھے نہ دُنيا گھٹے، آپ نے فرمایا بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس نے کہا کوئی مثال؟ فرمایا مثال کے لیے مُردمک چشم آنکھ کی چھوٹی پتیلی کافی ہے۔ اس میں ساری دُنیا سما جاتی ہے، نہ پتلی بڑھتی ہے نہ دُنیا گھٹتی ہے۔ اصول کافی ص ۲۳۳ جامع الاخبار)۔

ہشام بن عبد الملک بن مروان کے عہد حیات کا ایک واقعہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ حکیم بن عیاش کلبی آپ لوگوں

امام جعفر صادق علیہ السلام اور حکیم ابن عیاش کلبی

کی جو کیا کرتا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اگر تجھ کو اس کا کچھ کلام یاد ہو تو بیان کر۔ اُس نے دو شعر سنائے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے زید کو شاخِ درختِ خرْمہ پر سولی دے دی۔ حالانکہ ہم نے نہیں دیکھا کوئی ہماری دار پر چڑھایا گیا ہو اور تم نے اپنی بیوقوفی سے علی کو عثمان کے ساتھ قتل کر لیا حالانکہ علی سے عثمان بہتر اور پاکیزہ تھے۔ یہ سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے دُعا کی بارِ الہما اگر یہ حکیم کلبی جھوٹا ہے تو اس پر اپنی مخلوق میں سے کسی بندے کو مسلط فرما۔ چنانچہ ان کی دُعا قبول ہوئی اور حکیم کلبی کو راہ میں شیر نے ہلاک کر دیا۔ (اصابہ ابن حجر عسقلانی جلد ۲ ص ۸۰)۔ علامہ ابن حجر نے کہا کہ جب حکیم کلبی کے ہلاک ہونے کی خبر امام جعفر صادق علیہ السلام کو پہنچی تو انھوں نے سجدہ میں جا کر کہا کہ اُس خدا نے توڑ کا شکر ہے جس نے ہم سے جو وعدہ فرمایا اُسے پورا کیا۔ (شواہد النبوت، صواعق مخرقة ص ۱۲ و نور الابصار ص ۱۲۷)۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ نے ۱۱۳ ہجری میں حج کیا اور وہاں خدا سے دُعا کی، خدا نے بلا فصل

۱۱۳ ہجری میں امام جعفر صادق کا حج

انگور اور دو بہترین روایں بھجوائیں۔ آپ نے انگور خود بھی کھایا اور لوگوں کو بھی کھلایا اور روایں ایک سال کو دے دیں۔

اس واقعہ کی مختصر الفاظ میں تفصیل یہ ہے کہ بعثت بن سعد سنہ مذکورہ میں حج کے لیے گئے وہ نماز عصر پڑھ کر ایک دن کوہ البقیس پر گئے وہاں پہنچ کر دیکھا کہ ایک نہایت مقدس شخص مشغول نماز ہے، پھر نماز کے بعد وہ سجدہ میں گیا اور یارب یارب کہہ کر خاموش ہو گیا۔ پھر یا حئی یا حئی کہا اور چپ ہو گیا۔ پھر یا رحیم یا رحیم کہا اور خاموش ہو گیا۔ پھر یا ارحم الراحمین کہہ کر چپ ہو گیا۔ پھر بولا خدا یا مجھے انکو چاہیے اور میری روبا بوسیدہ ہو گئی ہے۔ دو روز اس درکار میں۔ راوی حدیث بعثت کہتا ہے کہ یہ الفاظ ابھی تمام نہ ہوئے تھے کہ ایک تازہ انگوروں سے بھری ٹی نہیںیل آ موجود ہوئی اور اس پر دو بہترین چادریں رکھی ہوئی تھیں۔ اس عابد نے جب انگور کھانا چاہا تو میں نے عرض کی حضور میں آئیں کہہ رہا تھا۔ مجھے بھی کھلائیے۔ انھوں نے حکم دیا میں نے کھانا شروع کیا۔ خدا کی قسم ایسے انگور ساری عمر خواب میں بھی نظر نہ آئے تھے۔ پھر آپ نے ایک چادر مجھے دی۔ میں نے کہا مجھے ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد آپ نے ایک چادر پہن لی اور ایک اوڑھنی پھر پہاڑ سے اتر کر مقام سعی کی طرف گئے۔ میں اُن کے ہمراہ تھا۔ راستے میں ایک سائل نے کہا۔ مولائے چادر دیجئے۔ خدا آپ کو جنت کے لباس سے آراستہ کرے گا۔ آپ نے فوراً دونوں چادریں اس کے حوالہ کر دیں میں نے اس سائل سے پوچھا یہ کون ہیں؟ اُس نے کہا امام زمانہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ سُن کر میں ان کے پیچھے دوڑا کہ ان سے مل کر کچھ استفادہ کروں۔ لیکن پھر وہ مجھے نہ مل سکے۔ (صواعق محرقة ص ۱۱۱ و کشف الغمہ ص ۶۶ مطابق السؤل ص ۲۷۷)۔

ولید بن یزید اور آل محمد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو سال ۱۲ھ میں شہید کرنے کے بعد ہشام بن عبد الملک بن مروان ۱۵ھ میں واصل جہنم ہوا۔ اس کے مرنے کے بعد ولید بن یزید بن عبد الملک بن مروان خلیفہ وقت بنایا گیا، یہ خلیفہ، اوباش، اخلاقی اوصاف سے محرابے شرم منہیات کا تر تک، نہایت فاسق و فاجر اور عیاش تھا۔ اسے نوشی اور لواطت میں خاص شہرت رکھتا تھا۔ نہایت جبار اور کینہ ور، جس ہانڈی میں کھاتا اسی میں سُوراخ کرتا یہ اپنے باپ کی کنیزوں کو بھی استعمال کیا کرتا تھا۔ ایک دن اُس کی جمیدہ لڑکی ایک خادمہ کے پاس بیٹھی تھی اس نے اُسے پکڑ لیا اور اُس کی بکارت زائل کر دی۔ خادمہ نے کہا کہ یہ تو مجھ سے کام ہے اُس نے جواب دیا کہ ملامت کا خیال کرنے والے مغموم مَر جاتے ہیں۔ ایک دن حج کے زمانہ میں یہ خانہ کعبہ کی چھت پر سے نوشی کے لیے بھی گیا تھا۔ تاریخ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ ایک دن اُس نے قرآن مجید سے فال کھولی۔ اس میں آیت ”نحاب کل جبار عنید“ نکلا یہ دیکھ کر اس نے غصہ میں

قرآن میں کو پھینک دیا۔ پھر اُسے تعلق کر کے تیروں سے کھڑے کھڑے کر ڈالا اور کہا اسے قرآن جب خدا کے پاس جاتا تو کہہ دینا "مرفعی الولید" مجھے ولید نے پارہ پارہ کیا ہے۔ ایک دن ولید اپنی ایک کینز کے ساتھ بیٹھا شراب پی رہا تھا۔ اتنے میں اذان کی آواز کان میں آئی۔ یہ فوراً مباشرت میں مشغول ہوا۔ جب لوگوں نے نماز پڑھانے کے لیے کہا تو اس کینز کو اپنا لباس پہنا کر شراب کے نشہ اور جنابت کی حالت میں نماز پڑھانے کے لیے مسجد میں بھیج دیا اور اُس نے نماز پڑھا دی۔ (تاریخ خمیس حبیب السیرج الکوا صدیقی حسن) یہ ظاہر ہے کہ جو دین و ایمان، نماز و مسجد اور قرآن مجید کا احترام نہ کرتا ہو وہ آل محمد کا کیا احترام کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے اپنے مختصر عہد میں اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی، تاریخ میں ہے کہ حضرت زید شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے جناب سنجی کو اس کے عہد میں برنی طرح شہید کیا گیا، اور اُن کا سر ولید کے دربار میں لایا گیا اور جسم خراسان میں سولی پر لٹکایا گیا۔ (تاریخ اسلام جلد ششم)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

اور جناب ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی

فرزند رسول حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جو عالم علم لدنی تھے، آپ کے فیض صحبت سے ارباب عقل نے علوم حاصل کئے۔ آپ نبی کی ایک کینز حسینہ کا ذکر زبان زو خواص و عوام سے کہ اس نے بادشاہ وقت کے دربار میں چالیس علماء اسلام کو چپ کر کے دم بخود کر دیا تھا۔ آپ ہی کے فیض صحبت سے جناب نعمان بن ثابت نے علمی مدارج حاصل کئے تھے۔ اویہ آپ نے بہت عظیم ہے۔ (صالحی المصنفین) جناب نعمان بن ثابت مشہور میں مقام کوفہ پیدا ہوئے۔ آپ کی کینز ابو حنیفہ تھی۔ آپ عجمی النسل تھے۔ آپ کو بارون الرشید عباسی کے عہد میں کافی عروج حاصل ہوا۔ (تاریخ صغیر بخاری ص ۷۱) و سیرۃ نعمان بن حاتم) آپ کو شام بن عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں امام عظمیٰ کا خطاب ملا۔ جب کہ انھوں نے سترہ ہجری میں جناب زید شہید کی بیعت کی اور . . . حکومت کی مخالفت کر کے موافقت کی تھی۔ کتاب صفحے شرح موطائیں ہے کہ اکابر حدیثین مثل احمد بخاری، امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ نے آپ کی روایت پر بھروسہ نہیں کیا۔ آپ کی وفات شام میں ہوئی ہے۔ (تاریخ صغیر ص ۷۱) اسی تاریخ صغیر میں بروایت عجم بن حماد مروی ہے کہ میں سفیان ثوری کی خدمت میں حاضر تھا کہ ناگہاں ابو حنیفہ صاحب کی خبر وفات سنی گئی، تو سفیان نے خدا کا شکر ادا کیا اور کہا کہ یہ شخص اسلام کو توڑ پھوڑ کر چکنا چور کرتا تھا۔ ماوردی فی الاسلام الشام

مشق۔ اسلام میں اس سے زیادہ شوم کوئی پیدا نہیں ہوا۔

امام ابو حنیفہ کی شاگردی کا مسئلہ

یہ تاریخ مسلمات سے ہے کہ جناب امام ابو حنیفہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ لیکن علامہ تقی الدین ابن تیمیہ نے ہم عصر ہونے کی وجہ سے اس میں منکرانہ شبہ ظاہر کیا ہے۔ ان کے شبہ کو شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی نے رد کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ ابو حنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے امام محمد باقر کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا۔ امام صاحب نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا، جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہے، ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اس کی وجہ یہ خیال کی ہے کہ امام ابو حنیفہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر اور ہم عصر تھے اس لیے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے۔ لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور غیرہ چشمی ہے۔ امام ابو حنیفہ لاکھ مکتبہ اور فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں ان کو حضرت جعفر صادق سے کیا نسبت۔ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہل بیت کے گھرتے تھے ہیں۔ ”وصاحب البیت ادرسی بما فیہا“ گھر والے ہی گھر کی تمام چیزوں سے واقف ہوتے ہیں۔ (سیرۃ النعمان ص ۱۵ طبع آگرہ)۔

جناب ابو حنیفہ کا امتحان

تواریخ میں ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اکثر حضرت ابو حنیفہ نعمان بن ثابت حاضر ہوا کرتے تھے اور یہ ہوتا رہتا تھا کہ آپ ان کا امتحان لے کر انھیں فائدہ پہنچا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب ابو حنیفہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ اے ابو حنیفہ میں نے سنا ہے کہ تم مسائل دینیہ میں ”قیاس“ سے کام لیا کرتے ہو، عرض کی جی ہاں ہے تو ایسا ہی آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو۔ کیونکہ ”اذل من قیاس ابلیس“ دین میں قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے اور اسی نے قیاس کی پہل کی ہے۔ ایک دفعہ آپ نے پوچھا کہ اے ابو حنیفہ یہ بتاؤ کہ خداوند عالم نے، آنکھوں میں نمکینی، کانوں میں تلخی، ناک کے نتھنوں میں رطوبت اور لبوں میں شیرینی کیوں پیدا کی؟ انھوں نے بہت غور و خوض کے بعد کہا، یا حضرت، اس کا مجھے علم نہیں، آپ نے فرمایا۔ اچھا مجھ سے سنو، آنکھیں چربی کا ڈھیلا ہیں۔ اگر ان میں شوربت اور نمکینی نہ ہوتی تو پھل جاتیں کانوں میں تلخی اس لیے ہے کہ کیرے کوڑے نہ گھس جاتیں۔ ناک میں رطوبت اس لیے ہے کہ سانس کی آمد و رفت میں سہولت ہو اور خروشبو اور بو خوشبوں ہو، لبوں میں شیرینی اس لیے ہے کہ کھانے پینے میں لذت آئے۔

یہ واقعہ ہے کہ ابو حنیفہ کو خود متراکف تھا کہ ان سے بڑا کوئی عالم نہیں (مناقب ابو حنیفہ ج ۱ ص ۱۵۱)

پھر آپ نے پوچھا وہ کونسا کلمہ ہے جس کا پہلا حصہ کفر اور دوسرا ایمان ہے۔ انھوں نے عرض کی مجھے علم نہیں۔
 آپ نے فرمایا کہ وہ وہی کلمہ ہے۔ جو تم رات دن پڑھا کرتے ہو سُبْحَانَ اللَّهِ الْكُفْرُ اور
 إِلَّا اللَّهُ اِيْمَانٌ ہے۔

پھر آپ نے پوچھا کہ عورت کمزور ہے یا مرد، نیز یہ کہ حالتِ حمل میں عورت کو خونِ حیض کیوں نہیں آتا۔ انھوں نے کہا کہ یہ تو معلوم ہے کہ عورت کمزور ہے۔ لیکن یہ نہیں معلوم کہ اسے عالمِ حمل میں حیض کیوں نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اگر عورت کمزور ہے تو کیا وجہ ہے کہ میراث میں اس کو ایک حصہ اور مرد کو دو حصہ دیا جاتا ہے۔ انھوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت کا نفقہ مرد پر ہے اور حصولِ آرزو اسی کے ذمہ ہے اس لیے اسے دوسرا دیا گیا، اور عورت کو عالمِ حمل میں خونِ حیض اس لیے نہیں آتا کہ وہ بچے کے پیٹ میں داخل ہو کر غذائیں جاتا ہے۔

ابنِ خلکان لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت کی خدمت میں جناب ابو حنیفہ صاحب تشریف لائے تو آپ نے پوچھا۔ اے ابو حنیفہ تم اس مجرم کے باب میں کیا فتویٰ دیتے ہو جس نے حج کے لیے احرام باندھنے کے بعد ہرن کے وہ دانت توڑ ڈالے ہوں جن کو رباعی کہتے ہیں۔ فقال یا بنِ رسولِ ما اعلم ما فیہ۔ عرض کی فرزندِ رسول مجھے اس کا حکم معلوم نہیں۔ فقال انت تداہر ولا تعلم۔ آپ نے فرمایا کہ اسی علمیت پر فخر کرتے اور لوگوں کو دھوکا دیتے ہو، تمہیں یہ تک معلوم نہیں کہ ہرن کے رباعیہ ہوتے ہی نہیں۔ (المصابر ص ۱۲۰)

پھر آپ نے پوچھا کہ یہ بتاؤ کہ عقلمند کون ہے؟ انھوں نے عرض کی جو اچھے بُرے کی پہچان کرے اور دوست و دشمن میں تمیز کر سکے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ صفت اور تمیز تو جانوروں میں بھی ہوتی ہے۔ وہ بھی پیار کرتے اور مارتے ہیں۔ یعنی اچھے بُرے کو جانتے ہیں۔ انھوں نے کہا پھر آپ ہی فرمائیں۔ آپ نے ارشاد کیا کہ عقلمند وہ ہے جو دو فیکسوں اور دو بُرائیوں میں یہ امتیاز کر سکے کہ کون سی نیکی ترویج دینے کے قابل اور دو بُرائیوں میں کون سی بُرائی کم اور کون زیادہ ہے۔ (جیواۃ الحیوان و میری جلد ۱ ص ۸۵-۸۶ تاریخ ابنِ خلکان جلد ۱ ص ۱۵۰ مناقب ابنِ شہر آشوب ص ۱۰۰ نور الابصار ص ۱۰۰)

امام جعفر صادق علیہ السلام
 کے بعض نصح و ارشادات

علامہ شبلی نجفی تحریر فرماتے ہیں (۱) سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے کو لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف مٹھکا ہوا پائے (۲) جو شخص کسی برادرِ مومن کا دل خوش کرتا ہے، خداوندِ عالم

اس کے لیے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے اور قبر میں مونسِ تنہائی، قیامت میں ثوابِ قدمی کا باعث۔ منزل شفاعت میں شفیع اور جنت میں پہنچانے میں رہبر ہوگا (۳) کسی کا

تکملہ یعنی کمال یہ ہے کہ اس میں جلدی کرو، اور اُسے کم سمجھو، اور چھپا کے کرو (۴) عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں (۵) تو بہ میں تاخیر نفس کا دھوکا ہے (۶) چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قلت کو کثرت سمجھنا چاہیے۔ اگلا دشمنی سے فقیری سے مرض (۷) کسی کے ساتھ۔ کسب و دن رہنا عزیز داری کے مترادف ہے (۸) شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لیے لوگوں پر احسان کرو (۹) جب اپنے کسی بھائی کے وہاں جاؤ تو صدر مجلس میں بیٹھنے کے علاوہ اس کی ہر نیک خواہش کو مان لو (۱۰) لڑکی (رحمت) نیکی ہے اور لڑکا کافرت ہے۔ خدا ہر نیکی پر ثواب دیتا ہے اور ہر نعت پر سوال کرے گا (۱۱) جو تمہیں عزت کی نگاہ سے دیکھے تم بھی اُس کی عزت کرو، اور جو ذلیل سمجھے اُس سے خود داری برتو (۱۲) جس شخص سے روکنے والے بدظن ہے۔ (۱۳) کوئی ایسا لوگ باپ دادا کے ذریعے سے متعارف ہوتے ہیں اور آخرت میں اعمال کے ذریعے سے پہچانے جائیں گے۔ (۱۴) انسان کے بال بچے اُس کے اسیر اور قیدی میں نعمت کی وسعت پر انھیں وسعت دینی چاہیے ورنہ زوال نعمت کا اندیشہ ہے (۱۵) جن چیزوں سے عزت بڑھتی ہے ان میں تین یہ ہیں۔ اظالم سے بدار نہ لے لے اُس پر کرم گستری جو مخالفت ہو۔ جو اس کا ہمدرد نہ ہو۔ اس کے ساتھ ہمدردی کرے (۱۶) مؤمن وہ ہے جو غصہ میں جاوے سچی سے نہ بنے اور خوشی سے باطل کی پیروی نہ کرے (۱۷) جو خدا کی دی ہوئی نعمت پر تناسل کرے گا مستغنی رہے گا (۱۸) جو دوسروں کی دولت مندی پر لچکائی نظریں ڈالے گا، وہ ہمیشہ فقیر رہے گا (۱۹) جو لاشی برصنائے خدا نہیں وہ خدا پر اہتمام تقدیر نکال رہا ہے (۲۰) جو اپنی لغزش کو نظر انداز کرے گا وہ دوسروں کی لغزش کو بھی نظریں نہ لائے گا (۲۱) جو کسی کو بے پردہ کرنے کی سعی کرے گا خود برتنہ ہو جائے گا (۲۲) جو کسی پر ناحق تلوار کھینچے گا تو قیجہ میں خود مقتول ہوگا (۲۳) جو کسی کے لیے کنواں کھودے گا خود اس میں گرے گا۔ چاہے کن راجاہ درپیش (۲۴) جو شخص بے وقوفوں سے راہ و رسم رکھے گا، ذلیل ہوگا۔ جو علماء کی صحبت حاصل کرے گا عزت پائے گا، جو گری ہو کر دیکھا جائے گا، بدنام ہوگا (۲۵) حق کوئی کرنی چاہیے خواہ وہ اپنے لیے مفید ہو یا مضر (۲۶) پھل خوری سے بچو کیونکہ یہ لوگوں کے دلوں میں دشمنی اور عداوت کا بیج بونتی ہے (۲۷) اچھتوں سے ملو، بروں کے قریب نہ جاؤ۔ کیونکہ وہ ایسے پتھر ہیں جن میں جو تک نہیں لگتی، یعنی اُن سے فائدہ نہیں ہو سکتا (نور الابصار ص ۱۴۴) (۲۸) جب کوئی نعمت ملے تو بہت زیادہ شکر کرو تا کہ اضافہ ہو (۲۹) جب روزی تنگ ہو تو استغفار زیادہ کیا کرو کہ ابواب رزق کھل جائیں (۳۰) جب حکومت یا غیر حکومت کی طرف سے کوئی رنج پہنچے تو لاجلہ و لاخوہ اَلَا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ زِيَادَةً كَمَا تَوَكَّلْنَا عَلَيْهِ فِي الْغَايِبِ وَرَبِّ الْعَالَمِينَ اور خوشی کا دُور ہو۔ (مطالب السؤل ص ۲۴۴ تا ۲۴۵)۔

آپ کے بعض کرامات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کرامات اور عوارق عادات اور علمی معلوماتی واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ اربلی

لکھتے ہیں کہ ابوبصیر ایک دن حمام جانے کے لیے اپنے گھر سے برآمد ہوئے۔ راستہ میں چند ایسے حضرات ملے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ ابوبصیر صحابی یہ سوچ کر ساتھ ہو گئے کہ اگر میں حمام سے واپسی میں جاؤں گا تو سعادت زیارت میں پیچھے رہ جاؤں گا۔ جب وہاں پہنچے تو آپ نے اشارہ فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں حالت جنابت میں داخل نہیں ہونا چاہیے۔ ابوبصیر نے معذرت کی اور حمام چلے گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۹) یونس بن یعلیان کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دوران گفتگو میں فرمایا کہ زمین کے خزانے ہمارے اختیار میں ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پر سے زمین پر ایک خط کھینچا اور ایک بالشت کا ڈبہ اٹھا کر ہمیں دکھلایا۔ اس میں بہترین سونے کی اینٹیں تھیں، میں نے عرض کی مولا، آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے مگر آپ کے ماننے والے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے لیے جنت ہے (مذکرہ لمصطفیٰ)

آپ کے اخلاق اور

عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب اس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ کس کو

تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے، دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اسے جگانے کے بجائے اس کے سر ہانے بیچھ گئے اور پکھا جھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے۔ رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب جلد ۵ ص ۲۷) علامہ معاصر مولا علی نقی محدث العصر رقمطراز ہیں، آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے ذریعہ انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ خاص خاص اوصاف جن کے متعلق متورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کئے ہیں۔ همان تواری، شیر و خیرات، مخفی طریقہ پرغزما کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو، جہاد، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی مدینہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا۔ اس کا کھلی توان سے شبہ ہوا کہ اس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے، اس نے ادھر ادھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشہ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کو بالکل پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آ کر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لے لی ہے۔ حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار۔ حضرت نے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ، وہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔

۱۵۰ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دی تھیں۔ ایک جعفر دوسری جامعہ ایک کتاب تو بکری کی کھال پر تھی، دوسری بھینٹ کی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب جملہ لکھوا دی تھیں۔ بیدار کیف نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے کہ جعفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو حضرت علی کے پاس تھیں ان میں از روئے قواعد علم حروف و تکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا، جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انھیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے تھے اور کتاب بجز نمبر میں ہے کہ علم جعفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے، یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر کر کے سوال کا جواب نکالنا الخ۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب نور الابصار کے ص ۱۳۲ پر جو بحوالہ حوالہ الخ اور میری لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجعفر حضرت امام جعفر صادق کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو قیامت تک دنیا میں رونما ہوں گی۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل کے ص ۱۳۲ میں کتاب الجعفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہو من کلامہ" یہ کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے، یہی عبارت بعینہ شواہد النبوت تلا جانی کے ص ۱۸۵ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں بھی موجود ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جعفر و جامعہ کے علاوہ جعفر احمر و جعفر ابيض اور مصحف فاطمہ کے بھی مالک تھے، اور آپ کو خدا نے علم غار و مہر نور و نکتہ و انور سے بہرہ فرمایا تھا علامہ حسامی شواہد النبوت ص ۱۸۵ میں اور علامہ اربلی کشف الغمہ ص ۹۵ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ہمیں آئندہ اور گذشتہ عالم علم لرنی ہونے کی دلیل ہے، جو جانشین پیغمبر ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ صاحب صحیح البحرین اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جعفر و جامعہ میں قیامت تک ہونے والے سارے واقعات مندرج ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں خواہش لگ جانے کی بھی سزا کا ذکر ہے اور ایک تازیانہ (بلکہ نصف تازیانہ) کا بھی حکم موجود ہے۔

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب اھلیبجیہ کو منسلک فرمایا ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت تو ہوسکتی ہے کہ ایک ہندوستانی فلسفی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے آیات اور مابعد الطبیعیات پر حضرت سے تباہ و خیالات کرنا چاہا۔ حضرت نے اس سے نہایت کٹکٹ گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا، اُسے آخر میں کناٹا لڑا کہ آپ نے اپنے دعوے کو اس طرح ثابت فرما دیا ہے کہ ارباب عقل کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ تو تاریخ

آپ کے بعض کرامات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے کرامات اور خوارق عادات اور علمی معلوماتی واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ علامہ اربلی

لکھتے ہیں کہ ابوبصیر ایک دن حمام جانے کے لیے اپنے گھر سے براہِ مہجرت راستہ میں چند ایسے حضرات ملے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زیارت کے لیے جا رہے تھے۔ ابوبصیر صحابی یہ سوچ کر ساتھ ہو گئے کہ اگر میں حمام سے واپسی میں جاؤں گا تو سعادت زیارت میں چھپے رہ جاؤں گا جب وہاں پہنچے تو آپ نے اشارہ فرمایا کہ نبی اور امام کے گھر میں حالتِ جنابت میں داخل نہیں ہونا چاہیے ابوبصیر نے معذرت کی اور حمام چلے گئے۔ (کشف الغمہ ص ۹۷) یونس بن یعلیان کہتے ہیں کہ عمر لوگ ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ زمین کے تخرانے ہمارے اختیار میں ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پیر سے زمین پر ایک خط کھینچا اور ایک بالشت کا ڈبر اٹھا کر ہمیں دکھلایا۔ اس میں بہترین سونے کی لہنتیں تھیں، میں نے عرض کی مولا، آپ کے قبضہ میں سب کچھ ہے مگر آپ کے ماننے والے تکلیف اٹھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ان کے لیے جنت ہے (ذکرہ لمعصومین)

آپ کے اخلاق اور

عادات و اوصاف

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا جب اُس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ کس کو

تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے، دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اُسے جگانے کے بجائے اُس کے سر ہانے میٹھ گئے اور پنکھا چھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طلقیہ اچھا نہیں ہے۔ رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے۔ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب جلد ۵ ص ۵۲) علامہ معاصر مولانا علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں، آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوح انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت رکھتے تھے۔ خاص خاص اوصاف، جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کئے ہیں۔ مہمان نوازی، خیر و خیرات، مخفی طلقیہ پر غرا کی خبر گیری، عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک، عفو، جہاد، صبر و تحمل وغیرہ ہیں۔

ایک مرتبہ ایک حاجی برہنہ میں وارد ہوا اور مسجد رسول میں سو گیا۔ آنکھ کھل تو اسے شبہ ہوا کہ اُس کی ایک ہزار کی تھیلی موجود نہیں ہے، اُس نے ادھر ادھر دیکھا، کسی کو نہ پایا۔ ایک گوشہ مسجد میں امام جعفر صادق علیہ السلام نماز پڑھ رہے تھے وہ آپ کو بالکل پہچانتا تھا۔ آپ کے پاس آکر کہنے لگا کہ میری تھیلی تم نے لے لی ہے حضرت نے پوچھا اس میں کیا تھا اس نے کہا ایک ہزار دینار حضرت نے فرمایا، میرے ساتھ میرے مکان تک آؤ۔ وہ آپ کے ساتھ ہو گیا۔

بیت الشرف میں تشریف لا کر ایک ہزار دینار اس کے حوالے کر دیئے، وہ مسجد میں واپس آ گیا اور اپنا اسباب اٹھانے لگا، تو خود اس کی دیناروں کی پختی اسباب میں نظر آئی، یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوا اور دوڑتا ہوا پھر امام کی خدمت میں آیا اور عذر خواہی کرتے ہوئے وہ ہزار دینار واپس کرنا چاہا۔ حضرت نے فرمایا تم جو کچھ دے دیتے ہیں وہ پھر واپس نہیں لیتے۔

موجودہ زمانہ میں یہ حالات سب ہی کی آنکھوں سے دیکھے ہوئے ہیں کہ جب یہ اندیشہ معلوم ہوتا ہے کہ اناج مشکل سے ملے گا تو جس کو محتسباً ممکن ہو وہ اناج خرید کر رکھ لیتا ہے۔ مگر امام جعفر صادق علیہ السلام کے کردار کا ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ سے آپ کے وکیل مقرب نے کہا کہ ہمیں اس گرانی اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کے لیے کافی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا یہ تمام غلہ فروخت کر ڈالو اس کے بعد جو حال سب کا ہوگا، وہی ہمارا بھی ہوگا۔ جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا اب خالص گیہوں کی روٹی نہ پکا کرے، بلکہ آدھے گیہوں اور آدھے جو کی پکائی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو ہمیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیے۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے۔ مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا تھا۔ کسی نے کہا، یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ حضرت نے فرمایا، طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عجب کی بات نہیں۔ غلاموں اور کنیزوں پر کدھی مہربانی رہتی تھی۔ جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے، کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہے، میں نے سبب دریافت کیا، تو فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے، اس وقت جو میں گھر آیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر متعین تھی اسے گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اور اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اس کا رنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب دہرا اس کیوں طاری ہوا۔ پھر حضرت نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا، ڈرو نہیں۔ میں نے تم کو راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔ (صادق آل محمد صلا المآقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۵۲)۔

کتاب مجانی الادب جلد ۱ ص ۶۷ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ عمامان آئے تھے حضرت نے

کھانے کے موقع پر اپنی کینز کو کھانا لانے کا حکم دیا، وہ سال کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کینز کا پینے لگی اور آپ نے غصتہ کے بجائے اسے راہِ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے غوث سے کا پیتی ہے شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ ۶۹ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دھلا رہا تھا کہ دفعۃً لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا اور پانی اُڑ کر حضرت کے منہ پر پڑا۔ غلام گھبرا اٹھا حضرت نے فرمایا۔ ڈر نہیں، جا میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

کتاب تحفۃ الزائر علامہ مجلسی میں ہے کہ آپ کے عادات میں امام حسین علیہ السلام کی زیارت کے لیے جانا داخل تھا۔ آپ عہد سفاح اور زمانہ منصور میں بھی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ کربلا کی آبادی سے تقریباً چار سو قدم شمال کی جانب، نہر علقمہ کے کنارے باغوں میں شریعہ صادق آل محمدؐ اسی زمانہ سے بنا ہوا ہے۔ (تصویر عرصہ ۶۷ طبع دہلی ۱۹۱۹ء)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی بلندی

یہ ظاہر ہے کہ علم ہی انسان کا وہ جوہرِ خیرِ فانی ہے جس کے بغیر حقیقی امتیاز حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے علم کے ذریعہ سے ملائکہ پر فضیلت حاصل کی اور آپ کے اس طرزِ عمل سے ناگزیر طور پر یہ واضح ہو گیا کہ منصوص من اللہ کو عالمِ جید ہونا لازمی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام چونکہ صحیح طور پر منصوص تھے۔ لہذا آپ کا عالمِ زمانہ ہونا لازمی تھا اور یہی وجہ ہے کہ آپ علم کے اُن مدارج پر فائز تھے جن کے عرشہ بلند کے پایہ کو پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا۔

آپ کی تصانیف کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بے شمار کتابیں و رسالے اور

صادق آل محمدؐ کی تصانیف

مقالات سے دنیا والوں کو فیضیاب فرمایا ہے۔ آپ چونکہ علوم میں غیر محدود تھے۔ اس لیے آپ کی کتابیں ہر علم میں ملتی ہیں۔ آپ نے علم وین، علمِ کیا، علمِ رجز، علمِ فال، علمِ فلسفہ، علمِ طبیعیات، علمِ ہیئت، علمِ منطق، علمِ طب، علمِ سمیات، علمِ تشریح الاجسام و افعال الاعضاء، علمِ الہیات و بالحد الطبیعیات وغیرہ وغیرہ پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اور لیکچر زدے ہیں۔ ہم اس مقام پر صرف دو کتابوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں (۱) کتاب جعفر و جامعہ (۲) کتاب اہلبیعیہ۔

کتاب جعفر و جامعہ کے متعلق علماء کے بیانات مختلف ہیں۔ مولوی وحید الزمان صاحب جیدر آبادی اپنی کتاب انوار اللغۃ کے پارہ

کتاب جعفر و جامعہ

۱۵۔ پر لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب کو دو کتابیں لکھوا دی تھیں۔ ایک جعفر دوسری جامعہ ایک کتاب ترمیزی کی کھال پر تھی، دوسری بھڑکی کھال پر اور اس میں قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی تھیں وہ سب مجملاً لکھوا دی تھیں۔ سید شریف نے شرح مواقف میں نقل کیا ہے کہ جعفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو حضرت علی کے پاس تھیں ان میں از روئے قواعد علم حروف و تکسیر بڑے بڑے حوادث کا بیان تھا، جو قیامت تک ہونے والے تھے اور آپ کی اولاد میں جو امام گزرے وہ انھیں کتابوں کو دیکھ کر اکثر امور کی خبر دیتے تھے اور کتاب بحر بیض میں ہے کہ علم جعفر اور علم تکسیر ایک ہی ہے، یعنی سائل کے سوال کے حروف میں تصرف اور تغیر کر کے سوال کا جواب نکالنا الخ۔ علامہ شبلی نے اپنی کتاب نور الابصار کے ص ۱۲۲ پر جو کچھ لکھا ہے وہ میری لکھتے ہیں کہ ابن قتیبہ نے کتاب ادب الکاتب میں لکھا ہے کہ کتاب الجعفر حضرت امام جعفر صادق کی لکھی ہوئی ہے۔ اس میں وہ تمام چیزیں ہیں جو قیامت تک دنیا میں رونما ہوں گی۔ علامہ ابن طلحہ شافعی اپنی کتاب مطالب السؤل کے ص ۲۱۳ میں کتاب الجعفر کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ہو من کلامہ" یہ کتاب آپ ہی کی تصنیف ہے، یہی عبارت بعینہ شواہد النبوت ملا جامی کے ص ۱۸۷ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء میں بھی موجود ہے۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جعفر و جامعہ کے علاوہ جعفر احمر و جعفر ابیض اور مصحف فاطمہ کے بھی مالک تھے، اور آپ کو خدا نے علم غایر و مزبور نکت و نطق سے بہرہ فرمایا تھا علامہ حسامی شواہد النبوت ص ۱۷۰ میں اور علامہ اربلی کشف الغمہ ص ۱۹ میں فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے ہمیں آئندہ اور گزشتہ کا علم اور انام کی صلاحیت اور ملائکہ کی باتیں سننے کی طاقت دی گئی ہے۔ میرے خیال میں یہی عالم علم لدنی ہونے کی دلیل ہے جو جانشین پیغمبر ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ صاحب مجمع البحرین اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جعفر و جامعہ میں قیامت تک ہونے والے سارے واقعات مندرج ہیں۔ یہاں تک کہ اس میں خراش لگ جانے کی بھی سزا کا ذکر ہے اور ایک تازیانہ (بکلم نصف تازیانہ) کا بھی حکم موجود ہے۔

علامہ مجلسی نے کتاب بحار الانوار کی جلد ۲ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی کتاب اھلبیجہ کو جس دور میں نقل فرمایا ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کی ضرورت ہوں سو سو ہونی کہ ایک ہندوستانی فلسفی حضرت لی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے آیات اور ماہدہ الطبیعیات پر حضرت سے تبادول خیالات کرنا چاہا۔ حضرت نے اس سے نہایت کلمہ گفتگو کی اور علم کلام کے اصول پر دہریت اور مادیت کو فنا کر چھوڑا، اُسے آخر میں کہنا پڑا کہ آپ نے اپنے دعوے کو اس طرح ثابت فرمادیا ہے کہ ارباب عقل کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ تاریخ

سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہندی فلسفی سے جو گفتگو کی تھی اسے کتاب کی شکل میں مدون کر کے باب اہلبیت کے مشہور متکلم جناب امفضل بن عمر الجعفی کے پاس بھیج دیا تھا۔ اور یہ لکھا تھا کہ

امفضل میں نے تمہارے لیے ایک کتاب لکھی ہے جس میں منکرین خدا کی روکی ہے، اور اس کے کھنسنے کی وجہ یہ ہوتی کہ میرے پاس ہندوستان سے ایک طبیب (قلہ خنی) آیا تھا اور اس نے مجھ سے مباحثہ کیا تھا۔ میں نے جو جواب اُسے دیا تھا، اسی کو قلم بند کر کے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔

حضرت صادق آل محمد کے فلک وقار شاگرد

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کا شمار شکل سے بہت ممکن ہے کہ آئندہ سلسلہ تحریر میں آپ کے بعض شاگردوں کا ذکر آسما جائے۔ عام تو زمین نے بعض ناموں کو خصوصی طور پر پیش کر کے آپ کی شاگردی کی سبک میں پرو کر انھیں معزز بنایا ہے۔ مطالب السؤل صوفی محقق نورالابصار وغیرہ میں امام ابو حنیفہ یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریج، امام مالک ابن انس امام سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، ایوب بختیانی وغیرہ کا آپ کے شاگردوں میں خاص طور پر ذکر ہے۔ تاریخ ابن خلدان جلد ۱۳ اور نیز الدین زرکلی کی الاعلام ص ۱۸۳ طبع مصر محمد فرید وجدی کی ادارہ معارف القرآن کی جلد ۳ ص ۱۹ طبع مصر میں ہے۔ وکان تلمیذک ابو موسیٰ جابر بن حیان الصوفی الطرسوسی، آپ کے شاگردوں میں جابر بن حیان صوفی طرسوسی بھی ہیں۔ آپ کے بعض شاگردوں کی جلالت قدر اور ان کی تصانیف اور علمی خدمات پر روشنی ڈالنی تو بے انتہا دشوار ہے۔ اس لیے اس مقام پر صرف جابر بن حیان طرسوسی جو کہ انتہائی بالکمال ہونے کے باوجود شاگرد امام کی حیثیت سے عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہیں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

امام الکیمیا جناب جابر ابن حیان طرسوسی

آپ کا پورا نام ابو موسیٰ جابر بن حیان بن عبدالصمد الصوفی الطرسوسی الکوفی ہے آپ ۶۴۲ء میں پیدا ہوئے اور ۷۲۰ء میں انتقال فرما گئے۔ بعض محققین نے آپ کی وفات ۷۱۳ء بتائی ہے۔ لیکن ابن ندیم نے ۷۲۰ء لکھا ہے۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک سٹڈیز میں ہے کہ استاد اعظم جابر بن حیان بن عبداللہ، عبدالصمد کوفہ میں پیدا ہوا وہ طوسى النسل تھا اور آزاد نامی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا۔ خیالات میں صوفی تھا اور یمن کا رہنے والا تھا۔ اوائل عمر میں علم طبیعیات کی تعلیم اچھی طرح حاصل کر لی اور امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر کی فیض صحبت سے ملام الغنی ہو گیا۔

تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساری کائنات میں کوئی ایسا نہیں جو امام کی طرح سارے علوم پر بول سکے۔ الخ

تاریخ آئمہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا جفر رمل پر لکھی تھی۔ حضرت کے شاگرد و مشہور و معروف کیمیاگر جابر بن حیان جو یورپ میں جبر کے نام سے مشہور ہیں جابر صوفی کا لقب دیا گیا تھا۔ اور ذوالنون مصری کی طرح وہ بھی علم باطن سے ذوق رکھتے تھے، ان جابر بن حیان نے ہزاروں ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی جس میں حضرت امام جعفر صادق کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ ابن خلدان کتاب ذویات الاعیان جلد ۱۲ ص ۱۲۰ طبع مصر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مقالات علم کیمیا اور علم جفر و فال میں موجود ہیں اور آپ کے شاگرد تھے۔ جابر بن حیان صوفی طرسوسی جنھوں نے ہزار ورق کی ایک کتاب تالیف کی تھی، جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے پانچ سو رسالوں کو جمع کیا تھا۔ علامہ خیر الدین رگی نے بھی الاعلام جلد ۱ ص ۱۸۲ طبع مصر میں یہی کچھ لکھا ہے۔ اس کے بعد تحریر کیا ہے کہ ان کی بے شمار تصانیف ہیں۔ جن کا ذکر ابن ندیم نے اپنی فہرست میں کیا ہے۔ علامہ محمد فرید محمدی نے دائرہ معارف القرآن الرابع عشر کی ج ۳ ص ۱۲۹ طبع مصر میں بھی لکھا ہے کہ جابر بن حیان نے امام جعفر صادق کے پانچ سو رسالے کو جمع کر کے ایک کتاب ہزار صفحے کی تالیف کی تھی۔ علامہ ابن خلدون نے بھی مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر ۱۳۸۵ میں علم کیمیا کا ذکر کرتے ہوئے جابر بن حیان کا ذکر کیا ہے اور فاضل سنسوی نے اپنی ضخیم تصنیف کتاب اور کتاب خانہ غیر مطبوعہ میں جو الہ مقدمہ ابن خلدون ص ۵۶۹ طبع مصر لکھا ہے کہ جابر بن حیان علم کیمیا کے مدون کرنے والوں کا امام ہے۔ بلکہ اس علم کے ماہرین نے اس کو جابر سے اس حد تک مخصوص کر دیا ہے کہ اس علم کا نام ہی ”علم جابر“ رکھ دیا ہے۔ (ابحواذ شماره ۱۱ جلد ۱ ص ۹)۔

مورخ ابن القطیفی لکھتے ہیں کہ جابر بن حیان کو علم طبیعیات اور کیمیا میں تقدم حاصل ہے ان علوم میں اُس نے شہرہ آفاق کتابیں تالیف کی ہیں۔ ان کے علاوہ علوم فلسفہ وغیرہ میں شرف کمال پر فائز تھے اور یہ تمام کمالات سے بھر پور ہونا علم باطن کی پیروی کا نتیجہ تھا۔ ملاحظہ ہو (طبقات الامم ص ۹۵ و اخبار الحكماء ص ۱۱۱ طبع مصر) پیام اسلام جلد ۵ ص ۱۵ میں ہے کہ یہ علمی شہرت قسمت مسلمان ہے جسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کا شرف حاصل تھا۔ اس کے

متعلق جنوری ۱۹۵۲ء میں سائنس پر دو گیس وزشتہ جے ہولم یارڈ ایم اے۔ ایف۔ آئی۔ سی آئی سر علی
 شعبہ سائنس کھٹن کالج برٹل نے لکھا ہے کہ علم کیمیا کے متعلق زمانہ وسطیٰ کی اکثر تصانیف ملتی ہیں جن
 میں گیس کا ذکر آتا ہے اور عام طور پر گیس برابن حین اور بعض دفعہ گیس کی بجائے جیبر بھی دیکھا گیا ہے۔
 اور گیسر یا جیبر دراصل جابر ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی لاطینی کتب میں گیس کا ذکر آتا ہے۔ وہاں
 مراد عربی یا کیمیا جابر بن حیان ہی ہے۔ جسے (نا) کے بجائے (ہ) کا آنا جانا آسانی سے
 سمجھ میں آجاتا ہے۔ لاطینی میں جے کے مترادف کوئی آواز اور بعض علاقوں مثلاً مصر وغیرہ میں
 (جے) کو اب بھی بطور (جی) یعنی (گ) استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ ہارون الرشید
 کے زمانہ میں سائنس کیمسٹری وغیرہ کا چرچا بہت ہو چکا ہے اور اس علم کے جاننے والے دنیا کے
 گوشہ گوشہ سے کھینچ کر دربار خلافت سے منسک ہو رہے تھے۔ جابر بن حیان کا زمانہ بھی کم و بیش
 اس ہی دور میں تھا پچھلے بیس پچیس سال میں انگلستان اور جرمنی میں جابر کے متعلق بہت سی
 تحقیقات ہوئی ہیں لاطینی زبان میں علم کیمیا کے متعلق چند کتب سینکڑوں سال سے اس مفکر
 کے نام سے منسوب ہیں۔ جس میں مخصوص (۱) سما (۲) بریکیشن (۳) ڈی الویسی گیشن پرفیکشن (۴)
 ڈی الویسی گیشن ڈیٹیلیس (۵) ٹیٹا بہن لیکن ان کتابوں کے متعلق اب تک ایک طولانی بحث
 ہے اور اس وقت تک مفکرین یورپ انھیں اپنے یہاں کی پیداوار بتاتے ہیں اس لیے انھیں
 اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جابر کو صرف (جی) (گ) گیسر سے پکاریں اور بجائے عربی لفظ
 کے اسے یورپین ثابت کریں۔

حالانکہ سما کے کئی طبع شدہ اڈیشنوں میں گیسر کو عرب ہی کہا گیا ہے۔ رسل کے انگریزی ترجمہ
 میں اسے ایک مشہور عربی شاہزادہ اور منطقی کہا گیا ہے۔ ۱۹۵۱ء میں کی فورن برگ کے ایڈیشن
 میں وہ صرف عرب ہے۔ اسی طرح اور بہت سے قلمی نسخے ایسے مل جاتے ہیں۔ جن میں کہیں سے
 ایرانیوں کے بادشاہ سے یاد کیا گیا ہے۔ کسی جگہ اُسے شاہ بند کہا گیا ہے۔ ان اختلافات سے
 سمجھ میں آتا ہے کہ جابر ترا عظم ایشیا سے نہ تھا۔ بلکہ اسلامی عرب کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔
 انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری کے مطابق جعفر برکلی کے ذریعہ سے جابر بن حیان
 کا خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں آنا جانا شروع ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے خلیفہ کے نام سے
 علم کیمیا میں ایک کتاب لکھی جس کا نام "شکوفا" رکھا۔ اس کتاب میں اس نے علم کیمیا کے جلی
 وضحیٰ پہلوؤں کے متعلق نہایت مختصر طریقے نہایت ستھرا طریق عمل اور عجیب و غریب تجربات
 بیان کئے۔ جابر کی وجہ ہی سے قسطنطنیہ سے دوسری دفعہ یونانی کتب بڑی تعداد میں لائی گئیں۔
 منطق میں علامہ دہر مشہور ہو گیا اور نوے سال سے کچھ زمانہ عمر میں اُس نے تین ہزار کتابیں لکھیں اور

ان کتابوں میں سے وہ بعض پر ناز کرتا تھا۔ اپنی کسی تصنیف کے بارے میں اُس نے لکھا ہے کہ ”روئے زمین پر ہماری اس کتاب کے مثل ایک کتاب بھی نہیں ہے نہ آج تک ایسی کتاب لکھی گئی ہے اور نہ قیامت تک لکھی جائے گی۔“ (سرفراز ۲، دسمبر ۱۹۵۲ء)۔

فاضل ہنسوی اپنی کتاب ”کتاب و کتاب خانہ“ میں لکھتے ہیں کہ جابر کے انتقال کے دو برس بعد عزالدولہ ابن معز الدولہ کے عہد میں کوفہ کے شارح باب الشام کے قریب جابر کی نخرہ کا کاشف ہو چکا ہے جس کو کھودنے کے بعد بعض کمیادی چیزیں اور آلات بھی دستیاب ہوئے ہیں (فہرست ابن النذیم ص ۹۱)۔ جابر کے بعض قدیمی مخطوطات برٹش میوزیم میں اب تک موجود ہیں۔ جن میں سے کتاب الخواص قابل ذکر ہے۔ اسی طرح قرون وسطیٰ میں بعض کتابوں کا ترجمہ لاطینی میں کیا گیا۔ منجملہ ”ان تراجم کے کتاب“ سب سے پہلے جو ناقص و نامتام ہے۔ اسی طرح ”البحث عن الکمال“ کا ترجمہ بھی لاطینی میں کیا جا چکا ہے۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں کیا پر یورپ کی زبان میں سب سے پہلی کتاب ہے۔ اسی طرح اور دوسری کتابیں بھی مترجم ہوئیں۔ جابر نے کیمیا کے علاوہ طبیعیات، ہیئت، علم رویا، منطق، طب اور دوسرے علوم پر بھی کتابیں لکھیں۔ اس کی ایک کتاب سمیات پر بھی ہے۔ یوسف الیاس سرکس صاحب مجمع المطبوعات بتلاتے ہیں کہ جابر بن حیان کی ایک نفیس کتاب سمیات پر بھی ہے۔ جو کتب خانہ ایتموریہ قاہرہ مصر میں بحسن مخطوطات ہے۔ ان میں چند ایسے مقالات کو جو بہت مفید تھے بعد کمرہ حروف نے رسالہ مقتطف جلد ۵۸ - ۵۹ میں شائع کئے ہیں ملاحظہ ہو (مجمع المطبوعات العربیہ المعربہ جلد ۲ حرف جیم ص ۶۶)۔ جابر بحیثیت ایک طبیب کے کام کرتا تھا۔ لیکن اس کی طبی تصانیف ہم تک نہ پہنچ سکیں۔ حالانکہ اس مقالے کا لکھنے والا یعنی ڈاکٹر ماکس می برہاف نے جابر کی کتاب کو جو حکومت پر ہے حال ہی میں معلوم کر لیا ہے۔

جابر کی ایک کتاب جس کو مع تین عربی اور ترجمہ فرانسیسی پول کراؤ مشرق نے ۱۹۳۵ء میں شائع کیا ہے ایسی بھی ہے جس میں اُس نے تاریخ انتشار آراء عقائد و افکار ہندی یونانی اور ان تغیرات کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں نے کئے ہیں۔ اس کتاب کا نام ”اخراج مافی القوة الی الفعل ہے۔“ (الجواہر ۹ ص ۱ طبع خاکس)۔

پروفیسر رسکار کی رود
میرے بیان سے یہ یقیناً واضح ہو گیا کہ تو میں اس پر متفق ہیں کہ
جابر بن حیان اسلام کا معزز کیمیاگر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام
کا شاگرد تھا۔ لیکن پروفیسر رسکار نے علم کیمیا کے متعلق جو رسالہ شائع کیا ہے۔ اس میں جابر ابن
حیان کے ان دعادی کو غلط اور جعل بتایا ہے، جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی شاگردی کی طرف

منسوب ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو علم کیمیا اور سائنس سے کیا واسطہ نیز امام جعفر صادق کی حیثیت کا امام پارے، کندھک، کٹھالی اور چکنی کے استعمال میں مصروف ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں موصوف کے جواب میں کہتا ہوں کہ موصوف نے کوئی معقول وجہ انکار کی بیان نہیں فرمائی۔ تاریخوں کا ثبوت پیش کرنا اثبات کے لیے کافی ہے اور ان کے انکار سے عدم شناگر دی کی دلیل نہیں قائم کی جاسکتی یہ کہ ضروری ہے کہ جابر بن حیان جیسے ذکی و ذہین شاگرد کو بچوں کی طرح بیٹھ کر عمل کر کے دکھایا ہو۔ ذہین طالب علموں کو زبانی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر اسی طرح تعلیم دی ہو جس طرح معترض کا خیال ہے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام جیسا استاد علوم کو پھیلانے کے لیے پارہ اور کندھک کٹھالی اور چکنی میں کچھ دیر مصروف رہ سکتا ہے اور یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہو سکتی ممکن ہے کہ حضرت نے جملہ علوم کے اصول تعلیم فرمادیے ہوں اور جابر نے انھیں وسعت دے دی ہو، مثال کے طور پر ملاحظہ ہو کتاب مناقب میں ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں۔ علمتی رسول اللہ الف باب الخ آنحضرت نے مجھے علوم کے ایک ہزار باب تعلیم فرمائے اور میں نے ہر باب سے ہزار ہزار باب خود پیدا کئے۔ کتاب مطالب السؤل صفحہ ۵ میں ہے کہ حضرت علی نے علم نحو کے اصول ابوالاسود و ویلی کو تعلیم فرمائے پھر اس نے تمام تفصیلات مکمل کئے، ہو سکتا ہے کہ اسی اصول پر جابر کو تعلیم دی گئی ہو۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلامک کیمسٹری سے معلوم ہوتا ہے کہ جابر بن حیان کی عمر ۹۰ سال سے کچھ زائد تھی مگر جعفر

جابر بن حیان کی وفات

بارہوی نے ان کی ولادت اور وفات کے متعلق سرفراز ۱۷ نومبر ۱۹۵۲ء میں جو کچھ تحریر کیا ہے اسی کو نقل کرتے ہوئے مسٹر قمر رضا نے پیام اسلام جلد ۶، ۶-۱۵، ۲۶ جولائی ۱۹۵۳ء میں لکھا ہے کہ جابر بن حیان ۲۲ء میں پیدا ہوئے اور انھوں نے ۸۰ء میں انتقال کیا اور بعض کا کہنا ہے کہ ۸۱ء تک زندہ رہے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ ابن ندیم نے ان کی وفات ۸۰ء میں بتائی ہے اور میرے نزدیک یہی قرین قیاس ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ موصوف نے ابن ندیم کے فیصلہ کو کیوں تسلیم کر لیا اس لیے کہ اگر ولادت کا سن درست ہے تو پھر ابن ندیم کا بیان قرین قیاس نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اگر وہ ۲۲ء میں پیدا ہوئے تھے اور ۸۰ء میں وفات پائے تو گویا ان کی عمر صرف ۵۵ سال کی ہوئی جو اتنے صاحب کمال کے لیے قرین قیاس نہیں ہے میرے نزدیک انسائیکلو پیڈیا والے کی تحقیق صحیح ہے وہ نوے سال سے کچھ زیادہ ان کی عمر بتاتا ہے جو از روئے حساب درست ہے کیونکہ ولادت ۲۲ء اور وفات ۸۰ء میں تسلیم کرنے کے بعد ان کی عمر ۹۱ سال ہوتی ہے اور یہ عمر ایسے باکمال کے لیے ہونی مناسب ہے۔

صادق آل محمد کے علمی فیوض و برکات

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جنھیں راسخین فی العلم میں ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو علم اولین و آخرین سے آگاہ اور دنیا کی تمام زبانوں سے واقف ہیں جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے میں ان کے تمام علمی فیوض و برکات پر تھوڑے اوراق میں کیا روشنی ڈال سکتا ہوں۔ میں نے آپ کے حالات کی چھان بین کی ہے اور یقین رکھتا ہوں کہ اگر مجھے فرصت ملے، تو تقریباً چھ ماہ میں آپ کے علوم اور فضائل و کمالات کا کافی ذخیرہ جمع کیا جاسکتا ہے آپ کے متعلق امام مالک بن انس لکھتے ہیں: "میری آنکھوں نے علم و فضل و روع و تقویٰ میں امام جعفر صادق سے بہتر دیکھا ہی نہیں جیسا کہ اوپر گزرا وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے اور بہت بڑے زاہد تھے خدا سے بے پناہ ڈرتے تھے، بے انتہا حدیث بیان کرتے تھے، بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے۔ آپ سے مل کر بے انتہا فائدہ اٹھایا جاتا تھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۵۲ طبع بمبئی)۔"

علمی فیوض رسائی کا موقع

یوں تو ہمارے تمام آمد اہلیت علمی فیوض و برکات سے بھر پور تھے اور علم اولین و آخرین کے مالک، لیکن دنیا والوں نے ان سے فائدہ اٹھانے کے بجائے انھیں قید و بند میں رکھ کر علوم و فنون کے خزانے پر ہتھیاروں اور بیڑیوں کے ناگ بٹھا دیئے تھے۔ اس لیے ان حضرات کے علمی کمالات کا حقد، منظر عام پر نہ آسکے۔ ورنہ آج دنیا کسی علم میں خاندان رسالت کا رب کے علاوہ کسی کی محتاج نہ ہوتی۔ فاضل معاصر مولانا سبط الحسن صاحب ہنسوی لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام المتوفی ۱۲۰ھ کا عہد محارفات پروری کے لحاظ سے ایک زریں عہد تھا۔ وہ رکاوٹیں جو آپ سے قبل آمد اہل بیت کے لیے پیش آیا کرتی تھیں ان میں کسی حد تک کمی تھی۔ اموی حکومت کی تباہی اور عباسی سلطنت کا استحکام آپ کے لیے سکون و امن کا سبب بنا، اس لیے حضرت کو مذہب اہل بیت کی اشاعت اور علوم و فنون کی ترویج کا ایک بہترین موقع ملا۔ لوگوں کو بھی ان عالمان ربانی کی طرف رجوع کرنے میں اب کوئی خاص زحمت نہ تھی جس کی وجہ سے آپ کی خدمت میں علاوہ حجاز کے دُور دراز مقامات مثل عراق، شام، خراسان، کابل، سندھ ہند اور بلاد روم، فرنگ کے طلباء و شائقین علم حاضر ہو کر مستفید ہوتے تھے۔ حضرت کے حلقہ درس میں چار ہزار اصحاب تھے۔ علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کتاب الارشاد میں فرماتے ہیں۔

(ترجمہ) لوگوں نے آپ کے علوم کو نقل کیا جنھیں تیز سوار منازل بعیدہ کی طرف لے گئے، اور

آوازہ آپ کے کمال کا تمام شہروں میں پھیل گیا اور علمائے اہل بیت میں کسی سے بھی اتنے علوم و فنون کو ہمیں نقل کیا ہے جو آپ سے روایت کرتے ہیں اور جن کی تعداد چار ہزار ہے۔ غیر عرب طالبان علم سے ایک رومی نسل بزرگ زرارہ بن اعین متوفی ۱۵۰ھ حجر قابل ذکر ہیں جن کے داد اسٹین بلا دوروم کے ایک مقدس راہب (Nonk) تھے۔ زرارہ اپنی خدماتِ علمیہ کے اعتبار سے اسلامی دنیا میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ اور صاحب تصانیف تھے۔ کتاب الاستطاعت والجران کی مشہور تصنیف ہے۔ (منہج المقال ۱۴۲)۔ و مولفوا الشیعہ فی صدر الاسلام ص ۵۱)۔

کتاب اصول العجماۃ

حضرت کے اصحاب میں چار سو ایسے مصنفین تھے جنہوں نے علاوہ دیگر علوم و فنون کے کلام معصوم کو ضبط کر کے چار سو کتب اصول مدون کیں۔ اصل سے مراد مجموعہ احادیث اہلبیت کی وہ کتابیں ہیں جن میں جامع نے خود براہ راست معصوم سے روایت کر کے احادیث کو ضبط تحریر کیا ہے یا ایسے راوی سے سنا ہے جو خود معصوم سے روایت کرتا ہے۔ اس قسم کی کتاب میں جامع کی دوسری کتاب یا روایت سے معنیاً (عن فلان عن فلان) کے ساتھ نہیں نقل کرتا جس کی سند میں اور وساطت کی ضرورت ہو۔ اس لیے کتب اصول میں خطا و غلط سہو و نسیان کا احتمال بہ نسبت اور دوسری کتابوں کے بہت کم ہے۔ کتب اصول کے زمانہ تالیف کا انحصار عبد امیر المومنین سے لے کر امام حسن عسکریؑ کے زمانہ تک ہے۔ جس میں اصحاب معصومین نے بالمشافہ معصوم سے روایت کر کے احادیث کو جمع کیا ہے۔ یا کسی ایسے ثقہ راوی سے حدیث معصوم کو اخذ کیا ہے جو براہ راست معصوم سے روایت کرتا ہے۔ شیخ ابوالفتح محمد بن جعفر بن سعید المعروف بالمحقق الحلی اپنی کتاب الاعتبار میں فرماتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے جوابات مسائل کو چار سو مصنفین اصحاب امام نے تحریر کر کے چار سو تصانیف مکمل کی ہیں۔

صادق آل محمد کے اصحاب کی تعداد اور ان کی تصانیف

آگے چل کر فاضل معاصر الجودی میں بحوالہ کتاب و کتب خانہ لکھتے ہیں کتب رجال میں جن اصحاب کمرہ کے حالات و تراجم مذکور ہیں۔ ان کی مجموعی تعداد چار ہزار پانچ سو اصحاب ہیں جن میں سے صرف چار ہزار اصحاب حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں سب کا تذکرہ ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقدہ ۲۲۹ھ نے اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔ اور شیخ الطائف ابو جعفر الطوسی نے بھی ان سب کا احصا اپنی کتاب رجال میں کیا ہے۔

مخصوصین علیہم السلام کے تمام اصحاب میں سے مصنفین کی جملہ تعداد ایک ہزار تین سو سے زائد نہیں ہے جنہوں نے سینکڑوں کی تعداد میں کتب اصول اور ہزاروں کی تعداد میں دوسری کتابیں تالیف اور تصنیف کی ہیں جن میں سے بعض مصنفین اصحاب آئمہ کو ایسے تھے جنہوں نے تنہا سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ فضل بن شاذان نے ایک سو اسی کتابیں تالیف کیں۔ ابن دول نے سو کتابیں لکھیں۔ اسی طرح برقی نے بھی تقریباً سو کتابیں لکھیں۔ ابن ابی عمیر نے نوے کتابیں لکھیں اور اکثر اصحاب آئمہ ایسے تھے۔ جنہوں نے تیس یا چالیس سے زیادہ کتابیں تالیف کی ہیں۔ غرضیکہ ایک ہزار تین سو مصنفین اصحاب آئمہ نے تقریباً پانچ ہزار تصانیف کیں۔ مجمع البحرین میں لفظ جبر کے ماتحت ہے کہ صرف ایک جابر الجعفی نام جعفر صادق علیہ السلام کے ستر ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ تاریخ اسلام جلد ۵ ص ۳۱ میں ہے کہ ابان بن تغلب بن رباح (الوسعید) کو فی صرف امام جعفر صادق علیہ السلام کی تیس ہزار احادیث کے حافظ تھے۔ ان کی تصانیف میں تفسیر عزیز القرآن کتاب المفرد، کتاب الفضائل، کتاب البصیقین قابل ذکر ہیں۔ یہ فارسی فقید لغوی محدث تھے۔ انہیں حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمد باقر۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے صحابی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا۔

حضرت صادق آل محمد اور علم جعفر

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو چونکہ نشر علوم کا موقع مل گیا تھا۔ لہذا آپ نے علمی افادات کے دریا بہا دیئے۔ آپ کو جہاں دیگر علوم میں کمال تھا اور آپ نے مختلف علوم کے نشر میں سعی کی ہے۔ علم جعفر میں بھی آپ یکتائے زمانہ تھے اور اس علم میں بھی آپ کے تصانیف میں علم جعفر کے کتنے ہیں اس کے متعلق الارب لولیس معلوف الیسوعی کتاب المنجد کے ص ۹۰ طبع بیروت میں لکھتے ہیں کہ علم جعفر کو علم الحروف بھی کہتے ہیں یہ ایسا علم ہے کہ اس کے ذریعہ سے حوادث عالم کو معلوم کر لیا جاتا ہے مولوی وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغۃ ص ۱۵ میں بحوالہ بحر عجیب لکھتے ہیں کہ علم جعفر جو علم تکبیر کا دوسرا نام ہے اس سے مراد یہ ہے کہ سائل کے سوال کے حروف میں تغیر و تبدل کر کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں۔ مجمع البحرین میں لفظ جعفر کے ماتحت لکھا ہے کہ علم الحروف کے اصول پر حوادث عالم کے معلوم کرنے کا نام علم جعفر ہے۔ تاریخ آئمہ بحوالہ تاریخ ابن خلکان جلد ۵ ص ۵۵ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک کتاب کیمیا اور جعفر اور رمل پر لکھی تھی۔

۱۔ علامہ سید عبدالحسین شرف الدین اپنی کتاب "موفو الشیعہ فی صدر الاسلام" طبع بغداد کے ص ۳۱ میں لکھتے ہیں کہ جناب جابر جعفی کا اصلی نام اور سلسلہ نسب یہ تھا جابر بن یزید بن حرث بن عبد الغوث بن لعب بن الحرث بن معاویہ بن وائل الجعفی الکوفی تھا۔ ان کی تصانیف میں کتاب التفسیر، کتاب انوار، کتاب الفضائل، کتاب الجمل، کتاب البصیقین، کتاب النروان، کتاب بنیشت

حضرت صادق آل محمدؑ اور علم طب

علامہ ابن بابویہ انفی کتاب الخصال جلد ۲ - باب ۱۹ - ۹۴ - ۹۹ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک مشہور طبیب منصور و واقفی کے دربار میں طلب کیا گیا۔ بادشاہ نے حضرت سے اس کی ملاقات کرائی۔ امام جعفر صادقؑ نے علم تشریح الاجسام اور افعال الاعضا کے متعلق اس سے انیس سوالات کئے وہ اگرچہ اپنے فنی میں پورا کمال رکھتا تھا لیکن جواب زور سے سکا بالآخر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس طبیب سے حضرت نے بیس سوالات کئے تھے اور اس انداز سے پُر از معلومات تقریر فرمائی کہ وہ بول اٹھا "من این لك هذا العلة" اسے حضرت یہ بے پناہ علم آپ نے کہاں سے حاصل فرمایا؟ آپ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ دادا سے۔ انھوں نے محمد مصطفیٰ صلعم سے، انھوں نے جبریل سے، انھوں نے خداوند عالم سے اسے حاصل کیا ہے جس نے اجسام و ارواح کو پیدا کیا ہے۔ فقال الہندی ہدیت کے اس نے کہا بے شک آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد اس نے پھر کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا اور کہا "انک تعلم اهل زمانہ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ عہد حاضر کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۱ ص ۲۵ طبع ممبئی)۔

حضرت صادق آل محمدؑ کا علم القرآن

مختصر یہ کہ آپ کے علمی فیوض و برکات پر مفصل روشنی ڈالنی تو دشوار ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے۔ البتہ صرف یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ علم القرآن کے بارے میں دمعہ ساکبہ ص ۲۷ پر آپ کا قول موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں خدا کی قسم میں قرآن مجید کو اول سے آخر تک اس طرح جانتا ہوں۔ گویا میرے ہاتھ میں آسمان و زمین کی خبریں ہیں، اور وہ خبریں بھی ہیں جو ہو چکی ہیں۔ اور جو رہی ہیں اور جو ہونے والی ہیں، اور کیوں نہ ہو جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ اس پر ہر چیز عیاں ہے۔ ایک مقام پر آپ نے فرمایا ہے کہ ہم انبیاء اور رسل کے علوم کے وارث ہیں (دمعہ ساکبہ ص ۲۷)۔

علم النجوم

علم النجوم کے بارے میں اگر آپ کے کمالات دیکھنا ہوں تو کتب طوال کا مطالعہ کرنا چاہیے آپ نے نہایت جلیل علماء علم النجوم سے مباحثہ اور مناظرہ کر کے انھیں انکشت بنداں کر دیا ہے۔ بحار النوار مناقب شہر آشوب و دمعہ ساکبہ وغیرہ میں آپ کے مناظرے موجود ہیں علماء کا فیصلہ ہے کہ علم نجوم حق ہے۔

لیکن اس کا صحیح علم آئمہ اہلبیت کے علاوہ کسی کو نصیب نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ حلقہ بگوشان
مودت نور ہدایت سے کسب ضیاء کریں۔

علم منطق الطیر

صادق آل محمدؑ دیگر آئمہ کی طرح منطق الطیر سے بھی باقاعدہ واقف تھے، جو پرندہ یا کوئی جانور
آپس میں بات چیت کرتا تھا اسے آپ سمجھ لیا کرتے تھے اور بوقت ضرورت اس کی زبان میں حکم
فرمایا کرتے تھے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو، کتاب تفسیر کباب التاویل جلد ۵ ص ۱۱۳ و معالم التنزیل
ص ۱۱۳ عجائب القصاص ص ۱۰۵ نور الانوار ص ۳۱۱ طبع ایران میں ہے کہ صادق آل محمدؑ نے قبرہ نامی پرندہ
جس کو (چکور) یا چندول کہتے ہیں کہ بولتے ہوئے اصحاب سے فرمایا کہ تم جانتے ہو یہ کیا کہتا ہے
اصحاب نے صراحت کی خواہش کی تو فرمایا یہ کہتا ہے۔ "اللہم العن مبغضی محمد و آل محمد"
خدا یا محمدؑ و آل محمدؑ سے بغض کرنے والوں پر لعنت کر، فاختہ کی آواز پر آپ نے کہا کہ اسے گھر میں
نہ رہنے دو۔ یہ کہتی ہے کہ "فقلتمہ نقلتمہ" خدا تمہیں نیست و نابود کرے، وغیرہ وغیرہ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علم الاجسام

مناقب بن شہر آشوب اور بحار الانوار جلد ۱۲ میں ہے کہ ایک عیسائی نے حضرت امام جعفر صادق
علیہ السلام سے علم طب کے متعلق سوالات کرتے ہوئے جسم انسان کی تفصیل پوچھی۔ آپ نے ارشاد
فرمایا کہ خداوند عالم نے انسان کے جسم میں ۱۲ وصل دوسو اڑتالیس ہڈیاں اور تین سو ساٹھ رگیں
خلق فرمائی ہیں۔ رگیں تمام جسم کو سیراب کرتی ہیں۔ ہڈیاں جسم کو، گوشت ہڈیوں کو اور اعصاب
گوشت کو روکے رہتے ہیں۔

صادق آل محمدؑ نے جنت میں گھر بنا دیا

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہشت پر اہلبیت رسول کا پورا پورا حق و اقتدار ہے۔ ملاحجی
لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو روانہ حج ہوتے ہوئے کچھ
درہم دیئے اور عرض کی کہ میں حج کو جاتا ہوں۔ مہربانی فرما کر میری واپسی تک ایک مکان میری رہائش
کا بنوادے گا۔ یا خرید فرمادے گا۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لیے جنت
میں ایک گھر خرید لیا ہے۔ جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ حدود اربعہ بتانے کے بعد آپ نے ایک نوشتہ
دیا اور وہ گھر چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر بیمار ہوا، اور مرنے لگا۔ وصیت کی کہ نوشتہ صادق میرے کفن میں

رکھا جائے۔ چنانچہ لوگوں نے رکھ دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو قبر پر پڑوسی پر چہ ملا۔ ”وہ پلشت دے
 نوشتہ ہے کہ جعفر بن محمد و فامود بان چہ وعدہ کر وہ بود۔
 اس پرچہ کی پشت پر لکھا ہوا تھا کہ صادق آل محمد نے جو وعدہ کیا تھا درست نکلا اور مجھے
 مکان مل گیا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۲)۔

دستِ صادق میں اعجازِ ابراہیمی

پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کی مشہور حدیث ہے کہ میرے اہلیت میرے علاوہ تمام انبیاء سے
 بہتر ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو معجزات انبیاء کرام دکھایا کرتے تھے وہ آپ کے اہلیت بھی دکھا
 سکتے تھے یہ دوسری بات ہے کہ انھیں تمدنی کے طور پر اثباتِ نبوت کے لیے نوبیا والوں کو دکھانا
 ضروری تھا۔ لیکن اہلیت کو ایسے معجزات دکھانا ضروری نہ ہو۔ لیکن اگر کسی وقت کوئی اس قسم کا
 معجزہ طلب کرے تو وہ شانِ اسلام دکھلانے کے لیے معجزہ دکھا دیا کرتے تھے۔ تاجا می لکھتے ہیں
 کہ ایک شخص نے صادق آل محمد سے پوچھا کہ مولا حضرت ابراہیم نے جو چار جانوروں کو زندہ کیا تھا
 تو وہ جانور (پرنڈے) ہم جنس تھے یا مختلف اجناس کے تھے۔ حضرت نے اس تعجبانہ سوال
 کو سن کر فرمایا۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے اس طرح زندہ کیا تھا۔ یہ فرما کر آپ نے آواز دی طائوس
 یہاں آ، غراب یہاں آ، بان یہاں آ، کبوتر یہاں آ۔ یہ تمام پرندے حضرت کے پاس آگئے آپ
 نے حکم دیا۔ انھیں ذبح کر کے ان کے گوشت کو خوب پیس ڈالو اس کے بعد آپ نے سر ہاتھ میں لے
 لیا ایک کو آواز دی آواز کے ساتھ گوشت اڑا اور اپنے اپنے سر سے جا لگا اور پرندہ پھر مکمل
 ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سائل حیران رہ گیا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۱ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء)۔

خط و کتابت اور درخواست کے بارے میں آپ کی ہدایت

بِسْمِ اللّٰهِ كَلِّمْتَنِي كَطَرِيقَةٍ | حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے چھوٹی سے چھوٹی اور
 بڑی سے بڑی چیزوں کے متعلق ہدایت فرمائی ہے۔ اصول کافی
 ص ۶۹ طبع بلان میں ہے کہ جب کچھ بھی لکھو تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے شروع کرو، اور دیکھو
 بِسْمِ اللّٰهِ کو دہانے والے ”س“ سے لکھنا، یعنی (ب) کے بعد سین اس طرح لکھنا (س)۔

درخواست لکھنے کا طریقہ

آپ فرماتے ہیں کہ داہنی طرف دوات رکھ کر درخواست لکھو امام شبلنجی نورالابصار طبع مصر کے

۱۳۳۲ اور علامہ مجلسی جینتہ المتقین میں لکھتے ہیں کہ صادق آل محمد نے فرمایا ہے کہ جب کوئی درخواست دو، اور چاہو کہ وہ غم و مرنظر ہو جائے تو اس کے سزا مہر لکھو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَعَدَلَلّٰهُ الصّٰبِرِیْنَ الْمَخْرَجِ مِمَّا یَحْرَهُونَ وَالرِّزْقِ مِنْ حَیثُ لَا یَحْسَبُوْنَ جَعَلَنَا اللّٰهُ وَاِیَّاكُمْ مِنَ الَّذِیْنَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ - علامہ اربلی کتاب کشف الغمہ کے صفحہ ۹ پر اسی طریقہ تحریر کو لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "برسر واقعہ قلم بے مدد نویس یعنی یہ عبارت بلا روشنائی کے برسر درخواست لکھنی چاہیے۔ (تہذیب الاسلام ترجمہ جلیتہ المتقین صفحہ ۱۸۵ طبع کراچی)۔"

خط اور جواب خط

اصول کافی صفحہ ۶۹ میں ہے کہ قال الصادقؑ ر: جواب ال کاتب واجب کوجوب تحبہ السلام۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خط کا جواب دینا اسی طرح واجب ہے جس طرح سلام کا جواب دینا واجب ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی انجام دہی اور دور اندیشی

مورخین لکھتے ہیں کہ جب بنی عباس اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ بنی اُمیہ کو ختم کر دیں تو انھوں نے یہ خیال کیا کہ آل رسولؐ کی دعوت کا حوالہ دینے بغیر کام چلنا مشکل ہے۔ لہذا وہ امداد و انتقام آل محمدؐ کی طرف دعوت دینے لگے اور یہی تحریک کرتے ہوئے ائمہ کھڑے ہوئے جس سے عام طور پر آل محمدؐ یعنی بنی فاطمہ کی اعانت سمجھی جاتی تھی۔ اسی وجہ سے شیعیان بنی فاطمہ کو بھی ان سے بھمدادی پیدا ہو گئی تھی اور وہ ان کے معاون ہو گئے تھے اور اسی سلسلہ میں ابوسلمہ جعفر بن سلیمان کوئی آل محمدؐ کی طرف سے وزیر تجویز کئے تھے۔ یعنی یہ گماشتہ کے طور پر تبلیغ کرتے تھے۔ انھیں امام وقت کی طرف سے کوئی اجازت حاصل نہ تھی، یہ بنی اُمیہ کے مقابلہ میں بڑی کامیابی سے کام کر رہے تھے۔ جب حالات زیادہ سازگار نظر آئے تو انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام اور ابو محمد عبداللہ ابن حسن کو آگ آگ ایک ایک خط لکھا کہ آپ یہاں آجائیں تاکہ آپ کی بیعت کی جائے۔

قاصد اپنے اپنے خطوط لے کر منزل تک پہنچے، مدینہ میں جس وقت قاصد پہنچا وہ رات کا وقت تھا۔ قاصد نے عرض کی مولا میں ابوسلمہ کا خط لایا ہوں جسٹور اسے ملاحظہ فرما کر جواب عنایت فرمائیں۔

یہ سن کر حضرت نے چہرہ غم طلب کیا اور خط لے کر اسی وقت پڑھے بغیر زہر آتش کر دیا اور قاصد

سے فرمایا کہ ابوسلمہ سے کہنا کہ تمہارے خط کا یہی جواب تھا۔

ابھی وہ قاصد مدینہ پہنچا بھی نہ تھا کہ ۳ ربيع الاول ۳۲ھ حج کو جمعہ کے دن حکومت کا فیصلہ ہو گیا اور سفاح عباسی خلیفہ بنایا جا چکا تھا درودج الذهب مسعودی بر حاشیہ کامل جلد ۲ صفحہ ۳ تاریخ الخلفاء ۲۶۲، حیوۃ الیخوان جلد ۱ ص ۵۴، تاریخ آئمہ ۲۳۳)۔

خلیفہ منصور دوانیقی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

مؤرخ ابو الفدا لکھتا ہے کہ ابو العباس سفاح بن عبد اللہ عباسی نے چار سال چھ ماہ حکومت کر کے ذی الحجہ ۱۳۶ھ بمطابق ۷۵۲ء میں انتقال کیا اور وقت وفات اپنے بھائی منصور کو اپنا ولیعہد قرار دیا جس وقت سفاح نے انتقال کیا منصور حج کو گیا ہوا تھا۔ ۳۷ھ میں اُس نے واپس آ کر عمان حکومت سنبھال لی۔

جسٹس امیر علی لکھتے ہیں کہ منصور بنی عباس کا وہ بادشاہ ہے جس کی عاقبت انڈیشی اور دہلی سے اس خاندان کو اتنا قیام اور اس قدر اقتدار حاصل ہوا کہ دنیاوی سلطنت جانے کے بعد بھی عرصہ تک خاندانی وقار باقی رہا۔ مؤرخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ منصور مدبر منظم مگر دغا باز بے رحم شکی و سواسی اور سفاک تھا، جس پر اُسے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ ذات یا خاندان کے لیے مصرتابت ہو گیا، اُسے ہرگز زندہ نہ چھوڑتا۔ حضرت علیؑ کی اولاد کے ساتھ جو جو غلطیوں نے کئے ہیں۔ انھوں نے عباسی تاریخ کے صفحات کو سب سے زیادہ سیاہ کیا ہے۔ اُسی نے علویوں اور عباسیوں میں عداوت کا بیج بویا۔ بڑا لہجوس تھا۔ ایک ایک دانگ پر جان دینا تھا۔ اسی لیے اسے دوا حقیقی کہتے ہیں حضرت امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی اولاد اگرچہ جلد دنیاوی امور سے کنارہ کش تھی۔ لیکن ان کا روحانی اقتدار منصور کے لیے نہایت ہی تکلیف دہ تھا اور خواہ مخواہ ان کی طرف سے اسے کھٹکا لگا رہتا تھا۔ پرسادات سے پوری دشمنی کرتا تھا۔ اُس نے بنی حسین کی جانداویں ضبط کیں اور بہت سے سادات قتل کئے، بہتوں کو زندہ دیواروں میں چھنوا دیا۔ امام مالک کو اسی لیے تازیانے لگوائے کہ انھوں نے ایک موقع پر سادات کی حمایت میں بیعت کی تھی۔ امام ابو حنیفہ کو اسی لیے قید کیا کہ انھوں نے ابتداء میں زید شہید کی بیعت کر لی تھی۔ پھر ۳۷ھ میں انھیں تہرہ دلا دیا۔ غرض کہ اس کے زمانہ میں بے شمار سادات قتل ہوئے۔ اور بہت سے قید خانوں میں سڑ گئے اور زندان کے زہریلے بخارات کی وجہ سے مر گئے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ بھی اس کا رویہ اسی انداز کا تھا۔

حالانکہ آپ نے اور آپ سے پہلے آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اسے علم امامت حاکم ہونے کی خوش خبری دی تھی، اور اُس وقت اُس نے اُن کی مدح سزائی کی تھی (صالحی ۱۲۱)۔

ملا جامی اور امام شہنشی لکھتے ہیں کہ منصور عباسی کا ایک مقرب بارگاہ ناقل ہے کہ میں نے ایک دن منصور کو متفکر دیکھ کر سبب تفکر دریافت کیا، منصور نے کہا کہ میں نے علویوں کی جماعت کثیر کو فنا کر دیا۔ لیکن ان کے پیشوا کو اب تک باقی رکھا ہے۔ میں نے پوچھا وہ کون؟ منصور نے کہا۔ "جعفر بن محمد" میں نے عرض کی کہ جعفر بن محمد تو ایسے شخص ہیں جو ہمیشہ عبادت اور یاد خدا میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ منصور نے کہا میں جانتا ہوں کہ تو دل میں ان کی امامت کا خیال رکھتا ہے، مگر میں نے قسم کھائی ہے کہ رات ہونے سے پہلے ہی ان کی طرف سے مطمئن ہو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر جلاو کو حکم دیا کہ جب جعفر بن محمد کو لوگ حاضر کریں اور میں اپنے سر پر ہاتھ رکھوں، تو فوراً ان کو قتل کر دینا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت امام جعفر صادق (ع) تشریف لائے وہ اس وقت کچھ پڑھ رہے تھے۔ جب منصور کی نظر ان پر پڑی تو کانپنے لگا اور استقبال کر کے ان کو اپنی مسند پر بٹھایا بعد ازاں پوچھا کہ یا ابن رسول اللہ، آپ کے تکلیف کرنے کی کیا وجہ ہوئی۔ انہوں نے فرمایا طلب کئے جانے پر آیا ہوں۔ منصور نے کہا کہ اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کیجئے حضرت نے فرمایا، یہی حاجت ہے کہ آئندہ میری طلبی نہ ہو، جب میں چاہوں آؤں، یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۸۸ وسیلۃ النجات ص ۲۹۱ نور الابصار ص ۱۲۷ مجالی الادب جلد ۲ ص ۱۸۴ ارشاد میفید ص ۴۱۵)۔

منصور عباسی کی سادات کشتی | جب بنی امیہ کی سلطنت کا زمانہ ختم ہوا، تو بنی عباس کی حکومت کا دور چلا۔ یہ لوگ بنی امیہ سے بھی زیادہ سادات کے دشمن ثابت ہوئے۔ ان کے زمانہ میں تو سادات پر وہ تباہی آئی کہ اس کے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں منصور عباسی کا دوسرا بادشاہ منصور عباسی ہوا ہے خدا کی پناہ اس کے مظالم کا کیا ٹھکانا ہے۔ ہزار ہائیدوں کو اس ظالم نے قتل کرایا۔ ان کے خون کے گاروں سے دیواریں تعمیر کرائیں۔ یہی نہیں بلکہ بہت سے بے گناہوں کو زندہ دیواروں میں چھنوا دیا۔ یہ سچوں اور بیباکوں میں دلوں دیا۔ قید خانوں میں سڑا سڑا کر مار دیا۔ اس کے زمانہ میں مسیحی یارید کا شبثہ ہو جانا قتل کے لیے کافی تھا۔ سب سے زیادہ تباہی اس ظالم کے دور سلطنت میں حسنی سادات پر آئی۔ خیال کرو کہ ایسے نازک دور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس احتیاط سے اپنی زندگی بسر کی ہوگی۔ ظلم کے برداشت کرنے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ سالہا سال سے غریب سادات ایک عجیب بے کسی کی حالت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ آخر ان کے سینوں میں بھی دل تھا اور ایک بہادر خاندان کا خون رگوں میں دوڑا ہوا تھا۔ رفتہ رفتہ ان کو بھی جوش آ گیا۔ امام حسن کی اولاد میں ان کے پوتے جناب عبداللہ محض ایک بڑے نیک دل اور

جو شیعہ سید تھے۔ انھوں نے چاہا کہ سادات کو عباسیوں کے مظالم سے کسی طرح چھڑائیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کو اس ارادہ سے روکنا چاہا۔ مگر ان کا جوش کم نہ ہوا۔ . . اور لوگوں کو منصور کے خلاف ابھارنے لگے۔ ان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام محمد نفس زکیہ اور دوسرے کا اسم بکر تھا۔ ان دونوں نے اس کوشش میں پورا حصہ لیا۔ منصور کو جب ان کے ارادوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے سادات حسنی کی گرفتاری کے لیے ایک فرج بھیجی۔ تقریباً ستر چھتر آدمی جن میں کس نے نوجوان اور بوڑھے سب شامل تھے گرفتار کر لیے گئے۔ لکھا ہے کہ جب یہ ستم رسیدہ قافلہ مدینہ سے چلا تو ان کی بے کسی و مجبوری، بے گناہی و بے قصوری کا خیال کر کے ہر ایک اپنے مقام پر روتا اور بے چین نظر آتا تھا۔ آہ، وہ صاحبان فضل و کمال جو صورت و سیرت میں بے مثل و بے نظیر تھے جن کا ایک ایک جوان ہمت و دلیری میں تمام عرب میں مشہور تھا۔ گلے میں طوق پہنے اور ہاتھوں میں دوہری زنجیریں ڈالے، منہ و حجاب سے گردنیں لپی کئے لاغر اونٹوں کی منگی پھیٹوں پر بیٹھے ہوئے مدینہ رسولؐ سے نکل رہے تھے۔ تاریخ کامل میں ہے کہ جب امام جعفر صادق علیہ السلام کو کتبہ کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو بے چین ہو گئے۔ مسجد رسول کے دروازے پر کھڑے تھے کہ مظلوم سادات کا قافلہ ادھر سے گزرا۔ امام علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا کہ کسی کے سر میں زنجیر ہے کسی کے گلے میں طوق، کسی کی مشکلیں کسی ہیں۔ کسی کے پیر اونٹ کے پیٹ سے بندھے ہوئے ہیں تو آپ زار تار رونے لگے اور فرمایا خدا کی قسم آج کے بعد سے حرمت حرم خدا اور رسول محفوظ نہ رہے گی۔ خدا کی قسم قوم انصار سے جو معاہدہ حضرت رسولؐ نے لیا تھا۔ (یعنی ان کی اور ان کی اولاد کی حفاظت کا وہ بھول گئے۔ خداوند انو انصار سے سخت مواخذہ کرنا۔ حضرت کی پریشانی کا اس وقت یہ عالم تھا کہ روئے مبارک دوش اقدس سے گر گئی تھی۔ اس واقعہ کا آپ پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ آپ اسی روز سے بیمار پڑ گئے اور تقریباً بیس روز تک نپ کی وہ شدید تکلیف اٹھائی کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ حضرت نے چاہا کہ اپنے چچا حضرت عبداللہ محض تک جائیں اور تسلی و دلا سے دیں مگر ایک سنگدل نے وہاں تک جلنے نہ دیا۔

محمد نفس زکیہ و ابراہیم پسران حضرت عبداللہ محض اس زمانہ میں روپوش ہو گئے تھے اور صحابی عربوں کا بھیس بدل کر رہنے لگے تھے۔ چنانچہ اسی بھیس میں وہ چھپ کر ایک منزل پر جناب عبداللہ محض سے ملے۔ انھوں نے بیٹوں سے کہا کہ اس ذلت کی زندگی سے عزت کی موت بہتر ہے منصور اس زمانہ میں کوفہ میں تھا۔ قیدی اس کے سامنے پیش ہوئے۔ اس کے سب کو قید سخت کا حکم دیا جہاں نہ روشنی کا گور تھا نہ تازہ ہوا کا۔ چند روز بعد ہی یہ لوگ مرنے لگے۔ قیامت یہ آئی کہ ان کے مجبوروں کو بھی قید خانہ سے باہر نہ نکالا گیا، وہیں مرتے اور پھرتے رہے۔ اس صدمہ و ہلاکت کی ہوا اور

زیادہ گندی ہو گئی اور ایک ایسی وبا پھیلی کہ ہر روز دو چار مرنے لگے حقیقت یہ ہے کہ سادات کاشی میں بنی عباس کے مظالم بنی امیہ سے بھی کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے، بنی امیہ نے اگر ایسا کیا تو غیر ہو کر قیدی دشمن بن کر یہ تو اپنے کہلاتے تھے۔ مال دنیا کی طمع اور حکومت کی حرص نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ بیک و بد کی نیز باقی نہ رہی اور دنیا کے پیچھے آخرت کو بالکل بھول گئے۔ بہر حال غریب سادات نے اس قید خانہ میں بڑی عبرتناک حالت میں زندگی بسر کی۔ لیکن اس حالت میں بھی خدا کی یاد سے غافل نہ رہے۔ شب و روز تلاوت کلام پاک سے کام رہتا تھا۔ قید خانہ کی تاریکی میں دن کے اوقات کا چومکھ پتہ نہ چلتا تھا، اس لیے اپنی تلاوت کو پانچ حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور انھیں سے اوقات نماز کا پتہ لگاتے تھے۔ ان کو اس قید خانے میں کسی کسی وقت قانو سے گر جاتے تھے اور کوئی پُرساں حال نہ تھا۔ بلکہ کھانے کا کیا ذکر پانی بھی بقدر ضرورت نہ ملتا تھا۔

اب ادھر کا حال سنو، محمد نفس زکیہ نے بہت جلد ایک فوج فراہم کر کے منصور پر چڑھائی کی اور دینہ پر قبضہ کر لیا۔ مگر چند ہی روز بعد منصور کی فوجوں نے پھر آگہر محمد ان کے مقابلے کی تاب نہ لاسکے۔ آخر شہید ہو گئے۔ ان کا سر کاٹ کر منصور کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس ظالم نے اس سر کو ایک خانہ میں رکھ کر قید خانہ میں ان کے گڑھے باپ عبداللہ محض کے پاس بھجوا دیا۔ جناب عبداللہ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے کہ سر مصلے کے پاس رکھا گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر جو دیکھا تو جوان بیٹے کا سر رکھا ہوا ہے۔ بے ساختہ ایک آہ سینے سے نکلی، سر کو چھاتی سے لگایا اور کہنے لگے، بیٹا! شام باش تم بے شک اُن ہی وعدہ وفا کرنے والوں میں سے ہو، جن کی تعریف خدا نے قرآن میں کی ہے۔ بیٹا تم ایسے جوان تھے کہ تمہاری تلوار نے تم کو ذلت سے بچایا، اور تمہاری پرہیزگاری نے تم کو گنہگاروں سے محفوظ رکھا۔ پھر سر لانے والے سے کہا کہ منصور سے کہہ دینا کہ ہم تو مقتول ہو ہی چکے اب تمہاری باری ہے۔ اب ہمارا اور تمہارا انصاف خدا کے وہاں ہوگا۔ یہ کہہ کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور دم نکل گیا۔

اب دوسرے بھائی یعنی ابراہیم کا حال سنو، یہ بھی مدتوں ادھر ادھر گھومتے پھرے آخر انہوں نے بھی ایک فوج جمع کر کے مصر کی حکومت حاصل کر لی۔ جس زمانہ میں نفس زکیہ منصور سے لڑ رہے تھے انھوں نے بھائی کی مدد کو آنا چاہا۔ مگر منصور نے راستے بند کر رکھے تھے، ممکن نہ ہوا۔ محمد پر فتح پانے کے بعد منصور نے ابراہیم کا بھی خاتمہ کر دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ ابراہیم اپنے لشکر کو ساتھ لیے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام "الحمر" میں خمیہ زن تھے کہ منصور کا لشکر بھی وہاں پہنچ گیا۔ دونوں لشکروں میں سخت مقابلہ ہوا۔ سینکڑوں آدمی مارے گئے۔ ابراہیم کی فتح کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ یکایک معاملہ دگرگوں ہو گیا اور ابراہیم کی فوج نے بھاگتے ہوئے دشمن کا پیچھا کیا۔ مگر نیک دل ابراہیم کو ان کی

تباہ حالت پر رحم آگیا۔ اپنے سپاہیوں کو تعاقب سے روک دیا۔ منصور کے سردار "یعنی" نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنی پراگندہ قوت کو جمع کر کے پھر یکایک حملہ کر دیا۔ ابراہیم کی فوج کو اس بلائے ناگمانی کی کیا خبر تھی۔ وہ اپنی فوج دیکھ کر کریں کھول چکے تھے کہ شکست خوردہ دشمن پھر لوٹا۔ اب ابراہیم کا مقابلہ کرنا دشوار ہو گیا۔ فوج تتر بتر ہو گئی۔ مجبوراً تلوار لے کر خود مقابلہ کو نکل پڑے دیوبند ہاشمی شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے۔ آخر کہاں تک؟ دشمن نے چاروں طرف سے گھیر کر ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ ۲۵ ذی قعدہ ۳۵ھ ہجرت کا ہے۔ ابراہیم وہ شخص تھے کہ پورے پانچ برس روپوش رہے تھے۔ اور منصور باوجود اتنی قدرت و طاقت کے کسی طرح ان کو گرفتار نہ کر سکا تھا۔

ابراہیم اور نفس زکیہ کے قتل ہونے کے بعد بھی منصور کے مظالم سادات پر کم نہ ہوئے جہاں جس کو پایا بے قتل کئے نہ چھوڑا، اس زمانہ میں سادات کی وہ تباہی ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانہ میں بے شمار اولاد علی شہید کئے گئے اور بہتوں کو دیوار میں چنوا دیا گیا منصور اس زمانہ میں بغداد میں محل بنوا رہا تھا۔ اس میں جہاں اوروں کو اس نے زندہ چنوا دیا تھا۔ ایک حسنی زوجہ ان کو بھی چنوا دیا، وہ چونکہ بہت ہی حسینہ و خوبصورت تھا اس کے چہرہ پر جب معمار کی نظر پڑی تو مسیبت اُس کا دل رونے لگا۔ حکم سے مجبور تھا۔ دیوار میں چنوتے چنوتے اُسے موقع مل گیا۔ بولا کہ اے فرزند رسول آپ گھبرائیے نہیں، میں سانس کے لیے سوراخ چھوڑے دیتا ہوں اور رات کو اگر آپ کو رہا کر دوں گا۔ چنانچہ وہ رات کی تاریکی میں دیوار کے قریب آیا اور انیشیں بٹھا کر اس کو شمال باغ رسالت کو دیوار سے نکال دیا اور کہا کہ آپ صرف اتنا کیجئے کہ اس طرح زندہ بچ کر کسی طرف چلے جائیے کہ آپ کا پتہ نشان نہ مل سکے اور اے فرزند رسول آپ اپنے ناما محمد مصطفیٰ سے میری بخشش کی سفارش فرمائیے گا۔ انھوں نے شکریہ ادا کیا اور کہا اے شیخ اگر تجھ سے ہو سکے تو میری زلفوں کو تراش لے اور کسی رات کو میری دکھیا ماں کے پاس فلاں محلہ میں جا کر انھیں میری زلفیں دے کر کہہ دے کہ میں زندہ ہوں اور عنقریب طول گا۔ اس معمار کا بیان ہے کہ میں ان کی خواہش کے مطابق ان کے مکان پر پہنچا تو ان کی ماں بیٹھی رو رہی تھیں۔ میں نے انھیں ثبوت حیات کے لیے زلفیں دے کر زندہ نگہ رسانی اور واپس چلا آیا۔ (جلال العیون ص ۲۶۹ طبع ایران و سوانح عمری چہارہ معصومین حصہ ۲ ص ۲۷) تواریخ میں ہے کہ جناب نفس زکیہ کے شہید ہونے کے بعد سے جہاں مظالم کا پورا زور پیدا ہو گیا تھا۔ وہاں امام جعفر صادق علیہ السلام بھی محفوظ نہیں رہ سکے۔ امام شیعہ لکھتے ہیں کہ ان کو قتل کرانے کے بعد منصور نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو طلب کیا اور ان کی سخت تہدید کی اور قتل کی کھلے الفاظ میں دہمکی دی۔ (نور الابصار ص ۱۳۳)۔

منصور کا حج اور امام جعفر صادق پر بہتان طرازی

حالات کی روشنی میں ہر بافہم اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کس دور سے گزر رہی تھی اور منصور کس تاک میں تھا اور کس طرح بہانہ تلاش کر رہا تھا۔

تاریخ حبیب السیر میں ہے کہ ۱۲۳ھ میں منصور عباسی حج کے لیے گیا منصور نے حج سے فراغت کی تو ایک شخص نے اس سے کہا کہ امام جعفر صادق تمہارے خلاف لوگوں کو بھڑکاتے اور اکساتے ہیں۔ اُس نے امام علیہ السلام کو بلا کر ان سے کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ میری حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے اور لوگوں کو اکساتے اور بھڑکاتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے بادشاہ یہ بالکل غلط ہے اور اگر مجھے میرے کہنے پر یقین نہ آئے تو اس شخص کو میرے سامنے طلب کر منصور نے اُسے بلا لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے مجھ پر کیوں بہتان باندھا ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے سچ کہا ہے امام علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تو قسم کھا کر کہہ سکتا ہے اُس نے کہا ہاں، پھر اس نے خدا کی قسم کھائی آپ نے کہا اس طرح نہیں جس طرح میں کہوں، اس طرح قسم کھا چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اپنی زبان سے یہ کہہ کر قسم کھا کہ ”بوث من حول اللہ“ میں خدا کی قوت و طاقت سے دُور ہٹ کر اپنے بھروسہ پر قسم کھاتا ہوں۔ اس نے پہلے تو ملکا سا انکار کیا پھر وہ قسم کھا گیا۔ اُس کا یہ تجربہ ہوا کہ وہ اسی جگہ گر کر ہلاک ہو گیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۲ طبع مصر)۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دربارِ منصور میں

ایک طبیب ہندی سے تبادلہ خیالات

علامہ رشید الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی ابن شہر آشوب ماہر ندرانی المتوفی ۷۸۵ھ نے دربارِ منصور کا ایک اہم واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جس میں مفصل طور پر یہ واضح کیا ہے کہ ایک طبیب جس کو اپنی قابلیت پر بڑا بھروسہ اور غرور تھا۔ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے کس طرح سپرناختہ ہو کر آپ کے کمالات کا معترف ہو گیا ہم موصوف کی عربی عبارت کا ترجمہ اپنے فیاض معامر کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منصور دو واقعے کے دربار میں تشریف فرما تھے۔ وہاں ایک طبیب ہندی طب کی باتیں بیان کر رہا تھا اور حضرت خاموش بیٹھے سُن رہے تھے۔ جب وہ کہہ چکا تو حضرت سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ اگر کچھ پوچھنا چاہیں تو شوق سے پوچھیں،

آپ نے فرمایا، میں کیا پوچھوں، مجھے تجھ سے زیادہ معلوم ہے۔ (طیب اگر یہ بات ہے تو میں بھی کچھ
 سنوں (امام) جب کسی مرض کا غلبہ ہو تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیے یعنی حار گرم کا علاج بارڈ
 سرد سے تو کاشک سے اشک کاتر سے اور ہر حالت میں اپنے خدا پر بھروسہ رکھے، یاد رکھو
 معده تمام بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سو دو اوں کی ایک دوا ہے۔ جس چیز کا انسان عادی ہو
 جاتا ہے، اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ (طیب) بے شک
 آپ نے جو بیان فرمایا ہے۔ اصلی طب یہی ہے (امام)۔ یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ میں نے جو بیان کیا
 ہے۔ یہ طب کی کتابیں پڑھ کر حاصل کیا ہے۔ بلکہ یہ علوم مجھ کو خدا کی طرف سے ملے ہیں۔ اب بتاؤ زیادہ
 علم رکھتا ہے یا میں (طیب) میں (امام) اچھا میں چند سوال کرنا ہوں ان کا جواب دے آسنو
 اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے؟ سر پر بال کیوں ہیں۔ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے؟ پیشانی
 پر خط اور شکن کیوں ہیں۔ دونوں بالکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں۔ ناک دونوں آنکھوں کے درمیان
 کیوں ہے۔ آنکھیں با دائمی شکل کی کیوں ہیں۔ ناک کا شورخ میچے کی طرف کیوں ہے، منہ پر دو ہونٹ
 کیوں بنائے گئے ہیں۔ سامنے کے دانت نیز اور ڈاڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے بیچ میں بے
 دانت کیوں ہیں۔ دونوں ہتھیلیاں بالوں سے خالی کیوں ہوں۔ مروں کی داڑھی کیوں ہوتی ہے۔
 ناخن اور بال میں جان کیوں نہیں۔ دل صنوبری شکل کا کیوں ہے۔ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہوتے
 اور وہ اپنی جگہ حرکت کیوں کرتے ہیں۔ جگر کی شکل محدب کیوں ہے۔ گردے کی شکل لوبے کے دانے کی
 طرح کیوں ہوتی ہے۔ گھٹنے آگے کو جھکتے ہیں پیچھے کو کیوں نہیں جھکتے۔ دونوں پاؤں کے تلے بیچ ت
 خالی کیوں ہیں؟ (طیب) میں ان باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ (امام) بفضل خدا میں ان سب
 باتوں کا جواب جانتا ہوں (طیب) بیان فرمائیے۔

(امام علیہ السلام) اے سر اگر آسنوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے
 ٹکڑے ہو جاتا، بال اس لیے سر پر ہیں کہ ان کی جڑوں سے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتا رہے اور
 بہت سے دماغی انخرے نکلنے لگتے رہیں۔ دماغ گرمی اور زیادہ سردی سے محفوظ رہے (۳) پیشانی بالوں
 سے اس لیے خالی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں میں نور پہنچتا ہے (۴) پیشانی میں خطوط اور شکن اس لیے
 ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ پڑ جائے۔ جب شکنوں میں پسینہ جمع ہو تو انسان اسے
 پونچھ کر پھینک دے جس طرح زمین پر پانی جاری ہوتا ہے تو گڑھوں میں جمع ہو جاتا ہے (۵) بالکیں
 اس لیے آنکھوں پر قرار دی گئی ہیں کہ آفتاب کی روشنی اسی قدر ان پر پڑے جتنی کہ ضرورت ہے
 اور بوقت ضرورت بند ہو کر مروں کی حفاظت کر سکیں نیز سونے میں مدد دے سکیں، تم نے دیکھا
 ہوگا کہ جب انسان زیادہ روشنی میں بلندی کی طرف کسی چیز کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آنکھوں کے

اوپر رکھ کر سایہ کر لیتا ہے (۶) ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لیے قرار دیا ہے کہ مجمع نور سے
 روشنی تقسیم ہو کر برابر دونوں آنکھوں کو پہنچے (۷) آنکھوں کو باہمی شکل کا اس لیے بنایا ہے کہ وقت
 ضرورت سلائی کے ذریعے سے دوا (سرمہ وغیرہ) اس میں آسانی سے پہنچ جائے، اگر آنکھ چوکور یا گول
 ہوتی تو سلائی کا اس میں پھرنے کا مشکل ہوتا دوا اس میں بخوبی نہ پہنچ سکتی اور بیماری دفع نہ ہوتی (۸)
 ناک کا شورخ نیچے کو اس لیے بنایا کہ دماغی رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں۔ اگر اوپر کو ہوتا تو روبات
 نہ ہوتی اور دماغ تک کسی چیز کی فوج بھی جلدی نہ پہنچ سکتی (۹) ہونٹ اس لیے منہ پر لگائے گئے
 کہ جو رطوبتیں دماغ سے منہ میں آئیں وہ رکی رہیں اور کھانا بھی انسان کے اختیار میں رہے جب
 چاہے پھینک اور تھوک دے (۱۰) داڑھی مردوں کو اس لیے دی کہ مرد عورت میں تیز ہو جائے (۱۱)
 اگلے دانت اس لیے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا یا کھٹکا سہل ہو۔ اور چڑاڑھ کو چوڑا اس لیے بنایا کہ
 غذا پینا اور چبانا آسان ہو۔ ان دونوں کے درمیان لیے دانت اس لیے بنائے کہ دونوں کے ہتھکام
 کے باعث ہوں۔ جس طرح مکان کی مصیبتوں کے باعث ستون (کھمبے) ہوتے ہیں (۱۲) پھیلیوں
 پر بال اس لیے نہیں کہ کسی چیز کو چھونے سے اس کی نرمی۔ سختی۔ گرمی اور سردی وغیرہ آسانی سے
 معلوم ہو جائے۔ بالوں کی صورت میں یہ بات حاصل نہ ہوتی (۱۳) بال اور ناخن میں جان اس لیے
 نہیں کہ ان چیزوں کا بڑھنا بڑا معلوم ہوتا ہے اور نقصان رسائی ہے۔ اگر ان میں جان ہوتی تو
 کاٹنے میں تکلیف ہوتی (۱۴) دل صنوبری شکل یعنی سر پتلا اور دم چوڑی (نچلا حصہ) اس لیے
 ہے کہ آسانی پھیرنے میں داخل ہو سکے اور اس کی ہوا سے ٹھنڈک پاتا رہے تاکہ اس کے
 تجارت دماغ کی طرف چڑھ کر بیماریاں پیدا نہ کریں (۱۵) پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لیے ہوتے
 کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس کو ہوا دیں (۱۶) جگر محدب اس لیے ہوا کہ اچھی طرح معدے
 کے اوپر جگہ پکڑے اور اپنی گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کرے (۱۷) گردہ ٹوٹے کے دانہ کی شکل
 کا اس لیے ہوا کہ مہنی یعنی نطفہ۔ انسانی پشت کی جانب سے اس میں آتا ہے اور اس کے پھیلنے
 اور سکڑنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذت ہے۔ (۱۸) گھٹنے پیچھے کی طرف اس
 لیے نہیں جھکے کہ چلنے میں آسانی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمی چلتے وقت گر کر پڑتا۔ آگے چلنا آسان نہ
 ہوتا (۱۹) دونوں پیروں کے ٹوٹے بیچ میں سے اس لیے خالی ہیں کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے
 سے باسانی پیر اٹھ سکیں اگر ایسا نہ ہوتا اور پورے بدن کا بوجھ پیروں پر پڑتا تو سارے بدن کا
 بوجھ اٹھانا دشوار ہو جاتا۔

یہ جو بات سن کر ہندوستانی طیب حیران رہ گیا اور کہتے لگا کہ آپ نے یہ علم کس سے سیکھا ہے
 فرمایا اپنے دادا سے انھوں نے رسول خدا سے حاصل کیا تھا اور انھوں نے خدا سے سیکھا ہے۔ اس

نے کہا: انا اشهد ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله وحيداً۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمد اس کے رسول اور عبد خاص ہیں وانك اعلم اهل زمانه اور آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ (مناقب جلد ۵ صفحہ ۳۳ طبع ممبئی وسوانح چاروہ معصومین حصہ ۱۳) امام جعفر صادق علیہ السلام کو طیب ہندی سے گفتگو کے بعد امام علیہ السلام کا عام شہرہ ہو گیا اور لوگوں کے غلبہ پہلے سے زیادہ آپ کی طرف مائل ہو گئے۔ دوست اور دشمن آپ کے

امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت جلا دینے کا منصوبہ

علمی کمالات کا ذکر کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر منصور کے دل میں آگ لگ گئی، اور وہ اپنی شہزاد کے تقاضوں سے مجبور ہو کر مینصوبہ بنانے لگا کہ اب جلد سے جلد انھیں ہلاک کر دینا چاہیے چنانچہ اُس نے ظاہری قدر و منزلت کے ساتھ آپ کو مدینہ روانہ کر کے حاکم مدینہ حسین بن زید کو حکم دیا۔ ان احرق جعفر بن محمد فی دارہ امام جعفر صادق علیہ السلام کو بال بچوں سمیت گھر کے اندر جلا دیا جائے۔ یہ حکم پاکر وائی مدینہ نے چند غنڈوں کے ذریعہ سے رات کے وقت جبکہ سب محسوس تھے آپ کے مکان میں آگ لگوا دی، اور گھر جلنے لگا۔ آپ کے اصحاب اگرچہ اسے بچانے کی پوری سعی کر رہے تھے، لیکن بجھنے کو نہ آتی تھی۔ بالآخر آپ انھیں شعلوں میں کتے ہوئے کہ "انا ابن اعراق الشری انا ابن ابراہیم الخلیل" اسے آگ میں وہ ہوں جس کے آباؤ اجداد زمین و آسمان کی بنیادوں کے سبب ہیں اور میں خلیل خدا ابراہیم نبی کافر زند ہوں انکل پڑے اور اپنی عبا کے دامن سے آگ بچا دی۔ (مذکرۃ المعصومین ص ۱۸ بحوالہ اصول کافی آقائے کلینی علیہ الرحمۃ)

۱۲۷ھ میں منصور کا حج اور امام جعفر صادق کے قتل کا عزم بالجبرم

علامہ شبلیخ اور علامہ محمد بن طلحہ شافعی رقمطراز ہیں کہ ۱۲۷ھ میں منصور حج کو گیا، اسے چونکہ امام کے دشمنوں کی طرف سے برابر یہ خبر دی جا چکی تھی کہ امام جعفر صادق تیری مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ اور تیری حکومت کا تختہ پلٹنے کی سعی میں ہیں۔ لہذا اس نے حج سے فراغت کے بعد مدینہ کا قصد کیا اور وہاں پہنچ کر اپنے مصاحب خاص، زینب سے کہا کہ جعفر بن محمد کو بلوا دو، زینب نے وعدہ کے باوجود مال مٹول کی۔ اس نے پھر دوسرے دن سختی کے ساتھ کہا کہ انھیں بلواؤ۔ میں کہتا ہوں کہ خدا مجھے قتل کرے اگر میں انھیں قتل نہ کر سکوں۔ زینب نے امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: مولا آپ کو منصور بلا رہا ہے، اور اُس کے تیور بہت خراب ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اس وقت میں آپ کو قتل کر دے گا۔ حضرت نے فرمایا لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ اس دفعہ ناممکن ہے۔ غرض کہ زینب آنحضرت کو لے کر حاضر دربار ہوا۔ منصور کی نظر جیسے ہی آپ پر پڑی تو

آگ بگولہ ہو کر بولا۔ "یا اعدی اللہ" اے دشمن خدا تم کو اہل عراق امام مانتے ہیں اور تمہیں زکوٰۃ اموال وغیرہ دیتے ہیں اور میری طرف ان کا کوئی دھیان نہیں، یاد رکھو، میں آج تمہیں قتل کر کے چھوڑوں گا اور اس کے لیے میں نے قسم کھالی ہے۔ یہ رنگ دیکھ کر امام جعفر صادق نے ارشاد فرمایا۔ اے امیر جناب سلیمان کو عظیم سلطنت دی گئی تو انہوں نے شکر کیا جناب ایوب کو بلا میں مبتلا کیا گیا تو انہوں نے صبر کیا۔ جناب یوسف پر ظلم کیا گیا تو انہوں نے ظالموں کو معاف کر دیا، اے بادشاہ یہ سب انبیاء تھے اور انہیں کی طرف تیرا نسب بھی پہنچتا ہے۔ تجھے تو ان کی پیردی لازم ہے، یہ نہیں کر اس کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ (نور الابصار ص ۱۳۲، مطالب السؤل ص ۲۷۶)۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی دربار منصور میں ساتویں بار باطلبی

۱۲۷ھ ہجری میں حج سے فراغت کے بعد جب منصور اپنے دارالخلافہ میں پہنچا تو مشیروں نے موقع سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر چھیڑا۔ منصور جو اسی دوران میں ان سے مل کر آیا تھا۔ اس نے فوراً حکم دے دیا کہ امام جعفر صادق کی طلبی کی جائے اور انہیں بلا کر میرے سامنے دربار میں پیش کیا جائے۔ دعوت نامہ چلا گیا اور امام علیہ السلام مدینہ سے چل کر دربار میں اس وقت پہنچے جب اُسے ایک کھٹی ستار ہی تھی اور وہ اُسے بار بار ہنسا رہا تھا۔ وہ منہ پر بیٹھی تھی اور منصور اسے دفع کرتا تھا، لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ منصور امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر بولا، کہ فرما یہ تو بتائیے کہ خدا نے کھٹی کو کیوں پیدا کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا "لیذل بہ الجبابرة" کہ خدا نے کھٹی اس لیے پیدا کی ہے کہ اس کے ذریعہ تہ جباروں کو ذلیل کرے، اور سرکشوں کا سر جھکائے (نور الابصار ص ۱۳۲، مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۱۳۷)۔

امام جعفر صادق اور شیر دربار

ایک دن کا ذکر ہے کہ منصور نے بابل سے شتر جادو گروں کو بلا کر دربار میں بٹھایا ہوا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ میں عنقریب اپنے ایک دشمن کو بلانے والا ہوں وہ جب یہاں پر آئے تو تم اس کے ساتھ کوئی ایسا کرتب کرنا جس سے وہ ذلیل ہو جائے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ شتر مصنوعی شیر دربار میں بیٹھے ہیں۔ آپ کو غصہ آ گیا اور آپ نے ان شیروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اپنے ثنائے والوں کو نکل لو۔ وہ شیر کی تصویریں مجھم ہوئیں اور انہوں نے سب کا ہنوں کو نکل لیا، یہ دیکھ کر منصور کانپنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا، ابن رسول اللہ ان شیروں کو حکم دیجئے کہ ان جادو گروں کو اگل دیں۔ آپ نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر عصائے موسیٰ نے سانپوں کو اگل دیا ہوتا تو لعین ہے کہ یہ بھی اگل دیتے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۵۱۳ بحوالہ شرح شافیہ ابنی فراس)۔

امام علیہ السلام کے دربار میں قتل کئے جانے کا بندوبست

علامہ دہرشتی بحوالہ کتاب مشائق الانوار علامہ طبرسی
رقط ازہیں کہ منصور عیاسی جب آپ کی روحانیت سے
عاجز آ گیا اور کسی مرتبہ قتل کرنے میں کامیابی نہ حاصل

کر سکا تو اس نے سو ایسے افراد تلاش کئے جو کچھ جانتے اور پہنتے ہی نہ تھے۔ بالکل اللطیف اور
کندہ ناتراش تھے۔ اس نے مال و دولت دے کر اس امر پر راضی کیا کہ جب امام جعفر صادق کی
طرف اشارہ کیا جائے تو وہ انھیں قتل کر دیں۔ پروگرام مرتب ہونے کے بعد رات کے وقت حضرت
امام جعفر صادق علیہ السلام کو بلا یا گیا۔ آپ تشریف لائے حکم تھا کہ بالکل تنہا تشریف لائیں۔ آپ
اکیلے آئے۔ جب آپ دربار میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کی نظریں آپ پر پڑیں جو تلواریں سونتے
ہوئے کھڑے تھے تو وہ سب کے سب تلواریں پھینک کر آپ کے قدموں پر گر پڑے۔ یہ حال
دیکھ کر منصور نے کہا، ابن رسول اللہ آپ رات کے وقت کیوں تشریف لائے ہیں۔ آپ نے
فرمایا کہ تو نے مجھے گرفتار کر کے منگوا یا ہے۔ اب کہتا ہے کیوں آئے ہو؟ اُس نے کہا، معاف نہ
کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے آپ تشریف لے جائیں اور قیام گاہ میں آرام فرمائیں۔ آپ واپس چلے
گئے وہاں سے مدینہ تشریف لے گئے۔ امام علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد ان لوگوں سے پوچھا
گیا کہ تم نے خلاف ورزی کیوں کی اور انھیں قتل کیوں نہیں کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ تو وہ امام
زمانہ ہے جو ہماری شب و روز خبر گیری کرتا ہے اور ہمیشہ ہماری اپنے بچوں کی طرح پرورش کرتا
ہے۔ یہ سن کر منصور ڈر گیا اور اُسے خیال ہوا کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے اس کا بدلہ نہ لینے لگیں۔ اسی
لیے انھیں رات ہی میں روانہ کر دیا۔ "ثم قتل بالسمۃ" پھر آپ کو زہر سے شہید کر دیا۔
۱) دمعہ سا کہ ص ۲۸۱ جلد ۲ طبع نجف علامہ اربلی کا کہنا ہے کہ آپ کو قید خانہ میں زہر دیا گیا تھا۔
(کشف الغمہ ص ۲۸۱) روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ (جنات الخلد ص ۲۵)
بالآخر آپ اس آخری زہر سے شہید ہو گئے جو انگور کے ذریعے سے دیا گیا تھا۔ (جلاء العیون ص ۲۶۸)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت

علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ بتاریخ ۵ شوال ۶۲۸ھ بصرہ ۶۵ سال آپ نے اس دارِ فانی
سے بظرف ملک جاودانی رحلت فرمائی ہے۔ ارشاد مفید ص ۳۳۳ اعلام الوری ص ۱۵۹ نور الابصار
ص ۱۳۲ مطالب السؤل ص ۲۷۷ یوم وفات دوشنبہ تھا اور مقام دفن جنت البقیع ہے۔
علامہ ابن حجر علامہ سیوط ابن جوزی علامہ شیخ علامہ ابن طلحہ شافعی تحریر طرازہیں کہ مامت
مسموماً ایام المنصور، منصور کے زمانہ میں آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں جو اعمیٰ مخرقہ ص ۱۴۱

مذکورہ خواص الامتہ نورالابصار ص ۱۲۳ ارجح المطالب ص ۲۵۰۔

علامہ ابن تثنیح کا اتفاق ہے کہ آپ کو منصور و واقفی نے زہر سے شہید کر لیا تھا، اور نماز حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے پڑھائی تھی۔ علامہ کلینی اور علامہ مجلسی کا ارشاد ہے کہ آپ کو نہایت ہی کفن دیا گیا اور آپ کے تمام وفات پر ہر شرب چیراغ جلایا جاتا رہا۔ کتاب کافی و جلال العیون مجلسی ص ۲۶۹

آپ کی اولاد

آپ کے مختلف بیویوں سے دس اولاد تھیں۔ جن میں سے سات لڑکے اور زمین لڑکیاں تھیں۔ لڑکوں کے نام یہ ہیں (۱) جناب اسمعیل (۲) حضرت امام موسیٰ کاظم (۳) عبد اللہ (۴) اسحاق (۵) محمد (۶) عباس (۷) علی اور لڑکیوں کے اسماء یہ ہیں (۱) ام فردہ (۲) اسماء (۳) فاطمہ (ارشاد و جنات الخلود) علامہ شمسینی نے سات اولاد تحریر کیا ہے۔ جن میں صرف ایک لڑکی کا حوالہ دیا ہے جس کا نام "ام فردہ" تھا۔ (نورالابصار ص ۱۳۳)۔

آپ ہی کی اولاد سے خلفار فاطمیہ گزرے ہیں جن کی سلطنت ۲۹۷ھ سے ۳۶۶ھ تک دو سو ستر سال قائم رہی، ان کی تعداد چودہ تھی۔

فاطمی خلفاء

مورخ احسان اللہ عباسی اپنی تاریخ اسلام کے ص ۲۲۲ میں لکھتے ہیں کہ تیسری صدی ہجری کے اخیر میں ایک بڑی زبردست سلطنت علویوں کی مغرب میں قائم ہوئی۔ بنو امیہ اور عباسیوں کے بعد مدواری رضی کے اعتبار سے نیز اس اعتبار سے کہ عرصہ تک بادشاہت قائم رہی۔ علوی سلطنت تیسرے درجے میں شمار ہوتی ہے۔ بغداد سے پچھ اندس تک علویوں کی بادشاہت تھی۔ کچھ دنوں تک شام، مکہ اور مدینہ میں بھی علویوں کا زور تھا۔ سال بھر تک خطیہ بغداد میں "مستنصر علوی" کا نام لیا گیا۔ اندلس ایسی مستقل اور زبردست اسلامی سلطنت عرصہ تک علویوں کا ایک صوبہ رہی۔ سلاطین علویہ باعتبار خلفار عباسیہ زیادہ پابند احکام شریعہ تھے، لہذا وہ لب سے ان کو پرہیز تھا، اسی لیے عیسائی مورخوں نے براہ تعصب علویوں کو متعصب لکھا ہے۔ ڈھائی سو برس سے کچھ زیادہ عرصہ تک یہ خاندان قائم رہا۔ چودھویں بادشاہ عاصد پر ۳۶۶ھ میں اس کا خاتمہ ہوا۔

علامہ علی حیدر لکھتے ہیں کہ یہی سلاطین علویہ خلفار فاطمین کے نام سے مشہور ہیں، یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے جناب اسماعیل اپنے والد ماجد کی زندگی میں انتقال فرما گئے تھے۔ مگر آپ کی شادی ہو چکی تھی جن سے آپ کے صاحبزادے "محمد" پیدا ہوئے تھے، ان کے فرزند عبد اللہ الرضی اور ان کے فرزند احمد الرضی اور ان کے بیٹے حسین التقی، اور ان کے بیٹے، عبید اللہ المصدی ہوئے جو خلفار فاطمین کے بزرگ

تھے۔ اسی وجہ سے اس خاندان کو "اسماعیلیہ" کہتے ہیں، اثناعشری فرقے کے لوگ ان لوگوں کو کوشش امامی بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ لوگ ۱۲، اماموں میں سے صرف چھ اماموں کو مانتے ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو (حکم خدا و رسول کے خلاف) امام نہیں مانتے بلکہ جناب اسماعیل کے بیٹے "محمد" کو امام مانتے ہیں اور اس امر کے قائل ہیں کہ امامت جناب اسماعیل ہی کی اولاد میں قیامت تک رہے گی۔ ہندوستان و (پاکستان) کے شیعہ بھروسوں اور آغاخان غوجوں کا یہی مذہب ہے۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ۲۱ ربیع الاول ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) کو یہ سلطنت قائم ہوئی۔ انتہائے عروج کے زمانے میں ان کی سلطنت بحرِ ظلمات سے صحرائے شام تک اور بحیرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ مراکش، بلاد الجزائر، تونس، طرابلس، برقہ، مصر، شام، حجاز، یمن، جزیرہ صقلیہ اور بحیرہ روم کے بعض اور جزیرے اس میں شامل تھے۔ بلکہ بغداد و موصل تک میں ایک سال تک ان کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ ان بادشاہوں کو علوم و فنون کا بھی کمال شوق تھا۔ خود بھی بڑے عالم و فاضل تھے۔ انھوں نے مصر میں ہر قسم کی ایسی ترقی، رونق اور روشنی پھیلائی جو انھیں کے زمانے سے مخصوص تھی۔ نہ ان سے پہلے مصر کو یہ دن نصیب ہوا تھا نہ ان کے بعد ہوا۔ اسینٹلی لین پول لکھتا ہے کہ "خاندانِ فاطمیہ کی دولت و حشمت، شان و شوکت اور تجارت، بحیرہ روم کی خوش حالی کا باعث ثابت ہوئی۔"

ذیل میں اس خاندان کے چودہ بادشاہوں کے مختصر حالات لکھے جاتے ہیں۔

۲۹۷ھ ہجری مطابق ۹۰۹ء عیسوی
 آپ جناب ابو محمد عبد اللہ المہدی باللہ

آپ نے سلطنت فاطمیہ کی بنیاد قائم کی، ۳۰ھ سے ۳۲ھ تک انھوں نے بنی فاطمہ کو حمار جیوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھنے کی غرض سے "قیروان" کے قریب ایک مضبوط شہر اور مستحکم قلعہ تعمیر کرایا اور اس کا نام "مہدیہ" رکھ کر دارالحکومت قرار دیا۔ قیروان اور طرابلس کو فتح کر کے مصر کی طرف آئے۔ یہاں خلیفہ مقتدر عباسی کی طرف سے "مونس خادم مقابلہ" کو آیا لیکن کامیابی جناب عبد اللہ ہی کو ہوئی۔ آپ نے تمام مغرب اقصیٰ (مراکو) کو مسخر کر کے فاطمی سلطنت میں شامل کر لیا۔ مغرب اقصیٰ کی فتح کے بعد آپ آمدلس فتح کرنے کی تدبیریں کر رہے تھے کہ اجل آگئی۔ آپ نے اپنی سلطنت اپنی حیات ہی میں سرحد مصر سے بحرِ ظلمات اور جزائرِ خلدات (کمزیم) تک اور بحیرہ روم سے صحرائے اعظم افریقہ تک پھیلائی تھی۔ آپ کی خلافت زبردست اور مستعدانہ تھی۔ سیوطی نے لکھا ہے کہ آپ نے داد گستری اور فیاضی کے

ساتھ سلطنت کی، لوگ آپ کی طرف بھگے ہوئے تھے۔ آپ کا عہدِ جلوسِ ریح الاول ۱۹۷ھ تھا۔ آپ کی تاریخِ وفات ۱۵ ریح الاول ۳۲۲ھ مدتِ سلطنت ۲۴ سال، مدتِ عمر ۶۲ سال تھی۔ آپ شہرِ مہدیہ میں دفن کئے گئے۔

(۲) جناب القاسم محمد نزار قائم بامر اللہ بن مہدی | آپ کی تاریخِ ولادت محمد ۲۸ھ مطابق ۱۹۳ھ - تاریخِ جلوس

۱۵ ریح الاول ۳۲۲ھ مدتِ سلطنت ۱۲ سال، ۷ ماہ اور مدتِ عمر ۵۴ سال ۹ ماہ تھی۔ بڑے جنگ آزمودہ تھے، اکثر جنگوں میں خود فوج لے کر جایا کرتے تھے۔ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ یہ پہلے فاطمی خلیفہ میں جنھوں نے بحیرہ روم پر حکومت و اقتدار حاصل کرنے کی غرض سے جہازوں کا ایک زبردست بیڑا تیار کیا۔ ۱۲۲ھ ہجری میں مغربِ اقصیٰ کی بغاوتِ فردی اور "ریفت" کے بنو ادیس کو مطیع کیا۔ اٹلی کے ڈاکو فاطمی خلیفہ کے بندرگاہوں پر لوٹ مار کر جایا کرتے تھے۔ اس کے ردِ عمل میں آپ کا پسہ سالار جنوبی اٹلی کو گیتا تک تاراج کرتا ہوا شہر "جنوا" تک جا پہنچا۔ اس نے شہر کو فتح کر کے بہت سے باشندوں کو گرفتار کر لیا۔ شہر "جنوا" مدتِ دراز تک خلفاءِ فاطمین کے قبضے میں رہا۔ انکروہ (لومبرڈی) کا ایک حصہ بھی قبضے میں آ گیا۔ یقین ہے کہ اگر آپ کی اپنی سلطنت میں بغاوت نہ شروع ہو جاتی تو آپ پورے ملک "اٹلی" کو فتح کر لیتے۔ آپ کے اس بیڑے نے واپسی کے موقع پر "سارڈینا" پر حملہ کر کے فرنگیوں کو بہت سی شکستیں دیں۔ پھر قرقیسیا کا رخ کیا جو شام کے ساحل پر واقع ہے۔ یہاں اس نے عباسیوں کے جہازوں کو جلا دیا اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر "مہدیہ" کی طرف مراجعت کی۔ ۳۲۳ھ ہجری میں آپ کے خادم "زیدان" نے اسکندریہ فتح کر لیا۔ پھر اہلِ معتقلہ نے بغاوت کی اور شاہِ قسطنطنیہ کے بیڑے کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ مگر معتقلہ کے فاطمی گورنر نے قلعہ "البوثر" اور قلعہ "بلوط" فتح کر کے "جنت" کا محاصرہ کر لیا اور آپ کے بیڑے نے رومی بیڑے کو تباہ کر ڈالا۔ آپ کے زمانے میں "ابو یزید خارجی" نے بغاوت کی جو مدتِ دراز تک جاری رہی۔ اسی دوران میں "قائم بامر اللہ" نے بیمار ہو کر انتقال کیا۔

(۳) جناب ابو طاہر اسمعیل منصور بامر اللہ بن قائم | آپ ۳۲۲ھ ہجری میں بمقام قیروان پیدا ہوئے اور ۱۳ شوال ۳۳۳ھ ہجری میں

سلطنت سنبھالی اور شوال ۳۳۳ھ ہجری میں وفات پائی، مدتِ سلطنت سات سال ۱۶ یوم تھی، آپ کی عمر ۲۹ سال کی تھی۔

آپ بڑے بہادر، عقلمند، مستعد، مستقل مزاج، خوش خلق، ادیب، لیب، شاعر، مقرر

لیج اور نہایت منظم تھے۔ آپ پہلے سے سوچے بغیر خطبہ شروع کرتے تھے اور دریا کی روانی کی طرح بیان کرتے چلے جاتے تھے۔ آپ کا ایسی حالت میں بادشاہ ہونا کہ ابویزید کی بغاوت سے تمام ملک میں غرچا ہوا تھا، ساحل بحر کے چند قلعہ بند شہروں اور مدینہ (پایہ تخت) کے سوا کچھ بھی قبضہ میں نہ رہ گیا تھا۔ اندلس کے اموی خلیفہ ناصر نے مغرب اقصیٰ پر قبضہ کر لیا تھا، سلطنت کا سنبھالنا اور اپنے تمام آبائی ملکوں پر دوبارہ قبضہ کر لینا انھیں کا کام تھا۔ آپ نے بادشاہ ہوتے ہی ابویزید سے ایسی جنگ کی کہ وہ بدحواس ہو کر بھاگا۔ ربیع الاول ۲۳۵ھ میں انھوں نے ابویزید کا تعاقب کیا اور اُسے دباتے چلے گئے۔ جنگل بیابان، پہاڑ، وادی اور دلدلوں کی کچھ پرواہ نہ کی، یہاں تک کہ اُس کے پیچھے ”بلا سودان“ کے ایسے ویرانے میں پہنچے جہاں پانی کی ایک مشک ایک اشرفی کو ملتی تھی، غرض سخت لڑائی کے بعد ابویزید مارا گیا۔ صاحب اخبار الحقائق لکھتے ہیں کہ ابویزید ملحد تھا۔ خدا نے اُس کے شر سے اہل مغرب کو نجات دلا دی۔ وہ بہت بڑا ظالم تھا۔ اسی بادشاہ منصور نے بمقام ”فتح“ منصوریا کی تعمیر کی اور اس کے گورنر ”حسن“ نے شہر ”ریو“ کے وسط میں مسجد بنوائی۔

(۴) جناب ابوالمہم معز الدین اللہ بن المنصور | آپ ۱۹ رمضان المبارک ۳۱۹ھ
میں بمقام ”مدینہ“ پیدا ہوئے۔

شوال ۳۲۱ھ میں سلطنت سنبھالی۔ ۱۵ ربیع الاول ۳۶۵ھ کو قباہرہ میں وفات پائی۔ ۲۳
سال ۶ ماہ حکومت کی۔ ۲۵ سال ۷ ماہ آپ کی عمر تھی۔

آپ نہایت زیرک اور باہوش بادشاہ تھے، مخالفوں نے بھی آپ کو بادشاہ وانا مستعد بہادر، سخی، ہنصاف، عادل، کریم الاخلاق، سائنس و فلسفہ میں ماہر، علوم و فنون کا بڑا مہر، صاحب الرائے امور مملکت سے آگاہ، علم نجوم و تنجیم کا شائق و ماہر لکھا ہے۔

علوم و فنون کی قدردانی کے لحاظ سے بعض مورخوں نے انھیں مغرب کا ”ہامون“ لکھا ہے۔ معز کے عہد حکومت میں شمالی افریقہ نے اعلیٰ درجہ کی تہذیب اور خوش حالی حاصل کی۔ لوگ فارغ البالی اور خوش حالی میں بسر کرتے تھے۔ بادشاہ نے ملک کے اندرونی فساد اور ہنگامے سختی سے فوگے انتظام اصلی اصول کی بنیاد پر قائم کیا۔ تمام کاموں کے واسطے قواعد و ضوابط مرتب کئے۔ امن قائم رکھنے کے لیے فوج کے ساتھ بلشیا بھی قرار دیا۔ فوج اور بیڑے کو از سر نو ترتیب دیا اور تجارت و صنعت و حرفت کو بھرپور فروغ دیا۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ ”چونکہ معز الدین اللہ نرم مزاج اور رحم دل تھے اور خدا نے ایک عجیب و غریب شعور و لیاقت ان کو عطا کی تھی، وہ سردار بھی جوان کے آباؤ اجداد کے خون کے پیاسے تھے، وہ چاہے دل سے نہ ہوں۔ لیکن بظاہر اُس پر جان دیتے

مخے معزان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا تھا۔ (تاریخ اسلام مشرق و مرکز حسین علیہ السلام) مؤرخ عباسی لکھتے ہیں۔

سلطنت نے اس کے زمانے میں عروج پکڑا۔ مصر، اسکندریہ، مکہ اور مدینہ تمام مقامات عباسیوں سے

تصرف سے نکل کر اس کی سلطنت میں شامل ہوئے۔ شام پر بھی اس کا دخل ہو گیا۔ قاہرہ اس کا آباد

کیا ہوا شہر اب تک مصر کا دارالخلافہ ہے۔ اس بادشاہ نے مصر کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا اور پھر برابر

سلاطین اسمعیلیہ کا یہی دارالخلافہ رہا (تاریخ اسلام ص ۲۲۴)۔ اندلس کے اموی خلیفہ "ناصر لدین اللہ" نے

ایک ایسا بڑا تجارتی جہاز بنوایا تھا کہ اس وقت تک دنیا کی کسی سلطنت نے اتنا بڑا جہاز تیار نہیں کیا

تھا۔ اس جہاز نے "معز لدین اللہ" کے جہاز کو ٹوٹ لیا تو آپ نے ایک زبردست بیڑا تیار کر کے

اندلس پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کر دیا۔ اُس بیڑے نے "مریہ" کی لنگر گاہ میں گھس کر تمام جہازوں

کو چھوٹک دیا۔ پہلے جہاز کو گرفتار کر لیا اور خشکی میں آ کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بہت کچھ

مال غنیمت لے کر واپس پلٹا۔ اس کے بعد بھی یہ اموی اور فاطمی بادشاہ آپس میں لڑ کر اپنی قوت متنازع

کرتے رہے، ورنہ ایسے زبردست تھے کہ اگر ان میں اتحاد ہوتا تو اس وقت تمام یورپ کو فتح کر لینا

کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ۳۴۴ھ کے ختم ہوتے ہوتے حدود مصر سے ساحل بحر اوقیانوس تک پھر تمام

حماک پر فاطمی خلیفہ کا قبضہ ہو گیا۔ ۳۵۲ھ میں رومیوں سے سخت لڑائی ہوئی۔ مسلمانوں نے فتح پائی

اور بہت سے رومی گرفتار کر لئے گئے۔ ۳۵۱ھ سے ۳۵۲ھ تک جزیرہ صقلیہ سے رومیوں کی

سلطنت بالکل نیست و نابود کر دی۔ ۳۵۹ھ میں یورپ کی فوجوں نے جنوبی اٹلی کے مسلمانوں پر

چڑھائی کی۔ مگر سب کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ۳۵۴ھ میں اہل مصر کی درخواست پر ان

کی فریاد رسی کرنے کے لیے "ابوالحسن جوہر" کو ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بارہ سو زیادہ مال کے

صندوق دے کر مصر کی طرف روانہ کر دیا۔ جوہر کو پوری کامیابی نصیب ہوئی۔ "شہر قاہرہ معزنیہ" کو

آباد کر کے دارالحکومت بنایا، مصر سے عباسیوں کا سکہ اور خطبہ موقوف کر کے معز لدین اللہ کے نام کا سکہ

و خطبہ جاری کیا۔ اذان میں "حق علی خیر العمل"۔ پھر سے جاری کیا گیا۔ نماز میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

الرَّحِیْمِ" باواز بلند پڑھا جانے لگا۔ اور خطبہ کے بعد اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی

عَلٰی الْمُرْتَضٰی وَعَلٰی فَاطِمَةَ النَّبُوْلِ وَعَلٰی الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سِبْطِی الرَّسُوْلِ الَّذِیْنَ اَذْهَبْتَ

عَنْهُمْ الرَّجْسَ وَطَهَّرْتَهُمْ نَظِیْهُمَ وَصَلِّ عَلٰی الْاَسْمَةِ الطَّاهِرَةِ ابْنَةِ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ الْح

پڑھا جانے لگا۔ اور اہلبیت کے فضائل بیان ہونے لگے۔ اس کے بعد جوہر نے بادشاہ کے حکم سے

شام و ارض "تعمیر کی جو اس وقت اہل اسلام کی سب سے بڑی "یونیورسٹی" ہے۔ ۳۶۲ھ میں

"عبدغیر" مصر میں پہلی بار کمال شان و شوکت سے منائی گئی۔

جوہر نے مصر فتح کرنے کے بعد شام فتح کر لیا اور عباسیوں کا خطبہ موقوف کر کے فاطمی بادشاہ کا خطبہ

جاری کر دیا۔ ۳۶۳ھ میں مکر اور بدینہ میں بھی معزز کے نام کا خطبہ مستقل طور پر جاری ہو گیا۔ مورخ حبیب السیر نے لکھا ہے کہ معزز نے ایسی عدالت اور سخاوت کے ساتھ سلطنت کی کہ اس سے زیادہ خیال میں نہیں لے سکتی پندرہ ہزار اونٹ اور دس ہزار چمچ زر سے لے کر ہونے افریقہ سے قاہرہ لے کر آئے۔ انھوں نے خزاہی کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ ہر روز چند صندوق پُر زر دربار میں لا کر رکھے۔ چنانچہ وہ ایسا ہی کرتا رہا۔ بادشاہ کا حکم تھا کہ ہر محتاج ایک منگھی زر اس میں سے لے لے مقرر بنی نے لکھا ہے کہ معزز کا خطبہ تمام ممالک مغرب۔ مصر۔ شام۔ حجاز اور بعض عراق کے علاقوں میں پڑھا جاتا تھا۔

(۵) جناب ابو منصور نزار عزیز باللہ بن معزز | آپ ۱۲ محرم الحرام ۳۲۳ھ کو مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ ربیع الثانی ۳۶۵ھ میں تخت نشین ہوئے اور ۲۸ ماہ رمضان ۳۸۶ھ میں انتقال کر گئے۔ آپ کی سلطنت کی مدت ۲۱ سال ۵ ۱/۲ ماہ اور آپ کی عمر ۳۲ سال ۸ ۱/۲ ماہ تھی۔

آپ جواد۔ کریم۔ شجاع۔ عقیل۔ حلیم۔ صابر۔ خوش اخلاق اور کثیر العفو تھے۔ دشمن پر رحم کرتے تھے اور اُسے مال و زر دیتے تھے۔ آپ عالم و فاضل اور زبردست ادیب و شاعر تھے۔ آپ کے ایک فرزند کا عید کے دن انتقال ہو گیا۔ تو آپ نے چند اشعار کہے۔ جن میں واضح کیا کہ آل محمد ہمیشہ مصائب میں مبتلا رہے ہیں۔ لوگوں کی عیدیں خوشی میں گزرتی ہیں اور ہماری عید ماتم میں (قیمتہ المصائب) آپ کو عمارتوں کی تعمیر کا بڑا شوق تھا۔ مصر میں بہت سی عمارتیں آپ کی یادگار ہیں۔ آپ کے عہد میں حص۔ حما۔ شیزر اور حلب فتح ہو کر فاطمی سلطنت میں شامل ہوئے۔ موصل۔ مدائن۔ کوفہ۔ انبار وغیرہ میں آپ کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری ہوا۔ یمن میں بھی آپ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ آپ کے عہد میں فاطمی سلطنت دریائے فرات کے کنارے بحر ظلمات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اور عرب کا تمام مغربی حصہ منتمانے میں تک اُس میں شامل تھا۔ اُندلس سے بنی اُمیہ نے جو بعض علاقے مغرب اقصیٰ کے دبا لے گئے تھے آپ نے ان سب کو واپس لے لیا اور ۳۸۶ھ میں اس سے سب لوگوں کو برطوت کر دیا۔ عضد الدولہ بویہی سے آپ کے دوستانہ مراسلت جاری تھی۔ آپ نے ۳۸۶ھ میں وفات پائی جس سے فاطمی خلفاء کی عظمت و شوکت کو بڑا نقصان پہنچا۔ تورخین نے لکھا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں لوگوں کے دن عید اور رات شبِ برات کی طرح گزرتے تھے۔

(۶) ابو علی منصور حاکم بامر اللہ بن عزیز | آپ ۲۳ ربیع الاول ۳۷۵ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ ۲۸ رمضان ۳۸۶ھ میں تخت نشین ہوئے۔ ۲۷ شوال ۳۸۶ھ کو انتقال فرمایا۔ ۲۵ سال ۲۹ دن سلطنت کی اور ۳۶ سال ۷ ماہ کی عمر پائی، آپ ۱۱ سال کی عمر میں بادشاہ ہوئے۔ مورخ عباسی نے لکھا ہے کہ یہ بڑا فاضل و شاعر

بادشاہ تھا، اُس نے عورتوں کے لیے پردے میں سختی کی، مسکرات کی خرید و فروخت بند کی۔ اُس کے وقت میں انتظام شہر بھی اچھا تھا۔ قاہرہ میں مسجد انظر اسی نے بنوائی (تاریخ اسلام ص ۲۲۵) ابن زولاق نے لکھا ہے کہ خلیفہ حاکم، سخی، شجاع، منصف، عالم، عابد اور صاحب کرامت تھا۔ صاحب حبیب السیر نے لکھا ہے کہ بادشاہ عادل اور خدا ترس تھا۔ اُس نے مدرسے بنائے۔ اُن کے لیے جاگیریں وقف کیں اور اُن میں عالم و فقیہ مقرر کئے۔ حکم تھا کہ خلیفہ کے واسطے زمین بوسی نہ کی جائے۔ نہ سلام کے وقت ہاتھ چوما جائے۔ عام اجازت تھی کہ جس کا دل چاہے بادشاہ سے مل کر براہ راست شکایات پیش کرے۔ یہ خلیفہ اعلیٰ درجہ کا ہیبت دان تھا اس کی کتاب چار جلدوں میں تھی۔ ۲۷ شوال ۳۱۱ھ حج کو ایک پہاڑ پر کسی دشمن نے تنہا پا کر ہلاک کر دیا۔ مسٹر امیر علی نے لکھا ہے کہ حاکم بڑی فیاضی اور تندگی سے علم اور سائنس کی ترقی میں کوشش کرتے تھے۔ شام اور مصر میں انھوں نے بہت سی مسجدیں۔ کالج اور رسد خانے تعمیر کرائے۔

(۷) جناب ابوالحسن علی ظاہر الاعزاز دین اللہ بن حاکم | آپ ۱۰ رمضان ۳۹۵ھ بمقام قاہرہ پیدا ہوئے

۳۲۴ھ کو تخت نشینی ہوئی۔ ۱۵ شعبان ۴۲۶ھ کو فوت ہوئے۔ ۱۵ سال ۱۰ ماہ سلطنت کی اور ۲۲ سال کی عمر پائی۔ مورخ عباسی لکھتے ہیں کہ یہ بادشاہ بڑا نیک نام تھا۔ اس کی نیک نامی سن کر عماد خراسانی حج کر کے پھرے۔ تو مصر ہوتے ہوئے آئے اور وہاں سے خلعت لائے۔ محمود سلجوقی کو اس کی خبر لگ گئی، اُس نے فوراً خلیفہ کو بغداد مطلع کیا۔ حجاج مصر سے آکر ابھی بغداد میں پہنچے ہی تھے کہ خلیفہ نے اُن سے باز پرس کی اور اُن کے خلعت جلا دیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود کو کبھی فاطمی خلفاء سے خوف تھا اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیالمہ ملوک غزنی سلجوقی وغیرہ سب خلفاء بغداد کی خاطر اس لیے بھی کرتے تھے کہ فاطمی خلفائے دو بد و مقابلہ کرنے کو مصلحت کے خلاف جانتے تھے، سلاطین علویہ کو زور بازو کے علاوہ جو عزت خاص، عام نظروں میں حاصل تھی وہ ان غیر قرشی النسل سلاطین کے لیے بہت زیادہ پریشان کن تھی۔ (تاریخ اسلام ص ۲۲۵)۔

آپ نے اسمعیلی مذہب کو کمال رونق کے ساتھ رواج دیا۔ ۴۱۸ھ حج میں قیصر روم سے صلح ہوئی اور اُس نے اپنے ملک میں جناب ظاہر کا خطبہ پڑھنے کی (مسلمانوں کو) اجازت دے دی۔ قسطنطنیہ میں مسجد بنائی گئی اور اس میں مؤذن مقرر کیا گیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح منصف اور نیک سیرت تھے، صاحب روضۃ الصفا کا بیان ہے کہ جناب ظاہر کی فطری سیاست اور کمال کی رست کی وجہ سے تمام فتنے فرو ہو گئے اور دین و دنیا کے امور مستقیم ہو گئے لیکن آپ اسی کے عہد سے فاطمی سلطنت کا انحطاط شروع ہو گیا۔

(۸) جناب ابو تمیم محمد مستنصر بامر اللہ بن ظاہر

آپ جمادی الثانی ۲۲۰ھ میں
بمقام قاهرہ پیدا ہوئے ھا شعبان

۲۲۲ھ کو تخت نشینی عمل میں آئی۔ ۱۸ ذی الحجہ ۲۲۸ھ جم کو آپ کی وفات ہوئی۔ ۶۰ سال ۳ ماہ حکومت کر کے ۶۷ سال کی عمر میں دنیا سے رحلت کی۔ مؤرخ عباسی لکھتے ہیں کہ "قائم باللہ عباسی نے والی ذوق سے سازش کر کے اُن کو نقصان پہنچانا چاہا۔ لیکن اس کی حکمت کارگر نہ ہوئی۔ اور اس کے بدلے میں مستنصر کے اشارے سے "بسا سیری" نے قائم کو بغداد میں قید کر کے سال بھرتا کہ مستنصر کا نام بغداد کے خطبے میں قائم رکھا۔ مستنصر کے عہد میں عباسیوں کا خاتمہ ہو جاتا لیکن طغرل بیگ نے "اکر بسا سیری" کو مغلوب کر دیا۔ اور قائم باللہ کو بڑے اعزاز کے ساتھ پھر تخت پر بٹھا دیا اور اسی صلہ میں اپنے بی (رکن الدین) کا خطاب حاصل کیا۔ (تاریخ اسلام ص ۲۶۶)۔ ۲۶۹ھ میں "حسن بن عبدالحق" جو بعد میں نزاریہ اسمعیلیوں کے پیشوا ہوئے، ناجروں کے لباس میں مستنصر کے پاس آئے۔ سات سال تک مصر میں رہے۔ پھر مستنصر کی طرف سے خراسان و بلاد عجم میں داعی مقرر ہوئے جس نے پہلے مخفی طور پر پھر علانیہ بلاد عجم میں اسماعیلی دعوت پھیلانا شروع کر دی، اور قلعوں پر قبضہ کر کے حکومت قائم کر لی۔ رخصت ہوتے وقت انھوں نے مستنصر سے پوچھا تھا کہ آپ کے بعد میرا امام کون ہے؟ مستنصر نے اپنے صاحبزادے نزار کو بتایا تھا۔ جناب مستنصر کے تین بیٹے تھے (۱) نزار۔ (۲) احمد مستعلی (۳) محمد۔

(۹) جناب ابوالقاسم احمد مستعلی باللہ بن مستنصر

آپ ۲۰ شعبان ۲۶۷ھ
کو پیدا ہوئے۔ ۱۸ ذی الحجہ

۲۸۷ھ جم کو بادشاہ قرار پاتے۔ ۱۱ صفر ۲۹۵ھ جم کو ۲۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدت سلطنت ۷ سال ۲ ماہ ۲۱ دن۔

اگرچہ جناب مستنصر بامر اللہ نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے جناب نزار کو ولی عہد مقرر کیا تھا۔ مگر وزیر اعظم "افضل" میں اور ان میں باہمی دشمنی تھی۔ اس لیے افضل نے نزار کو خلع کر کے جناب احمد کو مستعلی کے لقب سے خلیفہ بنا دیا۔ جناب نزار اور افضل میں جنگ چھڑ گئی۔ بالآخر نزار گرفتار ہو کر مستعلی کے حوالے کر دیے گئے۔ نزاری اسمعیلی کہتے ہیں۔ کہ جناب نزار کے فرزند ہادی قید سے نکل کر بلاد عجم میں چلے گئے تھے اور یہاں جناب ہادی سے "الموت" کے اسمعیلی امام پیدا ہوئے۔ اُس وقت سے اسمعیلیوں کے دو فرقے ہو گئے۔ ایک نزاریہ جو جناب نزار اور ان کی اولاد کو امام برحق مانتا ہے۔ وہ حسن بن صباح کے مقلد اور ہندو پاک کے آغنائانی ٹوبے میں۔ دوسرے وہ جو مستعلی اور ان کی اولاد کو امام برحق جانتے ہیں اور مستعلیہ کہلاتے ہیں وہ شیعہ بوہرے ہیں۔

(۱۰) ابو علی منصور و امیر با حکم اللہ بن مستعلی

آپ ۱۳ محرم ۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۲۹۵ھ میں

کو تخت نشین ہوئے اور ۲۹ سال ۸ ماہ حکومت کر کے ۳۲ سال کی عمر میں ۳ ذی قعدہ ۵۲۲ھ میں کوفہ سے پانچے مورتخ عباسی لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں شامی عیسائی سے بڑی لڑائی ہوئی اور مسلمان غالب آئے ان شامی عیسائیوں کو مورتخ اہل فرنگ لکھتے ہیں کہ اس کے وقت میں شام میں ایک خاندان نزاری نام صاحب حکومت ہوا، اور چند ملک عربوں کا اس خاندان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس لیے اپنے چچا حافظ کو اس نے ولیعہد مقرر کیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۲۶)۔ آپ نے جوان ہو کر وزیر اعظم "افضل" کو قتل کرا دیا۔ آپ کریم اور جواد تھے۔ آپ کے زمانے میں آپ کی اور آپ کے متعلقین کی کثرت جو وعظا سے لوگ کمال عیش و اطمینان میں بسر کرتے تھے مصر میں کوئی شخص زمانہ یا انفلکس کا شاک نہیں ملتا تھا۔ آپ حافظ قرآن بھی تھے۔ نزاریہ فرقہ کے لوگ مستعین اور ان کے اماموں سے سخت دشمنی رکھتے اور مدت سے جناب امر کی تاک میں تھے۔ ایک دن ۵۲۲ھ میں آپ کو ہلاک کر دیا۔ مستعلیوں (بوہروں) کا اعتقاد ہے کہ جناب امر نے دو سال چند ماہ کے ایک صاحبزادے "ابو القاسم طیب" کو چھوڑ کر انتقال کیا اور اپنے چچا زاد بھائی "عبد المجید میمون بن ابی القاسم مستنصر" کو حافظ لدین اللہ کے لقب سے ان کا نگران مقرر کیا تھا کہ خلافت ظاہریہ کا انتظام کریں اور جب طیب لائق ہو جائیں تو خلافت ان کے سپرد کریں۔ مگر دو سال کے بعد حافظ خود خلیفہ بن گئے اور جناب طیب نے روپوشی اختیار کر لی۔ اس امر کی خبر پہلے سے امام امر نے اپنے اکابر و عاۃ "کو دے دی تھی اور حکم دیا تھا کہ شمس امامت کے ستر میں جانے کا وقت آ گیا ہے جب حافظ کی نیت میں فرق دیکھو، اسی وقت میرے فرزند کو لے کر روپوشی اختیار کرنا اور ایسا ہی ہوا۔ اب بوہرے حضرات ان امام طیب کی نسل در نسل امام کا ہر زمانہ میں موجود ہونا واجب جانتے ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے۔ (تاریخ اسلام مسٹر ڈاکٹر حسین جلد ۱۶)۔

(۱۱) جناب عبد المجید میمون حافظ لدین اللہ

آپ ۱۳ محرم ۲۹۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۳ ذی قعدہ ۵۲۳ھ کو تخت نشین

ہوئے اور ۱۹ سال ۷ ماہ حکومت کر کے ۷۷ سال کی عمر میں ۵ جمادی الاخریٰ ۵۲۳ھ کو انتقال کر گئے آپ نظر بندی میں بسر کرتے تھے۔ آپ کا وزیر "احمد" کل امور سلطنت پر عادی تھا۔ عظیم الشان عہد تھا اور بروایت قربانی، حافظ نے بھی مذہب اشاعہ شری کا اظہار کر دیا تھا۔ "وزیر احمد" نے باصوبہ امام حضرت محمد مدی علیہ السلام کے نام کا سکہ اور خطبہ بھی جاری کر دیا تھا۔ ۵ محرم ۵۲۳ھ کو وزیر احمد قتل کر دیا گیا اور ۵۲۳ھ میں جناب حافظ کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تمام عمر وزیروں کی حکومت میں گزری

جو وہ چاہتے کر لیتے۔ مقررہ بی بی نے لکھا ہے کہ حافظ مدبر سیاستدان۔ کثیر المذاکرات۔ عارف اور علم نجوم کے شائق تھے۔ آپ پر علم غالب تھا۔ آپ کو در و قریح کی شکایت رہتی تھی۔ آپ کے طبیب نے ایک طبل بنوایا تھا جس کی آواز سے انھیں نامہ پہنچتا تھا۔ حافظ کے بعد آپ کی حسب وصیت آپ کے بیٹے "ابو منصور اسماعیل" بادشاہ ہوئے۔

(۱۲) جناب ابو منصور اسماعیل ظافر بامر اللہ بن حافظ | آپ ۵ ربيع الثانی ۵۲۴ھ حج کو پیدا ہوئے، اور ۵ رجب ۵۲۹ھ

۵۲۴ھ حج کو تخت نشین ہوئے اور ۴ سال ۷ ماہ حکومت کر کے ۲۱ سال ۹ ماہ کی عمر میں ۱۵ محرم الحرام ۵۲۹ھ حج کو انتقال کر گئے۔ آپ زمانہ حکومت میں بے بس تھے، وزیر بادشاہی کرتے تھے۔ بغاوتیں یتاقیں سازشیں اور فرقتہ بندیوں پھیل گئی تھیں۔ ۱۵ محرم ۵۲۹ھ حج میں آپ قتل کر دیئے گئے۔

(۱۳) جناب ابوالقاسم عیسیٰ فاتر بن نصر اللہ بن ظافر | آپ ۲۱ محرم ۵۲۴ھ حج میں پیدا ہوئے۔ ۱۵ محرم ۵۲۹ھ

کو تخت نشین ہوئے اور ۶ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کر کے ۱۱ سال ۶ ماہ کی عمر میں ۱۵ رجب ۵۳۰ھ کو انتقال کر گئے مورخ عباسی لکھتے ہیں۔ اہل فرنگ سے اس کے وقت میں بھی لڑائی رہی۔ بلاد عربی پر اہل فرنگ کا جو قبضہ ہو چکا تھا وہ مستحکم ہوا، اور کچھ حصہ ملک اُس نے اُن سے واپس بھی لے لیا۔ (تاریخ اسلام ۵۲۲) آپ تمام عمر مرض صرع میں مبتلا رہے۔

صالح بن زریک اُن کا وزیر تھا جو اُس عہد میں دراصل بادشاہی کر رہا تھا۔ وہ بڑا فاضل سخی تھا اور اہل علم سے بڑی محبت کرتا تھا۔ کاتب۔ ادیب اور اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا۔ از روئے فضل و عقل و سیاست و تدبیر اپنے زمانے کا سب سے بڑا شخص تھا۔ شکل میں رعب دار اور سطوت میں عظیم تھا۔ نیز بڑا پکا اثنا عشری تھا۔ خلافت جناب امیر میں زیر دست کاتب لکھی۔ لوگوں سے مناظرے کئے۔ وزیر ہوتے ہی شیعہ مذہب کا اظہار کیا۔ نہایت خوبی سے حکومت کی۔ آخر عمر تک فرنگیوں سے لڑتا رہا۔ تمام ممالک کے اہل علم اس کے پاس آتے اور در مقصود سے دامن بھر کر واپس جاتے تھے۔

علامہ مقررہ بی بی نے کتاب الخطوط جلد ۴ کے ص ۸۱ میں لکھا ہے کہ صالح بن زریک ازمنی قوم کے اثنا عشری مذہب کا ایک فقیر تھا۔ ایک دن زیارت روضہ امیر المومنین کے لیے نجف اشرف گیا۔ حضرت نے اسی شب روضہ کے خادم "بیتدا بن معصوم" سے خواب میں فرمایا کہ طلح بن زریک ہمارے محبوبوں میں سے ہے اُس سے کہہ دو کہ وہ مصر چلا جائے، میں نے اُسے مصر کا والی بنا دیا ہے۔ بیتدا نے طلح کو بلا کر خواب بیان کیا وہ فوراً مصر پہنچ کر سلطنت کا ملازم ہو گیا۔ پھر چند دنوں

میں مصر کا بادشاہ بن گیا۔ اس کا اصل نام صلاح بن زریک تھا۔ مصر میں کارنیاں کرنے کی وجہ سے اس کا خطاب ”مک صالح“ ہو گیا تھا۔

(مؤلف) میں کتابوں کے مقررین کے اس بیان سے پتہ چلا کہ اس کا تعلق شہید دہلوی کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے جس میں انھوں نے کہا ہے کہ ”دنیا کے تمام بادشاہوں کا تقرر اور تنزل علی بن ابی طالب کرتے ہیں، ملاحظہ ہو موصوف کی کتاب ”صراط مستقیم“۔

(۱۳) ابو محمد عبد اللہ عاصد لدین اللہ بن یوسف بن حافظ

۵۱۱ھ کو پیدا ہوئے، ۷ رجب ۵۵۵ھ کو تخت نشین ہوئے اور ۱۱ سال ۶ ماہ برائے نام حکومت کر کے ۲۱ سال کی عمر میں ۱۰ محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کر گئے۔

مؤرخ عباسی لکھتے ہیں کہ اس کے عہد میں اہل فرنگ ساحل شرقی و غربی سے آتے آتے مصر تک پہنچ گئے، اور مصر پر قابض ہو گئے۔ غیر مسلموں کا مصر پر قابض ہونا ”نور الدین محمود“ والی شام کو بہت گراں گزرا، اُس نے مصریوں کی مدد کے لیے فوج بھیجی جو اہل فرنگ پر غالب آئی۔ شامیوں نے اہل فرنگ کو مصر سے نکال باہر کر دیا۔ لیکن خطبہ میں عاصد کے بجائے ”مستضیٰ باللہ“ عباسی کا نام داخل کر دیا۔ اسی زمانے میں ”عاصد“ بھی مر گیا اور اس کے ساتھ ہی سلاطین علویہ اسماعیلیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ اور بنو ہمدانی کا نام مٹ گیا۔ (تاریخ اسلام ۴۲۷)۔

آپ ۱۱ سال کی عمر میں خلیفہ ہوئے۔ صلاح نے اپنی بیٹی اُن سے بیاہ دی اور صلاح تمام امور سلطنت پر حاوی رہا۔ مگر ۱۹ ماہ رمضان ۵۵۶ھ کو بیچارہ قتل کر دیا گیا۔ خلیفہ عاصد نے اُس کی وفات کے بعد اہل سنت سے ایک شخص ”صلاح الدین یوسف“ کو وزیر بنایا۔ اُس نے بیوفانی کی اور تمام امور سلطنت پر حاوی ہو کر خلیفہ کو بے دخل کر دیا اور شیعہ قاضیوں کو معزول کر کے تمام ملک میں شافعی قاضی مقرر کئے۔ اس وقت سے مکہ شیعہ مذہب شیعہ ختم ہونے لگا اور مذہب مالکی اور شافعی زور پکڑنے لگا۔ ۵۶۷ھ محرم میں صلاح الدین نے، خلیفہ عاصدہ خطبہ بھی مصر سے بند کر کے مستضیٰ عباسی کا خطبہ جاری کر دیا۔

خلیفہ عاصد لدین اللہ نے عاشور محرم ۵۶۷ھ کو انتقال کیا، آپ کی وفات سے سلطنت فاطمیہ کا ستارا جو مکہ، افریقہ و مصر پر ۲۷۰ سال سے چمک رہا تھا بالکل غروب ہو گیا۔

فاطمی نلفار کے عہد میں جو برکتیں مصر کو نصیب ہوئیں وہ کسی بادشاہ کے عہد نہیں ہوئیں۔ علوم فنون تجارت و حرفت سب کو کمال ترقی ہوئی۔ شفاخانے۔ مدرسے۔ مسجدیں اور رفاہ عام کی دوسری بے شمار عمارتیں اور اوقاف ہمتوں یادگار ہیں۔ ”شیعہ یورپی“ ”جامعہ ازہر“ اسی عہد کی ترقی دنیا

تک کے لیے یادگار ہے . . . ایک لاکھ تیس ہزار قسم کی ۱۶ لاکھ کتابوں کا کتب خانہ اسی عہد میں ترتیب
ہوا تھا . . . جامع مسجد بنوائی گئی تھیں (۱) جامع انہر (۲) جامع معز بن (۳) جامع نور (۴)
جامع حاکم، جو اپنی شان و شوکت کے لحاظ سے بڑی پر عظمت تھیں . . . انھیں کے عہد میں قاہرہ
کی خاص عمارت حسینید (امام باڑہ) تھی جس میں آیام عمر میں مجالس منعقد کی جاتی تھیں جن میں بادشاہ
اور رعایا سب شریک ہوتے تھے۔ (تاریخ مسرت واکر حسین جلد ۱ ص ۱۳۳)۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ خلافت فاطمہ کے ختم ہوتے ہی جامعہ انہر میں شیعوں کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا
تھا جس کا سلسلہ اب تک باقی رہا۔ لیکن عہد جمال عبدالناصر، میں ڈاکٹر شلتوت نے اس منافقت کو ختم کر کے شیعہ
فقہ کی کتابیں "شرح لمعہ و تبصرۃ المتعلمین" کو داخلے نصاب کر دیا ہے۔ ۱۴۱۲ھ

امام شرفاوی کہتے ہیں کہ خلفا بنی امیہ ۱۳ خلفا بنی عباس ۳۷ اور خلفا بنی فاطمہ ۱۵ تھے اور
وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ فاطمی خلفا میں ۱۲۷۰ تک خلافت رہی، کان یظن بقاء ہا فیہم
الی ان یسلطوھا للمسلمین فی آخر الزمان الخ۔ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ یہ حکومت انھیں میں اس
وقت تک رہے گی جب تک ظہور قائم آل محمد نہ ہوگا۔ ان کے ظہور کے بعد اسے ان کے سپرد کر دیں گے۔ (تختہ نظامین
بر حاشیہ "فتوح الشام" و اقدی جلد ۱ ص ۱۵ طبع مصر ۱۳۶۵ھ) میرے نزدیک امام شرفاوی کا خلفا بنی فاطمہ کی
تعداد ۱۵ بتانا درست نہیں ہے۔ تمام کتب معتبرہ میں ۱۴ ہی کی تعداد ہے۔ ملاحظہ ہو نزهة الناشر عشریہ علامہ
مرزا محمد جلد ۱ ص ۲۱۳۔ تاریخ مذاہب ص ۶۲ جمع کوثر و تواریخ اسلام و ترجمہ سلاطین اسلام یسین پور
ص ۸۹ طبع لاہور)۔



ابوالحسن

حشر

امام موسیٰ کاظم

علیہ السلام

کاظم آل محمد کے تخت پر بیٹھا
دولت و شہرت کے نشے میں نہ اٹا اٹھا
حاکمِ عالم یہ جان حیدر نہ نہرا ہمیں دیکھو
اسے بنی عباس کے فرعون یہ مٹوئی میں دیکھو

(صابر قاریانی لکراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۹

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

مخزن جملہ فنون آپ کا قلب روشن
معدن جملہ علوم آئینہ طبع سلیم
آستان در حضرت کا اگر دیکھ لے اوج
صورت پھر خ پے بوسہ جھکے عرش عظیم

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، پیغمبر اسلام رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں جانشین، ہمارے ساتویں امام اور سلسلہ عصمت کی نویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب حمیدہ خاتون تھیں جو بربریا اندلس کی رہنے والی تھیں۔ آپ کے متعلق حضرت امام باقر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ دنیا میں حمیدہ اور آخرت میں محمودہ ہیں (شواہد النبوت ص ۱۸۶) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ آپ صاحب کمال اور نہایت دیانت دار تھیں (جنات الخلود ص ۲۹) علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ وہ ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں (جلال العیون ص ۲۷) علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب حمیدہ کے والد ماجد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے حمیدہ خاتون کی کنیت لولویہ (موتی) تھی (مناقب جلد ۵ ص ۶)۔

حضرت امام علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص معصوم، حکم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ جملہ صفات حسنہ سے بھرپور تھے، آپ دنیا کی تمام زبانیں جانتے اور علم غیب سے آگاہ تھے۔ آپ کے متعلق علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ حضرت امام جعفر صادق کے علم، معرفت، کمال اور افضلیت میں وارث و جانشین تھے۔ آپ دنیا کے عابدوں میں سب سے بڑے عبادت گزار سب سے بڑے عالم، اور سب سے بڑے سخی تھے۔ صواعق محرقة ص ۱۱۱ اور ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بہت بڑی عزت و قدر کے مالک امام اور انتہائی شان و شوکت کے مجتہد تھے آپ کا اجتہاد میں نظیر نہ تھا۔ آپ عبادات و طاعات میں مشہور زمانہ اور کرامات میں مشہور کائنات تھے۔ ان چیزوں میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی۔ آپ ساری رات رکوع و سجود اور قیام و قعود میں گزارتے اور سارا دن صدقہ اور روزے میں بسر کرتے تھے۔ (مطالب السؤل ص ۳۱۸) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آپ بہت

بڑی قدر و منزلت کے دنیا میں مشہور امام اور زبردست ججت خدا تھے، نمازوں کی وجہ سے ہمیشہ ساری رات جاگتے تھے اور دن بھر روزہ رکھتے تھے (انوار الاخبار ص ۱۳۵) علامہ ابن عساکر ماکلی لکھتے ہیں کہ آپ اپنے زمانہ کے لوگوں میں سب سے زیادہ عابد اور سب سے زیادہ علم والے اور سب سے زیادہ سخی و دست اور بزرگ نفس تھے۔ (فضول مضمہ و ائرج المطالب ص ۲۵۵) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ آپ عابد ترین اہل زمانہ اور کریم ترین اہل عالم تھے۔ آپ کے فضائل و کمالات بے شمار ہیں (روضۃ الشهداء ص ۲۳۲) کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ آپ بروئے قدر و منزلت بزرگ ترین اہل عالم تھے اور اپنے پدر بزرگوار کی نص کے مطابق ان کے بعد ولی امر امت ہوئے۔ الخ

آپ کی ولادت باسعادت

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بتاریخ ۱۲ صفر المنظر ۱۲۸ھ بمطابق ۷۴۵ء عیدِ شنبہ بمقام ابوالجوہر اور مدینہ کے درمیان واقع ہے پیدا ہوئے۔ (انوار نعمائیر ص ۱۲۶ و اعلام الوری ص ۱۱۱) و جلا العیون ص ۱۶۹ و شواہد النبوت ص ۱۹۱۔ روضۃ الشهداء ص ۲۳۶) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی آپ نے ہاتھوں کو زمین پر ٹیک کر آسمان کی طرف رخ کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری فرمایا۔ آپ نے یہ عمل بالکل اسی طرح کیا۔ جس طرح حضرت رسول خدا صلعم نے ولادت کے بعد کیا تھا۔ آپ کے داہنے بازو پر کلمہ قدرت کلمتہ ربیک صدقا و عدلا لکھا ہوا تھا۔ آپ علمِ اولین و آخرین سے بہرہ ور متولد ہوئے تھے۔ آپ کی ولادت سے حضرت امام جعفر صادق کو بیحد مسرت ہوئی تھی اور آپ نے مدینہ جا کر اہل مدینہ کو دعوتِ طعام دی تھی (جلا العیون ص ۱۲۱)۔ آپ دیگر آمدہ کی طرح مختون اور نائف بریدہ متولد ہوئے تھے۔

اسم گرامی، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے خداوند عالم کے معین کردہ نام "موسیٰ" سے موسوم کیا علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ موسیٰ قبیلۃ لفظ ہے، اور "مو" اور "سی" سے مرکب ہے۔ "مو" کے معنی پانی اور "سی" کے معنی درخت کے ہیں۔ اس نام سے سب سے پہلے حضرت کلیم اللہ موسوم کئے گئے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ خوفِ فرعون سے مادر موسیٰ نے آپ کو اس صندوق میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا جو حبیبِ نجر "کابنایا ہوا تھا اور بعد میں "سابوت سکینہ" قرار پایا، تو وہ صندوق بہرِ فرعون اور جناب آسیہ تک پانی کے ذریعہ سے ان درختوں سے ٹکراتا ہوا جو خاص باغ میں تھے پہنچا تھا لہذا پانی اور درخت کے سبب سے ان کا نام موسیٰ قرار پایا تھا۔ (رحنات الخلود ص ۲۹)۔

آپ کی کنیت ابوالحسن، ابو ابراہیم، ابوعلی، ابو عبد اللہ تھی اور آپ کے القاب کاظم عبد صالح

نفس و کیم، صابر، امین، باب الحوائج وغیرہ تھے۔ شہرت عامہ، کاظم کو ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ بدسلوک کے ساتھ احسان کرتے اور ستانے والے کو معاف فرماتے اور غصہ کو پنی جاتے تھے۔ بڑے حلیم، بردبار اور اپنے پر ظلم کرنے والے کو معاف کر دیا کرتے تھے و خطاب الرسول ص ۲۷۹۔ شواہد النبوت ص ۱۹۲ روضۃ الشہداء ص ۲۳۲ تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۳۲۔

علاوہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ کثرت عبادت کی وجہ سے بعد صالح اور خدا سے حاجت طلب کرنے کے ذریعہ ہونے

لقب باب الحوائج کی وجہ

کی وجہ سے آپ کو باب الحوائج کہا جاتا ہے، کوئی بھی حاجت ہو جب آپ کے واسطے سے طلب کی جاتی تھی تو ضرور پوری ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو۔ (مطالب السؤل ص ۲۷۸ ضوابط محرقہ ص ۱۳۱) فاضل معاصر علامہ علی حیدر رقمطراز ہیں کہ حضرت کا لقب باب قضاء الحوائج یعنی حاجتیں پوری ہونے کا دروازہ بھی تھا۔ حضرت کی زندگی میں تو حاجتیں آپ کے توسل سے پوری ہوتی ہی تھیں۔ شہادت کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور اب بھی ہے۔ اخبار پابیز آکر آباد مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۲۸ء میں زیر عنوان ”امام موسیٰ کاظم کے روضہ پر ایک اندھے کو بینائی مل گئی“ ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ حال ہی میں روضہ کاظمین شریف پر جو شہر بغداد سے باہر ہے ایک معجزہ ظاہر ہوا ہے کہ ایک اندھا اور ٹوڑھا ”سید“ نہایت مفلسی کی حالت میں روضہ شریف کے اندر داخل ہوا اور جیسے ہی اُس نے امام موسیٰ کاظم کے روضہ کے شرح اقدس کو اپنے ہاتھ سے لمس کیا وہ فوراً چلانا ہوا باہر کی طرف دوڑا ”مجھے بینائی مل گئی“۔ ”میں دیکھنے لگا ہوں“۔ اس پر لوگوں کا بڑا ہجوم جمع ہو گیا اور اکثر لوگ اس کے کپڑے تبرک کے طور پر چھین چھپٹ کر لے گئے۔ اس کو تین دفعہ کپڑے پہنائے گئے اور ہر دفعہ وہ کپڑے ہموکے ہو کر تقسیم ہو گئے۔ آخر روضہ شریف کے خدام نے اس خیال سے کہ کہیں اس بزرگ سید کے جسم کو نقصان نہ پہنچے۔ اس کو اس کے گھر پہنچا دیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں بغداد کے ہسپتال میں اپنی آنکھ کا علاج کرا رہا تھا۔ بالآخر سب ڈاکٹروں نے یہ کہہ کر مجھے ہسپتال سے نکال دیا کہ تیرا مرض لا علاج ہو گیا ہے۔ اب اس کا علاج ناممکن ہے۔ تب میں یالوس ہو کر روضہ اقدس امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پر آیا اور یہاں آپ کے وسیلہ سے خدا سے دعا کی۔ ”بار اللہ! تجھے اسی امام مدفون کا واسطہ مجھے از سر نو بینائی عطا کر دے۔“ یہ کہہ کر جیسے ہی میں نے روضہ کی مندرجہ کو لمس کیا۔ میری آنکھوں کے سامنے روشنی نمودار ہوئی اور آواز آئی۔ ”جا تجھے پھر سے روشنی دے دی گئی“ اس آواز کے ساتھ ہی میں ہر چیز کو دیکھنے لگا۔ تمام لوگ اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ ضعیف العمر سید اندھا تھا، اور اب دیکھنے لگا ہے۔ (اخبار انقلاب لاہور، اخبار المحدثات امرتسر مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۲۸ء)۔

علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جب مجھے کوئی

مشکل در پیش ہوتی ہے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے روضے پر چلا جاتا ہوں اور ان کی قبر پر دعا کرتا ہوں۔ میری مشکل حل ہو جاتی ہے۔ (مناقب جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ طبع مغان)۔

آپ ۲۵ھ میں مروان الحمار اموی کے عہد میں پیدا ہوئے۔ اس کے بعد ۳۲ھ میں سفاح عباسی خلیفہ ہوا (ابوالفداء) ۱۳۶ھ میں

باوشایان وقت

منصور دوانقی عباسی خلیفہ بنا۔ (ابوالفداء) ۱۵۵ھ میں ہمدی بن منصور مالک سلطنت ہوا۔

(جیب السیر) ۱۶۹ھ میں ہادی عباسی کی بیعت کی گئی۔ (ابن وردی) ۱۷۵ھ میں ہارون الرشید

عباسی ابن ہمدی خلیفہ وقت ہوا (ابوالفداء) ۱۸۳ھ میں ہارون کے زہر دینے سے امام علیہ السلام

سجالت مظلومی قید خانہ میں شہید ہوئے۔ (صواعق محرقر اخبار الخلفاء ابن راغی)۔

نشوونما اور تربیت

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ آپ کی عمر کے بیس برس اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے سایہ تربیت میں گزرے

ایک طرف خدا کے دیئے ہوئے فطری کمال کے جوہر اور دوسری طرف اس باپ کی تربیت جس نے پیغمبر کے بتائے ہوئے مکارم اخلاق کی یاد کو بھولی نہ تھی دنیا میں ایسا تازہ کو دنیا کہ انھیں ایک طرح سے اپنا بنا لیا اور جس کی بنا پر "ملت جعفری" نام ہو گیا، امام موسیٰ کاظم نے چھپنا اور جوانی کا

کافی حصہ اسی مقدس آغوش میں گزارا۔ یہاں تک کہ تمام دنیا کے سامنے آپ کے ذاتی کمالات و فضائل روشن ہو گئے اور امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا جانشین مقرر فرما دیا۔ باوجودیکہ آپ

کے بڑے بھائی بھی موجود تھے۔ مگر خدا کی طرف کا منصب میراث کا ترک نہیں ہے بلکہ ذاتی کمال کو ڈھونڈتا ہے۔ سلسلہ معصومین میں، امام حسن کے بعد بجائے ان کی اولاد کے امام حسین کا امام ہونا

اور اولاد امام جعفر صادق علیہ السلام میں بجائے فرزند ابیہر کے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی طرف امامت کا منتقل ہونا اس کا ثبوت ہے کہ معیار امامت میں نسبی وراثت کو تدریجاً نظر نہیں رکھا گیا ہے۔

(سوانح موسیٰ کاظم ص ۲)۔

آپ کے بچپن کے بعض واقعات

یہ سلمات سے ہے کہ نبی اور امام تمام صلاحیتوں سے بھرپور متولد ہوتے ہیں جب حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی عمر تین سال کی تھی۔ ایک شخص جس کا نام صفوان جمال تھا حضرت امام جعفر

صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفسر ہوا کہ مولا، آپ کے بعد امامت کے فرائض کون ادا کرے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے صفوان! تم اسی جگہ بیٹھو اور دیکھتے جاؤ جو ایسا بچہ میرے

گھر سے نکلے جس کی ہر بات معرفت خداوندی سے پڑ ہو، اور عام بچوں کی طرح لہو و لعب نہ کرتا ہو،

سمجھ لینا کہ عنانِ امامت اسی کے لیے سزاوار ہے۔ ساتنے میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بھی کیا ایک بچہ
 لیے ہوئے برآمد ہوئے اور باہر آکر اس سے کہنے لگے۔ "اسجدی ریکٹ" اپنے خدا کا سجدہ کریدیکھ
 کہ امام جعفر صادق نے اُسے سینہ سے لگایا۔ (تذکرۃ المعصومین ص ۱۹۲) صفوان کتابت یہ دیکھ کر میں
 نے امام موسیٰ سے کہا۔ صاحبزادے! اس بچہ کو کیسے کہ فرجائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کروائے
 ہوقم پر، کیا موت و حیات میرے ہی اختیار میں ہے۔ (بحار الانوار جلد ۱ ص ۲۶۶)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مسائل
 وغیرہ دریافت کرنے کے لیے حسب دستور حاضر ہوئے۔ اتفاقاً آپ آرام فرما رہے تھے۔ موصوف
 اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ آپ بیدار ہوں تو عرض مدعا کروں۔ اتنے میں امام موسیٰ کاظم جن کی
 عمر اسی وقت پانچ سال کی تھی برآمد ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ نے انہیں سلام کر طے کیا: اے
 صاحبزادے یہ بتاؤ کہ انسان فاعل مختار ہے یا ان کے فعل کا خدا فاعل ہے۔ یہ سن کر آپ زمین پر
 دو زانو بیٹھ گئے اور فرمانے لگے۔ مسنوا! بندوں کے افعال تین حالتوں سے خالی نہیں، یا ان کے
 افعال کا فاعل صرف خدا ہے یا صرف بندہ ہے یا دونوں کی شرکت سے افعال واقع ہوتے ہیں اگر
 پہلی صورت ہے تو خدا کو بندہ پر عذاب کا حق نہیں، اگر تیسری صورت ہے تو بھی یہ انصاف کے
 خلاف ہے کہ بندہ کو سزا دے اور اپنے کو بچالے کیونکہ ارتکاب دونوں کی شرکت سے ہوا ہے۔ اب
 لا محالہ دوسری صورت ہوگی۔ وہ یہ کہ بندہ خود فاعل ہو اور ارتکاب قبیح پر خدا اُسے سزا دے۔

(بحار الانوار جلد ۱ ص ۱۸۵)۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں نے اس صاحبزادہ کو اس طرح نماز پڑھتے
 ہوئے دیکھ کر ان کے سامنے سے لوگ براہر گزر رہے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا
 کہ آپ کے صاحبزادے موسیٰ کاظم نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ان کے سامنے سے گزر رہے تھے،
 حضرت نے امام موسیٰ کاظم کو آواز دی وہ حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا۔ بیٹا، ابوحنیفہؒ کیا کہتے ہیں
 ان کا کہنا ہے کہ نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ تمہارے سامنے سے گزر رہے تھے۔ امام کاظم نے عرض
 کی بابا جان لوگوں کے گزرنے سے نماز پر کیا اثر پڑتا ہے، وہ ہمارے اور خدا کے درمیان حائل تو نہیں
 ہوتے تھے کیونکہ وہ تو "اقرب من جبل الورد" رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے، یہ سن کر آپ
 نے انہیں گلے سے لگایا اور فرمایا اس بچہ کو اسرار شریعت عطا ہو چکے ہیں (منقاب جلد ۵ ص ۶۹) ایک
 دن عبداللہ ابن مسلم اور ابوحنیفہؒ دونوں وارد مدینہ ہوئے، عبداللہ نے کہا چلو امام جعفر صادق علیہ السلام
 سے ملاقات کریں اور ان سے کچھ استفادہ کریں، یہ دونوں حضرت کے در دولت پر حاضر ہوئے یہاں
 پہنچ کر دیکھا کہ حضرت کے ماتھے والوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ اتنے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے بچا
 امام موسیٰ کاظم علیہ السلام برآمد ہوئے۔ لوگوں نے سر وقت تعظیم کی، اگرچہ آپ اُس وقت بت بھی کہنے

لیکن آپ نے علوم کے دریا بہانا شروع کئے۔ مجدد اللہ وغیرہ نے جو قدرے آپ سے دُور تھے۔ آپ کے قریب جاتے ہوئے آپ کی عزت و منزلت کا آپس میں تذکرہ کیا، آخر میں امام ابوحنیفہ نے کہا کہ چلو میں انھیں ان کے شیعوں کے سامنے رسوا اور ذلیل کرتا ہوں، میں ان سے ایسے سوالات کروں گا کہ یہ جواب نہ دے سکیں گے۔ مجدد اللہ نے کہا۔ یہ تمہارا خیال خام ہے، وہ فرزند رسول ہیں، الغرض دونوں حاضر خدمت ہوئے، امام ابوحنیفہ نے امام موسیٰ کاظم سے پوچھا۔ صاحبزادے! یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے شہر میں کوئی مشافر آجائے اور اُسے قصداً حاجت کرنی ہو تو کیا کرے اور اس کے لیے کونسی جگہ مناسب ہوگی۔ حضرت نے برجستہ فرمایا۔

”مشافر کو چاہیے کہ مکالوں کی دیواروں کے پیچھے چھپے، ہمسایوں کی نگاہوں سے بچے نروں کے کناروں سے پرہیز کرے۔ جن مقامات پر درختوں کے پھل گرتے ہوں۔ ان سے حذر کرے۔

مکالوں کے صحن سے علیحدہ، شاہراہوں اور راستوں سے الگ مسجدوں کو چھوڑ کر، نہ قبلہ کی جانب مُنہ کرے نہ پیٹھ۔ پھر اپنے کپڑوں کو بچا کر جہاں چاہے رفع حاجت کرے۔ یہ سن کر امام ابوحنیفہ حیران رہ گئے، اور مجدد اللہ کہنے لگے کہ میں نہ کہتا تھا کہ یہ فرزند رسول ہیں انھیں بچپن ہی میں ہر قسم کا علم ہوا کرتا ہے۔ (بحار مناقب و احتجاج) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مکان میں تشریف فرما تھے۔ اتنے میں آپ کے نورِ نظر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کہیں باہر سے واپس آئے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ بیٹے! ذرا اس مصرعہ پر مصرعہ لگا۔ ”تنشع عن القبیب ولا مزودک“ آپ نے فوراً مصرعہ لگایا۔ ”ومن اولیتہ حسنا فزودک“ بُری باتوں سے دُور رہو، اور اُن کا ارادہ بھی نہ کرو (۲) جس کے ساتھ بھلائی کرو، بھر پور کرو“ پھر فرمایا! اس پر مصرعہ لگاؤ۔ ”ستلقی من عدوک کل حید“ آپ نے مصرعہ لگایا۔ ”اذا کا والعد و فایتکدہ“ (تو جگمگے) (۱) تمہارا دشمن ہر قسم کا مکرو فریب کرے گا (۲) جب دشمن مکرو فریب کرے۔ تب بھی اُسے بُرائی کے قریب نہیں جانا چاہیے۔ (بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۳۶۶)

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت

۱۲۸ھ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات ہوئی، اس وقت سے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بذاتِ خود فرائض امامت کے ذمہ دار ہوئے۔ اس وقت سلطنتِ عباسیہ کے تخت پر منصور دوانقی بادشاہ تھا۔ یہ وہی ظالم بادشاہ تھا جس کے ہاتھوں لاتعداد ساداتِ مظلوم کا نشانہ بن چکے تھے۔ تلوار کے گھاٹ اُتارے گئے۔ دیواروں میں چھوٹائے گئے یا قید رکھے گئے تھے، خود

امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کی جا چکی تھیں اور مختلف صورتوں سے تکلیفیں پہنچائی گئی تھیں، یہاں تک کہ منصور ہی کا بھیجا ہوا زہر تھا جس سے آپ دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان حالات میں آپ کو اپنے جانشین کے متعلق یہ قطعی اندیشہ تھا کہ حکومتِ وقت اُسے زندہ نہ رہنے دے گی۔ اس لیے آپ نے آخری وقت ایک اخلاقی بوجھ حکومت کے کاندھوں پر رکھ دینے کے لیے یہ صورت اختیار فرمائی، کہ اپنی جائداد اور گھر بار کے انتظامات کے لیے پانچ شخصوں کی ایک جماعت مقرر فرمائی۔ جس میں پہلا شخص خود خلیفہ وقت منصور عباسی تھا۔ اس کے علاوہ محمد بن سیمان حاکم مدینہ اور عبد اللہ افطح جو امام موسیٰ کاظم کے سن میں بڑے بھائی تھے، اور حضرت امام موسیٰ کاظم اور ان کی والدہ معظمہ حمیدہ خاتون۔

امام کا اندیشہ بالکل صحیح تھا، اور آپ کا تحفظ بھی کامیاب ثابت ہوا۔ چنانچہ جب حضرت کی وفات کی اطلاع منصور کو پہنچی تو اس نے پہلے تو سیاسی مصلحت سے اظہارِ رنج کیا۔ یہیں مزید اتنا لُٹا دیتا ایسا راجعون، کہا اور کہا کہ اب بھلا جعفر کا مثل کون ہے؟ اس کے بعد حاکم مدینہ کو لکھا کہ اگر جعفر صادق نے کسی شخص کو اپنا وصی مقرر کیا ہو تو اس کا سر فوراً قلم کر دو، حاکم مدینہ نے جواب میں لکھا کہ انھوں نے تو پانچ وصی مقرر کئے ہیں جن میں سے پہلے آپ خود ہیں، یہ جواب سن کر منصور دیر تک خاموش رہا اور سوچنے کے بعد کہنے لگا کہ اس صورت میں تو یہ لوگ قتل نہیں کئے جا سکتے۔ اس کے بعد دکنس برس منصور زندہ رہا۔ لیکن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کوئی تعرض نہ کیا۔ اور آپ مذہبی فرائضِ امامت کی انجام دہی میں امن و سکون کے ساتھ مصروف رہے۔ یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں منصور شہر بغداد کی تعمیر میں مصروف تھا۔ جس سے ۵۵ھ یعنی اپنی موت سے صرف ایک سال پہلے اُسے فراغت ہوئی۔ اس لیے وہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے متعلق کسی نڈارتانی کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ لیکن اس عہد سے قبل وہ ساداتِ کاشی میں کمال دکھا چکا تھا۔ علامہ قرظی لکھتے ہیں کہ منصور کے زمانے میں بے انتہا سادات شہید کئے گئے ہیں اور جو بچے ہیں وہ وطن چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ انھیں تارکینِ وطن میں ہاشم بن ابراہیم بن اسماعیل الدیباج بن ابراہیم عمر بن الحسن المثنیٰ ابن امام حسن بھی تھے جنھوں نے ملتان کے علاقوں میں سے مقام "خان" میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ (المنزاع والتحصن ص ۴۲ طبع مصر)۔

۵۵ھ حج کے آخر میں منصور ووالقی دنیا سے رخصت ہوا، اور اس کا بیٹا ہمدی تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ شروع میں تو اُس نے بھی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے عزت و احترام کے خلاف کوئی برتاؤ نہیں کیا۔ مگر چند سال بعد پھر وہی بنی فاطمہ کی مخالفت کا جذبہ ابھرا اور ۵۸ھ حج میں جب وہ حج کے نام سے حجاز کی طرف گیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے ساتھ مکہ سے بغداد لے گیا اور قید کر دیا ایک

سال تک حضرت اُس کی قید میں رہے۔ پھر اُس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور حضرت کو مدینہ کی طرف واپسی کا موقع دیا گیا۔ جمادی کے بعد اُس کا بھائی ہادی سلسلہ ہجرت میں تخت سلطنت پر بیٹھا اور صرف ایک سال ایک ماہ تک اس نے سلطنت کی۔ اس کے بعد ہارون الرشید کا زمانہ آیا۔ جس میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو آزادی کی سانس لینا نصیب نہیں ہوئی (سوانح موسیٰ کاظم ص ۷)۔ علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ درجہ امامت پر فائز ہوئے اُس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ (اعلام الوری ص ۱۷۱)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعض کرامات

واقعہ شقیق بلخی

علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کے کرامات ایسے ہیں کہ ”تخار منہا العقول“ ان کو دیکھ کر عقلیں چکرا جاتی ہیں، مثال کے لیے ملاحظہ ہو؛ سلسلہ ہجرت میں شقیق بلخی حج کے لیے گئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جب مقام قادسیہ میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نہایت خوب صورت جوان جن کا رنگ ساوگر (گندم گوں) تھا وہ ایک عظیم مجمع میں تشریف فرما ہیں۔ جسم ان کا ضعیف ہے وہ اپنے کپڑوں کے اوپر ایک کیسل ڈالے ہوئے ہیں اور پیروں میں جوتیاں پہنے ہوئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ مجمع سے ہٹ کر ایک علیحدہ مقام پر جا کر بیٹھ گئے، میں نے دل میں سوچا کہ یہ صوفی ہے اور لوگوں پر نازدارہ کے لیے بار بننا چاہتا ہے، میں ابھی اُس کی ایسی تیبہہ کروں گا کہ یہ بھی یاد کرے گا، غرضیکہ میں ان کے قریب گیا۔ جیسے ہی میں اُن کے قریب پہنچا ہوں، وہ بولے۔ ”اے شقیق بلغانی مت کیا کرو یہ اچھا شیوہ نہیں ہے، اس کے بعد وہ فوراً اُٹھ کر روانہ ہو گئے، میں نے خیال کیا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ انھوں نے میرا نام لے کر مجھے مخاطب کیا اور میرے دل کی بات جان لی، اس واقعہ سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہونہ ہو یہ کوئی عجب صالح ہوں۔ بس یہی سوچ کر میں اُن کی تلاش میں نکلا اور ان کا پیچھا کیا، خیال تھا کہ وہ مل جائیں تو میں ان سے کچھ سوالات کروں لیکن نہ مل سکے۔ ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگ بھی روانہ ہوئے۔ چلتے چلتے جب ہم ”وادئ فضلہ“ میں پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ وہی جوان صالح یہاں نماز میں مشغول ہیں اور اُن کے اعضاء و جوارح بیدار، مانند کانپ رہے ہیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں یہ سوچ کر اُن کے قریب گیا کہ اب اُن سے معافی طلب کروں گا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو بولے اے شقیق! خدا کا قول ہے کہ جو توبہ کرتا ہے میں اُسے بخش دیتا ہوں اس کے بعد پھر روانہ ہو گئے۔ اب میرے دل میں یہ آیا کہ یقیناً یہ بندہ عابد، کوئی ابدال ہے، کیوں کہ

دو بار میرے ارادہ سے اپنی واقفیت ظاہر کر چکا ہے۔ میں نے ہر چند پھر ان سے ملنے کی سعی کی۔ لیکن وہ نزل سکے۔ جب میں منزل زباکو پر پہنچا تو دیکھا کہ وہی جوان ایک کنوئیں کی جگت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُس کے بعد انھوں نے ایک کوزہ نکال کر کنوئیں سے پانی لینا چاہا، ناگاہ ان کے ہاتھ سے کوزہ چھوٹ کر کنوئیں میں گر گیا، میں نے دیکھا کہ کوزہ گرنے کے بعد انھوں نے آسمان کی طرف منہ کر کے بارگاہِ احدیت میں کہا: میرے پالنے والے جب میں پیسا ہوتا ہوں تو ہی سیراب کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہوں، تو ہی کھانا دیتا ہے۔ خدایا! اس کوزہ کے علاوہ میرے پاس اور کوئی برتن نہیں ہے۔ میرے مالک! میرا کوزہ پُر آب برآمد کر دے۔ اُس جوان صالح کا یہ کہنا تھا کہ کنوئیں کا پانی بلند ہوا اور اوپر تک آگیا۔ آپ نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوزہ پانی سے بھرا ہوالے لیا اور وضو فرما کر چار رکعت نماز پڑھی۔ اُس کے بعد آپ نے ریت کی ایک مٹھی اٹھائی اور پانی میں ڈال کر کھانا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر میں عرض پر واڑ ہوا۔ جناب والا! مجھے بھی کچھ عنایت ہو میں بھوکا ہوں۔ آپ نے وہی کوزہ میرے حوالہ کر دیا۔ جس میں ریت بھری تھی۔ خدا کی قسم جب میں نے اُس میں سے کھایا تو اُسے ایسا لذیذ ستو پایا جیسا میں نے کھایا ہی نہ تھا۔ پھر اُس ستو میں ایک خاص بات یہ تھی کہ میں جب تک سفر میں رہا، بھوکا نہیں ہوا۔ اس کے بعد آپ نظروں سے غائب ہو گئے۔ جب میں مکہ معظمہ پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک بالو (ریت) کے ٹیلے کے کنارے مشغول نماز میں اور حالت آپ کی یہ ہے۔ کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور بدن پر خشوع و حضور کے آثار نمایاں ہیں۔ آپ نماز ہی میں مشغول تھے کہ صبح ہو گئی، آپ نے نماز صبح ادا فرمائی اور اس سے اٹھ کر طواف کا ارادہ کیا، پھر سات بار طواف کرنے کے بعد ایک مقام پر ٹھہرے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کے گرد بیستار حضرت ہیں اور بے انتہا تعظیم و تکریم کر رہے ہیں۔ میں چونکہ ایک ہی سفر میں کرامات دیکھ چکا تھا اس لیے مجھے بہت زیادہ فکر تھی کہ یہ معلوم کروں کہ یہ بزرگ ہیں کون؟ چنانچہ میں ان کے گرد جو لوگ جمع تھے ان کے قریب گیا اور میں نے پوچھا کہ یہ صاحب کرامات کون ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ فرزند رسول حضرت امام موسیٰ کاظم ہیں، میں نے کہا بے شک ایسے کرامات جو میں نے دیکھے وہ اسی گھرانے کے لیے سزاوار ہیں۔ (مطالب السؤل صفحہ ۲۷۹، نور الابصار ص ۱۳۵ و شواہد النبوت ص ۱۹۳، صواعق مخرقة ص ۱۲، الحج المطالب ص ۲۵۲۔ مورخ ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ شقیق ابن ابراہیم بلخی کا انتقال سنہ ۱۹۱ھ میں ہوا تھا۔ (تاریخ اسلام، جلد ۵۹)۔ امام بلخی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ عیسیٰ مائسی حج کے لیے گئے اور ایک سال مکہ میں رہنے کے بعد وہ مدینہ چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہاں بھی ایک سال گزاریں گے، مدینہ پہنچ کر انھوں نے جناب ابوذر کے مکان کے قریب ایک مکان میں قیام کیا۔ مدینہ میں ٹھہرنے کے بعد انھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے وہاں آنا جانا شروع کیا۔ مائسی کا بیان ہے کہ ایک شب کو بارش

ہو رہی تھی اور میں اُس وقت امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ تم فوراً اپنے مکان چلے جاؤ کیونکہ ”انہدام البیت علی متاعک“ تمہارا مکان تمہارے اثنا عشر پر گر گیا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ یہ سُن کر میں فوراً مکان کی طرف گیا، دیکھا کھگر گر چکا ہے اور لوگ سامان نکال رہے ہیں۔ دوسرے دن جب حاضر ہوا تو امام علیہ السلام نے پوچھا کہ کوئی چیز چوری تو نہیں گئی، میں نے عرض کی صرف ایک طشت نہیں ملتا جس میں وضو کیا کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا وہ چوری نہیں گیا۔ بلکہ اندام مکان سے قبل تم اسے بیت الخلاء میں رکھ کر بھول گئے ہو، تم جاؤ اور مالک کی لڑکی سے کہو، وہ لادے گی۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور طشت مل گیا۔
(نور الابصار ص ۱۳۵)۔

علامہ جامی، تخریر فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک صحابی کے ہمراہ تنویر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بطور نذر ارسال کیا وہ اسے لے کر مدینہ پہنچا، یہاں پہنچ کر اُس نے سوچا کہ امام کے ہاتھوں میں اسے جانا ہے لہذا پاک کر لینا چاہیے وہ کہتا ہے کہ میں نے ان دیناروں کو جو امانت تھے شمار کیا تو وہ تناوے تھے۔ میں نے اُن میں اپنی طرف سے ایک دینار شامل کر کے تنویر پورا کر دیا۔ جب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا سب دینار زمین پر ڈال دو۔ میں نے تھیلی کھول کر سب زمین پر نکال دیا۔ آپ نے میرے بتائے بغیر اس میں سے میرا وہی دینار جو میں نے ملایا تھا نکال کر مجھے دے دیا اور فرمایا بیچنے والے نے عدد کا لحاظ نہیں کیا بلکہ وزن کا لحاظ کیا ہے جو ۹۹ میں پورا ہوتا ہے۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقظین نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر اُن کا خط دیا، انھوں نے اُسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اُس کا یہ جواب ہے (شواہد النبوت ص ۱۹۵) ابوبصیر کا بیان ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام دل کی باتیں جانتے تھے۔ اور ہر سوال کا جواب کھتے تھے۔ ہر جاندار کی زبان سے واقف تھے۔ (رواح المصطفیٰ ص ۱۶۲)، البرحمہ بطائنی کا کہنا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت کے ساتھ حج کو جا رہا تھا کہ راستہ میں ایک شیر برآمد ہوا، اُس نے آپ کے کان میں کچھ کہا۔ آپ نے اُس کو اُسی زبان میں جواب دیا اور وہ چلا گیا۔ ہمارے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اُس نے اپنی شیرنی کی ایک تکلیف کے لیے دُعا کی خواہش کی، میں نے دُعا کر دی اور وہ واپس چلا گیا۔ (تذکرۃ المعصومین ص ۱۹۳)۔

۱۔ علی بن یقظین امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے تھے۔ ۱۲۱ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور ۱۹۲ھ میں بمقام ہندو بصرہ، ۵ سال فوت ہوئے انھوں نے کئی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ (رجال طوسی ص ۳۵۵ طبع نجف اشرف)۔

خلیفہ مہدی عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

منصور دوانقی کے بعد ۱۵۰ھ میں مہدی عباسی خلیفہ وقت قرار پایا۔ اُس نے اپنی زندگی میں کچھ اچھے کام بھی کئے ہیں۔ اُس نے بہت سے محدود کو خاک میں ملایا ہے۔ مانی جو فلسفی تھا اور مزدک متونی جو ظنی صدی عیسوی کے عقائد سے غلط گمراہ کن عقیدہ کی نشوونما کرتا تھا، کو اس نے قتل کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ آلِ محمد کے ساتھ بھی اس کی روش معتدل تھی۔ لیکن یہ اعتدال بہت دنوں باقی نہیں رہا اور یہ اپنے آباؤ اجداد کے جادہ پر بہت تھوڑے ہی عرصہ میں چل نکلا اور اس امر کی کوشش کرنے لگا کہ آلِ محمد کا کوئی معتز فرد زندہ نہ رہنے پائے، بلکہ کوئی ایسا شخص بھی محفوظ نہ رہے جو آلِ محمد کو دوست رکھتا ہو۔ تواریخ میں ہے کہ اُس نے یعقوب ابن داؤد کو جو زیدی مذہب کے تھے، اپنا وزیر اعظم بنا کر فہام کے تمام کام ان سے لیے اور یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہ دوستدار آلِ محمد ہیں انھیں قید کر دیا۔ صاحبِ حبیب السیر لکھتے ہیں کہ یعقوب ہمیشہ سے دوستدار آلِ اہل بیت میں سے تھا۔ یحییٰ بن زید اور ابراہیم برادرِ نفسِ زکیہ کے رفیقوں میں سے تھا۔ شہادتِ ابراہیم کے بعد منصور نے اُسے قید کر دیا تھا۔ مہدی نے لائق دیکھ کر اُسے وزیر بنا لیا تھا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۵۱۵) جب لوگوں نے مہدی کو یہ باور کرا دیا کہ یہ آلِ محمد کا خاص دلدادہ ہے تو اُس نے اُن سے کہا کہ میں تمھیں ایک باغ ایک لونڈی اور ایک لاکھ درہم دیتا ہوں، تم قید خانہ میں جا کر فلاں علوی کو قتل کرو، انھوں نے سب کچھ لینے کے بعد اس علوی کو اس کے دو رفیقوں سمیت قید خانہ سے رہا کر دیا اور اُسے کافی مال دے کر اس سے کہا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ کسی طرف چلے گئے۔ چند دنوں کے بعد اس کینز نے جو انھیں ملی تھی۔ مہدی سے بتا دیا کہ انھوں نے علوی کو قتل کرنے کے بجائے اُسے رہا کر دیا اور یہی نہیں۔ بلکہ تیرے دیسے ہوئے مال سے اُسے کافی نوازا بھی ہے۔ مہدی نے آپ کی تلاشی لی اور واقعات کا پتہ لگایا۔ واقعہ چونکہ صحیح تھا اس وجہ سے وہ برہم ہو گیا اور اُس نے اُن کو قید کا حکم دے دیا۔ یعقوب قید کر دیسے گئے اور مدتِ العمر قید میں رہے۔ علامہ یاضی لکھتے ہیں کہ یعقوب کو مہدی کے حکم سے ایسے کنوئیں میں قید کیا گیا جس میں روشنی نہ جاسکتی تھی۔ جس کے نتیجے میں وہ بالکل اندھے ہو گئے، یعقوب اسی قید خانہ میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ ہارون رشید کا زمانہ آیا اور اُس نے انھیں رہا کر کے کو معظلم بھیج دیا، جہاں یہ ۱۸۷ھ میں انتقال فرما گئے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (مرآة الجنان جلد ۱ ص ۱۹ طبع حیدرآباد دکن)۔

امام موسیٰ کاظم کی بغداد میں قتل کیلئے طلبی | جیسا کہ میں نے اوپر تحریر کیا ہے کہ مہدی چند دنوں سے زیادہ آلِ محمد کا طرف دار نہیں

رہا۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ اُس نے امام علیہ السلام کو دیندہ سے بغداد طلب کر لیا، اور اس طلبی کا مقصد
 یہ تھا کہ وہاں بلا کر انھیں قتل کرادے۔ بہر صورت اسی مقصد کے پیش نظر حکم پہنچا کہ آپ بغداد حاضر
 ہوں، امام علیہ السلام حسب الحکم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ علامہ شلبی اور علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ
 جب منزل ”زبالہ“ پر پہنچے تو آپ سے ابو خالد نے ملاقات کی۔ ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت
 امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ اُن لوگوں کی حراست میں تشریف لارہے ہیں جو بغداد سے
 آپ کو لانے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ میں حضرت کے قریب گیا اور میں نے سلام کیا، مجھے دیکھ کر امام
 علیہ السلام خوش ہو گئے اور مجھ سے فرمانے لگے کہ فلاں فلاں چیزیں خرید کر اپنے پاس رکھ لینا جب
 میں واپس آؤں گا تو لے لوں گا، میں نے عرض کی بہت بہتر تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا۔
 ابو خالد رنجیدہ کیوں ہو۔ میں نے عرض کی، مولا! آپ دشمنوں کے منہ میں جا رہے ہیں۔ ڈرتا ہوں
 کہ نہ جانے وہ کیا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ میں انشاء اللہ واپس آؤں گا۔ اور ابو خالد نے
 تم فلاں تاریخ بوقت شام میرا انتظار کرنا، یہ فرما کر آپ روانہ ہو گئے اور بغداد واپس پہنچے۔ علامہ
 ابن طلحہ و علامہ جامی لکھتے ہیں کہ بغداد پہنچتے ہی آپ قید کر دیے گئے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ
 تھوڑے دن قید رکھنے کے بعد مہدی نے آپ کو قتل کر دینا چاہا اور اسی لیے اس نے حمید ابن
 قحطبه کو آدھی رات کے وقت بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ میرے اور تمہارے باپ اور بھائی کے
 درمیان کتنے اچھے تعلقات تھے، اور سنو اس وقت مجھے تم سے ایک ضروری کام لینا ہے کیا تم اسے
 کر سکو گے، اس نے کہا کہ ہاں ضرور کروں گا، اور اسے بادشاہ اگر تعمیل ارشاد میں میرا مال، میری جان
 میری اولاد حتیٰ کہ میرا ایمان بھی کام آجائے تو پرواہ نہیں۔ خلیفہ مہدی نے کہا ”اللہ درکت“ خدا
 تمہارا بھلا کرے۔ مجھے تم سے اسی کی توقع تھی، دیکھو کام یہ ہے کہ تم امام موسیٰ کاظم کو صبح ہونے سے
 پہلے قتل کرو، اُس نے کہا بہتر ہے، بات طے ہو گئی، حمید چلا گیا۔ مہدی محو استراحت ہوا، ابھی
 تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ امیر المومنین علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور اُس سے کہنے لگے
 کہ کیا تمہیں حکومت اسی لیے دی گئی ہے کہ تم اہل قرابت کو تباہ کر دو، ہوش میں آؤ اور اپنے
 ارادہ نجس سے باز آؤ، یہ دیکھ کر مہدی بیدار ہو گیا اور اُس نے فوراً حمید کو کھلا بھیجا کہ میں نے
 جو حکم دیا ہے، اُس پر آج عمل نہ کرنا۔ اسی خواب کی وجہ سے مہدی نے انھیں رہا کر کے دین نہ بھیج دیا
 علامہ جامی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ امام واپس آ رہے تھے اور ابو خالد زبالوی کا حال یہ تھا کہ جس دن
 سے امام زبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ یہ بڑی مشکلوں سے دن رات کاٹ رہے تھے جب وہ
 دن آیا جس دن امام نے پہنچنے کا وعدہ فرمایا تھا، یہ گھر سے نکل کر بغداد کے راستے پر کھڑے ہو گئے
 سورج ڈوبتے ہی ان کا دل ڈوبنے لگا اور انھیں یہ شبہ پیدا ہونے لگا کہ شاید امام علیہ السلام پر

کون مضمیت آگئی ہے، ناگاہ دیکھا کہ عراق کی طرف سے غبارِ مودار ہوا، اور اس کے آگے آگے امام علیہ السلام خچر پر سوار چلے آ رہے ہیں، یہ دیکھ کر مسرور ہو گئے اور استقبال کے لیے دوڑ پڑے۔ امام نے فرمایا اے ابو خالد میں اپنے کئے کے مطابق واپس آ گیا ہوں۔ لیکن ایک موقع ایسا بھی آنے والا ہے کہ بغداد جا کر واپس نہ آسکوں گا۔ (نور الابصار ص ۱۲) دوسرے جلد ۳ ص ۱۶ بحوالہ مناقب و بحار جلد ۹ ص ۱۶، شواہد النبوت ص ۱۹، مطالب السؤل ص ۱۷ پھر وہاں سے روانہ ہو کر آپ پندرہ منورہ پہنچے۔ اور بدستور فرات فیض امامت کی ادائیگی میں مصروف ہو گئے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہادی عباسی کی قید میں

تاریخ میں ہے کہ ممدی کے بعد اس کا بیٹا ہادی عباسی ۲۲ محرم ۱۶۹ھ مطابق ۷۸۵ء میں تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ مسز ذاکر حسین لکھتے ہیں کہ ہادی بڑا خود سر، خود رائے، ضدی، ظالم، خود بخوار اور بے رحم تھا۔ . . . شراب پیتا اور لہو و لعل میں مصروف رہتا تھا۔

ہادی کو آلِ محمد سے ذہبی بغض و عناد تھا جو اس کے آباء و اجداد کو تھا، اسی کی سلطنت میں اور اسی کے عہدِ حکومت میں مدینہ کے گورنر نے امام حسن کی اولاد میں سے بعض افراد پر بارہ خواری کا جھوٹا الزام لگا کر پٹوایا اور ان کے گلے میں رستیاں بندھوا کر مدینہ کے کوچہ و بازار میں تشہیر کرایا اور کئی سو بی بی حسن کو قتل کرایا اور ان کی نمایاں فرد جناب حسین بن علی بن حسن مثلث بن حسن مثنیٰ کا سر کٹوا کر بغداد بھجوا دیا اور یوری طاقت سے سادات کا استیصال کرتا رہا۔ (تاریخ اسلام جلد ۷ ص ۵۵) ہادی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ ذہبی کچھ کیا جو امام کے آباء و اجداد کے ساتھ کتے آتے تھے۔ علامہ ابن حجر المکی لکھتے ہیں کہ خلیفہ ہادی بن ممدی نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو قید کر دیا۔ آپ قید کی صعوبت برداشت کر رہے تھے کہ ایک شب حضرت علی نے اُس کے سامنے خواب میں ایک آیت پڑھی۔ جس کا ترجمہ یہ ہے: کو کیا اسی لیے تم حاکم بنے ہو کہ فساد برپا کرو، اور قطع رحم کرو۔ اس خواب سے وہ بیدار ہوا، اور اس نے فوراً آپ کی رہائی کا حکم دے دیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۲ و ارجح المطالب ص ۲۵۳)۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمال و اوصاف

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اس مقدس سلسلہ کی ایک فرد تھے جس کو خالق نے نوعِ انسان کے لیے معیارِ کمال قرار دیا تھا۔ اسی لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت

میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مرقع تھا۔ بے شک یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض افراد میں بعض صفات اتنے متناظر نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے۔ چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی صفت انہی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب "کاظم" قرار پایا۔ جس کے معنی ہی ہیں "غصے کو پینے والا"۔ آپ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آتے۔ مدینہ کے ایک حاکم سے آپ کو سخت تکلیفیں پہنچیں۔ یہاں تک کہ وہ جناب امیر علیہ السلام کی شان میں بھی نازیبا الفاظ استعمال کیا کرتا تھا۔ مگر حضرت نے اپنے اصحاب کو ہمیشہ اس کے جواب دینے سے روکا۔

جب اصحاب نے اُس کی گستاخیوں کی بہت شکایت کی اور کہا کہ اب ہمیں ضبط کی تاب نہیں رہیں ان سے انتقام لینے کی اجازت دی جائے، تو حضرت نے فرمایا کہ میں خود اس کا تدارک کروں گا۔ اس طرح اُن کے جذبات میں سکون پیدا کرنے کے بعد حضرت خود اُس شخص کے پاس اُس کی زراعت پر تشہیف لے گئے اور کچھ ایسا احسان اور حسن سلوک فرمایا کہ وہ اپنی گستاخیوں پر نادم ہوا، اور اپنے طرز عمل کو بدل دیا۔ حضرت نے اپنے اصحاب سے صورت حال بیان فرما کر پوچھا کہ جو میں نے اُس کے ساتھ کیا وہ اچھا تھا یا جس طرح تم لوگ اس کے ساتھ کرنا چاہتے تھے۔ سب نے کہا یقیناً حضور نے جو طریقہ اختیار فرمایا اُوسی بہتر تھا، اسی طرح آپ نے اپنے جد بزرگوار حضرت امیر علیہ السلام کے اس ارشاد کو عمل میں لا کر دکھلایا جو آج تک "نہج البلاغۃ" میں موجود ہے کہ اپنے دشمن پر احسان کے ساتھ فتح حاصل کرو۔ کیونکہ یہ دو قسم کی فتح میں زیادہ پر لطف کامیابی ہے۔ بے شک اس لیے فریق مخالف کے طرف کا صحیح اندازہ ضروری ہے اور اسی لیے حضرت علیؑ نے ان الفاظ کے ساتھ یہ بھی فرمایا ہے کہ "خبردار! یہ عدم تشدد کا طریقہ نا اہل کے ساتھ اختیار نہ کرنا ورنہ اس کے تشدد میں اضافہ ہو جائے گا۔"

یقیناً ایسے عدم تشدد کے موقع کو پہچاننے کے لیے ایسی ہی بالغ نگاہ کی ضرورت ہے جیسی امام کو حاصل تھی، مگر یہ اس وقت میں ہے جب مخالف کی طرف سے کوئی ایسا عمل ہو چکا ہو جو اس کے ساتھ انتقامی تشدد کا جواز پیدا کر سکے۔ لیکن اگر اس کی طرف سے کوئی اقدام ابھی ایسا نہ ہوا ہو تو یہ حضرات بہر حال اس کے ساتھ احسان کرنا پسند کرتے تھے تاکہ اس کے خلاف حجت قائم ہو اور اُسے ایسے جارحانہ اقدام کے لیے تلاش سے بھی کوئی عذر نہ مل سکے بالکل اسی طرح جیسے ابن مہجم کے ساتھ جو جناب امیر علیہ السلام کو شبید کرنے والا تھا۔ آخر وقت تک جناب امیر علیہ السلام احسان فرماتے رہے۔ اسی طرح محمد بن اسماعیل کے ساتھ جو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جان لینے کا باعث ہوا، آپ احسان فرماتے رہے یہاں تک کہ اس سفر کے لیے جو اُس نے مدینہ سے بغداد کی جانب خلیفہ عباسی کے پاس امام موسیٰ

کاظم علیہ السلام کی شہادتیں کرنے کے لیے کیا تھا۔ ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم کی رقم خود حضرت ہی نے عطا فرمائی تھی جس کو وہ لے کر روانہ ہوا تھا۔

آپ کو زمانہ بہت ناسازگار ملا تھا۔ نہ اُس وقت وہ علمی دربار قائم رہ سکتا تھا جو امام جعفر صادق

علیہ السلام کے زمانہ میں قائم رہ چکا تھا۔ دوسرے ذرائع سے تبلیغ و اشاعت ممکن تھی۔ بس آپ کی

خاموش سیرت ہی تھی جو کونیا کو آل محمد کی تعلیمات سے روشناس بنا سکتی تھی۔ آپ اپنے مجموعوں

میں بھی اکثر بالکل خاموش رہتے تھے۔ یہاں تک کہ جب تک آپ سے کسی امر کے متعلق کوئی سوال

نہ کیا جائے۔ آپ گفتگو میں ابتدا بھی نہ فرماتے تھے۔ اس کے باوجود آپ کی علمی جلالت کا سکہ

دوست اور دشمن سب کے دل پر قائم تھا۔ اور آپ کی سیرت کی بلندی کو بھی سب مانتے تھے۔

اس لیے عام پر آپ کو اکثر عبادت اور شب زندہ داری کی وجہ سے عمد صالح کے لقب سے یاد

کیا جاتا تھا۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی کا بھی شہرہ تھا اور فقرا۔ مدینہ کی اکثر پوشیدہ طور پر

تجربہ گیری فرماتے تھے۔ ہر نماز صبح کی تعقیبات کے بعد، آفتاب کے بلند ہونے کے بعد سے پیشانی سجدہ

میں رکھ دیتے تھے اور زوال کے وقت سر اٹھاتے تھے۔ قرآن مجید کی نہایت دلکش انداز میں تلاوت

فرماتے تھے خود بھی روتے جاتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی آپ کی آواز سے متاثر ہو کر روتے

تھے (سوانح موسیٰ کاظم ص ۷۷ و اعلام لوری ص ۱۷۸)۔ علامہ شبلی بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

کا یہ طریقہ اور وطیرہ تھا کہ آپ فقیروں کو ڈھونڈا کرتے تھے اور جو فقیر آپ کو مل جاتا تھا، اس کے

گھر میں روپیہ پیسہ اشرفی اور کھانا، پانی پہنچایا کرتے تھے۔ اور یہ عمل آپ کا رات کے وقت ہوتا

تھا۔ اس طرح آپ فقرا، مدینہ کے بے شمار گھروں کا آرزو قرار رہے تھے، اور نطف یہ ہے کہ اُن

لوگوں تک کو یہ پتہ نہ تھا کہ ہم تک سامان پہنچانے والا ہے کون؟ یہ راز اُس وقت کھلا جب آپ

دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ (نور الابصار ص ۱۳۶ طبع مصر) اسی کتاب کے ص ۱۳۳ میں ہے کہ آپ ہمیشہ

دن بھر روزہ رکھتے اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ علامہ خطیب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ

بے انتہا عبادت و ریاضت فرمایا کرتے تھے اور طاعت خدا میں اس درجہ شدت برداشت کیا کرتے

تھے جس کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک دفعہ مسجد نبوی میں آپ کو دیکھا گیا کہ آپ سجدہ میں مناجات فرما

رہے ہیں اور اس درجہ سجدہ کو طول دیا کہ صبح ہو گئی۔ وفيات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۱) ایک شخص

آپ کی برابر بلا وجہ برائیاں کیا کرتا تھا۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے ایک ہزار دینار

(اشرفی) اس کے گھر پر بطور انعام بھجوا دیا۔ (روایح المصطفیٰ ص ۲۶۴) جس کے تجربہ میں وہ اپنی حرکت باز آ گیا

آپ کو اگرچہ تصنیفات کا موقع ہی نہیں نصیب ہوا

لیکن پھر بھی آپ اس کی طرف متوجہ رہے ہیں۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی تصنیفات

آپ کی ایک تصنیف جس کا ذکر علامہ حلپی نے بحوالہ حافظ ابو نعیم اصفہانی کیا ہے وہ مسند امام موسیٰ کاظم ہے۔ (کشف المظنون ص ۲۳۳ و ارجح المطالب ص ۲۵۲)۔

آپ کی مرویات | آپ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں جن میں کی دو یہ ہیں "ان نظر لڑکے کا اپنے والدین کے چہروں پر نظر کرنا عبادت ہے (۲) کل خلعة یطوی المرء علیہا لیس العذب والحیانة (ترجمہ) جھوٹ اور حیانت کے علاوہ مومن ہر عادت اختیار کر سکتا ہے (نور الابصار ص ۱۳۲) احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ آپ کا سلسلہ روایات اتنا اہم ہے کہ "لوقوی علی الجنون لافاقہ" یعنی اگر جنون پر پڑھ کر دم کر دیا جائے تو اس کا جنون جاتا رہے (منہاج جلد ۵ ص ۴۳)۔

خلیفہ ہارون الرشید عباسی اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

۵۱۰ ریح الاول سن ۱۱۰ھ کو ہمدی کا بیٹا ابو جعفر ہارون رشید عباسی خلیفہ وقت بنایا گیا۔ اُس نے اپنا وزیر اعظم شیخ بن خالد برکی کو بنایا اور امام ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف کو قاضی خضاع کا درجہ دیا۔ بروایت ذہبی اُس نے اگرچہ بعض اچھے کام بھی کئے ہیں لیکن لہو و لعب اور حصول لذات ممنوعہ میں منفر د تھا۔ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ یہ اپنے دادا منصور دوانقی کے نقش قدم پر چلتا تھا۔ فرق اتنا تھا کہ وہ بخیل تھا اور یہ سخی۔ یہ پہلا خلیفہ ہے جس نے راگ راگنی اور موسیقی کو شریف پیشہ قرار دیا تھا۔ اُس کی پیشانی پر سادات کشی کا بھی نمایاں داغ ہے۔ علم موسیقی کا ماہر ابو اسحاق ابراہیم موصلی اس کا درباری تھا۔ حبیب السیر میں ہے کہ یہ پہلا اسلامی بادشاہ ہے جس نے میدان میں گیند بازی کی اور شطرنج کے کھیل کا شوق کیا۔ احادیث میں ہے کہ شطرنج کھینا بہت بڑا گناہ ہے۔ جامع الاخبار میں ہے کہ جب امام حسین کا سردار باریز میں پہنچا تھا تو وہ شطرنج کھیل رہا تھا۔ تاریخ الخلفاء سیوطی میں ہے کہ ہارون رشید اپنے باپ کی مدعو لہو لہڈی پر عاشق ہو گیا۔ اُس نے کہا میں تمہارے باپ کے پاس رہ چکی ہوں، تمہارے لیے حلال نہیں ہوں۔ ہارون نے قاضی ابو یوسف سے فتویٰ طلب کیا۔ انہوں نے کہا آپ اس کی بات کیوں مانتے ہیں، یہ جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔ اس فتویٰ کے سہارے سے اُس نے اُس کے ساتھ بد فعلی کی۔ علامہ سیوطی یہ بھی لکھتے ہیں کہ بادشاہ ہارون نے ایک لونڈی خرید کر اُس کے ساتھ اسی رات بلا استمبرا جماع کرنا چاہا۔ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ اسے اپنے کسی لڑکے کو بہہ کر کے استعمال کر لیجئے۔ علامہ سیوطی کا کہنا ہے کہ اس فتویٰ کی اُجرت امام ابو یوسف نے ایک لاکھ

درہم لی تھی۔ علامہ ابن خلدان کا کہنا ہے کہ ابوحنیفہ کے شاگردوں میں ابو یوسف کی نظیر نہ تھی۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہ کا ذکر بھی نہ ہوتا۔

تاریخ اسلام مسطر ذاکر حسین میں بحوالہ الصحاح الاخبار مرقوم ہے کہ ہارون رشید کا درجہ سادات کئی میں منصور سے کم نہ تھا۔ اُس نے ۱۹۷ھ میں حضرت نفیس زکریا علیہ الرحمۃ کے بھائی یحییٰ کو دیوار میں زندہ چنوا دیا تھا۔ اسی نے امام موسیٰ کاظم کو اس اندیشہ سے کہ کہیں یہ ولی اللہ میرے خلاف علم بناوات بلند نہ کریں اپنے ساتھ حجاز سے عراق میں لا کر قید کر دیا۔ اور ۱۸۳ھ میں زہر سے ہلاک کر دیا۔ علامہ مجلسی تحفۃ الزائرین لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے دوسری صدی ہجری میں امام حسین علیہ السلام کی قبر مطہر کی زمین جتنا ہی تھی اور قبر پر جو بیری کا درخت بطور نشان موجود تھا اُسے کٹوا دیا تھا۔ جلال العیون اور مقام میں بحوالہ امالی شیخ طوسی مرقوم ہے کہ جب اس واقعہ کی اطلاع جریرا بن عبد الحمید کو ہوئی تو انھوں نے کہا کہ رسول خدا صلعم کی حدیث ”لعن اللہ قاتل اطع السدرۃ“ بیری کے درخت کاٹنے والے پر خدا کی لعنت، کا مطلب اب واضح ہوا۔ (تصویر) کہ بلا صلاطح دہلی ۱۳۳۵ھ)۔

ہارون رشید کا پہلا حج اور امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پہلی گرفتاری

موتخ البرافدا لکھتا ہے کہ عنان حکومت لینے کے بعد ہارون رشید نے ۱۹۷ھ میں پہلے حج کیا۔ علامہ ابن حجر کی تحریر فرماتے ہیں کہ

”جب ہارون رشید حج کو آیا تو لوگوں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بارے میں چغلی کھائی کہ اُن کے پاس ہر طرف سے مال چلا آتا ہے، اتفاق سے ایک روز ہارون رشید خانہ کعبہ کے نزدیک حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور کہنے لگا تم ہی جو جن سے لوگ چھپ چھپ کر بیعت کرتے ہیں۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دلوں کے امام ہیں اور آپ جسموں کے۔ پھر ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ تم کس قبیل سے کہنے ہو کہ ہم رسول اللہ کی ذریت ہیں۔ حالانکہ تم علی کی اولاد ہو اور ہر شخص اپنے دادا سے منتسب ہوتا ہے۔ نانا منتسب نہیں ہوتا۔ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے کرم ذرا ان محمد میں ارشاد کرتا ہے۔ ”ومن ذریتہ داؤد و سلیمان و ایوب و زکریا و یحییٰ و عیسیٰ“ اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ بے باپ کے پیدا ہونے تھے تو جس طرح محض اپنی والدہ کی نسبت سے ذریت انبیاء میں ملتی ہوئے۔ اسی طرح ہم بھی اپنی مادر گرامی جناب فاطمہ کی نسبت سے جناب رسول خدا کی ذریت میں ٹھہرے، پھر فرمایا کہ جب آیتہ مبارکہ نازل ہوئی تو مباہلے کے وقت پیغمبر نے سوا علی اور فاطمہ اور حسن و حسین کے کسی کو نہیں بلایا اور فرموائے ”ابنا نا“ حضرت حسن و

حضرت حسین ہی رسول اللہ کے بیٹے قرار پائے۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲۱ فوراً ابصار ص ۱۳۲ اراج المطالب ص ۲۵۲)
 علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ ہارون رشید حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ آیا اور زیارت کے لیے
 روضہ مقدسہ نبوی پر حاضر ہوا۔ اُس وقت اس کے گرد قریش اور دیگر قبائل عرب جمع تھے، نیز حضرت
 امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی ساتھ تھے۔ ہارون رشید نے حاضرین پر اپنا فخر ظاہر کرنے کے لیے قبر
 مبارک کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ سلام ہو آپ پر اسے رسول اللہ! اے ابن عم (میرے چچا زاد
 بھائی) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ سلام ہو، آپ پر اے میرے پدر بزرگوار!
 یہ سن کر ہارون کے چہرہ کارنگ فق ہو گیا، اور اُس نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اپنے
 ہمراہ لے جا کر قید کر دیا۔ (وفیات الاعیان جلد ۲ ص ۱۳۱ و تاریخ احمدی ص ۲۳۹)۔

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ ہارون رشید کے قید خانہ میں تھے۔
 ہارون نے آپ کا امتحان کرنے کے لیے ایک نہایت حسین و جمیل لڑکی، آپ کی خدمت کرنے کے
 لیے قید خانہ میں بھیج دی۔ حضرت نے جب اُسے دیکھا تو لانے والے سے فرمایا کہ ہارون سے جا کر
 کہہ دینا کہ اُنھوں نے یہ بدیہ واپس کیا ہے اور کہا ہے کہ "بل انتم بھدیتکہ تفرحون" وہ
 عطاے توبہ لقا تو اس سے تم ہی خوشی حاصل کرو۔ اُس نے ہارون سے واقعہ بیان کیا، ہارون نے
 کہا کہ اسے لے جا کر وہیں چھوڑ آؤ۔ اور ابن جعفر سے کہو کہ نہ میں نے تمہاری مرضی سے تمہیں قید کیا
 ہے اور نہ تمہاری مرضی سے تمہارے پاس یہ لونڈی بھیجی ہے، میں جو حکم دوں تمہیں وہ کرنا ہوگا۔
 الغرض وہ لونڈی حضرت کے پاس چھوڑ دی گئی۔

چند دنوں کے بعد ہارون نے ایک شخص کو حکم دیا کہ جا کر پتہ لگائے کہ اس لونڈی کا کیا رہا، اُس
 نے جو قید خانے میں جا کر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا، اور بھاگا ہوا ہارون کے پاس آ کر کہنے لگا کہ وہ لونڈی
 تو زمین پر سجدہ میں پڑی ہوئی "سُبُوْحٌ قُدُوسٌ" کہہ رہی ہے، اور اس کا عجیب حال ہے۔ ہارون
 نے حکم دیا کہ اسے اس کے سامنے پیش کیا جائے، جب وہ آئی تو بالکل مبہوت تھی، ہارون نے
 پوچھا کہ بات کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ جب میں حضرت کے پاس گئی اور میں نے اُن سے کہا کہ میں
 آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوئی ہوں، تو آپ نے ایک طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ لوگ جبکہ
 میرے پاس موجود ہیں مجھے تیری کیا ضرورت ہے؟ میں نے جب اُس سمت کو نظر کی تو دیکھا کہ جنت
 آراستہ ہے، اور خود و غلماں موجود ہیں۔ اُن کا حسن و جمال دیکھ کر میں سجدہ میں گر پڑی اور عبادت
 کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اے بادشاہ! میں نے وہ چیزیں کبھی نہیں دیکھیں جو قید خانہ میں میری نظر سے
 گزریں، بادشاہ نے کہا کہ کہیں تو نے سونے کی حالت میں خواب نہ دیکھا ہو، اُس نے کہا اے بادشاہ
 ایسا نہیں ہے۔ میں نے عالم بیداری میں یہ چشم خود سب کچھ دیکھا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اُس عورت کو

کسی محفوظ مقام پر پہنچا دیا۔ اور اس کے لیے حکم دیا گیا کہ اس کی نگرانی کی جائے تاکہ کسی سے یہ واقعہ بیان نہ کرنے پائے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ تاحیات مشغول عبادت رہی، اور جب کوئی اس کی نماز وغیرہ کے بارے میں کچھ کتا تھا تو یہ جواب میں کہتی تھی کہ میں نے بعد صالح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہ پاکباز عورت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات سے چند دنوں پہلے فوت ہو گئی۔

(مناف ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۶۳)۔

قیدخانہ سے آپ کی رہائی

آپ قیدخانہ میں تکالیف سے دوچار تھے، اور رقص کی سختیاں آپ پر کی جا رہی تھیں کہ ناگاہ بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس سے مجبور ہو کر اس نے آپ کو رہا کر دیا۔ علامہ ابن حجر کی بحوالہ علامہ سعودی لکھتے ہیں کہ ایک شب کو ہارون رشید نے حضرت علی علیہ السلام کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ وہ ایک تیشہ لیے ہوئے تشریف لاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میرے فرزند کو رہا کر دے ورنہ میں ابھی تجھے کیفر کو وار تک پہنچا دوں گا۔ اس خواب کو دیکھتے ہی اُس نے رہائی کا حکم دیا، اور کہا کہ اگر آپ یہاں رہنا چاہیں تو رہیے اور مدینہ جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے آپ کو اختیار ہے۔ علامہ سعودی کا کہنا ہے کہ اسی شب کو حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ معلم کو خواب میں دیکھا تھا۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲۲ طبع مصر، علامہ جامی لکھتے ہیں کہ مدینہ روانہ کرتے وقت ہارون نے آپ سے خروج کا شبہ ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ خروج و بغاوت میرے شایان شان نہیں ہے۔ خدا کی قسم میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۲)۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور علی بن یقطين لعن لدی

قیدخانہ رشید سے چھوٹنے کے بعد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام مدینہ منورہ پہنچے اور بدستور اپنے فرائض امامت کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے، آپ چونکہ امام زمانہ تھے، اس لیے آپ کو زمانہ کے تمام حوادث کی اطلاع تھی۔ ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطين بن موسیٰ کو فی بغدادی کو جو کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعتِ فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کا بنا ہوا چتر تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفار اور بادشاہ پہنا کرتے تھے۔ علی بن یقطين نے ازراہ تقرب و عقیدت اُس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ

نے اُن کا ہدیہ قبول کر لیا۔ لیکن اُس میں سے اس لباس مخصوص کو واپس کر دیا جو زینت کا بنا ہوا تھا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمہارے اُس وقت کام آئے گا جب ”جان جو حکم“ میں پڑی ہوگی۔ اُنھوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نے نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد ابن یقظین اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اُسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے جا کر رشید خلیفہ سے ان کی جھگی کھائی اور کہا کہ آپ نے جس قدر خلعت وغیرہ اُنھیں دی ہے۔ اُنھوں نے سب کا سب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو دے دیا ہے، اور چونکہ وہ شیعہ ہیں، اس لیے امام کو بہت مانتے ہیں، بادشاہ نے جونہی یہ بات سنی۔ وہ آگ بگولہ ہو گیا، اور اُس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقظین کو اسی حالت میں گرفتار کر لائیں جس حال میں وہ ہوں۔ الغرض ابن یقظین لائے گئے، بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا چنچہ کہاں ہے؟ اُنھوں نے کہا بادشاہ میرے پاس ہے۔ اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور سُنو! اگر تم اس وقت اُسے نہ دکھا سکتے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا، اُنھوں نے کہا بادشاہ میں ابھی پیش کرتا ہوں، یہ کہہ کر اُنھوں نے ایک شخص سے کہا میرے مکان میں جا کر میرے فلاں کمرہ سے میرا صندوق اٹھالا، جب وہ بتایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اُس کی ٹھہر توڑی اور چنچا نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ جب بادشاہ نے اپنی اُنھوں سے چنچہ دیکھ لیا، تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا، اور غوش ہو کر کہنے لگا، کہ اب میں تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۳) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ پھر اُس کے بعد رشید نے اور بہت ساعتیہ دے کر انھیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ جھگی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ چنانچہ جلادوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا۔ (نور الابصار ص ۱۳)

علی بن یقظین کو اٹا وضو کرنے کا حکم | علامہ طبرسی اور علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ علی بن یقظین نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ایک

خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ ”ہمارے درمیان“ اس امر میں بحث ہو رہی ہے کہ آیا مسح کعب سے اصابع (انگلیوں) تک ہونا چاہیے۔ یا انگلیوں سے ”کعب“ تک، حضور اس کی وضاحت فرماتے حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ منہ دھوؤ۔ اپنی ڈاڑھی کو اچھی طرح جھگوؤ، سارے سر کا مسح کرو، اندر باہر کانوں کا مسح کرو تین مرتبہ پاؤں دھوؤ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقظین نے جب اس خط کو پڑھا، تو وہ حیران رہ گئے۔ لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ ”مولائی

اعلم بما قال۔ آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے۔ اُس کی گہرائی اور اُس کی وجہ کا اچھی طرح آپ کو علم ہوگا اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

راوی کا بیان ہے کہ علی بن یقطین کی مخالفت برابر و برابر میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ شیعہ ہے اور تمہارے مخالف ہے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقطین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں، اب میں خود چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وہ کون کون کرتے اور نمازیسے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اُس نے چھپ کر آپ کے حجرہ میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہل سنت کے اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں یہ دیکھ کر وہ اُن سے مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا خط علی بن یقطین کے پاس پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دور ہو گیا۔ تو ضاع کما امرک اللہ اب تم اسی طرح وضو کرو، جس طرح خدا نے حکم دیا ہے یعنی اب اُن وضو نہ کرنا، بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگیلوں کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہیے۔ (اعلام الوری ص ۱۷، مناقب جلد ۵ ص ۵۸)۔

علامہ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ "محمد بن علی صوفی کا بیان ہے

وزیر اعظم علی بن یقطین کو امام موسیٰ کاظم کی فہمائش

کہ ابراہیم جلال (جو امام موسیٰ کاظم کے صحابی تھے) نے ایک دن ابوالحسن علی بن یقطین سے ملاقات کے لیے وقت چاہا۔ انھوں نے وقت نہ دیا، اسی سال وہ حج کے لیے گئے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تشریف لے گئے۔ ابن یقطین حضرت سے ملنے کے لیے گئے۔ انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابن یقطین کو بڑا تعجب ہوا۔ راستے میں ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ابراہیم سے ملاقات کرنے سے انکار کیا تھا۔ اس لیے میں بھی تم سے نہیں ملا اور اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک تم اُن سے معافی نہ مانگو گے اور انھیں راضی نہ کرو گے، ابن یقطین نے عرض کی مولانا میں مدینہ میں ہوں اور وہ کوفہ میں ہیں، فوری ملاقات کیسے ہو سکتی ہے، فرمایا، تم تمہارا قبیلہ میں جاؤ، ایک اونٹ تیار لے گا اس پر سوار ہو کر کوفہ کے لیے روانہ ہو چشم زدن میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ گئے اور اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ پہنچے، ابراہیم کے دروازے پر ذوق الباب کیا، آواز آئی، کون ہے؟ کہنا میں ابن یقطین ہوں، انھوں نے کہا، تمہارا میرے دروازے پر کیا کام ہے؟ ابن یقطین نے جواب دیا، سخت صیبت میں مبتلا ہوں، خدا کے لیے ملنے کا وقت دو، چنانچہ انھوں نے اجازت دی، ابن یقطین نے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی اور سارا واقعہ کہہ سنایا ابراہیم جلال نے معافی دی۔ پھر اسی اونٹ پر سوار ہو کر چشم زدن میں مدینہ پہنچے اور امام علیہ السلام

کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام نے بھی معاف کر دیا اور ملاقات کا وقت دے کر گفتگو فرمائی۔

(عیون المعجزات ص ۱۲۲ طبع ملتان)۔

امام موسیٰ کاظم کے حکم سے بادل کا ایک دم مومن کو حسین سے طالق پہنچا کا واقعہ

باروں رشید کا ایک سوال اور اس کا جواب

پہلے یہ ہے کہ حضرات محمد و آل محمد، معجزات، کلمات اور امور خرق عادات میں یتائے کائنات تھے، رجحان شمس، شفق القمر اور حضرت علی کا ایک گروہ سمیت چادر پر بیٹھ کر غار اصحاب کفہ تک سفر کرنا اس کے شواہد ہیں۔

علامہ محمد بن علی شہر آشوب، تحریر فرماتے ہیں کہ "خالہ بن سماں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن باروں رشید نے ایک شخص کو طلب کیا جس کا نام تھا علی بن صالح طالقانی۔ پوچھا تم ہی وہ ہو جس کو "بادل" چین سے اٹھا کر طالقان لاتے تھے؟ کہا، ہاں۔ اس نے کہا بتاؤ کیا واقعہ ہے؟ یہ کیونکر ہوا۔ طالقانی نے کہا کہ میں کشتی میں سوار تھا۔ ناگاہ جب میری کشتی سمندر کے اس مقام پر پہنچی جو سب سے زیادہ گہرا تھا تو میری کشتی ٹوٹ گئی۔ تین روز میں تختوں پر پڑا رہا اور وہیں مجھے پھینچے لگانے میں بھیڑ سمندر کی موجوں نے مجھے خشکی پر پھینک دیا۔ وہاں نہریں اور باغات موجود تھے۔ میں ایک درخت کے سائے میں سو گیا۔ اسی اثناء میں نے ایک خوفناک آواز سنی ڈر کے مارے بیدار ہو گیا۔ پھر دو گھوڑوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا۔ ایسے خوب صورت گھوڑے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ انھوں نے جب مجھے دیکھا، سمندر میں چلے گئے۔ میں نے اسی اثناء میں ایک عظیم الخلق پرندے کو دیکھا جو آکر بیٹھ گیا۔ پہاڑ کے غار کے قریب میں درخت میں چھپتے ہوئے اس کے قریب گیا تاکہ اس کو اچھی طرح دیکھ سکوں۔ پرندے نے جب مجھے دیکھا تو اڑ گیا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ غار کے قریب میں نے تسبیح و تحمیل تکبیر اور تلاوت قرآن مجید کی آواز سنی۔ میں غار کے قریب گیا۔ آواز دینے والے نے آواز دی۔ "اے علی بن صالح طالقانی۔ خدا تم پر رحم کرے۔ غار کے اندر آ جاؤ۔ میں غار کے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک کھدر پوش عظیم شخص کو دیکھا، میں نے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا کہ اے علی بن صالح طالقانی تم "معدن الکوز" ہو۔ بھوک۔ پیاس اور خوف کے امتحان میں کامیاب ہوئے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر رحم کیا ہے تمہیں نجات دی ہے۔ تمہیں پاکیزہ پانی پلایا ہے۔ میں اس وقت کو جانتا ہوں جب تم کشتی پر سوار ہوئے اور سمندر میں رہے۔ تمہاری کشتی ٹوٹ گئی۔ کتنی ڈور تک موجوں کے پھینچے

کھاتی رہی۔ تم نے اپنے آپ کو سمندر میں گرانے کا ارادہ کیا۔ اگر ایسا کرتے تو خود موت کو دعوت دیتے۔ بڑی
 مصیبت اٹھائی۔ میں اُس وقت کو بھی جانتا ہوں جب تم نے نجات پائی اور دو خوب صورت چیزیں نکھیں۔
 تم نے پزندے کا چھچھا کیا، جب اُس نے نکھیں دیکھا تو آسمان کی طرف اڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔
 آویں بیٹھ جاؤ، جب میں نے اُس شخص کی بات سنی تو اس سے کہا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا واسطہ
 دے کر پوچھتا ہوں یہ بتاؤ کہ میرے حالات تم کو کس نے بتائے، فرمایا اس ذات نے جو ظاہر و باطن
 کی جاننے والی ہے۔ پھر فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، میں نے عرض کی بے شک جھوٹا ہوں۔ یہ سُن کر اپنے
 اپنے بتوں کو حرکت دی اور ایک دسترخوان رومال سے دھکا ہوا حاضر ہو گیا۔ انھوں نے دسترخوان
 سے رومال کو اٹھایا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو رزق دیا ہے اُو اُسے کھاؤ۔ میں نے کھانا کھایا، ایسا
 پاکیزہ کھانا کبھی نہ کھایا تھا۔ پھر مجھے پانی پلایا، میں نے ایسا لذیذ اور میٹھا پانی کبھی نہیں پایا تھا۔
 پھر انھوں نے دو برکت نماز پڑھی اور مجھ سے فرمایا کہ ”اے علی گھر جانا چاہتے ہو“ میں نے عرض
 کی کہ میں وطن سے بہت دور (چین کے علاقہ میں) پڑا ہوں، میری مدد کون کر سکتا ہے اور میں کیونکہ
 یہاں سے وطن جاسکتا ہوں؟ انھوں نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں ہم اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں
 ہم تمہاری مدد کریں گے۔ پھر انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا، ناگاہ بادل کے ٹکڑے آنے لگے
 اور غار کے دروازے کو گھیر لیا۔ جب بادل ان کے سامنے آیا تو اس نے حکم خدا سلام کیا۔ ”اے
 اللہ کے ولی اور اس کی حجت آپ پر سلام ہو، انھوں نے جواب سلام دیا۔ پھر بادل کے ایک ٹکڑے
 سے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے؟ اور کس زمین کے لیے تم بھیجے گئے ہو، اس نے زمین کا نام لیا اور وہ چلا
 گیا، پھر ابر کا ایک ٹکڑا سامنے آیا اور آکر سلام کیا۔ انھوں نے جواب دیا، پوچھا کہاں جانے کے
 لیے آیا ہے۔ کہا، طالقان جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا اے خدائے وحدہ لا شریک کا اطاعت گزار
 ابر، جس طرح اللہ تعالیٰ کی ولایت کر وہ چیزیں اٹھا کر لیے جا رہے۔ اسی طرح اس بندہ مومن
 کو بھی لے جا، جواب بلا۔ بسر و چشم۔ پھر انھوں نے ابر کو حکم دیا کہ زمین پر برابر ہو جا وہ زمین آ گیا،
 پھر میرے بازو کو پکڑ کر اس پر بٹھا دیا، بادل ابھی اڑنے نہ پایا تھا کہ میں نے ان کی خدمت میں
 عرض کی کہ ”میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم اور محمد مصطفیٰ صلعم اور آمنہ طاہرہؓ کا واسطہ دے کر پوچھتا
 ہوں کہ آپ یہ فرمائیے کہ ”آپ ہیں کون؟ اور آپ کا اسم گرامی کیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ اے علی انا
 طالقانی میں زمین پر اللہ کی حجت ہوں اور میرا نام ”موسیٰ بن جعفر“ (موسیٰ کاظمؑ) ہے۔ پھر میں نے
 ان کے آباؤ اجداد کی امامت کا ذکر کیا اور انھوں نے بادل کو حکم دیا اور وہ بلند ہو کر ہوا کے دوش
 پر چل پڑا۔ خدا کی قسم نہ مجھے کوئی تکلیف پہنچی اور نہ خوف لاحق ہوا۔ میں تھوڑی دیر میں اپنے وطن
 ”طالقان“ جا پہنچا اور ٹھیک اُس رنگ پر اترتا جس پر میرا مکان واقع تھا۔

یہ سن کہ ہارون رشید نے جلاہوں کو حکم دے کر اُسے اس لیے قتل کر دیا کہ وہ کہیں اس واقعہ کو لوگوں میں بیان نہ کر دے اور عظمت آل محمد اور واضح ہو جائے۔ (مناقب ابی شہر آشوب جلد ۳ ص ۱۲ طبع مکتان)

امام موسیٰ کاظمؑ اور فدک کے دو واقعہ

علامہ یوسف بغدادی سبط ابن جوزی حنفی تخریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے کہا کہ آپ فدک لینا چاہیں تو میں دسے دوں، آپ نے فرمایا کہ میں جب اس کے حدود بتاؤں گا تو تو اسے دینے پر راضی نہ ہوگا اور میں اسی وقت لے سکتا ہوں۔ جب اس کے پورے حدود دئیے جائیں، اس نے پوچھا کہ اس کے حدود کیا ہیں فرمایا پہلی حد عدنان ہے۔ دوسری حد سمرقند ہے۔ تیسری حد افریقہ ہے۔ چوتھی حد سیف البحر ہے جو خزر اور آرمینیا کے قریب ہے۔ یہ سن کہ ہارون رشید آگ بگولہ ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ پھر ہمارے لیے کیا رہا؟ حضرت نے فرمایا کہ اسی لیے تو میں نے لینے سے انکار کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد ہی سے ہارون رشید حضرت کے درپے قتل ہو گیا۔ (خواص الامتہ علامہ سبط ابن جوزی ص ۱۶ طبع لاہور)

ہارون رشید عباسی کی سادات کشی

حمید بن قحطیبہ اور اس کا واقعہ

تواریخ میں ہے کہ ہارون رشید تعمیر بغداد اور دیگر ملکی مصروفیات کی وجہ سے تھوڑے عرصہ تک سادات کشی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔ لیکن جب اُسے اک ذرا سکون ہوا تو اُس نے اپنے آبائی جذبات کو بُروئے کار لانے کا تہیہ کر لیا اور اس کی سعی شروع کر دی کہ زمین پر آل محمد کا کوئی بیج بھی باقی نہ رہنے پائے، چنانچہ اُس نے پورا حوصلہ نکالا اور ہر ممکن صورت سے انہیں تباہ ویراں کیا۔ علماء کا کنا ہے کہ اُس نے غنڈوں کے گروہ قتل سادات کے لیے مقرر کر دیئے تھے اور خود اپنی حکومت کے اعلیٰ حکام کو خصوصی حکم بھیج دیا تھا کہ سلطنت و حکومت کی پوری طاقت سے سادات کی تلاش کی جائے اور ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا جائے۔ علامہ مجلسی عید اللہ نزار عیاش پوری کے حوالہ سے "حاکم ایران حمید ابن قحطیبہ طوسی" کا ایک واقعہ لکھتے ہیں، ابن قحطیبہ کہتا ہے کہ میں اس لیے روزہ، نماز وغیرہ نہیں کرتا، کہ مجھے علم ہے کہ میں نخواستہ نہیں

یا سکتا اور بہر صورت جہنم میں جاؤں گا۔ اے عبد اللہ! تم سے کیا تاؤں، ابھی تھوڑے عرصے کی بات ہے کہ ہارون رشید نے مجھے رات کے وقت جبکہ وہ طوس آیا ہوا تھا اور میں بھی اتفاقاً گیا تھا، بلایا اور مجھے حکم دیا کہ تم اس غلام کے ساتھ جاؤ اور یہ میری تلوار ہمراہ لیتے جاؤ، یہ جو کہے وہ کرو میں اس کے حکم سے غلام کے ساتھ ہویا۔ غلام مجھے ایک ایسے مکان میں لے گیا جس میں فاطمہ بنت رسول اور علی زفرج بتول کی اولاد قید تھی، غلام نے ایک کمرہ کا دروازہ کھولا اور مجھ سے کہا کہ ان سب کو قتل کر کے اس کنویں میں ڈال دو، میں نے انھیں قتل کیا اور کنویں میں ڈال دیا۔ پھر دوسرا کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا کہ ان سب کو قتل کر کے کنویں میں ڈالو، میں نے انھیں بھی قتل کیا۔ پھر تیسرا کمرہ کھولا اور مجھ سے کہا انھیں بھی قتل کرو۔ میں نے انھیں بھی قتل کیا۔ اے عبد اللہ! ان سب مقتولوں کی تعداد ساٹھ تھی، ان میں چھوٹے، بڑے بوڑھے، جوان سب ہی قسم کے سادات تھے اے عبد اللہ! جب میں آخری کمرہ کے قیدی سادات کو قتل کرنے لگا تو آخر میں ایک نہایت نورانی بزرگ برآمد ہوئے، اور مجھ سے کہنے لگے: اے ظالم! کیا رسول اللہ کو منہ نہیں دکھانا ہے اور کیا خدا کی بارگاہ میں تجھے نہیں جانا ہے، یہ تو کیا کر رہا ہے، ان کا کلام سن کر میرا دل کانپ گیا، اور اُن پر میرا ہاتھ نہ اٹھا۔ اتنے میں غلام نے مجھے ڈانٹ کر کہا حکم میرے میں کیوں دیر کرتا ہے۔ اُس کے یہ کہنے پر میں نے انھیں بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ اب میری نماز اور میرا روزہ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی دوبارہ گرفتاری

علامہ ابن شہر آشوب، علامہ طبرسی، علامہ اربلی، علامہ شلبنجی تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۶۹ھ میں ہادی کے بعد ہارون تخت خلافت پر بیٹھا، سلطنت عباسیہ کے قدیم روایات جو سادات بنی فاطمہ کی مخالفت میں تھے۔ اس کے پیش نظر تھے، خود اس کے باپ منصور کا رویہ جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے خلاف تھا، اُسے معلوم تھا، اُس کا یہ ارادہ کہ جعفر صادق کے جانشین کو قتل کر ڈالا جائے، یقیناً اُس کے بیٹے ہارون کو معلوم ہو چکا ہوگا، وہ تو امام جعفر صادق علیہ السلام کی حکیمانہ وصیت کا اخلاقی دباؤ تھا جس نے منصور کے ہاتھ باندھ دیے تھے اور پھر شہر بغداد کی تعمیر کی مصروفیت تھی جس نے اُسے اُس جانب متوجہ نہ ہونے دیا تھا، اب ہارون کے لیے اُن میں سے کوئی بات مانع نہ تھی۔ تخت سلطنت پر بیٹھ کر اپنے اقتدار کو مضبوط رکھنے کے لیے سب سے پہلے یہی تصور پیدا ہو سکتا تھا کہ اس روحانیت کے مرکز کو جو مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں قائم ہے توڑنے کی کوشش کی جائے، مگر ایک طرف امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا محتاط

اور خاموش طرز عمل اور دوسری طرف سلطنت کی اندرونی مشکلات ان کی وجہ سے زوریں تک ہارون رشید کو کبھی کسی کھلے ہوئے تشدد کا امام کے خلاف موقع نہ ملا۔

اسی دوران میں عبداللہ ابن حسن کے فرزند یحییٰ کا واقعہ درپیش ہوا اور وہ امان دیے جانے کے بعد تمام عہد و پیمان کو توڑ کر زور و ناک طریقے پر قید رکھے گئے اور پھر قتل کئے گئے، باوجودیکہ یحییٰ کے معاملات سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو کسی طرح کا سروکار نہ تھا، بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ان کو حکومت و وقت کی مخالفت سے منع فرماتے تھے۔ مگر عداوت بنی فاطمہ کا جذبہ جو یحییٰ بن عبداللہ کی مخالفت کے بہانے سے ابھر گیا تھا، اس کی زد سے امام مؤمنسے کاظم علیہ السلام بھی محفوظ نہ رہ سکے، ادھر یحییٰ بن خالد برمکی نے جو وزیر اعظم تھا امین (فرزند ہارون رشید) کے اتالیق جعفر بن محمد اشعث کی رقابت میں اس کے خلاف یہ الزام قائم کیا کہ یہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے شیعوں میں سے ہے اور ان کے اقتدار کا خواہاں ہے۔

براہ راست اس کا مقصد ہارون کو جعفر سے برگشتہ کرنا تھا، لیکن بالواسطہ اس کا تعلق حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ بھی تھا۔ اس لیے ہارون کو حضرت کی ضرر رسانی کی فکر پیدا ہو گئی۔ اسی دوران میں یہ واقعہ ہوا کہ ہارون رشید حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ میں آیا۔ اتفاق سے اسی سال حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی حج کو تشریف لائے ہوئے تھے۔ ہارون نے اپنی آنکھ سے اس عظمت و مرجعیت کا مشاہدہ کیا جو مسلمانوں میں امام موسیٰ کاظم کے متعلق پائی جاتی تھی۔ اس سے اس کے حسد کی آگ بھڑک اٹھی اس کے بعد اس میں محمد بن اسماعیل کی مخالفت نے اور اضافہ کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ اسماعیل امام جعفر صادق علیہ السلام کے بڑے فرزند تھے اور اس لیے ان کی زندگی میں عام طور پر لوگوں کا خیال یہ تھا، کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے قائم مقام ہوں گے مگر ان کا انتقال امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانہ ہی میں ہو گیا اور لوگوں کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ پھر بھی بعض سادہ لوح اصحاب اس خیال پر قائم رہے کہ جانشینی کا حق اسماعیل اور اولاد اسماعیل میں منحصر ہے۔ انھوں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی امامت کو تسلیم نہیں کیا چنانچہ اسماعیلیہ فرقہ بن گیا مختصر تعداد میں سہی اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ محمد ان ہی اسماعیل کے فرزند تھے اور اس لیے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طرح کی مخالفت پہلے سے رکھتے تھے مگر چونکہ ان کے ماننے والوں کی تعداد بہت کم تھی اور وہ افراد کوئی نمایاں حیثیت نہ رکھتے تھے اس لیے ظاہری طور پر امام موسیٰ کاظم کے یہاں آمد و رفت رکھتے تھے اور ظاہری طور پر قربت داری کے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔

ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی مخالفت کی صورتوں پر غور کرتے ہوئے یہ بھی برگی سے مشورہ لیا، کہ میں چاہتا ہوں کہ اولاد ابوطالب میں سے کسی کو بلا کر اس سے موسیٰ بن جعفر کے پورے پورے حالات دریافت کروں یہ بھی جو خود بھی عداوت بنی فاطمہ میں ہارون سے کم نہ تھا۔ اس نے محمد بن اسمعیل کا پتہ دیا، کہ آپ ان کو بلا کر دریافت کریں، تو صحیح حالات معلوم ہو سکیں گے۔ چنانچہ اسی وقت محمد بن اسمعیل کے نام خط لکھا گیا۔

شہنشاہ وقت کا خط جو محمد بن اسماعیل کو پہنچا تو اُس نے اپنی دنیاوی کامیابی کا بہترین ذریعہ سمجھ کر فوراً بغداد جانے کا ارادہ کر لیا۔ مگر ان دنوں ہاتھ بالکل خالی تھا، اتنا روپیہ پاس موجود نہ تھا کہ سامان سفر کرتے، مجبوراً اسی ڈیوڑھی پر آنا پڑا جہاں کوم و عطار میں دوست اور دشمن کی تفریق نہ تھی۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس آ کر بغداد جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت خوب سمجھتے تھے کہ اس بغداد کے سفر کا پس منظر اور اس کی بنیاد کیا ہے۔ حجت تمام کرنے کی عرض سے آپ نے سفر کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے اپنی پریشاں حالی بیان کرتے ہوئے کہا قرض دار بہت ہو گیا ہوں۔ خیال کرتا ہوں کہ شاید وہاں جا کر کوئی صورت بسر اوقات کی نکلے اور اور میرا قرضہ ادا ہو جائے۔ حضرت نے فرمایا۔ وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارا تمام قرضہ ادا کر دوں گا اور جہاں تک ہو گا تمہارے ضروریات زندگی بھی پورے کرتا ہوں گا۔

افسوس ہے کہ محمد نے اس کے بعد بھی بغداد جانے کا ارادہ نہیں بدلا۔ چلتے وقت حضرت سے رخصت ہونے لگے تو عرض کیا کہ مجھے وہاں کے متعلق کچھ ہدایت فرمائی جائے، حضرت نے اُس کا کچھ جواب نہ دیا۔ جب اُنھوں نے کئی مرتبہ اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا کہ "بس اتنا خیال رکھنا کہ میرے خمن میں شریک نہ ہونا، اور میرے بچوں کی یتیمی کے باعث نہ بننا" محمد نے اس کے

بعد بہت کہا کہ یہ بھلا کونسی بات ہے جو مجھ سے کہی جاتی ہے کچھ اور ہدایت فرمائیے حضرت نے اس کے علاوہ کچھ کہنے سے انکار کیا، جب وہ چلنے لگے تو حضرت نے ساڑھے چار سو دینار اور پندرہ سو درہم انھیں مصارف سفر کے لیے عطا فرمائے۔ نتیجہ فرسی ہوا، جو حضرت کے پیش نظر تھا۔ محمد بن اسمعیل بغداد پہنچے اور وزیر عظیم برہکی کے ہمان ہوئے۔ اس کے بعد چکی کے ساتھ ہارون کے دربار میں پہنچے۔ مصلحت وقت کی بنا پر بہت تعظیم و تکریم کی گئی، اثنائے گفتگو میں ہارون نے مدینہ کے حالات دریافت کئے محمد نے انتہائی غلط بیانیوں کے ساتھ وہاں کے حالات کا تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ "میں نے آج تک نہیں دیکھا اور نہ سنا کہ ایک ملک میں دو بادشاہ ہوں۔" اس نے کہا: کہ اس کا کیا مطلب؟ محمد نے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے آپ بغداد میں سلطنت کر رہے ہیں، موسیٰ کاظم مدینہ میں اپنی سلطنت قائم کئے ہوئے ہیں، اطراف ملک سے اُن کے پاس

خروج پہنچتا ہے اور وہ آپ کے مقابلہ کے دعوے دار ہیں۔ انہوں نے عیسٰی ہزار اشرفی کی ایک زمین خریدی ہے جس کا نام "سیرہ" ہے (شیلنجی) یہی وہ باتیں تھیں جن کے کہنے کے لیے یحییٰ برکی نے محمد کو منتخب کیا تھا۔ ہارون کا غیظ و غضب انتہائی اشتعال کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اس نے محمد کو دس ہزار دینار عطا کر کے رخصت کیا۔ خدا کا کرنا یہ کہ محمد کو اس رقم سے فائدہ اٹھانے کا ایک دن بھی موقع نہیں ملا۔ اسی شب کو ان کے حلق میں درد پیدا ہوا، غالباً "خناق" ہو گیا اور صبح ہوتے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ہارون کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اشرفیوں کے توڑے واپس منگوا لیے، مگر محمد کی باتوں کا اثر اس کے دل پر ایسا جم گیا تھا کہ اس نے یہ طے کر لیا کہ امام موسیٰ کاظم کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے۔

چنانچہ ۱۹۱ھ میں پھر ہارون رشید نے کو معظہ کا سفر کیا اور وہاں سے مدینہ منورہ گیا، دو ایک روز قیام کے بعد کچھ لوگ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے روانہ کئے۔ جب یہ لوگ امام کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت روضہ رسول اللہؐ ہیں۔ ان لوگوں نے روضہؐ میں بہرہ کی عزت کا بھی خیال نہ کیا۔ حضرت اس وقت قبر رسول کے نزدیک نماز میں مشغول تھے۔ بے رحم دشمنوں نے آپ کو نماز کی حالت ہی میں قید کر لیا اور ہارون کے پاس لے گئے۔ مدینہ رسول کے رہنے والوں میں بے حسی اس کے پہلے بھی بہت دفعہ دکھی جا چکی تھی۔ یہ بھی اس کی ایک مثال تھی کہ رسول کا فرزند روضہ رسول سے اس طرح گرفتار کر کے لے جایا جا رہا تھا۔ مگر نام نہاد مسلمانوں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو کسی طرح کی آواز احتجاج بلند کرتا۔ یہ ۲۰ شوال ۱۹۱ھ کا واقعہ ہے۔

ہارون نے اس اندیشہ سے کہ کوئی جماعت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو رہا کرنے کی کوشش نہ کرے، دو محلیں تیار کرائیں۔ ایک میں امام موسیٰ کاظم کو سوار کرایا اور اس کو ایک بہت بڑی فوجی جمعیت کے حلقہ میں بصرہ روانہ کیا اور دوسری محل جو نمائی تھی اسے بھی اتنی ہی جمعیت کی حفاظت میں بغداد روانہ کیا مقصد یہ تھا کہ آپ کے محل قیام اور قید کی جگہ کو بھی مشکوک بنا دیا جائے۔ یہ نہایت حسرتناک واقعہ تھا کہ امام کے اہل حرم اور بچے وقت رخصت آپ کو دیکھ بھی نہ سکے اور اچانک محل سزا میں صرف یہ اطلاع پہنچ سکی کہ حضرت سلطنت وقت کی طرف سے قید کر لیے گئے اس سے بیویوں اور بچوں میں کھرام برپا ہو گیا اور یقیناً امام کے دل پر بھی جو اس کا صدمہ ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے مگر آپ کے ضبط و ضبط کی طاقت کے سامنے ہر شکل آسان تھی۔

معلوم نہیں کتنے ایسے پھیرے یہ راستے کیے گئے تھے کہ پورے ایک مہینہ سترہ روز کے بعد فریضہ کے روز کو آپ بصرہ پہنچائے گئے۔ ایک سال تک آپ بصرہ میں قید رہے۔ یہاں کا حاکم ہارون کا چچا زاد

بھائی عیسیٰ بن جعفر تھا، شروع میں تو اُسے صرف بادشاہ کے حکم کی تعمیل پر نظر تھی، بعد میں اُس نے غور کرنا شروع کیا کہ اگر اُن کے قید کئے جانے کا سبب کیا ہے؟ اس سلسلہ میں اس کو امام علیہ السلام کے حالات اور سیرت زندگی اور اخلاق و اوصاف کی جستجو کا موقع بھی ملا، اور جتنا اُس نے امام کی سیرت کا مطالعہ کیا اتنا اُس کے دل پر آپ کی بلندی اخلاق اور حسن کردار کا اثر قائم ہوتا گیا۔ اپنے ان اثرات سے اس نے ہارون کو مطلع بھی کر دیا، ہارون پر اس کا اُن اثر ہوا کہ عیسیٰ کے متعلق بدگمانی پیدا ہو گئی۔ اس لیے اُس نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو بعد ازیں جبل بھیجا اور فضل بن ربیع کی حراست میں دے دیا۔ اور پھر فضل کا رجحان شیعیت کی طرف محسوس کر کے یحییٰ برمکی کو اس کے لیے مقرر کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امام کے اخلاق و اوصاف کی کشش ہر ایک پر اپنا اثر ڈالتی تھی۔ اس لیے ظالم بادشاہ کو نگرانوں کی تبدیلی کی ضرورت پڑتی تھی، سب سے آخر میں امام علیہ السلام سندھی بن شاہک کے قید خانہ میں رکھے گئے۔ یہ سبت ہی بے رحم اور سخت دل تھا۔ ملاحظہ ہو (مناقب جلد ۵ ص ۶۸ و اعلام اوری ص ۱۸، کشف الغم ص ۱۲۰ نورالابصار ص ۱۳۱ سوانح موسیٰ کاظم ص ۱۵)۔

امام علیہ السلام کا قید خانہ میں امتحان اور علم غیب کا مظاہرہ

علامہ شبلی نجی لکھتے ہیں کہ جس زمانہ میں ایک ہارون رشید کے قید خانہ کی سختیاں برداشت فرما رہے تھے۔ امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید ابو یوسف اور محمد بن

حسن ایک شب قید خانہ میں اس لیے گئے کہ آپ کے بحر علم کی تھاق معلوم کریں اور دیکھیں کہ آپ علم کے کتنے پانی میں ہیں۔ وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے سلام کیا، امام علیہ السلام نے جواب سلام عنایت فرمایا۔ ابھی یہ حضرات کچھ پوچھنے نہ پاتے تھے کہ ایک ملازم دیوانی ختم کر کے کھڑے ہوئے آپ کی خدمت میں عرض پر واز ہوا کہ میں گل واپس آؤں گا۔ اگر کچھ منگانا ہو تو اُنھ سے فرمادیجئے میں لیتا آؤں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، جب وہ چلا گیا تو آپ نے ابو یوسف وغیرہ سے کہا کہ یہ بیچارہ مجھ سے کہتا ہے کہ میں اُس سے اپنی حاجت بیان کروں تاکہ یہ گل اس کی تکمیل و تعمیل کر دے۔ لیکن اُسے خبر نہیں، کہ یہ آج رات کو وفات پا جائے گا۔ ان حضرات نے جو یہ سنا تو سوال جواب کے بغیر ہی واپس چلے آئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ہم ان سے حلال حرام، واجب و سنت کے متعلق سوالات کرنا چاہتے تھے۔ "فَاخَذَ يَتَكَلَّمُ مَعَنَا عِلْمَ الْغَيْبِ" مگر یہ تو ہم سے علم غیب کی باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے بعد ان دونوں حضرات نے اُس ملازم کے حالات کا پتہ لگایا، تو معلوم ہوا کہ وہ ناگہانی طور پر رات ہی میں وفات کر گیا۔ یہ معلوم کر کے یہ حضرات سخت متعجب ہوئے۔ (نورالابصار ص ۱۲۶)۔

علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد یہ حضرات پھر امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرواز ہوئے کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ کو صرف علم حلال و حرام ہی میں مہارت تامہ حاصل ہے لیکن قید خانہ کے ملازم کے واقعہ نے واضح کر دیا، کہ آپ علم المنایا اور علم غیب بھی جانتے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ علم ہمارے لیے مخصوص ہے۔ اس کی تعلیم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو دی تھی، اور ان سے یہ علم ہم تک پہنچا ہے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی شہادت

علامہ شلبی لکھتے ہیں کہ جب ہارون رشید نے بصرہ میں ایک سال قید رکھنے کے بعد عبید بن جعفر والی بصرہ کو لکھا کہ موسیٰ بن جعفر (امام موسیٰ کاظم) کو قتل کر کے بادشا کو ان کے وجود سے سکون دے دے۔ تو اس نے اپنے ہمدردوں سے مشورہ کے بعد ہارون رشید کو لکھا کہ اے بادشاہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام میں نے اس ایک سال کے اندر کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ یہ شب و روز ناز و روزہ میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ عوام اور حکومت کے لیے دعائے خیر کیا کرتے ہیں اور ملک کی فلاح و بہبود کے خواہشمند ہیں۔ جہلا مجھ سے کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں انھیں قتل کر کے اپنی عاقبت بگاڑوں۔

”اے بادشاہ! میں ان کے قتل کرنے میں اپنے انجام اور اپنی عاقبت کی تباہی دیکھ رہا ہوں اور سخت صرع محسوس کرتا ہوں، لہذا تو مجھے اس گناہ عظیم کے ارتکاب سے منع کر بلکہ مجھے حکم دے کہ میں انھیں قیدِ مشقت سے رہا کر دوں۔ اس خط کے پانے کے بعد ہارون رشید نے آخر میں یہ کام سندی بن شاہک کے حوالہ کیا اور اسی سے آپ کو زہر دلو کر شہید کر دیا۔ زہر کھانے کے بعد آپ تین روز تک تڑپتے رہے، یہاں تک کہ وفات پا گئے۔ (نور الابصار ص ۱۳۷)۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ زہر کھاتے ہی آپ نے فرمایا کہ آج مجھے زہر دیا گیا ہے۔ کل میرا بدن زرد ہو جائے گا اور تیسرے روز سیاہ ہوگا اور اسی دن میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (شواہد النبوت ص ۱۹۳) علامہ ابن حجر کی لکھتے ہیں کہ ہارون رشید نے آپ کو بغداد میں قید کر دیا۔ ”فلما یخرج من حبسہ الامیتا مقیداً اور تاحیات قید رکھا۔ آپ کی وفات کے بعد ہتھکڑی اور بٹری کٹوانی گئی۔ آپ کی وفات ہارون رشید کے زہر سے ہوئی جو اس نے سندی ابن شاہک کے ذریعہ سے دلوایا تھا۔ جب آپ کو کھلانے یا خورم میں زہر دیا گیا تو آپ تین روز تک تڑپتے رہے۔ یہاں تک کہ انتقال ہو گیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۳۲، ارجح المطالب ص ۲۵۲) علامہ ابن السامی علی بن انجب بغدادی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کر دیا گیا (اخبار الخلفاء) علامہ ابوالفدا لکھتے ہیں کہ

قید خانہ رشید میں آپ نے وفات پائی (الوا القلہ جلد ۲ ص ۱۵۷)۔ علامہ دیار بکرمی لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید کے حکم سے یحییٰ بن خالد برمکی وزیر اعظم نے خرم میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ (تاریخ تمیمین جلد ۲ صفحہ ۳۲)۔

علامہ جامی لکھتے ہیں کہ آپ کو ہارون رشید نے بغداد میں لاکر تاعمر قید رکھا آخر میں اپنے وزیر اعظم یحییٰ بن خالد برمکی کے ذریعہ سے قید خانہ میں زہر دلوادیا اور آپ وفات پا گئے۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۳) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو کئی مرتبہ زہر دیا گیا۔ لیکن آپ ہر بار محفوظ رہے۔ ایک مرتبہ آپ نے وہ زہر اٹھا کر جس میں زہر تھا، زمین پر پھینک دیا۔ جسے ہارون کے گتے نے کھا لیا اور وہ مر گیا۔ گتے کے مرنے کی خبر سے ہارون رشید کو شدید رنج ہوا اور اُس نے خادم سے سخت باز پرس کی۔ (جلال العیون ص ۲۷۶)۔

آپ کی وفات حسرت آیات بتاریخ ۲۵ ربیع المرجب ۱۸۳ھ ہجری یوم جمعہ واقع ہوئی، آپ کی عمر اس وقت ۵۵ سال کی تھی (مطاب السؤل ص ۲۸۲، اعلام الوری ص ۱۷۱ و شواہد النبوت ص ۱۹۲ نور الابصار ص ۱۳۷ وغیرہ) آپ نے ۱۲ سال ہارون رشید کے قید خانہ میں گزارے، مرزا دبیر کہتے ہیں کہ

مولا! یہ انتہائے اسیری گزر گئی
زمان میں جوانی و پیری گزر گئی

وفات کے بعد آپ کی نعش مبارک قید خانہ سے ہتھکڑی اور بڑی ہیمت نکال کر بغداد کے پبل پڑوال دی گئی اور نہایت توہین آمیز الفاظ میں آپ کو اور آپ کے مننے والوں کو یاد کیا گیا لوگ اگرچہ بادشاہ کے غوث سے نمایاں طور پر مزاحمت کی جرأت نہ کرتے تھے۔ تاہم ایک گروہ نے جس کے سردار سلیمان بن جعفر ابن ابی جعفر تھے۔ ہمت کی اور نعش مبارک دشمنوں سے چھین کر غسل و کفن کا بندوبست کیا۔ ڈھائی ہزار کا قیمتی ایسا کفن دیا، جس پر پورا قرآن مجید لکھا ہوا تھا، نہایت تزک و احتشام سے جنازہ لے کر چلے۔ ان لوگوں کے گریبان عمہ امام مظلوم میں چاک تھے یہ انتہائی عمہ والم کے ساتھ جنازہ کو لے کر مقبرہ قریش میں پہنچے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نماز و دفن کے لیے مدینہ سے باعجاز پہنچ چکے تھے۔ آپ نے نماز پڑھائی اور اپنے والد ماجد کو سپرد خاک فرمایا۔ (اعلام الوری ص ۱۷۱، انوار نعمانیہ ص ۱۲۷، جنات النور ص ۱۳۷ جلال العیون ص ۲۷۶)۔

مدینہ کے بعد حضرت امام رضا علیہ السلام واپس مدینہ تشریف لے گئے۔ مدینہ والوں کو جب آپ کی شہادت کی اطلاع ملی تو کرام برپا ہو گیا۔ ماتم اور ادائے تعزیت کا سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ (جلال العیون ص ۲۷۶)۔

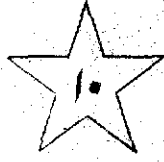
علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ کی تدفین کے ایک عرصہ بعد اعیان ملک سے ایک شخص نے وفات کی، لوگوں کی خواہش پر اُسے آپ ہی کے مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔ ایک شب کو آپ نے خادم کو خواب میں آگاہ کیا۔ اُس نے دیکھا کہ مقبرہ میں آگ لگی ہوئی ہے اور اُس سے دھواں پھیل رہا ہے اور بدبو پھیل رہی ہے، صبح کو اُس نے بادشاہ وقت کو باخبر کیا، بادشاہ نے قبر کھدوائی تو آگ کے آثار موجود تھے اور قبر میں میت کا وجود نہ تھا وہ جل کر خاکستر ہو گئی تھی (مطالب السؤل ص ۲۸۱)۔

صواعق محرقہ ص ۱۲۲ میں ہے کہ آپ کے ۳۷ اولاد تھی۔ علامہ طبرسی، علامہ اربلی اور حضرت شیخ مفید لکھتے ہیں کہ آپ کے ۱۸

تعداد اولاد

لوگ اور ۱۸ لڑکیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں :-

حضرت امام علی رضا علیہ السلام (۲) ابراہیم (۳) عباس (۴) قاسم (۵) اسماعیل (۶) جعفر (۷) ہارون (۸) حسن (۹) احمد (۱۰) محمد (۱۱) حمزہ (۱۲) عبداللہ (۱۳) اسحاق - (۱۴) عبید اللہ (۱۵) زید (۱۶) حسن (۱۷) فضل (۱۸) حسین (۱۹) سلیمان (۲۰) فاطمہ کبریٰ (۲۱) فاطمہ صغریٰ (۲۲) رقیہ (۲۳) علیہ (۲۴) رقیہ صغریٰ (۲۵) کلثوم (۲۶) ام جعفر (۲۷) لبابہ (۲۸) زینب (۲۹) خدیجہ (۳۰) علیہ (۳۱) آمنہ (۳۲) حسنہ (۳۳) بریہ (۳۴) ام سلمیٰ (۳۵) میمونہ (۳۶) ام کلثوم (۳۷) ام ایہا و بقولے ام عبداللہ - و بقولے ام اسماء (اعلام الوریٰ ص ۱۸۱ کشف الغمہ ص ۱۰۹، ارشاد ص ۳۳، نور الابصار ص ۱۲۷ آپ کی یہ اولاد مختلف پوئیوں سے تھی۔



ابو الحسن
حضرت

امام علی رضا

علیہ السلام

بظہر ذی سقر اسوۂ حسینؑ لے چلا ہے سوئے خراسان کا درواں رضا
مماثلت سے بہت کر بلا و مشہد میں وہ آتشیں صبر اور یہ امتحان رضا
(صاحب اخبار بائی دگرابی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۱۰

حضرت امام علی رضا علیہ السلام

عرب آپ کی آئے کہ ایمان کی بیاد آئی
عجم نے پائی عزت مرکز اہل ولا ہو کر
بہت مشتاق تھے اہل عجم نور رسالت کے
زمین طوس کا چمکا ستارہ نقش پا ہو کر

حضرت امام علی رضا علیہ السلام رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھویں جانشین، مسلمانوں کے آٹھویں امام اور سلسلہ عصمت کی دسویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تھے، اور والدہ ماجدہ جناب ام النبیین عرفہ تھیں۔ جناب نجم کے متعلق علماء کا بیان ہے کہ آپ کا شمار اشراف عجم میں تھا اور آپ عقل و دیانت کے لحاظ سے افضل النساء تھیں۔ حمیدہ خاتون بیٹی امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ کا کتابے کہ میں نے ام النبیین سے بہتر کسی عورت کو نہیں پایا۔ علی بن یثیم کہتے ہیں کہ حمیدہ خاتون کو حضرت رسول خدا صلعم نے خواب میں حکم دیا تھا کہ ام النبیین کی شادی امام موسیٰ کاظم سے کر دو۔ کیونکہ ”سیلد صنتہا خیرا لھل الارضین“ ان سے عنقریب ایک ایسا فرزند پیدا ہونے والا ہے جو مادر گیتی کی آغوش میں بسنے والوں میں سب سے بہتر ہوگا۔ (اعلام الوری ص ۱۵۸) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ جناب ام النبیین، حسن و جمال نہدو تقویٰ میں اپنی آپ نظیر تھیں۔ (جنات الخلود ص ۳۱)۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص ”محضوم“ علم زمانہ اور افضل کائنات تھے، علامہ ابن حجر کی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ تمام لوگوں میں حیل القدر اور عظیم المرتبت تھے۔ (صواعق محرقة ص ۱۲۲) علامہ عبدالرحمن جامی لکھتے ہیں کہ آپ کی باتیں پُر از حکمت اور آپ کا عمل درست اور آپ کا کردار محفوظ عن الخطا تھا۔ آپ علم و حکمت سے بھر پور تھے۔ روئے زمین پر آپ کی مثال و نظیر نہ تھی۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۶ طبع لکھنؤ ۱۹۰۷ء) علامہ عبید اللہ لکھتے ہیں کہ ابراہیم بن عباس کا کتابے کہ میں نے ان سے بڑا عالم دیکھا ہی نہیں (ارج المطالب ص ۲۵۵) علامہ شہیر لکھتے ہیں کہ آپ اشراف مخلوق زمانہ تھے (جیب السیر) آپ کو علم ماکان و مایکون آباد اجداد سے درانتہا

پہنچا تھا۔ (وسیلۃ النجات ص ۳۶۶) آپ ہر زبان اور سرنخت میں فصیح اور دانا ترین مردم تھے اور جو شخص جس زبان میں باتیں کرتا تھا۔ اس کو اسی زبان میں جواب دیتے تھے۔ (روضۃ الاحباب) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ بارہ اماموں میں کے تیسرے "علی" ہیں۔ آپ کا ایمان حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپ کی شان انتہا کو پہنچی ہوئی تھی، آپ کا قصر فضیلت نہایت بلند تھا اور آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع تھے۔ آپ کے مددگار بے شمار اور آپ کے براہین شرف و امامت نہایت روشن تھے۔ اسی وجہ سے خلیفہ وقت مامون رشید نے آپ کو اپنے دل میں جگہ دی اپنی حکومت میں شریک قرار دیا، خلیفہ حکومت بنایا اور اپنی لڑکی کی شادی آپ کے ساتھ کر دی، آپ کے مناقب و صفات نہایت بلند، آپ کے مکارم اور آپ کے اخلاق نہایت عظیم تھے، بس مختصر یہ کہ صفات حسنہ کی جو منزلیں تھیں۔ ان سے آپ کا درجہ بلند تھا (مطالب السؤل ص ۲۵۱) پادری لینن ایڈورڈ ویل ڈی ڈی لکھتا ہے کہ امام موسیٰ کاظم نے علی بن موسیٰ کو اپنا وارث اس لیے قرار دیا کہ وہ ان کو سب سے زیادہ منصب امامت کا اہل سمجھتے تھے۔ (اشناعشریہ ص ۱۲۶) بلخ لاہور ۱۹۲۵ء) حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا یہ فرزند بیتطرمعی ذوالجفر لاینظرفیہ الایمنی اودھنی میرے ساتھ جعفر جامعہ کو دیکھتا اور اسے سمجھتا ہے جیسے نبی اور وصی کے علاوہ کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ (جنات الخلود ص ۳۱) رجال کثی و دمعہ سا کہ ص ۳۵ و مسند امام رضا علیہ السلام کے ۲ میں ہے کہ آپ اعلم اہل زمانہ اور کثیر الصوم والعبادۃ تھے۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علماء و مؤرخین کا بیان ہے کہ آپ بتاریخ الاذی قعدہ ۱۸۲ھ یوم پنجشنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں (اعلام الوری ص ۱۸۲ جلا العیون ص ۲۸۔ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۳۱۰ انوار الغائبہ ص ۱۲) آپ کی ولادت کے متعلق علامہ مجلسی اور علامہ محمد پارساتحری فرماتے ہیں کہ جناب امام زین کا کہنا ہے کہ جب تک امام علی رضا میرے بطن میں رہے۔ مجھے گل کی گرانباری مطلقاً محسوس نہیں ہوئی) میں اکثر خواب میں تسبیح و تمہیل اور تجمید و تجمید کی آوازیں سنا کرتی تھی۔ جب امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو آپ نے زمین پر تشریف لاتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیئے اور اپنا فرق مبارک آسمان کی طرف بلند کر دیا۔ آپ کے بھائے مبارک جنبش کرنے لگے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ خدا سے کچھ باتیں کر رہے ہیں، اسی اثناء میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تشریف لائے اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں خداوند عالم کی یہ عنایت و کرامت مبارک ہو۔ پھر میں نے مولود مسعود کو آپ کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے اس کے داہنے کان میں

افان اور بانیں کان میں اقامت کہی۔ اس کے بعد آپ . . . نے ارشاد کیا کہ ”بگیر این را کہ بقیہ خدا است در زمین و بخت خداست بعد از من“۔ اسے لے لویہ زمین پر خدا کی نشانی ہے اور میرے بعد بخت اللہ کے فرائض کا ذمہ دار ہے۔ ابن بابویہ فرماتے ہیں کہ آپ دیگر آئمہ علیہم السلام کی طرح مختون اور ناف بریدہ متولد ہوئے تھے۔ (شمس الخطاب و جہار العیون ص ۲۶۹)۔

نام، کنیت، القاب

آپ کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے لوح محفوظ کے مطابق اور تعیین رسول صلعم کے موافق آپ کو ”اسم علی“

سے موسوم فرمایا، آپ آل محمدؑ میں کے تیسرے ”علی“ ہیں۔ (اعلام الوری ص ۲۲۵ و مطالب السؤل ص ۱۸۷) آپ کی کنیت ”ابو الحسن“ تھی اور آپ کے القاب صابر، زکی، ولی، رضی، وصی تھے۔ و اشہار الرضاء اور مشہور ترین لقب رضار تھا (نور الابصار ص ۱۲۸ و تذکرہ خواص الامت ص ۱۹۸) علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو رضا اس لیے کہتے تھے کہ

لقب رضا کی توجیہ

آسمان و زمین میں خداوند عالم، رسول اکرم اور آئمہ طاہرین،

نیز تمام مخالفین و موافقین آپ سے راضی تھے۔ (اعلام الوری ص ۱۸۲) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ بزنی نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے لوگوں کی افواہ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ کے والد ماجد کو لقب رضا سے ”مامون رشید نے طقب کیا تھا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں یہ لقب خدا و رسول کی خوشنودی کا جلوہ بردار ہے۔ اور خاص بات یہ ہے کہ آپ سے موافق و مخالف دونوں راضی اور خوشنود تھے۔ (جہار العیون ص ۲۶۹ و روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۱)۔

آپ کی تربیت

آپ کی نشوونما اور تربیت اپنے والد بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے زیر سایہ ہوئی اور اسی مقدس ماحول میں بچپنا

اور جوانی کی متعدد منزلیں طے ہوئیں اور پندرہ برس کی عمر پوری ہوئی۔ اگرچہ آخری چند سال اس مدت کے وہ تھے۔ جب امام موسیٰ کاظمؑ اعراق میں قیدِ ظلم کی سختیاں برداشت کر رہے تھے مگر اس سے پہلے ۲۲ یا ۲۵ برس آپ کو برابر اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ رہنے کا موقع ملا۔

بادشاہان وقت

آپ نے اپنی زندگی کی پہلی منزل سے تا یہ عہد وفات بہت سے بادشاہوں کے دور دیکھے۔ آپ ۱۵۳ھ میں یہ عہد منصور و داعی

متولد ہوئے۔ (تاریخ خمیس) ۱۵۵ھ میں ہمدی عباسی ۱۶۹ھ میں ہادی عباسی ۱۷۵ھ میں ہارون رشید عباسی ۱۹۳ھ میں، امین عباسی ۱۹۸ھ میں مامون رشید عباسی علی المرتضیٰ خلیفہ وقت ہوتے رہے (ابن الوردی حبیب السیر الوافد) آپ نے ہر ایک کا دوزخ پشمہ خود دیکھا اور آپ پدر بزرگوار نیز دیگر اولاد علی و فاطمہ کے ساتھ جو کچھ ہوتا رہا، اُسے آپ ملاحظہ فرماتے رہے۔ یہاں تک

کہ ۱۳ حج میں آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپ کو زہر دے کر شہید کر دیا گیا۔

آپ کے پدر بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حکومت وقت جس کی باگ ڈور اس وقت ہارون رشید عباسی کے ہاتھوں میں تھی۔ آپ کو

آزادی کی سانس نہ لینے دے گی اور ایسے حالات پیش آجائیں گے کہ آپ کی عمر کے آخری حصے میں اور دنیا کو چھوڑنے کے موقع پر دوستانہ طبیعت کا آپ سے ملنا یا بعد کے لیے رہنا کا دریافت کرنا غیر ممکن ہو جائے گا۔ اس لیے آپ نے انھیں آزادی کے دنوں اور سکون کے اوقات میں جب کہ آپ یرینہ میں تھے پیردانہ طبیعت کو اپنے بعد ہونے والے امام سے روشناس کرانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ چنانچہ اولاد علی و فاطمہ میں ستر آدمی جو ممتاز حیثیت رکھتے تھے انھیں جمع فرما کر اپنے فرزند حضرت علی رضا علیہ السلام کی وصایت اور جانشینی کا اعلان فرما دیا اور ایک وصیت نامہ تحریر بھی مکمل فرمایا جس پر یرینہ کے معززین میں سے ساٹھ آدمیوں کی گواہی لکھی گئی۔ یہ اہتمام دوسرے آئمہ کے یہاں نظر نہیں آیا۔ صرف ان خصوصی حالات کی بنا پر جس سے دوسرے آئمہ اپنی وفات کے موقع پر دو چار نہیں ہونے والے تھے۔

۱۸۳ حج میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے قید خانہ ہارون رشید میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار کر

امام موسیٰ کاظم کی وفات اور امام رضا کے دور امامت کا آغاز

درجہ شہادت حاصل فرمایا، آپ کی وفات کے وقت امام رضا علیہ السلام کی عمر میری تحقیق کے مطابق تیس سال کی تھی۔ والد بزرگوار کی شہادت کے بعد امامت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل ہو گئیں۔ یہ وہ وقت تھا جب کہ بغداد میں ہارون رشید تخت خلافت پر متمکن تھا۔ اور بنی فاطمہ کے لیے حالات بہت ہی ناسازگار تھے۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بعد دس برس ہارون رشید کا دور رہا۔ یقیناً

ہارونی فوج اور خانہ امام رضا علیہ السلام

وہ امام رضا علیہ السلام کے وجود کو بھی دنیا میں اسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا جس طرح اس کے پہلے آپ کے والد بزرگوار کا رہنا اُس نے گوارا نہیں کیا۔ مگر یا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ساتھ جو طویل مدت تک تشدد اور ظلم ہوتا رہا اور جس کے نتیجہ میں قید خانہ ہی کے اندر آپ دنیا سے رخصت ہو گئے اس سے حکومت وقت کی عام بدنامی ہو گئی تھی اور یا واقعی ظالم کو بدسلوکیوں کا احساس اور ضمیر کی طرف سے ملامت کی کیفیت تھی جس کی وجہ سے حکم کھلا امام رضا کے اختلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ لیکن وقت سے پہلے اس نے امام رضا علیہ السلام کو تلے میں کوئی دقیقہ دو کرنا

نہیں کیا حضرت کے عہدہ امامت کو سنبھالتے ہی ہارون رشید نے آپ کا گھر لٹوا دیا، اور عورتوں کے زیورات اور کپڑے تک اُتروائے تھے۔

تاریخ اسلام میں ہے کہ ہارون رشید نے اس حوالہ اور بہانے سے کہ محمد بن جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی حکومت و خلافت سے انکار کر دیا ہے۔ ایک عظیم فوج عیسیٰ جلودی کی ماتحتی میں مدینہ منورہ بھیج کر حکم دیا کہ علی و فاطمہ کی تمام اولاد کو بالکل ہی تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ان کے گھروں میں آگ لگا دی جائے۔ ان کے سامان لوٹ لیے جائیں اور انھیں اس درجہ مفلوج اور مفلوک کر دیا جائے کہ پھر ان میں کسی قسم کے حوصلہ کے ابھرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکے اور محمد بن جعفر کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے عیسیٰ جلودی نے مدینہ پہنچ کر تعمیل حکم کی سعی بلیغ کی اور ہر ممکن طریقہ سے بنی فاطمہ کو تباہ و برباد کیا۔ حضرت محمد بن جعفر علیہ السلام نے بھر پور مقابلہ کیا۔ لیکن آخر میں گرفتار ہو کر ہارون رشید کے پاس پہنچا دیئے گئے۔ عیسیٰ جلودی سادات کرام کو لوٹ کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے دولت کمرہ پر پہنچا اور اُس نے خواہش کی کہ وہ حسب حکم ہارون رشید، خانہ امام میں داخل ہو کر اپنے ہاتھوں سے عورتوں کے زیورات اور کپڑے اُتارے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا، میں خود تمہیں سارا سامان لا کر دیئے دیتا ہوں۔ پہلے تو وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ لیکن بعد میں کہنے لگا کہ اچھا آپ ہی اُتار لائیے۔ آپ محل سر میں تشریف لے گئے اور آپ نے تمام زیورات اور سارے کپڑے ایک ستر پوش چادر کے علاوہ لا کر دے دیا۔ اور اُسی کے ساتھ ساتھ اثاثات نبیت نقد و منس یہاں تک کہ پتھوں کے کان کے بندے سب کچھ اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ ملعون تمام سامان لے کر بغداد روانہ ہو گیا۔ یہ واقعہ آپ کے آغاز امامت کا ہے۔ علامہ مجلسی بجا الزوار میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر صادق کے واقعہ سے امام علی رضا علیہ السلام کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ اکثر اپنے چچا محمد کو خاموشی کی ہدایت اور صبر کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی مقال الطالین میں لکھتے ہیں کہ محمد بن جعفر نہایت متقی اور پرہیزگار شخص تھے۔ کسی نا صبی نے دستی کتبہ لکھ کر مدینہ کی دیواروں پر چسپاں کر دیا تھا جس میں حضرت علی و فاطمہ کے متعلق نامنہر الفاظ تھے۔ یہی آپ کے خروج کا سبب بنا۔ آپ کی بیعت لفظ امیر المؤمنین سے کی گئی۔ آپ جب نماز کو مکتے تھے تو آپ کے ساتھ دو کسوٹیاں واقفیا ہوا کرتے تھے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد صفوان بن یحییٰ نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ مولا ہم آپ کے بارے میں ہارون رشید سے بہت مخالفت ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ کیس آپ کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو آپ کے والد کے ساتھ کر چکا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو اپنی سعی کرے گا۔ لیکن مجھ پر کامیاب نہ ہو سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور حالات نے اُسے کچھ اس درجہ آخر میں مجبور کر دیا تھا کہ وہ کچھ بھی

نہ کر سکا یہاں تک کہ جب خالد بن یحییٰ برکی نے اس سے کہا کہ امام رضا اپنے باپ کی طرح اہل امامت کا اعلان کرتے اور اپنے کو امام زمانہ کہتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ ہم جو ان کے ساتھ کر چکے ہیں وہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اب تو چاہتا ہے کہ "ان لقتلہم جمیعاً" ہم سب کے سب کو قتل کر ڈالیں، اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ (نورالابصار ص ۴۲۳ طبع مصر)۔

علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ پھر بھی ہارون رشید کا اہمیت رسول سے شدید اختلاف اور سادات کے ساتھ جو برتاؤ اب تک رہا تھا۔ اس کی بنا پر عام طور سے عمال حکومت یا عام افراد بھی جنہیں حکومت کو راضی رکھنے کی خواہش تھی۔ اہمیت کے ساتھ کوئی اچھا رویہ رکھنے پر تیار نہیں ہو سکتے تھے اور نہ امام کے پاس آزادی کے ساتھ لوگ استفادہ کے لیے آسکتے تھے۔ نہ حضرت کو سچے اسلامی احکام کی اشاعت کے مواقع حاصل تھے۔

ہارون کا آخری زمانہ اپنے دونوں بیٹوں، امین اور مامون کی باہمی رقابتوں سے بہت بے لطفی میں گزرا، امین پہلی بیوی سے تھا جو خاندان شاہی سے منصور و واثقی کی پوتی تھی اور اس لیے عرب سردار سب اس کے طرف دار تھے اور مامون ایک عجمی کنیز کے پیٹ سے تھا اس لیے دربار کا عجمی طبقہ اس سے محبت رکھتا تھا، دونوں کی آپس کی رستہ کشی ہارون کے لیے سوہان رُوح بنی ہوئی تھی، اس نے اپنے خیال میں اس کا تصفیہ مملکت کی تقسیم کے ساتھ یوں کر دیا کہ دارالسلطنت بغداد اور اس کے چاروں طرف کے عربی حصے جیسے شام۔ مصر۔ حجاز یمن وغیرہ محمد امین کے نام کے اور مشرقی ممالک جیسے ایران۔ خراسان۔ ترکستان وغیرہ مامون کے لیے مقرر کئے مگر یہ تصفیہ تو اس وقت کا اگر ہو سکتا تھا جب دونوں فریق "جیو اور جینے دو" کے اصول پر عمل کرتے ہوتے۔ لیکن جہاں اقتدار کی ہوس کار فرما ہو۔ وہاں بنی عباس میں ایک گھر کے اندر دو بھائی اگر ایک دوسرے کے ہم مقابل ہوں تو کیوں نہ ایک دوسرے کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے پر تیار نظر آئے اور کیوں نہ ان طاقتوں میں یا بھی تصادم ہو۔ جب کہ ان میں سے کوئی اس ہمدردی اور ایثار اور خلق خدا کی خیر خواہی کا بھی حامل نہیں ہے۔ جسے بنی فاطمہ اپنے پیش نظر رکھ کر اپنے واقعی حقوق سے چشم پوشی کر دیا کرتے تھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ادھر ہارون کی آنکھ بند ہوئی اور ادھر بھائیوں میں خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک اُٹھے۔ آخر چار برس کی مسلسل کشمکش اور طویل خونریزی کے بعد مامون کو کامیابی ہوئی اور اس کا بھائی امین محرم ۱۹۵ھ میں غوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اور مامون کی خلا تمام بنی عباس کے حدود سلطنت پر قائم ہو گئی۔

یہ سچ ہے کہ ہارون رشید کے ایام سلطنت میں آپ کی امامت کے دس سال گزرے اس زمانہ میں عیسیٰ جلودی کی تاخت کے بعد پھر اس نے آپ کے معاملات کی طرف بالکل سکوت اور خاموشی

اختیار کر لی اس کی دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول تو یہ کہ اس دس سالہ زندگی کے ابتدائی ایام میں وہ آل
براکہ کے استیصال۔ رافع بن لیث ابن تیار کے خدر اور فساد کے انسداد میں جو سمرقند کے علاقہ سے
منواری ہو کر ماوراء النہر اور حدود عرب تک پھیل چکا تھا۔ ایسا ہمہ وقت اور ہمہ دم اٹھا رہا کہ پھر اس
کو ان امور کی طرف توجہ کرنے کی ذرا بھی فرصت نہ ملی۔ دوسرے یہ کہ اپنی دس سالہ مدت کے آخری
ایام میں یہ اپنے بیٹوں میں ملک تقسیم کر دینے کے بعد خود ایسا کمزور اور مجبور ہو گیا تھا کہ کوئی کام اپنے
اختیار سے نہیں کر سکتا تھا۔ نام کا بادشاہ بنا بیٹھا ہوا اپنی زندگی کے دن نہایت عمرت اور تنگی کی
حالتوں میں کاٹ رہا تھا۔ اس کے ثبوت کے لیے واقعہ ذیل ملاحظہ فرمائیں۔ صباح طبری کا بیان ہے
کہ ہارون جب خراسان جانے لگا۔ تو میں نہروان تک اس کی مشالعت کو گیا۔ راستہ میں اُس نے
بیان کیا کہ اے صباح تہاب کے بعد پھر مجھے زندہ نہ پاؤ گے۔ میں نے کہا امیر المومنین ایسا خیال نہ
کریں۔ آپ انشاء اللہ صحیح و سالم اس سفر سے واپس آئیں گے۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ شاید تجھ کو میرا
حال معلوم نہیں ہے۔ آ، میں دکھا دوں، پھر مجھے راستہ کاٹ کر ایک سمت درخت کے نیچے لے گیا اور
وہاں سے اپنے غمخسوں کو ہٹا کر اپنے بدن کا کپڑا اٹھا کر مجھے دکھایا، تو ایک پارچہ ریشم شکم پر بیٹھا
ہوا تھا، اور اُس سے سارا بدن کسا ہوا تھا۔ یہ دکھا کر مجھ سے کہا کہ میں مدت سے بیمار ہوں۔ تمام
بدن میں درد اٹھتا ہے۔ مگر کسی سے اپنا حال کہہ نہیں سکتا۔ تمہارے پاس بھی یہ راز امانت رہے۔
میرے بیٹوں میں سے ہر ایک کا گمانشتہ میرے اوپر مقرر ہے۔ ماموں کی طرف سے شہروراء امین کی جانب
سے سختیشوع۔ یہ لوگ میری سانس تک گنتے رہتے ہیں، اور نہیں چاہتے کہ میں ایک روز بھی زندہ
رہوں، اگر تم کو یقین نہ ہو تو دیکھو میں تمہارے سامنے گھوڑا سوار ہونے کو مانگتا ہوں، ایسا لاغر ٹٹو
میرے لیے لائیں گے جس پر سوار ہو کر میں اور زیادہ بیمار ہو جاؤں، یہ کہہ کر گھوڑا طلب کیا۔ واقعی ایسا
ہی لاغر اٹیل ٹٹو حاضر کیا۔ اُس پر ہارون بے چوں و چرا سوار ہو گیا اور مجھ کو وہاں سے رخصت کر کے
خراسان کا راستہ پکڑ لیا۔ (لمعة الضیاء ص ۹۲)۔

بہر حال ہارون رشید کی یہی مجبوریات تھیں جنہوں نے اس کو حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے
مخالفانہ امور کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ ورنہ اگر اُسے فرصت ہوتی اور وہ اپنی قدیم ذی اختیار
کی حالتوں پر قائم رہتا تو اس سلسلہ کی غارت گری و بربادی کو کبھی بھولنے والا نہیں تھا، مگر اُس
وقت کیا کر سکتا تھا۔ اپنے ہی دست و پا اپنے اختیار میں نہیں تھے۔ بہر حال ہارون رشید ہی بنی اس
مجبوری ناداری اور بے اختیارگی کی غیر متحمل مصیبتوں میں خراسان پہنچ کر شروع ۱۹۳ھ میں مر گیا۔
ان دونوں بھائیوں امین اور مامون کے متعلق تو زمین کا کناٹا ہے کہ ماموں کو پھر بھی سوجھ بوجھ
اور اچھے کیر کپڑے کا آدمی تھا۔ لیکن امین عیاش، لالہ بالی اور کمزور طبیعت کا تھا سلطنت کے تمام حصوں سے

بازی گر، مسخرے اور نجومی جو تیشی بولتے۔ نہایت خوب صورت طوائف اور نہایت کامل گانے والوں اور خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی رقمیں خرچ کر کے اور نامک کی ایک محفل مثل اندر سجا کے ترتیب دی۔ یہ ٹھیٹر اپنے ذریعہ برق سامانوں سے پر یوں کا اکھاڑا معلوم ہوتا تھا۔ سیوطی نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ امین اپنی بیویوں اور کینزوں کو چھوڑ کر خستہوں سے لواطت کرتا تھا (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۱۰۰)۔

زمانہ ہارون رشید میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام حج کے لیے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ اسی سال ہارون رشید بھی حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ خانہ کعبہ میں داخلہ کے بعد امام علی رضا علیہ السلام ایک دروازے سے اور ہارون رشید دوسرے دروازے سے نکلے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ

دوسرے دروازے سے نکلنے والا جو ہم سے دور جا رہا ہے، عنقریب بطوس میں دونوں ایک جگہ ہوں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ یحییٰ ابن خالد بریل کو امام علیہ السلام نے مکہ میں دیکھا کہ وہ رومال سے گرد کی وجہ سے منہ بند کئے ہوئے جا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُسے پتہ بھی نہیں کہ اس کے ساتھ ۱۰ سال کیا ہونے والا ہے۔ یہ عنقریب تباہی کی منزل میں پہنچا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ راوی مسافر کا بیان ہے کہ حج کے موقع پر امام علیہ السلام نے ہارون رشید کو دیکھ کر اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ملاتے ہوئے فرمایا کہ میں اور یہ اسی طرح ایک ہو جائیں گے۔ وہ کہتا ہے کہ میں اس ارشاد کا مطلب اس وقت سمجھا جب آپ کی شہادت واقع ہوئی اور دونوں ایک مقبرہ میں دفن ہوئے۔ موسیٰ بن عمران کا کہنا ہے کہ اسی سال ہارون رشید مدینہ منورہ پہنچا اور امام علیہ السلام نے اسے خطبہ دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ عنقریب میں اور ہارون ایک ہی مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے۔ (تور الابصار ص ۱۲۲)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا مجدد مذہب امامیہ ہونا

احادیث میں ہر سو سال کے بعد ایک مجدد اسلام کے نمودار ہونے کا نشان ملتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو اسلام کا مجدد ہوگا اس کے تمام ماننے والے اسی کے مسلک پر کامزن اور اسی کے اصول و فروع کے سراہنے والے ہوں گے اور مجدد کا جو بنیادی مذہب ہوگا۔ اُس کے ماننے والوں کا بھی وہی مذہب ہوگا۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جو قطعی طور پر فرزند رسول اسلام تھے۔ وہ اسی مسلک پر کامزن تھے۔ جس مسلک کی بنیاد پیغمبر اسلام اور علی تیر الانام کا وجود ہی جوڑ تھا۔ یہ مسلمات سے ہے کہ آل محمد علیہم السلام پیغمبر علیہ السلام کے نقش قدم پر چلتے تھے اور انھیں کے خدائی منشا۔ اور بنیادی مقصد کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ یعنی آل محمد کا مسلک وہی تھا جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و

آہ وسلم کا مسک تھا۔ علامہ ابن اثیر جزری اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام تیسری صدی ہجری میں اور ثقہ الاسلام علامہ کلینی چوتھی صدی ہجری میں مذہب امامیہ کے مجدد تھے۔ علامہ قزوینی اور ملازمین نے اسی کو دوسری صدی کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے (وسیلۃ النجات ص ۲۷۶ و شرح جامع صغیر) محدث دہلوی شاہ عبدالعزیز ابن اثیر کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن اثیر جزری صاحب جامع الاصول کہ حضرت امام علی بن موسیٰ الرضاؑ مجدد مذہب امامیہ در قرن ثالث گفتمہ است۔ ابن اثیر جزری صاحب جامع الاصول نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو تیسری صدی میں مذہب امامیہ کا مجدد ہونا ظاہر و واضح فرمایا ہے (تحفۃ اثنا عشریہ کید ۸۵ ص ۵۳) بعض علمائے اہل سنت نے آپ کو دوسری صدی کا اور بعض نے تیسری صدی کا مجدد بتلایا ہے۔ میرے نزدیک دونوں درست ہے۔ کیوں کہ دوسری صدی میں امام رضا علیہ السلام کی ولادت اور تیسری صدی کے آغاز میں آپ کی شہادت ہوئی ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل

آپ کے اخلاق و عادات اور شمائل و خصائل کا لکھنا اس لیے دشوار ہے کہ وہ بے شمار ہیں۔ ”مشتہ نمونہ از خردارے“ یہ ہیں بحوالہ علامہ شبلنجی ابراہیم بن عباس تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے کبھی کسی شخص کے ساتھ گفتگو کرنے میں سختی نہیں کی، اور کبھی کسی بات کو قطع نہیں فرمایا۔ آپ کے مکارم عادات سے تھا، کہ جب بات کرنے والا اپنی بات ختم کر لیتا تب اپنی طرف سے آغاز کلام فرماتے۔ کسی کی حاجت روائی اور کام نکالنے میں حتی المقدور مدد فرماتے کبھی اپنے ہمنشین کے سامنے پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے اور نہ اہل محفل کے روبرو تکیہ لگا کر بیٹھتے تھے کبھی اپنے غلاموں کو گالی نہ دی۔ اور چیزوں کا کیا ذکر۔ میں نے کبھی آپ کو تھوکتے اور ناک صاف کرتے نہیں دیکھا۔ آپ قہقہہ لگا کر ہرگز نہیں ہنستے تھے۔ خندہ زنی کے موقع پر آپ تبسم فرمایا کرتے تھے۔ محاسن اخلاق اور تواضع و انکساری کی یہ حالت تھی کہ دسترخوان پر سائیس اور دربان تک کو اپنے ساتھ بٹھالیتے۔ راتوں کو بہت کم سوتے اور اکثر راتوں کو شام سے صبح تک شب بیداری کرتے تھے۔ اکثر اوقات روزے سے ہوتے تھے مگر ہر مہینے کے تین روزے تو آپ سے کبھی قضا نہیں ہوتے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ ہر ماہ میں کم از کم تین روزے رکھ لینا ایسا ہے۔ جیسے کوئی ہمیشہ روزے سے رہے۔ آپ کثرت سے خیرات کیا کرتے تھے۔ اور اکثر رات کے تاریک پردہ میں اس استجاب کو ادا فرمایا کرتے تھے جو ہم گراما میں آپ کا فرش جس پر آپ بیٹھ کر فتویٰ دیتے یا مسائل بیان کیا کرتے پوریا ہوتا تھا اور سر میں کبیل

آپ کا یہی طرز اس وقت بھی رہا جب آپ ولی عہد حکومت تھے۔ آپ کا لباس گھر میں موٹا اور خوش
 ہوتا تھا اور بیخ طبع کے لیے باہر آپ اچھا لباس پہنتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے آپ سے کہا کہ حضور
 اتنا عمدہ لباس کیوں استعمال فرماتے ہیں آپ نے اندر کا پیرا بن دکھلا کر فرمایا۔ اچھا لباس دنیا والوں
 کے لیے اور کبیل کا پیرا بن خدا کے لیے ہے۔ علامہ موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ حمام
 میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص جندی نامی آگیا اور اس نے بھی نہانا شروع کیا۔ دوران غسل
 میں اس نے امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ میرے جسم پر پانی ڈالتے۔ آپ نے پانی ڈالنا شروع کیا
 اتنے میں ایک شخص نے کہا۔ اے جندی فرزند رسول سے خدمت لے رہا ہے۔ ارے یہ امام رضا
 ہیں، یہ سننا تھا کہ وہ بیروں پر گریڑا اور معافی مانگنے لگا۔ (نور الابصار ص ۳۷۵ و ۳۷۶)۔

ایک مرتبہ ملحقی ناقل ہے کہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک مقام پر دسترخوان بچھا
 تو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں جوشی بھی شامل تھے۔ بلا کر بٹھلایا۔ میں نے عرض کیا مولا انھیں علیحدہ
 بٹھلائیں تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب کا رب ایک ہے اور ماں باپ آدم و حوا بھی ایک
 ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیا۔ آپ کے ایک خادم یا سر کا کنا ہے کہ آپ
 کا یہ تا کیدی حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم نہ کرے۔ معمر
 بن خلاد کا بیان ہے کہ جب بھی دسترخوان بچھتا آپ ہر کھانے میں سے ایک ایک لقمہ نکال لیتے
 تھے، اور اُسے مسکینوں اور یتیموں کو بھیج دیا کرتے تھے۔ شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ نے
 ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ بزرگی تقویٰ سے ہے جو مجھ سے زیادہ تقویٰ ہے وہ مجھ

سے بہتر ہے۔ ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ آپ مجھے اپنی حیثیت کے مطابق کچھ مال
 دینا سے دیجئے۔ آپ نے فرمایا یہ مشکل ہے۔ پھر اس نے عرض کی اچھا میری حیثیت کے مطابق عتبات
 کیجئے، فرمایا یہ ممکن ہے۔ چنانچہ آپ نے اُسے دو سو اشرفی عنایت فرمادی۔ ایک مرتبہ نویں ذی الحجہ
 یوم عرفہ آپ نے راہ خدا میں سارا گھر ٹٹا دیا۔ یہ دیکھ کر فضل بن سہیل وزیر مامون نے کہا۔ حضرت یہ
 تو غرمت یعنی اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ غرمت نہیں غنیمت ہے میں اس
 کے عوض میں خدا سے نیکی اور حسنہ لوں گا۔ آپ کے خادم یا سر کا بیان ہے کہ ہم ایک دن میوہ کھا رہے
 تھے اور کھانے میں ایسا کرتے تھے کہ ایک پھل سے کچھ کھاتے اور کچھ بھینک دیتے تھے۔ ہمارے اس
 عمل کو آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا نعمت خدا کو صنایع ذکر و تھیک سے کھاؤ اور جو بیچ جائے اُسے
 کسی محتاج کو دے دو۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مزدوری کی مزدوری پہلے طے کرنا چاہیے۔ کیونکہ بیچائی
 ہونی اجرت سے زیادہ جو کچھ دیا جائے گا۔ پانے والا اُس کو انعام سمجھے گا۔ صولی کا بیان ہے کہ آپ
 اکثر عود ہندی کا بخور کرتے اور مشک و گلاب کا پانی استعمال کرتے تھے۔ عطریات کا آپ کو بڑا شوق تھا

نماز صبح اول وقت پڑھتے اس کے بعد مسجد میں چلے جاتے تھے، اور نہایت ہی طول دیتے تھے۔ پھر لوگوں کو پسند و نصح فرماتے۔ سلیمان بن جعفر کا کناہہ کہ آپ اپنے آباء اجداد کی طرح خرمے کو بہت پسند فرماتے تھے۔ آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے۔ جب بھی آپ بستر پر بیٹے تھے تاہم خواب قرآن مجید کے سورے پڑھا کرتے تھے۔ موسیٰ بن سیار کا بیان ہے کہ آپ انشا پر اپنے شیعوں کی میت میں شرکت فرماتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہر روز شام کے وقت امام وقت کے سامنے شیعوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شیعہ گناہ کار ہوتا ہے تو امام اس کے لیے استغفار کرتے ہیں۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کے سلسلے میں جب بھی کوئی آتا تھا۔ آپ پہچان لیتے تھے کہ مومن ہے یا منافق (اعلام الوری تحفہ رضویہ کشف الغمہ ص ۱۱۲) علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ آپ ہر سوال کا جواب قرآن مجید سے دیتے تھے اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتے تھے (جنات الخلود ص ۳۱)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کے بعض کرامات

آپ کے قول و فعل سے بے انتہا کرامات کا ظہور ہوا ہے جن میں سے چند اس جگہ لکھے جاتے ہیں علامہ مومن شبلنجی رقمطراز ہیں۔

(۱) ایک دن حضرت امام رضا علیہ السلام نے امین اور مامون پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب امین کو مامون قتل کر دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور امین عباسی ۲۳ محرم ۱۹۸ھ ہجری کو چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد مامون رشید کے ہاتھوں قتل ہوا (تاریخ اسلام جلد ۲۰ نور الابصار)۔

(۲) حسین بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ہم لوگ ایک مقام پر بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں جعفر بن عمر العلوی کا گزر ہوا۔ ہم اس کی شکل و شبہت اور بعیت و حالت دیکھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے حضرت امام رضا نے فرمایا یہ عنقریب دولت مند اور رئیس ہو جائے گا اور اس کی حالت کیسے تبدیل ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور وہ ایک ماہ کے اندر مدینہ کا گورنر ہو گیا۔

(۳) جعفر بن صالح سے آپ نے فرمایا کہ تیری بیوی کے دو جوڑواں بچے ہوں گے۔ ایک کا نام علی اور دوسرے کا نام ام عمر رکھنا۔ جب اس کے یہاں ولادت ہوئی ہے تو ایسا ہی ہوا۔ جعفر بن صالح نے اپنی ماں سے کہا۔ امام علی رضا نے یہ ام عمر کیا نام تجویز فرمایا ہے۔ اس نے کہا تیری دادی کا نام ام عمر تھا۔ حضرت نے اسی کے نام پر اسے موسوم فرمایا۔

(۴) آپ نے ایک شخص کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ اسے میرے پاس بلا لاؤ۔ جب وہ لایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ تو وصیت کر لے اور امرِ حتمی کے لیے تیار ہو جا۔ فمات الرجل بعد ثلاثا ایام اس فرمانے کے تین دن بعد اس شخص کا انتقال ہو گیا۔ (نور الابصار ص ۱۳۹)۔

(۵) علامہ عبد الرحمن رقمطراز ہیں کہ ایک شخص غراسان کے ارادہ سے نکلا۔ اُسے اُس کی لڑکی نے ایک حلہ دیا کہ اسے فروخت کر کے فیروزہ لیتے آنا۔ وہ کتابے کہ جب میں مقامِ مریض پہنچا تو امام رضا کے ایک خادم نے مجھ سے کہا کہ ایک دوست دار اہلبیت کا انتقال ہو گیا ہے اس کے کفن کی ضرورت ہے تو اپنا حلہ میرے ہاتھ فروخت کر دے تاکہ میں اسے اس کے کفن کے لیے استعمال کروں۔ اس مرد کو فنی نے کہا کہ میرے پاس کوئی حلہ برائے فروخت نہیں ہے۔ خادم نے امام رضا علیہ السلام سے واقعہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس سے جا کر میرا سلام کر دے اور اُسے میرا یہ پیغام پہنچا کہ تیری لڑکی نے جو حلہ برائے خرید فیروزہ دیا ہے۔ وہ فروخت کر دے اُس نے بڑا تعجب کیا اور حلہ نکال کر اس کے ہاتھ فروخت کر ڈالا۔ اُس کو فنی کا بیان ہے کہ میں نے یہ سوچ کر کہ وہ بڑے بالکمال ہیں ان سے چند سوالات کرنا چاہا اور اسی ارادے سے ان کے مکان پر گیا لیکن آنا اثر و حاکم تھا کہ در دولت تک نہ پہنچ سکا۔ دُور کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ ایک غلام نے ایک پرچہ لاکر دیا اور کہا کہ امام رضا علیہ السلام نے یہ پرچہ عنایت فرماتے ہوئے کہا ہے کہ تیرے سوالات کے جوابات اس میں مرقوم ہیں۔ پچھلے نگاہ کر دم جواب مسئلہ ہائے من بود جب میں نے اُسے دیکھا تو واقعاً میرے سوالات کے جوابات تھے۔

(۶) ربان بن صلت کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں یہ تھا کہ میں حضرت سے اپنے لیے جانے اور ان سے وہ درہم مانگوں گا جس پر آپ کا اجر گرامی کندہ ہوگا۔ میرے حاضر ہوتے ہی آپ نے اپنے غلام سے فرمایا کہ یہ جانے اور سنے چاہتے ہیں۔ انھیں دو جانے اور میرے نام کے تیس سگے دے دو۔

(۷) ایک تاجر کو کرمان کے راستے میں ڈاکوؤں نے پکڑ کر اُس کے مُنہ میں اس درجہ برف بھر دی، کہ اس کی زبان اور اس کا بچڑا انکار رفتہ ہو گیا۔ اس نے بہت علاج کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ایک دن اُس نے سوچا کہ مجھے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علاج کی درخواست کرنی چاہی، یہ سوچ کر وہ رات میں سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ کوئی سحر اور تمک کو پانی میں بھگو کر تین چار بار غرغره کرو۔ انشاء اللہ شفا ہو جائے گی۔ جب میں خواب سے بیدار ہو کر حاضر خدمت ہوا تو حضرت نے فرمایا تمہارا وہی علاج ہے، جو میں نے تم کو خواب میں بتلایا ہے۔ وہ کتابے کہ میں نے اپنا خواب

اُن سے بیان نہیں کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے یہی جواب دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حضرت نے جو دو باتیں تھی اُس کے اجزاء یہ ہیں زیرہ کرمانی، سقر تمک (کشف الغمہ ص ۱۱۸) ابو اسماعیل سندھی کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرواز ہوا۔ کہ مولا مجھے عربی زبان نہیں آتی۔ آپ نے اُس کے لبوں پر دست مبارک پھیر کر اُسے عربی میں گویا بنا دیا۔

(۹) ایک حاجی نے آپ سے بہت سے سوالات کئے، آپ نے سب کا جواب دے کر فرمایا کہ وہ سوال تم نے نہیں کیا جو احرام کے لباس سے متعلق تھا۔ جس میں تمہیں شک ہے۔ اس نے کہا ہاں مولا اسے مجھوں گیا تھا۔ آپ نے فرمایا اس مخصوص لباس میں احرام درست ہے۔ آپ نے خاکِ زمیں سونگھ کر اپنی قبر کی جگہ بتا دی۔

(۱۱) ایک شخص معتمد کا بیان ہے کہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے پاس کھڑا تھا کہ چڑیوں کا ایک جھنڈا امام کے پاس آکر جھیننے لگا۔ امام نے مجھ سے کہا جانتے ہو یہ کیا کتابے میں نے کہا کہ خدا و رسول اور فرزند رسول ہی اسے جان سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا اس جھنڈے کا کتابا ہے کہ ایک سانپ آیا ہوا ہے اور وہ میرے پھول کو کھانا چاہتا ہے تم جھاؤ اور اُسے تلاش کر کے مار ڈالو۔ چنانچہ میں اُس مقام پر گیا اور سانپ کو مار ڈالا۔ شوہد النبوت ص ۱۹۹ تا ص ۲۰۰ علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ فخر پڑا آپ نے دعا کی۔ لکہ ابر نمودار ہوا۔ لوگ خوش ہو گئے لیکن آپ نے فرمایا کہ یہ ٹکڑا ابر کا فلاں مقام کے لیے ہے۔ اسی طرح کئی بار ہوا۔ آخر میں آپ نے ایک لکہ ابر کے نمودار ہونے پر فرمایا کہ یہ یہاں برسے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (جنات اللہ ص ۳۱ - عیون اخبار رضا ص ۲۱۴)۔

(۱۳) علامہ طبرسی تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز آپ اپنی زمینداری پر تشریف لے گئے۔ جاتے وقت فرمایا کہ میرے ہمراہی کو چاہیے کہ بارش کا سامان لے لے۔ جس بن موسیٰ نے کہا کہ حضور سخت گرمی ہے۔ بارش کے تو اُٹار نہیں ہیں۔ فرمایا بارش ضرور ہوگی۔ چنانچہ وہاں پہنچنے کے بعد ہی بارش کا نزول شروع ہو گیا۔ اور خوب پانی برسا۔ (اعلام الوری ص ۱۸۹)۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جناب علی رضا علیہ السلام
وقعتہ ترمیحانی

(۱۴) علامہ ابن حجر مکی۔ علامہ شلبی۔ علامہ عبد اللہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ محمد بن عیسیٰ بن حبیب کا بیان ہے کہ میں نے خواب میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے شہر کی اُس مسجد میں دیکھا

جس میں حاجی اترتے اور نماز وغیرہ پڑھا کرتے تھے۔ میں نے حضرت کو سلام کیا اور حضرت کے پاس طبق دیکھا جس میں نہایت عمدہ کھجوریں رکھی ہوئی تھیں۔ میرے سلام پر حضرت نے مجھے اٹھا رہے دانے اس کھجور کے مرحمت فرمائے۔ میں اس خواب سے بیدار ہوا تو سمجھا کہ اب صرف اٹھارہ سال زندہ رہوں گا۔ اس خواب کے بیس دن بعد حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے تشریف لائے، اور اسی مسجد میں اترے جس میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا تھا۔ حضرت کے سامنے ایک طبق میں ویسی ہی کھجوریں رکھی تھیں۔ لوگ حضرت کے سلام کو دوڑے میں بھی گیا تو دیکھا کہ حضرت اسی جگہ تشریف فرما ہیں۔ جہاں میں نے خواب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تشریف فرما دیکھا تھا۔ میں نے سلام کیا تو حضرت نے جواب دیا اور اپنے قریب بلا کر ایک مٹھی اسی طبق کی کھجوریں مرحمت فرمائیں۔ میں نے گئی تو وہ بھی اٹھا رہے تھیں۔ اسی قدر جتنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے خواب میں دی تھیں۔ میں نے عرض کی کہ حضور اور کچھ مرحمت ہو تو فرمایا۔ لوزانک رسول اللہ لوزانک کہ اگر رسول خدا صلعم تم کو خواب میں اس سے زیادہ دیتے ہوتے تو میں بھی زیادہ دیتا۔ (صواعق مخرقة ص ۱۲۲، نور الابصار ص ۱۲۳، ارجح المطالب ص ۵۶)

حضرت امام رضا علیہ السلام کا علمی کمال

توہین کا بیان ہے کہ آل محمد کے اس سلسلے میں ہر فرد حضرت احدیت کی طرف سے بلند ترین علم کے درجے پر قرار دیا گیا تھا جسے دوست اور دشمن سب کو ماننا پڑتا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ کسی کو علمی فیوض پھیلانے کا زمانے نے کم موقع دیا، اور کسی کو زیادہ۔ چنانچہ ان حضرات میں سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعد اگر کسی کو سب سے زیادہ موقع حاصل ہوا ہے تو وہ حضرت امام رضا علیہ السلام ہیں۔ جب آپ امامت کے منصب پر نہیں پہنچے تھے۔ اس وقت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اپنے تمام فرزندوں اور خاندان کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے کہ تمہارے بھائی علی رضا عالم آل محمد ہیں۔ اپنے دینی مسائل کو ان سے دریافت کر لیا کرو، اور جو کچھ کہیں اُسے یاد رکھو اور پھر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی وفات کے بعد جب آپ مدینہ میں تھے اور روضہ رسول پر تشریف فرما رہے تھے تو علمائے اسلام مشکل مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ محمد بن عیسیٰ یقینینی کا بیان ہے کہ میں نے ان تحریری مسائل کو جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے پوچھے گئے تھے اور آپ نے ان کا جواب تحریر فرمایا تھا۔ اکٹھا کیا تو اٹھارہ ہزار کی تعداد میں تھے۔ صاحب لمعة الرضا تحریر کرتے ہیں کہ حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کے خصوصیات میں یہ امر تمام تاریخچی

مشاہد اور نیز حدیث و سیر کے اسانید معتبر سے ثابت ہے۔ باوجودیکہ اہل دنیا کو آپ حضرات کی تقلید اور متابعت فی الاحکام کا بہت کم شرف حاصل تھا۔ مگر بایں ہمہ تمام زمانہ و ہر خویش و بیگانہ آپ حضرات کو تمام علوم الہی اور اسرار الہی کا گنجینہ سمجھتا تھا اور محدثین و مفسرین اور تمام علماء و فضلاء جو آپ کے مقابلہ کا دعویٰ رکھتے تھے۔ وہ بھی علمی مباحث و مجالس میں آپ حضرات کے آگے زانوئے ادب نہ کرتے تھے۔ اور علمی مسائل کو حل کرنے کی ضرورتوں کے وقت حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے لے کر امام زین العابدین علیہ السلام تک استفادے کئے۔ وہ سب کتابوں میں موجود ہے۔

جابر بن عبد اللہ انصاری اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں سمع حدیث کے واقعات تمام حدیث کی کتاب میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح ابو الطفیل عامری اور سعید بن جبیر آخری صحابہ کی تفصیلی حالات جو ان بزرگوں کے حال میں پائے جاتے ہیں، وہ سیر و تواریخ میں مذکور و مشہور ہیں صحابہ کے بعد تابعین اور تابع تابعین اور ان لوگوں کی فیض یابی کی بھی یہی حالت ہے۔ شعبی، زہری ابن قتیبہ سفیان ثوری۔ ابن شیبہ۔ عبد الرحمن۔ عکرمہ۔ حسن بصری وغیرہ یہ سب کے سب جو اس وقت اسلامی دنیا میں دینیات کے پیشوا اور مقدس سمجھے جاتے تھے۔ ان ہی بزرگوں کے چشمہ فیض کے جرعہ نوشی اور انہی حضرات کے مطبخ و حلقہ بگوش تھے۔ جناب امام رضا علیہ السلام کو اتفاقاً حسنہ سے اپنے علم و فضل کے اظہار کے زیادہ مواقع پیش آئے کیوں کہ ماموں عباسی کے پاس جب تک دار الحکومت مرو تشریف فرما رہے۔ بڑے بڑے علماء و فضلاء علوم مختلفہ میں آپ کی استعداد اور فضیلت کا اندازہ کرایا گیا اور کچھ اسلامی علماء و فضلاء پر موقوف نہیں تھا۔ بلکہ علماء یہود و نصاریٰ سے بھی آپ کا مقابلہ کرایا گیا۔ مگر ان تمام مناظروں و مباحثوں میں ان تمام لوگوں پر آپ کی فضیلت و فوقیت ظاہر ہوئی۔ خود ماموں بھی خلفائے عباسیہ میں سب سے زیادہ اعلم و افضل تھا باوجود اس کے تخریفی العلوم کا لوہا مانتا تھا اور چار و ناچار اس کا اعتراف پر اعتراف اور اقرار پر اقرار کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ ابن حجر صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ آپ جلالت قدر عزت و شرافت میں معروف و مذکور ہیں۔ اسی وجہ سے ماموں آپ کو بمنزلہ اپنی روح و جان جانتا تھا۔ اُس نے اپنی دختر کا نکاح آنحضرت علیہ السلام سے کیا۔ اور ملک و ولایت میں اپنا شریک گردانا۔ ماموں برابر علماء و ارباب و فقہائے شریعت کو جناب امام رضا علیہ السلام کے مقابلہ میں بلاتا اور مناظرہ کراتا۔ مگر آپ ہمیشہ ان لوگوں پر غالب آتے تھے اور خود ارشاد فرماتے تھے کہ میں مدینہ میںروضہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بیٹھتا۔ وہاں کے علمائے کثیر جب کسی علمی مسئلہ میں عاجز آجاتے تو بالاتفاق میری طرف رجوع کرتے۔ جواب ہائے شافی دے کر ان کی تسلی و تسکین کر دیتا۔ ابوصلت ابن صالح کہتے ہیں کہ حضرت امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے زیادہ کوئی عالم میری نظر سے

نہیں گزرا، اور مجھ پر موقوف نہیں جو کوئی آپ کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ وہ میری طرح آپ کی اعلیت کی شہادت دے گا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور حروف تہجی

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حروف تہجی یعنی (ا ب ج د) وغیرہ کی

کوئی حیثیت نہیں۔ لیکن جب اس کی حقیقت ارباب عصمت سے دریافت کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف جن سے قرآن مجید جیسی اعجازی کتاب مرتب کی گئی ہے اور جس پر کائنات کے افہام و تفہیم کا دار و مدار ہے۔ یہ اپنے دامن میں بے شمار صفات رکھتے ہیں اور خداوند عالم نے انہیں حروف کو اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا ہے اور ہر حرف میں خاص چیز پنہاں رکھی ہے۔ حضرت امام رضا علیہ السلام سے ان حروف تہجی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے بحوالہ باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام ارشاد فرمایا کہ "ا" سے اللہ، اللہ، اللہ کی نعمتیں "ب" سے بھار اللہ خدا کی خوبیاں بوجہ اللہ خدا مومنین سے خوش ہونا "ت" سے تمام الامر بقائم آل محمدؑ دنیا کا خاتمہ امام ہدی کے عہد میں ہوگا "ث" سے ثواب المومنین علی اعمالہم الصالحۃ۔ مومنین کو اپنے اعمال کا بھر پور ثواب ملے گا۔ "ج" سے جمال اللہ، اللہ کا جمال و جلال اللہ، اللہ کا جلال "ح" سے علم اللہ عن المذنبین۔ گناہ گار سے اللہ کا علم۔ "خ" سے خمول و کراہل المعاصی عند اللہ خدا کا گناہ گاروں کے گناہوں سے بھلا دینا۔ "د" سے دین اللہ۔ اللہ کا دین اسلام "ذ" ذوالجلال اللہ کا صاحب جلال ہونا۔ "س" سے الرزق الرحیم۔ اللہ کا رزق رحیم ہونا "ز" سے زلازل القیامۃ قیامت کے دن کے عظیم زلزلے۔ "س" سے سناء اللہ۔ اللہ کی اچھائیاں اور بیان "ش" سے شاء اللہ "ما شاء اللہ"۔ جو خدا چاہے وہی ہوگا "ص" سے صادق الوعدہ اللہ کا وعدہ سچا اور لوگوں کو سچ بولنا چاہیے "ض" سے ضامن خالف محمدؑ او آل محمدؑ۔ وہ شخص گمراہ ہے جو محمدؑ و آل محمدؑ کا مخالف ہے۔ طائے طوبی للمومنین مومنین کے لیے جنت کی مبارکباد۔ "ظ" سے ظن المومنین باللہ خیر۔ مومنین کو خدا کے ساتھ اچھا ظن رکھنا چاہیے۔ "ع" سے علم یعنی خدا عالم مطلق ہے۔ اور علم انسان کے لیے بہترین زیور ہے۔ "غ" سے الغنی۔ خدا سے مستغنی ہے اور غنی کو غریب پر خرچ کرنا چاہیے۔ "ف" سے فوج من افواج القار۔ لوگ اگر گناہ کریں گے تو فوج در فوج جہنم میں جائیں گے۔ "ق" سے قرآن یہ اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ہے جو ہدایت سے پر ہے۔ ک سے الکافی خدا بندوں کے لیے کافی ہے۔ ل سے لغوا للکافرین فی اقتراہم علی اللہ الکذب۔ خدا پر جھوٹ کا الزام دینا یہ کافروں کا کام نہایت لغو ہے۔ "م" سے ملک اللہ لیوم لا مالک غیرہ ایک دن صرف اللہ کی حکومت ہوگی اور کوئی بھی زندہ نہ ہوگا اور نہ اس کے سوا کوئی مالک ہوگا، اس دن خدا فرماتے گا۔ لمن الملک

الیوم۔ آج کے دن کس کی حکومت ہے تو ارواحِ ائمہِ حجاب میں گے۔ "اللہ الواحد القہار۔ آج صبح
خدا نے واحد قہار کی حکومت ہے۔" ن سے نوال اللہ المؤمنین و نکالہ بالکافرین المؤمنین پر
خدا کا کرم اور کافروں پر اس کا عذاب محیط ہوگا۔ "ی" سے ویل لمن عصی اللہ ویل اور
تباہی سے اس کے لیے جو خدا کی نافرمانی کرے۔ "لا" سے لا الہ الا اللہ، یہ وہ کلمہِ اخلاص ہے کہ جو اسے خلوص و اعتقاد
اور شراط کے ساتھ زبان پر جاری کرے۔ وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ "ی" سے ید اللہ اللہ کا ہاتھ
جو مخلوقات کو روزی پہنچاتا ہے مراد ہے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ انھیں حروفِ پر مشتمل قرآن مجید نازل ہوا ہے اور نزول چونکہ خدا کی طرف
سے تھا، اس لیے دعویٰ کر دیا گیا کہ جو کتاب ہم نے حروف و الفاظ میں بھیجی ہے۔ اس کا جواب جن
انہ سب مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ (دمعہ سائبہ جلد ۳ ص ۷۱)۔

فقہ الاسلام حضرت کلینی کتاب اصول کافی میں
تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام

امام رضا علیہ السلام اور وقت نکاح

سے دریافت کیا گیا کہ تزویج و نکاح کس وقت ہونا چاہیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ نکاح حرات
کو کرنا سنت ہے۔ اس لیے کرات لذت و لطف اور سکون کے لیے بنائی گئی ہے اور عورتیں
مردوں کے لیے لطف و لذت اور سکون کا مرکز ہیں۔ (مناقب جلد ۱ بحوالہ کافی)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام

حضرت امام رضا علیہ السلام سے بے شمار احادیث
مروی ہیں۔ جن میں سے بعض یہ ہیں۔

کے بعض مرویات و ارشادات

(۱) بچوں کے لیے ماں کے دودھ سے بہتر کوئی
دودھ نہیں (۲) سرکہ بہترین سالن ہے جس کے گھر میں سرکہ ہوگا وہ محتاج نہ ہوگا۔ (۳) ہر نار میں
ایک دانہ جنت کا ہوتا ہے (۴) منقہ صفر کو درست کرتا ہے۔ بلغم کو دور کرتا ہے۔ پتھروں کو
مضبوط کرتا۔ نفس کو پاکیزہ بناتا اور رنج و غم کو دور کرتا ہے۔ (۵) شہد میں شفا ہے، اگر کوئی
شہد مدید کرے تو واپس نہ کرو (۶) گلاب جنت کے پھولوں کا سردار ہے (۷) بنفشہ کا تیل سر میں لگانا
چاہیے۔ اس کی تاثیر گرمیوں میں سرد اور سردیوں میں گرم ہوتی ہے (۸) جو بیہوش کاتیل سر میں لگائے
یا کھائے اس کے پاس چالیس دن تک شیطان نہ آئے گا۔ (۹) صدر رحم اور پڑوسیوں کے ساتھ
اچھا سلوک کرنے سے مال میں زیادتی ہوتی ہے (۱۰) اپنے بچوں کا ساتویں دن ختنہ کر دیا کرو۔
اس سے صحت ٹھیک ہوتی ہے اور جسم پر گوشت چڑھتا ہے (۱۱) جمعہ کے دن روزہ رکھنا دشمن
روزوں کے برابر ہے۔ (۱۲) جو کسی عورت کا ہر دے یا مردور کی اجرت روکے یا کسی کو فروخت

کر دے وہ بخشنا نہ جاوے گا۔ (۱۳) قرآن پڑھنے، شہد کھانے اور دودھ پینے سے حافظہ بڑھتا ہے (۱۴) گوشت کھانے سے شفا ہوتی ہے اور مرض دور ہوتا ہے (۱۵) کھانے کی ابتداء نمک سے کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس سے ستر بیماریوں سے حفاظت ہوتی ہے۔ جن میں جذام بھی ہے (۱۶) جو دنیا میں زیادہ کھائے گا۔ قیامت میں بھوکا رہے گا (۱۷) مسور نثر انبیاء کی پسندیدہ خوراک ہے اس سے دل نرم ہوتا ہے اور آنسو بہتے ہیں (۱۸) جو چالیس دن گوشت نہ کھائے گا بد اخلاق ہو جائے گا۔ (۱۹) کھانا ٹھنڈا کر کے کھانا چاہیے (۲۰) کھانا پیالے کے کنارے سے کھانا چاہیے (۲۱) طول عمر کے لیے اچھا کھانا، اچھی بخوتی پیننا اور قرض سے بچنا، کثرت جماع سے پرہیز کرنا مفید ہے۔ (۲۲) اچھے اخلاق والا پیغمبر اسلام کے ساتھ قیامت میں ہوگا (۲۳) جنت میں مشتی اور حسن خلق والوں کی اور جہنم میں پیٹھ اور زنا کاروں کی کثرت ہوگی (۲۴) امام حسین کے قابل بخشش نہ جائیں گے۔ ان کا بدلہ خود خدا لے گا (۲۵) حسن و حسین علیہم السلام جو انان جنت کے سردار ہیں اور ان کے پدر بزرگوار دونوں سے بہتر ہیں (۲۶) اہل بیت کی مثال سفینہ نوح جیسی ہے، نجات وہی پائے گا جو اس پر سوار ہوگا (۲۷) حضرت فاطمہ ساقی عرش پکڑ کر قیامت کے دن واقعہ کربلا کا فیصلہ چاہیں گی۔ اُس دن ان کے ہاتھ میں امام حسین علیہ السلام کا خون بھرا پیرا بن ہوگا (۲۸) خدا سے روزی صدقہ دے کر مانگو (۲۹) سب سے پہلے جنت میں وہ شہدار اور عیال دار جائیں گے جو پرہیزگار ہوں گے اور سب سے پہلے جہنم میں حاکم غیر عادل اور مالدار جائیں گے۔ (مسند امام رضا طبع مصر ۱۳۲۱ھ ص ۳۰) ہر مومن کا کوئی نہ کوئی پڑوسی اذیت کا باعث ضرور ہوگا (۳۱) بالوں کی سفیدی کا سر کے اگلے حصے سے شروع ہونا سلامتی اور اقبال مندی کی دلیل ہے اور زخاروں کا ڈاڑھی کے اطراف سے شروع ہونا سخاوت کی علامت ہے اور گیسوؤں سے شروع ہونا شجاعت کا نشان ہے اور گدی سے شروع ہونا نخوت ہے (۳۲) قضا و قدر کے بارے میں آپ نے فضیل بن سہیل کے جواب میں فرمایا کہ انسان نہ بالکل مجبور ہے اور نہ بالکل آزاد ہے۔ (نور الابصار ص ۱۳)

حضرت امام رضا علیہ السلام
 اور مجلس شہد کربلا

علامہ مجلسی بجا رالانوار میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاعر آل محمد، وعل خراعی کا بیان ہے کہ ایک قریب عاشق کے دن میں حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت

میں حاضر ہوا، تو دیکھا کہ آپ اصحاب کے حلقہ میں انتہائی غمگین و حزیں بیٹھے ہوئے ہیں مجھے حاضر ہوتے دیکھ کر فرمایا۔ آؤ آؤ ہم تمھارا انتظار کر رہے ہیں۔ میں قریب پہنچا تو آپ نے اپنے پہلو میں مجھے جگہ دے کر فرمایا کہ اسے وعل چونکہ آج یوم عاشورا ہے اور یہ دن ہمارے لیے انتہائی رنج و غم کا دن ہے۔ لہذا تم میرے جدِ مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام کے مہربان سے متعلق کچھ شعر پڑھو۔

اے دلیل جو شخص ہماری مصیبت پر روئے یا رلائے اس کا اجر خدا پر واجب ہے۔ اے دلیل جس شخص کی آنکھ ہمارے غم میں تر ہو۔ وہ قیامت میں ہمارے ساتھ محشور ہوگا۔ اے دلیل جو شخص ہمارے بقید نامدار حضرت سید الشہداء علیہ السلام کے غم میں روئے گا۔ خدا اس کے گناہ بخش دے گا۔ یہ فرما کر امام علیہ السلام نے اپنی جگہ سے اٹھ کر پردہ کھینچا اور مخدرات عصمت کو بلا کر اس میں بٹھا دیا پھر آپ میری طرف مخاطب ہو کر فرماتے گئے۔ ہاں دلیل! اب میرے جدا مجد کا مرثیہ شروع کرو۔ دلیل کہتے ہیں کہ میرا دل بھرا آیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آل محمد میں رونے کا کرام عظیم یہ پاتھا۔ صاحب درالمصائب تحریر فرماتے ہیں کہ دلیل کا مرثیہ سن کر مضمومہ تم جناب فاطمہ ہمیشہ حضرت امام رضا علیہ السلام اس قدر روایتیں کہ آپ کو غمش آگیا۔

اس اجتماعی طریقہ سے ذکر حسین کو مجلس کہتے ہیں۔ اس کا سلسلہ عہد امام رضا میں مدینہ سے شروع ہو کر دم تک جاری رہا۔ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ اب امام رضا کو تبلیغ حق کے لیے نام حسین کی اشاعت کے کام کو ترقی دینے کا بھی پورا موقع حاصل ہو گیا تھا۔ جس کی بنیاد اس کے پہلے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق قام کر چکے تھے۔ مگر وہ زمانہ ایسا تھا کہ جب امام کی خدمت میں وہی لوگ حاضر ہوتے تھے۔ جو بحیثیت امام یا بحیثیت عالم دین آپ کے ساتھ عقیدت رکھتے تھے۔ اور اب امام رضا علیہ السلام تو امام روحانی بھی ہیں اور ولی عہد سلطنت بھی۔ اس لیے آپ کے دربار میں حاضر ہونے والوں کا دائرہ وسیع ہے۔ مگر واہو مقام سے جو ایران کے تقریباً وسط میں واقع ہے طرف کے لوگ یہاں آتے ہیں اور یہاں یہ عالم کا دھرم کا چاند نکلا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ دوسروں کو بھی ترغیب و تحریک کی جانے لگی کہ آل محمد کے مصائب کو یاد کرو اور اثرات ائمہ کو ظاہر کرو۔ یہ بھی ارشاد ہونے لگا کہ جو اس مجلس میں بیٹھے جہاں ہماری یاقین زندہ کی جاتی ہیں اس کا دل مردہ نہ ہوگا۔ اس دن کہ جب سب کے دل مردہ ہوں گے۔ تذکرہ امام حسین کے لیے جو جمع ہو، اُس کا نام اصطلاحی طور پر "مجلس" اسی امام رضا علیہ السلام کی حدیث سے ہی ماخوذ ہے۔ آپ نے عملی طور پر بھی خود مجلسیں کرنا شروع کر دیں جن میں کبھی خود ذکر ہوتے اور دوسرے سامعین جیسے ریان ابن شیبہ کی حاضری کے موقع پر آپ نے مصائب امام حسین علیہ السلام بیان فرماتے اور کبھی عبد اللہ بن ثابت یا عدیل غزالی ایسے کسی شاعر کی حاضری کے موقع پر اس شاعر کو حکم ہوا کہ تم ذکر امام حسین میں اشعار پڑھو وہ ذکر ہوا، اور حضرت سامعین میں داخل ہوتے۔ الخ

۱۔ کتاب الاغانی جلد ۷ ص ۷۷ میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک فن سید جمیری کو حکم دیا کہ مرثیہ پڑھو، انھوں نے مرثیہ پڑھا۔ امام خود بھی بے حد رونے اور پس پردہ مخدرات نے بھی بے پناہ گری کیا۔

خلیفہ ماموں رشید عباسی اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام

حضرت امام رضا علیہ السلام کے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو ۱۸۳ھ میں ہارون رشید عباسی نے شہید کرانے کے بعد ۱۹۳ھ میں فوت ہو گیا۔ اس کے مرنے کے بعد جمادی الثانی ۱۹۳ھ میں اس کا بیٹا امین خلیفہ ہوا۔ ہارون چونکہ اپنے بیٹوں میں سلطنت تقسیم کر چکا تھا اور اس کے اصول معین کر چکا تھا۔ اس لیے ایک کے بجائے دو حکمران رشیدی حدود سلطنت پر حکمرانی کرنے لگے۔ امین چونکہ نہایت ہی نحو آدمی تھا، اس لیے اس نے اپنے وسعت اختیار کی وجہ سے ماموں پر جبر و تعدی شروع کر دی بالآخر دونوں بھائیوں میں جنگ ہوئی اور امین چار سال آٹھ ماہ سلطنت کرنے کے بعد ۲۳ محرم الحرام ۱۹۵ھ میں قتل کر دیا گیا۔

امین کے قتل کے بعد بھی ماموں چار سال تک مرو میں رہا سلطنت کا کاروبار تو فضل بن سہیل کے سپرد کر رکھا تھا اور خود عالموں فاضلوں سے جو اس کے دربار میں بھرے رہتے تھے فلسفی مباحثوں میں مصروف رہتا تھا۔ عراق میں فضل کا بھائی۔ حسن بن سہیل گورنر بنایا گیا تھا۔ بحریرہ میں نصر بن حنفیہ نے بغاوت کی اور وہ پانچ سال تک شاہی فوجوں کا مقابلہ کرتا رہا۔ عراق میں بدوؤں کی فوجوں بدعاشوں کو بلا کر حسن بن سہیل کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؑ اور حضرت جعفر طیار کے بعض بلند نظر لوگوں نے شاید یہ خیال کیا کہ ان کے حقوق واپس ملنے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ جمادی الثانی ۱۹۵ھ مطابق ۱۸۳ھ میں ابو جعفر محمد بن ابراہیم بن اسماعیل بن ابراہیم المعروف بہ طباطبائی حسن بن علی بن ابی طالب علوی نے جو مذہب زید پر رکھتے تھے، کو فوج میں خروج کیا اور لوگوں کو آل رسول کی بیعت اور متابعت کی دعوت دی۔ ان کی مدد پر بنی شیبان کا معزز سردار، ابوالسرایا سری بن منصور شیبانی جو ہر شہر کے فوجی سرداروں میں سے تھا، اٹھ کھڑا ہوا۔ انھوں نے اپنی متفقہ افواج سے حسن کی فوج کو کوفہ کے باہر شکست دے کر تمام جنوبی عراق پر قبضہ کر لیا۔ فتح کے دوسرے دن محمد بن ابراہیم مرگے مناجات سے فوت ہو گئے، ابوالسرایا نے ان کی جگہ محمد بن زید شہید کو امیر بنالیا۔ حسن نے پھر فوج بھیجی۔ ابوالسرایا نے اسے بھی مار کر ختم کر دیا۔ اسی دوران میں علوی ہر چار جانب سے ابوالسرایا کی مدد کو جمع ہو گئے اور جا بجا شہروں میں پھیل گئے۔ اور ابوالسرایا نے کوفہ میں امام رضا علیہ السلام کے نام کے درہم و دینار "مسکوک" کرانے اور بیصرہ واسط، مدائن کی طرف فوج روانہ کی اور عراق کے بہت سے شہر و قریے فتح کر لیے۔ علویوں کی قوت و شوکت بہت بڑھ گئی۔ انھوں نے عباسیوں کے گھر جو کوفہ میں تھے۔ چھوٹک دئے اور جو عباسی بلا اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد موسیٰ حج آیا تو ابوالسرایا نے حسین بن حسن ابن امام زین العابدین کو

جنھیں افسس کہتے ہیں۔ مکہ کا گورنر مقرر کیا اور ابراہیم بن موسیٰ کاظم کو یمن کا عامل بنایا اور فارس پر اسماعیل بن موسیٰ کاظم کو گورنر کیا۔ اور مدائن کی طرف محمد بن سلیمان بن داؤد بن حسن شنی کو روانہ کیا اور حکم دیا کہ جانب شرقی سے بغداد پر حملہ کرے۔ اس طرح ابوالسرایا کی سلطنت بہت وسیع ہو گئی۔

فضل بن سهل نے ہرثمہ کو ابوالسرایا کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔ اور ابوالسرایا نہروان کے قریب شکست کھا کر مارا گیا اور محمد بن محمد بن زید مامون کے پاس مرو بھیج دیئے گئے۔ ابوسرایا کا دور دورہ گل دس ماہ رہا۔ ابوالسرایا کے قتل ہو جانے کے بعد حجاز میں لوگوں نے محمد بن جعفر صادق کو امیر المومنین بنایا۔ افسس نے بھی ان کی بیعت کر لی اور یمن میں ابراہیم بن موسیٰ کاظم نے سراٹھایا۔ اسی طرح ایران کی سرحد سے یمن تک تمام ملک میں خانہ جنگی پھیل گئی۔ ابوالسرایا کے قتل کے بعد ہرثمہ مغرب کے حالات بیان کرنے بادشاہ کی خدمت میں مرو حاضر ہوا، کیوں کہ وزیر ان تمام حالات کو بادشاہ سے مخفی رکھتا تھا۔ حالات بیان کر کے وہ بادشاہ کے پاس سے واپس آ رہا تھا کہ وزیر نے راستے میں اسے قتل کرا دیا۔ یہ واقعہ سنہ ہجری کا ہے۔ ہرثمہ کے قتل کی خبر سن کر بغداد کے سپاہیوں نے جو اسے دوست رکھتے تھے۔ بغداد میں بغاوت کر کے حسن بن سهل کو نکال دیا اور منصور بن ہمدی کو اپنا گورنر بنالیا۔

مامون کو جب باغیوں کی کثرت اور علیوں کے طلب خلافت میں اٹھنے کی خبر پہنچی تو گھبرا گیا اور اس نے یہی مصلحت دیکھی کہ امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنالے چنانچہ ان کو دینہ سے بلا کر ۱۲ رمضان سنہ ہجری مطابق سنہ ۱۱۷ ع کو باوجود ان کے سخت انکار کے اپنا ولی عہد بنالیا۔ ان سے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی کر دی اور ان کا نام درہم و دینار میں مسکوک کرایا۔ شاہی وردی سے عباسیوں کا سیاہ رنگ دور کر کے، اپنی فاطمہ کا سبز رنگ اختیار کیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۱۱۷) اس واقعہ کی تفصیل کثیر کتابوں میں موجود ہے۔ ہم مختصر الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

حالات سے متاثر ہو کر مامون رشید نے ایک مجلس مشاورت طلب کی جس میں علماء، فضلاء، زعماء اور ائمہ سب ہی کو مدعو کیا۔ جب سب جمع ہو گئے تو اصل راز دل میں رکھتے ہوئے ان سے یہ کہا کہ

مامون رشید کی مجلس مشاورت

چونکہ شہر خراسان میں ہماری طرف سے کوئی حاکم نہیں ہے اور امام رضا سے زیادہ لائق کوئی نہیں ہے اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ امام رضا کو بلا کر خراسان کی ذمہ داری ان کے سپرد کر دیں، مامون کا مقصد تو یہ تھا کہ ان کو خلیفہ بنا کر علیوں کی بغاوت اور ان کی چابکدستی کو روک دے۔ لیکن یہ بات اس نے مجلس مشاورت میں ظاہر نہیں کی۔ بلا علی ضرورت کا حوالہ دے کر انھیں خراسان کا حاکم بنانا ظاہر کیا، اور لوگوں نے تو اس پر جو بھی رائے دی ہو لیکن حسن بن سهل اور وزیر اعظم فضل بن سهل اس پر راضی نہ ہوئے

اور یہ کہا کہ اس طرح خلافت نبی عباس سے آل محمد کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ ماموں نے کہا کہ میں نے جو کچھ سوچا ہے وہ یہی ہے اور اس پر عمل کروں گا۔ یہ سن کر وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب کے ایک معزز صحابی۔ سلیمان بن ابراہیم بن محمد بن داؤد بن قاسم بن سبیت بن عبد اللہ بن حبیب بن شیخان بن ارقم، کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے ماموں رشید "راست می گوئی امامی تو قسم کرتا ہوں کہ تو با حضرت امام رضا، ہمان کنی کہ کو فیان با حضرت امام حسین کردند"۔ تو سوچ کتابے لیکن میں ڈرنا ہوں کہ تو کہیں ان کے ساتھ وہی سلوک نہ کرے جو کوفیوں نے امام حسین کے ساتھ کیا ہے۔" ماموں رشید نے کہا کہ اے سلیمان تم یہ کیا سوچ رہے ہو، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں ان کی عظمت سے واقف ہوں جو انھیں ستائے گا قیامت میں حضرت رسول کریم اور حضرت علی حکیم کو کیونکر منہ دکھائے گا تم مطمئن رہو۔ انشاء اللہ ان کا ایک بال بھی بیکانہ ہوگا۔ یہ کہہ کر بروایت ابو مخنف ماموں رشید نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھا اور قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز اولاد پیغمبر پر کوئی ظلم نہ کروں گا۔ اس کے بعد سلیمان نے تمام لوگوں کو قسم دے کر بیعت لے لی۔ پھر انھوں نے ایک بیعت نامہ تیار کیا اور اس پر اہل خراسان کے دستخط لے۔ دستخط کرنے والوں کی تعداد چالیس ہزار تھی۔ بیعت نامہ تیار ہونے کے بعد ماموں رشید نے سلیمان کو بیعت نامہ سمیت مدینہ بھیج دیا۔ سلیمان قطع مراحل و طے منازل کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملاقات کی، ان کی خدمت میں ماموں کا پیغام پہنچایا اور مجلس مشاورت کے سارے واقعات بیان کئے۔ اور بیعت نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے جونہی اس کو کھولا اور اس کا سر نامہ دیکھا، سر مبارک بلا کر فرمایا کہ میرے لیے کسی طرح مفید نہیں ہے۔ اُس وقت آپ آبدیدہ تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ مجھے جد نامہ دار نے خواب میں تاج و عواقب سے آگاہ کر دیا ہے، سلیمان نے کہا کہ مولایہ تو خوشی کا موقع ہے۔ آپ اس درجہ پریشان کیوں ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں اس دعوت میں اپنی موت دیکھ رہا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ مولایہ نے سب سے بیعت لے لی ہے کہا درست ہے۔ لیکن جد نامہ دار نے جو فرمایا ہے وہ غلط نہیں ہو سکتا۔ میں ماموں کے ہاتھوں شہید کیا جاؤں گا۔

بالآخر آپ پر کچھ دباؤ پڑا کہ آپ مرو خراسان کے لیے عازم ہو گئے۔ جب آپ کے عزیزوں اور وطن والوں کو آپ کی روانگی کا حال معلوم ہوا بے پناہ روئے۔

غرض کہ آپ روانہ ہو گئے، راستے میں ایک چشمہ آب کے کنارے چند آدمیوں کو دیکھا کہ وہ میٹھے ہوئے ہیں جب ان کی نظر حضرت پر پڑی سب دوڑ پڑے اور باجشمہ ترک کرنے لگے کہ حضور خراسان جاتے کہ دشمن برباس دوستی آپ کی تاک میں ہے اور ملک الموت استقبال کے لیے تیار ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر موت آئی ہے تو وہ ہر حال میں آئے گی۔ (کنز الانساب ابو مخنف ص ۸۷ طبع مبعثی ۱۳۰۲ھ)

ایک روایت میں ہے کہ مامون رشید نے اپنی غرض کے لیے جب حضرت کو خلیفہ روضہ کے لیے لکھا تو آپ نے انکار کر دیا۔ پھر اس نے تحریر کیا کہ آپ میری ولی عہدی قبول کیجئے۔ آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔ جب وہ آپ کی طرف سے مایوس ہو گیا تو اس نے تین سو اقدار پرستل فوج بھیج دی اور حکم دے دیا کہ وہ جس حالت میں ہوں اور جہاں ہوں ان کو گرفتار کر کے لایا جائے۔ اور انھیں اتنی جلدت نہ دی جائے کہ وہ کسی سے مل سکیں۔ چنانچہ فوج غالباً فضل بن سهل وزیر اعظم کی قیادت میں مدینہ پہنچی اور امام علیہ السلام کو مسجد سے گرفتار کر کے مرو خراسان کے لیے روانہ ہو گئی، اتنا موقع نہ دیا کہ امام علیہ السلام اپنے اہل و عیال سے رخصت ہو سکیں۔

ابو مخنف ابن ابی یوسف نے کہا کہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے بعد ۱۵ مہرم الحرام شب یک شنبہ کو حضرت

مامون کی طلبی سے قبل امام علیہ السلام کی روضہ رسول پر فریاد

امام رضا علیہ السلام کو روضہ رسول خدا پر حاضری دی۔ وہاں مشغول عبادت تھے کہ آنکھ لگ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول کریمؐ بالباس سیاہ تشریف لاتے ہیں اور سخت پریشان ہیں۔ امام علیہ السلام نے سلام کیا حضور نے خواب سلام دے کر فرمایا۔ اے فرزند، میں اور علیؑ فاطمہؑ حسینؑ سب تمہارے غم میں نالاں و گریاں ہیں اور ہم ہی نہیں فرزندم زین العابدینؑ، محمد باقرؑ، جعفر صادقؑ اور تمہارے پدر موسیٰ کاظمؑ سب غمگین اور رنجیدہ ہیں۔ اے فرزند عنقریب مامون رشید تم کو زہر سے شہید کر دے گا۔ یہ دیکھ کر آپ کی آنکھ کھل گئی، اور آپ ناز دار رونے لگے۔ پھر روضہ مبارک سے باہر آئے۔ ایک جماعت نے آپ سے ملاقات کی اور آپ کو پریشان دیکھ کر پوچھا کہ مولا اضطراب کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا ابھی ابھی جد نامدار نے میری شہادت کی خبر دی ہے۔ اے ابوالصلت دشمن مجھے شہید کرنا چاہتے ہیں اور میں خدا پر بھروسہ کرنا ہوں جو میری جسد ہو میری میری مرضی ہے اس خواب کے حضور سے عرصہ کے بعد مامون رشید کا لشکر مدینہ پہنچ گیا اور وہ امام علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض پوری کرنے کے لیے وہاں سے دار الخلافہ "مرو" میں لے آیا۔ (کنز الانساب ص ۱۸۷)۔

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ حالات کی روشنی میں مامون نے اپنے ہتمام پر یہ خطی فیصلہ اور عزم بالجزم کر لینے کے بعد کہ امام رضا علیہ السلام کو دلیعہ خلافت بنائے گا۔ اپنے وزیر اعظم

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے مرو میں طلبی

فیصل بن سهل کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ہماری رائے ہے کہ ہم امام رضا کو ولی عہدی سپرد کر دیں تم خود بھی اس پر سوچ و بچار کرو، اور اپنے بھائی حسن بن سهل سے مشورہ کرو۔ ان دونوں نے آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کے بعد مامون کی بارگاہ میں حاضری دی۔ ان کا مقصد تھا کہ مامون

ایسا کرے ورنہ خلافت آل عباس سے آل محمد میں چلی جائے گی۔ ان لوگوں نے اگرچہ کھل کر مخالفت نہیں کی، لیکن بے لفظوں میں ناراضگی کا اظہار کیا۔ مامون نے کہا میرا فیصلہ اٹل ہے اور میں تم دونوں کو حکم دیتا ہوں کہ تم مدینہ جا کر امام رضا کو اپنے ہمراہ لاؤ۔ (حکم حاکم مرگ مناجات) آخر کار یہ دونوں امام رضا کی خدمت میں مقام مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور انھوں نے بادشاہ کا پیغام پہنچایا۔ حضرت امام علی رضا نے اس عرضداشت کو مسترد کر دیا اور فرمایا کہ میں اس امر کے لیے اپنے کو پیش کرنے سے معذور ہوں۔ لیکن چونکہ بادشاہ کا حکم تھا کہ انھیں تنزور لاؤ اس لیے ان دونوں نے بے انتہا اصرار کیا اور آپ کے ساتھ اس وقت تک لگے رہے جب تک آپ نے مشروط طور پر وعدہ نہیں کر لیا۔ (تورالابصار ص ۴۱)۔

امام رضا علیہ السلام کی مدینہ سے روانگی | تاریخ ابوالفدا میں ہے کہ جب امین قتل ہوا تو مامون سلطنت عباسیہ کا مستقل بادشاہ بن گیا۔ یہ ظاہر ہے کہ امین کے قتل ہونے کے بعد سلطنت مامون کے پائے نام ہو گئی۔ مگر یہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ کہ امین نہیال کی طرف سے عربی النسل تھا، اور مامون عجمی النسل تھا۔ امین کے قتل ہونے سے عراق کی عرب قوم اور اراکان سلطنت کے دل مامون کی طرف سے صاف نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ وہ ایک عجم و غصہ کی کیفیت محسوس کرتے تھے۔ دوسری طرف خود بنی عباس میں سے ایک بڑی جماعت جو امین کی طرف دار تھی۔ اس سے بھی مامون کو ہر طرح خطرہ لگا ہوا تھا۔ اولاد فاطمہ میں سے بہت سے لوگ جو وقتاً فوقتاً بنی عباس کے مقابل میں کھڑے ہوتے رہتے تھے وہ خواہ قتل کر دیئے گئے ہوں یا جلا وطن کئے گئے ہوں۔ یا قید رکھے گئے ہوں۔ ان کے موافق ایک جماعت تھی جو اگرچہ حکومت کا کچھ بگاڑ نہ سکتی تھی۔ مگر دل ہی دل میں حکومت بنی عباس سے بیزار ضرور تھی۔ ایران میں ابو مسلم خراسانی نے بنی اُمیہ کے خلاف جو شورشِ تعالیٰ پیدا کیا۔ وہ ان ظالم ہی کو یاد دلا کر بنی اُمیہ کے ہاتھوں حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے بنی فاطمہ کے ساتھ کئے تھے۔ اس سے ایران میں اس خاندان کے ساتھ ہمدردی کا پیدا ہونا فطری تھا۔ درمیان میں بنی عباس نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا۔ مگر اتنی مدت میں کچھ کچھ تو ایرانیوں کی آنکھیں بھی کھل گئی ہوں گی کہ ہم سے کہا گیا تھا کیا اور اقتدار کن لوگوں نے حاصل کر لیا۔ ممکن ہے ایرانی قوم کے ان رجحانات کا چرچا مامون کے کانوں تک بھی پہنچا ہو۔ اب جس وقت کہ امین کے قتل کے بعد وہ عرب قوم پر اور بنی عباس کے خاندان پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا اور اسے ہر وقت اس حلقے سے بغاوت کا اندیشہ تھا، تو اسے سیاسی مصلحت اسی میں معلوم ہوئی کہ عرب کے خلاف عجم اور بنی عباس کے خلاف بنی فاطمہ کو اپنا شاہیا جائے، اور چونکہ طرز عمل میں خلوص سمجھا نہیں جا سکتا اور وہ عام طبائع

پراثر نہیں ڈال سکتا۔ اگر یہ نمایاں ہو جائے کہ وہ سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہے اس لیے ضرورت ہوئی کہ ماموں مذہبی حیثیت سے اپنی شیعت فوازی اور دلائل اہل بیت کے چرچے عوام کے حلقوں میں پھیلا اور یہ دکھلائے کہ وہ انتہائی نیک نیتی پر قائم ہے۔ اب "حق برحق واررید" کے مقولہ کو سچا ثابتانا چاہتا ہے۔

اس سلسلہ میں جناب شیخ صدوق اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریر فرمایا ہے کہ اس نے اپنی نذر کی حکایت بھی شائع کی کہ جب ابن کا اور میرا مقابلہ تھا، اور بہت نازک حالت تھی اور عین اسی وقت میرے خلاف سیستان اور کرمان میں بھی بغاوت ہو گئی تھی اور خراسان میں بھی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اور فوج کی طرف سے بھی اطمینان نہ تھا۔ اور اس سخت اور دشوار ماحول میں میں نے خدا سے التجا کی اور منت مانی کہ اگر یہ سب جھگڑے ختم ہو جائیں اور میں بام خلافت تک پہنچوں تو اس کو اس کے اصلی حق دار یعنی اولادِ فاطمہ میں سے جو اس کا اہل ہے۔ اس تک پہنچا دوں گا۔ اسی نذر کے بعد سے میرے سب کام بننے لگے، اور آخر تمام دشمنوں پر مجھے فتح حاصل ہوئی۔ یقیناً یہ واقعہ ماموں کی طرف سے اس لیے بیان کیا گیا کہ اس کا طرز عمل غلو میں نیت اور حسن نیت پر مبنی سمجھا جائے، یوں تو اہل بیت کے جو کچھ ہونے دشمن سخت سے سخت تھے وہ بھی ان کی حقیقت اور فضیلت سے واقف تھے اور ان کی عظمت کو جانتے تھے۔ مگر شیعیت کے معنی صرف یہ جاننا تو نہیں ہیں۔ بلکہ محبت رکھنا اور اطاعت کرنا ہیں اور ماموں کے طرز عمل سے یہ ظاہر ہے کہ وہ اس دعوے شیعیت اور محبت اہل بیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود خود امام کی اطاعت نہیں کرنا چاہتا تھا، بلکہ امام کو اپنے غشا کے مطابق چلانے کی کوشش تھی۔ ولی عہد بننے کے بارے میں آپ کے اختیارات کو بالکل سلب کر دیا گیا اور آپ کو مجبور بنا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ ولی عہد کی تفویض بھی ایک حاکمانہ تشدد تھا جو اس وقت شیعیت کے بھیس میں امام کے ساتھ کیا جا رہا تھا۔

امام رضا علیہ السلام کا ولی عہد کو قبول کرنا بالکل ویسا ہی تھا جیسا ہارون کے حکم سے امام موسیٰ کاظم کا جیل خانہ میں چلا جانا۔ اسی لیے جب امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو آپ کے رنج و صدمہ اور اضطراب کی کوئی حد نہ تھی۔ روضہ رسول سے رخصت کے وقت آپ کا وہی عالم تھا جو حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینہ سے روانگی کے وقت تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ روضہ کے اندر جاتے ہیں اور نالہ و آہ کے ساتھ امت کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر باہر نکل کر گھر جانے کا ارادہ کرتے ہیں اور پھر دل نہیں مانتا۔ پھر روضہ سے جا کر لپٹ جاتے ہیں۔ یہی صورت کئی مرتبہ ہوئی۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت کے قریب گیا تو فرمایا: لے

محول! میں اپنے جدِ امجد کے رونے سے بر جبر مجدا کی جا رہا ہوں۔ اب مجھ کو یہاں آنا نصیب نہ ہوگا
(سوانح امام رضا جلد ۲ ص ۲۷۷)۔

محول شیبانی کا بیان ہے کہ جب وہ ناگوار وقت پہنچ گیا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام
اپنے جدِ بزرگوار کے روضہ اقدس سے ہمیشہ کے لیے دواع ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ بے تابانہ
اندر جاتے اور بانالہ و آہ باہر آتے ہیں اور ظلمہ اُمت کی شکایت کرتے ہیں یا باہر آ کر گریہ و بکا فرماتے
ہیں اور پھر اندر واپس چلے جاتے ہیں۔ آپ نے چند بار ایسا ہی کیا اور مجھ سے نہ رہا گیا اور میں
نے حاضر ہو کر عرض کی مولا اضطراب کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اے شول! میں اپنے نانا کے روضہ
سے جبراً مجدا کیا جا رہا ہوں۔ مجھے اس کے بعد اب یہاں آنا نصیب نہ ہوگا۔ میں اسی مسافرت
اور غریب الوطنی میں شہید کر دیا جاؤں گا، اور ہارون رشید کے مقبرہ میں مدفون ہوں گا۔ اس کے بعد
آپ دولت سرا میں تشریف لائے اور سب کو جمع کر کے فرمایا کہ میں تم سے ہمیشہ کے لیے رخصت
ہو رہا ہوں۔ یہ سن کر گھر میں ایک عظیم کبرام بپا ہو گیا۔ اور سب چھوٹے بڑے رونے لگے، آپ نے
سب کو تسلی دی، اور کچھ دینار اعراب میں تقسیم کر کے راہ سفر اختیار فرمایا۔ ایک روایت کی بنا پر
آپ مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں طواف کر کے خانہ کعبہ کو رخصت فرمایا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام
کا پیشاپوش میں ورودِ مسعود
رجب ۱۰۰ ہجری میں حضرت مدینہ منورہ سے
مردِ غراسان کی جانب روانہ ہوئے۔ اہل و عیال
اور متعلقین سب کو مدینہ منورہ ہی میں چھوڑا۔ اس

وقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر پانچ برس کی تھی۔ آپ مدینہ ہی میں رہے۔ مدینہ سے روانگی کے
وقت کوئٹہ اور قم کی سیدھی راہ چھوڑ کر بصرہ اور اہواز کا غیر متعارف راستہ اس خطرہ کے پیش نظر
اختیار کیا گیا کہ کہیں عقیدت مندان امام مزاحمت نہ کریں۔ غرض کہ قطع مراحل اور طے منازل کرتے
ہوئے یہ لوگ نیشاپور کے قریب جا پہنچے۔ تورخین لکھتے ہیں کہ جب آپ کی مقدس سواری شہر نیشاپور
کے قریب پہنچی تو جملہ علماء و فضلاء شہر نے بیرون شہر حاضر ہو کر آپ کی رسم استقبال ادا کی۔ داخل شہر
ہوئے تو تمام خورد و بزرگ شوق زیارت میں اُمڈ آئے۔ مرکب عالی جب مربعہ شہر (چوک) میں
پہنچا، تو ہجوم خلایق سے زمین پر تل رکھنے کی جگہ نہ تھی۔ اس وقت حضرت امام علی رضا قاطر امی ہجری سے
تھے جس کا تمام ساز و سامان نقری تھا۔ چرخ پر عماری تھی اور اس پر دونوں طرف پروے پڑے ہوئے
تھے اور پرواتے چھتری لگی ہوئی تھی۔ اس وقت امام المحدثین حافظ ابو زرعہ لازمی اور محمد بن اسلم
طوسی آگے آگے اور ان کے پیچھے اہل علم و حدیث کی ایک عظیم جماعت حاضر خدمت ہوئی اور باہلی
کلمات امام علیہ السلام کو مخاطب کیا۔ اسے جمیع سادات کے سردار، اے تمام اماموں کے امام، اور

قریب سنا باد میں حضرت کا نزول کرم | شہر طوس سے روانہ ہو کر آپ قریب سنا باد پہنچے۔ اور آپ نے محلہ نوخاں میں قیام فرمایا اور لباس اتار کر دھلنے کے لیے دے دیا۔ مجید بن فحیطہ کا بیان ہے کہ آپ کی جیب میں ایک دُعا کینز نے پائی۔ اُس نے مجھے دیا میں نے اُسے حضرت تک پہنچاتے ہوئے دریافت کیا کہ اس دُعا کا فائدہ کیا ہے۔ فرمایا یہ شریروں کے شر سے حفاظت کا حزر ہے۔ پھر آپ قبہ ہارون میں تشریف لے گئے اور آپ نے قبلہ کی طرف خط کھینچ کر فرمایا کہ میں اس جگہ دفن کیا جاؤں گا اور یہ جگہ میری زیارت ہوگی۔ اس کے بعد آپ نے نماز ادا فرمائی اور وہاں سے چلنے کا ارادہ کیا۔

امام رضا کا دار الخلافہ مرو میں نزول | امام علیہ السلام طے مراحل اور قطع منازل کرنے کے بعد جب مرو پہنچے جسے سکندہ ذوالقرنین نے بروایت معجم البلدان آباد کیا تھا اور جو اُس وقت دارالسلطنت تھا۔ تو مامون نے چند روز ضیافت و تکریم کے مراسم ادا کرنے کے بعد قبولِ خلافت کا سوال پیش کیا۔ حضرت نے اس سے اسی طرح انکار کیا۔ جس طرح امیر المؤمنین۔ چوتھے موقع پر خلافت پیش کے جانے کے وقت انکار فرما رہے تھے۔ مامون کو خلافت سے دستبردار ہونا، درحقیقت منظور نہ تھا ورنہ وہ امام کو اسی پر مجبور کرتا۔ چنانچہ جب حضرت نے خلافت کے قبول کرنے سے انکار فرمایا، تو اس نے ولہدی کا سوال پیش کیا۔ حضرت اس کے بھی انجام سے ناواقف نہ تھے۔ نیز بخوشی جابر حکومت کی طرف سے کوئی منصب قبول کرنا آپ کے خاندانی اصول کے خلاف تھا۔ حضرت نے اس سے بھی انکار فرمایا۔ مگر اس پر مامون کا اصرار جبر کی حد تک پہنچ گیا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ لایدین قبولت اگر آپ اس کو منظور نہیں کر سکتے تو اس وقت آپ کو اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ جان کا خطرہ قبول کیا جاسکتا ہے جب مذہبی مفاد کا قیام جان دینے پر موقوف ہو۔ ورنہ حفاظتِ جان شریعتِ اسلام کا بنیادی حکم ہے۔ امام نے فرمایا، یہ ہے تو میں مجبوراً قبول کرتا ہوں۔ مگر کاروبارِ سلطنت میں بالکل دخل نہ ڈوں گا۔ ہاں اگر کسی بات میں مجھ سے مشورہ لیا جائے گا تو نیک مشورہ ضرور ڈوں گا۔ اس کے بعد یہ ولی عہدی صرف برائے نام سلطنت وقت کے ایک دھکوسلے سے زیادہ کوئی وقعت نہ رکھتی تھی۔ جس سے ممکن ہے کچھ عرصہ تک سیاسی مقصد میں کامیابی حاصل کر لی گئی ہو۔ مگر امام کی حیثیت اپنے فرائض کے انجام دینے میں بالکل وہ تھی جو ان کے پیش رو حضرت علی مرتضیٰ اپنے زمانے کے با اقتدار طاقتوں کے ساتھ اختیار کر چکے تھے۔ جس طرح ان کا کبھی کبھی مشورہ دے دینا ان حکومتوں کو صحیح و جائز نہیں بنا سکتا۔ ویسے ہی امام رضا علیہ السلام کا اس نوعیت سے ولہدی کا قبول فرمانا اس سلطنت کے جواز کا باعث نہیں ہو سکتا تھا صرف

مامون کی ایک راج بٹ تھی جو سیاسی غرض کے پیش نظر اس طرح پوری ہو گئی۔ مگر امام نے اپنے
دامن کو سلطنتِ ظلم کے اقدامات اور نظم و نسق سے بالکل الگ رکھا۔

تواریخ میں ہے کہ مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے کہا کہ شرطیں قبول کر لیں اس
کے بعد آپ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے اور بارگاہِ احدیت میں عرض کی پروردگار تو
جانتا ہے کہ اس امر کو میں نے بہ مجبوری و ناچار ہی اور خوفِ قتل کی وجہ سے قبول کر لیا ہے۔
خدا و ندا تو میرے اس فعل پر مجھ سے اسی طرح مواخذہ نہ کرنا جس طرح جناب یونسؑ اور جناب
دانیال سے باز پرس نہیں فرمائی۔ اس کے بعد کہا میرے پالنے والے تیرے عہد کے سوا کوئی عہد
نہیں۔ اور تیری عطا کی ہوئی حیثیت کے سوا کوئی عزت نہیں۔ خدایا تو مجھے اپنے دین پر قائم
رہنے کی توفیق عنایت فرما۔ خواجہ محمد پارسا کا کہنا ہے کہ ولیعہدی کے وقت آپ رو رہے
تھے۔ ملاحسین لکھتے ہیں کہ مامون کی طرف سے اصرار اور حضرت کی طرف سے انکار کا سلسلہ
دو ماہ جاری رہا۔ اس کے بعد ولی عہدی قبول کی گئی۔

جلسہ ولیعہدی کا انعقاد | یکم رمضان سن۱۹۵ ہجری بروز پنجشنبہ جلسہ ولیعہدی منعقد
ہوا۔ بڑی شان و شوکت اور تزک و احتشام کے ساتھ یہ

تقریب عمل میں لائی گئی۔ سب سے پہلے مامون نے اپنے بیٹے عباس کو اشارہ کیا اور اس نے
بیعت کی، پھر اور لوگ بیعت سے شرفیاب ہوئے۔ سونے اور چاندی کے سکے سر مبارک پر
نثار کئے گئے اور تمام ارکانِ سلطنت اور ملازمین کو انعامات تقسیم ہوئے۔ مامون نے حکم دیا کہ
حضرت کے نام کا سکہ تیار کیا جائے۔ چنانچہ درہم و دینار پر حضرت کے نام کا نقش ہوا، اور
تمام ظمرو میں وہ سکہ چلایا گیا۔ مجمعہ کے خطبہ میں حضرت کا نام نامی داخل کیا گیا۔

یہ ظاہر ہے کہ حضرت کے نام مبارک کا سکہ عقیدت مندوں کے لیے تبرک اور ضمانت کی
حیثیت رکھتا تھا۔ اس سکہ کو سفر و حضر میں حوزہ جہان کے لیے ساتھ رکھنا یقینی امر تھا صاحب
جنات الخلود نے بحر و بر کے سفر میں تحفظ کے لیے آپ کے توسل کا ذکر کیا ہے۔ اسی کی یادگاریں
بطور ضمانت بعقیدہ تحفظ ہم اب بھی سفر میں بازو پر امامِ ضامن کا پیسہ باندھتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ ۳۳ ہزار عباسی مرد و زن وغیرہ کی موجودگی میں آپ کو ولیعہدی
خلافت بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس نے تمام حاضرین سے حضرت امام علی رضا کے لیے بیعت لی
اور دربار کا لباس بجائے سیاہ کے سبز قرار دیا گیا۔ جو سادات کا امتیازی لباس تھا۔ فوج کی رڈی
بھی بدل دی گئی۔ تمام ملک میں احکام شاہی نافذ ہوئے کہ مامون کے بعد علی رضا تخت و تاج
کے مالک ہیں اور ان کا لقب ہے "الرضامن آل محمد" حسن بن سہل کے نام بھی فرمان کیا۔ کہ

ان کے لیے بیعت عام لی جائے اور عموماً اہل فرج و عمامہ بنی ہاشم بزرنگ کے پھر ہرے اور بزرگلاہ و قیامیں استعمال کریں۔

علامہ شریف جرجانی نے لکھا ہے کہ قبول ولیعہدی کے متعلق جو تحریر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کو لکھی۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ "چونکہ مامون نے ہمارے ان حقوق کو تسلیم کر لیا ہے جن کو ان کے آباؤ اجداد نے نہیں پہچانا تھا۔ لہذا میں نے اس کی درخواست ولی عہدی قبول کر لی۔ اگرچہ جعفر و جامعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام انجام کو نہ پہنچے گا"

علامہ شبلیجی لکھتے ہیں کہ قبول ولیعہدی کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا تھا۔ اس پر گواہ کی حیثیت سے فضل بن سہل سہل بن فضل بن یحییٰ بن اکثم۔ عبد اللہ بن طاہر۔ ثمامہ بن اشتر کس۔ بشر بن معتمر حاد بن نعمان وغیر ہم کے دستخط تھے۔ انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے اس جلسہ ولیعہدی میں اپنے مخصوص عقیدت مندوں کو قریب بلا کر کان میں فرمایا تھا کہ اس تقریب پر دل میں خوشی کو جگہ نہ دو۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقة ص ۱۲۲۔ مطالب السؤل ص ۲۸۲۔ نور الابصار ص ۱۲۲۔ اعلام الوری ص ۱۹۳۔ کشف الغمہ ص ۱۱۲۔ جنات الخلود ص ۳۱۔ المامون ص ۸۲۔ وسیلۃ النجات ص ۲۶۹۔ ارجح المطالب ص ۴۵۲۔ مسند امام رضا ص ۶۔ تاریخ طبری۔ شرح مواقف۔ تاریخ آئمہ ص ۴۶۲۔ تاریخ احمدی ص ۳۵۲۔ شواہد النبوت، یہ منابع المودۃ، فضل الخطاب، حیا الاولیاء و روضۃ الصفا۔ عیون اخبار رضا۔ دوسرا کہ، سوانح امام رضا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولیعہدی کا دشمنوں پر اثر

تاریخ اسلام میں ہے کہ امام رضا کی ولی عہدی کی خبر سن کر بغداد کے عباسی یہ خیال کر کے کہ خلافت ہمارے خاندان سے نکل چکی کمال دل سوختہ ہوئے۔ اور انھوں نے ابراہیم بن مہدی کو بغداد کے تخت پر بٹھا دیا اور محرم ۲۰ھ میں مامون کی معزولی کا اعلان کر دیا۔ بغداد اور اس کے نواح میں بالکل بد نظمی پھیل گئی۔ پچھلے غنڈے دن دھاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی معاملات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل وزیر اعظم سب خبروں کو بادشاہ سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضا علیہ السلام نے اسے خبردار کر دیا۔ بادشاہ وزیر کی طرف سے بدظن ہو گیا مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اُس نے فضل بن سہل وزیر سلطنت کو حاکم میں قتل کر دیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۱) شمس العلماء شریفی نے حضرت امام رضا کی بیعت ولیعہدی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس واقعے کے حکم نے بغداد میں ایک قیامت انگیز ہچل چلا دی اور مامون سے مخالفت کا پیمانہ لبریز ہو گیا بعضوں نے بزرنگ

وغیرہ کے اختیار کرنے کے حکم کی بے جبر تعمیل کی۔ مگر عام صدایہ تھی کہ خلافت خاندان عباس کے ارادے سے باہر نہیں جاسکتی (المؤمن ص ۸۲)۔

علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام جب ولی عہد خلافت مقرر کئے جاتے تھے مامون کے حاشیہ نشین سخت بظلم اور دل تنگ ہو گئے اور ان پر یہ خوف چھا گیا کہ اب خلافت بنی عباس سے نکل کر بنی فاطمہ کی طرف چلی جائے گی۔ اور اسی تصور نے انہیں حضرت امام رضا علیہ السلام سے سخت متنفر کر دیا۔ (نور الابصار ص ۱۲۳)۔

واقعہ حجاب

تو زمین لکھتے ہیں کہ اس واقعہ ولیعہدی سے لوگوں میں اس درجہ بغض و حسد اور کینہ پیدا ہو گیا کہ وہ لوگ معمولی معمولی باتوں پر اس کا مظاہرہ کر دیتے تھے۔ علامہ شبلیؒ اور علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کا ولیعہدی کے بعد یہ اصول تھا کہ آپ مامون سے اکثر ملنے کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے اور ہوتا یہ تھا کہ جب آپ دہلیز کے قریب پہنچتے تھے تو تمام دربان اور خدام آپ کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور سلام کر کے پرودہ اٹھایا کرتے تھے۔ ایک دن سب نے مل کر طے کر لیا کہ کوئی پرودہ نہ اٹھائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب امام علیہ السلام تشریف لائے تو حجاب نے پرودہ نہ اٹھایا مطلب یہ تھا کہ اس سے امام کی توہین ہوگی، لیکن اللہ کے ولی کو کوئی ذلیل نہیں کر سکتا۔ جب ایسا موقع آیا تو ایک ٹنڈ ہونے پرودہ اٹھایا اور امام داخل دربار ہو گئے۔ پھر جب آپ واپس تشریف لائے تو ہونے بدستور پرودہ اٹھانے میں سبقت کی۔ اسی طرح کئی دن تک ہوتا رہا۔ بالآخر وہ سب کے سب شرمندہ ہو گئے۔ اور امام علیہ السلام کی خدمت مثل سابق کرنے لگے۔ (نور الابصار ص ۱۲۳) مطالب السؤل ۲۸۲ - شواہد النبوت ص ۱۹۴ -

حضرت امام رضا علیہ السلام اور نماز عید

ولی عہدی کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ عید کا موقع آ گیا۔ مامون نے حضرت سے کہلا بھیجا کہ آپ سواری پر جا کر لوگوں کو نماز عید پڑھائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی تم سے شرط کر لی ہے کہ بادشاہت اور حکومت کے کسی کام میں حصہ نہیں لوں گا اور نہ اس کے قریب جاؤں گا اس وجہ سے تم مجھ کو اس نماز عید سے بھی معاف رکھو۔ مگر مامون نے بہت اصرار و الحاح کیا حضرت نے فرمایا، اگر تم معاف کر دو تو بہتر ہے۔ ورنہ میں نماز عید کے لیے اسی طرح جاؤں گا جس طرح میرے جد امجد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جایا کرتے تھے۔ مامون نے کہا آپ کو اختیار ہے جس طرح چاہیں جائیں۔ اس کے بعد اس نے سواروں اور پیادوں کو حکم دیا کہ حضرت کے دروازے

یہ حاضر ہوں۔

جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو لوگ عید کے روز سڑکوں اور چھتوں پر حضرت کی سواری کی شان دیکھنے کو جمع ہو گئے، ایک بھیڑ لگ گئی۔ عورتوں اور لڑکوں سب کو آرزو تھی کہ حضرت کی زیارت کریں۔ اور آفتاب نکلنے کے بعد حضرت نے غسل کیا اور کپڑے بدلے، سفید عمامہ سر پر باندھا، عطر لگایا اور عصا ہاتھ میں لے کر عید گاہ جانے پر آمادہ ہوئے اس کے بعد نوکروں اور غلاموں کو حکم دیا کہ تم بھی غسل کر کے کپڑے بدل لو۔ اور اسی طرح پیدل چلو۔ اس انتظام کے بعد حضرت گھر سے باہر نکلے۔ پانچواں آدھی پنڈلی تک اٹھایا۔ کپڑوں کو سمیٹ لیا، ننگے پاؤں ہو گئے اور پھر دو تین قدم چل کر کھڑے ہو گئے اور سر کو آسمان کی طرف بلند کر کے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر حضرت کے ساتھ نوکروں، غلاموں اور فوج کے سپاہیوں نے بھی تکبیر کہی۔ راوی کا بیان ہے کہ جب امام رضا علیہ السلام تکبیر کہتے تھے تو ہم لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ درو دیوار اور زمین و آسمان سے حضرت کی تکبیر کا جواب سنائی دیتا ہے۔ اس ہیبت کو دیکھ کر یہ حالت ہوئی کہ سب لوگ اور خود لشکر والے زمین پر گر پڑے۔ سب کی حالت بدل گئی۔ لوگوں نے چھریوں سے اپنی جوتیوں کے کل تسے کاٹ دیئے، اور جلدی جلدی جوتیاں پھینک کر ننگے پاؤں ہو گئے۔ شہر بھر کے لوگ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ ایک کھرام بپا ہو گیا، اس کی خبر ماموں کو بھی ہو گئی۔ اُس کے وزیر فضل بن سہل نے اس سے کہا کہ اگر امام رضا اسی حالت سے عید گاہ تک پہنچ جائیں گے تو معلوم نہیں کیا فتنہ اور منگامہ برپا ہو جائے گا۔ سب لوگ ان کی طرف ہو جائیں گے اور ہم نہیں جانتے کہ ہم لوگ کیسے بچیں گے۔ وزیر کی اس تقریر پر متنبہ ہو کر ماموں نے اپنے پاس سے ایک شخص کو حضرت کی خدمت میں بھیج کر کہلا بھیجا کہ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ جو آپ سے عید گاہ جانے کے لیے کہا۔ اس سے آپ کو زحمت ہو رہی ہے اور میں آپ کی مشقت کو پسند نہیں کرتا۔ بہتر ہے کہ آپ واپس چلے آئیں۔ اور عید گاہ جانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ پہلے جو شخص نماز پڑھتا تھا وہ پڑھائے گا۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام واپس تشریف لائے اور نماز عید نہ پڑھا سکے (وسیلۃ النجات ص ۲۵۲ مطالب السؤل ص ۲۸۲ و اصول کافی) علامہ شبلی نے فرج علی الرضا الی بیتہ و رکب المامون فصلی بالناس کہ امام رضا علیہ السلام دولت سر کو واپس تشریف لائے اور ماموں نے جا کر نماز پڑھائی۔ (نور الابصار ص ۱۲۳)۔

حضرت امام رضا کی مدح سمرانی اور دخیل خزاری اور ابو نواس

عرب کے مشہور شاعر جناب دخیل خزاری کا نام ابو علی دخیل ابن علی بن زریں ہے۔ آپ

۱۳۸ھ میں پیدا ہو کر ۲۲۵ھ میں بتقام مشوش وفات پا گئے (رجال سی) اور ابو نواس کا پورا نام ابو علی حسن بن ہانی ابن عبدالاول ہوازی بصری بغدادی ہے۔ یہ ۳۶ھ میں پیدا ہو کر ۱۹۶ھ میں فوت ہوئے وعلی اکرم محمد کے مداح خاص تھے۔ اور ابو نواس ہارون رشید امین ومامون کا ندیم تھا۔
 وعلی خزاعی کے لیے شمارا اشعار مدح آل محمد میں موجود ہیں۔ علامہ شبلی نجی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام ولی عہد سلطنت تھے۔ وعلی خزاعی ایک دن دارالسلطنت مرو میں آپ سے ملے اور انھوں نے کہا کہ حضور میں نے آپ کی مدح میں ۱۲۰ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا ہے۔ میری کتاب ہے کہ میں اسے سب سے پہلے حضور ہی کو سناؤں حضرت نے فرمایا بہتر ہے، پڑھو۔

وعلی خزاعی نے اشعار پڑھنا شروع کیا۔ قصیدہ کا مطلع یہ ہے۔

ذکرت محل الربع من عرفات

فاجريت مع العين بالعبوات

جب وعلی قصیدہ پڑھ چکے تو امام علیہ السلام نے ایک سوا شرفی کی تھیلی انھیں عطا فرمائی وعلی نے شکر یہ ادا کرنے کے بعد اسے واپس کرتے ہوئے کہا کہ مولایں نے یہ قصیدہ قرینۃ الی اللہ کہا ہے میں کوئی عطیہ نہیں چاہتا۔ خدا نے مجھے سب کچھ دے رکھا ہے۔ البتہ حضور اگر مجھے جسم سے اترے ہوئے کپڑے سے کچھ عنایت فرمادیں، تو وہ میری عین خواہش کے مطابق ہوگا۔ آپ نے ایک جوتہ عطا کرتے ہوئے فرمایا کہ اس رقم کو بھی لے لو۔ یہ تمہارے کام آئے گی۔ وعلی نے اسے لے لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد وعلی مرو سے عراق جانے والے قافلے کے ساتھ ہو کر روانہ ہوئے۔ راستہ میں چوروں نے اور ڈاکوؤں نے حملہ کر کے سب کا سب کچھ لوٹ لیا اور چند آدمیوں کو گرفتار بھی کر لیا۔ جن میں وعلی بھی تھے۔ ڈاکوؤں نے مال تقسیم کرتے وقت وعلی کا ایک شعر پڑھا۔ وعلی نے پوچھا یہ کس کا شعر ہے۔ انھوں نے کہا کسی کا ہوگا۔ وعلی نے کہا میرا شعر ہے۔ اس کے بعد انھوں نے سارا قصیدہ سنا دیا۔ ان لوگوں نے وعلی کے صدقہ میں سب کو چھوڑ دیا اور سب کا مال واپس کر دیا۔ یہاں تک کہ یہ نوبت آئی کہ ان لوگوں نے واقعہ سن کر امام رضا کا دیا ہوا جوتہ خریدنا چاہا، اور اس کی قیمت ایک ہزار دینار لگا دی۔ وعلی نے جواب دیا کہ یہ میں نے بطور تبرک اپنے پاس رکھا ہے۔ اسے فروخت نہ کروں گا۔ بالآخر بار بار گرفتار ہونے کے بعد انھوں نے اسے ایک ہزار اشرفی پر فروخت کر دیا۔ علامہ شبلی نجی بحوالہ ابوالصلت بروی لکھتے ہیں کہ وعلی نے جب امام رضا کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا تھا تو آپ رورہتے تھے اور آپ نے دو بیتوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ یہ اشعار الہامی ہیں۔ (نور الابصار ۱۳۸) علامہ عبدالرحمن لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا

علیہ السلام نے قصیدہ سننے ہوئے نفس زدگیہ کے تذکرہ پر فرمایا کہ اے دلیل اس جگہ ایک شعر کا اور
اضافہ کرو، تاکہ تمہارا قصیدہ مکمل ہو جائے۔ انھوں نے عرض کی مولا فرمائیے۔ ارشاد ہوا۔

وقدر بطوس نالہا من مصیبتہ

الحت علی الاحشاء بالزفرات

دلیل نے گجرا کے پوچھا مولا، یہ کس کی قبر ہوگی، جس کا حضور نے حوالہ دیا ہے۔ فرمایا اے
دلیل یہ قبر میری ہوگی۔ اور میں عنقریب اس عالم عزت میں جب کہ میرے اعزاء و اقربا بال نیچے
مدینہ میں ہیں شہید کر دیا جاؤں گا۔ اور میری قبر یہیں بنے گی۔ اے دلیل جو میری زیارت کو آئے
گا۔ جنت میں میرے ہمراہ ہوگا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۹) دلیل کا یہ مشہور قصیدہ مجالس المؤمنین
۲۶۹ میں مکمل منقول ہے۔ البتہ اس کا مطلع بدلا ہوا ہے۔ علامہ شیخ عباس قمی نے لکھا ہے
کہ دلیل نے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس کا نام تھا "طبقات الشعراء" (سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۲۴)
ابو لوئیس کے متعلق علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ ایک دن اس کے دوستوں نے اس سے کہا
کہ تم اکثر اشعار کہتے ہو اور پھر مدح بھی کیا کرتے ہو۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ تم نے حضرت
امام رضا علیہ السلام کی مدح میں اب تک کوئی شعر نہیں کہا۔ اس نے جواب دیا کہ حضرت کی
جلالت قدر ہی نے مجھے مدح سرائی سے روکا ہے۔ میری ہمت نہیں پڑتی کہ آپ کی مدح
کروں۔ یہ کہہ کر اُس نے چند اشعار پڑھے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ عمدہ
کلام کے ہر رنگ اور مذاق کے اشعار سب لوگوں سے اچھے تم ہی کہتے ہو، بلکہ اچھے اشعار میں
تمہارے مدحیہ قصیدے ایسے ہوتے ہیں جن سے سُنے والوں کے سامنے موتی جھڑتے ہیں۔ پھر
تم نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے بیٹے حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مدح اور
حضرت کے فضائل و مناقب میں کوئی قصیدہ کیوں نہیں لکھا؟ تو میں نے سب کے جواب میں
کہہ دیا کہ بھائیو جن جلیل الشان امام کے آباؤ کرام کے خادم جبرئیل ایسے فرشتے ہوں۔ ان
کی مدح کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہے۔

"اس کے بعد اُس نے چند اشعار آپ کی مدح میں لکھے جس کا ترجمہ یہ ہے :-

یہ حضرات آئمہ طاہرین خدا کے پاک و پاکیزہ کئے ہوئے ہیں اور ان کا لباس بھی طیب و طاہر
ہے۔ جہاں بھی اُن کا ذکر ہوتا ہے۔ وہاں اُن پر درود و کافرعہ بلند ہو جاتا ہے۔ جب حسب و نسب
بیان ہوتے وقت کوئی شخص علوی خاندان کا نہ نکلے، تو اُس کو ابتدائے زمانہ سے کوئی فخر کی بات
نہیں ملے گی۔ جب خدا نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پھر اس کو ہر طرح استوار کیا اور سفوارا تو اسی خدا کے
رگزدہ حضرات اب لوگوں کو خدا نے سب سے زیادہ شریف بھی قرار دیا اور سب پر فضیلت بھی

دی۔ میں سچ کتا ہوں کہ آپ حضرات ہی ملا اعلیٰ ہیں اور آپ ہی کے پاس قرآن مجید کا علم اور سوؤں کے مطالب و مفاد ہم ہیں (ذقیات الاعیان جلد ۱ ص ۲۲۲ و نور الابصار ص ۳۲ طبع مصر)۔

مذاہب عالم کے علمائے حضرت امام رضا کے علمی مناظرے

مامون رشید کو خود بھی علمی ذوق تھا۔ اُس نے دلی عہدی کے مرحلہ کو طے کرنے کے بعد حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کافی استفادہ کیا پھر اپنے ذوق کے تقاضے پر اُس نے مذاہب عالم کے علماء کو دعوتِ مناظرہ دی اور ہر طرف سے علماء کو طلب کر کے حضرت امام رضا علیہ السلام سے مقابلہ کرایا۔ عہدِ مامون میں امام علیہ السلام سے جس قدر مناظرے ہوئے ہیں اُن کی تفصیل اکثر کتب میں موجود ہے اس سلسلہ میں احتجاجی طبری، بحار، معہ ساکبہ وغیرہ جیسی کتابیں دیکھی جاسکتی ہیں، میں اختصار کے پیش نظر صرف دو چار مناظرے لکھتا ہوں۔

مامون رشید کے عہد میں نصاریٰ کا ایک بہت بڑا عالم و مناظرہ شہرت عام رکھتا تھا جس کا نام "جاہلیق" تھا۔ اُس کی عادت

عالم نصاریٰ سے مناظرہ

ہوتی کہ متکلمین اسلام سے کہا کرتا تھا کہ تم وونوں نبوت عیسیٰ اور اُن کی کتاب پر متفق ہیں اور اس بات پر بھی اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اختلاف ہے تو صرف نبوت محمد مصطفیٰ صلعم میں ہے۔ تم اُن کی نبوت کا اعتقاد رکھتے ہو۔ اور ہمیں انکار ہے۔ پھر تم اُن کی وفات پر متفق ہو گئے ہیں۔ اب ایسی صورت میں کونسی دلیل تمہارے پاس باقی ہے جو ہمارے لیے حجت قرار پائے۔ یہ کلام سن کر اکثر مناظر خاموش ہو جایا کرتے تھے۔ مامون رشید کے اشارے پر ایک دن وہ حضرت امام رضا علیہ السلام سے بھی ہم کلام ہوا۔ موقع مناظرہ میں اُس نے مذکورہ سوال دھراتے ہوئے کہا کہ پہلے آپ یہ فرمائیں کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت اور اُن کی کتاب دونوں پر آپ کا ایمان و اعتقاد ہے یا نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، میں اس عیسیٰ کی نبوت کا یقیناً اعتقاد رکھتا ہوں جس نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی نبوت کی اپنے حواریں کو بشارت دی ہے۔ اور اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جس میں یہ بشارت درج ہے جو عیسائی اس کے معترف نہیں اور جو کتاب اس کی شارح اور مصدق نہیں اس پر میرا ایمان نہیں ہے۔ یہ جواب سن کر جاہلیق خاموش ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے جاہلیق ہم اُس عیسیٰ کو جس نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی بشارت دی، نبی برحق جانتے ہیں۔ مگر تم ان کی تنقیص کرتے ہو، اور کہتے ہو کہ وہ نماز روزہ کے پابند نہ تھے۔ جاہلیق نے کہا کہ ہم تو یہ نہیں کہتے وہ تو ہمیشہ قائم اللیل اور صائم النهار رہا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا، عیسیٰ تو بنا براعتقاد نصاریٰ خود معاذ اللہ خدا تھے۔

تو یہ روزہ اور نماز کس کے لیے کرتے تھے۔ یہ سن کر جا تلیق مبہوت ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ البتہ یہ کہنے لگا کہ جو مردوں کو زندہ کرے۔ جذامی کو شفا دے۔ نابینا کو بینا بنائے اور پانی پر چلے کیا وہ اس کا سزاوار نہیں کہ اُس کی پرستش کی جائے اور اُسے معبود سمجھا جائے۔ آپ نے فرمایا ایسے بھی پانی پر چلتے تھے۔ اندر سے کوڑھی کو شفا دیتے تھے۔ اسی طرح حزقیل پیغمبر نے ۲۵ ہزار انسانوں کو ساڑھ برس کے بعد زندہ کیا تھا۔ قوم اسرائیل کے بہت سے لوگ طاغون کے خوف سے اپنے گھر چھوڑ کر باہر چلے گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے ایک ساعت میں سب کو مار دیا۔ بہت دنوں کے بعد ایک نبی استخوان ہائے بوسیدہ پر گزرتے تو خداوند تعالیٰ نے اُن پر وحی نازل کی کہ انہیں آواز دو۔ اُنہوں نے کہا اے عظامِ بالیہ (استخوانِ مردہ) اٹھ کھڑے ہو۔ وہ سب بحکمِ خدا اٹھ کھڑے ہوئے۔ اسی طرح حضرت ابراہیمؑ کے پزندوں کو زندہ کرنے اور حضرت موسیٰؑ کے کوہِ طور پر لے جانے اور رسولِ خدا کے اھیائے اموات فرمانے کا سوال دے کر فرمایا کہ ان چیزوں پر تورات و انجیل اور قرآن مجید کی شہادت موجود ہے۔ اگر مردوں کو زندہ کرنے سے انسان خدا ہو سکتا ہے، تو یہ سب انبیاء بھی خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ یہ سن کر وہ چُپ ہو گیا اور اُس نے اسلام قبول کرنے کے سوا اور چارہ نہ دیکھا۔

عالمِ یہود سے مناظرہ | علمائے یہود میں سے ایک عالم جس کا نام راس الجالوت تھا کو اپنے علم پر بڑا غرور اور تکبر و ناز تھا، وہ کسی کو بھی اپنی نظر میں نہ لاتا تھا۔ ایک دن اس کا مناظرہ اور مباحثہ فرزندِ رسول حضرت امام رضا علیہ السلام سے ہو گیا آپ سے گفتگو کے بعد اس نے اپنے علم کی حقیقت جانی اور سمجھا کہ میں خود فریبی میں مبتلا ہوں۔ امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بعد اس نے اپنے خیال کے مطابق بہت سخت سوالات کئے۔ جن کے تسلی بخش اور اطمینان آفرین جوابات سے بہرہ ور ہوا۔ جب وہ سوالات کر چکا تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے راس الجالوت! تو تورات کی اس عبارت کا کیا مطلب سمجھتے ہو کہ "آیا نور سینا سے اور روشن ہوا جبلِ ساعیر سے اور ظاہر ہوا کوہِ فاران سے"۔ اس نے کہا کہ اسے ہم نے پڑھا ضرور ہے۔ لیکن اس کی تشریح سے واقف نہیں ہوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نور سے وحی مراد ہے۔ طور سینا سے وہ پہاڑ مراد ہے جس پر حضرت موسیٰ خدا سے کلام کرتے تھے۔ جبلِ ساعیر سے محل و مقام عیسیٰ علیہ السلام مراد ہے۔ کوہِ فاران سے جبلِ مکہ مراد ہے جو شہر سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پھر فرمایا تم نے حضرت موسیٰ کی یہ وصیت دیکھی ہے کہ تمہارے پاس بنی انخوان سے ایک نبی آئے گا۔ اس کی بات ماننا اور اس کے قول کی تصدیق کرنا۔ اس نے کہا ہاں دیکھی ہے۔ آپ نے پوچھا کہ بنی انخوان سے کون مراد ہے۔ اُس نے کہا

معلوم نہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ اولادِ اسمعیل ہیں، کیوں کہ وہ حضرت ابراہیم کے ایک بیٹے ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے مورثِ اعلیٰ حضرت اسحاق بن ابراہیم کے بھائی ہیں اور انھیں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس کے بعد جبل فاران والی بشارت کی تشریح فرما کر کہا کہ شعبیا نبی کا قول تو ریت میں مذکور ہے کہ میں نے دو سوار دیکھے کہ جن کے پرتوں سے دُنيا روشن ہو گئی، ان میں ایک گدھے پر سواری کئے تھا اور ایک اُونٹ پر۔ اے اس الجالوت تم بتلا سکتے ہو کہ اس سے کون مراد ہے؟ اس نے انکار کیا، آپ نے فرمایا کہ راکب الحمار سے حضرت عیسیٰ اور راکب الجمل سے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم مراد ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا کہ تم حضرت جبقوق نبی کے اس قول سے واقف ہو کہ خدا اپنا بیٹا جبل فاران سے لایا اور تمام آسمان حمد الہی کی آوازوں سے جگمگے اس کی اُقت اور اس کے لشکر کے سوار شنگی اور نری میں جنگ کرنے لگے ان پر ایک کتاب آئے گی اور سب کچھ بیت المقدس کی غرابی کے بعد ہوگا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ اُن سے وہ اُمور ظاہر ہوئے، جو ان سے پہلے کے انبیاء پر نہیں ہوئے تھے۔ مثلاً دریائے نیل کا شگافہ ہونا، عصا کا سانپ بن جانا۔ ایک پتھر سے بارہ چشموں کا جاری ہونا۔ اور یدِ بیضا وغیرہ آپ نے فرمایا کہ جو بھی اس قسم کے معجزات کو ظاہر کرے اور نبوت کا مدعی ہو، اس کی تصدیق کرنی چاہیے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیوں کہا اس لیے کہ موسیٰ کو جو قربت یا منزلت حق تعالیٰ کے نزدیک تھی وہ کسی کو نہیں ہوئی۔ لہذا ہم پر واجب ہے کہ جب تک کوئی شخص بعینہ وہی معجزات کرات نہ دکھلائے ہم اس کی نبوت کا اقرار نہ کریں۔ ارشاد فرمایا کہ تم موسیٰ سے پہلے انبیاءِ مسلمین کی نبوت کا کس طرح اقرار کرتے ہو۔ حالانکہ انھوں نے نہ کوئی دریا شگافہ کیا، نہ کسی پتھر سے چشمے نکالے۔ نہ اُن کا ہاتھ روشن ہوا۔ اور نہ اُن کا عصا اُتو ہا بنا۔ اس الجالوت نے کہا کہ جب ایسے امور و علامات خاص طور سے ان سے ظاہر ہوں۔ جن کے اظہار سے عموماً تمام خلایق عاجز ہو، تو وہ اگرچہ بعینہ ایسے معجزات ہوں یا نہ ہوں۔ ان کی تصدیق ہم پر واجب ہو جائے گی حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بھی مردوں کو زندہ کرتے۔ کور مادر زاد کو مینا بناتے۔ مبروص کو شفا دیتے۔ مٹی کی چڑیا بنا کر ہوا میں اُڑاتے تھے۔ وہ یہ امور ہیں جن سے عام لوگ عاجز ہیں۔ پھر تم ان کو بیغیرہ کیوں نہیں مانتے؟

اس الجالوت نے کہا کہ لوگ ایسا کہتے ہیں، مگر ہم نے ان کو ایسا کرتے دیکھا نہیں ہے فرمایا تو کیا آیات و معجزات موسیٰ کو تم نے نہ پچھتم خود دیکھا ہے۔ آخر وہ بھی تو معتبر لوگوں کی زبانی سنا ہی ہوگا

ویسا ہی اگر عیسیٰ کے معجزات ثقل اور معتبر لوگوں سے سُنو، تو تم کو اُن کی نبوت پر ایمان لانا چاہیے اور بالکل اسی طرح حضرت محمد مصطفیٰ کی نبوت و رسالت کا اقرار آیات و معجزات کی روشنی میں کرنا چاہیے۔ سُنو اُن کا ایک عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت کا جواب قیامت تک نہیں دیا جاسکے گا۔ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

عالم مجوس سے مناظرہ | مجوسی یعنی آتش پرست کا ایک مشہور عالم ہرذاکر حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر علمی گفتگو کرنے

لگا۔ آپ نے اس کے سوالات کے مکتل جوابات عنایت فرمائے۔ اس کے بعد اس سے سوال کیا کہ تمہارے پاس زرتشت کی نبوت کی کیا دلیل ہے۔ اس نے کہا کہ انھوں نے ہماری ایسی چیزوں کی طرف دہمہری فرمائی ہے۔ جس کے طرف پہلے کسی نے رہنمائی نہیں کی تھی۔ ہمارے اسلاف کہا کرتے تھے کہ زرتشت نے ہمارے لیے وہ امور مباح کئے ہیں کہ اُن سے پہلے کسی نے نہیں کئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اس امر میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص کسی نبی اور رسول کے فضائل و کمالات تم پر روشن کرے اور تم اس کے ماننے میں پس و پیش کرو مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم نے معتبر لوگوں سے سُن کر زرتشت کی نبوت مان لی۔ اسی طرح معتبر لوگوں سے سُن کر انبیاء اور رسول کی نبوت کے ماننے میں تمہیں کیا عذر ہو سکتا ہے؟ یہ سُن کر وہ خاموش ہو گیا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام اور عصمت انبیاء علیہم السلام

انبیاء کرام، دو ازوہ امام اور جناب مریم و حضرت فاطمہ کی عصمت کا اعتقاد مسلمات سے ہے۔ لیکن بدقسمتی سے بعض مسلمان جوان کی حیثیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے۔ وہ اس میں کلام کرتے ہیں۔ اس لیے میجٹ خاص اہمیت کا مالک بن گیا ہے اور علماء نے اس پر خامہ فرسائی فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب تنزیہہ الانبیاء۔ احتجاج طبرسی۔ بحار الانوار شرح تخریر وغیرہ دیکھنے کے قابل ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام جو خود اپنے اباؤ اجداد اور انبیاء و احنفا کی طرح معصوم تھے۔ ان سے جب اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے اس کا جواب نہایت خوب صورت طریقے پر دے کر مخاطب کو مطمئن فرما دیا۔ علی بن جهم کہتے ہیں کہ ایک دفعہ مامول رشید نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا کہ جب خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے واضح طور پر فرما دیا۔ "فعلی آدم ربه نغوی" کہ آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور وہ بہک گئے، تو پھر وہ معصوم کہاں رہے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم تھا۔ کہ اسے آدم تم دونوں بہشت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو۔ ولا تقربا ہذا الشجرۃ فتکوننا

من الظالمین۔ لیکن اس درخت کے نزدیک نہ جانا، ورنہ اپنا خود بگاڑو گے۔ یعنی ان سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ اس شجر اور اس کے جنس دیگر سے بھی نہ کھانا اور انھوں نے اس درخت ممنوعہ سے کھایا بھی نہیں، مگر شیطان کے دسو سے سے ایک اور ویسے ہی درخت سے کھایا۔ کیونکہ شیطان نے ان سے کہا کہ خداوند تعالیٰ نے تم کو خاص اس درخت سے منع فرمایا ہے۔ اس قسم کے اور درختوں سے ممانعت نہیں فرمائی اور اس کے پاس جاتے سے بھی ممانعت نہیں فرمائی کھانے کا ذکر ارشاد خداوندی میں موجود نہیں۔ پھر شیطان نے ان سے قسم کھائی۔ کہ میں تمہارا ناصح مشفق ہوں حضرت آدم و حوا نے اس سے پہلے کسی کو جھوٹی قسم کھاتے نہیں سنا تھا۔ ان کو دھوکا ہو گیا اور اس کی قسم پر اعتبار کر کے اس کے مرکب ہو گئے اور یہ اضطراب بھی ان حضرت سے قبل نبوت ہوا، اور گناہ کبیرہ نہ تھا۔ جس سے مستحق دخول جہنم ہوتے۔ یہ صرف صفات مہموبہ سے تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام سے قبل از وحی جائز ہے۔ جب خداوند عالم نے ان کو برگزیدہ کیا اور نبی گردانا تو وہ محضوم تھے۔ گناہ کبیرہ و صغیرہ ان حضرات سے صادر نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ ثم اجتباہ ربہ کتاب علیہ پھر خدا نے ان کو برگزیدہ کیا، اور ان کی توبہ قبول کر لی۔

علامہ طبرسی فرماتے ہیں صفات مہموبہ سے ترک اولیٰ مراد ہے جو انبیاء کے لیے قبل از نزول وحی جائز ہے۔ مؤلف کا کہنا ہے کہ نہی کی دو قسمیں ہیں۔ نہی تحریمی اور نہی تنزیہی۔ لاقتضیٰ میں نہی تنزیہی تھی یعنی اس کے قریب نہ جانا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ فتکو نامن الظالمین اور اگر چلے گئے تو تم اپنا خود نقصان کرو گے۔ جیسا کہ کتاب "تلذیۃ الانبیاء" سے مستفاد ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ حضرت یوسف اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت پر روشنی ڈالی اور بتلایا کہ ان حضرات سے گناہوں کا صادر ہونا امکان و قدرت کے باوجود محال تھا۔ ان سے کبھی کوئی گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ صادر نہیں ہوا۔ (جیون اخبار رضا ص ۱ طبع ایران)۔

علمائے آپ کی تصانیف میں صحیفۃ الرضا صحیفۃ الرضویہ۔

آپ کی تصانیف

طب الرضا اور مسند امام رضا کا حوالہ دیا ہے اور بتایا ہے

کہ یہ آپ کی تصانیف ہیں صحیفۃ الرضا کا ذکر علامہ مجلسی۔ علامہ طبرسی اور علامہ زنجانی نے کیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ حکیم اکرام الرضا لکھنوی نے طبع کرایا تھا اب جو تقریباً ناپید ہے۔ صحیفۃ الرضویہ کا ترجمہ مولوی شریف حسین صاحب بریلوی نے کیا ہے۔ طب الرضا کا ذکر علامہ مجلسی شیخ منتخب الدین نے کیا ہے۔ اس کی شرح فضل اللہ ابن علی الراوندی نے لکھی ہے اسی کو رسالہ

ذہبیہ بھی کہتے ہیں اور اس کا ترجمہ مولانا حکیم مقبول احمد صاحب قبلہ مرحوم نے بھی کیا ہے۔ اس کا تذکرہ شمس العلماء مشعلی نغانی نے المامون ص ۹۲ میں کیا ہے۔ مسند امام رضا کا ذکر علامہ حبیبی نے کتاب کشف الظنون میں کیا ہے۔ جس کو علامہ عبداللہ امرت سمری نے کتاب ارجح المطالب کے ص ۲۵۴ پر نقل کیا ہے۔ ناپچیز مولف کے پاس یہ کتاب مصر کی مطبوعہ موجود ہے۔ یہ کتاب ۱۳۲۱ھ میں چھپی ہے اور اس کے مرتب علامہ شیخ عبدالواسع مصری اور محشی علامہ محمد ابن احمد ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ السلام نے مارالحم بنانے اور مومنیات کے متعلق جو افادہ فرمایا ہے اس کا ذکر کتابوں میں موجود ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ (دمعہ ساکبہ وغیرہ)۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور شیر قالیں

علامہ محمد تقی ابن محمد باقر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کے زمانہ میں ایک دفعہ شدید ترین قحط پڑا۔ مامون نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا کوئی تدبیر کیجئے اور کسی صورت سے دُعا فرمائیے کہ خداوند عالم نزل باراں کر دے۔ اب ملک کی بُری حالت ہو گئی ہے۔ جھوک اور پیاس سے لوگوں کے جان بحق ہونے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے بادشاہ گھبرا نہیں۔ میں دو شنبہ کے دن طلب باراں کے لیے نکلوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے بڑی توقع ہے۔ انشاء اللہ نزول باراں ہوگا۔ اور خلقِ خدا کی پریشانی دُور ہوگی۔ غرضیکہ وقت مقررہ آیا اور امام علیہ السلام صحرا کی طرف برآمد ہوئے۔ آپ نے مصیبتی بچھایا اور دستِ دُعا بارگاہِ احدیت میں بلند کر کے دُعا فرمائی۔ ابھی دُعا کے مجلے تمام نہ ہونے پائے تھے کہ جھنڈی ہوا کے جھونکے چلنے لگے۔ باد چھایا تو بندیں پڑنے لگیں اور اس قدر بارش ہوئی کہ جل تھل ہو گیا۔ بادشاہ بھی خوش ہوا۔ پبلک بھی مطمئن اور آسودہ ہوئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ اس کرامتِ خاص اور استجابتِ دُعا کی وجہ سے بہت سے حاسد جل جھن کر خاکستر ہو گئے۔ ایک دن جب دربار آراستہ تھا۔ انھیں حاسدوں میں سے ایک نے کہا۔ لوگ آپ کے بارے میں بہت سے خرافات لشر کرتے ہیں اور آپ کو بڑھانے کی سعی میں منہکا ہیں۔ سب چاہتے ہیں کہ آپ کا پیر بادشاہ سلامت کے پیر سے بلند کر دیں اور سُننے سب سے بڑی کرامت جو آپ کی اس وقت مشہور کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے بارش کو ادا ہی ہے۔ میں کتنا ہوں کہ جبکہ بارش عرصہ سے نہیں ہوئی تھی۔ وہ آپ دُعا کرتے یا نہ کرتے اُسے تو ہوتا ہی تھا۔ لہذا میری نظر میں آپ کی یہ کرامت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاں کرامت اور مجرہ تو یہ ہے کہ پیش نظر قالیں اور مسند پر جو شیر کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

اسے مجسم کر دیجئے اور حکم دیجئے کہ مجھے پھاڑ کھائے۔

حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ دیکھ میں نے کسی سے نہیں کہا کہ میری کرامت بیان کرے اور نہ یہ کہا ہے کہ مجھے بڑھانے کی کوشش کرے۔ اب رہ گیا آب بارانی کا واقعہ، وہ خدا کی مہربانی اور عنایت سے عمل میں آیا ہے اور اُسے کو نبی نے دیکھا ہے۔ میں اس میں بھی اپنی کوئی تعریف نہیں چاہتا۔ یہ سب خدا کی عنایت ہے، البتہ جو مجھے یہ حوصلہ ہے کہ شیر قالین و مسند مجسم ہو جائے اور مجھے پھاڑ کھائے تو لے یہ کہے دیتا ہوں۔

یہ فرما کر آپ شیر کی تصویروں کی طرف متوجہ ہوئے، اور آپ نے فرمایا: ”کہ این فاجر کہ نزد شما است اور بدید و اثر او را باقی نگذارید“ اس فاسق و فاجر کو چیر پھاڑ کر اس طرح کھا جاؤ کہ اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

امام علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ دونوں شیر کی تصویریں مجسم ہو گئیں اور انھوں نے ہمہ بھر کر کافرازی پر حملہ کر دیا جس کا نام حمید بن مهران تھا اور اُسے پارا پارا کر کے کھا ڈالا۔ اس ہنگامہ کو دیکھ کر مامون بے ہوش ہو گیا۔ حضرت نے اُسے ہوش میں لاکر شیروں کو علم دیا کہ اپنی اصلی حالت و صورت میں ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ پھر قالین و مسند کی تصویریں بن گئے۔
(کاشف النقاب شرح عیون اخبار رضا ص ۲۱۶)۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کیساتھ ام حبیبہ مامون کی شادی

امام کا سفر عراق

واقعہ ولی عہدی کے قبل بعد سے لے کر ۲۰۲ ہجری کے شروع تک حضرت امام رضا علیہ السلام سے مناظرے، مباحثے اور علمی مظاہرے مامون رشید کرتا رہا۔ اب اس کی وجہ یہ ہو کہ شہرت عام ہو جائے اور علمی سرنگوں رہیں اور علم خروج بلند نہ کریں یا یہ ہو کہ عباسیوں پر حجت قائم ہو جائے اور حضرت کی اہلیت و قابلیت سے مرعوب ہو کر وہ لوگ مخالفت اور تمرد و سرکشی کا قصد نہ کریں اور ٹھیک سے مامون کو حکومت کرنے دیں۔ یا یہ ہو کہ امام رضا اور ان کے ماننے والوں کے دل صاف ہو جائیں۔ اور کسی کو بعد کے آنے والے واقعات میں یہ شبہ نہ ہو کہ ان کی ذمہ داری مامون پر ہے۔ بہر حال سبب جو بھی ہو، لیکن یہ مسلم ہے کہ مناظرے اور مباحثے کے بعد مامون نے اپنے خفیہ مقصد کی تکمیل کے لیے عراق کا سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اس سے قبل اس نے یہ ضروری سمجھا

کہ شہد کی گنجائش کو ختم کر دینے کے لیے اپنی لڑکی کی شادی امام رضا علیہ السلام سے کر دے۔ چنانچہ اُس نے علیٰ رؤس الاشهاد برسر دربار مجلس عقد منعقد کر کے اپنی بیٹی ام حبیب کی شادی حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دی۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ زوجہ السامون ابنتہ ام حبیب فی اقل سنتہ اشغین و ما شین و المامون متوجه الی العراق۔ مامون نے اوّل سنہ ہجری میں اپنی لڑکی ام حبیب کا عقد حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ کر دیا، یہ اُس وقت کیا جب کہ وہ سفر عراق کا تہیہ کر چکا تھا۔ (تورالابصار ص ۱۲۳ طبع مصر)۔

علامہ محمد رضا لکھتے ہیں کہ ام حبیب کو آپ کے تصرف میں نہیں رہا گیا۔ (جنات الخلوۃ ص ۲۷) یہ سنہ ہجری ہی ہے جس میں عباسیوں نے بغداد کی حکومت سے مامون کو سیدخل کر کے اس کی جگہ پر ابراہیم بن ہمدی کو خلیفہ بنانے کا اعلان کر دیا تھا۔ اس وقت بغداد کی حالت یہ تھی کہ وہ انتشار اور بد نظمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ مورخ ذاکر حسین واقعہ ولی ہمدی کے بعد کے حالات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ بغداد اور اس کے گرد و نواح میں بالکل بد نظمی پھیل گئی۔ تھے غنڈے دن دہاڑے لوٹ مار کرنے لگے۔ جنوبی عراق اور حجاز میں بھی محاطات کی حالت ایسی ہی خراب ہو رہی تھی۔ فضل سب خبروں کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ مگر امام رضا علیہ السلام نے انہیں باخبر کر دیا بادشاہ وزیر سے بظن ہو گیا۔ مامون کو جب ان شورشوں کی خبر ہوئی تو بغداد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرخس میں پہنچ کر اُس نے اپنے وزیر فضل کو حمام میں قتل کر دیا۔ پھر جب طوس میں پہنچا تو امام رضا کو جن کو ولی عہد کرنے کے سبب بغداد میں بغاوت ہوئی تھی۔ انگوروں میں زہر دے کر شہید کر دیا۔ مامون نے ظاہر میں ماتم کیا۔ وہیں دفن کر کے مقبرہ تعمیر کرایا۔ مامون نے امام کی وفات کا حال بغداد کھ بھیجا۔ جس سے وہاں امن و امان قائم ہو گیا۔ مامون آگے بڑھا یہاں تک کہ مدائن پہنچ کر آٹھ دن قیام کیا۔ جہاں بغداد کے جنگی سرداروں۔ بیسوں سے ملا۔ بنی عباس نے اس کا استقبال کیا اور اُس نے بعض عمائد کی درخواست پر پھر وہی عباسی سیاہ رنگ اختیار کر لیا۔ مامون کے آنے کی خبر سن کر ابراہیم بن ہمدی اور اُس کے طرف دار بھاگ گئے۔ مگر پھر ابراہیم کپڑا ہوا آیا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱۱ والفخری والمأمون)۔

مامون رشید عباسی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت

یہ ایک سلسلہ حقیقت ہے کہ غیر معصوم ارباب اقتدار ہوس حکمران میں کسی قسم کا صرف نہیں کرتے اگر حصول حکومت یا تحفظ حکمرانی میں باپ بیٹے، ماں بیٹی یا مقدس سے مقدس ترین ہستیوں کو شہید کر دیا جائے، تو وہ اس کی پرواہ نہیں کیا کرتے۔ اسی بنا پر عرب میں مثل کے طور پر کہا جاتا ہے کہ الملک

عظیم علامہ وحید الزمان - حیدرآبادی لکھتے ہیں کہ الملک عظیم بادشاہت بائچھے ہے۔ یعنی بادشاہت حاصل کرنے کے لیے باپ بیٹے کی پرواہ نہیں کرتا۔ بیٹا باپ کی پرواہ نہیں کرتا بلکہ ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ بیٹا باپ کو مار کر خود بادشاہ بن جاتا ہے۔ (انوار اللغۃ پارہ ۸ ص ۱۶۳)۔ اب اس ہوس حکمرانی میں کسی مذہب اور عقیدہ کا سوال نہیں۔ ہر وہ شخص جو اقتدار کا بھوکا ہوگا۔ وہ اس قسم کی حرکتیں کرے گا۔

مثال کے لیے اسلامی تواریخ کی روشنی میں حضور رسول کریم کی وفات کے فوراً بعد کے واقعات کو دیکھئے۔ جناب سیدہ کے مصائب و آلام اور وجہ شہادت پر غور کیجئے۔ امام حسین کے ساتھ برتاؤ پر غور فرمائیے۔ واقعہ کربلا اور اس کے پس منظر نیز دیگر ائمہ طاہرین کے ساتھ بادشاہان وقت کے سلوک اور ان کی قید و بند اور شہادت کے واقعات کو ملاحظہ کیجئے۔ ان امور سے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ حکمرانی کے لیے کیا کیا مظالم کئے جاسکتے ہیں اور کیسی کیسی ہستیوں کی جانیں لی جاسکتی ہیں۔ اور کیا کچھ کیا جاسکتا ہے تواریخ میں موجود ہے۔ کہ ماموں رشید عباسی کی دادی نے اپنے بیٹے خلیفہ ہادی کو ۲۶ سال کی عمر میں زہر دلوایا کہ ماموں رشید کے باپ ہارون رشید نے اپنے وزیروں کے خاندان براء کو تباہ و برباد کر دیا (المامون ص ۲) مروان کی بیوی نے اپنے خاوند کو بستر خواب پر دو تیکوں سے گلا گھسوا کر ماریا۔ ولید بن عبد الملک نے فرزند رسوا، امام زین العابدین کو زہر سے شہید کیا۔ ہشام بن عبد الملک نے امام محمد باقر کو زہر دیا۔ امام جعفر صادق کو منصور دوانقی نے زہر سے شہید کیا۔ امام موسیٰ کاظم کو ہارون رشید عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ امام علی رضا علیہ السلام کو ماموں عباسی نے زہر دے کر شہید کیا۔ امام محمد تقی کو معتصم باللہ نے ام الفضل بنت ماموں کے ذریعہ سے زہر دلوایا۔ امام علی نقی کو معتصم عباسی نے زہر سے شہید کیا۔ اسی طرح امام حسن عسکری کو بھی زہر سے شہید کیا گیا۔ غرضیکہ حکومت کے سلسلے میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اور نگ زیب کو دیکھئے، اُس نے اپنے بھائی کو قتل کرایا۔ اور اپنے باپ کو سلطنت سے محروم کر کے قید کر دیا تھا۔ اُسی نے شہید ثالث حضرت نور اللہ شوشتری (آگرہ) کی زبان گدی سے کھنجوائی سمجھی۔ بہر حال جس طرح سب کے ساتھ ہوتا رہا حضرت امام رضا علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت ۲۳ ذی قعدہ ۲۰۳ ہجری مطابق ۱۵ نومبر ۸۰۸ء جمعہ کو بمقام طوس واقع ہوئی ہے۔ (جلال

تاریخ شہادت

العیون ص ۲۸ - انوار النعمانیہ ص ۱۲۷ - جنات الخلود ص ۲۱) آپ کے پاس اس وقت عزیز و اقربا اولاد وغیرہ میں سے کوئی نہ تھا۔ ایک تو آپ خود مدینہ سے غریب الوطن ہو کر آئے۔ دوسرے یہ کہ

دارالسلطنت مرو میں بھی آپ نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ آپ سفر کی حالت میں بعالم غربت فوت ہوئے۔ اسی لیے آپ کو غریب الغر یا کہتے ہیں۔

واقعہ شہادت کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا تھا "فما یقتلنی واللہ غیباً"۔ خدا کی قسم مجھے مامون کے سوا کوئی اور قتل نہیں کرے گا اور میں صبر کرنے پر مجبور ہوں۔ (دمعہ سا کہ جلد ۲ ص ۱۷۱) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ہرثمہ بن اعین سے آپ نے اپنی وفات کی تفصیل بتلائی تھی۔ اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ انگور اور انار میں مجھے زہر دیا جائے گا۔ (نور الابصار ص ۱۴۴) علامہ معاصر لکھتے ہیں کہ ایک روز مامون نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنے گلے سے لگایا اور پاس بٹھا کر ان کی خدمت میں بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا اور اس میں سے ایک خوشا اٹھا کر آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ ابن رسول اللہ یہ انگور نہایت ہی عمدہ ہیں۔ تناو دل فرمائیے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار فرمایا کہ جنت کے انگور اس سے بہتر ہیں۔ اس نے شدید اصرار کیا اور آپ نے اُس میں سے تین دلے کھالیے۔ یہ انگور کے دانے زہر آلود تھے۔ انگور کھانے کے بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔

مامون نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ جہاں تو نے بھیجا ہے۔ وہاں جا رہا ہوں۔ قیام گاہ پر پہنچنے کے بعد آپ تین دن تک تڑپتے رہے۔ بالآخر انتقال فرما گئے (تاریخ آئمہ ص ۲۷۶) انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام باعجاز تشریف لائے۔ اور نماز جنازہ پڑھائی اور آپ واپس چلے گئے۔ بادشاہ نے بڑی کوشش کی کہ آپ سے ملے مگر نہ مل سکا۔ (مطالب السؤل ص ۲۸۸) اس کے بعد آپ کو بمقام طوس محلہ سناباد میں دفن کر دیا گیا۔ جو آج کل مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے اور اطراف عالم کے عقیدت مندوں کے حجاج کا مرکز ہے۔

شہادت امام رضاؑ کے متعلق ابوالصلت ہروی کا بیان

علامہ عبد الرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ ابوالصلت ہروی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ایک دن مجھ سے فرمایا کہ ہارون رشید

کے پائنتی کے گرد کی مٹی لاؤ۔ جب میں مٹی لایا تو آپ نے اُسے سونگھ کر پھینک دیا۔ اور فرمایا کہ عنقریب میری قبر کے لیے اسی مقام کی زمین کھودیں گے۔ اور ایسا پتھر نکل آئے گا کہ اُسے نہ کوئی سکاٹ سکے گا اور نہ اٹھاڑ سکے گا۔ پھر فرمایا کہ ہارون رشید کے سر ہانے کی مٹی لاؤ۔ میں مٹی لے آیا تو آپ نے اُسے سونگھ کر فرمایا کہ اسی مقام پر میری قبر ہوگی۔ پھر فرمایا اے ابوالصلت کل مجھے مامون طلب کرے گا۔ منوجب میں جانے لگوں تو تم یہ دیکھ لینا کہ میرے

سر پر کوئی چادر وغیرہ ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو مجھ سے کلام نہ کرنا اور اگر نہ ہو تو مجھ سے باتیں کرنا ابوصلت
 کہتے ہیں کہ صبح کے وقت امام علیہ السلام فراغت کے بعد مامون کے پیام کا انتظار کرنے لگے۔ اتنے
 میں میں نے دیکھا کہ مامون رشید کا قاصد آ گیا اور امام علیہ السلام اس کے ہمراہ روانہ ہو گئے۔ جس وقت
 آپ جا رہے تھے آپ کے سر مبارک پر از قسم تولیہ کوئی کپڑا تھا۔ میں نے حسب الحکم اُن سے کوئی کلام
 نہیں کیا اور وہ تشریف لے گئے۔ اس وقت مامون کے سامنے بہترین انگوروں کا ایک طبق رکھا ہوا
 تھا۔ اس نے مراسم تعظیم ادا کرنے کے بعد کہا۔ ابن رسول! آپ نے اس سے بہتر انگور کبھی نہیں دیکھا
 ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ بہشت کے انگور اس سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔ پھر مامون نے ایک خوشہ انگور
 اٹھاتے ہوئے کہا۔ بیچئے تناول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے بادشاہ اسے کھانے کو اس وقت میرا
 جی نہیں چاہتا، لہذا مجھے معاف کر۔ میں اس وقت نہیں کھاؤں گا۔ مامون نے شدید اصرار کرتے ہوئے
 کہا۔ "مار اہتمم می داری"۔ آپ کیوں نہیں تناول کرتے۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے۔ اور
 کیا آپ مجھ پر اتہام لگاتے اور مجھ سے بدگمانی کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے مامون نے ایک خوشہ انگور
 اور اُسے کھانا شروع کیا۔ پھر ایک اور خوشہ اٹھایا اور اُسے امام علیہ السلام کی طرف بڑھاتے ہوئے
 کہا بیچئے تناول کیجئے۔ امام علیہ السلام نے اس کے شدید اصرار پر اُسے لے لیا اور اس میں سے
 تین دانے تناول فرمائے۔ ان انگوروں کے کھاتے ہی جوہر وجود میں انقلاب پیدا ہو گیا۔ بقیہ
 انگوروں کو پھینکتے ہوئے آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ مامون نے کہا کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔
 آپ نے فرمایا کہ "بآخیا کہ فرستادی" جہاں تو نے بھیجا ہے وہاں جا رہا ہوں۔ اس کے بعد آپ
 سر مبارک پر چادر ڈال کر روانہ ہو گئے۔

ابو الصلت ہروی کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام دربار سے روانہ ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے
 مجھے حکم دیا کہ دروازہ بند کر دو۔ میں نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر آپ بستر پر لیٹ گئے۔ آپ کا بستر پر
 لیٹنا تھا کہ مجھے رنج و الم نے آگہرا۔ طرح طرح کے خیالات پیدا ہونے لگے اور میں سخت حیران و
 پریشان ہو گیا۔ امام علیہ السلام بستر علات پر تھے اور میں ڈیورھی میں رنج و غم کی حالت میں بیٹھا
 ہوا تھا۔ ناگاہ میں نے گھر کے اندر ایک خوب صورت نوجوان کو دیکھا کہ اُس سے پوچھا کہ آپ کون ہیں
 اور جب کہ دروازہ بند ہے۔ آپ کو اندر کس نے پہنچا دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں حجت خدا محمدی
 ہوں۔ مجھے بند مکان میں وہی لایا ہے، جس نے چشم زدن میں مدینہ سے یہاں پہنچایا ہے۔ میں اپنے
 پدر بزرگوار کی خدمت کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں
 حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے جیسے ہی آپ کو دیکھا فوراً اپنے سینے سے لگایا۔ پیشانی کا بوسہ
 دیا اور چپکے چپکے آپ سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ مختصر یہی دیر کے بعد آپ نے دیکھا کہ روح مبارک

مشارقت کر گئی اور امام علیہ السلام وفات پا گئے۔ آپ کے وفات فرمانے کے بعد حضرت محمد بن علی علیہ السلام نے غسل و کفن اور جنووظ کا انتظام فرمایا۔ پھر قدرتی تابوت منگو کر نماز پڑھنے کے بعد اُس میں رکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ تابوت آسمان کی طرف چلا گیا۔ ابوالصلت کہتے ہیں کہ یہ دیکھ کر میں نے عرض کی مولا ابھی مالمون وغیرہ آتے ہوں گے۔ میں انہیں کیا جواب دُوں گا۔ آپ نے فرمایا یہ تابوت ابھی ابھی واپس آجائے گا۔ چنانچہ مثل سابق چھت شگافۃ ہوئی اور تابوت آگیا آپ نے امام علیہ السلام کو بدستور بستر پر ٹا دیا اور مجھے حکم دیا کہ اب دروازہ کھول دو۔ میں نے دروازہ کھول دیا تو مالمون وغیرہ داخل خانہ ہوئے۔ اور سب آہ و بکا کرنے لگے۔ پھر تجمیز و تکفین کا از سر نو انتظام ہوا۔ اور آپ ہارون رشید کے سر ہانے دفن کر دیے گئے۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۳ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۹۸ و اعلام الوری ص ۱۹۸) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ مالمون نے ہر چند چاہا کہ امام محمد تقی سے ملے مگر آپ کے فوری چلے جانے کی وجہ سے ملاقات نہ ہو سکی۔ (مطالب السؤل ص ۲۸۸) علامہ نعمت اللہ الجبجری لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کی شہادت کے بعد جو سب سے پہلے اُڑی، وہ یہ تھی کہ امام رضا کو مالمون نے دھوکہ سے شہید کر دیا (سذکرۃ المعصومین) علامہ نعمت اللہ الجبجری تحریر فرماتے ہیں کہ مالمون رشید نے آپ کو انار اور انگور کے ذریعہ سے زہر دیا تھا۔

(انوار نعمانیہ ص ۲۷ علامہ طبرسی فرماتے ہیں کہ انار کے عرق میں زہر ملا کر اس میں دھاگہ ترکریا تھا اور اس دھاگہ کو سوزن کے ذریعہ انگوروں میں گزار کر انہیں مسموم کر دیا تھا۔ (اعلام الوری ص ۱۹۹) ابو مخنف کا بیان ہے کہ جب حضرت امام رضا علیہ السلام کو خراسان میں زہر دے دیا اور آپ بسترِ علالت پر کرویں لینے لگے، تو

شہادت امام رضا کے موقع پر امام محمد تقی کا خراسان پہنچنا

خداوند عالم نے امام محمد تقی کو وہاں بھیجنے کا بندوبست کیا۔ چنانچہ امام محمد تقی جب کہ مسجد مدینہ میں مشغول عبادت تھے ایک ہاتھ غلیبی نے آواز دی کہ اگر می خواہی پدر خود را زندہ دریابی قدم در راہ نہ یی اگر آپ اپنے والد بزرگوار سے اُن کی زندگی میں ملنا چاہتے ہیں تو فوراً خراسان کے لیے روانہ ہو جائیں۔ یہ آواز سننا تھا کہ آپ مسجد سے برآمد ہو کر داخل خانہ ہوئے اور آپ نے اپنے اعزاز و اقربا کو شہادت پدر بزرگوار سے آگاہ کیا، گھر میں کسرام برپا ہو گیا۔ اُس کے بعد آپ وہاں وہاں سے روانہ ہو کر ایک ساعت میں خراسان پہنچے۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دربان نے دروازہ بند کر رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو۔ میں اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں جانا چاہتا ہوں۔ آپ کی آواز سننے ہی امام علیہ السلام خود اپنے بستر سے اُٹھے اور دروازہ کھول کر امام محمد تقی کو اپنے گلے سے لگایا اور بے پناہ گریہ فرمایا۔ امام محمد تقی پدر بزرگوار کی بے بسی، بے کسی اور غربت پر

انسوہانے لگے۔ پھر امام علیہ السلام تبرکات امامت فرزند کے سپرد کر کے راہی ملک بقا ہو گئے "انالله وانا الیہ راجعون" (کنز الانساب ص ۹۵) علامہ شیخ عباس قمی بحوالہ اعلام الوری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو جو نبی خیر شہادت ملی، خراسان تشریف لے گئے اور اپنے والد بزرگوار کو دفن کر کے ایک ساعت میں واپس آئے اور یہاں پہنچ کر لوگوں کو حکم دیا کہ امام علیہ السلام کا ماتم کریں۔ (منتہی الآمال جلد ۲ ص ۳۱۲)۔

بحث و نظر

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جس طرح خلیفہ مامون نے حالات کی روشنی میں اپنے بھائی امین کی ماتحتی قبول کر لی۔ پھر اُسے قتل کر دیا، اور جس طرح فضل بن سہل (ذوالریاستین مالک لسان و قلم الفخری) کو وزیر جنگ بنایا۔ پھر اُسے بمقام سرخس حاکم میں قتل کر دیا اور جس طرح طاہر کو وزیر اعظم بنایا اور اسی کی وجہ سے استقرار خلافت حاصل کیا۔ پھر اُسے قتل کر دیا۔ بالکل اسی طرح اپنی ضرورت کے وقت حضرت امام رضا علیہ السلام کو خلافت کا دلی عہد بنایا۔ ان کے ساتھ اپنی لڑائی کی شادی کی اور کام نکلنے کے بعد ہمیں اپنے ہاتھوں سے زہر دے کر شہید کر دیا۔ یعنی جب علویوں کا زور ہوا، تو ان کی بغاوت کو روکنے کے لیے شدید انکار کے باوجود امام رضا علیہ السلام کو دلی عہد بنایا اور جب عباسیوں کا زور بڑھا تو انھیں راضی کرنے کے لیے امام رضا علیہ السلام کو شہید کر دیا۔ اسے کہتے ہیں سیاست جس میں ہر قسم کا حربہ استعمال کرنا جائز ہے۔

امام رضا علیہ السلام کو کس نے زہر دیا۔ اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تمام مورخین و علمائے اہل تشیع بلا استثناء اس پر متفق ہیں کہ امام رضا علیہ السلام کو خود مامون نے زہر دیا ہے۔ لیکن مورخین اہل تسنن میں سے ایک مورخ نے بھی مامون پر اس الزام کے لگانے کی جرأت نہیں کی۔ (کتاب المامون ص ۶۲)۔

میں سمجھتا ہوں کہ علامہ شبلی اس معاملہ میں یا تو بالکل مامون کے ساتھ محسن ظن سے کام لے چکے ہیں یا انھیں علم ہی نہ تھا۔ انھوں نے تو صاف صاف لکھا ہے کہ کتب اہل تشیع ہمارے پاس نہیں ہیں۔ لیکن یہ نہیں لکھا کہ ہم نے تمام کتب اہل سنت کو دیکھ لیا ہے۔

میرے خیال میں وہ اپنی کتابوں سے بھی ناواقف تھے اور ان کی تنگ نظری نے ان سے مذکورہ جملے لکھوا دیے۔ میں کہتا ہوں کہ بہت سے علماء و مورخین اہل سنت نے اس واقعہ کو اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے بعض نے تو بڑی تفصیل کے ساتھ واقعہ شہادت اور حادثہ زہر خوانی کو تحریر کیا ہے اور بہتوں نے اشارہ و کنایہ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو۔

(۱) تاریخ روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۱۷ (۲) تاریخ شوہد البیوت ص ۲۲۴ (۳) تاریخ کامل

جلد ۶ ص ۱۱۹ (۳) تاریخ مروج الذهب مسعودی جلد ۹ ص ۳۳ (۵) تاریخ نور الابصار
 ص ۱۲۳ (۶) تاریخ الفخری ص ۱۶۳ (۷) مطالب السؤل ص ۲۸۵ (۸) تاریخ حبیب السیر
 جلد ۲ مجز اول ص ۵ (۹) تاریخ آل محمد ص ۶ (۱۰) رواج المصطفیٰ ص ۱۴۲ (۱۱)
 کتاب النساب سمعانی (۱۲) خلاصہ تہذیب الکمال (۱۳) مختصر اخبار الخلفاء (۱۴)
 تاریخ طبری فارسی جلد ۲ ص ۹۲ (۱۵) تاریخ ابن طولون ص ۹۱ (۱۶) النساب سمعانی (۱۷) اخبار الخلفاء
 میرے نزدیک مذکور بالا حوالہ جات کی موجودگی میں علامہ شبلی کا یہ کہنا ہے کہ ایک نئی صورت
 نے بھی مامون پر اس الزام لگانے کی جرأت نہیں کی۔ (الممامون ص ۹۲) اور ابن خلدون اور
 جسٹس امیر علی کا یہ فرمانا کہ بعض لوگوں کا یہ خیال . . . کہ مامون نے خود امام رضا کو زہر دے
 کر ہلاک کیا بالکل لغو اور فضول ہے۔ (تاریخ اسلام امیر علی ص ۱۸۶) حد درجہ مہمل لغو، فضول اور
 ناقابل اعتنا ہے۔

میں ان منکرین حقائق سے پوچھتا ہوں کہ اگر مامون نے خود زہر نہیں دیا، تو کیا کسی ایک
 تاریخ میں بھی یہ موجود ہے کہ اُس نے واقعہ قتل کی تحقیقات کرائی؟ ہرگز نہیں۔ نیز یہ کہ اُس نے آپ
 کی وفات کو ۲۴ گھنٹے چھپایا کیوں؟ (مقابل الطالبین ص ۳۷ طبع نجف اشرف)۔
 میں سچ کہتا ہوں کہ فرزند رسول کی جیسی شخصیت کے قتل کی تحقیقات نہ کرانی اور صرف
 رویٹ کر ”مگرچھ“ کے آنسوؤں کی طرح آنسو بہانا ارباب نظر کی نگاہوں میں اُسے الزام
 قتل سے بری نہیں کر سکتا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مامون کو امام رضا کی ولیعهدی اور فضل بن سهل کی وزارت جنگ پر
 تقرری کے بعد سے اس وقت تک سکون نصیب نہیں ہوا، جب تک وہ ان دونوں کو نیست و
 نابود نہیں کر سکا۔ بغدادیوں کی بغاوت روکنے کے لیے چونکہ ان دونوں کو ختم کرنا ضروری تھا۔
 اس لیے اس نے ایک ہی سفر میں دونوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد اہل بغداد کو لکھا کہ اب کیا
 چیز باقی ہے جس کی تم شکایت کر سکتے ہو۔ شبلی لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے قتل ہونے سے اہل
 بغداد کی شکایتوں کا فیصلہ ہو گیا۔ (الممامون ص ۹۲) یعنی ان دونوں کے قتل سے مامون کی غرض
 پوری ہو گئی۔ اہل بغداد کی بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ عباسی قبضے میں آگے اور حکومت از سر نو
 جم گئی۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کی تعداد اولاد

امام علیہ السلام کی تعداد اولاد میں شدید اختلاف ہے۔ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۲

۲۶ میں کئی اقوال نقل کرنے کے بعد بحوالہ قرب الاسناد تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے دو فرزند تھے۔ ایک امام محمد تقی علیہ السلام دوسرے موسیٰ۔ انوار نعمانیہ ص ۱۷ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی۔ انوار الحسینیہ جلد ۳ ص ۵۲ میں ہے کہ آپ کے تین اولاد تھی۔ مگر نسل صرف امام محمد تقی علیہ السلام سے جاری ہوئی۔ صواعق محرقہ ص ۱۲ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ نوار الابصار ص ۱۴۵ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم حسین۔ عائشہ۔ روضۃ الشہداء ص ۲۳۸ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں۔ امام محمد تقی۔ حسن جعفر۔ ابراہیم حسین۔ عقبہ اوازہ بزرگوار شیخ محمد تقی است۔ مگر آپ کی نسل صرف امام محمد تقی سے برہمی ہے۔ یہی کچھ رحمت للعالمین جلد ۲ ص ۱۲۵ میں ہے۔ جنات الخلود ص ۳۲ میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ روضۃ الاحباب جمال الدین میں ہے کہ آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ کشف الغمہ ص ۱۱ میں ہے کہ آپ کے چھ اولاد تھی ۵ لڑکے ایک لڑکی یہی مطالب السؤل میں ہے۔ کنز الانساب ص ۹۶ میں ہے کہ آپ کے آٹھ لڑکے تھے جن کے نام یہ ہیں امام محمد تقی، ہادی، علی تقی، حسین، یعقوب، ابراہیم، فضل، جعفر۔

لیکن امام المحدثین تاج المحققین حضرت علامہ محمد بن محمد نعمان بغدادی المتوفی ۴۱۳ھ ہجری الملقب بشیخ مفید علیہ الرحمۃ۔ کتاب ارشاد ص ۲۴۵-۲۴۶ میں اور تاج المفسرین، امین الدین حضرت ابو علی فضل بن حسن بن فضل طبرسی المشہدی صاحب مجمع البیان المتوفی ۴۴۵ھ قمری کتاب اعلام الوری ص ۱۹۹ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کان للرضا من الولد ابنہما ابو جعفر محمد بن علی الجواد الاعلیٰ۔ حضرت امام محمد تقی کے علاوہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے کوئی اور اولاد نہ تھی یہی کچھ کتاب عمدۃ الطالب ص ۱۸۶ میں ہے۔

علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے متعلق علامہ سید نور اللہ شوشری شہید ثالث۔ کتاب مجالس المؤمنین کے ص ۲۰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہ مجتہد قدسی ضمیر اور متکلم بے نظیر تھے۔ پھر ص ۲۰۶ میں بحوالہ خلاصۃ الاقوال تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ موصوف اوشق اہل زمانہ، واعلم لہدایتہ زمانہ کے سب سے زیادہ ثقہ اور سب سے بڑے عالم تھے۔ آپ کی وفات پر امام زمانہ حضرت صاحب العصر علیہ السلام نے مرثیہ کہہ کر بھیجا تھا اور اس مرثیہ کے چند شعر شیخ علیہ الرحمۃ کی قبر پر کندہ ہیں۔ اسی طرح علامہ طبرسی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا شمار بہت بڑے علمائے میں تھا۔ آپ تفسیر مجمع البیان کے مصنف و مفسر ہیں، اور اس کی جامعیت آپ کی بلندی مقام کی شاہد ہے۔ (مجالس المؤمنین ص ۲۱۲)۔ مجلسی ثانی علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ کان للرضا من الولد ابنہ ابو جعفر محمد الاعلیٰ امام رضا علیہ السلام کے امام محمد تقی علیہ السلام کے علاوہ کوئی فرزند نہ تھا۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۲۳۹)

یہی کچھ علامہ موصوف نے اپنی کتاب منتهی الآمال کی جلد ۲ کے ص ۳۱۲ میں بھی لکھا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ علامہ برائے امام رضا علیہ السلام فرزند سے غیر از امام محمد تقی علیہ السلام ذکر نہ کر وہ اندک بعضے گفتہ اند کہ اولاد کش منحصر با حضرت بودہ " علامہ نے امام رضا کی اولاد کے بارے میں امام محمد تقی کے علاوہ کسی کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ بعض نے تو امام محمد تقی علیہ السلام میں منحصر کر دیا ہے۔ یہی کچھ علامہ محمد بن شہر آشوب نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ آپ کے فرزند صرف امام محمد تقی علیہ السلام ہیں (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۲ ص ۲۰۹ طبع طاقان)۔

خلاصہ یہ کہ فحول علماء و شیعہ جیسے علامہ شیخ مفید علامہ طبرسی علامہ ابن شہر آشوب، علامہ شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے فرزند (زینب) حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے علاوہ کوئی نہ تھا اور جن علماء نے ایک سے زیادہ اولاد تسلیم کی ہے۔ ان میں سے بھی علامہ محمد رضا علامہ واعظ کا شفی نے لکھا ہے کہ ان کی نسل صرف امام محمد تقی سے بڑھی ہے بعض علماء ایک لڑکی کا وجود بھی تسلیم کرتے ہیں جیسے علامہ شیخ صدوق و علامہ مجلسی لڑکی کا نام "فاطمہ" تھا۔ انھوں نے اپنے پدر بزرگوار سے روایت بھی کی ہے، ان کے شوہر کا نام محمد بن جعفر بن قاسم ابن اسحاق بن عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب تھا، وہ والدہ تھیں حسن بن محمد بن جعفر بن قاسم کی، ان کے متعلق نورالابصار شیعہ میں کرامت بھی مذکورہ مرقوم ہے۔ (منتهی الآمال فی تاریخ النبی والاولاد جلد ۲ ص ۳۱۲ طبع طہران ۱۳۶۹ھ) میرے نزدیک اسی کو توجیح ہے۔ واضح ہو کہ تحقیق کا دروازہ بند نہیں ہے۔ اس پر مزید غور کیا جاسکتا ہے۔

قم کی مختصر تاریخ اور جناب فاطمہ "معصومہ" کے مختصر حالات

قم نام ہے ایران کے اس قدیم اور عظیم شہر کا جس کی بنیاد بروایت مجاہد "المادی" دارالتبلیغ الاسلامی قم ایران، ۱۳۱۰ھ میں پڑی تھی جس کا ذکر شاہ نامہ فردوسی میں ہے۔ ایک روایت کی بنا پر ۳۳۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔

قم کی وجہ تسمیہ کے متعلق بہت سے اقوال ہیں (۱) اصل میں اس جگہ کا نام "کومیدان" تھا۔ پھر "کم" اور بعد میں "قم" ہو گیا۔ (۲) اس شہر سے ۲۰ کیلومیٹر پر غری جانب ایک پہاڑ ہے جس کا نام "کم" ہے۔ اسی مناسبت سے یہ نام پڑا جو بعد میں "قم" ہو گیا (۳) اس کی آبادی سے قبل کچھ لوگ اس مقام پر آکر ٹھہرے تھے اور انھوں نے جنگل کو کاٹ کر اور اس کے گڑھوں کو پاٹ کر اپنے خیمے نصب کئے تھے اور مکانات بناتے تھے اور اس جگہ کا نام "کوٹہ" رکھا تھا۔ جس سے "کم" ہو گیا پھر بعد میں "قم" بن گیا، (المادی قم ایرانی

واقعہ ۳۹۲ (۹۹ ص) (۳) جب کشتی نوح چکر لگاتی ہوئی اس سرزمین پہنچی تھی تو ٹھہر گئی تھی لہذا اس کے قیام کی وجہ سے اس جگہ کا نام "قم" قرار پایا (۵) اس علاقہ کے باشندے، قائم آل محمد کے ظہور کرتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ قائم رہیں گے اور ان کی مدد کریں گے۔ اسی لیے ان کا نام "قم" رکھا گیا ہے۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۲۲۶) (۶) یہ مقام بہت سے قریوں میں گھرا ہوا تھا، انھیں قریوں میں سے ایک کا نام "مکندان" تھا۔ اسی کے نام پر اس علاقہ کا نام جو اب "قم" مشہور ہے، مکندان رکھ دیا گیا جو مؤمر ایام اور کثرت استعمال کی وجہ سے "قم" ہو گیا۔ (مجالس المؤمنین شہید ثالث ص ۳۶)۔

قم اور اہل قم کے فضائل تاریخ قم سے مستفاد ہوتا ہے کہ یہ وہ جگہ ہے جس نے "یوسف السمت" سب زمینوں سے پہلے ولایت امیر المؤمنین کو قبول کیا تھا۔ اسی لیے خدا نے جنت کا ایک دروازہ اس کی طرف کھول دیا ہے۔

علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں (۱) کوثر کو تمام شہروں پر فضیلت ہے۔ لیکن قم اور اہل قم کو تمام دنیا پر فضیلت ہے اور اس کے باشندوں کو مشرق و مغرب اور جن و انس پر فضیلت ہے (۲) خدا نے یہاں کے لوگوں کو دین اور ایمان میں ہمیشہ عظیم ترفیق دی ہے (۳) ان البلائ ما مد فوعۃ عن قم و اہلہ "تمام بلائیں قم اور اہل قم سے دور رکھی گئی ہیں۔ یہاں ملائکہ وقع بلائ کے لیے حاضر رہتے ہیں (۴) کسی دشمن نے کبھی قم پر غلبہ حاصل نہیں کیا (۵) قم اللہ کی طرف سے علم و فضل کا مرکز بنایا گیا ہے۔ (۶) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ جب ساری دنیا میں فتنہ پھیل جائے تو قم میں پناہ لینا چاہیے۔ (۷) محضوم فرماتے ہیں کہ اہل قم ہمارے خاص مددگاروں میں سے ہیں (۸) حضرت امیر المؤمنین فرماتے ہیں کہ قم آل محمد کا مرکز سکون اور شیعوں کا لجا و ماویٰ ہے (۹) حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جنت کے آٹھ دروازوں میں سے ایک دروازہ قم میں ہے، قم کے باشندے قابل مبارکباد ہیں (۱۰) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قم ہمارے شیعوں اور دوستوں کا گڑھ ہے (۱۱) قم موضع قدم جبرئیل ہے، یہاں ایک ایسا چشمہ ہے کہ جو اس سے پانی پی لے شفا یاب ہو جائے۔ یہی وہ چشمہ ہے جس سے حضرت عیسیٰ نے اس مٹی کو گوندھا تھا۔ جس سے حکم خدا طائر بنایا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ (۱۲) صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ اہل قم کا حساب و کتاب سب قبر ہی میں ہوگا اور وہیں سے وہ جنت میں چلے جائیں گے ایک روایت میں ہے کہ ان کا حساب و کتاب نہ ہوگا وہ بوہی جنت میں چلے جائیں گے (کنز العمال ص ۶۹) (۱۳) محضوم فرماتے ہیں "لولا القمییون لضاع الدین" اگر اہل قم نہ ہوتے تو دین ضائع ہو جاتا (۱۴) ایک حدیث میں ہے کہ اہل قم بخشے ہوئے ہیں (۱۵) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قم

کی معنی مقدس ہے "واہلہا منا ونحن منہم" اس کے باشندے ہم سے ہیں اور ہم ان سے ہیں، جو دشمنِ قوم کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا واصلِ جہنم ہوگا۔ تم ہمارا اور ہمارے شیعوں کا بٹہ ہے مطہرۃ مقلدین، پاک اور پاکیزہ اور مقدس ہے۔ یہ ہمارے قائم کی مدد کرنے والے ہیں اور ہمارے حق کے پیمانے والے ہیں (۱۶) یہ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے خمس ادا کیا اور سب سے پہلے ہمارے نام پر جائز ادین وقف کیں (۱۶) حضرت صادق آل محمد فرماتے ہیں کہ "سیاتی زمان تکون بلدۃ قسم واهلہا حجتنا علی الخلائق وذلک فی زمان غیبیۃ قائمتنا الی ظہورہ والاذاک لساختا الارض باہلہا الخ عنقریب ایک زمانہ آنے والا ہے رقم اور اس کے باشندے کائنات پر خدا کی حجت ہوں گے اور یہ زمانہ غیبتِ امامِ آخر الزمان میں آئے گا اور ظہور تک تمتد ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوگا تو زمین پانی میں ڈوب جائے گی۔ (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۲۶۶)۔

ذکورہ حدیث میں جس عہد کی طرف اشارہ ہے۔ ہو سکتا ہے

دار التبلیغ الاسلامی قم ایران

اُس سے مراد اسی ادارے کا عہد ہو جس کا امتداد قیامت تک ممکن ہے اور اہلِ قوم کے حجت ہونے سے مراد آیت اللہ العظمیٰ، مرجع التقید سرکار شریعت دار حضرت آقا السید محمد کاظم مجتہد اعظم زعیم حوزہ علمیہ قم و قم دارہ مذکورہ کا وجود فروری ۱۹۰۷ء کو وہی عہد حاضر میں نائبِ امام ہونے کی وجہ سے حجت ہیں۔

حضرت معصومہؑ قسم کے متعلق

حضرت امام جعفر صادقؑ کی پیشین گوئی

وہ جسے کوفہ (بغداد) حرم ہے۔ "وان لساحرًا وھو سیدۃ قسم وستدفن فیہا امرأۃ من اولادی تسمی فاطمتا الخ" اور یہ ہم دیگر اہلیت کی وجہ سے شہرِ قم حرم ہے اور عنقریب اس شہر میں ہماری اولاد سے ایک محترمہ دفن ہوں گی جن کا نام ہوگا۔ "فاطمہ بنت امام موسیٰ کاظم (سفینۃ البحار جلد ۲ ص ۲۶۶)۔

حضرت امام جعفر صادقؑ کی پیشین گوئی کے مطابق بروایت علامہ مجلسی حضرت فاطمہ بنت حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ہمیشہ حضرت امام رضا علیہ السلام اس زمانہ میں یہاں تشریف لائیں جبکہ سترہ ہجری میں مامون رشید نے حضرت امام رضا علیہ السلام کو جبراً مرو، بلایا تھا، علامہ شیخ عباس قمی لکھتے ہیں کہ جب مامون رشید نے امام رضا علیہ السلام کو مجبوراً کراہ ولی عہد بنانے کے لیے دار الخلافہ مرو میں بلایا تھا تو اس کے ایک سال بعد حضرت فاطمہ بھائی کی محبت سے



ابو جعفر

حجت

امام محمد تقی

علیہ السلام

دسے جواب تقی نے وہ بر سر دہار
 کہ وہ نگ تھے عمارِ فضل کی بعیرت سے
 دکھائے علم کے جوہر وہ ابنِ انتم کو
 کہ واقعیت بھی واقف ہوئے امامت سے
 دسابر تعاریبی رکاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۱۱

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام

ترک دنیا میں نہیں، مشق ریاضت میں نہیں
کثرت علم میں توفیق بصیرت میں نہیں
دل کی ایک کیفیت خاص ہے تقویٰ بانو
طرز پوشش میں نہیں شکل و شبابت میں نہیں

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں جانشین
ہمارے نویں امام اور سلسلہ عصمت کی نگارہوں کر ہی تھے۔ آپ کے والد ماجد ولی عہد سلطنت عباسیہ
غریب الغریب شہید جفا حضرت امام رضا علیہ السلام تھے اور آپ کی والدہ ماجدہ جناب خیزران عرف
سکینہ تھیں۔ علماء کا بیان ہے کہ آپ ام المؤمنین جناب ماریہ قبطیہ یعنی والدہ جناب ابراہیم بن رسول
کریم کی نسل سے تھیں۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۴ و روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۶)۔

امام محمد تقی علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح، امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل
کائنات تھے، آپ جملہ صفات حسنہ میں یکجا روزگار اور ممتاز تھے۔ علامہ ابن طلحہ شافعی لکھتے
ہیں۔ "و ان کان صغیر السن فهو کبیر القدر، رفیع الذکر" امام علیہ السلام اگرچہ تمام
معصومین میں سب سے کم سن اور چھوٹے تھے۔ لیکن آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباؤ اجداد
کی طرح نہایت ہی عظیم تھی، اور آپ کا بلند تذکرہ برسرِ ترک زبان تھا (مطالب السؤل ص ۱۹۵)۔
علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ "مقام ولے بسیار بلند است" آپ کی منزلت اور آپ کی ہستی
نہایت ہی بلند تھی۔ (روضۃ الشہدار ص ۲۳۸) علامہ خاوند شاہ لکھتے ہیں۔ "در کمال فضل و علم ادب
و حکمت امام جو او مرتبہ بودہ کہ هیچ کس را از اعظم سادات آن مرتبہ نہ بودہ" علم و فضل، ادب
و حکمت میں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو بھی نصیب نہ تھا۔ (روضۃ الصفا
جلد ۲ ص ۱۶) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کمسنی کے باوجود فضائل ت بھر پور تھے
"و مناقبہ کثیرہ" اور آپ کے مناقب و مناقب بے شمار ہیں۔ (نور الابصار ص ۱۴۵) علامہ طبرسی لکھتے
ہیں۔ "کان قد بلغ فی کمال الحقل والفضل والعلم والحکم والاداب در فترۃ مازلتہ لہ ایام"

فیہا احد من ذوی السن من السادات وغیرہم۔ آپ کمال عقل، اور فضل اور علم و حکم اور کواہ
 و بلندی منزلت میں ان مدارج پر فائز تھے جن پر آپ کے سن اور عمر کے سادات اور غیر سادات میں
 سے کوئی بھی فائز نہ تھا (اعلام الوری ص ۲۰۲) علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ آپ کی بلندی منزلت کا
 ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ مشائخ اہل زمان با او مساوی در فضل نہ بودند کہ اس عہد میں
 دنیا کے بڑے بڑے لوگ فضائل و کمالات میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ (ارشاد ص ۲۷۲)۔

امام علیہ السلام کی ولادت باسعادت

علامہ کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بتاریخ ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ
 مطابق ۱۲ شعبہ یوم جمعہ بمقام مدینہ منورہ منولہ ہوئے تھے۔ (روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۶ و شواہد الثبوت
 ص ۲۰۳ و انوار نغایہ ص ۱۲۷) علامہ یگانہ جناب شیخ مفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ چونکہ حضرت امام علی رضا
 علیہ السلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی۔ اس لیے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے
 تھے کہ شیعوں کے امام منقطع النسل ہیں۔ یہ سن کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ
 اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے۔ اس نے مجھے صاحب اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے
 یہاں مسد امامت کا وارث پیدا ہوگا چنانچہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی (ارشاد ص ۱۷۷)
 علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے یہاں جو پتھر عنقریب
 پیدا ہوگا۔ وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا۔ (اعلام الوری ص ۲) واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے
 کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن جناب حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بلا کر
 کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو، کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا
 فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی جب رات آئی تو ہمسایہ کی اور چند عورتیں
 بھی بلانی گئیں، نصف شب سے زیادہ گزرنے پر یکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ حال
 دیکھ کر میں خیزران کو بچہ میں لے گئی، اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں امام محمد تقی
 علیہ السلام پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ محتون اور نات بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے
 انھیں نملانے کے لیے طشت میں بٹھایا، اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس حجرہ
 میں روشنی بدستور رہی۔ اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے پتھر کو نملادیا۔ تھوڑی دیر
 میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ
 صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں پر پوسہ دے
 کر پھر مجھے واپس کر دیا۔ دو دن تک امام محمد تقی علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں۔ تیسرے دن جب

آسمان کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی۔ پھر دامنے بائیں دیکھ کر کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند محبتِ خدا اور وصی رسولِ ہدیٰ ہے، اس سے جو عجائبات ظور پذیر ہوں، اُن میں تعجب کیا؟ محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح نہرِ امامت تھی جس طرح دیگر ائمہ علیہم السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان نہریں ہوا کرتی تھیں۔ (مناقب)۔

نام، کنیت اور القاب آپ کا اسم گرامی، لوح محفوظ کے مطابق اُن کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام نے ”محمد“ رکھا۔ آپ کی کنیت ”ابو جعفر“ اور آپ کے القاب جواد، قانع، مُرضی تھے اور مشہور ترین لقب تقی تھا۔ (روضۃ الصفحہ جلد ۳ ص ۱۱، شواہد النبوت ص ۲۰۲، اعلام الوری ص ۱۹۹)۔

بادشاہان وقت حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ولادت ۱۹۵ھ میں ہوئی۔ اس وقت بادشاہ وقت، امین ابن ہارون رشید عباسی تھا، (وفیات الاعیان) ۱۹۵ھ میں مامون رشید بادشاہ وقت ہوا۔ (تاریخ خمیس والوفاء)۔ ۲۱۸ھ ہجری میں معتصم عباسی خلیفہ وقت قرار پایا۔ (الوفاء) اسی معتصم نے ۲۲۰ھ میں آپ کو زہر سے شہید کرا دیا۔ (وسیلۃ النجات)۔

امام محمد تقی کی نشوونما اور تربیت یہ ایک حسرتناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی ہی کے زمانہ میں مصائب اور

پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جانا پڑا۔ انھیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت اور شفقت و تربیت کے سایہ میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا، جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام اُس وقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا۔ امام محمد تقی علیہ السلام سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا علیہ السلام کی وفات ہو گئی۔ دُنیا سمجھتی ہوگی کہ امام محمد تقی کے لیے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اس لیے اب امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلقِ خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ و حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور اُن سب کو نال ہو جاتے دیکھا۔ اُن کی حیرت اُس وقت تک دُور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک

مخصوص خداوندی مدرسہ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معتمد نہ مل سکتا ہو، اور نہ کبھی عمل ہو سکتا ہے۔ (سوانح امام محمد تقی ص ۱) مقصد یہ ہے کہ امام کو علم لدنی ہوتا ہے یہ انبیاء کی طرح پڑھے لکھے اور تمام صلاحیتوں سے بھرپور پیدا ہوتے ہیں۔ انھوں نے سرور کائنات کی طرح کبھی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ نہیں کیا اور نہ کر سکتے تھے، یہ اس کے بھی محتاج نہیں ہوتے تھے کہ آباؤ و اجداد انھیں تعلیم دیں، یہ اور بات ہے کہ از دیاد علم و شرف کے لیے ایسا کر دیا جائے، یا علوم مخصوصہ کی تعلیم دے دی جائے۔

یوں تو عمومی طور پر کسی کے باپ کے
 مرنے سے سایہ عاطفت سے

والد ماجد کے سایہ عاطفت سے محرومی

محرومی ہوا کرتی ہے۔ لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنے والد ماجد کے سایہ عاطفت سے ان کی زندگی ہی میں محروم ہو گئے تھے، ابھی آپ کی عمر ۱۰ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ آپ اپنے پدر بزرگوار کی شفقت و عطوفت سے محروم کر دیئے گئے اور مامون رشید عباسی نے آپ کے والد ماجد حضرت امام رضا علیہ السلام کو اپنی سیاسی غرض کے ماتحت مدینہ سے خراسان طلب کر لیا۔ اور ساتھ ہی یہ شوق بھی لگا دی کہ آپ کے بال بچے مدینہ ہی میں رہیں گے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ سب کو عینتہ کے لیے خیر باد کہہ کر خراسان تشریف لے گئے اور وہیں عالم غربت میں سب سے جدا مامون رشید کے ہاتھوں ہی شہید ہو کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔

آپ کے مدینہ سے تشریف لے جانے کا اثر خاندان پر یہ پڑا کہ سب کے دل کا سکون جاتا رہا اور سب کے سب اپنے کو زندہ درگور سمجھتے رہے۔ بالآخر وہ نوبت پہنچی، کہ آپ کی ہمیشہ و جناب فاطمہ جو بعد میں "محصومہ قم" کے نام سے طقب ہوئیں۔ انتہائی بے چینی کی حالت میں گھر سے نکل کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئیں، ان کے دل میں جذبات یہ تھے کہ کسی طرح اپنے بھائی علی رضا علیہ السلام سے ملیں، لیکن ایک روایت کی بنا پر آپ مدینہ سے روانہ ہو کر جب مقام ساوہ میں پہنچیں تو علیل ہو گئیں، آپ نے پوچھا کہ یہاں سے قم کتنی دور ہے؟ لوگوں نے کہا کہ یہاں سے قم کی مسافت دس فرسخ ہے، آپ نے خواہش کی کہ کسی صورت سے وہاں پہنچا دی جائیں۔ چنانچہ آپ آل سعد کے رئیس موسیٰ بن تھورج کی کوششوں سے وہاں پہنچیں اور اسی کے مکان میں ۷ ایوم بیمار رہ کر اپنے بھائی کو روتی پیتھتی دنیا سے رخصت ہو گئیں اور مقام "بابلان" قم میں دفن ہوئیں۔ یہ واقعہ ۱۱۷ھ کا ہے۔ (انوار الحسینیہ جلد ۴ ص ۵) اور ایک روایت کی بنا پر آپ اس وقت خراسان پہنچیں۔ جب بھائی شہید ہو چکا تھا۔ اور لوگ دفن کے لیے کالے کالے علموں کے سایہ میں لیے جا رہے تھے۔ پھر آپ قم آ کر وفات پا گئیں۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے لیے حضرت امام رضا علیہ السلام کی جدائی ہی یکم تھی کہ اُس پر مسترد اپنی چھوٹی بچی کے سایہ سے بھی محروم ہو گئے۔ ہمارے امام کے لیے مکہ میں یہ دونوں حد سے انتہائی تکلیف دہ اور رنج رساں تھے۔ لیکن مشیت ایزدی میں چارہ نہیں، آخر آپ کو تمام مراحل کا مقابلہ کرنا پڑا اور آپ صبر و ضبط کے ساتھ ہر مصیبت کو چھینتے رہے۔

ماموں رشید عباسی اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا پہلا سفر عراق

عباسی خلیفہ مامون رشید حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے فراغت کے بعد یا اس لیے کہ اُس پر امام رضا کے قتل کا الزام ثابت نہ ہو سکے یا اس لیے کہ وہ امام رضا کی ولی عہدی کے موقع پر اپنی لڑکی ام حبیب کی شادی کا اعلان بھی کر چکا تھا کہ ولی عہد کے فرزند امام محمد تقی کے ساتھ کرے گا۔ اُسے نباہنے کے لیے یا اس لیے کہ ابھی اُس کی سیاسی ضرورت اُسے امام محمد تقی کی طرف توجہ کی دعوت دے رہی تھی، بہر حال جو بات بھی ہو، اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد بلا لیا جائے۔ جو امام رضا کی شہادت کے بعد پایہ تخت بنایا جا چکا تھا۔ چنانچہ اُس نے دعوت نامہ ارسال کیا اور انھیں اسی طرح مجبور کر کے بلایا جس طرح امام رضا علیہ السلام کو بلوایا تھا۔ ”حکیم حاکم مرگہ مناجات“ بالآخر امام محمد تقی علیہ السلام کو بغداد آنا پڑا۔

امام محمد تقی علیہ السلام جن کی عمر اس وقت تقریباً ۹ سال کی تھی، ایک دن بغداد کے کسی گزرگاہ میں کھڑے ہوئے تھے اور چند لڑکے وہاں

بازار اور مچھلی کا واقعہ

کھیل رہے تھے کہ ناگہاں خلیفہ مامون کی سواری دکھائی دی، سب لڑکے ڈوکر بھاگ گئے۔ مگر حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اپنی جگہ پر کھڑے رہے۔ جب مامون کی سواری وہاں پہنچی تو اس نے حضرت امام محمد تقی سے مخاطب ہو کر کہا کہ صاحبزادے جب سب لڑکے بھاگ گئے تو تم کیوں نہیں بھاگے انھوں نے بے ساختہ بلا تامل جواب دیا کہ میرے کھڑے رہنے سے راستہ تنگ نہ تھا، جو بہت جاننے سے وسیع ہو جاتا اور میں نے کوئی جرم نہیں کیا کہ ڈرتا نیز میرا حسن ظن ہے کہ تم بے گناہ کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مامون کو حضرت امام محمد تقی کا انداز بیان بہت پسند آیا۔ اس کے بعد مامون وہاں سے آگے بڑھا، اُس کے ساتھ شکاری باز بھی تھے۔ جب آبادی سے باہر نکل گیا تو اُس نے ایک باز کو ایک چکور پر چھوڑا۔ باز نظروں سے اوجھل ہو گیا اور جب واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چھوٹی سی تازہ مچھلی تھی جس کو دیکھ کر مامون بہت متعجب ہوا۔ تھوڑی دیر میں جب وہ اسی طرف لوٹا تو اُس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو دوسرے لڑکوں کے ساتھ وہیں دیکھا جہاں وہ پہلے تھے۔ لڑکے مامون کی سواری دیکھ کر پھر بھاگے۔ لیکن حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بدستور سابق وہیں

کھڑے رہے جب مامون ان کے قریب آیا، تو مٹھی بند کر کے کہنے لگا کہ صاحبزادے بتاؤ، میرے ہاتھ میں کیا ہے۔ انھوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے قدرت میں چھوٹی مچھلیاں پیدا کی ہیں اور سلاطین اپنے باز سے ان مچھلیوں کا شکار کر کے اہلبیت رسالت کے علم کا امتحان لیتے ہیں۔ یہ سن کر مامون بولا: بے شک تم علی بن موسیٰ رضا کے فرزند ہو، پھر ان کو اپنے ساتھ لیتا گیا (صواعق محرقہ ص ۱۲۳، مطالب السؤل ص ۲۹، شواہد النبوت ص ۲۴، نور الابصار ص ۱۲۵، ارجح المطالب ص ۲۵۹) یہ واقعہ ہماری بھی بعض کتابوں میں ہے، اس واقعہ کے سلسلے میں نے جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے ان میں "ان اللہ خلق فی بحر قدسہ سمکاً مغسراً" مندرج ہے البتہ بعض کتب میں "بین السماء والہوا" لکھا ہے، اول الذکر کے متعلق تو تاویل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ سر دریا خدا ہی کی قدرت سے جاری ہے اور مذکورہ واقعہ میں امکان قوی ہے کہ باز اسی زمین پر جو دریا ہیں انھیں کے کسی ایک سے شکار کر کے لایا ہوگا۔ البتہ آخر الذکر کے متعلق کہا جاسکتا ہے (۱) جہاں تک مجھے علم ہے ہر گہرے سے گہرے دریا کی انتہا کسی سطح ارضی پر ہے (۲) بقول علامہ مجلسی بعض دریا ایسے ہیں جن سے ابرچھوٹی مچھلیوں کو اڑا کر اوپر لے جاتے ہیں (۳) ۱۹۳۲ء کے اخبار میں یہ شائع ہو چکا ہے کہ امریکہ کی تھریپانامہ میں جو سڈو بول بندرگاہ کے قریب ہے مچھلیوں کی بارش ہوتی ہے (۴) آسمان اور ہوا کے درمیان بحر متلاطم سے مروضہ کی وہ کیفیات ہوں جو دریا کی طرح پیدا ہوتے ہیں (۵) کہا جاتا ہے کہ علم حیوان میں یہ ثابت ہے کہ مچھلی دریا سے ایک سو پچاس گز تک بعض حالات میں بلند ہو جاتی ہے۔ بہر حال انھیں گہرائیوں کی روشنی میں فرزند رسول نے مامون سے فرمایا کہ بادشاہ بحر قدرت خداوندی سے شکار کر کے لایا ہے اور آل محمد کا امتحان لیتا ہے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے علماء اسلام کا مناظرہ

اور

عباسی حاسدوں کی شکستِ فاش

علماء اسلام کا بیان ہے کہ بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضا کو ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابلِ برداشت تھا۔ امام رضا کی وفات سے ایک حد تک انھیں اطمینان حاصل ہوا تھا، اور انھوں نے مامون سے اپنے حسبِ دلخواہ اس کے بھائی موئمن کی ولی عہدی کا اعلان بھی کرا دیا۔ جو بعد میں معتمد باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضا کی ولی عہدی کے زمانہ

میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس ترک ہو کر جو سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا۔ اُسے مسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی تاکہ نبی عباس کے روایات قدیمہ محفوظ رہیں یہ سب باتیں عباسیوں کو یقین دلانے ہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں، مگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقی کو اپنا داماد بنائے۔ اُن لوگوں کے لیے پھر تشویش کا باعث بنا اور اس حد تک بنا کہ وہ اپنے ولی رحمانی کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آکر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انھوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضا کے ساتھ جو آپ نے طریقہ اختیار کیا، وہی ہم کو ناپسند تھا۔ مگر خیر وہ کم از کم اپنے اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جاسکتے تھے، مگر یہ اُن کے بیٹے "محمد" تو ابھی بالکل کمسن ہیں۔ ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اس کی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کے لیے زیبا نہیں ہے پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضا کے ساتھ کیا گیا تھا، اُس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جو اب ام الفضل کا نکاح محمد بن علی کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے تمام تقریروں کا یہ جواب دیا۔ کہ "محمد" کمسن ضرور ہیں، مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے، کہ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالم اسلام کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو، وہ علم میں اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتے، اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو۔ پھر تمہیں بھی میرے فیصلہ سے متفق ہونا پڑے گا۔

یہ صرف مصفاۃ جواب ہی نہیں، بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً اُن لوگوں کو مناظرہ کی دعوت منظور کرنا پڑی۔ حالانکہ خود مامون تمام سلاطین ہی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لیے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں "کان یعد من کبار الفقہاء" یعنی اس کا شمار بڑے بڑے فقیہوں میں ہے۔ اس لیے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا، مگر اُن لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم نجیب بن اکثم کو امام محمد تقی علیہ السلام سے بحث کے لئے منتخب کیا۔ مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرہ کے لیے منعقد کیا اور عام اعلان کر دیا۔ ہر شخص اس عجیب اور نظائر غیر متوازن مقابلہ کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا، جس میں ایک طرف ایک نو برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور سرور آفاق قاضی القضاة۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلافت کا ہجوم ہو گیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسہ میں نو سو گریبان فقط علماء و فضلاء کے لیے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں۔ اس لیے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے زریں دور کا تھا اور بغداد اور دارالسلطنت تھا انہوں

تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھینچ کر جمع ہو گئے تھے، اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مقابلہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقیؑ کے لیے اپنے پہلو میں مسند چھوڑی تھی اور حضرت کے سامنے بیچھی بن اکثم کے لیے بیٹھنے کی جگہ تھی، ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشمہ و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس غاموٹی کو بیچھی کے اس سوال نے اٹھو دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا۔ حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو جعفر سے کوئی مسئلہ دریافت کروں؟ مامون نے کہا تم کو خود ان ہی سے اجازت طلب کرنا چاہیے۔ یہ سن کر بیچھی امام علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور کہا، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں۔

حضرت نے فرمایا۔ اتنے بیچھی تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔ بیچھی نے کہا۔ یہ فرمائیے کہ حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیچھی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا۔ وہ اپنے غرور علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کس صاحبزادے تو ہیں ہی روز بروز کے روز سے، نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں، مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالت احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے؟

امام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی ایک ایک تحلیل فرمائی، جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیکھتے ہوئے آپ کے علم کی گہرائیوں کا بھی اور تمام اہل محفل کو اندازہ ہو گیا۔ بیچھی خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع کو بھی اس کا شیک ہونا محسوس ہونے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا: ایسی بیچھی! تمہارا سوال بالکل مبہم اور محفل ہے۔ سوال کے ذیل میں یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکارِ حل میں تھا یا حرم میں، شکار کرنے والا مسئلہ سے واقف تھا یا ناواقف۔ اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا، یا دھوکے سے قتل ہو گیا۔ وہ شخص آزاد تھا یا غلام کس نے گھایا یا بالغ پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا۔ یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پر نذک کا تھا یا کوئی اور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ اپنے فعل پر اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پورے روز پر اس نے یہ شکار کیا یا دن دھاڑے اور علانیہ۔ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلہ کا کوئی معین حکم نہیں بتایا جاسکتا۔

بیچھی کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا، بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی، وہ ان کثیر التعداد شفقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ ان کا مقابلہ میرے لیے آسان نہیں ہے اس کے چہرے پر ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا۔ اب

اُس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔

مامون نے اُس کی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اُس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرت سے عرض کیا کہ پھر آپ ان تمام شقوں کے احکام بیان فرمادیجئے تاکہ ہم سب کو استفادہ کا موقع مل سکے۔ امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے مجداً گانہ جو احکام تھے بیان فرمادیئے آپ نے فرمایا کہ اگر احرام باندھنے کے بعد "حل" میں شکار کرے اور وہ شکار پزندہ ہو اور بڑا بھی ہو تو اُس کا کفارہ ایک بکری ہے اور اگر ایسا شکار حرم میں کیا ہے تو دو بکریاں ہیں۔ اور اگر کسی چھوٹے پزندہ کو حل میں شکار کیا تو دُنبے کا ایک بچہ جو اپنی ماں کا دو دھچھوڑ چکا ہو، کفارہ دے گا۔ اور اگر حرم میں شکار کیا ہو تو اُس پزندہ کی قیمت اور ایک دُنبہ کفارہ دے گا، اور اگر وہ شکار چوپایہ ہو تو اس کی کئی قسمیں ہیں، اگر وہ وحشی گرجا ہے تو ایک گائے اور اگر شتر مرغ ہے تو ایک اونٹ، اور اگر ہرن ہے تو ایک بکری کفارہ دے گا۔ یہ کفارہ تو جب ہے کہ حل میں شکار کیا ہو۔ لیکن اگر حرم میں کئے ہوں تو یہی کفارہ دُگنے دینے ہوں گے اور اُن جانوروں کو خضیں کفارے میں دے گا۔ اگر احرام عمرہ کا تھا، تو فاذ کعبہ تک پہنچائے گا اور مکہ میں قربانی کرے گا۔ اور اگر احرام حج کا تھا تو منیٰ میں قربانی کرے گا اور ان کفاروں میں عالم و جاہل دونوں برابر ہیں اور ارادے سے شکار کرنے میں کفارہ دینے کے علاوہ گناہگار بھی ہوگا، ہاں بھولے سے شکار کرنے میں گناہ نہیں ہے اور آزاد اپنا کفارہ خود دے گا۔ اور غلام کا کفارہ اُس کا مالک دے گا اور چھوٹے بچے پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور بالغ پر کفارہ دینا واجب ہے اور جو شخص اپنے اس فعل پر نادم ہو آخرت کے عذاب سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر اس فعل پر اصرار کرے گا تو آخرت میں بھی اُس پر عذاب ہوگا؟

یہ تفصیلات سن کر یحییٰ ہکا بکا رہ گیا اور سارے مجمع سے احسنت احسنت کی آواز بلند ہونے لگی۔ مامون کو بھی کہ تھی کہ وہ یحییٰ کی رشوائی کو انتہائی درجہ تک پہنچا دے۔ اُس نے امام سے عرض کی کہ اگر مناسب معلوم ہو، تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں۔ حضرت نے اخلاقاً یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں، یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکہ میں مبتلا نہ تھا، اُس نے کہا کہ "حضور دریافت فرمائیں، اگر مجھے معلوم ہوگا، تو عرض کروں گا ورنہ خود ہی حضور سے معلوم کر لوں گا حضرت نے سوال کیا!

"اُس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس نے صبح کو ایک عورت کی طرف نظر کیا تو وہ اُس پر حرام تھی دن چڑھے حلال ہوگئی، پھر ظہر کے وقت حرام ہوگئی، عصر کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ غروب آفتاب پر پھر حرام ہوگئی۔ عشاء کے وقت پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو حرام ہوگئی، صبح کے وقت

پھر حلال ہوگئی، بتاؤ ایک ہی دن میں اتنی دفعہ وہ عورت اس شخص پر کس طرح حرام و حلال ہوتی رہی
امام علیہ السلام کی زبان مجہز بیان سے اس سوال کو سن کر قاضی القضاۃ یحییٰ بن یحییٰ انکشم
بہہوت ہو گئے اور کوئی جواب نہ دے سکے، بالآخر انتہائی عاجزی کے ساتھ کہا کہ فرزند رسول
آپ ہی اس کی وضاحت فرمادیں اور مسئلہ کو حل کریں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا! صنو وہ عورت کسی کی لونڈی تھی، اس کی طرف صبح کے وقت
ایک اجنبی شخص نے نظر کی، تو وہ اس کے لیے حرام تھی۔ دن چڑھے اس نے وہ لونڈی خرید لی
حلال ہوگئی۔ ظہر کے وقت اس کو آزاد کر دیا۔ وہ حرام ہوگئی۔ عصر کے وقت اس نے نکاح کر لیا پھر
حلال ہوگئی۔ مغرب کے وقت اس سے نکاح کیا تو پھر حرام ہوگئی۔ عشا کے وقت نکاح کا اقرار دیا
دیا تو پھر حلال ہوگئی۔ آدھی رات کو اس شخص نے اس عورت کو طلاق رجعی دی، جس سے پھر
حرام ہوگئی۔ اور صبح کے وقت اس طلاق سے رجوع کر لیا حلال ہوگئی۔

مسئلہ کا حل سن کر صرف یحییٰ ہی نہیں بلکہ سارا مجمع حیران رہ گیا اور سب میں مسترت کی لہر دوڑ
گئی۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا رہنے کی خوشی تھی، اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ مجھو
میں نہ کتنا تھا کہ یہ وہ گھرانہ ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا نامک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں
کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

مجمع میں جو شش و غروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بے شک جو آپ کی رائے ہے
وہ بالکل ٹھیک ہے اور یقیناً ابو جعفر محمد بن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲۷
روایح المصطفیٰ ص ۱۹۱، نور الابصار ص ۱۴۲ شرح ارشاد ص ۲۶۹-۲۷۸، تاریخ آئمہ ص ۴۸۵،

سوانح محمد تقی ص ۷)۔

امام محمد تقیؑ کے ساتھ شہزادی ام الفضل کا عقد اور خطبہ نکاح

اس عظیم الشان مناظرہ میں حضرت امام
محمد تقی علیہ السلام کی شاندار کامیابی نے
مامون کو آب کا اور گرویدہ بنا دیا، اور

اس کی منزل اعتراف میں انتہائی بلندی پیدا ہوگئی، اس کے ہر قسم کے حشمتوں میں یقین کی روح
دور گئی۔ علماء لکھتے ہیں کہ "مامون نے اس کے بعد فوراً ہی اپنے ولی مراد کو عملی جامہ پہنانے کا تہیہ
کر لیا اور فوراً بھی تاخیر مناسب نہ سمجھتے ہوئے اسی جلسہ میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ اپنی
بیٹی ام الفضل کا عقد کر دیا۔ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے خطبہ اور نکاح پڑھا اور یہ تقریب
پوری کامیابی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی، مامون نے خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا، لاکھوں
روپے خیر و خیرات میں تقسیم کئے گئے اور تمام رعایا کو انعامات و عطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

(سفر نامہ حج و زیارات ص ۲۲۲ طبع پشاور ۱۹۶۲ء)۔

علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح پڑھا وہ یہ تھا: "الحمد لله اقرار بعبادته وآلا اله الا الله اخلاصا للوحدانية الخ" اور جو مقرر کیا وہ ہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا۔ (ارشاد مفید ص ۴۷، نور الابصار ص ۱۲۶)۔ معلوم ہونا چاہیے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ وہی ہے جو اس وقت بھی نکاح کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ میری نظر میں اس خطبہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خطبہ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ شبلنجی کا بیان ہے کہ ہر قسم کی خوشبو کی باس میں عقد نکاح ہوا، اور حاضرین کی جلوے سے تواضع کی گئی (نور الابصار ص ۱۲۶، عوالم محرقہ ص ۱۲۳ شواہد الثبوت ص ۲۰۳، روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۷، ارشاد ص ۴۷، کشف الغم ص ۱۱۶) علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد شبِ عروسی کی صبح کو جہاں اور لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں مبارک باد ادا کرنے کے لیے آئے۔ ایک شخص محمد بن علی ہاشمی بھی پہنچے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے دفعۃً سخت پیاس محسوس ہوئی، میں ابھی پاس اوب سے پانی مانگنے نہ پایا تھا کہ آپ نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم پیاس سے بوجھیں پانی منگوائے دینا ہٹوں چنانچہ آپ نے حکم دیا اور آپ خنک آگیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ پیش ہوا۔ میں حضرت کے اس علمِ ضمائر سے بے حد متاثر ہوا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ امامیہ آپ کے جملہ علوم میں ماہر ہونے کا جو عقیدہ رکھتے ہیں بالکل درست ہے۔ (ارشاد ص ۲۸)

ام الفضل کی رخصتی، امام محمد تقیؑ کی مدینہ کو واپسی

اولد

حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو، لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی نخت جگر ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حوالہ نکاح میں دے دیا۔ تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے، مامون نے دورانِ قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی "الی ان توجه بزوجهتم ام الفضل الی المدینۃ المشرفۃ" یہاں تک آپ اپنی زوجہ ام الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے۔ (نور الابصار ص ۱۲۶) مامون نے بہت ہی انتظام و اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

(سفرنامہ حج و زیارات ۲۳۲ طبع پشاور ۱۹۶۲ء)۔

علامہ شیخ مفید اور علامہ شبلی نجفی لکھتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح پڑھا وہ یہ تھا۔ الحمد للہ اقرار ابنعتہ وآلہ اللہ الا اللہ اخلاصاً لوحدا نیتم الخ اور جو مقرر کیا وہ ہر فاطمی مبلغ پانچ سو درہم تھا۔ (ارشاد مفید ص ۴۶، نور الابصار ص ۱۲۶)۔ معلوم ہونا چاہیے کہ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو خطبہ نکاح اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا وہ وہی ہے جو اس وقت بھی نکاح کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ میری نظر میں اس خطبہ کے ہوتے ہوئے دوسرے خطبہ کا پڑھنا مناسب نہیں ہے۔ علامہ شبلی نجفی کا بیان ہے کہ ہر قسم کی خوشبو کی باس میں عقد نکاح ہوا، اور حاضرین کی جلوے سے نواضع کی گئی (نور الابصار ص ۱۲۶، صواعق محرقہ ص ۱۲۳ شواہد الثبوت ص ۲۰۳، روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۱۷، ارشاد ص ۴۶، کشف الغمہ ص ۱۱۶) علامہ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ شادی کے بعد شبِ عروسی کی صبح کو جہاں اور لوگ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت میں مبارک باد ادا کرنے کے لیے آئے۔ ایک شخص محمد بن علی ہاشمی بھی پہنچے۔ اُن کا بیان ہے کہ مجھے دفعۃً سخت پیاس محسوس ہوئی، میں ابھی پاس ادب سے پانی مانگنے نہ پایا تھا کہ آپ نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ تم پیاس سے بھریں تمہیں پانی منگوائے دینا ہوں چنانچہ آپ نے حکم دیا اور آبِ خنک آگیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر ایسا ہی واقعہ درپیش ہوا۔ میں حضرت کے اس علمِ ضمائر سے بے حد متاثر ہوا، اور مجھے یقین ہو گیا کہ امامیہ آپ کے جملہ علوم میں ماہر ہونے کا جو عقیدہ رکھتے ہیں بالکل درست ہے۔ (ارشاد ص ۴۸)

ام الفضل کی رخصتی، امام محمد تقیؑ کی مدینہ کو واپسی

اولاً

حضرت کے اخلاق و اوصاف عادات و خصائل

اس شادی کا پس منظر جو بھی ہو، لیکن مامون نے نہایت اچھوتے انداز سے اپنی نکت جگہ ام الفضل کو حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے حوالہ نکاح میں دے دیا۔ تقریباً ایک سال تک امام علیہ السلام بغداد میں مقیم رہے، مامون نے دورانِ قیام بغداد میں آپ کی عزت و توقیر میں کوئی کمی نہیں کی۔ "الی ان توجه بزوجه ام الفضل الی المدینۃ المشرفۃ"۔ یہاں تک آپ اپنی زوجہ ام الفضل سمیت مدینہ مشرفہ تشریف لے آئے۔ (نور الابصار ص ۱۲۶) مامون نے بہت ہی انتظام و اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرت کے ساتھ رخصت کر دیا۔

علامہ شیخ مفید، علامہ طبرسی، علامہ شبلی، علامہ جامی علیہم الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنی اہلیہ کو لے ہوئے مدینہ تشریف لے جا رہے تھے، آپ کے ہمراہ بہت سے حضرات بھی تھے۔ چلتے چلتے شام کے وقت آپ وارد کوفہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے جناب مسیب کے مکان پر قیام فرمایا اور نماز مغرب پڑھنے کے لیے وہاں کی ایک نہایت ہی قدیم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ نے وضو کے لیے پانی طلب فرمایا، پانی آنے پر آپ ایک ایسے درخت کے تلے میں وضو کرنے لگے جو بالکل خشک تھا اور مدتوں سے سرسبزی اور شادابی سے محروم تھا۔ امام علیہ السلام نے اُس جگہ وضو کیا، پھر آپ نماز مغرب پڑھ کر وہاں سے واپس تشریف لائے اور اپنے پردگراں کے مطابق وہاں سے روانہ ہو گئے۔

امام علیہ السلام تو تشریف لے گئے لیکن ایک عظیم نشانی چھوڑ گئے اور وہ یہ تھی کہ جس نہایت درخت کے تلے میں آپ نے وضو فرمایا تھا وہ سرسبز و شاداب ہو گیا، اور رات ہی بھر میں وہ تیار پھولوں سے لدا گیا۔ لوگوں نے اُسے دیکھ کر بے انتہا تعجب کیا (ارشاد ص ۲۶۹ اعلام الوری ص ۲۵ نور الابصار ص ۱۴، شواہد النبوت ص ۱۵) کوفہ سے روانہ ہو کر طے مراحل و قطع منازل کرتے ہوئے آپ مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں پہنچ کر آپ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں منہمک و مشغول ہو گئے۔ پسند و نصح، تبلیغ و ہدایت کے علاوہ آپ نے اخلاق کا عملی درس دینا شروع کر دیا۔ خاندانی طرہ امتیاز کے بموجب ہر ایک سے جھک کر ملنا۔ ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا۔ مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا۔ غریبوں کی پوشیدہ طور پر پھر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک۔ سے اچھا سلوک کرتے رہنا۔ ہمتوں کی خاطر داری میں انہماک اور علمی و مذہبی پیاسوں کے لیے فیض کے چشموں کو جاری رکھنا، آپ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ اہل دنیا جو آپ کی بلند فیض کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے۔ انھیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کس نے سچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا۔ یقیناً اس کے چال ڈھال، طور طریقے کو بدل دے گا اور اُس کی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی۔ حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مومن کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آل رسول کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا، جتنا اُن کی عنات سے تھا۔ وہ ہمیشہ اس کے در پیچے رہتے تھے کہ بلندی اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابل میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے، یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کے لیے گھبراہٹیں اُٹھانے لگیں کرتے تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے بیعت طلب کرنا، اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضا کو ولی عہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ تھا۔ نقطہ ظاہری

شکل و صورت میں ایک کا انداز معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے رُوپ میں تھا۔ مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی، جس طرح امام حسین نے بیعت نہ کی، تو وہ شہید کر ڈالے گئے، اسی طرح امام رضا علیہ السلام ولی عہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چلے تو آپ کو زہر کے ذریعہ سے عیشہ کے لیے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطہ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضا کا جانشین ایک آٹھ، نو برس کا بچہ ہے، جو تین چار برس پہلے ہی باپ سے چھڑایا جا چکا تھا۔ حکومت وقت کی سیاسی مہوج بوجھ کہہ سکی جھٹی کہ اس بچہ کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز حکومت وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم رہے ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔

مامون رشید عباسی، امام رضا علیہ السلام کے ولی عہد کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا۔ اس لیے کہ امام رضا کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی، اس میں تبدیلی نہیں ہوتی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقی جو آٹھ، نو برس کے سن سے قصر حکومت میں نشوونما پا کر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔

سوائے ان لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خدا داد کمالات کو جانتے تھے اس وقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا، مگر دنیا کو حیرت ہو گئی، جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ ہے شہنشاہ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے۔ اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل شامی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے، اور اس وقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔ اس سے بھی امام کی مستحکم قوت ارادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکے والے جو کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے، مگر امام محمد تقی نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانے کی اجازت پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے با اقتدار کے لیے انتہائی ناگوار تھا۔ مگر اسے لڑکی کی جذباتی گوارا کرنا پڑی اور امام مع الفضل کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا، نہ پہرہ دار نہ کوئی خاص روک ٹوک، نہ تزک و احتشام، نہ اوقات ملاقات، نہ ملاقاتیوں کے ساتھ بڑاؤ میں کوئی تفریق زیادہ تر شمس مسجد نبوی میں رہتی تھی۔ جہاں مسلمان حضرت کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ روایان حدیث، اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے۔ طالب علم مسائل پوچھتے تھے، اصناف

مطلبہ تھا کہ جعفر صادقؑ ہی کا جانشین اور امام رضا کا فرزند ہے جو اسی مسند علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے۔

امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو حرم حدود میں رکھا ہوا تھا انھیں حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا، آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپ کی بیوی ایک شہنشاہ وقت کی بیٹی ہے چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے۔ آپ نے حضرت عمار یا سر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی، یہی امام علی نقی کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اس کی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی، ماموں کے دل کے لیے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا، مگر اسے اب اپنے کئے کو نباہنا تھا۔ اس نے ام الفضل کو جواب میں لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابو جعفر کے ساتھ اس لیے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں۔ خیر وار! مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دے کر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی با احترام خاتون ہوتی ہے تو اس کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا، جیسے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے لیے جناب فدک بچہ اور حضرت علی المرتضیٰ کے لیے جناب فاطمہ الزہراءؑ۔ مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اس لیے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے۔ اسلام کی اُس روح کے خلاف تھا جس کے آلی محمد محافظ تھے۔ اس لیے امام محمد تقی علیہ السلام نے اس کے خلاف طرز عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔ (سوانح محمد تقی علیہ السلام)

امام محمد تقی علیہ السلام اور طی الارض

امام محمد تقی علیہ السلام اگرچہ مدینہ میں قیام فرماتے تھے لیکن فرائض کی وسعت نے آپ کو مدینہ ہی کے لیے محدود نہیں رکھا تھا۔ آپ مدینہ میں رہ کر اطراف عالم کے عقیدت مندوں کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے یہ ضروری نہیں کہ جس کے ساتھ کرم گستری کی جائے۔ وہ آپ کے کوائف و حالات سے بھی آگاہ ہو۔ عقیدہ کا تعلق دل کی گہرائی سے ہے کہ زمین و آسمان ہی نہیں ساری کائنات ان کے تابع ہوتی ہے۔ انھیں اس کی ضرورت نہیں پڑتی کہ وہ کسی سفر میں طے مراحل کے لیے زمین اپنے قدموں سے ناپا کریں، ان کے لیے یہی بس ہے کہ جب اور جہاں چاہیں چشم زدنی میں پہنچ جائیں اور یہ عقلاً محال بھی نہیں ہے۔ ایسے خاصانِ خدا کے اس قسم کے واقعات قرآن مجید میں بھی ملتے ہیں۔ آصف بن برخیا وحی جناب سلیمان علیہ السلام کے لیے علمائے اس قسم کے واقعات کا حوالہ دیا ہے۔ ان میں سے ایک واقعہ ہے کہ آپ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر شام پہنچے، وہاں

ایک شخص کو اُس مقام پر عبادت میں مصروف و مشغول پایا جس جگہ امام حسینؑ کا سر مبارک لٹکایا گیا تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو وہ روانہ ہوا، ابھی چند قدم بھی نہ چلا تھا، کہ کوفہ کی مسجد میں جا پہنچا، وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جو روانگی ہوئی، تو صرف چند منٹوں میں مدینہ منورہ جا پہنچے اور زیارت و نماز سے فراغت کی گئی، پھر وہاں سے چل کر چند لمحوں میں مکہ معظمہ رسیدگی ہو گئی، طواف و دیگر عبادت سے فراغت کے بعد آپ نے چشم زون میں اُسے شام کی مسجد میں پہنچا دیا۔ اور خود نظروں سے اوجھل ہو کر مدینہ منورہ جا پہنچے پھر جب دوسرا سال آیا تو آپ بدستور شام کی مسجد میں تشریف لے گئے اور اُس عابد سے کہا کہ میرے ہمراہ چلو، چنانچہ وہ چل پڑا، آپ نے چند لمحوں میں اُسے سال گزشتہ کی طرح تمام مقدس مقامات کی زیارت کرا دی۔ پہلے ہی سال کے واقعہ سے وہ شخص بے انتہا متاثر تھا ہی، کہ دوسرے سال بھی ایسا ہی واقعہ ہو گیا۔ اب کی مرتبہ اُس نے مسجد شام واپس پہنچتے ہی اُن کا دامن تھام لیا اور قسم دے کر پوچھا کہ فرمائیے آپ اس عظیم کرامت کے مالک کون ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں محمد بن علی (امام محمد تقی) ہوں، اُس نے بڑی عقیدت اور تعظیم و تکریم کے مراسم ادا کئے۔

آپ کے واپس تشریف لے جانے کے بعد یہ خبر بجلی کی طرح تمام پھیل گئی، جب والی شام محمد بن عبد الملک کو اس کی اطلاع ملی اور یہ بھی پتہ چلا کہ لوگ اس واقعہ سے بے انتہا متاثر ہو گئے ہیں تو اُس نے اس عابد پر ”مدعی نبوت“ ہونے کا الزام لگا کر اُسے قید کر دیا اور پھر شام سے منتقل کر کے عراق بھجوا دیا۔ اُس نے والی کو قید خانہ سے ایک خط بھیجا جس میں لکھا کہ میں بے خطا ہوں، مجھے رہا کیا جائے، تو اُس نے خط کی پشت پر لکھا کہ جو شخص تجھے شام سے کوفہ اور کوفہ سے مدینہ اور وہاں سے مکہ اور پھر وہاں سے شام پہنچا سکتا ہے۔ اپنی رہائی میں اُس کی طرف رجوع کر اس جواب کے دوسرے دن یہ شخص مکمل سختی کے باوجود سخت ترین پہرہ کے ہوتے ہوئے قید خانہ سے غائب ہو گیا، علی بن خالد راوی کا بیان ہے کہ جب میں قید خانہ کے چھانک پر پہنچا تو دیکھا کہ تمام دُترہ داران جبران و پریشاں ہیں، اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ عابد شامی زمین میں سا گیا۔ یا آسمان پر اٹھایا گیا، علامہ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے علی بن خالد جو دوسرے مذہب کا پیرو تھا، امامیہ مسلک کا معتقد ہو گیا۔ (شواہد النبوت ص ۲۵۵، نور الابصار ص ۱۳۶، اعلام الوری ص ۷۳، ارشاد مفید ص ۲۸۱)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے بعض کرامات

صاحب تفسیر حسینی علامہ حسین واعظ کاشفی کا بیان ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے

کرامات بے شمار ہیں۔ (روضۃ الشہداء ص ۲۳۸) میں بعض کا تذکرہ مختلف کتب سے کرتا ہوں۔
 علامہ عبدالرحمن جاتی تحریر کرتے ہیں کہ (۱) مامون رشید کے انتقال کے بعد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام
 نے ارشاد فرمایا کہ اب تین ماہ بعد میرا بھی انتقال ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا (۲) ایک شخص نے
 آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ایک مسماۃ (ام الحسن) نے آپ سے درخواست کی ہے
 کہ اپنا کوئی جامہ کمنہ دیجئے تاکہ میں اسے اپنے کفن میں رکھوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اب جامہ
 کمنہ کی ضرورت نہیں ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ میں وہ جواب لے کر جب واپس ہوا تو معلوم
 ہوا کہ ۱۲-۱۳ دن ہو گئے ہیں کہ وہ انتقال کر چکی ہے۔ (۳) ایک شخص (امیہ بن علی) کہتا ہے
 کہ میں اور حماد بن عیسیٰ ایک سفر میں جاتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ آپ
 سے رخصت ہو لیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ تم آج اپنا سفر ملتوی کر دو، چنانچہ میں حسب الحکم
 ٹھہر گیا، لیکن میرے ساتھی حماد بن عیسیٰ نے کہا کہ میں نے سارا سامان سفر گھر سے نکال رکھا ہے
 اب اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ سفر ملتوی کروں، یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا اور چلتے چلتے رات کو
 ایک دادی میں جا پہنچا اور وہیں قیام کیا، رات کے کسی حصہ میں عظیم الشان سیلاب آ گیا۔
 اور وہ تمام لوگوں کے ساتھ حماد کو بھی بہا کر لے گیا (شواہد النبوت ص ۲۰۲) علامہ اربلی تحریر
 فرماتے ہیں کہ معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں جب کہ آپ بہت کسرتھے
 مجھ سے فرمایا کہ چلو میرے ہمراہ چلو! چنانچہ میں ساتھ ہو گیا۔ حضرت نے مدینہ سے باہر ایک دادی
 میں جا کر مجھ سے فرمایا کہ تم ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں۔ چنانچہ آپ نظروں سے غائب ہو گئے اور
 تھوڑی دیر کے بعد واپس ہوئے۔ واپسی پر آپ بے انتہا طول اور زنجیدہ تھے، میں نے
 پوچھا: فرزند رسول! آپ کے چہرہ مبارک سے آثار حزن و ملال کیوں ہو رہے ہیں۔ ارشاد
 فرمایا! کہ اسی وقت بغداد سے واپس آ رہا ہوں۔ وہاں میرے والد ماجد حضرت امام رضا
 علیہ السلام زہر شہید کر دیئے گئے ہیں۔ میں ان پر ناز و غیرہ ادا کرنے گیا تھا۔ (۵) قاسم
 بن عبدالرحمن کا بیان ہے کہ میں بغداد میں تھا میں نے دیکھا کہ کسی شخص کے پاس تمام لوگ
 برابر آتے جاتے ہیں، میں نے دریافت کیا کہ جس کے پاس، آنے جانے کا تائب بندھا ہوا ہے
 یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ابو جعفر محمد بن علی علیہ السلام ہیں۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں
 کہ آپ ناقہ پر سوار اُس طرف سے گذرے، قاسم کہتا ہے کہ انھیں دیکھ کر میں نے دل میں کہا
 کہ وہ لوگ بڑے بیوقوف ہیں جو آپ کی امامت کے قائل ہیں اور آپ کی عترت و توقیر کرتے
 ہیں، یہ تو بچے ہیں اور میرے دل میں ان کی کوئی وقعت محسوس نہیں ہوتی۔ میں اپنے دل میں یہی
 سوچ رہا تھا کہ آپ نے قریب آ کر فرمایا کہ اے قاسم بن عبدالرحمن جو شخص ہماری اطاعت سے

گیرنا ہے وہ جہنم میں جائے گا۔ آپ کے اس فرمانے پر میں نے خیال کیا کہ یہ جاؤ و گریں کہ انھوں نے میرے دل کے ارادے کو معلوم کر لیا ہے۔ جیسے ہی یہ خیال میرے دل میں آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارا خیال بالکل غلط ہے تم اپنے عقیدے کی اصلاح کرو۔ یہ سن کر میں نے آپ کی امامت کا اقرار کیا اور مجھے ماننا پڑا کہ آپ حجت اللہ ہیں (۱) قاسم بن الحسن کا بیان ہے کہ میں ایک سفر میں تھا، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مفلوک الحال شخص نے مجھ سے سوال کیا، میں نے اُسے روٹی کا ایک ٹکڑا دے دیا۔ اچھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ ایک زبردست آندھی آئی اور وہ میری پگڑی اڑا کر لے گئی۔ میں نے بڑی تلاش کی لیکن وہ دستیاب نہ ہوئی۔ جب میں مدینہ پہنچا اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے ملنے گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اسے قاسم تمہاری پگڑی ہوا اڑا لے گئی۔ میں نے عرض کی کہ جی حضور! آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ ان کی پگڑی لے آؤ۔ غلام نے پگڑی حاضر کی۔ میں نے بڑے تعجب سے دریافت کیا کہ مولا! یہ پگڑی یہاں کیسے پہنچی، آپ نے فرمایا کہ تم نے جو راہ خدا میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا، اُسے خدا نے قبول فرمایا ہے۔ اسے قاسم خداوند عالم یہ نہیں چاہتا کہ جو اُس کی راہ میں صدقہ دے وہ اُسے نقصان پہنچنے دے (۲) ام الفضل نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی شکایت اپنے والد امامون رشید عباسی کو لکھ کر بھیجی کہ ابو جعفر میرے ہوتے ہوتے دوسری شادی بھی کر رہے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے تیری شادی اُن کے ساتھ اس لیے نہیں کی کہ حلال خدا کو حرام کر دوں۔ اُنہیں قانون خداوندی اجازت دیتا ہے کہ وہ دوسری شادی کریں، اس میں تیرا کیا دخل ہے۔ دیکھ آئندہ سے اس قسم کی کوئی شکایت نہ کرنا اور من تیرا فریضہ ہے کہ تو اپنے شوہر ابو جعفر کو جس طرح ہو راضی رکھ۔ اس تمام خط و کتابت کی اطلاع حضرت کو ہو گئی۔ (۳) علامہ شیخ حسین بن عبدالوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن ام الفضل نے حضرت کی ایک بیوی کو جو عمار یا سر کی نسل سے تھی، دیکھا تو امامون رشید کو کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ حضرت کے قتل پر آمادہ ہو گیا، مگر قتل نہ کر سکا۔ (عیون المعجزات ص ۱۵۲ طبع طمان)۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے ہدایات و ارشادات

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بہت سے بزرگ مرتبہ علمائے نے آپ سے علوم اہل بیت کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقی علیہ السلام کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ بعض علمائے نے آپ کے مقولوں کی تعداد کسی ہزار بتائی ہے۔ علامہ شبلی نجفی بحوالہ فضول المهمہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ (۱)

خداوندِ عالم جسے جو نعمت دیتا ہے۔ بہ ارادہ دوام دیتا ہے، لیکن اُس سے وہ اس وقت زائل ہو جاتی ہے، جب وہ لوگوں یعنی مستحقین کو دینا بند کر دیتا ہے۔ (۲) ہر نعمت خداوندی میں مخلوق کا حصہ ہے۔ جب خدا کسی کو عظیم نعمتیں دیتا ہے تو لوگوں کی حاجتیں بھی کثیر ہو جاتی ہیں۔ اس موقع پر اگر صاحبِ نعمت (مالدار) عمدہ برآ ہو سکا تو خیر و برکت کا زوال لازمی ہے (۳) جو کسی کو بڑا سمجھتا ہے اُس سے ڈرتا ہے (۴) جس کی خواہشات زیادہ ہوں گی، اس کا جسم موٹا ہوگا۔ (۵) عیضہ حیاتِ مسلم کا سرنامہ ”حسن خلق“ ہے (۶) جو خدا کے بھر دوسرے لوگوں سے بے نیاز ہو جائے گا، لوگ اُس کے محتاج ہوں گے (۷) جو خدا سے ڈرے گا لوگ اُسے دوست رکھیں گے (۸) انسان کی تمام خوبیوں کا مرکز زبان ہے۔ (۹) انسان کے کمالات کا دار و مدار عقل کے کمال پر ہے (۱۰) انسان کے لیے فقر کی زینت ”عفت“ ہے۔ خدائی امتحان کی زینت شکر ہے حسب کی زینت تواضع اور فروتنی ہے، کلام کی زینت ”فصاحت“ ہے۔ روایات کی زینت ”حافظہ“ ہے۔ علم کی زینت ”انکسار“ ہے۔ ورع و تقویٰ کی زینت ”حسن ادب“ ہے۔ قناعت کی زینت ”خندہ پیشانی“ ہے۔ ورع و پرہیزگاری کی زینت تمام مہلات سے کنارہ کشی ہے (۱۱) ظالم اور ظالم کا مددگار اور ظالم کے فعل کو سراہنے والے ایک ہی زمر میں ہیں۔ یعنی سب کا درجہ برابر ہے (۱۲) جو زندہ رہنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ برداشت کرنے کے لئے اپنے دل کو صبر آزمایا بنالے۔ (۱۳) خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے تین چیزیں ہونی چاہئیں۔ اول استغفار۔ دوم نرمی و فروتنی سوم کثرتِ صدقہ (۱۴) جو جلد بازی سے پرہیز کرے گا، لوگوں سے مشورہ لے گا، اللہ پر بھروسہ رکھے گا وہ کبھی شرمندہ نہیں ہوگا (۱۵) اگر جاہل زبان بند رکھے تو اختلافات نہ ہوں (۱۶) تین باتوں سے دل موہ لیے جاتے ہیں۔ (۱) معاشرے میں انصاف (ب) مصیبت میں ہمدردی (ج) پریشان خاطرگی میں تسلی (۱۷) جو کسی بُری بات کو اچھی نگاہ سے دیکھے گا، وہ اس میں شریک سمجھا جائے گا (۱۸) کفرانِ نعمت کرنے والا خدا کی ناراضگی کو دعوت دیتا ہے (۱۹) جو تمھارے کسی عطیہ پر شکر یہ ادا کرے، گویا اُس نے تمھیں اُس سے زیادہ دے دیا (۲۰) جو اپنے بھائی کو پوشیدہ طور پر نصیحت کرے وہ اُس کا محسن ہے، اور جو علانیہ نصیحت کرے، گویا اُس نے اُس کے ساتھ بُرائی کی۔ (۲۱) عقلمندی اور حماقت جوانی کے قریب تک ایک دوسرے پر انسان پر غلبہ کرتے رہتے ہیں اور جب ۱۸ سال پورے ہو جاتے ہیں تو استقلال پیدا ہو جاتا ہے اور راہِ معین ہو جاتی ہے (۲۲) جب کسی بندہ پر نعمت کا نزول ہو اور وہ اس نعمت سے متاثر ہو کر یہ سمجھے کہ یہ خدا کی عنایت و مہربانی ہے تو خداوندِ عالم شکر کرنے سے پہلے اس کا نام شاکرین میں لکھ لیتا ہے۔ اور جب کوئی گناہ کرنے کے ساتھ یہ محسوس کرے کہ میں خدا کے ہاتھ میں ہوں، وہ جب اور حرمِ طرح چاہے

عذاب کر سکتا ہے تو خداوند عالم اُسے استغفار سے قبل بخش دیتا ہے (۲۳) شریف وہ ہے جو عالم ہے اور عقلمند وہ ہے جو متقی ہے۔ (۲۴) جلد بازی کر کے کسی امر کو شہرت نہ دو، جب تک تکمیل نہ ہو جائے (۲۵) اپنی خواہشات کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ دل تنگ ہو جاوے (۲۶) اپنے ضعیفوں پر رحم کرو اور اُن پر رحم کے ذریعہ سے اپنے لیے خدا سے رحم کی درخواست کرو (۲۷) عام موت سے بڑی موت وہ ہے جو کنہ کے ذریعہ سے ہو، اور عام زندگی سے خیر و برکت کے ساتھ والی زندگی بہتر ہے (۲۸) جو خدا کے لیے اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچائے وہ ایسا ہے جیسے اُس نے اپنے لیے جنت میں گھر بنا لیا (۲۹) جو خدا پر اعتماد رکھے اور اُس پر توکل اور بھروسہ کرے، خدا اُسے ہرگز لڑائی سے بچاتا ہے اور اُس کی ہر قسم کے دشمنی سے حفاظت کرتا ہے۔ (۳۰) دین عزت ہے، علم خزانہ ہے اور خاموشی نور ہے۔ (۳۱) زندگی انتہا ورع اور تقویٰ ہے (۳۲) دین کو تباہ کر دینے والی چیز بدعت ہے (۳۳) انسان کو برباد کرنے والی چیز "لا لچ" ہے (۳۴) حاکم کی صلہ حیت رعایا کی خوشحالی کا دار و مدار ہے (۳۵) دُعا کے ذریعہ سے ہر بلا ٹل سکتی ہے (۳۶) جو صبر و ضبط کے ساتھ میدان میں آجائے وہ کامیاب ہوگا (۳۷) جو دنیا میں تقویٰ کا بیج بوئے گا، آخرت میں دلی مرادوں کا پھل پائے گا۔ (نور البصار ص ۱۳۵ طبع مصر)۔

مورخ و مشق علامہ سید ابی
ابن طلحون لکھتے ہیں کہ حضرت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی ایک روایت

امام محمد تقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد سے روایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے مجھے یمن کی طرف بھیجا تھا تو چند خاص وصیتیں کیں تھیں جن میں ایک یہ تھی۔ "یا علی ماخاب من استخار ولانہ من استشار" جو شخص اپنے کاموں میں استخارہ کر لیا کرے گا۔ وہ غائب و خاسر نہ ہوگا۔ اور جو اپنے غمخس و ستول سے مشورہ کیا کرے گا وہ ناوم و شرمندہ نہ ہوگا۔ . . . من استفاد ا خافی اللہ فقد استفاد بیجا فی الجنۃ جو اپنے بھائی کو فی سبیل اللہ فائدہ پہنچائے گا، وہ جنت میں اپنا گھر نوالے گا۔ (الامۃ الاثنا عشر ص ۱۰۳ طبع بیروت)

ماموں کی وفات، معتصم کی خلافت

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی گرفتاری

شادی کے بعد سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام عین میں قدرے پرسکون زندگی بسر کر رہے تھے

یعنی آپ کا وہ خدشہ نہ تھا جو حکومتِ وقت کی طرف سے آپ کے آباؤ اجداد کو ہر وقت لگا رہتا تھا اور جس کے نتیجے میں شہادت کا درجہ نصیب ہوتا رہتا تھا۔ آپ کو جو تکلیف تھی وہ ام الفضل کے شکایتی خطوط کی سختی جن کے ذریعہ سے وہ مامون کی عنانِ توجہ آپ کی مخالفت کی طرف موڑنا چاہتی تھی۔ مامون چونکہ ہوشیار اور اپنے کئے کے نبائے کا عادی تھا، اس لیے اس نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ لیکن اس کے بعد آنے والے خلیفہ نے اس کو پوری اہمیت دے کر آپ کا کام تمام کر دیا۔ علامہ علی نقی لکھتے ہیں کہ ۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیر باد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا موتمن جو امام رضا کے بعد ولیعہد بنایا جا چکا تھا۔ تحتِ سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا، اس کے بیٹے ہی امام محمد تقی علیہ السلام کے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی، جس طرح کہ اُس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے جو تمام بنی عباسیوں کی مخالفتوں کے باوجود بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اس لیے اپنی بات، کی بیچ اور کئے کی لاج رکھنے کی خاطر اُس نے اُن شکایتوں پر کوئی توجہ نہیں دی، بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بندی کر دی، مگر معتصم کو جو امام رضا علیہ السلام کی ولی عہدی کا وارث اپنے سینے پر لے ہوئے تھا اور امام محمد تقی علیہ السلام کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے ناصندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا۔ اب ام الفضل کے شکایتی خطوط کو اہمیت دے کر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا حق بجانب ثابت کرنا چاہتا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقی علیہ السلام کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا، وہ بنائے خصامت جو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقی کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبہ کی شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عہد کا محرک ہوا تھا، جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اُس نے اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقی کو مدینہ سے بغداد کی طرف جبراً بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبد الملک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا مجبوراً امام محمد تقی علیہ السلام اپنے فرزند حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور اُن کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہو گئے۔

علامہ حسین قرنگی محلی کہتے ہیں کہ جب مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا، اور اس نے امام محمد تقی کے فضائل کا آوازہ سنا تو براہِ بغض و عناد مدینہ منورہ سے بمقامِ بغداد آپ کو طلب کر لیا۔ امام محمد تقی علیہ السلام جب مدینہ سے چلنے لگے تو انھوں نے اپنے فرزند امام علی نقی کو اپنا وصی اور خلیفہ

قراردے کر کتب علوم الہی اور آثار جناب رسالت پناہی انھیں پڑھ فرمایا بعد ازاں مدینہ سے روانہ ہو کر نویں محرم ۲۲۰ھ کو بغداد پہنچے اور معتصم نے اسی سال ان کو شہید کر دیا (وسیلۃ النجات ص ۲۹۷)

امام محمد تقیؑ کی نظر بندی قید اور شہادت

مدینہ رسولؐ سے فرزند رسولؐ کو طلب کرتے کی غرض چونکہ نیک بیعتی پر مبنی نہ تھی، اس لیے

یہ عظیم شرف کے باوجود آپ حکومت وقت کی کسی رعایت کے قابل نہیں متصور ہوئے۔ معتصم نے بغداد بلوا کر آپ کو قید کر دیا۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں، کہ "چون معتصم بخلافت بن شہست آنحضرت را از مدینہ طیبہ بدار الخلافہ بغداد آوردہ جلس فرمودہ۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۱) ایک سال تک آپ نے قید کی سختیاں صرف اس جرم میں برداشت کیں کہ آپ کمالات امامت کے حامل کیوں ہیں اور آپ کو خدا نے یہ شرف کیوں عطا فرمایا ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آپ پر اس قدر سختیاں تھیں اور اتنی کڑی نگہبانی اور نظر بندی تھی کہ آپ اکثر اپنی زندگی سے بیزار ہو جاتے تھے۔ بہر حال وہ وقت آگیا کہ آپ صرف ۲۵ سال ۱۲۰۶۳ یوم کی عمر میں قید خانہ کے اندر آخر ذی قعدہ (بتاریخ ۲۹ ذی قعدہ ۲۲۰ھ یوم شنبہ) معتصم کے زہر سے شہید ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۱، صواعق محرقة ص ۱۲۳، روضۃ الصفا جلد ۳ ص ۱۶، اعلام الوری ص ۲۰۵، ارشاد ص ۲۸، الوارثانہ ص ۱۲۷ الوارث الحسینیہ ص ۵۳)۔

آپ کی شہادت کے متعلق ملامین کہتے ہیں کہ معتصم عباسی نے آپ کو زہر سے شہید کیا۔ (وسیلۃ النجات ص ۲۹۷) علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ کا امام رضا کی طرح زہر سے شہید کیا گیا (صواعق محرقة ص ۱۲۳) علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ "گویند زہر شہید شد" لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (روضۃ الشهداء ص ۲۳۸) ملا جامی کی کتاب میں ہے "قیل مات مسموماً" کہا جاتا ہے کہ آپ کی وفات زہر سے ہوئی ہے (شواہد النبوت ص ۲۰۳) علامہ نعمت اللہ الجزائرئی لکھتے ہیں "مات مسموماً قد سم المعتقد" آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں اور یقیناً معتصم نے آپ کو زہر دیا ہے، الوارثانہ ص ۱۹۵) یہی کچھ علامہ طبرسی نے بھی تحریر فرمایا ہے (اعلام الوری ص ۲۰۵) اور علامہ عبد الرضا نے بھی یہی لکھا ہے (الوارث الحسینیہ ص ۵۳) نواب صدیق حسن لکھتے ہیں کہ معتصم عباسی نے زہر سے آپ کو مار دیا (الفرح العالی) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ انہ مات مسموماً آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں۔ "یقال ان ام الفضل بس الماسون، سقنتہ یا ماریہا" کہا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کی بیوی ام الفضل نے اپنے باپاموں کے حکم کے مطابق معتصم کی مدد سے زہر سے شہید کیا (نور الابرار ص ۱۲۷، ارجح المطالب ص ۲۲۱) مطلب یہ جو کہ مامون رشید نے امام محمد تقی کے والد ماجد امام رضا کو اور اس کی بیٹی نے امام محمد تقی

علیہ السلام کو بقول امام تہلبینی شہید کر کے اپنے وطیرہ مستمرہ اور اصول خاندانی کو فروغ بخشا ہے۔ علامہ موصوف کہتے ہیں کہ "دخلت امراتہ ام الفضل الی قصر المعتصم" کہ امام محمد تقی کو شہید کر کے اُن کی بیوی ام الفضل معتصم کے پاس چلی گئی۔ بعض معاصرین کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے شہادت کے وقت ام الفضل کے بدترین استنقبیل کا ذکر فرمایا تھا جس کے نتیجے میں اُس کے ناسور ہو گیا تھا اور وہ آخر میں دیوانی ہو کر مری۔

مختصر یہ کہ شہادت کے بعد حضرت امام علی تقی علیہ السلام نے آپ کی تعمیر و تکفین میں شرکت کی اور نماز جنازہ پڑھائی، اور اس کے بعد آپ مقابر قریش میں اپنے جد نامدار حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ چونکہ آپ کے دادا کا لقب کاظم اور آپ کا لقب جواد ہی تھا، اس لیے اُس شہر کو آپ کی شرکت سے "کاظمین" اور وہاں کے ایشین کو آپ کے دادا کی شرکت کی رعایت سے "جوادیں" کہا جاتا ہے۔

اس مقبرہ قریش میں جسے کاظمین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ۳۵۶ ہجری مطابق ۹۶۸ء میں محرز الدولہ اور ۴۵۲ھ بمطابق ۱۰۶۲ء میں جلال الدولہ شاہان آل بویہ کے جنازے اعتقاد مندی سے دفن کئے گئے۔ کاظمین میں جو شاہاندار روضہ بنا ہوا ہے اس پر بہت سے تعمیری دور گزارے لیکن اس کی تعمیری تکمیل شاہ اسماعیل صفوی نے ۹۶۶ ہجری مطابق ۱۵۲۰ء میں کرائی۔ ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۵۸ء میں محمد شاہ قاجار نے اُسے جواہرات سے مرصع کیا۔

علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے چند بیویاں تھیں جن میں ام الفضل بنت مأمون رشید

آپ کی ازواج اور اولاد

عباسی اور سامانہ خاتون یا سری نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جناب سامانہ خاتون جو کہ حضرت امام کاظم کی نسل سے تھیں، کے علاوہ کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، آپ کی اولاد کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ دو زینہ اور دو غیر زینہ تھیں، جن کے اسماریہ ہیں (۱) حضرت امام علی تقی علیہ السلام (۲) جناب موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ (۳) جناب فاطمہ (۴) جناب امامہ (ارشاد مفید ص ۴۹۳، صواعق محرقة ص ۱۲۳، روضۃ الشہداء ص ۲۳۸، نور الابصار ص ۱۴۷، الوار نعمانیہ ص ۱۲۷، کشف الغمہ ص ۱۱۶، اعلام الوری ص ۲۰۵ وغیرہ۔

سلسلہ سادات رضویہ

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے حالات میں حوالہ امام المحدثین حجت الاسلام حضرت علامہ شیخ مفید علیہ الرحمۃ و علامہ معتمد طبری لکھا جا چکا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے ایک زینہ

فرزند، حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے، ان حضرات کی تحقیق پر اعتماد و اعتقاد کرنے کے بعد یہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی نسل صرف حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے بڑھی، بیٹے کی اولاد کا دادا کی طرف اتساب خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ باپ کے علاوہ دادا کے کوئی اور اولاد نہ ہو، نہایت مناسب ہے، اسی لیے علامہ حسین واعظ کاشفی، علامہ سید نور احمد شوشتری (شہید ثالث) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد کو "رضوی" کہا جاتا ہے۔ (روضۃ الشہداء ص ۴۳۰، مجالس المؤمنین و بجالانوال) علامہ معاصر مولانا سید علی نقی مجتہد العصر رقمطراز ہیں کہ "یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات رضوی" کہلاتے ہیں وہ دراصل نقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت امام رضا علیہ السلام کی اولاد امام محمد تقی کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لیے وہ اپنے کو "رضوی" کہتی اور امام محمد تقی علیہ السلام کی اولاد اپنے کو نقوی کہتی، مگر چونکہ امام رضا کی نسل امام محمد تقی سے چلی اور حضرت امام رضا علیہ السلام کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولی عہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمانوں میں بہت ہو چکی تھی، اس لیے تمام اولاد کا حضرت امام رضا کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جاتا رہا اور رضوی کے نام سے مشہور ہوئے۔

حضرت امام محمد تقی کی نسل و دیہتوں سے بڑھی، ایک امام علی نقی علیہ السلام دوسرے حضرت موسیٰ مرقع علیہ الرحمۃ (کتاب رحمتہ للعالمین جلد ۲ ص ۱۲۵) امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد اپنے کو نقوی اور موسیٰ مرقع کی اولاد مذکورہ وجہ کی بنا پر اپنے کو رضوی کہتی ہے۔

جناب موسیٰ بن امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزند طاب تحریر سید حامد حسین کراری متوفی ۱۳۶۱ھ محولہ لطائف الشرف" تین تھے۔ ۱۔ سید محمد ۲۔ سید عمران ۳۔ سید احمد۔ آپ کی نسل صرف سید احمد سے بڑھی۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں۔ "عقب مرقع از سید احمد است و عقب احمد از محمد ارج است" (روضۃ الشہداء ص ۴۳۰) سید احمد کے تین بیٹے تھے ۱۔ سید صالح ۲۔ سید جلیل ۳۔ سید محمد ارج مرقع کے فرزند ابو عبد اللہ سید احمد نقیب القم تھے جس کے معنی رئیس اعظم، نگران اعلیٰ، سربراہ اور قوم کے ہر داخل اور خارجی امر میں مدبر اور سازگاری پیدا کرنے والے کے ہیں (جمع البحرین ص ۱۵) سادات کراری صلح آلہ آباد کا سلسلہ نسب آپ ہی کی وساطت سے امام محمد تقی اور امام علی رضا علیہما السلام تک پہنچتا ہے۔ سادات کراری کے مورث اعلیٰ سید حسام الدین اعلیٰ اللہ مقامہ گورنر تھراپہ عہد فرزند شاہ تغلق تھے۔ سید ریاض الحسن کراری نقیم کراچی لکھتے ہیں کہ "آپ ایران سے ہندوستان آ کر زید پور صلح بارہ بنکی میں سکونت پذیر ہوئے تھے۔ آپ کو پہلے صوبہ تھراپہ کا گورنر پھر فوج کا کمانڈر بنا

ویا گیا تھا، آپ بہت بڑے بہادر اور سخی تھے۔ آپ کا سلسلہ نو واسطوں سے نقیب القم تک پھر چار واسطوں سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ آپ نے ۱۷۱۷ء میں جنگل کاٹ کر کراچی کو آباد کیا جو تقریباً اڑھائی سو مواضعات پر مشتمل ہے، جن پر آپ کی اولاد قابض اور متصرف ہے (کتاب شجرہ سادات کراچی مؤلف سید ریاض حسین مرحوم ص ۱۸۰ طبع مکھنؤ ۱۹۲۷ء)۔

یہد حسام الدین کے قلم سے ہندوستان تشریف لانے کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ چنگیز خاں نے جب ایران فتح کرنے کے لیے لشکر بھیجا اور اُس لشکر نے قیامت خیز تباہی مچائی تھی، اسی موقع پر دیگر حضرات کی طرح آپ بھی ہندوستان تشریف لائے۔ تاریخ روضۃ الصفا جلد ۵ ص ۲۵ تا ۳۱ طبع مکھنؤ میں ہے کہ چنگیز خاں کا لشکر ۱۱۵ ہجری میں فتح ایران کے لیے نکلا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ سیل حوادث کی طرح جس طرف گزرتا تھا تباہ و برباد کر چھوڑتا تھا، کسی نے کسی کا سوال دیتے ہوئے کہا ہے کہ ”آمد و گزند و سونفتد و کشتند و بردند“ کہ لشکر والے آئے، اکھاڑا بچھاڑا جلا یا پھونکا، قتل کیا اور سب لوٹ کر لے گئے۔ ”ص ۲۶“ چنگیز خاں کے دست برد سے ایران کا کوئی شہر اور نمایاں قریہ نہیں بچا۔ اُس نے قتل و غارت کا سلسلہ ۱۲۷۱ ہجری تک جاری رکھا۔ یوں تو ہر جگہ تباہ ہوئی اور سب ہی قتل ہوئے۔ لیکن وہ مقامات جن کی تباہی سے ہمارے دلوں کو روحی صدمہ پہنچا۔ وہ بلخ، خراسان، سبزوار، نیشاپور اور قم جیسے شہر ہیں۔ بلخ میں چچاس ہزار سادات تھے، جو قتل ہوئے۔ خراسان میں قریب صد ہزار مومن موحد را شید ساختند، تقریباً ایک لاکھ مومن قتل ہوئے۔ ۳۶ سبزوار میں ستر ہزار قتل کئے گئے۔ ۳۷ نیشاپور میں تو مقتولین کی اتنی کثرت تھی کہ بارہ دن تک لاشوں کا شمار ہوتا رہا۔ ہرات میں بھی شدید اندھیر گروی تھی، بے شمار سادات قتل کئے گئے۔ ان ہنگاموں میں نہایت بربریت کا ثبوت دیا گیا، آگ لگائی گئی، عصمت دری کی گئی، پانی بند کیا گیا اور بے دریغ قتل و غوریزی سے سرزمین ایران لڑا جاتا، گئی۔ بعض مقامات کے تذکرہ میں مذکور ہے کہ ظالم یہ کہتے تھے کہ یہ رافضی لوگ ہیں، ان کا قتل کرنا ”عین صواب و مستلزم ثواب است“۔ نہایت صحیح عمل ہے اور بے حد ثواب کا موجب ہے۔ منہ بہر حال انہیں حالات سے متاثر ہو کر سادات ایران سے جان بچا کر نکل کھڑے ہوئے اور اطرافِ عالم میں جہاں جس کو سوجھا، وہاں جا ٹھہرا۔ ۳۹ صاحب عمدۃ الطالب کی تحریر کے مطابق حضرت موسیٰ مبرقع کی اولاد بھی ہندوستان آئی۔ بدر مشعش ص ۳۱ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، یہد حسام الدین کا تشریف لانا بھی اسی عمدے سے متعلق ہے۔

حضرت امام محمد تقیؑ کے فرزند ارجمند جناب موسیٰ مبرقع کے مختصر حالات

حضرت موسیٰ مبرقع علیہ الرحمۃ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے فرزند اور حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے برادر عزیز تھے، آپ کی کنیت ابو جعفر اور ابوالاحمد تھی۔ آپ کمال حسن و جمال کی وجہ سے ہمیشہ چہرہ پر نقاب ڈالے رہتے تھے اسی لیے آپ کے نام کے ساتھ ”مبرقع“ بھی مستعمل ہوتا ہے۔ آپ بہترین عالم دین سمجھے اور بہادر تھے۔ آپ ۱۱۰ رجب المرجب ۱۱۰ ہجری کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ پھر ۳۸ سال کی عمر میں ۱۵۵ ہجری میں کوفہ تشریف لے گئے، پھر وہاں سے ۲۵۶ ہجری میں قم منتقل ہو گئے۔ علماء کا بیان ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سادات رضویہ سے قم میں مستقل قیام کا ارادہ کیا۔

علامہ شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ جب آپ کوفہ سے قم پہنچے تو وہاں کے رؤساء نے آپ کے مستقل قیام کی مخالفت کی اور آپ کی بھرپور کوشش قیام کے باوجود آپ کو وہاں ٹھکنے نہ دیا، بالآخر آپ وہاں سے روانہ ہو کر ”کاشان“ پہنچے، آپ کی نسل عظمت اور تبلیغی سرگرمیوں کی شہرت کی وجہ سے وہاں کے باشندوں نے آپ کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوری عورت و توقیر کے ساتھ ان کو اپنی آنکھوں پر جگہ دی، چنانچہ ان کے سربراہ احمد بن عبدالعزیز بن دلف عجمی نے دل و جان سے خیر مقدم کیا اور لباس فاخرہ پہنا کر ان کے لیے شاندار گھوڑے فراہم کئے اور ایک ہزار شقال سونا، سالانہ ان کے لیے مقرر کیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ اہل کاشان آپ کے وہاں قیام کرنے سے بے انتہا غرض تھے اور آپ کے قیام کو سارے کاشان کی خوش قسمتی سمجھتے تھے۔ لیکن اسی دوران میں جب قم والوں کو ہوش آیا اور ان کے بعض معزز حضرات جو کہ باہر تھے جیسے ”ابوالصید بن الحسین بن علی بن آدم“ جب قم واپس پہنچے اور انھیں اس حادثہ اخراج کا علم ہوا تو وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور ان لوگوں کی سخت مذمت کی۔ جن کا ان کے اخراج میں ہاتھ تھا۔ ”فارسلو اور ساء العربا“ پھر ان معزین اور عرب کے رؤساء نے، آپ کو واپس لانے کے لیے ایک جمعیت بھیج دی اس نے عذر و معذرت کے بعد آپ کو قم واپس تشریف لانے پر آمادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ نہایت عروت و احترام کے ساتھ قم واپس تشریف لائے، ان حضرات نے ان کے لیے ایک شاندار مکان اور بہت سی ضروری چیزیں خریدیں اور جانا دیا اور میں ہزار درہم سے نقد خدمت کی آپ کے قم میں مستقل قیام کے بعد آپ کی بنیوں، زینت، ام محمد، میمونہ وغیرہ بھی پہنچ گئیں اور آپ کی لڑکی بریدہ بھی جا پہنچی۔ یہ بیان مستقل وہیں قیام رہیں بالآخر سب کی سب حضرت مصلح و

ثم کے گرداگرد دفن ہوئیں۔

آپ اپنے بھائی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے پیرو تھے اور انھیں بے حدمانتے تھے۔ اور مسائل کے جواب دینے میں بوقت ضرورت انھیں سے مدد لیا کرتے تھے جیسا کہ یحییٰ بن اکثم کے سوال کے جواب میں آپ کا امام علیہ السلام کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہے۔ (سیفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۹۱) آپ کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ امام علی نقی علیہ السلام کی مرضی کے خلاف ایک دفعہ متوکل سے ملنے کے لیے گئے تھے "غلط ہے" کیونکہ اس خبر کی روایت یعقوب بن یاسر نے کی ہے اور وہ متوکل کا آدمی تھا یعنی "یہ ہوائی اُسی دشمن کی اُڑائی ہوئی ہے" اس کی کوئی حقیقت نہیں (بدر مشعشع علامہ نوری و سیفینۃ البحار ۲ ص ۶۵۲)۔

آپ نے شب چہار شنبہ ۲۲ ربیع الثانی ۲۹۶ھ میں بعمر ۷۹ سال وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ امیر قم عباس بن عمر وغنوی نے پڑھائی اور آپ اسی مقام پر دفن ہوئے جس جگہ آپ کا روضہ بنا ہوا ہے۔ ایک روایت کی بنا پر یہ وہ جگہ ہے جس جگہ محمد بن الحسن بن ابی خالد اشعری طقب بے "شنبولہ" کا مکان تھا (منتخبی الآمال جلد ۲ ص ۲۵۱) راقم الحروف نے ۱۹۶۶ء میں آپ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی ہے۔

مؤلف کتاب کا شجرہ نسب

مؤلف کتاب اور راقم الحروف کا شجرہ نسب یہ ہے۔
 سید نجم الحسن بن سید فیض محمد بن سید طیب حسین ابن
 سید امیر حسین (قاضی شریعت بھدراکھ و کوٹریہ) بن سید شریف علی بن سید روشن علی بن سید فیض محمود
 بن سید شریف محمد بن سید عیسیٰ بن سید محمد قائم بن سید روح اللہ بن سید فتح اللہ بن سید فیض بن سید
 ہاشم بن سید یعقوب بن سید امام الدین بن سید حیدر بن سید محمد بن سید فیروز بن سید قطب الدین بن
 سید امام الدین بن سید فخر الدین بن سید حسام الدین (مورث اعلیٰ سادات کرامی) بن سید کمال الدین
 (چھتیم) بن سید بدر الدین بن سید تاج الدین (شہید) بن سید یحییٰ بن سید عبد العزیز بن سید
 ابراہیم بن سید محمود بن سید زین بن سید عبد اللہ (زر بخش) بن سید یعقوب بن ابو عبد اللہ سید محمد
 (لقیب العم) بن سید ابو علی محمد اعرج بن ابو احمد سید ابوالکارم بن سید موسیٰ مبرقع بن حضرت
 امام محمد تقی علیہ السلام بن حضرت امام علی رضا علیہ السلام۔



ابو الحسن

حسین

امام علی نقی

علیہ السلام

علی کا نام اور خلقِ حسن لے کر محمد کا
نقشہ دنیا میں آئے ہیں ہے موشا خانی
نستارہ اوج پر ہے دسویں منزلِ امامت کا
نقشہ گھر میں نازل ہوا ہے نوریزدانی
(صاحب تھریانی دیکھی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۱۲

حضرت امام علی نقی علیہ السلام

آج دسواں نائب خیر البشر پیدا ہوا
ہیں لقب ہادی نقی جس کے علی سے جس کا نام
عمرت اطہار میں چوتھا علی عالی مقام

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ اصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول
جانشین اور ہمارے دسویں امام اور سلسلہ معصومین کی بارہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت
امام محمد تقی علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ جناب سماء خاتون تھیں، آپ اپنے آباؤ اجداد کی
طرح امام منصوص، معصوم اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے، آپ علم سخاوت طہارت نفس،
بلندی کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والد ماجد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقة
ص ۱۲۳ مطالب السؤل ص ۲۹۱ نور الابصار ص ۱۲۹) آپ کی والدہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ
آپ ”یتدہ ام الفضل“ کے نام سے مشہور تھیں (مناقب جلد ۵ ص ۱۱۶)

امام علی نقی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

آپ تاریخ ۵ رجب المرجب ۲۱۲ھ یوم شنبہ بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے۔ (نور الابصار
ص ۱۲۹، دمعہ ساکبہ ص ۱۲) شیخ مفید کا کہنا ہے کہ مدینہ کے قریب ایک قریہ ہے جس کا نام صریا
ہے۔ آپ وہاں پیدا ہوئے ہیں۔ (ارشاد ص ۲۹۳)

آپ کا اسم گرامی علی، آپ کے والد ماجد حضرت امام
محمد تقی علیہ السلام نے رکھا، اسے یوں سمجھنا چاہیے
کہ سرور کائنات نے جو اپنے بارہ جانشین اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں معین فرمائے تھے۔
ان میں سے ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ کے والد ماجد نے اسی معین اسم سے موسوم کر
دیا۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ چار دہ معصومین کے اسماء لوح محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ سرور کائنات

نے اسی کے مطابق سب کے نام معین فرمائے ہیں اور ہر ایک کے والد نے اسی کی روشنی میں اپنے فرزند کو مومن کیا ہے۔ (اعلام الوری ص ۲۲۵) کتاب کشف الغطاء میں ہے کہ آنحضرت نے سب کے نام حضرت عائشہ کو لکھوا دیئے تھے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن تھی۔ آپ کے القاب بہت کثیر ہیں جن میں نقی، صالح، متوکل، تقی اور عسکری زیادہ مشہور ہیں۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۲، نور الابصار ص ۱۲۹، مطالب السؤل ص ۲۹۱)۔

آپ جب ۲۱۴ھ میں پیدا ہوئے تو اُس وقت بادشاہ وقت

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

عباسی تھا۔ ۲۱۵ھ میں مامون رشید نے انتقال کیا اور مختصم خلیفہ ہوا (الوافدار) ۲۲۴ھ میں واثق ابن مختصم خلیفہ بنایا گیا (الوافدار) ۲۳۲ھ میں واثق کا انتقال ہوا۔ اور متوکل عباسی خلیفہ مقرر کیا گیا۔ (الوافدار) پھر ۲۴۳ھ میں منتصر بن متوکل اور ۲۴۸ھ میں مستعین اور ۲۵۲ھ میں زبیر ابن متوکل المنکبی یہ "معزز باللہ" علی الترتیب خلیفہ بنائے گئے (الوافدار دوم ص ۱۱۱)۔ ۲۵۴ھ میں معتز کے زہر دینے سے امام علی نقی علیہ السلام شہید ہوئے۔ (تذکرۃ المحققین)

حضرت امام محمد تقیؑ کا سفر بغداد اور حضرت ایام علی نقیؑ کی ولی عہدی

مامون رشید کے انتقال کے بعد جب مختصم باللہ خلیفہ ہوا تو اُس نے بھی اپنے آبائی گروا کو بلوایا اور خانقانی رویہ کا اتباع کیا۔ اُس کے دل میں بھی آل محمد کی طرف سے وہی جذبات ابھرے جو اُس کے آباؤ اجداد کے دلوں میں ابھر چکے تھے، اُس نے بھی چاہا کہ آل محمد کی کوئی فرد سطح ارض پر باقی نہ رہے۔ چنانچہ اُس نے تخت نشین ہوتے ہی حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کو مدینہ سے بغداد طلب کر کے نظر بند کر دیا۔ امام محمد تقی علیہ السلام نے جو اپنے آباؤ اجداد کی طرح قیامت تک کے حالات سے واقف تھے۔ مدینہ سے چلتے وقت اپنے فرزند کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور وہ تمام تبرکات جو امام کے پاس ہو کرتے ہیں۔ آپ نے امام علی نقی علیہ السلام کے پیر و کر دیئے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر آپ ۹ محرم الحرام ۲۲۲ھ کو وارد بغداد ہوئے۔ بغداد میں آپ کو ایک سال بھی نہ گزارا تھا کہ مختصم عباسی نے آپ کو بتاریخ ۲۹ ذی قعد ۲۲۲ھ زہر سے شہید کر دیا۔ (نور الابصار ص ۱۲۴)۔

اصول کافی میں ہے کہ جب امام محمد تقی علیہ السلام کو پہلی بار مدینہ سے بغداد طلب کیا گیا تو راوی خبر اسماعیل بن مہران نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی مولا، آپ کو بلانے والا دشمن آل محمد ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بے امام ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم کو علم سے تم گھبرائے نہیں اس سفر میں ایسا نہ ہوگا۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ جب دوبارہ آپ کو مختصم نے بلایا تو پھر میں حاضر ہو کر

عرض پرواز ہوا کہ مولایہ سفر کیسا رہے گا۔ اس سوال کا جواب آپ نے آنسوؤں کے تار سے دیا اور
 باجی شرم گما کہ اے اسماعیل میرے بعد علی نقی کو اپنا امام جاننا اور صبر و ضبط سے کام لینا۔
 (تذکرۃ المحصنین ص ۲۱۷)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کا علم لدنی

بچپن کا ایک واقعہ

یہ ہمارے مسلمات سے ہے کہ ہمارے آئمہ کو علم لدنی ہوتا ہے۔ یہ
 خدا کی بارگاہ سے علم و حکمت لے کر کامل اور مکمل دنیا میں تشریف
 لاتے رہے ہیں۔ انہیں کسی سے علم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور انہوں نے کسی دنیا والے
 کے سامنے زانوئے ادب نہ نہیں فرمایا۔ "ذاتی علم و حکمت کے علاوہ مزید شرف کمال کی تحصیل اپنے
 آباؤ اجداد سے کرتے رہے یہی وجہ ہے کہ انتہائی کمسنی میں بھی یہ دنیا کے بڑے بڑے عالموں کو
 علمی شکست دینے میں ہمیشہ کامیاب رہے اور جب کسی نے اپنے کو ان کی کسی فرد سے مافوق سمجھا
 تو وہ ذلیل ہو کر رہ گیا، یا پھر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ علامہ مسعودی کا بیان ہے کہ حضرت امام
 محمد تقی علیہ السلام کی وفات کے بعد امام علی نقی علیہ السلام جن کی اُس وقت عمر ۷-۶ سال کی تھی
 مدینہ میں مرجع خلافت بن گئے تھے، یہ دیکھ کر وہ لوگ جو آل محمد سے دلی دشمنی رکھتے تھے یہ سوچنے
 پر مجبور ہو گئے کہ کسی طرح ان کی مرکزیت کو ختم کیا جائے اور کوئی ایسا معلم ان کے ساتھ لگا دیا
 جائے جو انہیں تعلیم بھی دے اور ان کی اپنے اصول پر تربیت کرنے کے ساتھ ان کے پاس
 لوگوں کے پہنچنے کا سدباب کرے، یہ لوگ اسی خیال میں تھے کہ عمر بن فرج رجبی فراعنت حج کے
 بعد مدینہ پہنچا۔ لوگوں نے اُس سے عرض مدعا کیا۔ بالآخر حکومت کے دباؤ سے ایسا انتظام ہو
 گیا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو تعلیم دینے کے لیے عراق کا سب سے بڑا عالم، ادیب
 عبید اللہ جنیدی معقول مشاہرہ پر لگایا گیا۔ یہ جنیدی آل محمد کی دشمنی میں خاص شہرت رکھتا تھا۔
 الغرض جنیدی کے پاس حکومت نے امام علی نقی علیہ السلام کو رکھ دیا اور جنیدی کو خاص طور پر
 اس امر کی ہدایت کر دی کہ ان کے پاس روافض نہ پہنچنے پائیں۔ جنیدی نے آپ کو قصر صراہ میں
 اپنے پاس رکھا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب رات ہوتی تھی تو دروازہ بند کر دیا جاتا تھا اور دن میں بھی شیوں
 کے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اس طرح آپ کے ماننے والوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور آپ کا
 فیض جاری بند ہو گیا۔ لوگ آپ کی زیارت اور آپ سے استفادہ سے محروم ہو گئے۔ راوی کا بیان
 ہے کہ میں نے ایک دن جنیدی سے کہا۔ غلام ہاشمی کا کیا حال ہے۔ اُس نے نہایت بُری صورت
 بنا کر کہا۔ انہیں غلام ہاشمی نہ کہو، وہ ریلے ہاشمی ہیں، خدا کی قسم وہ اس کمسنی میں مجھ سے کہیں

زیادہ علم رکھتے ہیں۔ ”سنو“ میں اپنی پوری کوشش کے بعد جب ادب کا کوئی باب اُن کے سامنے پیش کرتا ہوں تو وہ اُس کے متعلق ایسے ابواب کھول دیتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔ ”یظننا الناس انی اعلمن واننا والله اعلم منه“ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ میں اُنھیں تعلیم دے رہا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم میں اُن سے تعلیم حاصل کر رہا ہوں۔ میرے بس میں یہ نہیں کہیں اُنھیں پڑھا سکوں ”هَذَا وَاللّٰهُ خَيْرٌ اَهْلُ الْاَرْضِ وَاَفْضَلُ مِنْ بِنَا اللّٰهِ“ خدا کی قسم وہ حافظِ قرآن ہی نہیں۔ وہ اُس کی تاویل و تفسیر کو بھی جانتے ہیں اور مختصر یہ ہے کہ وہ زمین پر بسنے والوں میں سب سے بہتر اور کائنات میں سب سے افضل ہیں۔ (اثبات الوصیت و مدعا سابقہ ص ۱۲۱)۔

حضرت امام علی نقیؑ کے کرامات اور آپ کا علم باطن

امام علی نقی علیہ السلام تقریباً ۲۹ سال مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ آپ نے اس مدتِ عمر میں کئی بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ تقریباً ہر ایک نے آپ کی طرف رُخ کرنے سے احتراز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ امورِ امامت کو انجام دینے میں کامیاب رہے۔ یعنی تبلیغِ دین اور تحفظِ بنائے مذہب اور رہبری ہوا خواہاں میں فائز المرام رہے۔ آپ چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح علم باطن اور علم غیب بھی رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ اپنے مانتے والوں کو ہونے والے واقعات سے باخبر فرما دیا کرتے تھے۔ اور سچی فرماتے تھے کہ حتی الوسع مقدورات کے علاوہ کوئی گزند نہ پہنچے پائے اس سلسلہ میں آپ کے کرامات بے شمار ہیں جن میں سے ہم اس مقام پر کتاب کشف الغمہ سے چند کرامات تحریر کرتے ہیں۔

۱) محمد بن فرج رحجی کا بیان ہے کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے تحریر فرمایا کہ تم اپنے تمام امور و معاملات کو راست اور نظام خانہ کو درست کر لو اور اپنے اسلحوں کو سنبھال لو۔ میں نے اُن کے حکم کے بموجب تمام درست کر لیا۔ لیکن یہ نہ سمجھ سکا کہ یہ حکم آپ نے کیوں دیا ہے لیکن چند دنوں کے بعد مصر کی پولیس میرے یہاں آئی اور مجھے گرفتار کر کے لے گئی اور میرے پاس جو کچھ تھا سب لے لیا اور مجھے قید خانہ میں بند کر دیا۔ میں آٹھ سال اس قید خانہ میں پڑا رہا۔ ایک دن امام علیہ السلام کا خط پہنچا، جس میں مرقوم تھا کہ اے محمد بن فرج، تم اُس ناجید کی طرف نہ جانا جو مغرب کی طرف واقع ہے۔ خط پاتے ہی میری حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ میں سوچتا رہا کہ میں تو قید خانہ میں ہوں۔ میرا تو ادھر جانا ممکن ہی نہیں۔ پھر امام نے کیوں یہ کچھ تحریر فرمایا۔ آپ کے خط آنے کو ابھی دو چار ہی یوم گزرے تھے کہ میری رہائی کا حکم آ گیا اور میں اُن کے حسبِ الحکم مقام ممنوع کی طرف نہیں گیا۔ قید خانہ سے رہائی کے بعد میں نے امام علیہ السلام

کو لکھا کہ حضور میں قید سے چھوٹ کر گھر آیا ہوں، اب آپ خدا سے دعا فرمائیں کہ میرا مال مغضوبہ واپس کرادے۔ آپ نے اُس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ عنقریب تمہارا سارا مال تمہیں واپس مل جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲) ایک دن امام علی نقی علیہ السلام اور علی بن حصیب نامی شخص دونوں ساتھ ہی راستہ چل رہے تھے۔ علی بن حصیب آپ سے چند گام آگے بڑھ کر بولے۔ آپ بھی قدم بڑھا کر جلد آجائیے حضرت نے فرمایا کہ اے ابن حصیب ”تمہیں پہلے جانا ہے“ تم مجھ سے آگے اس واقعہ کے چار یوم بعد ابن حصیب فوت ہو گئے۔

(۳) ایک شخص محمد بن فضل بغدادی نامی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میرے پاس ایک دکان ہے میں اُسے بیچنا چاہتا ہوں۔ آپ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔ جواب نہ ملنے پر مجھے افسوس ہوا۔ لیکن جب میں بغداد واپس پہنچا تو وہ آگ لگ جانے کی وجہ سے جل چکی تھی۔ (۴) ایک شخص ابو الیوب نامی نے امام علیہ السلام کو لکھا کہ میری زوجہ حاملہ ہے، آپ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے فرمایا انشاء اللہ اُس کے لڑکا ہی پیدا ہوگا اور جب پیدا ہو تو اُس کا نام محمد رکھنا۔ چنانچہ لڑکا ہی پیدا ہوا، اور اس کا نام محمد رکھا گیا۔

(۵) یحییٰ بن زکریا کا بیان ہے کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام کو لکھا کہ میری بیوی حاملہ ہے۔ آپ دعا فرمائیے کہ لڑکا پیدا ہو۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بعض لڑکیاں لڑکوں سے بہتر ہوتی ہیں، چنانچہ لڑکی پیدا ہوئی۔

(۶) ابو ہاشم کا بیان ہے کہ میں ۲۲ حجرات میں ایک دن حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا

عہد واثق کا ایک واقعہ

کہ کسی نے آکر کہا کہ ترکوں کی فوج گذر رہی ہے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابو ہاشم چلو ان سے ملاقات کریں۔ میں حضرت کے ہمراہ ہو کر لشکریوں تک پہنچا۔ حضرت نے ایک غلام ترکی سے اس کی زبان میں گفتگو شروع فرمائی اور دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس ترکی سپاہی نے آپ کے قدموں کا بوسہ دیا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ وہ کونسی چیز ہے جس نے تجھے امام کا گرویدہ بنا دیا ہے۔ اُس نے کہا امام نے مجھے اُس نام سے پکارا جس کا جانتے والا میرے باپ کے علاوہ کوئی نہ تھا۔

(۷) ابو ہاشم کہتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے ہندی زبان میں گفتگو کی جس کا میں جواب

ہتر زبانوں کی تعلیم

نہ دے سکا تو آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ابھی ابھی تمام زبانوں کا جانتے والا بنا دیتا ہوں۔

یہ کہہ کر آپ نے ایک سنگریزہ اٹھایا اور اُسے اپنے منہ میں رکھ لیا اُس کے بعد اُس سنگریزہ کو مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ اسے چوسو، میں نے منہ میں رکھ کر اُسے اچھی طرح چوسا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں تہمت زبانون کا عالم بن گیا۔ جن میں ہندی بھی شامل تھی۔ اس کے بعد ت پھر مجھے کسی زبان کے سمجھنے اور بولنے میں دقت نہ ہوئی ص ۱۲۲ تا ص ۱۲۵۔

(۸) آئینہ ظاہرین کے اولوالامر ہونے پر قرآن مجید کی نص صریح موجود ہے۔ ان کے ہاتھوں اور زبان میں خداوند عالم نے یہ طاقت دی ہے کہ وہ جو کہیں، ہو جائے۔

امام علی نقیؑ کے ہاتھوں میں ریت کی قلب ماہیت

جو ارادہ کریں اُس کی تکمیل ہو جائے۔ جو حکم دیں اُس کی تکمیل ہو جائے ابو ہاشم کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں اپنی تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا بڑی معمولی بات ہے تمہاری تکلیف دور ہو جائے گی۔ اُس کے بعد آپ نے ریل یعنی ریت کی ایک ٹھٹی زمین سے اٹھا کر میرے دامن میں ڈال دی اور فرمایا اسے غور سے دیکھو اور اسے فروخت کر کے کام نکالو۔ ابو ہاشم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب میں نے اُسے دیکھا تو وہ بہترین سونا تھا، میں نے اُسے بازار لے جا کر فروخت کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۹)۔

(۹) حضرت ثقتہ الاسلام علامہ کلینی اصول کافی میں لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا۔ اسم اللہ الاعظم ۴۴

امام علی نقیؑ اور اسم اعظم

حروف میں ان میں سے صرف ایک حرف بر خیا وصی سلیمان کو دیا گیا تھا جس کے ذریعہ سے انھوں نے چشم زدن میں ملک سب سے تخت بلقیس منگوا لیا تھا۔ اور اس منگوانے میں ہوا یہ تھا کہ زمین سمٹ کر تخت کو قریب لے آئی تھی، اُسے نوقلی (راوی) خداوند عالم نے ہمیں اسم اعظم کے بہتر حروف دئیے ہیں اور اپنے لیے صرف ایک حرف محفوظ رکھا ہے جو علم غیب سے متعلق ہے مسعودی کا کہنا ہے کہ اس کے بعد امام نے فرمایا کہ خداوند عالم نے اپنی قدرت اور اپنے اذن و علم سے ہمیں وہ چیزیں عطا کی ہیں جو حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ امام جو چاہیں کر سکتے ہیں، اُن کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔ (اصول کافی۔ مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۵ و ۱۱۶ ساکھ ص ۱۲۶)۔

(۱۰) شیخ ابو جعفر طوسی کتاب مصباح میں لکھتے ہیں کہ اسحاق بن عبد اللہ علوی

امام علی نقیؑ اور سال کے چار اہم روزے

علی نقی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں بمقام صریا (میرٹھ) حاضر ہوئے۔ امام علیہ السلام نے انھیں دیکھ کر فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے باپ اور تمہارے تمام چچا کے درمیان یہ امر زیر

بحث ہے کہ سال کے وہ کونسے روزے ہیں جن کا رکھنا بہت زیادہ ثواب رکھتا ہے اور تم اسی کے متعلق مجھ سے سوال کرنے آئے ہو۔ اُس نے کہا اے مولائیں یہی بات ہے۔ آپ نے فرمایا سنو وہ چار روزے ہیں جن کے رکھنے کی تاکید ہے (۱) یوم ولادت حضرت پیغمبر اسلام، اربعین الاول (۲) یوم بعثت و معراج، ۲۷ رجب المرجب (۳) یوم وحوالارض یعنی جس دن کعبہ کے نیچے سے زمین بچھائی گئی اور سفینہ بلوچ کوہِ جودی پر بٹھرا جس کی تاریخ ۲۵ ذی قعدہ ہے۔ (۴) یوم الخدیج یعنی جس دن حضرت رسول خدا صلعم نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنے جانشین ہونے کا اعلان عام فرمایا جس کی تاریخ ۱۸ ذوالحجہ ہے۔ اے عریضی جو ان دنوں میں سے کسی دن بھی روزہ رکھے۔ اُس کے ساٹھ اور ستر سالہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ (کتاب مناقب جلد ۵ ص ۱۲۳ و دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۱۲۳)۔

(۱۱) یہ مانی ہوئی بات ہے کہ محمد و آل محمد اُن تمام امور سے واقف ہوتے ہیں جن سے عوام اُس وقت تک باخبر نہیں ہوتے جب تک وہ منظر عام

امام علی نقی علیہ السلام اور
متوکل کی تخت نشینی

پر نہ آجائیں۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ واقع کا ایک منہ چڑھا رفیق اساطلی ایک دن عراق سے مدینہ منورہ پہنچا، اور وہاں جا کر امام علی نقی علیہ السلام سے ملا، آپ نے خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا کہ واقعہ بابت غلیفہ وقت کا کیا حال ہے۔ اُس نے کہا میں نے اُسے بہ سلامت چھوڑا ہے اور وہ بالکل خیریت ہے۔ میں اُسی کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ فوت ہو گیا ہے۔ یہ سُن کر اساطلی نے سکوت اختیار کیا اور سمجھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا ہے بعلم امامت فرمایا ہے، ہو سکتا ہے کہ درست ہو۔ پھر آپ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ ابن الزیات کس حال میں ہے۔ اُس نے عرض کی کہ وہ بھی اچھا خاصا ہے۔ بالکل خیریت سے ہے۔ اس وقت اُسی کا طوطی بوتا ہے۔ اور اسی کا حکم چلتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے اساطلی سنو، حکم خدا کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور قلم قدرت کو کوئی نہیں روک سکتا۔ مات الواثق و جلس جعفر المتوکل و اُتق کا انتقال ہو گیا ہے اور متوکل تخت نشین خلافت ہو گیا ہے۔ "وقتل ابن الزیات اور ابن زیات قتل کر دیا گیا ہے۔ اساطلی نے چونک کر پوچھا، یا حضرت یہ سب کب ہو گیا میں تو سب کو خیریت و عافیت میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا تمہارے عراق سے نکلنے کے چھ یوم بعد یہ انقلاب آیا ہے۔ اس کے بعد اساطلی آپ سے رخصت ہو کر شہر میں کسی مقام پر جا بٹھرا۔ چند دنوں کے بعد متوکل کا نام مدینہ پہنچا تو بالکل انھیں حالات کا انکشاف ہوا جن کی خبر امام زمانہ دے چکے تھے۔ (نور الابصار جلد ۱ ص ۱۲۹ طبع مصر) مؤرخ ابن الوردی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ

واقفہ ۲۲۱ھ کا ہے۔ تاریخ اسلام مسطر ذاکر حسین میں ہے کہ ابن الزیات وزیر تھا۔ اُس کے قتل ہوتے ہی متوکل نے اپنا وزیر فتح ابن خاقان کو بنایا جو بہت ذہین و ذکی تھا۔ (فہرست ابن ندیم ص ۱۷۱)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور صحیفہ کاملہ کی ایک دعا

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے ایک صحابی و سبع بن حمزہ قمی نے آپ کو تحریر کیا کہ مولا مجھے خلیفہ مقتضی کے وزیر سے بہت ڈکھ پہنچ رہا ہے۔ مجھے اس کا بھی اندیشہ ہے کہ کس وہ میری جان نہ لے لے۔ حضرت نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اور دعائے "صحیفہ کاملہ" یا من تحل بہ عقدا لکارہ الخ پڑھو مصیبت سے نجات پا جاؤ گے۔

یسع بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں نے امام کے حسب الحکم نماز صبح کے بعد اس دعا کی تلاوت کی جس کا پہلے ہی دن یہ نتیجہ نکلا کہ وزیر خود میرے پاس آیا مجھے اپنے ہمراہ لے گیا اور باس فائزہ پہنا کر مجھے بادشاہ کے پہلو میں بٹھا دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام کے آباؤ اجداد کی قبروں کے ساتھ متوکل عباسی کا سلوک

حضرت امام علی نقی علیہ السلام مدینہ ہی میں تھے کہ ذی الحجہ ۲۲۲ھ میں ابوالفضل جعفر متوکل عباسی تخت خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اس نے وہ حرکتیں شروع کیں جنہوں نے زار دمشق یزید کو بھی شرمادیا۔ مورخین کی نگاہ میں متوکل عباسی کو وہی درجہ حاصل ہے۔ جو بنی امیہ میں یزید کو حاصل تھا۔ یہ دونوں اپنے ذاتی کردار کے علاوہ جو کچھ آل محمد کے ساتھ کرتے رہے اُس سے تاریخ اسلام سخت شرمندہ ہے۔ متوکل کے متعلق مورخ ابن اثیر لکھتا ہے کہ یہ علی بن ابی طالب اور اُن کے اہل بیت سے سخت بغض رکھتا تھا۔ دیمیری کا کہنا ہے کہ متوکل حضرت علیؑ سے بغض شدید رکھتا تھا اور اُن کی منقصدت کیا کرتا تھا۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ متوکل نے شاعر ابن سبکت کو اس حرم میں کہ اُس نے متوکل کے اس سوال کے جواب میں کہ میرے بچے معتز اور موید بہتر ہیں یا علیؑ کے بیٹے حسن حسین۔ یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹوں کو میں حسنین کے غلام قبر کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔ متوکل نے اُن کی زبان گدی سے کھینچوالی تھی، متوکل کی زندگی کا ایک بدترین اور سیاہ کارنامہ آل محمد کی قبروں کا مسمار کرنا ہے۔ اس کے عام حالات یہ ہیں۔ یہ بڑا ظالم، دائم الخمر اور عیاش بادشاہ تھا۔ اس کی چار ہزار کنیزیں تھیں۔ ان سب سے مجامعت کر چکا تھا۔ اس کے دربار میں ہزل اور سخنیں بہت ہوتا تھا، جو سخن میں بڑھ کر ہوتا وہی اس کا زیادہ مقرب ہوتا تھا۔ وہ مصل بزم میں مصاحبوں اور ندیموں کے ساتھ تکلیف دہ خوش طبعیان کرتا تھا کبھی مجلس میں شیر کو

چھوڑا دیتا۔ کبھی کسی کی آستین میں سانپ چھوڑ دیتا تھا۔ جب وہ کاٹھا تو تریاق سے مداوا کرتا کبھی
 مشکوں میں پتھو بھرا کر انھیں مجلس میں لٹوڑا دیتا۔ وہ مجلس میں پھیل جاتے کسی کو حرکت کرنے کا
 یارا نہ ہوتا۔ اُس نے ایک فرمان کی رو سے مذہب معتزلہ کو خلاف حکومت قرار دیا تھا۔ معتزلیوں
 کو سرکاری عہدوں سے معزول کر دیا تھا۔ علی اور اولادِ علی سے دشمنی رکھتا تھا۔ سیوطی لکھتا ہے
 کہ متوکل ناصبی تھا۔ علی اور اولادِ علی کا سخت دشمن تھا۔ صاحب گلزار شاہی لکھتے ہیں کہ اس
 کے وقت میں۔ سادات بے چارے مصیبت کے مارے جلا وطن ہو گئے۔ کربلا کے روضے جو
 عمر بن عبدالعزیز نے بنوائے تھے اور اُن کے گرد کے مکانات اُس نے مسمار کروا دیے اور
 لوگوں کو زیارت سے منع کیا۔ صاحب حبیب السیر لکھتے ہیں کہ ۲۳۶ھ حج میں متوکل نے حکم دیا کہ
 کوئی مزارِ جدید نہ کرے اور اُن کی اولاد... کی زیارت کو نہ جایا کرے اور حکم دیا کہ امام حسینؑ اور
 شہدا کربلا کے روضے ہموار کر کے اُن پر زراعت کے لیے پانی چھوڑ دیں اور تاریخِ گزیدہ اور
 تاریخِ کامل میں ہے کہ متوکل نے حکم دیا کہ امام حسینؑ کے مزار اور اس کے گرد کے مکانات وغیرہ
 منہدم کر کے وہاں زراعت کی جائے اور لوگوں کو اُس مقام میں جانے کی ممانعت کر کے یہ منادی
 کرائی کہ جو شخص وہاں دکھائی دے گا وہ قید کیا جائے گا۔ تو تاریخ میں ہے کہ ہر چند فرمان بروں نے
 کوشش کی مگر پانی امام اور تمام شہدارِ عسرتِ ظاہرہ کی قبروں پر جاری نہ ہوا جس سے خلعت کو
 سخت جرت ہوئی اور اُس وقت سے اور اسی سبب سے اُس مشہد مقدس کو حاکم کہنے لگے۔
 متوکل کی اس حرکت سے مسلمانوں کو سخت صدمہ ہوا۔ اہل بغداد نے مسجدوں اور گھروں کی دیواروں
 پر اُسے گالیاں لکھیں اور تجویزیں اشعار کہے۔ اس بے بنی فاطمہ سے بارغِ مذک بھی پھینک لیا تھا۔ غیر
 مسلموں کو عہدوں سے برطرف کر دیا تھا۔ نصاریٰ کو حکم دیا کہ گلے میں زنا نہ بانڈھیں گھوڑے
 پر سوار نہ ہوں۔ بلکہ گدھے اور چرپر سوار ہوں۔ اور رکاب میں کانٹے رکھیں... ۲۳۷ھ حج میں اُس
 نے تمام محدثین کو سامرہ میں جمع کیا اور انعام و اکرام دے کر حکم دیا کہ صفات و روایتِ معلقِ قرآن
 کے متعلق حدیثیں بیان کریں۔ چنانچہ اسی لیے ابو بکر ابن شیبہ کو جامع مسجدِ مصافحہ میں اور اُن
 کے بھائی "عثمان" کو جامع منصور میں مقرر کیا۔ ان دونوں کے وعظ میں ہر روز قریب ہزار آدمی
 کے جمع ہوتے تھے۔ سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل وہ پہلا خلیفہ ہے جس نے شافعی مذہب اختیار کیا۔
 متوکل کے زمانہ میں بڑی بڑی آفتیں نازل ہوئیں۔ بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں
 دھنس گئیں۔ آگیں لگیں۔ آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں۔ بادِ موسوم سے بہت سے آدمی اور
 جانور ہلاک ہوئے، آسمان سے مثل پٹیوں کے تارے ٹوٹے۔ دس دس رطل کے پتھر آسمان سے برسے
 (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۵)۔

مقام زخار میں ہے کہ متوکل چونکہ حضرت علیؑ سے دشمنی رکھتا تھا اس کا مستقل روئیہ یہ تھا کہ وہ ایسے لوگوں کو اپنے پاس جمع رکھتا تھا جو امیر المومنین سے بغض و عناد رکھتے تھے اور ان کی توہین میں سترت محسوس کرتے تھے۔ جیسے ابن جہم شاعر۔ عمر بن فرج ربی ابو الحظ ابن اترج ابو العبر، یہ لوگ متوکل کو ہمیشہ اولاد علی کے قتل کی طرف متوجہ کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے کہ اگر تو نے انھیں باقی رہنے دیا تو یہ ایک نہ ایک دن تیری سلطنت پر قبضہ کر لیں گے۔ ان لوگوں کے ہر وقت ابھارنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل کے دل میں آل محمدؑ کی دشمنی پوری طرح قائم ہو گئی۔

وہ چونکہ گانے والی عورتوں کا شائق تھا۔ لہذا اُس نے شراب پینے کے بعد ایک ایسی عورت کو طلب کیا جس سے وہ بہت زیادہ مانوس تھا۔ لوگوں نے کہا کہ دوسری عورتیں حاضر ہیں ان سے کام نکالا جائے، وہ آجائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب وہ تھوڑی دیر کے بعد پہنچی تو بادشاہ نے پوچھا کہاں گئی تھی، اُس نے کہا میں حج کو گئی تھی۔ متوکل نے کہا ماہ شعبان میں کون حج کرتا ہے۔ سچ بتا، اس نے جواب دیا حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لیے چند عورتوں کے ہمراہ چلی گئی تھی یہ سن کر متوکل بہت غضبناک ہوا اور اُسے قید کر دیا۔ اس کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور لوگوں کو زیارت کر بلا سے روک دیا اور تین روز کے بعد منادی کرا دی کہ جو شخص حسینؑ کی زیارت کو جائے گا قید کیا جائے گا۔ اور ہر طرف ایک ایک میل کے فاصلہ سے پہرے بٹھادے کہ جو شخص زیارت کو جاتا ہوا پایا جائے، فوراً قید میں بھیج دیا جائے۔ پھر ایک نو مسلم یہودی جس کا نام فریح تھا کو حکم دیا کہ بلا جا کر "حسین" کی قبر کا نشان مٹا دے۔ اور اُس جگہ کو جو توڑا کروہاں کھیت بنوا دے۔ اور "فریح" کو کسی طرف پھینکو اوسے۔ حکم پاتے ہی نو مسلم یہودی جسے اسلام اور اسلام کے بانیوں کا صحیح تعارف بھی نہ تھا تعمیل کے لیے روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر دو سو مجرب زمین اُس نے جتوا ڈالی۔ جب قبر منور امام حسینؑ کو جوتنے کے لیے آگے بڑھا، نو مسلمانوں نے تعمیل حکم سے انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ فرزند رسولؐ ہیں اور شہید ہیں۔ قرآن مجید انھیں زندہ بتاتا ہے ہم ہرگز ایسی ناجائز حرکت نہیں کر سکتے۔ یہ سن کر ویرج نے یہودیوں سے مدد لی، مگر کامیاب نہ ہوا۔ اُس کے بعد نہر کاٹ کر قبر منور کو زیر آب کرنا چاہا۔ پانی نہر سے چل کر جب قبر کے قریب پہنچا تو اُس پر روانہ نہ ہوا۔ بلکہ اس کے ارد گرد جاری ہو گیا۔ قبر مبارک خشک ہی رہی۔ اس یہودی نے بڑی کوشش کی، لیکن کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ وہ زمین جہاں تک پانی پھیلا ہوا تھا اُسے حائر کہتے ہیں۔ کتاب تصویر عرب میں بجا کہ کتاب سرانمر قوم ہے کہ اس زمین کو حائر اس سبب سے کہتے ہیں کہ لغت عرب میں حائر کے معنی زمین پست کے ہیں۔ اس جگہ بہتا ہوا پانی پہنچ کر ساکن اور حیران ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بہنے کا رستہ نہیں پاتا۔ شیخ شہید علیہ الرحمۃ کا کہنا ہے کہ زمانہ متوکل میں

چونکہ آپ کی قبر کے نشان کو مٹانے کے لیے پانی جاری کیا گیا تھا اور وہاں پہنچ کر باعجار حسین جیلان رہ گیا تھا اور اُس پر جاری نہیں ہو سکا۔ اس لیے اس مقام کو جس میں پانی ٹھہرا ہوا تھا۔ "حائر" کہتے ہیں۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتا ہے کہ یہ واقعہ انہدامِ قبرِ امام حسینؑ ۲۲ھ میں ہوا ہے اُس نے حکم دیا تھا کہ امام حسینؑ کی قبر ڈھادی جائے اور نشانِ قبر مٹا دیا جائے اور اُن کے مزار کے ارد گرد جتنے مسکنات ہیں انھیں بھی مسمار کر کے اُس مقام کو ایک صحرا کی شکل دے دی جائے۔ اور وہاں پر کھیتی کی جائے اور لوگوں کو زیارتِ امام حسینؑ سے قطعاً روک دیا جائے۔ اس کے بعد سیوطی لکھتا ہے کہ متوکل بڑا ناہنجس تھا۔ اُس کے اس فعل سے مسلمانوں میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور لوگوں نے اُس کی ججوں کی اور دیواروں پر اس کے لیے گالیاں لکھیں یہی کچھ حبیب السیر تاریخ اسلام، تاریخ کامل، جلال العیون، مقام زخار۔ امالی شیخ طوسی وغیرہ میں ہے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ اس موقع پر جن بہت سے شعراء نے اشعار لکھے۔ اُن میں ایک شاعر نے کئی شعر کہے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) خدا کی قسم نبی امیہ نے اپنے نبی کے نواسہ کو کر بلا میں بھوکا اور پیاسا ظلم و جور کے ساتھ قتل کر دیا۔ (۲) تو بنی عباس جو رسول کے چچا کی اولاد ہیں انھوں نے بھی اُن ظلم میں کمی نہیں کی اور اُن کی قبر کھدوا کر اسی قسم کے ظلم کا ارتکاب کیا ہے (۳) بنی عباس کو اس قسم کا صدمہ تھا کہ وہ قتلِ حسینؑ میں شریک نہ ہو سکے، تو انھوں نے اس صدمہ کی آگ کو بٹھانے کے لیے حضرت کی ہڈیوں پر دھاوا بول دیا (تاریخ الخلفاء ص ۲۳۶)۔

امالی شیخ طوسی میں ہے کہ متوکل کا فرستادہ جب زیارت سے منع کرنے کے لیے کر بلا پہنچا تو وہاں کے لوگوں نے نیا ترہنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ اگر متوکل ہم سب کو قتل کر دے تب ہی یہ سلسلہ بند ہو سکتا ہے۔ اُس نے واپس جا کر متوکل سے واقعہ بیان کیا تو متوکل ۲۳۶ھ تک کے لیے خاموش ہو گیا۔

تواریخ میں ہے کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق امیر فوج نے کر بلا والوں کو زیارتِ امام حسینؑ کرنے سے روکنا چاہا تو اُن لوگوں نے فوج سے مرعوب ہونے کے بجائے مقابلہ کا پروگرام بنایا، اور اپنی جانوں پر کھیل کر اطراف و جوانب سے دس ہزار افراد جمع کر لیے اور سرکاری فوج کے بالمقابل آکر کہا کہ اگر متوکل ہم میں سے ایک ایک کو قتل کر ڈالے تب بھی یہ سلسلہ بند نہ ہوگا۔ ہماری اولادیں ہماری نسلیں مسلسل اس سنتِ زیارت کو ادا کریں گی۔ سنو ہمارے آباؤ اجداد تمہی کرتے چلے آئے جو ہم کر رہے ہیں اور ہمارے اہل و عیال وہی کریں گے جو ہم کر رہے ہیں، بہتر ہوگا کہ تم ہمیں باز رکھنے کی کوشش نہ کرو اور متوکل سے کہہ دو کہ وہ شراب کے نشتر میں ایسی حرکتیں نہ کرے اور اپنے فیصلہ پر

نظر ثانی کر کے حکم واپس لے لے۔ امیر فرج واپس گیا اور اُس نے ساری داستان متوکل کے سامنے دُھرا دی۔ متوکل چونکہ اُن دنوں سامرہ کی تکمیل میں مشغول تھا۔ اس نے منصور ووافقی کی طرح تقریباً دس سال خاموش رہا۔ یعنی منصور ووافقی جو تعمیر بغداد کی وجہ سے دس سال تک امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہو سکا تھا۔ متوکل بھی سامرہ کی وجہ سے تقریباً اتنی ہی مدت کے لیے خاموش ہو گیا۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ سامرہ ایک زبردست شہر ہے جو دجلہ کے مشرق میں تکریت اور بغداد کے درمیان واقع ہے۔ اس کی بنیاد ۲۲۱ھ حج میں مختصم عباسی نے ڈال تھی اور دلوں اس کی تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔ (نورالابصار ص ۱۲۹ و تاریخ قرمانی قلمی)۔

حکومت کی طرف سے امام علی نقی کی مدینہ سے سامرہ میں طلبی

راستہ کا ایک اہم واقعہ

متوکل ۲۳۱ھ حج میں خلیفہ ہوا۔ اور اُس نے ۲۳۶ھ حج میں امام حسین علیہ السلام کی قبر کے ساتھ پہلی بار بے ادبی کی، لیکن اس میں پوری کامیابی نہ حاصل ہونے پر اپنے قطری بغض کی وجہ سے جو آل محمد کے ساتھ تھا، وہ حضرت علی نقی علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا۔ متوکل ۲۳۷ھ حج میں امام علی نقی کو کوشانے کی طرف متوجہ ہوا، اور اس نے حاکم مدینہ عبداللہ بن محمد کو خلیفہ حکم دے کر بھیجا کہ فرزند رسول امام علی نقی کو تانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ چنانچہ اس نے حکومت کے منشاء کے مطابق پوری توجہ اور پورے انہماک کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا۔ خود جس قدر تان سکا اُس نے ستایا اور آپ کے خلاف ریکارڈ کے لیے متوکل کو شکایات بھیجی شروع کیں۔ علامہ شبلنجی لکھتے ہیں کہ امام علی نقی علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ حاکم مدینہ نے آپ کے خلاف ریشہ دو انیاں شروع کر دی ہیں اور اس سلسلہ میں اس نے متوکل کو آپ کی شکایات بھیجی شروع کر دی ہیں تو آپ نے بھی ایک تفصیلی خط لکھا جس میں حاکم مدینہ کی بے اعتدالی اور ظلم آفرینی کا خاص طور سے ذکر کیا۔ متوکل نے آپ کا خط پڑھ کر آپ کو اس کے جواب میں لکھا کہ آپ ہمارے پاس چلے آئیے۔ اس میں حاکم مدینہ کے عمل کی معذرت بھی تھی، یعنی جو کچھ وہ کر رہا ہے اچھا نہیں کرتا۔ ہم اس کی طرف سے معذرت خواہ ہیں مطلب یہ تھا کہ اسی بہانے سے انہیں سامرہ بلالے۔ خط میں اس نے اتنا نرم لہجہ اختیار کیا تھا جو ایک بادشاہ کی طرف سے نہیں ہوا کرتا۔ یہ سب جیل سازی تھی اور عرض محض یہ تھی کہ آپ مدینہ چھوڑ کر سامرہ پہنچ جائیں۔ (نورالابصار ص ۱۲۹) علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ متوکل نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں آپ کی خاطر

سے عبد اللہ ابن محمد کو معزول کر کے اس کی جگہ پر محمد بن فضل کو مقرر کر رہا ہوں (جلال العیون ص ۲۹۲)۔
 علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ متوکل نے صرف یہی نہیں کیا کہ علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا ہو کہ آپ سامرہ چلے
 آئیے بلکہ اس نے تین سو کا لشکر بھیجی بن ہرثمہ کی قیادت میں مدینہ بھیج کر انھیں بلانا چاہا۔ یحییٰ بن ہرثمہ
 کا بیان ہے کہ میں حکم متوکل پا کر امام علیہ السلام کو لانے کے لیے بہ ارادہ مدینہ متورہ روانہ ہو گیا۔ میرے
 ہمراہ تین سو کا لشکر تھا اور اس میں ایک کاتب بھی تھا جو امامیہ مذہب رکھتا تھا۔ ہم لوگ اپنے راستہ
 پر جا رہے تھے اور اس سحی میں تھے کہ کسی طرح جلد سے جلد مدینہ پہنچ کر امام علیہ السلام کو لے آئیں
 اور متوکل کے سامنے پیش کریں۔ ہمارے ہمراہ جو ایک شیعہ کاتب تھا اس سے ایک لشکر کے
 افسر سے راستہ بھر مذہبی مناظرہ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ہم لوگ ایک عظیم الشان وادی میں پہنچے، جس
 کے ارد گرد میلوں کوئی آبادی نہ تھی۔ اور وہ ایسی جگہ تھی جہاں سے انسان کا مشکل سے گزرتا تھا
 بالکل جنگل اور بے آب و گیاہ صحرا تھا۔ جب ہمارا لشکر وہاں پہنچا تو اس افسر نے جس کا نام "شادی"
 تھا، اور جو کاتب سے مناظرہ کرنا چلا آ رہا تھا۔ کہنے لگا اے کاتب تمہارے امام حضرت علی کا یہ
 قول ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی وادی نہ ہوگی جس میں قبر نہ ہو یا عنقریب قبر نہ بن جائے۔ کاتب نے کہا
 بے شک ہمارے امام علیہ السلام غالب کل غالب کا یہی ارشاد ہے۔ اس نے کہا تاؤ اس زمین پر
 کس کی قبر ہے۔ یا کس کی قبر بن سکتی ہے۔ تمہارے امام یونہی کہہ دیا کرتے ہیں۔ ابن ہرثمہ کا کہنا ہے
 کہ میں چونکہ حسودی خیال کا تھا۔ لہذا جب یہ باتیں ہم نے سنیں تو ہم سب ہنس پڑے اور کاتب شرمندہ
 ہو گیا۔ عرض کر لشکر بڑھتا رہا اور اسی دن مدینہ پہنچ گیا۔ وارد مدینہ ہونے کے بعد میں نے متوکل کا خط
 امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا۔ امام علیہ السلام نے اسے ملاحظہ فرما کر لشکر پر نظر ڈالی اور
 سمجھ گئے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ آپ نے فرمایا اے ابن ہرثمہ چلنے کو تیار ہوں لیکن ایک دو روز کی
 مہلت ضروری ہے۔ میں نے عرض کی حضور "خوشی سے"۔ جب حکم ہو فرمائیں میں حاضر ہو جاؤں او
 روانگی ہو جائے۔ ابن ہرثمہ کا بیان ہے کہ امام علیہ السلام نے میرے سامنے ملازمین سے کہا کہ درزی
 بلا دو، اور اُس سے کہو کہ مجھے سامرہ جانا ہے۔ لہذا راستے کے لیے گرم کپڑے اور گرم ٹوپیاں جلد
 سے جلد تیار کر دو۔ یہی وہاں سے رخصت ہو کر اپنے قیام گاہ پر پہنچا اور راستے بھر یہ سوچتا رہا
 کہ امامیہ کیسے بیوقوف ہیں کہ ایک شخص کو امام مانتے ہیں جسے (معاذ اللہ) یہ تک تیز نہیں ہے کہ
 یہ گرمی کا زمانہ ہے یا جاڑے کا۔ اتنی شدید گرمی میں جاڑے کے کپڑے پہلو رہے ہیں اور اُسے ہمراہ
 لے جانا چاہتے ہیں۔ الغرض میں دوسرے دن ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ جاڑے کے بہت
 سے کپڑے سلے ہوئے رکھے ہیں اور آپ سامان سفر درست فرما رہے ہیں اور اپنے ملازمین سے کہتے
 جاتے ہیں دیکھو کلاہ بارانی اور برساتی وغیرہ رہنے نہ پائے۔ سب ساتھ میں بانہ دو۔ اس کے بعد مجھے

گرا اسے یحییٰ بن ہرثمہ جاؤ تم بھی اپنا سامان درست کرو تاکہ مناسب وقت میں روانگی ہو جائے۔ میں وہاں سے نہایت بد دل واپس آیا۔ دل میں سوچتا تھا کہ انھیں کیا ہو گیا ہے کہ اس شدید گرمی کے زمانہ میں سردی اور برسات کا سامان ہمراہ لے رہے ہیں اور مجھے بھی حکم دیتے ہیں کہ تم بھی اس قسم کے سامان ہمراہ لے لو۔ مختصر یہ کہ سامان سفر درست ہو گیا اور روانگی ہو گئی۔ میرا لشکر امام علیہ السلام کو گھیرے میں لیے ہوئے جا رہا تھا کہ ناگاہ اسی وادی میں جا پہنچے، جس کے متعلق کاتب امامیہ اور افسر شادی میں یہ گفتگو ہوئی تھی کہ یہاں پر کس کی قبر ہے یا ہوگی۔ اس وادی میں پہنچنا تھا کہ قیامت آگئی، بادل گر جنے لگے، بجلی چمکنے لگی اور دوپہر کے وقت اس قدر تاریکی چھائی کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا تھا، یہاں تک کہ بارش شروع ہوئی اور ایسی موسلا دار بارش ہوئی کہ عمر بھر نہ دیکھی تھی۔ امام علیہ السلام نے آسمان کے پیدا ہوتے ہی ملازمین کو حکم دیا کہ برساتی اور بارانی ٹوپیاں پہن لو اور ایک برساتی یحییٰ بن ہرثمہ اور ایک کاتب کو دوسے دو۔ غرض کہ خوب بارش ہوئی اور ہوا اتنی ٹھنڈی چلی کہ جان کے لالے پر گئے۔ جب بارش تھمی اور بادل چھٹنے تو میں نے دیکھا کہ ۸۰ افراد میری فوج کے ہلاک ہو گئے ہیں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے یحییٰ بن ہرثمہ اپنے مردوں کو دفن کرو اور یہ جان لو کہ "خدا سے تعالیٰ ہم چین پر می گرواندا بقاع را از قبور" اس طرح خداوند عالم ہر بقعہ ارض کو قبروں سے پر کرتا ہے۔ اسی لیے میرے جد نامداہ حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہ ہو گا جس میں قبر نہ بنی ہو۔ "یہ سن کر میں اپنے گھوڑے سے اتر پڑا، اور امام علیہ السلام کے قریب جا کر پابوس بچوا، اور ان کی خدمت میں عرض کی "مولانا میں آج آپ کے سامنے مسلمان ہوتا ہوں، یہ کہہ کر میں نے اس طرح کلمہ پڑھا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدا ورسولا وانکم خلفاء اللہ فی ارضنا اور یقین کر لیا کہ یہی حضرت خدا کی زمین پر علیضہ میں اور دل میں سوچنے لگا کہ اگر امام علیہ السلام نے جاڑے اور برسات کا سامان نہ لیا ہوتا اور اگر مجھے نہ دیا ہوتا تو میرا کیا حشر ہوتا۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر "عسکر" پہنچا اور آپ کی امامت کا قائل رہ کر زندہ رہا اور ساجیات آپ کے جد نامداہ کا کلمہ پڑھتا رہا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲) علامہ جامی اور علامہ شبلی نجفی لکھتے ہیں کہ دو سو سے زائد افراد آپ کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے سامرہ پہنچے۔ وہاں آپ کے قیام کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔ اور حکم تھا متوکل کا کہ انھیں فقیروں کے ٹھرانے کی جگہ اتارا جائے۔ چنانچہ آپ کو "خان الصعالیہ" میں اتارا گیا، وہ جگہ بدترین تھی وہاں شرفار نہیں جایا کرتے تھے۔ ایک دن صالح بن سجد نامی ایک شخص جو آپ کے ماننے والے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے "مولانا یہ لوگ آپ کی قدر و منزلت پر پروہ ڈالنے اور توڑ خد کو چھپانے کی کس قدر کوشش کرتے ہیں۔ کچا حضور کی ذات اقدس اور کجا یہ قیام گاہ" حضرت نے فرمایا اے صالح تم دل تنگ نہ ہو۔

میں اُس کی عزت افزائی کا خواہاں اور اُن کی کرم گستری کا جویاں نہیں ہوں۔ خداوندِ عالم نے اُلّیٰ محمدؐ کو جو درجہ دیا ہے اور جو مقام عطا فرمایا ہے اُسے کوئی پھین نہیں سکتا۔ اے صالح بن سعید میں تمہیں خوش کرنے کے لیے بتانا چاہتا ہوں کہ تم مجھے اس مقام پر دیکھ کر پریشان نہ ہو۔ خداوندِ عالم نے یہاں بھی میرے لیے بہشت جیسا بندوبست فرمایا ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے انگلی سے اشارہ کیا اور صالح کی نظر میں بہترین بارغ بہترین تصور اور بہترین نثریں وغیرہ نظر آنے لگیں۔ صالح کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر مجھے قدرے تسلی ہو گئی۔ (شواہد النبوت ص ۱۵۰ و نور الالبصار ص ۱۵۰)۔

امام علی نقی علیہ السلام کی نظر بندی

امام علی نقی علیہ السلام کو دھوکے سے بلانے کے بعد پہلے تو خان الصعالبک میں پھر اس کے بعد ایک دوسرے مقام میں آپ کو نظر بند کر دیا اور تاحیات اسی میں قید رکھا۔ امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ متوکل آپ کے ساتھ ظاہر واری ضرور کرتا تھا، لیکن آپ کا سخت دشمن تھا۔ اُس نے حیا سازی اور دھوکا بازی سے آپ کو بلایا۔ اور درپردہ ستانے اور تباہ کرنے اور مصیبتوں میں مبتلا کرنے کے درپے رہا۔ (نور الالبصار ص ۱۵۰)۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ متوکل نے آپ کو جبراً بلا کر سامرہ میں نظر بند کر دیا اور تازندگی باہر نہ نکلنے دیا۔ (صواعق محرقة ص ۱۲۲)۔

امام علی نقی علیہ السلام کا جذبہ ہمدردی

دیندہ سے سامرہ پہنچنے کے بعد بھی آپ کے پاس لوگوں کی آمد کا اتنا بندھا رہا۔ لوگ آپ سے فائدے اٹھاتے اور دینی اور دنیاوی امور میں آپ سے مدد چاہتے رہے۔ اور آپ حل مشکل میں اُن کے کام آتے رہے۔ علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ سامرہ پہنچنے کے بعد جب کہ آپ کی نظر بندی میں سختی اور شدت نہ تھی۔ ایک دن آپ سامرہ کے ایک قریب میں تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد ایک سائل آپ کے مکان پر آیا، اُسے یہ معلوم ہوا کہ آپ فلاں گاؤں میں تشریف لے گئے ہیں، وہ وہاں چلا گیا اور جا کر آپ سے ملا۔ آپ نے پوچھا کہ تو کیسے آئے ہو، تمہارا کیا کام ہے؟ اُس نے عرض کی مولا میں غریب آدمی ہوں، مجھ پر دس ہزار درہم قرض ہو گیا ہے اور اس کی ادائیگی کی کوئی سبیل نہیں، مولا خدا کے لیے مجھے اس بلا سے نجات دلائیے۔ حضرت نے فرمایا گھبراؤ نہیں، انشاء اللہ تمہارے قرضہ کی ادائیگی کا بندوبست ہو جائے گا۔ وہ سائل رات کو آپ کے ہمراہ مقیم رہا۔ صبح کے وقت آپ نے اس سے کہا کہ میں تمہیں جو کموں اس کی تحمیل کرنا اور دیکھو اس امر میں ذرا

بھی مخالفت نہ کرنا، اُس نے تعمیل ارشاد کا وعدہ کیا۔ آپ نے اُسے ایک خط لکھ کر دیا جس میں یہ مرقوم تھا کہ ”میں دس ہزار درہم اس کے ادا کر دوں گا۔ اور فرمایا کہ کل میں سامرہ پہنچ جاؤں گا جس وقت میں وہاں کے بڑے بڑے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوں تو تم مجھ سے روپے کا تقاضا کرنا۔ اس نے عرض کی حضور یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں لوگوں میں آپ کی توہین کروں۔ حضرت نے فرمایا کوئی عجز نہیں، میں تم سے جو کموں وہ کرو۔ عرض کہ سائل چلا گیا اور جب آپ سامرہ واپس ہوئے اور لوگوں کو آپ کی واپسی کی اطلاع ملی تو اعیان شہر آپ سے ملنے آئے۔ جس وقت آپ لوگوں سے محو ملاقات تھے۔ سائل مذکور بھی پہنچ گیا۔ سائل نے ہدایت کے مطابق آپ سے رقم کا تقاضہ کیا۔ آپ نے بہت نرمی سے اُسے ٹالنے کی کوشش کی، لیکن وہ نہ ٹلا اور بدستور رقم مانگتا رہا۔ بالآخر حضرت نے اُس سے تین دن میں ادائیگی کا وعدہ فرمایا اور وہ چلا گیا۔ یہ خبر جب بادشاہ وقت کو پہنچی تو اس نے مبلغ تیس ہزار درہم آپ کی خدمت میں بھیج دیئے، تیسرے دن جب سائل آیا تو آپ نے اُسے فرمایا کہ یہ تیس ہزار درہم لے لے اور اپنی راہ لگ۔ اُس نے عرض کی مولا میرا قرضہ تو صرف دس ہزار ہے۔ آپ تیس ہزار دے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا جو قرضہ کی ادائیگی سے بچے اُسے اپنے بچوں پر صرف کرنا۔ وہ بہت خوش ہوا اور یہ پڑھتا ہوا۔ ”اللہ یعلم حیث یجعل رسالۃ“ خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت و امامت کا کون اہل ہے) اپنے گھر چلا گیا۔ (نور الابصار ص ۱۲۹، صواعق محرقة، ص ۱۲۳، شواہد النبوت ص ۲۰۴، الرج المطالب ص ۲۶۱)۔

متوکل کی نیت خراب تھی ہی۔ امام علیہ السلام کے سامرہ پہنچنے کے بعد

امام علی نقیؑ کی حالت سامرہ پہنچنے کے بعد

اُس نے اپنی نیت کا مظاہرہ عمل سے شروع کیا اور آپ کے ساتھ نامناسب طریقہ سے دل کا بخار نکالنے کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن ”اللہ“ جس کی لاکھی میں آواز نہیں اس نے اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا مگر اس کی زندگی میں بھی ایسے آسار اور اثرات ظاہر کئے جس سے وہ بھی یہ جان لے کر وہ جو کچھ کر رہا تھا۔ خداوند اُسے پسند نہیں کرتا۔ تو تاریخِ اعظم لکھتے ہیں کہ متوکل کے زمانہ میں بڑی آفتیں نازل ہوئیں بہت سے علاقوں میں زلزلے آئے۔ زمینیں جھنس گئیں۔ آگیں لگیں۔ آسمان سے ہولناک آوازیں سنائی دیں۔ بادِ سموم سے بہت سے جانور اور آدمی ہلاک ہوئے۔ آسمان سے مثلِ بڑی کے کثرت سے ستارے ٹوٹے۔ دس دن رطل کے پتھر آسمان سے برسے۔ رمضان ۲۳۳ ہجری میں حلب میں ایک پرنذہ کو سے بڑا آکر بیٹھا اور یہ شور مچایا۔ ”یا ایہا الناس اتقوا اللہ اللہ“ چالیس دفعہ یہ آواز لگا کر اڑ گیا۔ دو دن ایسا ہی ہوا۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۶۵)۔

حضرت امام علی نقیؑ اور سواری کی برق رفتاری

علامہ طبرسی رقمطراز ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مینہ سے سامرہ تشریف لے جانے کے بعد ایک دن ابوہاشم نے کہا۔ مولا میرا دل نہیں مانتا کہ میں ایک دن بھی آپ کی زیارت سے محروم رہوں، بلکہ جی چاہتا ہے کہ ہر روز آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کروں۔ حضرت نے پوچھا اس کے لیے تمہیں کونسی رکاوٹ ہے۔ انہوں نے عرض کی میرا قیام بغداد ہے اور میری سواری کمزور ہے۔ حضرت نے فرمایا "جاؤ" اب تمہاری سواری کا جانور طاقتور ہو جائے گا، اور اس کی رفتار بہت تیز ہو جائے گی۔ ابوہاشم کا بیان ہے کہ حضرت کے اس ارشاد کے بعد سے ایسا ہو گیا کہ میں روزانہ نماز صبح بغداد میں نماز ظہر سامرہ عسکر میں اور نماز مغرب بغداد میں پڑھنے لگا (اعلام الوالی ص ۳۰)

دو ماہ قبل عزل قاضی کی خبر

علامہ جامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ آپ سے آپ کے ایک ماننے والے نے اپنی تکلیف بیان کرتے ہوئے بغداد کے قاضی شہر کی شکایت کی اور کہا کہ مولادہ بڑا ظالم ہے۔ ہم لوگوں کو بے حد ستاتا ہے۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں وہ دو ماہ بعد بغداد میں نہ رہے گا۔ راوی کا بیان ہے کہ جو نبی دو ماہ پورے ہوئے قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر اپنے گھر بیٹھ گیا۔ (شواہد النبوت)۔

آپ کا احترام جانوروں کی نظر میں | علامہ موصوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ متوکل کے مکان میں بہت سی بطنیں ملی ہوئی تھیں۔ جب کوئی وہاں جاتا تو وہ اتنا شور مچایا کرتی تھیں کہ کان پڑی بات سنانی نہ دیتی تھی۔ لیکن جب امام علیہ السلام تشریف لے جاتے تھے تو وہ سب خاموش ہو جاتی تھیں اور جب تک آپ وہاں تشریف رکھتے تھے، وہ چپ رہتی تھیں۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۹)۔

حضرت امام علی نقیؑ اور خواب کی عملی تعبیر

احمد بن عیسیٰ الکاتب کا بیان ہے کہ میں نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوں، حضرت نے میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور اپنے دست مبارک سے ایک مٹھی خرمہ اس طشت سے عطا فرمایا جو آپ کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ میں نے انھیں گن تو وہ پچیس تھے۔ اس خواب کو ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام سامرہ سے تشریف لائے ہیں۔ میں ان کی زیارت کے لیے

حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ اُن کے سامنے ایک طشت دکھا ہے جس میں خرمنے ہیں۔ میں نے حضرت کو سلام کیا۔ حضرت نے جواب سلام دینے کے بعد ایک مٹھی خرمنے مجھے عطا فرمایا، میں نے ان خرمنوں کو شمار کیا تو وہ پچیس اٹھتے ہیں۔ میں نے عرض کی مولا کیا کچھ خرمنے اور مل سکتا ہے۔ جواب میں فرمایا: اگر خواب میں تمہیں رسولِ خدا نے اس سے زیادہ دیا ہوتا تو میں بھی اضافہ کر دیتا۔ (ومعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۴) اسی قسم کا واقعہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام علی رضا علیہم السلام کے لیے بھی گزرا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور فقہائے مسلمین

یہ تو مانی ہوئی بات ہے کہ آلِ محمد ہی وہ ہیں جن کے گھر میں قرآن مجید نازل ہوا۔ ان سے بہتر نہ قرآن کا سمجھنے والا ہے، نہ اُس کی تفسیر جاننے والا۔ علماء کا بیان ہے کہ جب متوکل کو زہر دیا گیا تو اُس نے یہ نذر مانی کہ ”اگر میں اچھا ہو گیا تو راہِ خدا میں مالِ کثیر دوں گا“ پھر صحت پانے کے بعد اُس نے اپنے علماء اسلام کو جمع کیا اور ان سے واقعہ بیان کر کے مالِ کثیر کی تفصیل معلوم کرنا چاہی۔ اس کے جواب میں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ بیان دیا۔ ایک فقیہ نے کہا مالِ کثیر سے ایک ہزار درہم دوسرے نے کہا دس ہزار درہم۔ تیسرے نے کہا ایک لاکھ درہم مراد لینا چاہیے متوکل نے جب ہر فقیہ سے علیحدہ جواب سنا تو تشویش میں پڑ گیا اور غور کرنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ متوکل ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک دربان سامنے آیا جس کا نام ”حسن“ تھا اور عرض کرنے لگا کہ حضور اگر مجھے حکم ہو تو میں اس کا صحیح جواب لاؤں۔ متوکل نے کہا کہ بہتر ہے ”جواب لاؤ“ اگر تم صحیح جواب لائے تو دس ہزار درہم تم کو انعام دوں گا۔ اور اگر تسلی بخش جواب نہ لاسکے تو سو کوڑے ماروں گا۔ اس نے کہا مجھے منظور ہے۔ اس کے بعد دربان حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ امام علیہ السلام جو نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دربان کو دیکھ کر بولے ”اچھا“ مالِ کثیر کی تفصیل پوچھنے آیا ہے ”جا“ اور متوکل سے کہہ دے۔ مالِ کثیر سے اسی درہم مراد ہے۔ دربان نے متوکل سے یہی کہہ دیا۔ متوکل نے کہا جا کر دلیل معلوم کر، وہ واپس آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ قرآن مجید میں آنحضرت علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ ”لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ“ اے رسول! اللہ نے تمہاری مدد موطن کثیرہ یعنی بہت سے مقامات پر کی ہے۔ جب ہم نے ان مقامات کا شمار کیا جن میں خدا نے آپ کی مدد فرمائی ہے تو وہ حساب سے اسی ہوتے ہیں معلوم ہوا کہ لفظ کثیر کا اطلاق اسی پر ہوتا ہے۔ یہ سن کر متوکل خوش ہو گیا اور اُس نے اسی درہم صدقہ نکال کر دس ہزار درہم دربان کو انعام دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۱)۔

اسی قسم کا ایک واقعہ یہ ہے کہ متوکل کے دربار میں ایک نصرانی پیش کیا گیا جو مسلمان عورت سے زنا

کرتا ہوا پکڑا گیا۔ جب وہ دربار میں آیا تو کہنے لگا مجھ پر حد جاری نہ کی جائے۔ میں اس وقت مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ سن کر قاضی نجیبی بن اکثم نے کہا کہ اسے چھوڑ دینا چاہیے۔ کیونکہ یہ مسلمان ہو گیا۔ ایک فقہر نے کہا کہ نہیں حد جاری ہونا چاہیے۔ غرض کہ فقہائے مسلمین میں اختلاف ہو گیا۔ متوکل نے جب یہ دیکھا کہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا تو حکم دیا کہ امام علی نقیؑ کو خط لکھ کر ان سے جواب منگایا جائے۔ چنانچہ مسئلہ لکھا گیا۔ حضرت امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔ "بعضہ صاحبی میوت" کہ اسے اتنا مارنا چاہیے کہ مر جائے۔ جب یہ جواب متوکل کے دربار میں پہنچا تو نجیبی بن اکثم قاضی شہر اور فقہر سلطنت نیز دیگر فقہائے کہا۔ اس کا کوئی ثبوت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ براہ مہربانی اس کی وضاحت فرمائیے۔ آپ نے خط ملاحظہ فرما کر یہ آیت تحریر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ (جب کافروں نے ہماری سختی دیکھی تو کہا کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں۔ یہ ان کا کتاؤن کے لیے مفید ہوا، اور نہ ایمان لانا کام آیا) آیت پڑھنے کے بعد متوکل نے تمام فقہاء کے اقوال کو مسترد کر دیا۔ اور نصرانی کے لیے حکم دے دیا کہ اسے اس قدر مارا جائے کہ "مر جائے"۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۴۰)۔

شاہِ روم کو حضرت امام علی نقیؑ کا جواب

علامہ محمد باقر نجفی لکھتے ہیں کہ بادشاہ روم نے خلیفہ وقت کو لکھا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے کہ جو شخص اس سورہ کی تلاوت کرے جس میں یہ سات اظفار ہوں (ا) ث (۲) ج (۳) ح (۴) ز (۵) ش (۶) ظ (۷) ف۔ وہ جنت میں جائے گا۔ اسے دیکھنے کے بعد میں نے تورات و زبور کا اچھی طرح مطالعہ کیا۔ لیکن اس قسم کا کوئی سورہ اس میں نہیں ملا۔ آپ فرما اپنے علماء سے تحقیق کر کے لکھیے کہ شاید یہ بات آپ کے قرآن مجید میں ہو۔ بادشاہ وقت نے بہت سے علماء جمع کئے اور ان کے سامنے یہ چیز پیش کی۔ سب نے بہت دیر تک غور کیا۔ لیکن کوئی کس نتیجہ پر نہ پہنچ سکا کہ تسلی بخش جواب دے سکے۔ جب خلیفہ وقت تمام علماء سے یوں فرمایا ہو گیا۔ تو امام علی نقیؑ کی طرف توجہ کی۔ جب آپ دربار میں تشریف لائے اور آپ کے سامنے مسئلہ لایا گیا تو آپ نے بلا تاخیر فرمایا وہ سورہ حمد ہے۔ اب جو غور کیا گیا تو بالکل ٹھیک پایا گیا۔ بادشاہ اسلام خلیفہ وقت نے عرض کی، ابن رسول اللہؐ کیا اچھا ہوتا اگر آپ اس کی وجہ بھی بتا دیتے کہ یہ حروف اس سورہ میں کیوں نہیں لائے گئے۔ آپ نے فرمایا یہ سورہ رحمت و برکت ہے۔ اس میں یہ حروف اس لیے نہیں لائے گئے کہ (ث) سے ثبور ہلاکت تباہی، بربادی کی طرف (ج) سے جحیم (جہنم) کی طرف (ح) خبیثت یعنی خسراں کی طرف (ز) سے زقوم یعنی تھوہر کی طرف۔ (ش) سے شقاوت کی طرف (ظ) سے ظلمت کی طرف (ف) سے فرقت کی طرف تباہ و فتنی ہوتا

ہے اور یہ تمام چیزیں رحمت و برکت کے منافی ہیں۔

خليفة وقت نے آپ کا تفصیلی بیان شاہ روم کو بھیج دیا۔ بادشاہ روم نے جو تمہی اسے پڑھا وہ مسرور ہو گیا اور اسی وقت اسلام لایا اور تاحیات مسلمان رہا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۰ بحوالہ شرح شافیه ابو فراس)۔

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل اپنے دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ دیگر کاموں سے فراغت کے بعد ابن سکیت کی طرف متوجہ ہو کر بولا ابو الحسن

متوکل کے کہنے سے ابن سکیت و ابن اکثم کا امام علی نقی سے سوال

سے ذرا سخت سخت سوال کرو۔ ابن سکیت نے اپنی قابلیت بھر سوال کے۔ امام علیہ السلام نے تمام سوالات کے مفصل اور مکمل جواب دیئے۔ یہ دیکھ کر یحییٰ بن اکثم قاضی سلطنت نے کہا اے ابن سکیت تم نحو۔ شعر۔ لغت کے عالم ہو، تمہیں مناظرہ سے کیا دلچسپی۔ ٹھہرو میں سوال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک سوال نامہ نکالا جو پیلے سے لگ کر اپنے ہمراہ رکھے ہوئے تھا۔ اور حضرت کو دے دیا۔ حضرت نے اس کا اسی وقت جواب لکھنا شروع کر دیا اور ایسا مکمل جواب دیا کہ قاضی شہر کو متوکل سے کہنا پڑا کہ ان جوابات کو پوشیدہ رکھا جائے، ورنہ شیعوں کی اور حوصلہ افزائی ہوگی۔ ان سوالات میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ قرآن مجید میں ”سبعۃ الحسن“ اور ”مانفدت کلمات اللہ“ جو ہے اس میں کن سات دریاؤں کی طرف اشارہ ہے اور کلمات اللہ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ وہ سات دریا یہ ہیں (۱) عین الکبریٰ (۲) عین الیمین (۳) عین البرہ (۴) عین الطبریہ (۵) عین الیدان (۶) عین الافریقہ (۶) عین الیا حوران“ اور کلمات سے ہم محمد و آل محمد مراد ہیں جن کے فضائل کا احصاء ناممکن ہے۔ (مناقب جلد ۵ صفحہ ۱۱۱)۔

قضا و قدر کے بارے میں تقریباً تمام فرقے جاہد اعتدال سے ہٹے ہوئے ہیں۔ اس کی وضاحت میں کوئی جبر کا قائل نظر آتا ہے کوئی مطلقاً تقویٰ

قضا و قدر کے متعلق امام علی نقی علیہ السلام کی رہبری و رہنمائی

پر ایمان رکھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کی طرح قضا و قدر کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے۔ ”لا جبر ولا تقویٰ بل امر بین الامرین“ انسان بالکل مجبور ہے نہ بالکل آزاد ہے۔ بلکہ دونوں حالتوں کے درمیان ہے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۲) میں حضرت کا مطلب یہ سمجھتا ہوں کہ انسان اسباب و اعمال میں بالکل آزاد ہے اور نتیجہ کی برآمدگی میں خدا کا محتاج ہے۔

بہت سے کرتب دکھلائے۔ منوکل نے اس سے کہا کہ میرے دربار میں ایک نہایت شریف شخص عرض کرتا ہے کہ اگر تو اپنے کرتب سے اُسے شرمندہ کر دے تو میں تجھے ایک ہزار اشرفی انعام دوں گا۔ اُس نے کہا اے بادشاہ جب وہ اجائے تو کھانے کا بندوبست کر اور مجھے اُن کے پہلو میں بٹھائے میں ایسا کروں گا کہ سخت شرمندہ ہوگا۔ یہ سُن کر منوکل خوش ہو گیا اور جب آپ تشریف لائے تو کھانا لایا گیا اور سب کھانے کے لیے بیٹھے۔ امام علیہ السلام نے جو تہی قدم اٹھایا اور تناول فرمانا چاہا اُس نے جا دو کے زور سے اُسے اُڑا دیا۔ اسی طرح تین مرتبہ اس نے کیا، آخر میں سارا مجمع ہنس پڑا۔ امام علی نقی علیہ السلام یہ دیکھ کر اُس قابیل کی طرف متوجہ ہوئے جو دیوار میں لگا ہوا تھا اور اُس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ آپ نے شیر قابیل کو حکم دیا کہ مجسم ہو کر اس کا فرازی کو نگل لے۔ شیر مجسم ہوا اور اس نے بڑھ کر کافر ہندی کو مسلم نگل لیا۔ اس واقعہ سے دربار میں محل مچ گئی منوکل سرنگوں ہو گیا اور امام علیہ السلام سے درخواست کرنے لگا کہ اس شیر قابیل کو جو پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا ہے حکم دیجئے کہ اس کافر ہندی کو نگل دے۔ آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہ ہوگا اور اٹھ کر چلے گئے۔ ایک روایت کی بنا پر آپ نے جواب دیا۔ کہ اگر موسیٰ کے اڑوٹھے نے فرعون کے سانپوں کو نگل لینے کے بعد نگل دیا ہوتا تو یہ شیر بھی نگل دیتا۔ چونکہ اس نے نہیں اُگلا تھا، اس لیے یہ بھی نہیں اُگلے گا۔ (شواہد النبوت، ص ۲۰۹، دعوں کا جلد ۳، ص ۱۲۵)۔

حضرت امام علی نقیؑ اور عبدالرحمن مصری کا ذہنی انقلاب

علامہ ربیع لکھتے ہیں کہ ایک دن منوکل نے برسر دربار امام علی نقیؑ کو قتل کر دینے کا فیصلہ کر کے آپ کو دربار میں طلب کیا۔ آپ سواری پر تشریف لائے۔ عبدالرحمن مصری کا بیان ہے کہ میں سامرہ گیا ہوا تھا اور منوکل کے دربار کا یہ حال سنا کہ ایک علوی کے قتل کا حکم دیا گیا ہے تو میں دروازے پر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ دیکھوں وہ کون شخص ہے جس کے قتل کے انتظامات ہو رہے ہیں اتنے میں دیکھا کہ امام علی نقیؑ تشریف لارہے ہیں۔ مجھے کسی نے بتایا کہ اسی علوی کے قتل کا بندوبست ہوا ہے۔ میری نظر جو تہی ان کے چہرہ پر پڑی۔ میرے دل میں ان کی محبت سراپت کر گئی اور میں دُعا کرنے لگا۔ خدا یا منوکل کے شر سے اس شریف علوی کو بچانا۔ میں دل میں دُعا کر رہی رہا تھا کہ آپ نزدیک آپہنچے اور مجھ سے بلا جانے پہچانے فرمایا کہ اے عبدالرحمن تمہاری دُعا قبول ہو گئی ہے اور میں انشاء اللہ محفوظ رہوں گا۔ چنانچہ دربار میں آپ پر کوئی ہاتھ اٹھانہ سکا اور آپ محفوظ رہے۔ پھر آپ نے مجھے دُعا دی اور میں مال مال ہو گیا اور صاحب اولاد ہو گیا۔ عبدالرحمن کہتا ہے کہ میں اسی وقت آپ کی امامت کا قاتل ہو کر شیعہ ہو گیا۔ (کشف الغم، ص ۱۲۲، دعوں کا جلد ۳، ص ۱۲۵)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور برکتہ السباع

علماء کا بیان ہے کہ ایک دن متوکل کے دربار میں ایک عورت جوان اور خوبصورت آئی اور اُس نے آکر کہا کہ میں زینب بنت علی و فاطمہ ہوں متوکل نے کہا کہ تو جوان ہے اور زینب کو پیدا ہوئے اور وفات پائے عرصہ دراز گزر گیا۔ اگر تجھے زینب تسلیم کر لیا جائے تو یہ کیسے مانا جائے۔ کہ زینب اتنی عمر تک جوان رہ سکتی ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے رسول خدا نے یہ وعادی تھی کہ میں ہر چالیس اور پچاس سال کے بعد جوان ہو جاؤں۔ اسی لیے میں جوان ہوں۔ متوکل نے علمائے دربار کو جمع کر کے ان کے سامنے اس معاملہ کو پیش کیا۔ سب نے کہا یہ چھوٹی ہے۔ زینب کے انتقال کو عرصہ ہو گیا ہے۔ متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دو کہ میں اُسے جھٹلا سکوں۔ سب نے اپنے بھرنے کا حوالہ دیا۔ فتح ابن خاقان وزیر متوکل نے کہا کہ اس مسئلہ کو "ابن الرضا" علی نقی کے سوا کوئی حل نہیں کر سکتا۔ لہذا انھیں بلایا جائے۔ متوکل نے حضرت کو زحمت نشریف آکری دی۔ جب آپ دربار میں پہنچے متوکل نے صورت مسئلہ پیش کی۔ امام نے فرمایا جھوٹی ہے، متوکل نے کہا کوئی ایسی دلیل دیجئے کہ میں اسے جھوٹی ثابت کر سکوں۔ آپ نے فرمایا میرے جدِ نامدار کا ارشاد ہے کہ "حرم لحم اولاد علی السباع" درندوں پر میری اولاد کا گوشت حرام ہے۔ اسے بادشاہ تو اس عورت کو درندوں میں ڈال دے، اگر یہ سچی ہوگی اور اس کا زینب ہونا تو درکنار اگر یہ "سیدہ" بھی ہوگی تو جانور اسے نہ چھیڑیں گے۔ اور اگر سیادت سے بھی بے بہرہ اور خالی ہوگی تو درندے اسے پھاڑ کھائیں گے۔ ابھی یہ گفتگو جاری ہی تھی کہ دربار میں اشارہ بازی ہونے لگی اور دشمنوں نے بل جل کر متوکل سے کہا کہ اس کا امتحان امام علی نقی ہی کے ذریعہ سے کیوں نہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ آیا درندے تیدوں کو کھاتے ہیں یا نہیں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر انھیں جانوروں نے پھاڑ کھایا تو متوکل کا منشا پورا ہو جائے گا۔ اور اگر یہ سچ گئے تو متوکل کی وہ الجھن دور ہو جائے گی جو زینب کذاہ نے ڈال رکھی ہے۔ غرض کہ متوکل نے امام علیہ السلام سے کہا۔ "اے ابن الرضا" کیا اچھا ہوتا کہ آپ خود برکتہ السباع میں جا کر اسے ثابت کر دیجئے کہ آل رسول کا گوشت درندوں پر حرام ہے۔ امام علیہ السلام تیار ہو گئے۔ متوکل نے اپنے بنائے ہوئے "برکتہ السباع" شیرخانہ میں آپ کو ڈولا کر پھاٹک بند کروا دیا، اور خود مکان کے بالاخانہ پر چلا گیا تاکہ وہاں سے امام کے حالات کا مطالعہ کرے۔ علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ جب درندوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی تو خاموش ہو گئے۔ جب آپ صحن میں پہنچ کر بیٹھیں پھر چڑھنے لگے تو درندے آپ کی طرف بڑھے جن میں تین اور بروایت دوسرے ساکبہ چھ شیر بھی تھے

اور ٹھہر گئے اور آپ کو چھو کر آپ کے گرد پھرنے لگے، آپ اپنی آستین اُن پر ملتے تھے۔ پھر ذرا بے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے متوکل امام علیہ السلام کے متعلق چھت پر سے یہ باتیں دیکھتا رہا اور اتر آیا، پھر جناب صحن سے باہر تشریف لے آئے۔ متوکل نے آپ کے پاس گراں بہا صلہ بھیجا۔ لوگوں نے متوکل سے کہا تو بھی ایسا کر کے دکھلا دے۔ اس نے کہا شاید تم میری جان لینا چاہتے ہو۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ زینب کذابہ نے جب ان حالات کو بحشم خود دیکھا تو فوراً اپنی کذب بیانی کا اعتراف کر لیا۔ ایک روایت کی بنا پر اُسے توبہ کی ہدایت کر کے چھوڑ دیا گیا۔ دوسری روایت کی بنا پر متوکل نے اُسے درندوں میں ڈلوا کر پھروا ڈالا۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲۳، اراج المطالب ص ۲۶۱، دمعہ سبکہ جلد ۳ ص ۱۲۵، جلا۔ العیون ص ۲۹۳، روضۃ الصفار، فضل الخطاب، علامہ ابن حجر کا کنا ہے کہ اسی قسم کا واقعہ عند رشید عباسی میں جناب یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن ثنی ابن امام حسن علیہ السلام کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور متوکل کا علاج

علامہ عبد الرحمن جامی تحریر فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام نظر بندی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ متوکل کے بیٹھنے کی جگہ یعنی کمر کے نیچے جسم کے پچھلے حصے میں ایک زبردست زہریلا پھوٹا نکل آیا۔ ہر چند کوشش کی گئی مگر کسی صورت سے شفایابی امید نہ ہوئی۔ جب جان خطرہ میں پڑ گئی تو متوکل کی ماں نے منت مانی کہ اگر متوکل اچھا ہو گیا تو میں ابن الرضا کی خدمت میں مالی کثیر نذر کروں گی اور فتح بن خاقان نے متوکل سے درخواست کی کہ اگر آپ کا حکم ہو تو میں مرض کی کیفیت ابوالحسن سے بیان کر کے کوئی دوا تجویز کراؤں۔ متوکل نے اجازت دی اور ابن خاقان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے سارا واقعہ بیان کر کے دوا کی تجویز چاہی، امام علیہ السلام نے فرمایا۔ "کسب غنم" (بکری کی میٹنگیاں) لے کر گلاب کے عرق میں حل کر کے رگا دوا، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔ وزیر فتح ابن خاقان نے دربار میں امام علیہ السلام کی تجویز پیش کی، لوگ ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ امام ہو کر کیا دوا تجویز فرمائی ہے۔ وزیر نے کہا اے خلیفہ تجربہ کرنے میں کیا حرج ہے۔ اگر حکم ہو تو میں انتظام کروں۔ خلیفہ نے حکم دیا، دوا لگائی گئی، پھوٹا پھوٹا، متوکل کی آنکھ کھل گئی اور رات بھر پور سویا بین یوم کے اندر شفا کامل ہو جانے کے بعد متوکل کی ماں نے دس ہزار اشرفی کی سر مہر تجبیلی امام علیہ السلام کی خدمت میں مجھوا دی۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۶، اعلام الوری ص ۳۰۵)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی دوبارہ خانہ تلاشی

دزدوں کی جھبھ سائی اور متوکل کے علاج میں امام علیہ السلام کی شاندار کامیابی نے دشمنوں کے دلوں میں حسد کی لگی ہوئی آگ کو اور بھڑکا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل جس کی جان آپ ہی کے علاج سے بچی تھی وہ دشمنوں احسان ہونے کی بجائے امام کے درپے آزار ہو کر کھلم کھلا انھیں سزا کی طرف خصوصی طور پر متوجہ ہو گیا۔ ملاحامی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ واقعہ صحت کے چند ہی دنوں بعد لوگوں نے متوکل سے پھٹی کھائی اور کہا کہ امام علی نقیؑ کے گھر میں سلاح جنگ جمع ہیں اور وہ عنقریب اپنے جانتیوں کے بل بوتے پر تیری حکومت کا تختہ الٹ دیں گے۔ اور حاکم وقت بن کر تیرے لئے کا بدلہ لیں گے۔ متوکل جو پہلے ہی سے آل محمدؑ کا شدید دشمن تھا، لوگوں کے کہنے سے پھر بھڑک اٹھا۔ اور اس نے سعید کو بلا کر حکم دیا۔ (جس کی نظر بندی میں اس وقت آپ تھے) کہ تو آدھی رات کو دفعۃً امام کے مکان میں جا کر تلاشی لے اور جو چیز برآمد ہو اسے میرے پاس لے آ۔ سعید حاجب کا بیان ہے کہ میں آدھی رات کو حضرت کے مکان میں کوٹھے کی طرف سے گیا۔ مجھے راستہ نہ ملتا تھا، کیونکہ سخت تاریکی تھی۔ امام علیہ السلام نے اپنے مصطفیٰ پر سے جو انڈر چھپا ہوا تھا آواز دی۔ اے سعید اندھیرا ہے۔ ٹھہرو! میں شمع لا رہا ہوں غرض کہ میں نے جا کر دیکھا کہ آپ زمین پر مصلے پچھائے ہوئے ہیں اور آپ کے گھر میں ایک شمشیر کے سوا کوئی اسلحہ نہیں ہے اور ایک وہ پھیل ہے جو متوکل کی ماں نے بھیجی تھی۔ میں نے ان چیزوں کو متوکل کے سامنے پیش کر دیا۔ اس نے انھیں واپس کیا اور وہ اپنے مقام پر شرمندہ ہوا۔ (شواہد النبوت ص ۲۰۵، ج ۱، ج ۱، ج ۱، ج ۱)

علامہ مجلسی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ پر پوری سختی شروع کر دی اور آپ کو قید کر دیا۔ پہلے ذراف کی قید میں رکھا اور زراقی کی قید میں مجبوس رکھا (جلار العیون ص ۲۹۳) علامہ محمد باقر نجفی کا بیان ہے کہ متوکل نے آپ کے پاس جانے پر کمل پابندی عاید کر دی۔ (دعوت سابقہ جلد ۳ ص ۱۳۱) اور حکم دیا کہ کوئی بھی آپ کے قریب نہ جاسکے۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۳)

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کی ہر فرد کے اپنے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ

امام علی نقیؑ کے تصور حکومت پر
خوفِ خدا غالب تھا

میں آتے رہے تھے۔ قید خانہ اور نظر بندی کا عالم ہوا یا آزادی کا زمانہ ہر وقت ہر حال میں یادِ الہی۔ عبادت۔ خلقِ خدا سے استغفار، شہادتِ قدم۔ صبر و استقلال۔ مصائب کے هجوم میں ہاتھ

پر شکن کا نہ ہونا۔ دشمنوں کے ساتھ علم و مروت سے کام لینا۔ محتاجوں اور ضرورت مندوں کی مدد کرنا۔ یہی وہ اوصاف ہیں جو امام علی نقی کی سیرت زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

قید کے زمانہ میں جہاں بھی آپ رہے۔ آپ کے مصالحت کے سامنے ایک قبر کھدی تیار رہتی تھی۔ دیکھنے والوں نے جب اس پر حیرت اور دہشت کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا میں اپنے دل میں موت کا خیال رکھنے کے لیے یہ قبر اپنی نگاہوں کے سامنے تیار رکھتا ہوں۔ حقیقت میں یہ ظالم طاقت کو اس کے باطل مظاہرہ اطاعت اور اسلام کے حقیقی تعلیمات کی نشر و اشاعت کے ترک کر دینے کی خواہش کا ایک عملی جواب تھا۔ یعنی زیادہ سے زیادہ سلاطین وقت کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ جان کا لے لینا۔ مگر جو شخص موت کے لیے اتنا تیار ہو کہ ہر وقت کھدی ہوئی قبر اپنے سامنے رکھے۔ وہ ظالم حکومت سے ڈر کر تسلیم خم کرنے پر کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے۔ گراس کے ساتھ دنیاوی سازشوں میں شرکت یا حکومت وقت کے خلاف کسی بے محل اقدام کی تیاری سے آپ کا دامن اس طرح بری رہا کہ باوجود دارالسلطنت کے اندر مستقل قیام اور حکومت کے سخت ترین جاسوسی انتظام کے کبھی آپ کے خلاف کوئی الزام صحیح ثابت نہیں ہو سکا اور کبھی سلاطین وقت کو کوئی دلیل آپ کے خلاف تشدد کے جواز کی مدد نہ سکی۔ باوجودیکہ سلطنت عباسیہ کی بنیادیں اس وقت اتنی کھوکھلی ہو رہی تھیں کہ دارالسلطنت میں ہر روز ایک نئی سازش کا نقشہ کھڑا ہوتا تھا۔

متوکل سے خود اس کے بیٹے کی مخالفت اور اس کے انتہائی عزیز غلام باغرزومی کی اس سے دشمنی منقصر کے بعد ائمراے حکومت کا انتشار اور آخر متوکل کے بیٹوں کو خلافت سے محروم کرنے کا فیصلہ مستعین کے دور حکومت میں یحییٰ بن عمر بن یحییٰ بن حسین بن زید علوی کا گرفتاریں خروج اور حسن بن زید الملقب بداعی الحق کا علاقہ طبرستان پر قبضہ کر لینا اور مستقل سلطنت قائم کر لینا۔ پھر دارالسلطنت میں ترکی غلاموں کی بغاوت، مستعین کا سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کی طرف بھاگنا اور قلعہ بند ہو جانا آخر کو حکومت سے دست برداری پوچھو رہونا اور کچھ عرصہ کے بعد معتز باللہ کے ہاتھ سے تلوار کے گھاٹ اترنا، پھر معتز باللہ کے دور میں رویوں کا مخالفت پر تیار رہنا۔ معتز باللہ کو خود اپنے بھائیوں سے خطرہ محسوس ہونا اور موید کی زندگی کا خاتمہ اور موفق کا بصرہ میں قید کیا جانا، ان تمام ہنگامی حالات، ان تمام شورشوں، ان تمام چغلیوں اور جھگڑوں میں سے کسی میں بھی امام علی نقی کی شرکت کا شبہہ تک نہ پیدا ہونا، اس طرز عمل کے خلاف نہیں ہے؛ جو ایسے موقعوں پر جذبات سے کام لینے والوں کا ہوا کرتا ہے۔ ایک ایسے اقتدار کے مقابل میں جسے نہ صرف وہ حق و انصاف کے رو سے ناجائز سمجھتے ہیں۔ بلکہ ان کے

ہاتھوں انھیں جلا وطنی۔ قید اور اہانتوں کا سامنا بھی کرنا پڑا ہے۔ ”مگر“ وہ جذبات سے بلند اور عظمت نفس کے کامل مظہر دنیاوی ہنگاموں اور وقت کے اتفاقی موقعوں سے کسی طرح کا نام نہ اٹھانا اپنی بے لوث حقانیت اور کوہ سے بھی گراں صداقت کے خلاف سمجھتا ہے اور مخالفت پر پس پشت حملہ کرنے کو اپنے بلند نقطہ نگاہ اور معیار عمل کے خلاف جانتے ہوئے ہمیشہ کنارہ کش رہتا ہے۔ (دسویں امام ص ۱۶)۔

قبر حسینؑ کے ساتھ متوکل کی دوبارہ بے ادبی

۲۲۷ھ

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو قید کرنے کے بعد پھر متوکل قبر امام حسینؑ کے اندام کی طرف متوجہ ہوا اور چاہا کہ اسے نیست و نابود کر دے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ کربلا میں قبر حسینؑ کی زیارت کے لیے اطراف عالم سے عقیدت مندوں کی آمد کا اتنا بندھا ہوا ہے اور بے شمار حضرات زیارت کو آتے ہیں تو متوکل کی آتش حسد بھڑک اٹھی اور اس نے اس سلسلہ کو بند کرنے کا تہیہ کر لیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ یہ وہی قبر ہے جس پر حسب تحقیق پیران پیر شیخ عبد القادر جیلانی ستر ہزار فرشتے آسمان سے اتر کر خاندانِ نبویؐ کا طواف کرنے کے بعد جاتے وہاں روتے اور اس کی زیارت کرتے اور مجاورت کے فرائض روزانہ ادا کرتے ہیں۔ (مغنیۃ الطالبین ص ۲۸۴)

جمع البحرین ص ۵۰۲) امالی شیخ طوسی اور جلال العیون میں ہے کہ متوکل نے اپنی فرج کے دستے کو زیارت کے روکنے اور نہر طہمی کو کاٹ کے قبر پر سے گزارنے کو بھیجا اور حکم دیا کہ جو شخص زیارت کے لیے آئے اسے قتل کر دیا جائے اور بعض علماء کے بیان کے مطابق یہ بھی حکم دیا گیا تھا کہ پہلے ہاتھ کاٹے جائیں پھر اگر باز نہ آئے تو قتل کر دیا جائے۔ یہ ایک ایسا حکم تھا جس نے معتقدین کو بے چین کر دیا۔ حضرت زید بن عیون جو دوست دار ابن اکل محمدؑ میں سے تھے، جو خرمین کی زیارت کے لیے مصر سے چل کر کوثر پہنچے وہاں پہنچ کر حضرت بطلول دانا سے ملے جو اس وقت بمصلمت اپنے کو دیوانہ بنائے ہوئے تھے۔ دونوں میں تباہ خیالات ہوا، اور دونوں زیارت قبر منور کے لیے کربلا روانہ ہو گئے۔ انھوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ ہاتھ کاٹے جائیں تو کٹوائیں گے۔ قتل ہونے کی ضرورت محسوس ہو تو قتل ہو جائیں گے۔ لیکن زیارت ضرور کریں گے۔ جب یہ دونوں کربلا پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ قبر کی طرف نہر کا پانی قبر پر سے گزرنے کی بے ادبی نہیں کرتا۔ پانی قبر تک پہنچ کر پھٹ جاتا ہے اور کتر اطراف و جوانب قبر کا بوسہ لیتا ہوا گزر جاتا ہے۔ یہ حال دیکھ کر ان کا جذبہ محبت اور ابھریا، یہ ابھی اسی مقام پر تھے کہ وہ شخص ان

کی طرف متوجہ ہوا جو اندامِ قبر پر متعین تھا۔ اُس نے پوچھا تم کیوں آتے ہو۔ اُن لوگوں نے کہا زیارت کے لیے۔ اُس نے جواب دیا جو زیارت کو آتے ہیں اُسے قتل کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہوں۔ ان حضرات نے کہا کہ ہم قتل ہی ہونے کی تمنا میں آتے ہیں۔ یہ سن کر وہ ان کے پیروں پر گر پڑا، اور اپنے عمل سے تائب ہو کر متوکل کے پاس واپس گیا۔ متوکل نے اُسے قتل کرا کے سُولی پر چڑھوا دیا۔ پھر پیروں میں رستی باندھ کر بازاروں میں کھینچوایا۔ زید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا، فوراً سامرہ پہنچے اور اُس کی لاشِ دفن کی اور اُس پر قرآن مجید پڑھا۔

ابھی حضرت زید سامرہ ہی میں تھے کہ ایک دن بڑے دھوم دھام سے ایک جنازہ اٹھایا گیا سیاہ علم ساتھ تھے۔ ارکانِ دولت اور عمائدینِ سلطنت ہمراہ تھے۔ چاروں طرف سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں۔ زید نے سمجھا کہ شاید متوکل کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ معلوم کرنے کے بعد حضرت زید نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا: "اللہ اللہ" فرزندِ رسولِ امام حسین علیہ السلام کو بلا میں تین دن کے بھوکے پیاسے شہید کر دیئے گئے۔ ان پر کوئی رونے والا نہیں تھا۔ بلکہ اُن کی قبر کے نشان کو مٹانے کے بھی لوگ درپے ہیں اور ایک منحوس کثیر کا یہ احترام ہے۔ اس کے بعد اسی قسم کے مضامین پر مشتمل چند اشعار لکھ کر حضرت زید مجنون نے متوکل کے پاس بھجوا دیا، اُس نے انھیں مقید کر دیا۔ متوکل نے رات کو خواب دیکھا کہ ایک مرد مومن آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زید کو اسی وقت رہا کر دے۔ درتہ میں تجھے ابھی ابھی ہلاک کر دوں گا۔ چنانچہ اُس نے اسی وقت رہا کر دیا۔

متوکل کا قتل
 حالت یہ ہو چکی تھی کہ برسرِ عام آلِ محمد کو گالیاں دینے لگا تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے بیٹے مستنصر کے سامنے حضرت فاطمہ زہراء کے لیے ناسزا الفاظ استعمال کئے مستنصر نے علمائے دیانت کیا کہ جو شخص ایسے الفاظ نسبتِ رسول کے لیے استعمال کرے اُس کے لیے کیا حکم ہے۔ علمائے کبار نے کہا وہ واجبِ القتل ہے۔ تاریخِ الوفا میں ہے کہ مستنصر نے رات کے وقت بحالتِ خلوت بہت سے آدمیوں کی مدد سے ظالم متوکل کو قتل کر دیا۔ ہادی التواریخ، تاریخِ اسلام جلد ۱ ص ۶۶ و ۶۷ ساکبہ ص ۱۳۴ میں ہے کہ یہ واقعہ ۴۰ شوال ۲۴ھ کا ہے۔ بعض معاصرین لکھتے ہیں کہ متوکل نے اپنے عہدِ سلطنت میں کئی لاکھ شیعہ قتل کرائے ہیں۔

امام علی نقی کو پیدل چلنے کا حکم
 علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ قتل متوکل سے تین چار یوم قبل اسی ظالم متوکل نے حکم دیا تھا کہ میری سواری کے ساتھ تمام لوگ پیدل تفریح کے لیے چلیں۔ حکم میں امام علیہ السلام خاص طور پر نامور تھے چنانچہ آپ بھی کئی میل پیدل چل کر واپس تشریف لائے اور آپ کو اس سے اس درجہ تعب ہوا کہ آپ

سخت علیل ہو گئے۔ (جلار العیون ص ۲۹۲)۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت

متوکل کے بعد اس کا بیٹا مستنصر پھر مستعین پھر شہید حج میں محترم بائندہ خلیفہ ہوا۔ محترم ابن متوکل نے بھی اپنے باپ کی سنت کو نہیں چھوڑا اور حضرت کے ساتھ سختی ہی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ اسی نے آپ کو زہر دے دیا۔ "سنۃ المعتز، انوار الحسینہ جلد ۲ ص ۵۵) اور آپ بتاریخ ۳ رجب ۴۵ھ حج یوم دوشنبہ انتقال فرما گئے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۹) علامہ ابن جوزی تذکرہ خواص الامت میں لکھتے ہیں کہ آپ معتز کے زمانہ خلافت میں شہید کئے گئے ہیں اور آپ کی شہادت زہر سے واقع ہوئی۔ ہے۔ علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ آپ کو زہر سے شہید کیا گیا ہے۔ (انوار الابصار ص ۱۵) علامہ ابن حجر لکھتے ہیں کہ آپ زہر سے شہید ہوئے ہیں (صواعق مہرۃ ص ۱۲۲) دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۲۸ میں ہے کہ آپ نے انتقال سے قبل امام حسن عسکری علیہ السلام کو موارثت انبیاء وغیرہ پیرو فرمائے تھے۔ وفات کے بعد جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے گریبان چاک کیا تو لوگ معتز ضعیف ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سنت انبیاء ہے۔ حضرت موسیٰ نے وفات حضرت ہارون پر اپنا گریبان پھاڑا تھا (دمعہ ساکبہ ص ۱۲۸ جلا ر العیون ص ۲۹۲) آپ پر امام حسن عسکری نے نماز پڑھی اور آپ سامرہ ہی میں دفن کئے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کی وفات انتہائی کس میری کی حالت میں ہوئی۔ انتقال کے وقت آپ کے پاس کوئی بھی نہ تھا۔ (جلار العیون ص ۲۹۲)۔

آپ کی کئی بیویاں تھیں، ان سے کئی اولادیں پیدا ہوئیں جن کے اسماء یہ ہیں (۱) امام حسن عسکری (۲) حسین بن علی (۳) محمد بن علی (۴) جعفر بن علی (۵) دختر موسومہ عائشہ بنت علی (ارشاد مفید ص ۵۰۲ و صواعق مہرۃ ص ۱۲۹ طبع مصر)۔

۱۔ علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ریٹائرڈ جج ریاست پٹیالہ لکھتے ہیں "کہ امام علی نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو فرزندوں ابو عبد اللہ جعفر کذاب اور حسن عسکریؑ سے نسل جاری ہے۔ ابو عبد اللہ جعفر کے نام کے ساتھ لقب "کذاب" بعض لوگ اس لیے شامل کیا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے بھائی حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد خود امام ہونے کا دعویٰ کیا تھا، ان کی اولاد ان کو جعفر قراب کہتی ہے اور اپنے آپ کو "رضوی" کہلاتی ہے۔ . . . سادات امر وہہ انھیں کی نسل سے ہیں۔ (کتاب رحمتہ تعالین جلد ۲ ص ۱۲۱ طبع لاہور) میرے نزدیک مصنف کو یا تو علم نہیں یا انھیں دھوکہ ہو گیا ہے۔ دراصل جناب جعفر علیہ الرحمۃ کی اولاد کو نقوی کہا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب ۱۳

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

بوجہ ہمد امام یازدہم جس کے جدوجہد خلقت عالم
جانشین رسول عرش معصوم جس کے فرزند سے جہاں کو قیام

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
گی رہویں جانشین اور سلسلہ عصمت کی تیرہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام علی نقی علیہ السلام
تھے اور والدہ ماجدہ جناب حدیثہ خاتون تھیں۔ شہرہ کے متعلق علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ آپ عقیقہ
کریمہ نہایت سنجیدہ اور ورع و تقویٰ سے بھرپور تھیں۔ (جلال العیون ص ۲۹۵)۔

حضرت امام علیہ السلام اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام معصوم، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل
کائنات تھے۔ (ارشاد مفید ص ۵۰۲) آپ کو صفات حسنہ علم و سخاوت وغیرہ اپنے والد کے ورثہ میں
ملے تھے۔ (ارجح المطالب ص ۲۹۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کو خداوند عالم نے
جن فضائل و مناقب اور کمالات اور بلندی سے سرفراز کیا ہے، ان میں مکمل دوام موجود ہے۔ نہ وہ
نظر انداز کئے جاسکتے ہیں اور نہ ان میں کمنگلی آسکتی ہے اور آپ کا ایک اہم شرف یہ بھی ہے کہ
امام ہمدی علیہ السلام آپ ہی کے اکلوتے فرزند ہیں جنہیں پروردگار عالم نے حویل عمر عطا کی ہے
(مطالب السؤل ص ۲۹۲)۔

امام حسن عسکری کی ولادت اور بچپن کے بعض حالات

علمائے فریقین کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ آپ بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۲۳۲ھ یوم جمعہ بوقت
صبح بطین جناب حدیثہ خاتون سے بمقام مدینہ منورہ متولد ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو شواہد النبوت ص ۲۱
صواعق محرقة ص ۱۲۳، نور الابصار ص ۱۱، جلال العیون ص ۲۹۵، ارشاد مفید ص ۵۰۲ و معر ساجد جلد ۲
ص ۱۶۳۔ آپ کی ولادت کے بعد حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے رکھے

ہوتے "نام حسن بن علی" سے موسوم کیا۔ (بینایح المودۃ)۔

آپ کی کنیت اور آپ کے القاب

آپ کی کنیت "ابو محمد" تھی اور آپ کے القاب بے شمار تھے۔ جن میں عسکری، ہادی، زکی خالص، سراج اور ابن الرضا زیادہ مشہور ہیں۔ (نورالابصار ص ۱۵ شواہد النبوت ص ۲۱)۔ دوسرے جلد ۳ ص ۱۲۲ و مناقب ابن شہر آشوب جلد ۵ ص ۱۱۱) آپ کا لقب عسکری اس لیے زیادہ مشہور ہوا کہ آپ جس محلہ میں بقیام "سمرن رائے" رہتے تھے اُسے عسکر کہا جاتا تھا اور بظاہر اس کی وجہ یہ تھی کہ جب خلیفہ محتصم باللہ نے اس مقام پر لشکر جمع کیا تھا اور خود بھی قیام پذیر تھا تو اُسے "عسکر" کہنے لگے تھے، اور خلیفہ متوکل نے امام علی نقی علیہ السلام کو مدینہ سے بلوا کر یہیں مقیم رہنے پر مجبور کیا تھا۔ نیز یہ بھی تھا کہ ایک مرتبہ خلیفہ وقت نے امام زمانہ کو اسی مقام پر نوے ہزار لشکر کا معائنہ کرایا تھا اور آپ نے اپنی دو انگلیوں کے درمیان سے اُسے اپنے خدائی لشکر کا مطالعہ کر دیا تھا۔ انھیں وجہ کی بنا پر اس مقام کا نام "عسکر" ہو گیا تھا جہاں امام علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام مدوں مقیم رہ کر عسکری مشہور ہو گئے۔ (بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۵۲، وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۳۵، مجمع البحرین ص ۳۱۲، دوسرے جلد ۳ ص ۱۲۳، تذکرۃ المعصومین ص ۲۲۲)۔

آپ کا عہد حیات اور بادشاہان وقت

آپ کی ولادت ۲۳۲ھ میں اس وقت ہوئی جبکہ واقع بالشریح محتصم بادشاہ وقت تھا جو ۲۲۴ھ میں خلیفہ بنا تھا۔ (تاریخ البو الفداء) پھر ۲۳۳ھ میں متوکل خلیفہ ہوا۔ (تاریخ ابن الوردی) جو حضرت علی اور ان کی اولاد سے سخت بغض و عناد رکھتا تھا، اور ان کی منقصدت کیا کرتا تھا۔ (جیوۃ الیحوان و تاریخ کامل) اسی نے ۲۳۶ھ میں امام حسین کی زیارت جرم قرار دی اور ان کے مزار کو ختم کرنے کی سعی کی (تاریخ کامل) اور اسی نے امام علی نقی کو جبراً مدینہ سے سمرن رائے میں طلب کر لیا۔ (صواعق محرقة) اور آپ کو گرفتار کر کے آپ کے مکان کی تلاشی کرائی (وفیات الاعیان) پھر ۲۴۴ھ میں مستنصر بن متوکل خلیفہ وقت ہوا۔ (تاریخ البو الفداء) پھر ۲۴۵ھ میں مستعین خلیفہ بنا (البو الفداء) پھر ۲۵۲ھ میں معتز باللہ خلیفہ ہوا (البو الفداء) اسی زمانہ میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر سے شہید کر دیا گیا (نورالابصار) پھر ۲۵۵ھ میں ہمدی باللہ خلیفہ بنا (تاریخ ابن الوردی) پھر ۲۵۶ھ میں معتد علی اللہ خلیفہ ہوا۔ (تاریخ البو الفداء) اسی زمانہ میں ۲۵۶ھ میں امام علیہ السلام زہر سے شہید ہوئے (تاریخ کامل) ان تمام خلفائے آپ کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جو آل محمد کے ساتھ برتاؤ کے جانے کا دستور چلا آ رہا تھا۔

چار ماہ کی عمر اور منصب امامت

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر جب چار ماہ کے قریب ہوئی تو آپ کے والد امام علی

نقی علیہ السلام نے اپنے بعد کے لیے منصب امامت کی وصیت کی اور فرمایا کہ میرے بعد یہی میرے جانشین ہوں گے۔ اور اس پر بہت سے لوگوں کو گواہ بھی کر دیا۔ ارشاد مفید ص ۵۰۲ و دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۱۶۳ بحوالہ اصول کافی) علامہ ابن حجر مکی کا کہنا ہے کہ امام حسن عسکری ۲۔ امام علی نقی ۳ کی اولاد میں سب سے زیادہ اجل و ارفع اعلیٰ و افضل تھے۔

چار سال کی عمر میں آپ کا سفر عراق

متوکل عباسی جو آل محمد کا ہمشہ سے دشمن تھا اس نے امام حسن عسکری کے والد

بزرگوار امام علی نقی علیہ السلام کو حیران کن حج میں مدینہ سے "سرمین رائے" بلوایا۔ آپ ہی کے ہمراہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو بھی جانا پڑا۔ اس وقت آپ کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۲)۔

یوسف آل محمد کتوتیں میں

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نہ جانے کس طرح اپنے گھر کے کتوتیں میں گر گئے، آپ کے گرنے سے عورتوں میں

کہرام عظیم برپا ہو گیا۔ سب چیخنے اور چلانے لگیں، مگر حضرت امام علی نقی علیہ السلام جو محو نماز تھے، مطلق متاثر نہ ہوئے اور اطمینان سے نماز کا اختتام کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں جنت خدا کو کوئی گزند پہنچے گی۔ اسی دوران میں دیکھ کر پانی بلند ہو رہا ہے اور امام حسن عسکری پانی میں کھیل رہے ہیں۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۹)۔

امام حسن عسکری اور کسنی میں عروج فکر

آل محمد جو بدتر فرقہ آئی اور عروج فکر میں خاص مقام رکھتے ہیں ان میں سے

ایک بلند مقام بزرگ حضرت امام حسن عسکری ۲ ہیں۔ علماء فریقین نے لکھا ہے کہ ایک دن آپ ایک ایسی جگہ کھڑے رہے جس جگہ کچے کھیل میں مصروف تھے۔ اتفاقاً ادھر سے عارت آل محمد جناب بملول وانا گڈرے، انھوں نے یہ دیکھ کر کہ سب کچے کھیل رہے ہیں اور ایک خوب صورت سرنخ و سفید پتھر کھڑا رو رہا ہے۔ ادھر متوجہ ہوئے اور کہا کہ اے تو نہال مجھے بڑا افسوس ہے کہ تم اس لیے رو رہے ہو کہ تمہارے پاس وہ کھلونے نہیں جو ان بچوں کے پاس ہیں۔ مستو! میں ابھی ابھی تمہارے لیے کھلونے لے کر آتا ہوں۔ یہ کہنا تھا کہ آپ کسنی کے باوجود بولے، انا نہ سمجھ اہم کھیلنے کے لیے نہیں پیدا کئے گئے۔ ہم علم و عبادت کے لیے خلق ہوئے ہیں۔ انھوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ کیوں معلوم ہوا کہ غرض خلقت علم و عبادت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی طرف قرآن مجید رہبری کرتا ہے

کیا تم نے نہیں پڑھا کہ خدا فرماتا ہے۔ "اٰخسبتم انما خلقناکم عبثاً اثم (پہلے رکوع ۶) کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم نے تم کو عبث (کھیل کود) کے لیے پیدا کیا ہے؟ اور کیا تم ہماری طرف پلٹ کر نہ آؤ گے۔ یہ سن کر بے ہوش جبران رہ گئے، اور یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اسے فرزند نہیں کیا ہو گیا تھا کہ تم رورہے تھے۔ گناہ کا تصور تو ہو نہیں سکتا کیونکہ تم بہت کم سن ہو۔ آپ نے فرمایا کہ کسنی سے کیا ہوتا ہے۔ میں نے اپنی والدہ کو دیکھا ہے کہ بڑی لکڑیوں کو جلانے کے لیے چھوٹی لکڑیاں استعمال کرتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں جہنم کے بڑے ایندھن کے لیے ہم چھوٹے اور کم سن لوگ استعمال نہ کئے جائیں۔ (صواعق محرقة ص ۱۲۴، نور الابصار ص ۱۵، تذکرۃ المعصومین ص ۱۲۳)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کیساتھ بادشاہان وقت کا سلوک اور طرز عمل

جس طرح آپ کے آباؤ اجداد کے وجود کو ان کے عہد کے بادشاہ اپنی سلطنت اور حکمرانی کی راہ میں روڑا سمجھتے رہے۔ ان کا یہ خیال رہا کہ دنیا کے قلوب ان کی طرف مائل ہیں۔ کیونکہ یہ فرزند رسول اور اعمال صالح کے تاج دار ہیں لہذا ان کو انظار عامہ سے دور رکھا جائے ورنہ امکان قوی ہے کہ لوگ انھیں اپنا بادشاہ وقت تسلیم کر لیں گے۔ اس کے علاوہ بغض و حسد بھی تھا کہ ان کی عزت بادشاہ وقت کے مقابلہ میں زیادہ کی جاتی ہے اور یہ کہ امام مہدی انھیں کی نسل سے ہوں گے جو سلطنتوں کا انقلاب لائیں گے۔ انھیں تصورات نے جس طرح آپ کے بزرگوں کو چین نہ لینے دیا اور ہمیشہ مصائب کی آماجگاہ بنائے رکھا۔ اسی طرح آپ کے عہد کے بادشاہوں نے بھی آپ کے ساتھ کیا۔ عہدِ واثق میں آپ کی ولادت ہوئی اور عہدِ متوکل کے کچھ ایام میں بچپنا گزرا۔ متوکل جو آلِ محمد کا جانی دشمن تھا۔ اُس نے صرف اس مجرم میں کہ آلِ محمد کی تعریف کی ہے۔ ابن سکیت شاعر کی زبان گدی سے کھنچوالی (ابوالفداء جلد ۲ ص ۱۲) اُس نے سب سے پہلے تو آپ پر یہ ظلم کیا کہ چار سال کی عمر میں ترک وطن کرنے پر مجبور کیا۔ یعنی امام علی نقی علیہ السلام کو جبراً مدینہ سے سامرہ بلوایا۔ جن کے ہمراہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو لانا جانا تھا۔ پھر وہاں آپ کے گھر کی لوگوں کے کہنے محض سے تلاشی کرائی اور آپ کے والد ماجد کو جانوروں سے پھر ڈالنے کی کوشش کی۔ غرض کہ جو جو سعی آلِ محمد کو ستانے کی ممکن تھی۔ وہ سب اس نے اپنے عہدِ حیات میں کر ڈالی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا مستنصر خلیفہ ہوا۔ یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر چل کر آلِ محمد کو ستانے کی سنت ادا کرتا رہا۔ اور اس کی مسلسل کوشش یہی رہی کہ ان لوگوں کو سکون نصیب نہ ہونے پاتے۔ اس کے بعد مستعین کا جب عہدِ نواب آیا تو اس نے آپ کے والد ماجد کو قید خانہ میں رکھنے کے ساتھ ساتھ اس کی سعی پیہم کی کہ کسی صورت سے امام حسن عسکری کو قتل کرادے اور

اس کے لیے اُس نے مختلف راستے تلاش کئے۔ مُلا جامی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ اُس نے اپنے شوق کے مطابق ایک نہایت زبردست گھوڑا خریدا، لیکن اتفاق سے وہ کچھ اس درجہ سرکش نکلا کہ اُس نے بڑے بڑے لوگوں کو سواری نہ دی اور جو اس کے قریب گیا اس کو زمین پر دے مار کر ٹاپلوں سے کچل ڈالا۔ ایک دن خلیفہ مستعین بالله کے ایک دوست نے رائے دی کہ امام حسن عسکری کو بلا کر حکم دیا جائے کہ وہ اس پر سواری کریں، اگر وہ اس پر کامیاب ہو گئے تو گھوڑا رام ہو جائے گا اور اگر کامیاب نہ ہوئے اور کچل ڈالے گئے تو تیرا مقصد حل ہو جائے گا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ لیکن اللہ سے شانِ امامت جب آپ اس کے قریب پہنچے تو وہ اس طرح جھکی جلی بن گیا کہ جیسے کچھ جانتا ہی نہیں۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا کہ گھوڑا حضرت ہی کے حوالے کر دے۔ (شواہد النبوت ص ۱۱۱) پھر مستعین کے بعد جب معتز بالله خلیفہ ہوا تو اس نے بھی آلِ محمد کو ستانے کی سنت جاری رکھی۔ اور اس کی کوشش کرتا رہا کہ عہدِ حاضر کے امام زمانہ اور فرزندِ رسول امام علی نقی کو درجہ شہادت پر نفاذ کرے۔ چنانچہ یہی ہوا اور اس نے ۲۵۲ھ میں آپ کے والد بزرگوار کو زہر سے شہید کرا دیا۔ یہ ایک ایسی مصیبت تھی کہ جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو بے انتہا مایوس کر دیا۔ امام علی نقی کی شہادت کے بعد امام حسن عسکری علیہ السلام خطرات میں محصور ہو گئے۔ کیونکہ حکومت کا رخ اب آپ ہی کی طرف رہ گیا۔ آپ کو کھٹکا لگا ہی تھا کہ حکومت کی طرف سے عمل درآمد شروع ہو گیا۔ معتز نے ایک شہتی ازلی اور ناصب ابدی ابن یارش کی حراست اور نظر بندی میں امام حسن عسکری علیہ السلام کو دے دیا۔ اس نے ان کو ستانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لیکن آخر میں وہ آپ کا معتقد بن گیا۔ آپ کی عبادت گزار اور روزہ داری نے اس پر ایسا گہرا اثر کیا کہ اُس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگ لی اور آپ کو دولت سراسمک پہنچا دیا۔ علی بن محمد زیاد کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے ایک خط تحریر فرمایا جس میں لکھا کہ تم خانہ نشین ہو جاؤ۔ کیونکہ ایک بہت بڑا فتنہ اُٹھنے والا ہے۔ غرض کہ تھوڑے دنوں کے بعد ایک ہنگامہ عظیم برپا ہوا۔ اور حجاج بن سفیان نے معتز کو قتل کر دیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲) پھر جب مدی باللہ کا عہد آیا تو اُس نے بھی بدستور اپنا عمل جاری رکھا اور حضرت کو ستانے میں ہر قسم کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن اُس نے صالح بن وعیف نامی ناصبی کے حوالہ آپ کو کر دیا اور حکم دیا کہ ہر ممکن طریقہ سے آپ کو ستائے۔ صالح کے مکان کے قریب ایک بدترین حجرہ تھا جس میں آپ قید کئے گئے۔ صالح بدبخت نے جہاں اور طریقہ سے ستایا۔ ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ آپ کو کھانا اور پانی سے بھی حیران اور تنگ رکھتا تھا۔ آخر ایسا ہوتا رہا کہ آپ تیمم سے نماز ادا فرماتے رہے۔ ایک دن اُس کی بیوی نے

کہا کہ اے دشمن خدایہ فرزند رسول! میں ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کر، اُس نے کوئی توجہ نہ کی۔ ایک دن کا ذکر ہے بنی عباسیہ کے ایک گروہ نے صالح سے جا کر درخواست کی کہ حسن عسکری پر زیادہ ظلم کیا جانا چاہیے۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے ان کے اوپر دو ایسے شخصوں کو مستطو کر دیا ہے جن کا ظلم و تشدد میں جواب نہیں ہے، لیکن میں کیا کروں کہ ان کے لفظی اور ان کی عبادت گذاری سے وہ اس درجہ متاثر ہو گئے ہیں کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ میں نے اُن سے جواب طلبی کی تو انہوں نے قلبی مجبوری ظاہر کی۔ یہ سن کر وہ لوگ بالوس واپس گئے۔ (تذکرۃ المعصومین، ۲۲۳) غرض کہ ہمدی کا ظلم و تشدد زوروں پر تھا۔ اور یہی نہیں کہ وہ امام علیہ السلام پر سختی کرتا تھا بلکہ یہ کہ وہ اُن کے ماننے والوں کو برابر قتل کر رہا تھا۔ ایک دن آپ کے ایک صحابی احمد بن محمد نے ایک عریضہ کے ذریعہ سے اُس کے ظلم کی شکایت کی، تو آپ نے تحریر فرمایا کہ گھبراؤ نہیں کہ ہمدی کی عمر اب صرف پانچ یوم باقی رہ گئی ہے چنانچہ چھٹے دن اُسے کمال ذلت و خواری کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲) اسی کے عہد میں جب آپ قیصر خانہ میں پہنچے تو عیسیٰ بنی فح سے فرمایا کہ تمہاری عمر اس وقت ۶۵ سال ایک ماہ دو یوم کی ہے۔ اُس نے نوٹ بک نکال کر اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ خدا تمہیں اللہ زیر عطا کرے گا وہ خوش ہو کر کہنے لگا مولا! کیا آپ کو خدا فرزند نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم عنقریب مجھے مالک ایسا فرزند دے گا جو ساری کائنات پر حکومت کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (نور الابصار ص ۱۱۸) پھر جب اُس کے بعد محترم خلیفہ ہوا تو اس نے امام علیہ السلام پر ظلم و جور، ستم و استبداد کا خاتمہ کر دیا۔

امام علی نقی علیہ السلام کی شہادت اور امام حسن عسکری کا آغاز امامت

حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی شادی جناب خاتون خاتون سے کر دی جو قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی عیسیٰ کی نسل سے تھیں۔ (جلال العیون ص ۲۹) اس کے بعد آپ ۳ رجب ۲۵۴ھ کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

آپ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی امامت کا آغاز ہوا۔ آپ کے تمام معتقدین نے آپ کو مبارک باد دی اور آپ سے ہر قسم کا استفادہ شروع کر دیا۔ آپ کی خدمت میں آمد و رفت اور سوالات و جوابات کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ آپ نے جوابات میں ایسے حیرت انگیز معجزات کا انکشاف فرمایا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ آپ نے علم غیب اور علم بالموت تک کا عجوت پیش فرمایا اور اس کی بھی وضاحت کی کہ غلام شخص کو اتنے دنوں میں موت آجائے گی۔

علامہ ملا جامی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے والد سمیت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام

کی راہ میں بیٹھ کر یہ سوال کرنا چاہا کہ باپ کو پانچ سو درہم اور بیٹے کو تین سو درہم اگر امام دے دیں تو سارے کام ہو جائیں، یہاں تک امام علیہ السلام اس راستے پر آپہنچے۔ اتفاقاً یہ دونوں امام کو پہچانتے نہ تھے۔ امام خود ان کے قریب گئے اور ان سے کہا کہ تمہیں آٹھ سو درہم کی ضرورت ہے۔ آدیں تمہیں دے دوں۔ دونوں ہمراہ ہو لیے اور رقم معهود حاصل کر لی۔ اسی طرح ایک اور شخص قید خانہ میں تھا۔ اُس نے قید کی پریشانی کی شکایت امام علیہ السلام کو لکھ کر بھیجی اور تنگ دستی کا ذکر شرم کی وجہ سے نہ کیا۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ تم آج ہی قید سے رہا ہو جاؤ گے۔ اور تم نے جو شرم سے تنگ دستی کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے متعلق معلوم کرو کہ میں اپنے مقام پر پہنچتے ہی سو دینار بھیج دوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ سے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی۔ آپ نے زمین خرید کر ایک اشرفی کی تھیلی نکالی اور اُس کے حوالے کر دی۔ اس میں سو دینار تھے۔ اسی طرح ایک شخص نے آپ کو تحریر کیا کہ مشکوٰۃ کے معنی کیا ہیں؟ نیز یہ کہ میری عورت حاملہ ہے اس سے جو فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام رکھ دیجئے۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ مشکوٰۃ سے مراد قلب محمد مصطفیٰ صلعم ہے اور آخر میں لکھ دیا۔ ”عظیم اللہ اجرکے واخلف علیک“ خدا تمہیں اجر دے اور نعم البدل عطا کرے۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ اُس کے یہاں مردہ لڑکا پیدا ہوا۔ اس کے بعد اُس کی بیوی حاملہ ہوئی، فرزند زینہ متولد ہوا۔ ملاحظہ ہو (شواہد النبوت ص ۲۱)۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ حسن ابن زریف نامی ایک شخص نے حضرت سے لکھ کر دریافت کیا کہ قائم آل محمد پوشیدہ ہونے کے بعد کب ظہور کریں گے۔ آپ نے تحریر فرمایا جب خدا کی مصلحت ہوگی۔ اس کے بعد لکھا کہ تم تپ رنج کا سوال کرنا بھول گئے جسے تم مجھ سے پوچھنا چاہتے تھے، نو دیکھو ایسا روکے جو اس میں مبتلا ہو اس کے گلے میں آئے۔ ”یا ناکونی برءاً و سلاً ما علی ابراہیم“ لکھ کر لٹکا دو وشفایا ہو جائے گا۔ علی بن زید ابن حسین کا کہنا ہے کہ میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس گھوڑے کی عمر صرف ایک رات باقی رہ گئی ہے۔ چنانچہ وہ صبح ہونے سے پہلے مر گیا۔ اسماعیل بن محمد کا کہنا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، اور میں نے اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میرے پاس ایک درہم بھی نہیں ہے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ قسم کھاؤ تمہارے گھر دو سو دینار مدفن ہیں۔ یہ سن کر وہ حیران رہ گیا، پھر حضرت نے غلام کو حکم دیا کہ انہیں سوا اشرفیاں دے دو۔ عبدی روایت کرتا ہے کہ میں اپنے فرزند کو بصرہ میں بیمار چھوڑ کر سیارہ گیا اور وہاں حضرت کو تحریر کیا کہ میرے فرزند کے لیے دُعاے شفا فرمائیں۔ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”خدا اس پر رحمت نازل فرمائے“ جس دن یہ خط اُسے ملا اسی دن اس کا فرزند انتقال کر چکا تھا۔ محمد بن افرغ کہتا ہے کہ میں نے حضرت کی خدمت میں ایک عزیز کے ذریعہ سے سوال کیا

کہ ”کیا اُمّ کو بھی استسلام ہوتا ہے“ جب خط روانہ کر چکا تو خیال ہوا کہ استسلام تو دوسو سوسہ شیطانوں سے ہوا کرتا ہے اور امام تک شیطان پہنچ نہیں سکتا۔ بہر حال جواب آیا کہ امام نوم اور بیداری دونوں حالتوں میں دوسو سوسہ شیطانوں سے دور ہوتے ہیں جیسا کہ تمہارے دل میں بھی خیال پیدا ہوا ہے پھر استسلام کیونکر ہو سکتا ہے۔ جعفر بن محمد کا کہنا ہے کہ میں ایک دن حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، دل میں خیال آیا کہ میری عورت جو حاملہ ہے اگر اس سے فرزند نرینہ پیدا ہو تو بہت اچھا ہو آپ نے فرمایا کہ اے جعفر لڑکا نہیں لڑکی پیدا ہوگی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۸)۔

اپنے عقیدت مندوں میں حضرت کا دورہ

امام حسن عسکری کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اُن سے عرض کی کہ مولا! اہل جرجان آپ کی تشریف آوری کے خواستگار اور خواہش مند ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم آج سے ایک سو نو تے دن کے بعد واپس جرجان پہنچو گے اور جس دن تم پہنچو گے اسی دن شام کو میں بھی پہنچوں گا تم انھیں باخبر کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، میں وطن پہنچ کر لوگوں کو آگاہ کر چکا تھا کہ امام علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی۔ آپ نے سب سے ملاقات کی اور سب نے شرفِ زیارت حاصل کیا۔ پھر لوگوں نے اپنی مشکلات پیش کیں۔ امام علیہ السلام نے سب کو مطمئن کر دیا۔ اسی سلسلہ میں نصر بن جابر نے اپنے فرزند کو پیش کیا، جو نابینا تھا۔ حضرت نے اس کے چہرہ پر دست مبارک پھیر کر اُسے بینائی عطا کی۔ پھر آپ اسی روز واپس تشریف لے گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۲۸) ایک شخص نے آپ کو ایک خط بلا روشنائی کے قلم سے لکھا۔ آپ نے اُس کا جواب مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی لکھنے والے کا اور اس کے باپ کا نام بھی تحریر فرما دیا۔ یہ کرامت دیکھ کر وہ شخص حیران ہو گیا اور اسلام لایا اور آپ کی امامت کا معتقد بن گیا۔ (دمعہ ساکبہ ص ۱۶۲)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کا پتھر پر مہر لگانا

ثقة الاسلام علامہ کلینی اور امام اہلسنت علامہ جامی رقمطراز ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں ایک خوب صورت سائمنی آیا اور اس نے ایک سنگ پارہ یعنی پتھر کا ٹکڑا پیش کر کے خواہش کی کہ آپ اس پر اپنی امامت کی تصدیق میں مہر کر دیں حضرت نے مہر نکالی اور اس پر لگا دی۔ آپ کا اسم گرامی اسی طرح کندہ ہو گیا جس طرح موم پر لگانے سے کندہ ہوتا ہے۔ ایک سوال کے جواب میں کہا گیا کہ آنے والا مجمع ابن الصلت بن عقبہ بن سبحان ابن غانم ابن ام غانم تھا۔ یہ وہی سنگ پارہ لایا تھا جس پر اس کے خاندان کی ایک عورت ام غانم

نے تمام ائمہ طاہرین سے مہر لگوا رکھی تھی۔ اُس کا طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی امامت کا دعویٰ کرتا تھا تو وہ اُس کو لے کر اُس کے پاس چلی جاتی تھی۔ اگر اس دعویٰ نے پتھر پر مہر لگا دی تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ امام زمانہ میں اور اگر وہ اس عمل سے عاجز رہا تو وہ اسے نظر انداز کر دیتی تھی۔ چونکہ اُس نے اسی سنگ پارہ پر کئی اماموں کی مہر لگوائی تھی، اس لیے اُس کا لقب (صاحبۃ الحصاة) ہو گیا تھا۔ علامہ جامی لکھتے ہیں کہ جب مجھ بن صلوات نے مہر لگوائی تو اُس سے پوچھا گیا کہ تم حضرت امام حسن عسکری کو پہلے سے پہچانتے تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ واقعہ یہ ہوا کہ میں ان کا انتظار کر رہی رہا تھا کہ آپ تشریف لائے، لیکن میں چونکہ پہچانتا نہ تھا اس لیے خاموش بیٹھا رہا۔ اتنے میں ایک ناشناس نوجوان نے میری نظروں کے سامنے آکر کہا کہ یہی حسن بن علی ہیں۔ راوی ابو ہاشم بیان کرتا ہے کہ جب وہ جوان آپ کے دربار میں آیا تو میرے دل میں یہ آیا کہ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ یہ کون ہے۔ دل میں اس خیال کا آنا تھا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مہر لگوانے کے لیے وہ سنگ پارہ لایا ہے، جس پر میرے باپ دادا کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ چنانچہ اُس نے پیش کیا اور آپ نے مہر لگا دی۔ وہ شخص آیت ”درساۃ بعضہا من بعض“ پڑھتا ہوا چلا گیا۔ (اصول کافی و دمعہ ساکبہ ص ۱۶۴۔ شواہد النبوت ص ۲۱۱ طبع لکھنؤ ۱۹۰۵ء اعلام الوری ص ۲۱۴)۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے علمی خدمات

تفسیر القرآن

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب انسان کو سکون نصیب ہوتا دل و دماغ از کار رفتہ ہو جاتے ہیں اور اُس میں اتنی صلاحیت نہیں رہتی کہ وہ کوئی غیر فانی دماغی کردار پیش کر سکے۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام جنہیں بالواسطہ یا بلا واسطہ خلفائے عباسیہ کے سات ظالموں کے درستیہ و بندو سے متاثر ہونا پڑا۔ کبھی آپ کے والد ماجد کو قید کیا گیا، کبھی آپ کے کھر کی تلاش لی گئی، کبھی آپ کو قید ظلم میں مقید کیا گیا۔ کبھی نظر بندی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا گیا۔ غرض کہ آپ کا کوئی لمحہ جیتا پرسکون نہیں گزرا۔ پھر عمر بھی آپ نے صرف ۲۸ سال کی پائی تھی۔ انھیں وجہ سے آپ کے کمالات علمیہ کا کما حقہ اظہار و انکشاف نہ ہو سکا۔ اسی بنا پر علامہ کرمانی لکھتے ہیں کہ آپ دنیا میں اتنے دنوں بقید حیات رہے ہی نہیں کہ آپ کے فضائل و مناقب اور علوم و حکم لوگوں پر ظاہر ہو سکیں (اخبار الدول ص ۱۱۱)۔ تاہم ان حالات میں بھی آپ نے اپنے علم لدنی بے نیاز اپنے والد بزرگوار سے حاصل کر وہ علم کے سہارے تاجر علمی کے ساتھ بڑے بڑے علمی کارناموں سے لوگوں کو حیران کر دیا ہے۔ آپ نے مخالفین اسلام اور عظیم جاہلیہوں سے اہم مناظرے کئے اور علم و حکم کے

دیا بہلے ہیں۔ آپ کے علمی کارناموں میں ایک اہم کارنامہ قرآن مجید کی تفسیر ہے۔ جو تفسیر امام حسن عسکریؑ کے نام سے موسوم و مشہور ہے۔ یہ تفسیر علوم قرآنی اور حکم نبوی سے مملو ہے (وجہ کہ جلد ۳ ص ۱۶۵) میرے نزدیک اس کا انتساب تشہر تحقیق ہے۔

آپ نے اپنی قلبی صلاحیت کو عمل افتخار میں اکثر ذکر فرمایا ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ ہم وہ ہیں جنہیں خدا نے صاحبِ قلم قرار دیا ہے۔ علماء کا بیان ہے کہ جب آپ لکھتے لکھتے نماز کے لیے چلے جایا کرتے تھے تو آپ کا قلم برابر چلتا رہتا تھا اور آپ کا ما فی الضمیر حکم خداوندی سطحِ قریطاس پر مرقوم ہونا رہتا تھا۔ (سجرات الانوار، دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۹) بحوالہ اثبات الہدایہ شریعی۔ علامہ شیخ مفید کا کہنا ہے کہ آپ علم فضل۔ زہد و تقویٰ۔ عقل و عصمت شجاعت و کرم اعمال و عبادت میں افضل اہل زمانہ تھے۔ (ارشاد ص ۵۰۲ ثقۃ الاسلام علامہ کلینیؑ کا بیان ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اپنے آباؤ و اجداد کی طرح تمام زبانوں سے واقف تھے۔ آپ ترکی رومی غرضکہ ہر زبان میں تکلم کیا کرتے تھے۔ خدا نے آپ کو ہر زبان سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ اور آپ علم رجال۔ علم انساب۔ علم حوادث میں کمال رکھتے تھے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۱۷ بحوالہ اصول کافی) عبد اللہ ابن محمد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت کو بھیرے سے بات چیت کرتے ہوئے خود سنا ہے۔ (کتاب مناقب فاطمہ)۔

حضرت امام حسن عسکریؑ کا عراق کے ایک عظیم فلسفی کو شکست دینا

مورخین کا بیان ہے کہ عراق کے ایک عظیم فلسفی اسحاق کندی کو یہ خط سوار ہوا کہ قرآن مجید میں تناقض ثابت کرے اور یہ بتا دے کہ قرآن مجید کی ایک آیت دوسری آیت سے، اور ایک مضمون دوسرے مضمون سے ٹکراتا ہے۔ اس نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے کتاب "تناقض القرآن" لکھنا شروع کی اور اس درجہ منہمک ہو گیا کہ لوگوں سے ملنا جلنا اور کہیں آنا جانا سب ترک کر دیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اُس کے خط کو دور کرنے کا ارادہ فرمایا، آپ کا خیال تھا کہ اس پر کوئی ایسا اعتراض کر لیا جائے کہ جس کا وہ جواب نہ دے سکے اور مجبوراً اپنے ارادے سے باز آجائے۔ اتفاقاً ایک دن آپ کی خدمت میں اس کا ایک شاگرد حاضر ہوا۔ حضرت نے اُس سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا نہیں ہے جو اسحاق کندی کو "تناقض القرآن" لکھنے سے باز رکھ سکے۔ اس نے عرض کی مولا! میں اس کا شاگرد ہوں، بھلا اس کے سامنے لب کشائی کر سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ تو کر سکتے ہو کہ جو میں کہوں وہ اُس تک پہنچا دو۔ اس نے کہا کر سکتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ پہلے تو تم اس سے موائست پیدا کرو۔

اور اس پر اعتبار جماؤ، جب وہ تم سے مانوس ہو جائے اور تمہاری بات تو تجھ سے سُننے لگے تو اُس سے کہنا کہ مجھے ایک شبہ پیدا ہو گیا ہے۔ آپ اس کو دُور فرمادیں۔ جب وہ کہے کہ بیان کرو تو کہنا کہ ”ان اتاک هذا المتکلم بهذا القرآن هل يجوز ان يكون مرادک بما تکلم منه عن المعانی التي قد ظننتها انک ذهبت لها اليها۔ اگر اس کتاب یعنی قرآن کا مانگ تمہارے پاس اسے لاتے تو کیا ہو سکتا ہے کہ اس کلام سے جو مطلب اس کا ہو، وہ تمہارے سمجھے ہوئے معانی و مطالب کے خلاف ہو، جب وہ تمہارا یہ اعتراض سُنے گا تو چونکہ ذہین آدمی ہے۔ فوراً کہے گا کہ بے شک ایسا ہو سکتا ہے۔ جب وہ یہ کہے تو تم اُس سے کہنا کہ پھر کتاب تناقض القرآن“ لکھنے سے کیا فائدہ؟ کیونکہ تم اس کے جو معنی سمجھ کر اس پر اعتراض کر رہے ہو، ہو سکتا ہے کہ وہ خدائی مقصود کے خلاف ہو۔ ایسی صورت میں تمہاری محنت ضائع اور برباد ہو جائے گی۔ کیونکہ تناقض تو جب ہو سکتا ہے کہ تمہارا سمجھا ہوا مطلب صحیح اور مقصود خداوندی کے کے مطابق ہو اور ایسا یقینی طور پر نہیں تو تناقض کہاں رہا؟ الغرض وہ شاگرد اسحاق کندی کے پاس گیا اور اُس نے امام کے بتائے ہوئے اصول پر اُس سے مذکورہ سوال کیا۔ اسحاق کندی یہ اعتراض سُن کر حیران رہ گیا۔ اور کہنے لگا کہ پھر سوال کو دُھراؤ، اس نے پراعاہدہ کیا۔ اسحاق تھوڑی دیر کے لیے محو فکر ہو گیا۔ اور دل میں کہنے لگا کہ بے شک اس قسم کا احتمال باعتبار لغت اور بلحاظ فکر و تدبر ممکن ہے۔ پھر اپنے شاگرد کی طرف متوجہ ہو کر بولا! میں تمہیں قسم دیتا ہوں تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ کہ تمہیں یہ اعتراض کس نے بتایا ہے۔ اس نے جواب دیا میرے شفیق استاد میرے ہی ذہن کی پیداوار ہے۔ اسحاق نے کہا ہرگز نہیں، یہ تمہارے جیسے علم والے کے بس کی چیز نہیں ہے، تم سچ کہو کہ تمہیں کس نے بتایا اور اس اعتراض کی طرف کس نے پرہیزی کی ہے۔ شاگرد نے کہا کہ سچ تو یہ ہے کہ مجھے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا تھا اور میں نے انہیں کے بتائے ہوئے اصول پر آپ سے سوال کیا ہے۔ اسحاق کندی بولا الان حدثت به اب تم نے سچ کہا ہے ایسے اعتراضات اور ایسی اہم باتیں غاڈان رسالت ہی سے برآمد ہو سکتی ہیں” ثم انه دعا بالنار و اخرج جميع ما كان الفه“ پھر اس نے آگ منگانی اور کتاب تناقض القرآن کا سارا مسودہ نذر آتش کر دیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ما زدرانی جلد ۵ ص ۱۲۷ و بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۶۲ و معہ ساکبہ ص ۱۸۳ جلد ۲)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور خصوصیات مذہب

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہمارے مذہب میں اُن لوگوں کا شمار ہوگا

جو اصول و فروع اور دیگر لوازم کے ساتھ ساتھ ان دس چیزوں کے قائل بلکہ ان پر عامل ہوں (۱) شب و روز میں ۵۱ رکعت نماز پڑھنا (۲) سجدہ گاہ کر بلا پر سجدہ کرنا (۳) واہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہننا (۴) اذان و اقامت کے جملے دو دو مرتبہ کہنا (۵) اذان و اقامت میں حجی علی خیر العمل کہنا (۶) نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھنا (۷) ہر دوسری رکعت میں قنوت پڑھنا (۸) آفتاب کی زردی سے پہلے نماز عصر اور تاروں کے ڈوب جانے سے پہلے نماز صبح پڑھنا (۹) سر اور ڈاڑھی میں وسملہ کا خضاب کرنا (۱۰) نماز میت میں پانچ تکبیر کہنا۔ (دسمہ ساکبہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۱)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام چند عظیم اصحاب جن میں احمد بن اسحاق قمی بھی تھے ایک دن محمد بن ابی علاء ہمدانی اور تکبیلی بن محمد بن جریج بغدادی کے درمیان ۹ ربیع الاول

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام
اور عیدِ نهم ربیع الاول

کے یوم عید ہونے پر گفتگو ہو رہی تھی، بات چیت کی تکمیل کے لیے یہ دونوں احمد بن اسحاق کے مکان پر گئے، وق الباب کیا، ایک عراقی لڑکی نکلی، آنے کا سبب پوچھا، کہا، احمد سے ملا ہے اس نے کہا وہ اعمال کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کیا عمل ہے؟ لڑکی نے کہا، کہ احمد بن اسحاق نے حضرت امام علی نقی سے روایت کی ہے کہ ۹ ربیع الاول یوم عید ہے اور ہماری بڑی عید ہے اور ہمارے دوستوں کی عید ہے۔ الغرض وہ احمد سے ملے، انھوں نے کہا میں ابھی غسل عید سے فارغ ہوا ہوں اور آج عیدِ نهم ہے۔ پھر انھوں نے کہا کہ میں آج ہی حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ ان کے یہاں انگلیٹھی سلگ رہی تھی اور تمام گھر کے لوگ اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ خوشبو لگائے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کی ابن رسول اللہ آج کیا کوئی سزاہ یوم مسترت ہے۔ فرمایا ہاں آج ۹ ربیع الاول ہے، ہم طبیعت اور ہمارے ماننے والوں کے لیے یوم عید ہے۔ پھر امام علیہ السلام نے اس دن کے یوم عید ہونے اور رسول خدا اور امیر المؤمنین کے طرز عمل کی نشان دہی فرمائی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے چند سود مند

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے چند و نصائح حکم اور مواظبتیں سے مشتمل نمونہ از قرآن
یہ ہیں۔ (۱) دو بہترین عادتیں یہ ہیں کہ اللہ پر ایمان رکھے اور لوگوں کو فائدے پہنچائے (۲)
اچھتوں کو دوست رکھنے میں ثواب ہے (۳) تواضع اور فروتنی یہ ہے کہ جب کسی کے پاس سے
گزرے تو سلام کرے اور مجلس میں معمولی جگہ بیٹھے (۴) بلا وجہ ہنسنا بجات کی دلیل ہے (۵)

پڑوسیوں کی نیکی کو چھپانا اور برائیوں کو اچھالنا شخص کے لیے کم توڑ دینے والی مصیبت اور بے چارگی ہے (۶) یہی عبادت نہیں ہے کہ نماز روزے ادا کرتا رہے، بلکہ یہ بھی اہم عبادت ہے کہ خدا کے بارے میں سوچ بچار کرے (۷) وہ شخص بدترین ہے جو دو موٹھا اور دو زبان ہو، جب دوست سامنے آئے تو اپنی زبان سے خوش کر دے اور جب وہ چلا جائے تو اسے کھا جانے کی تہنیت دے۔ جب اُسے کچھ ملے تو یہ حسد کرے۔ اور جب اُس پر کوئی مصیبت آجائے تو قریب نہ پھٹکے (۸) غصہ ہر بُرائی کی کنجی ہے (۹) حسد کرنے اور کینہ رکھنے والے کو کبھی سکون قلب نصیب نہیں ہوتا (۱۰) پرہیزگار وہ ہے کہ جو شب کے وقت توقف و تدبیر سے کام لے اور ہر امر میں محتاط رہے (۱۱) بہترین عبادت گزار وہ ہے جو فرائض ادا کرتا رہے (۱۲) بہترین متقی اور زاہد وہ ہے جو گناہ مطلقاً چھوڑ دے (۱۳) جو دنیا میں بووگے وہی آخرت میں کالوگے (۱۴) موت تمھارے پیچھے لگی ہوئی ہے اچھا بووگے تو اچھا کالوگے، بُرا بووگے تو ندامت ہوگی۔ (۱۵) حرص اور لالچ سے کوئی فائدہ نہیں جو ملتا ہے قریبی ملے گا (۱۶) ایک مومن دوسرے مومن کے لیے برکت ہے (۱۷) بیوقوف کا دل اُس کے مُشرک میں ہوتا ہے اور عقلمند کا منہ اُس کے دل میں ہوتا ہے۔ (۱۸) دنیا کی تلاش میں کوئی فریضہ نہ گنوا دینا (۱۹) طہارت میں شک کی وجہ سے زیادتی کرنا غیر ممدوح ہے (۲۰) کوئی کتنا ہی بُرا آدمی کیوں نہ ہو جب وہ حق کو چھوڑ دے گا ذلیل تر ہو جائے گا (۲۱) معمولی آدمی کے ساتھ اگر حق ہو تو قوی ہوتا ہے (۲۲) جہل کی دوستی مصیبت ہے (۲۳) غمگین کے سامنے ہنسنا بے ادبی اور بد عملی ہے (۲۴) وہ چیز موت سے بدتر ہے جو تمہیں موت سے بہتر نظر آئے (۲۵) وہ چیز زندگی سے بہتر ہے جس کی وجہ سے تم زندگی کو بُرا سمجھو (۲۶) جاہل کی دوستی اور اس کے ساتھ گزارا کرنا بیچارگی کے مانند ہے (۲۷) کسی کی پریشی ہوئی عادت کو چھڑانا اعجاز کی حقیقت رکھتا ہے (۲۸) تواضع ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جاسکتا (۲۹) اس انداز سے کسی کی تعظیم نہ کرو جسے وہ بُرا سمجھے (۳۰) اپنے بھائی کی پوشیدہ نصیحت کرنی اس کی زینت کا سبب ہوتا (۳۱) کسی کی علانیہ نصیحت کرنا بُرائی کا ہمیشہ خیمہ ہے (۳۲) ہر بلا اور مصیبت کے پس منظر میں رحمت اور نعمت ہوتی ہے (۳۳) میں اپنے ماننے والوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈریں۔ دین کے بارے میں پرہیزگاری کو شعار بنالیں خدا کے منتقلی پوری سعی کریں اور اُس کے احکام کی پیروی میں کمی نہ کریں۔ سچ بولیں، امانتیں چاہے مومن کی ہوں یا کافر کی، ادا کریں۔ اور اپنے بچوں کو طول دیں اور سوالات کے شیریں جواب میں تلاوت قرآن مجید کیا کریں۔ موت اور خدا کے ذکر سے کبھی غافل نہ ہوں (۳۴) جو شخص دنیا سے دل کا اندھا اٹھے گا، آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ دل کا اندھا ہونا ہماری موت سے غافل بننا

ہے قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کے دن نیکو لوگوں کے لئے "رب لہما حشر تنی اعمی و کنت بصیراً" میرے پالنے والے ہم تو دنیا میں بیٹھے تھے۔ ہمیں یہاں اندھا کیوں اٹھایا ہے۔ جواب ملے گا۔ ہم نے جو نشانیاں بھیجی تھیں تم نے انھیں نظر انداز کیا تھا۔ لوگو! اللہ کی نعمت اللہ کی نشانیاں ہم آل محمد ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے دو شنبہ کے شروعت سے بچنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے کہ نماز صبح کی رکعت اولیٰ میں سورہ "ہل اتی" پڑھنا چاہیے، نیز یہ فرمایا ہے کہ نماز نہ خرلوڑو نہیں کھانا چاہیے کیونکہ اس سے فالج کا اندیشہ ہے۔ (بخاری جلد ۱۲)۔

۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں بطین
جناب نرس خاتون سے قائم

امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

آل محمد حضرت امام مہدی علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی، امام حسن عسکری علیہ السلام نے دو دشمنوں کے خوف سے آپ کی ولادت کو ظاہر نہیں ہونے دیا۔ تاجا می لکھتے ہیں کہ امام مہدی کی ولادت کے بعد حضرت جبرئیل انھیں پرورش و پرداخت کے لیے اٹھا کر لے گئے (شواہد النبوت) علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ آپ تین سال کی عمر میں دیکھے گئے اور آپ نے حجۃ اللہ ہونے کا اظہار کیا۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۸)۔

معتد عباسی کی خلافت اور امام حسن عسکری علیہ السلام کی گرفتاری

گر قلم در دست خدا رہے بود
لاجرم منصور بردارے بود

۲۵۶ھ ہجری میں معتد عباسی خلافت مقبوضہ کے تخت پر متمکن ہوا، اس نے حکومت کی عنایت سے ہی اپنے آبائی طرز عمل کو اختیار کرنا اور جدی کردار کو پیش کرنا شروع کر دیا اور دل سے اس کی سعی شروع کر دی کہ آل محمد کے وجود سے زمین خالی ہو جائے، یہ اگرچہ حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی علی بغاوت کا شکار ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی اپنے وظیفے اور اپنے مشن سے غافل نہیں رہا۔ اس نے حکم دیا کہ عہد حاضر میں خاندان رسالت کی یادگار، امام حسن عسکری کو قید کر دیا جائے اور انھیں قید میں کسی قسم کا سکون نہ دیا جائے۔ حکم حاکم مرگ مفاجات آخر امام علیہ السلام بلا جرم و خطا آزاد قضا سے قید خانہ میں پہنچا دیے گئے، اور آپ پر علی بن اوتماکش نامی ایک ناصبی مستطکر دیا گیا جو آل محمد اور آل ابی طالب کا سخت ترین دشمن تھا اور اس سے کہہ دیا گیا کہ جو جی چاہے کرو، تم سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ ابن اوتماکش نے حسب ہدایت آپ پر طرح طرح کی سختیاں شروع کر دیں۔ اس نے نہ خدا کا خوف کیا نہ پیغمبر کی

اولاد ہونے کا لحاظ کیا، لیکن اللہ نے آپ کا زہد و تقویٰ کہ دو چار ہی یوم میں دشمن کا دل موم ہو گیا اور وہ حضرت کے پیروں پر پڑ گیا۔ آپ کی عبادت گزاری اور تقویٰ و طہارت دیکھ کر وہ آفاتِ آخرت ہو کر حضرت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا۔ آپ کی عظمت و جلالت کی وجہ سے سر جھکا کر آسنا اور چلا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ وقت آگیا کہ دشمن بصیرت آگیاں بن کر آپ کا معترف اور ماننے والا ہو گیا۔ (اعلام الوری ص ۲۱۸)۔

ابو ہاشم داؤد بن قاسم کا بیان ہے کہ میں اور میرے ہمراہ حسن بن محمد القسفی و محمد بن ابراہیم عمری اور دیگر بہت سے حضرات اس قید خانہ میں آ کر محمد کی محبت کے جرم کی سزا بھگت رہے تھے کہ ناگاہ ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے امام زمانہ حضرت حسن عسکری علیہ السلام بھی تشریف لا رہے ہیں۔ ہم نے ان کا استقبال کیا وہ تشریف لا کر قید خانہ میں ہمارے پاس بیٹھ گئے، اور دیکھتے ہی ایک اندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر شخص نہ ہوتا تو میں تمہیں یہ بتا دیتا کہ اندرونی معاملہ کیا ہے اور تم کب رہا ہو گے۔ لوگوں نے یہ سُن کر اُس اندھے سے کہا کہ تم ذرا ہمارے پاس سے چند منٹ کے لیے ہٹ جاؤ، چنانچہ وہ ہٹ گیا۔ اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ نابینا قیدی نہیں ہے بلکہ تمہارے لیے حکومت کا جاسوس ہے۔ اس کی جیب میں ایسے کاغذات موجود ہیں جو اُس کی جاسوسی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ سُن کر لوگوں نے اُس کی تلاشی لی اور واقعہ بالکل صحیح نکلا ابو ہاشم کہتے ہیں کہ ہم قید کے ایام گزار رہے تھے کہ ایک دن غلام کھانا لایا۔ حضرت نے شام کا کھانا کھا لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا افطار قید سے باہر ہوگا۔ اس لیے کھانا نہ لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ عصر کے وقت قید خانہ سے برآمد ہو گئے۔ (اعلام الوری ص ۲۱۴)۔

اسلام پر امام حسن عسکری کا احسانِ عظیم و قحطِ قحط

امام علیہ السلام قید خانہ ہی میں تھے کہ سامرہ میں ہجرت میں سال سے قحط پڑا ہوا تھا اُس نے شدت اختیار کر لی اور

لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے۔ بھوک اور پیاس کی شدت نے زندگی سے عاجز کر دیا۔ یہ حال دیکھ کر خلیفہ معتز عباسی نے لوگوں کو حکم دیا کہ تین دن تک باہر نکل کر نماز استسقاء پڑھیں۔ چنانچہ سب نے ایسا کیا، مگر پانی نہ برسا، چونکہ روز بغداد کے نصاریٰ کی جماعت صحرا میں آئی اور ان میں سے ایک راہب نے آسمان کی جانب اپنا ہاتھ بلند کیا، اُس کا ہاتھ بلند ہونا تھا کہ بادل چھا گئے اور پانی برسنا شروع ہوا۔ اسی طرح اُس راہب نے دوسرے دن بھی عمل کیا اور بدستور اُس دن بھی بارانِ رحمت کا نزول ہوا، یہ حالت دیکھ کر سب کو نہایت تعجب ہوا جیسی کہ بعض

جاہلوں کے دلوں میں شک پیدا ہو گیا، بلکہ بعض اُن میں سے اُسی وقت مُرتد ہو گئے۔ یہ واقعہ خلیفہ پر بہت شاق گزرا اور اُس نے امام حسن عسکریؑ کو طلب کر کے کہا، اے ابو محمد اپنے جد کے کلمہ گو یوں کی خبر لو، اور اُن کو ہلاکت یعنی گمراہی سے بچاؤ۔ حضرت امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اچھا راہبوں کو حکم دیا جائے کہ کل پھر وہ میدان میں آکر دُعائے باران کریں، انشاء اللہ تعالیٰ میں لوگوں کے شکوک زائل کر دوں گا۔ پھر جب دوسرے دن وہ لوگ میدان میں طلب باران کے لیے جمع ہوئے تو اس راہب نے معمول کے مطابق آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا ناگہاں آسمان پر ابر نمودار ہوا اور مینہ برسنے لگا۔ یہ دیکھ کر امام حسن عسکریؑ نے ایک شخص سے کہا کہ راہب کا ہاتھ پکڑ کر جو چیز راہب کے ہاتھ میں ہے۔ لے لے۔ اُس شخص نے راہب کے ہاتھ میں ایک ہڈی دبی رشتی پائی اور اس سے لے کر حضرت امام حسن عسکریؑ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ اُنھوں نے راہب سے فرمایا کہ اب تو ہاتھ اٹھا کر بارشس کی دُعا کر۔ اُس نے ہاتھ اٹھا یا تو بجائے بارش ہونے کے مطلع صاف ہو گیا اور دُھوپ نکل آئی، لوگ کمال متعجب ہوئے اور خلیفہ محمّد نے حضرت امام حسن عسکریؑ سے پوچھا، کہ اے ابو محمد یہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ ایک نبی کی ہڈی ہے جس کی وجہ سے راہب اپنے مُدعا میں کامیاب ہوتا رہا۔ کیونکہ نبی کی ہڈی کا یہ اثر ہے کہ جب وہ زیر آسمان کھولی جائے گی، تو باران رحمت ضرور نازل ہوگا۔ یہ سُن کر لوگوں نے اس ہڈی کا امتحان کیا تو اُس کی وہی تاثیر دیکھی جو حضرت امام حسن عسکریؑ نے بیان کی تھی۔ اس واقعہ سے لوگوں کے دلوں کے وہ شکوک زائل ہو گئے جو پہلے پیدا ہو گئے تھے۔ پھر امام حسن عسکریؑ علیہ السلام اس ہڈی کو لے کر اپنی قیام گاہ پر نثریف لائے۔ (صواعق مُخرّجہ ص ۱۲۳ و کشف الغمہ ص ۱۱۹)۔

پھر آپ نے اس ہڈی کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا۔ (اخبار الدول ص ۱۱) شیخ شہاب الدین قلیونی نے کتاب غرائب و عجائب میں اس واقعہ کو صوفیوں کی کرامات کے سلسلہ میں لکھا ہے بعض کتابوں میں ہے کہ ہڈی کی گرفت کے بعد آپ نے نماز ادا کی اور دُعا فرمائی۔ خداوندِ عالم نے اتنی بارش کی کہ جل تھل ہو گیا اور قحط جاتا رہا۔ یہ بھی مرقوم ہے کہ امام علیہ السلام نے قید سے اٹھتے وقت اپنے ساتھیوں کی رہائی کا مطالبہ فرمایا تھا جو منظور ہو گیا تھا، اور وہ لوگ بھی راہب کی ہوا اٹھا کر کیے ہمراہ تھے۔ (نور الابصار ص ۱۱) ایک روایت میں ہے کہ جب آپ نے دُعائے باران کی اور ابر آیا تو آپ نے فرمایا کہ فلاں ملک کے لیے ہے اور وہ وہیں چلا گیا، اسی طرح کئی بار ہوا پھر وہاں برسا۔

۲۵۶ھ کے اخیر میں واقعہ قحط کے بعد حضرت امام حسن عسکریؑ علیہ السلام کا چہرہ تمام عالم میں پھیل گیا۔ اب کیا تھا موافق و مخالف

واقعہ قحط کے بعد

سب ہی کا میلان اور رجحان آپ کی طرف ہونے لگا، آپ کے وہ ماننے والے جن کے دلوں میں آل محمد کی مودت کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ یہ چاہتے تھے کہ کسی صورت سے امام کی خدمت میں امام ہمدی علیہ السلام کی ولادت کی مبارکباد پیش کریں۔ لیکن اس کا موقع نہ ملتا تھا کیونکہ بابا امام قید میں ہوتے یا حراست میں، ان سے ملنے کی کسی کو اجازت نہ ہوتی تھی، لیکن قحط کے واقعہ سے اتنا ہوا کہ آپ تقریباً ایک سال قید خانے سے باہر رہے۔ اسی دوران میں لوگوں نے مسائل و غمہ دریافت کئے اور جو لوگ زیارت کے مشنات تھے انھوں نے زیارت کی اور جو خفیہ تہنیت ولادت حضرت حجت علیہ السلام ادا کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے تہنیت ادا کی۔ علامہ محمد باقر لکھتے ہیں کہ ۱۵۷ھ میں تقریباً ۷ آدمی ملائح سے کربلا ہوتے ہوئے سامرہ پہنچے اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر تہنیت گزار ہوئے۔ حضرت نے فرط مسرت سے آنکھوں میں آنسو بھر کر ان کا استقبال کیا اور ان کے سوالات کے جوابات دیئے۔ (دمعہ ساجدہ جلد ۳ ص ۱۶۱)۔

حقیقت مندوں کی آمد کا چونکہ تا تا بندھ گیا تھا اس لیے خلیفہ معتمد نے آپ کے حالات کی نگرانی کے لیے بے شمار جاسوس مقرر کر دیئے۔ امام علیہ السلام جنھیں حکومت کی نیرت کا بہت اچھی طرح علم تھا خاموشی اور گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے لگے اور آپ نے اس کا التزام رکھا کہ ملکی معاملات پر کوئی تبصرہ نہ کیا جائے اور صرف دینی امور سے بحث کی جائے چنانچہ ۱۵۷ھ کے اخیر تک یہی کچھ ہوتا رہا۔ لیکن خلیفہ مطہر نہ ہوا۔ اور اس نے حسب عادت روک ٹوک شروع کی اور سب سے پہلے اُس نے خمس کی آمد کی بندش کر دی۔

اسی زمانہ میں ایک دن حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام منوکل کے وزیر فتح ابن خاقان کے بیٹے عبید اللہ ابن خاقان جو کہ معتمد کا وزیر تھا ملنے کے

امام حسن عسکریؑ اور عبید اللہ
وزیر معتمد عباسی

لیے تشریف لے گئے۔ اُس نے آپ کی بے انتہا تعظیم کی اور آپ سے اس طرح محو گفتگو رہا کہ معتمد کا بھائی موفی دربار میں آیا تو اُس نے کوئی پروا نہ کی۔ یہ حضرت کی جلالت اور خدا کی دی ہوئی عزت کا نتیجہ تھا۔ ہم اس واقعہ کو عبید اللہ کے بیٹے احمد خاقان کی زبانی بیان کرتے ہیں کتب معتبرہ میں ہے کہ جس زمانہ میں احمد خاقان قم کا والی تھا اُس کے دربار میں ایک دن علیوں کا تذکرہ چھڑ گیا۔ وہ اگرچہ دشمن آل محمد ہونے میں مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ میری نظر میں امام حسن عسکری سے بہتر کوئی نہیں ہے۔ ان کی جو وقعت ان کے ماننے والوں اور اراکین دولت کی نظر میں تھی وہ ان کے عہد میں کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ سنو! ایک مرتبہ میں

اپنے والد عبداللہ ابن خاقان کے پاس کھڑا ہوا تھا کہ ناگاہ دربان نے آکر اطلاع دی کہ امام حسن عسکری تشریف لائے ہوئے ہیں وہ اجازت داخلہ چاہتے ہیں۔ یہ سن کر میرے والد نے پکار کر کہا کہ حضرت ابن الرضا کو آنے دو، والد نے چونکہ کنیت کے ساتھ نام لیا تھا اس لیے مجھے سخت تعجب ہوا، کیونکہ اس طرح خلیفہ یا ولیعہد کے علاوہ کسی کا نام نہیں لیا جاتا تھا۔ اس کے بعد ہی میں نے دیکھا کہ ایک صاحب جو سبز رنگ، خوش قامت، خوب صورت، نازک اندام جوان تھے داخل ہوئے جن کے چہرے سے رعب و جلال ہویا تھا، میرے والد کی نظر جو نہی اُن کے اوپر پڑی وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُن کے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور انھیں سینے سے لگا کر اُن کے چہرہ اور سینہ کا بوسہ دیا۔ اور اپنے مصالحت پر اُن کو بٹھالیا، اور کمال ادب سے اُن کی طرف مخاطب رہے۔ اور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد کہتے تھے۔ میری جان آپ پر قربان اے فرزندِ رسولؐ۔ اسی آئین میں دربان نے آکر اطلاع دی کہ خلیفہ کا بھائی موفق آیا ہے۔ میرے والد نے کوئی توجہ نہ کی، حالانکہ اس کا عموماً یہ اعزاز رہتا تھا کہ جب تک واپس نہ چلا جائے۔ دربار کے لوگ دو روئے سرہ کھائے کھڑے رہتے تھے یہاں تک کہ موفق کے غلامان خاص کو اُس نے اپنی نظروں سے دیکھ لیا۔ انھیں دیکھنے کے بعد میرے والد نے کہا یا ابن رسول اللہ اگر اجازت ہو تو موفق سے کچھ باتیں کروں۔ حضرت نے وہاں سے اُٹھ کر روانہ ہو جانے کا ارادہ کیا۔ میرے والد نے انھیں بیٹھے لگایا اور دربانوں کو حکم دیا کہ انھیں دو مکمل صفوں کے درمیان سے لے جاؤ کہ موفق کی نظر آپ پر نہ پڑے۔ چنانچہ حضرت اعلیٰ انداز سے واپس تشریف لے گئے۔ آپ کے جانے کے بعد میں نے خاموں اور غلاموں سے کہا کہ دائے ہو تم نے کنیت کے ساتھ کس کا نام لے کر اسے میرے والد کے سامنے پیش کیا تھا۔ جس کی اس نے اس درجہ تعظیم کی جس کی مجھے توقع نہ تھی۔ اُن لوگوں نے پھر کہا کہ شخص ساداتِ علویہ میں سے تھا۔ اس کا نام حسن بن علی اور کنیت ابن الرضا ہے، یہ سن کر میرے عم و غصتہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور میں دن بھر اسی غصتہ میں بھتتا رہا کہ علوی سادات کی میرے والد نے اتنی عزت و توقیر کیوں کی یہاں تک کہ رات آگئی، میرے والد نماز میں مشغول تھے۔ جب وہ فریضہ حشرات سے فارغ ہوئے تو میں اُن کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنھوں نے پوچھا اے احمد اس وقت آنے کا کیا سبب ہے، میں نے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو میں کچھ پوچھوں۔ اُنھوں نے فرمایا کہ جو چی چاہے پوچھو۔ میں نے کہا یہ کون شخص تھا؟ جو صبح آپ کے پاس آیا تھا۔ جس کی آپ نے زبردست تعظیم کی اور ہر بات میں اپنے کو اور اپنے ماپ کو اس پر سے فدا کرتے تھے۔ اُنھوں نے فرمایا کہ اے فرزندِ تبارِ افضیوں کے امام ہیں ان کا نام حسن بن علی اور ان کی مشہور کنیت ابن الرضا ہے۔ یہ فرما کر وہ تھوڑی دیر چُپ رہے۔ پھر لو نے اے فرزندِ وہ کامل انسان ہے کہ اگر عباسیوں سے سلطنت چلی جائے تو اس وقت دُنیا میں اس سے زیادہ اس حکومت

مستی کوئی نہیں ہے۔ یہ شخص عفت زہد کثرت عبادت حسن اخلاق صلاح تقویٰ وغیرہ میں تمام نبی ہاشم سے افضل اور اعلیٰ ہے۔ اور اسے فرزند اگر تو ان کے باپ کو دیکھتا تو حیران رہ جاتا۔ وہ اتنے صاحب کرم اور فاضل تھے کہ ان کی مثال بھی نہیں تھی۔ یہ سب باتیں سن کر میں خاموش تو ہو گیا لیکن والد سے حد درجہ ناخوش رہنے لگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ابن الرضا کے حالات کا تفصیل کرنا اپنا شیوہ بنالیا۔ اس سلسلہ میں میں نے نبی ہاشم، امرا لشکر منشیان و قمر قضاة اور فقہا اور عوام الناس سے حضرت کے حالات کا استفسار کیا۔ سب کے نزدیک حضرت ابن الرضا کو جلیل القدر اور عظیم پایا اور سب نے بالاتفاق یہی بیان کیا کہ اس مرتبہ اور ان خوبیوں کا کوئی شخص کسی خاندان میں نہیں ہے جب میں نے ہر ایک دوست اور دشمن کو حضرت کے بیان اخلاق اور اظہارِ کرام اخلاق میں متفق پایا تو میں بھی ان کا دل سے ماننے والا ہو گیا۔ اور اب ان کی قدر و منزلت میرے نزدیک بے انتہا ہے۔ یہ سن کر تمام اہل دربار خاموش ہو گئے۔ البتہ ایک شخص بول اٹھا کہ اے احمد تمہاری نظر میں ان کے برادر جعفر کی کیا حیثیت ہے۔ احمد نے کہا کہ ان کے مقابلہ میں اس کا کیا ذکر کرتے ہو وہ تو علانیہ فسق و فجور کا ارتکاب کرتا تھا۔ وائم الخمر تھا خفیف العقل تھا، انواع طماہی و مناسی کا مرتکب ہوتا تھا، ابن الرضا کے بعد جب خلیفہ معتد سے اُس نے ان کی جانشینی کا سوال کیا تو اس نے اُس کے کردار کی وجہ سے اُسے دربار سے نکلوا دیا تھا۔ (مناقب ابن آشوب جلد ۵ ص ۱۲۲ و ارشاد ۵۰۵) بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ گفتگو امام حسن عسکری کی شہادت کے ۱۸ سال بعد ماہ شعبان ۲۴۸ھ کی ہے (مدح ساکبہ ۱۹۲ جلد ۲ طبع نجف اشرف)۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی دوبارہ گرفتاری

یہ ایک سیکہ حقیقت ہے کہ خلفائے بنی عباسیہ خوب جانتے تھے کہ سلسلہ آل محمد کے وہ افراد جو رسول کی صحیح جانشینی کے مصداق و حقدار ہو سکتے ہیں، وہ یہی افراد ہیں جن میں سے گیارہویں ہستی امام حسن عسکری علیہ السلام کی ہے اس لیے اُن کا فرزند وہ ہو سکتا ہے جس کے بارے میں رسول صلعم کی پیشین گوئی صحیح قرار پائے۔ لہذا کوشش یہ تھی کہ ان کی زندگی کا دنیا سے خاتمہ ہو جائے۔ اس طرح کہ ان کا جانشین دنیا میں موجود نہ ہو، یہی سبب تھا کہ امام حسن عسکری کے لیے نظر بندی پر اکتفا نہیں کی گئی جو امام علی نقی کے لیے ضروری سمجھی گئی تھی، بلکہ آپ کے لیے اپنے گھر بار سے الگ قید تنہائی کو ضروری سمجھا گیا یہ اور بات ہے کہ قدرتی انتظام کے ماتحت درمیان میں انقلابات سلطنت کے واقعے آپ کی قید مسلسل کیے بیچ میں قہری رہائی کے سامان پیدا کر دیا کرتے تھے۔ مگر پھر بھی جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا وہ اپنے پیش رو کے نظریہ کے مطابق آپ کو دوبارہ معتد کرنے پر تیار ہو جاتا تھا اس

اس طرح آپ کی مختصر زندگی جو دور امامت کے بعد تھی اس کا بیشتر حصہ قید و بندگی میں گزرا۔ اس قید کی سختی معتد کے زمانہ میں بہت بڑھ گئی تھی۔ اگرچہ وہ مثل دیگر سلاطین کے آپ کے مرتبہ اور محتانیت سے خوب واقف تھا۔ لیکن کچھ بھی وہ بغض لہی کو چھوڑ نہ سکا اور دستور سابق کے مطابق انھیں زندگی کی منزل آخر تک پہنچانے کے درپے رہا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ نظر بندیوں سے مطمئن نہ ہو سکا اور اُس نے ۲۵ھ میں امام علیہ السلام کو پھر مقید کر دیا۔ (اعلام الوری ص ۱۲۱) اور اب کے مرتبہ چونکہ نیت بالکل خراب تھی اس لیے قید میں بھی پوری سختی کی گئی۔ حکم تھا کہ آپ کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ کی جائے۔ چنانچہ یہی کچھ ہوتا رہا۔ لیکن اُسے اس سے تسلی نہ ہوئی اور اُس نے اپنے ایک ظالم خدمت گار جس کا نام "شخریہ" تھا۔ کو بلا کر کہا کہ انھیں تو اپنی نگرانی میں لے لے اور جس درجہ ستا سکے انھیں پریشان کر، نخریے حکم پاتے ہی تشدد شروع کر دیا۔ امام کو دن کی روشنی اور پانی کی فراوانی تک سے محروم کر دیا۔ آپ کو دن اور رات کا پتہ شروع کی روشنی سے نہ چلنا تھا صرف تاریکی ہی رہتی تھی۔ ایک دن اس کی بیوی نے اس سے درخواست کی کہ فرزند رسول ہے اس کے ساتھ تمھارا یہ رہتاؤ اچھا نہیں ہے اس نے کہا یہ کیا ہے ابھی تو انھیں جانوروں سے پھر واڈا لانا باقی ہے۔

چنانچہ اس نے اجازت حاصل کر کے امام حسن عسکری علیہ السلام کو زندوں میں ڈال دیا۔ شیر اور دیگر زندوں کی نظر جب

حجتہ خدا زندوں میں

آپ پر پڑی تو انھوں نے حجتہ خدا کو پہچان لیا اور انھیں پھاڑ کھانے کے بجائے اُن کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ امام علیہ السلام نے ان کے درمیان مصلحتی پچھا کر نماز پڑھنا شروع کر دیا۔ دشمنوں نے ایک طے مقام سے یہ حال دیکھا اور سخت شرمندہ ہو کر امام کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ (اعلام الوری ص ۱۸۰ کشف الغمہ ص ۱۲۷ ارشاد ص ۱۲۷)۔

اس واقعہ نے آپ کی دینی ہونے کی فضیلت کو اور ابھار دیا، لوگوں میں اس کرامت کا پھر چا ہو گیا۔ اب تو معتد کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انھیں جلد سے جلد اس دار فانی سے رخصت کر دے۔ چنانچہ اس نے ایک ایسے قید خانے میں آپ کو مقید کر دیا جس میں رہ کر زندہ رہنے سے موت بہتر تھی۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت

امام یازدہم حضرت حسن عسکری علیہ السلام قید و بندگی کی زندگی گزارنے کے دوران میں ایک دن اپنے خادم ابوالادیان سے ارشاد فرماتے ہوئے کہ تم جب اپنے سفر ملائین سے ۵ ایوم کے بعد پلٹو گے

تو میرے گھر سے شیون و بجا کی آواز آتی ہوگی۔ (جلال العیون ص ۲۹۹) نیز آپ کا یہ فرمانا بھی منقول ہے کہ سنہ ۲۶ھ میں میرے مانتے والوں کے درمیان انقلاب عظیم آئے گا۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۲ ص ۱۷۷)۔
 الغرض امام حسن عسکری علیہ السلام کو تاریخ یکم ربیع الاول سنہ ۲۶ھ مع معتد عباسی نے زہر دلوایا اور آپ ۸ ربیع الاول سنہ ۲۶ھ کو جمعہ کے دن بوقت نماز صبح خلعت حیات ظاہری اتار کر بطرف ملک جاو دانی رحلت فرما گئے۔ «اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنَّا لَیَبْرَأُ جَعُونَ» (صواعق محرقة ص ۱۲۴) و فصول المہمہ و ارجح المطالب ص ۲۶۲ جلال العیون ص ۲۹۹۔ انوار الحسینیہ جلد ۳ ص ۵۶)۔ علماء کا بیان ہے کہ وفات سے قبل آپ نے امام ہندی علیہ السلام کے سپرد تبرکات فرمادیے تھے۔ (دمعہ ساکبہ جلد ۱ ص ۱۹۲) انتقال کے وقت آپ کی عمر ۲۸ سال کی تھی۔ (صواعق محرقة ص ۱۲۴) علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ نے حضرت امام ہندی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ (مطالب السؤل ص ۲۹۲ و صواعق محرقة ص ۱۲۴، نور الابصار ارجح المطالب ص ۲۶۲، کشف الغمہ ص ۱۲۶ و اعلام الوری ص ۲۱۸)۔

واقعہ قحط، درندوں کی سجدہ ریزی اور آپ کی مظلومیت کی

شہادت کے بعد

وجہ سے ہر کہ دمہ کے دل میں آپ کی وقعت آپ کی محبت

جاگزیں ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی رحلت کی خبر کا شہرت پانا تھا کہ ہر گھر سے رونے کی آوازیں آنے لگیں، ہر دل میں اضطراب کی لہریں دوڑنے لگیں۔ شور و شیون سے سامرہ کی گلیاں قیامت کا منظر پیش کرنے لگیں۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق جب پندرہ دن کے بعد الوالاد بیان داخل سامرہ ہوئے تو آپ شہید ہو چکے تھے اور شیون و ماتم کی آوازیں بلند تھیں۔ (جلال العیون ص ۲۹۷)۔

امام شبلنجی لکھتے ہیں کہ آپ کے انتقال کی خبر کے مشہور ہوتے ہی تمام سامرہ میں بھل مچ گئی، ہر طرف سے رونے پینے کا شور بلند ہو گیا، بازاروں میں ہڑتال ہو گئی۔ دکانیں بند ہو گئیں کہ تمام بنی ہاشم اور حاکمان قصاص۔ اربکان عدالت۔ اعیان حکومت۔ منشی، قاضی اور عامرہ خلائق آپ کے جنازے میں شرکت کے لیے دوڑ پڑے۔ سرمن رائے اس دن قیامت کا نمونہ تھا (نور الابصار ص ۱۶۸ فصول مہمہ ارجح المطالب ص ۲۶۸)۔

غرض کہ نہایت تزک و احتشام اور ظاہری شان و شوکت کے ساتھ آپ کا جنازہ اٹھایا گیا اور اُس مقام پر لے جا کر رکھا گیا جس جگہ نماز پڑھائی جاتی تھی۔ اتنے میں متحد کے حکم سے عیسیٰ بن متوکل جو عموماً نماز میت پڑھایا کرتا تھا آگے بڑھا اور اُس نے چہرہ سے کفن سرکار بنی ہاشم علوی و عباسی اور سب امیروں شیون۔ قاضیوں غرض کہ اشراف و اعیان کو دکھاتے ہوئے کہا۔

مات خنفا انفا علی فراشه۔" دیکھو یہ اپنی موت سے مرے میں یعنی انھیں کسی نے کچھ
 کھلایا نہیں ہے۔ (تذکرۃ المعصومین ص ۲۲۹) اس کے بعد جعفر تو اب نماز پڑھانے کے لیے
 آگے بڑھے۔ ابھی آپ تکبیرۃ الاحرام نہ کہنے پاتے تھے کہ محمد بن حسن القائم المہدی برآمد ہو
 کر سامنے آگئے اور آپ نے اپنے چچا کو بٹاکر نماز جنازہ پڑھائی۔ (جلال العیون ص ۲۹۲)
 اس کے بعد آپ کو امام علی نقی علیہ السلام ہی کے روضہ مبارک میں دفن کر دیا گیا۔
 (ارجح المطالب ص ۲۶۲) یہ آپ کی خاندانی کرامت ہے کہ آپ کے روضہ پر طائریت نہیں
 کرتے۔ (ومعہ ساکبہ جلد ۳ ص ۱۶۹ طبع نجف اشرف)۔

علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی توفیق کے بعد امام مہدی علیہ السلام
 تجسس میں آپ کے گھر کی تلاشی لی گئی اور آپ کی عورتوں کو گرفتار کیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ
 امام مہدی کو گرفتار کر کے قتل کر دیا جائے تاکہ خاندان رسالت کا خاتمہ ہو جائے۔ اور قیامت
 کے قریب عدل و انصاف کی بستی نہ بسائی جاسکے۔ اور ظالموں کے ظلم کا بدلہ نہ لایا جاسکے
 لیکن خداوند عالم نے اپنے وعدہ "واللہ متع نورا" کے مطابق انھیں اس ظالم محنت
 کے دسترس سے محفوظ کر دیا۔ اب انشاء اللہ جب حکم خدا ہوگا ظمور فرمائیں گے "عجل
 اللہ فرجہ"۔



قائم آل محمد

ابوالقاسم

رحمتی

امام محمد مہدی

علیہ السلام

صاحب الزمان

ہے یہ خالق کی عدالت کا تقاضہ و مہم ! جان لیو ہے اگر کوئی تو جاں پرور بھی ہو
 چھپ کے جب پرے میں بھگتا ہے اللہ پرین بے تقاضا عدل کا پرے میں اک رہے بھی ہو
 (صابر تقاریبی کراچی)

باب ۱۲

حضرت امام محمد مہدی علیہ السلام

یا الہی مستدیم از غیب آر
تا بگردو، در جہاں عدل آشکار

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلہ عصمت محمدیہ کی چودھویں اور سلک امامت علویہ کی بارہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب زربنس خاتون تھیں۔

آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص معضوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور تھے۔ (صواعق مخرقہ ص ۱۲۴) آپ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی تھی، جیسی حضرت یحییٰ کو ملی تھی، اور آپ بطین مادر میں اسی طرح امام قرار دیئے گئے تھے، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی قرار پاتے تھے۔ (کشف الغمہ ص ۱۲) آپ انبیاء سے بہتر ہیں (اربعاف الراجحین ص ۱۲۵) آپ کے متعلق حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ حضور کی عزت اور حضرت فاطمہ الزہراء کی اولاد سے ہوں گے۔ ملاحظہ ہو جامع صغیر بیروتی ص ۱۶ طبع مصر و مسند احمد بن حنبل جلد ۸ ص ۸۴ طبع مصر و کنوز الحقائق ص ۱۲۲ و مستدرک جلد ۲ ص ۵۲ و مشکوٰۃ شریف) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مہدی کا ظہور آخر زمانہ میں ہوگا۔ اور حضرت عیسیٰ ان کے بیچے نماز پڑھیں گے۔ ملاحظہ ہو صحیح بخاری ص ۳۹۹ و صحیح مسلم جلد ۲ ص ۹۵، صحیح ترمذی ص ۲۶ و صحیح ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۸ و صحیح ابن ماجہ ص ۲۴۴

۱۔ نرسس ایک یونانی کوکتے ہیں جس کے پھول کی شعرا انکھوں سے تشبیہ دیتے ہیں (المنجد ص ۵۶) نرسس العرب جلد ۲ ص ۲۲۴ میں ہے کہ یہ جلد خیل اور عرب یعنی کسی دوسری زبان سے لایا گیا ہے۔ صراح ص ۲۲۵ اور العاصم ص ۱۱۵ میں ہے کہ یہ لفظ نرسس، نرسس سے عربی ہے جو کہ فارسی ہے، رسالہ آج کل کھنڈ کے سالنامہ ۱۹۲۴ء ص ۱۱۵ میں ہے کہ یہ لفظ یونانی نرسس سے عربی ہے، جسے لاطینی میں نرسس اور انگریزی میں "نرسس" کہتے ہیں۔ ص ۱۱

۲۰۹ و جامع صغیر ص ۱۳۲ و کنوز الحقائق ص ۱۰۸) آپ نے یہ بھی کہا ہے کہ امام ہندی میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے اور "یختم الدین بہ کما سفنہ بناؤ" جس طرح میرے ذریعے سے دین اسلام کا آغاز ہوا۔ اسی طرح اُن کے ذریعے سے فخر اختتام لگا دی جائے گی۔ ملاحظہ ہو کنوز الحقائق ص ۲۰۹، آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے، کہ امام ہندی کا اصل نام میرے نام کی طرح محمد اور کنیت میری کنیت کی طرح "ابوالقاسم" ہوگی، وہ جب ظہور کریں گے تو ساری دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح پُر کر دیں گے، جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوگی، ملاحظہ ہو (جامع صغیر ص ۲۰۲ و مستدرک امام حاکم ص ۲۲۲ و ۲۱۵) ظہور کے بعد اُن کی فوراً بیعت کرنی چاہیے کیونکہ وہ خدا کے خلیفہ ہوں گے۔ (سنن ابن ماجہ اردو و مسند طبع کراچی ۱۳۷۷ھ)۔

حضرت امام محمد ہندی علیہ السلام کی ولادت باسعادت

توہین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۵ اشعبان ۸۵۵ھ جم یوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے جیسا کہ (ذیقات الاعیان، روضۃ الاحباب، تاریخ ابن الوری، زیانج المودۃ، تاریخ کامل طبری، کشف الغمہ، جلال العیون، اشول کافی، نور الابصار، ارشاد، جامع عباسی، اعلام الوری اور انوار الحنیفہ وغیرہ) میں موجود ہے (بعض علماء کا کہنا ہے کہ ولادت کا سن ۸۵۷ھ اور مادہ تاریخ نور ہے یعنی آپ شب برات کے اختتام پر بوقت صبح صادق عالم ظہور و شہود میں تشریف لائے ہیں۔ حضرت امام حسن عسکریؑ کی پھوپھی جناب حکیمہ خاتون کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے پاس گئی تو آپ نے فرمایا کہ اے پھوپھی آپ آج ہمارے ہی گھر میں رہیں، کیونکہ خداوند مجھے آج ایک وارث عطا فرمائے گا۔ میں نے کہا کہ یہ فرزند کس کے بطن سے ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ بطن نرجس سے متولد ہوگا، جناب حکیمہ نے کہا: بیٹے! میں تو نرجس میں کچھ جلی حمل کے آثار نہیں پاتی، امام نے فرمایا کہ اے پھوپھی نرجس کی مثال مادر موسیٰ جیسی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰ کا گل ولادت کے وقت سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اسی طرح اس میرے فرزند کا حمل بھی بروقت ظاہر ہوگا۔ غرض کہ میں امام کے فرمانے سے اس شب وہیں رہی، جب آدھی رات گزر گئی تو میں اٹھی اور نماز تہجد میں مشغول ہو گئی اور نرجس بھی اٹھ کر نماز تہجد پڑھنے لگی۔ اس کے بعد میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ صبح قریب ہے اور امام حسن عسکری علیہ السلام نے جو کہا تھا وہ ابھی تک ظاہر نہیں ہوا، اس خیال کے دل میں آتے ہی امام علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی: اے پھوپھی جدی نہ کیجئے، حجت خدا کے ظہور کا وقت بالکل قریب ہے۔ یہ سن کر میں نرجس کے حجرے کی طرف پٹی نرجس مجھے راستے ہی میں ملیں، مگر اُن کی حالت اُس وقت متغیر تھی، وہ لرزہ برآمد تھیں اور اُن کا سارا

جسم کا پ رہا تھا، میں نے یہ دیکھ کر اُن کو اپنے سینے سے لپٹا لیا، اور سورۃ قل ھو اللہ، انا اللہ
 وایستہ الکرسی سے پڑھ کر اُن پر دم کیا بطنِ مادر سے بچے کی آواز آنے لگی، یعنی میں جو کچھ
 پڑھتی تھی، وہ بچہ بھی بطنِ مادر میں وہی کچھ پڑھتا تھا۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ تمام حجرہ
 روشن و منور ہو گیا۔ اب جو میں دیکھتی ہوں تو ایک مولود مسعود زمین پر سجدہ میں پڑا ہوا ہے میں
 نے بچہ کو اٹھایا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے حجرہ سے آواز دی اے چھو بچی!
 میرے فرزند کو میرے پاس لائیے، میں نے گئی، آپ نے اُسے اپنی گود میں بٹھالیا، اور زبان
 در وہاں دے کر دے اور اپنی زبان بچے کے منہ میں دے دی اور کہا کہ اے فرزند! خدا کے حکم
 سے کچھ بات کرو، بچے نے اس حکایت ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَتَرٰ سِدْرًا مِّنْ
 عَلٰی اللّٰذِیْنَ اسْتَضَعَفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجَعَلْہُمْ الْوَارِثِیْنَ کِی تِلْوَٰتِ کِی، جس کا
 ترجمہ یہ ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ احسان کریں ان لوگوں پر جو زمین پر کمزور کر دیئے گئے ہیں
 اور ان کو امام بنائیں اور انھیں کو روئے زمین کا وارث قرار دیں۔

اس کے بعد کچھ سبز طاہروں نے آکر ہمیں گھیر لیا، امام حسن عسکری نے اُن میں سے ایک
 طاہر کو بلایا اور بچے کو دیتے ہوئے کہا۔ ”خدا کا حفظہ الخ“ اس کو لے جا کر اس کی تحفا
 کرو۔ یہاں تک کہ خدا اس کے بارے میں کوئی حکم دے۔ کیونکہ خدا اپنے حکم کو پورا کر کے
 رہے گا میں نے امام حسن عسکری سے پوچھا کہ یہ طاہر کون تھا اور دوسرے طاہر کون تھے؟
 آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے، اور وہ دوسرے فرشتگانِ رحمت تھے۔ اس کے بعد فرمایا کہ
 اے چھو بچی اس فرزند کو اس کی ماں کے پاس لے آؤ تاکہ اس کی آنکھیں خشک ہوں اور مخروبا
 و مغموم نہ ہو اور یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے ”وَاکْثَرْہُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ“ لیکن اکثر لوگ
 اسے نہیں جانتے۔ اس کے بعد اس مولود مسعود کو اس کی ماں کے پاس پہنچا دیا گیا (شواہد النبوت
 ص ۲۱۲ طبع مکتبہ سنہ ۱۹۰۵ء) علامہ حائری لکھتے ہیں کہ ولادت کے بعد آپ کو جبرئیل پرورش
 کے لیے اٹھا کر لے گئے (غایتہ المقصود جلد ۱ ص ۵۵) کتاب شواہد النبوت اور غیبات الاعیان
 دروضۃ الاحباب میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو مخنون اور نات بریدہ تھے اور آپ
 کے دل میں بازو پر یہ آیت منقوش تھی ”جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان
 زھوقا“ یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے ہی کے قابل تھا۔ یہ قدرتی طور پر بحر
 متقارب کے دو مصرعے بن گئے ہیں حضرت نسیم امروہوی نے اس پر کیا خوب تضمین کی ہے
 وہ لکھتے ہیں۔

چشم و چراغ دیدہ تر جس عین خدا کی آنکھ کا تارا

بدرِ نِیمِ شعبان چودھواں اخترِ اوج بقا کا
 حامی ملتِ ماحی بدعت کفرِ مٹانے خلق میں آیا
 وقتِ ولادت "ماشاء اللہ" قرآنِ صورت دیکھ کے بولا

جاء الحق وخلق الباطل

ان الباطل کان زھوقاً

محدثِ دہلوی شیخ عبدالحق اپنی کتاب مناقبِ ائمہ اطہار میں لکھتے ہیں کہ حکیمہ خاتون جب زرجس کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک مولود پیدا ہوا ہے، جو مختون اور مفروق منہ ہے یعنی جس کا ختنہ کیا ہوا ہے اور نسلانے دھلانے کے کاموں سے جو مولود کے ساتھ ہوتے ہیں بالکل مستغنی ہے حکیمہ خاتون بچے کو امام حسن عسکری کے پاس لائیں، امام نے بچے کو لیا اور اس کی پشتِ اقدس اور چشمِ مبارک پر ہاتھ پھیرا اپنی زبانِ مطہران کے منہ میں ڈالی اور داہنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہنی یہی مضمون فصل الخطاب اور بحارِ التواریخ میں بھی ہے، کتابِ روضۃ الاحباب اور نیاسیح المودۃ میں ہے کہ آپ کی ولادت بمقامِ سرمن لائے "سامرہ میں ہوئی ہے۔"

کتاب کشف الغمہ منہ میں ہے کہ آپ کی ولادت چھپائی گئی اور پوری سعی کی گئی کہ آپ کی پیدائش کسی کو معلوم نہ ہو سکے، کتاب دومعد ساگر جلد ۳ صفحہ ۱۹۲ میں ہے کہ آپ کی ولادت اس لیے چھپائی گئی کہ بادشاہ وقت پوری طاقت کے ساتھ آپ کی تلاش میں تھا۔ اسی کتاب کے صفحہ ۱۹۲ میں ہے کہ اس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت حجت کو قتل کر کے نسل رسالت کا خاتمہ کر دے۔ تاریخ ابوالفداء میں ہے کہ بادشاہ وقت معتز بادشاہ تھا، تذکرہ خواص الامتہ میں ہے کہ اسی کے عہد میں امام علی نقی علیہ السلام کو زہر دیا گیا تھا۔ معتز کے بارے میں مورخین کی رائے کچھ اچھی نہیں ہے۔ ترجمہ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے صفحہ ۳۶۳ میں ہے کہ اس نے اپنے عہدِ خلافت میں اپنے بھائی کو ولی عہد سے معزول کرنے کے بعد کوڑے لگوائے تھے اور تاحیات قید میں رکھا تھا۔ اکثر تواریخ میں ہے کہ بادشاہ وقت معتمد بن متوکل تھا جس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا۔ تاریخ اسلام جلد ۶ ص ۶۷ میں ہے کہ خلیفہ معتمد بن متوکل کمزور متلون مزاج اور عیش پسند تھا۔ یہ عیاشی اور شراب نوشی میں بسر کرتا تھا، اسی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں ہے کہ محمد حضرت امام حسن عسکری کو زہر سے شہید کرنے کے بعد حضرت امام مہدی کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا تھا۔

آپ کا پدری نسب نامہ یہ ہے۔ محمد بن حسن بن علی بن محمد بن علی ابن موسیٰ ابن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی وفاطمہ بنت رسول اللہ

آپ کا نسب نامہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، یعنی آپ فرزندِ رسول، ولید علی اور نورِ نظر قبولِ علیہم السلام میں۔ امام احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اس سلسلہ نسب کے اسماء کو اگر کسی مجنون پر دم کر دیا جائے تو اسے یقیناً شفاء حاصل ہوگی (مسند امام رضا ص ۷) آپ کا سلسلہ نسب ماں کی طرف سے حضرت شمعون بن حمون الصفا و صمی حضرت عیسیٰ تک پہنچتا ہے۔ علامہ مجلسی اور علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ کی والدہ جناب نرجس خاتون تھیں، جن کا ایک نام "ملیکہ" بھی تھا، نرجس خاتون شیوعا کی بیٹی تھیں، جو روم کے بادشاہ "قیصر" کے فرزند تھے جن کا سلسلہ نسب و صمی حضرت عیسیٰ جناب شمعون تک بنتی ہوتا ہے۔ ۱۳ سال کی عمر میں قیصر روم نے چاہا تھا کہ نرجس کا عقد اپنے بھتیجے سے کر دے۔ لیکن بعض قدرتی حالات کی وجہ سے وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، بالآخر ایک ایسا وقت آ گیا کہ عالم ارواح میں حضرت عیسیٰ، جناب شمعون حضرت محمد مصطفیٰ، جناب امیر المومنین اور حضرت فاطمہ بمقام قیصر جمع ہوئے، جناب بیہ نے نرجس خاتون کو اسلام کی تلقین کی اور آنحضرت صلعم نے توسط حضرت عیسیٰ جناب شمعون سے امام حسن عسکری کے لیے نرجس خاتون کی خواستگاری کی، نسبت کی تکمیل کے بعد حضرت محمد مصطفیٰ صلعم نے ایک نوری منبر پر بیٹھ کر عقد پڑھا اور کمال مسرت کے ساتھ یہ محفل نشاط برخواست ہو گیا جس کی اطلاع جناح نرجس کو خواب کے طور پر ہوئی، بالآخر وہ وقت آیا کہ جناب نرجس خاتون حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں آپہنچیں اور آپ کے بطن مبارک سے نورِ خدا کا ظہور ہوا۔ (کتاب جلال العیون ص ۲۹۸ وغایتہ المقصودہ ص ۱۷۵)۔

آپ کا اسم گرامی | آپ کا نام نامی اسم گرامی "محمد" اور مشہور لقب "ہمدی" ہے۔ علامہ مجلسی اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "حکمت آن محضی است" اس کی وجہ پوشیدہ اور غیر معلوم ہے۔ (جلال العیون ص ۲۹۸) علامہ کا بیان ہے کہ آپ کا یہ نام خود حضرت محمد مصطفیٰ نے رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو روضۃ الاحباب و نیا بیح المودۃ۔ مؤرخ اعظم مسٹر ذاکر حسین تاریخ اسلام جلد ۳ میں لکھتے ہیں کہ "آنحضرت نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلیفہ قریش سے ہونگے آپ نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی، تو میری اولاد میں سے ہمدی کا ظہور ہوگا جو ظلم و جور کو دور کر کے دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ شرک و کفر کو دنیا سے تباہ کر دے گا، نام "محمد" اور لقب "ہمدی" ہوگا۔ حضرت عیسیٰ آسمان سے اتر کر اُس کی نصرت کریں گے اور اُس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور وہ جہاں کو قتل کریں گے۔

آپ کی کنیت

اس پر علمائے فریقین کا اتفاق ہے کہ آپ کی کنیت "ابوالقاسم" اور ابو عبد اللہ تھی اور اس پر بھی علماء متفق ہیں کہ ابوالقاسم کنیت خود سرور کائنات کی تجویز کردہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔ جامع صغیر ص ۱۰۳، تذکرہ خواص الامتہ ص ۲۰۳، روضۃ الشهداء ص ۲۳۹، صواعق محرقة ص ۱۳۲، شواہد النبوت ص ۲۱۲، کشف الغمہ ص ۱۳، جلا العیون ص ۲۹۸۔

یہ سہاات سے ہے کہ آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہمدی کا نام میرا نام اور ان کی کنیت میری کنیت ہوگی۔ لیکن اس روایت میں بعض اہل اسلام نے یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ہمدی کے باپ کا نام میرے والد محترم کا نام ہوگا۔ مگر ہمارے راویوں نے اس کی روایت نہیں کی اور خود ترمذی شریف میں بھی "اسم ابیہ اسم ابی" نہیں ہے، تاہم بقول صاحب المناقب علامہ کبھی شافعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایت میں لفظ "ابیہ" سے مراد ابو عبد اللہ الحسین ہیں۔ یعنی اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امام ہمدی حضرت امام حسینؑ کی اولاد سے ہیں۔

آپ کے القاب

آپ کے القاب ہمدی، حجتہ اللہ، خلف الصالح، صاحب العصر، صاحب الامر، والزمان القائم، الباقی اور المنتظر ہیں۔ ملاحظہ ہو، مذکرہ خواص الامتہ ص ۲۰۳، روضۃ الشهداء ص ۲۳۹، کشف الغمہ ص ۱۳، صواعق محرقة ص ۱۳۲، مطالب السؤل ص ۲۹۲، اعلام الوری ص ۲۲، حضرت دانیال نبی نے حضرت امام ہمدی علیہ السلام کی ولادت سے ۱۳۲۰ سال پہلے آپ کا لقب منتظر قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب دانیال باب آیت ۱۲۔ علامہ ابن حجر مکی، المنتظر کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انجین منتظر یعنی جس کا انتظا کیا جائے اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سرداب میں غائب ہو گئے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں چلے گئے۔ (مطلب یہ ہے کہ لوگ ان کا انتظار کر رہے ہیں، شیخ العراقین علامہ شیخ عبدالرضا، تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کو منتظر اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کی غیبت کی وجہ سے آپ کے مخلصین آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ (الوار الحسینیہ جلد ۲ ص ۵۷ طبع ممبئی)۔

آپ کا حلیہ مبارک

کتاب اكمال الدین میں شیخ صدوق تحریر فرماتے ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ امام ہمدی شکل و شبابت علق و علق شامل و محصال، اقوال و افعال میں میرے مشابہہ ہوں گے۔

آپ کے حلیہ کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ آپ کا رنگ گندم گون، قد میانہ ہے۔ آپ کی پیشانی کھلی ہوتی اور آپ کے ابرو گھٹے اور باہم پیوستہ ہیں۔ آپ کی ناک باریک اور بلند ہے۔ آپ کی آنکھیں بڑی اور آپ کا چہرہ نہایت نورانی ہے۔ آپ نے داہنے رخسار پر ایک تل

ہے۔ "کانہ کو کب درعا" جو ستارہ کی مانند چمکتا ہے، آپ کے وراثت چکدار اور کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کی زلفیں کندھوں پر پٹی رہتی ہیں۔ آپ کا سینہ چوڑا اور آپ کے کندھے کھلے ہوئے ہیں۔ آپ کی پشت پر اسی طرح ٹہرا مات، ثبت ہے جس طرح پشت رسالت مآب پر ٹہرا بہوت ثبت تھی۔ (اعلام الوری ص ۲۶۵ وغایتہ المقصود جلد ۶ ص ۶۲ و نور الابصار ص ۱۵۲)۔

تین سال کی عمر میں حجت اللہ ہونے کا دعویٰ

کتب تواریخ و سیر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پرورش کا کام جناب جبریل علیہ السلام کے سپرد تھا اور وہ ہی آپ کی پرورش و پرداخت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ

جو پتہ ولادت کے وقت کلام کر چکا ہو اور جس کی پرورش جبریل جیسے مقرب فرشتہ کے سپرد ہو وہ یقیناً دنیا میں چند دن گزارنے کے بعد بہر صورت اس صلاحیت کا مالک ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے حجت اللہ ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ علامہ اربلی لکھتے ہیں کہ احمد ابن اسحاق اور سعد الاشقری ایک دن حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے خیال کیا کہ آج امام علیہ السلام سے یہ دریافت کریں گے کہ آپ کے بعد حجت اللہ فی الارض کون ہوگا جب سامنا ہوا تو امام حسن عسکریؑ نے فرمایا کہ اے احمد! تم جو دل میں لے کر آتے ہو میں اس کا جواب تمہیں دیتے دیتا ہوں، یہ فرما کر آپ اپنے مقام سے اٹھے اور اندر جا کر یوں واپس آئے کہ آپ کے کندھے پر ایک نہایت خوب صورت بچہ تھا، جس کی عمر تین سال کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اے احمد! میرے بعد حجت خدا یہ ہوگا۔ اس کا نام محمد اور اس کی کنیت ابو القاسم ہے یہ خضر کی طرح زندہ رہے گا۔ اور ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا پر حکومت کرے گا۔ احمد ابن اسحاق نے کہا۔ مولا! کوئی ایسی علامت بتا دیجئے جس سے دل کو اطمینان کامل ہو جائے۔ آپ نے امام ہمدی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، بیٹا! اس کو تم جواب دو۔ امام ہمدی علیہ السلام نے کسنی کے باوجود بزبان فصیح فرمایا: "انا حجتا اللہ وانا یقینہ اللہ" میں ہی خدا کی حجت اور حکم خدا سے باقی رہنے والا ہوں، ایک وہ دن آئے گا جس میں میں دشمنان خدا سے بدلہ لوں گا، یسین کر احمد خوش و مشرور اور مطمئن ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۸)۔

پانچ سال کی عمر میں خاص الخاص اصحاب سے آپ کی ملاقات

یعقوب بن منقوش و محمد بن عثمان عمری دانی ہاشم جعفری اور موسیٰ بن جعفر بن وہب بغدادی کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسن

عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کی مولا! آپ کے بعد امامت کس کے سپرد ہوگا اور کون حجت خدا قرار پائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ میرا فرزند محمد میرے بعد

حجت اللہ فی الارض ہوگا ہم نے عرض کی مولا ہمیں ان کی زیارت کرا دیجئے! آپ نے فرمایا وہ پر وہ جو سامنے آویختہ ہے اُسے اٹھاؤ۔ ہم نے پر وہ اٹھایا، تو اُس سے ایک نہایت خوب صورت پتھر جس کی عمر پانچ سال تھی برآمد ہوا، اور وہ اگر امام حسن عسکری کی آغوش میں بیٹھ گیا۔ امام نے فرمایا کہ یہی میرا فرزند میرے بعد حجت اللہ ہوگا۔ محمد بن عثمان کا کہنا ہے کہ ہم اس وقت چالیس افراد تھے اور ہم سب نے ان کی زیارت کی۔ امام حسن عسکری نے اپنے فرزند امام مہدی کو حکم دیا کہ وہ اندر واپس چلے جائیں اور ہم سے فرمایا: ”شما اور انخواہید دیدید غیر از اموز“ کہ اب تم آج کے بعد پھر اُسے نہ دیکھ سکو گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، پھر غیبت شروع ہو گئی۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۹ و شواہد النبوت ص ۲۱۳) علامہ طبرسی کتاب اعلام الوری کے ۲۳۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ آئمہ کے نزدیک محمد اور عثمان عمری دونوں ثقہ ہیں۔ پھر اسی صفحہ میں فرماتے ہیں کہ ابو ہارون کا کہنا ہے کہ میں نے یحییٰ میں صاحب الزمان کو دیکھا ہے۔ ”کانہ القمویلة البدس“ ان کا پھر چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

امام مہدی نبوت کے آئینہ میں

علامہ طبرسی بحوالہ حضرات محضوین علیہم السلام تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہم السلام میں

بہت سے انبیاء کے حالات و کیفیات نظر آتے ہیں۔ اور جن واقعات سے مختلف انبیاء کو روکا ہونا پڑا۔ وہ تمام واقعات آپ کی ذات ستودہ صفات میں دکھائی دیتے ہیں۔ مثال کے لیے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یونسؑ، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جیسے اور ان کے حالات پر غور کیجیے، آپ کو حضرت نوحؑ کی طویل زندگی نصیب ہوئی حضرت ابراہیمؑ کی طرح آپ کی ولادت چھپائی گئی۔ اور لوگوں سے کنارہ کش ہو کر روپوش ہونا پڑا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح حجت کے زمین سے اٹھ جانے کا خوف لاحق ہوا، اور انھیں کی ولادت کی طرح آپ کی ولادت بھی پوشیدہ رکھی گئی، اور انھیں کے ماننے والوں کی طرح آپ کے ماننے والوں کو آپ کی غیبت کے بعد ستا یا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کی طرح آپ کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ حضرت ایوبؑ کی طرح تمام امتحانات کے بعد آپ کو فرج و کشائش نصیب ہوگی۔ حضرت یوسفؑ کی طرح عوام اور خواص سے آپ کی غیبت ہو گئی۔ حضرت یونسؑ کی طرح غیبت کے بعد آپ کا ظہور ہوگا یعنی جس طرح وہ اپنی قوم سے غائب ہو کر بڑھاپے کے باوجود نوجوان تھے۔ اسی طرح آپ کا جب ظہور ہوگا تو آپ چالیس سالہ جوان ہوں گے اور حضرت محمد مصطفیٰ کی طرح آپ صاحب البیض ہوں گے۔ (اعلام الوری ص ۲۶۲ طبع مبعی ۱۳۱۲ھ)

امام حسن عسکری کی شہادت

امام ہمدی علیہ السلام کی عمر ابھی صرف پانچ سال کی ہوئی تھی کہ خلیفہ معتز بن متوکل عباسی نے مدتوں قید

رکھنے کے بعد امام حسن عسکری کو زبردے دیا۔ جس کی وجہ سے آپ بتاریخ ۹ ربيع الاول ۳۲۰ مطابق ۳۰ نومبر ۹۳۲ء سال رحلت فرما گئے۔ "و خلف من الولدان عبد محمداً" اور آپ نے اولاد میں صرف امام محمد ہمدی کو چھوڑا۔ (نور الابصار ص ۱۵۲ و معر ساکبہ ص ۱۹۱) علامہ شبلی نجفی لکھتے ہیں کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی، تو سارے شہر سامرہ میں پھل مچ گئی۔ فریاد و فغان کی آوازیں بلند ہو گئیں، سارے شہر میں ہڑتال کر دی گئی۔ یعنی ساری دکانیں بند ہو گئیں۔ لوگوں نے اپنے کاروبار چھوڑ دیئے۔ تمام بنی ہاشم حکام دولت، منشی، قاضی، ارکان عدالت، اعیان حکومت اور عامہ خلائق حضرت کے جنازے کے لیے دوڑ پڑے، حالت یہ تھی کہ شہر سامرہ قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا۔ نبھیز اور نماز سے فراغت کے بعد آپ کو اسی مکان میں دفن کر دیا گیا جس میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام مدفون تھے۔ (نور الابصار ص ۱۵۲ و تاریخ کامل عوامی محرق و فضول ہمد، ج ۱ رابعیون ص ۲۹۶)۔ علامہ محمد باقر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسن عسکری کی وفات کے بعد نماز جنازہ حضرت امام ہمدی علیہ السلام نے پڑھائی، ملاحظہ ہو، و معر ساکبہ جلد ۲ ص ۱۹۲ و ج ۱ رابعیون ص ۲۹۶)۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ نماز کے بعد آپ کو بہت سے لوگوں نے دیکھا اور آپ کے ہاتھوں کا بوسہ دیا (اعلام الوری ص ۲۲۲) علامہ ابن طاووس کا ارشاد ہے کہ ۸ ربيع الاول کو امام حسن عسکری کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربيع الاول سے حضرت حجت کی امامت کا آغاز ہوا، ۹ ربيع الاول کو جو خوشی مناتے ہیں اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے (کتاب اقبال) علامہ شبلی لکھتے ہیں کہ ۹ ربيع الاول کو عمر بن سعد بدست مختار آل محمد قتل ہوا ہے۔ (زاو المعاد ص ۵۸۵) جو عبید اللہ ابن زیاد کا سپہ سالار تھا جس کے قتل کے بعد آل محمد نے پورے طور پر خوشی منائی۔ (سار الانوار و مختار آل محمد) کتاب و معر ساکبہ کے ۱۹۲ میں ہے کہ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ۲۵۹ھ میں اپنی والدہ کو حج کے لیے بھیج دیا تھا، اور فرما دیا تھا کہ ۲۵۹ھ میں میری شہادت ہو جائے گی۔ اسی سن میں آپ نے حضرت امام ہمدی کو جلا تبرکات دے دیئے تھے اور اسم اعظم وغیرہ تعلیم کروا دیا تھا۔ (و معر ساکبہ و جلا العیون ص ۱۹۸) انھیں تبرکات میں حضرت علی کا جمع کیا ہوا وہ قرآن بھی تھا جو ترتیب نزولی پر سرور کائنات کی زندگی میں مرتب کیا گیا تھا۔ (تاریخ الخلفاء و اتقان) اور جسے حضرت علی نے اپنے عمد خلافت میں بھی اس لیے راجح نہ کیا تھا کہ اسلام میں دو قرآن رواج پا جائیں گے۔ اور اسلام میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ (ازالہ الخفا ص ۲۶۳) میرے نزدیک اسی سن میں حضرت نرجس خاتون کا انتقال ہوا ہے اور اسی سن میں حضرت زینب نے غیبت اختیار فرمائی ہے۔

حضرت امام ہمدی علیہ السلام کی غیبت اور اس کی ضرورت

بادشاہ وقت خلیفہ معتمد بن متوکل عباسی ہوا اپنے آباؤ اجداد کی طرح ظلم و ستم کا خوگر اور آل محمد کا جانی دشمن بن گیا۔ اس کے کانوں میں ہمدی کی ولادت کی بھنک پڑ چکی تھی۔ اس نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد تکفین و تدفین سے پہلے بقول علامہ مجلسی حضرت کے گھر پر پولیس کا چھاپہ ڈلوایا اور چاہا کہ امام ہمدی علیہ السلام کو گرفتار کر لے۔ لیکن چونکہ وہ بحکم خدا ۲۳ رمضان ۴۵۱ھ ہجرت کو سرداب میں جا کر غائب ہو چکے تھے۔ جیسا کہ شواہد النبوت، نور الابصار و دیگر کتبہ روضۃ الشهداء، مناقب الامم، الوار الحسینیہ وغیرہ سے مستفاد و مستنبط ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اسے دستیاب نہ ہو سکے۔ اس نے اس کے رد عمل میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی تمام بیبیوں کو گرفتار کر لیا اور حکم دیا کہ اس امر کی تحقیق کی جائے کہ آیا کوئی ان میں سے حاملہ تو نہیں ہے اگر کوئی حاملہ ہو تو اس کا حمل ضائع کر دیا جائے، کیونکہ وہ حضرت سرور کائنات صلعم کی بیٹیاں گوتی تے خائف تھا کہ آخری زمانہ میں میرا ایک فرزند جس کا نام ہمدی ہوگا۔ کائنات عالم کے انقلاب کا ضامن ہوگا۔ اور اسے یہ معلوم تھا، کہ وہ فرزند امام حسن عسکری علیہ السلام کی اولاد سے ہی ہوگا۔ لہذا اس نے آپ کی تلاش اور آپ کے قتل کی پوری کوشش کی۔ تاریخ اسلام جلد ۳۱ میں ہے کہ ۲۶ھ میں امام حسن عسکری کی شہادت کے بعد جب معتز خلیفہ عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے تو آپ سرداب "سمرن لائے" میں غائب ہو گئے۔ بعض اکابر علماء اہل سنت بھی اس امر میں شیعوں کے ہم زبان ہیں۔ چنانچہ ملاحامی نے شواہد النبوت میں امام عبدالوہاب شمرانی نے لفظ لائے والیہ واقیت والجاہر میں اور شیخ احمد محی الدین ابن عربی نے فتوحات مکتبہ میں اور خواجہ پارسا نے

لہ یہ سرداب، مقام "سمرن لائے" میں واقع ہے جسے اصل میں سامرا کہتے ہیں

سامرا کی آبادی بہت ہی قدیمی ہے اور دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک شہر ہے اسے سام بن لوح نے آباد کیا تھا (مجم البلدان) اس کی اصل سام راہ تھی بعد میں سامرا ہو گیا۔ اب وہ ہوا کی حمد کی وجہ سے خلیفہ معتمد نے فرجی کیپ بنا کر آباد کیا تھا اور سی کو دار السلطنت بھی بنایا تھا، اس کی آبادی ۸ فرسخ لمبی تھی، اس نے اسے نہایت خوبصورت شہر بنا دیا تھا۔ اسی لیے اس کا نام سمرن لائے رکھ دیا تھا یعنی وہ شہر جسے جو بھی دیکھے خوش ہو جائے، عسکری کا ایک محلہ ہے جس میں امام علی نقی علیہ السلام تھے بعد میں انھوں نے ویل بن یعقوب نصرانی سے ایک مکان خرید لیا تھا جس میں اب بھی آپ کا مزار مقدس واقع ہے۔

سامرا میں حدیث غیر شیعہ آبادی رہی اس لیے اب تک وہاں شیعہ آباد نہیں ہیں وہاں کے جملہ خرام بھی غیر شیعہ ہیں۔ حضرت جعفر علیہ السلام کے غائب ہونے کا شراب وہی ایک سجد کے کانے واقع ہے جو کہ حضرت امام علی نقی اور حضرت امام حسن عسکری کے مزار کے قریب ہے۔ ۱۳ منہ ۶

فضل الخطاب میں اور عبدالحق محدث دہلوی نے رسالہ ائمہ طاہرین میں اور جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں، اور ابو عبد اللہ شامی صاحب کفایۃ الطالب نے کتاب التبیان فی اخبار صاحب الزمان میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ میں اور ابن صباغ نور الدین علی ماکی نے فضول المہمہ میں اور کمال الدین ابن طلحہ شافعی نے مطالب السؤل میں اور شاہ ولی اللہ نے فضل المبیین میں اور شیخ سلیمان حنفی نے نیایح المودۃ میں اور بعض دیگر علماء نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اور جو لوگ ان حضرت کے طول عمر میں تعجب کر کے انکار کرتے ہیں۔ ان کو یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے جس نے آدم کو بغیر ماں باپ کے اور عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، تمام اہل اسلام نے حضرت خضر کو اب تک زندہ مانا ہوا ہے، اور بس بہشت میں اور حضرت عیسیٰ آسمان پر اب تک زندہ مانے جاتے ہیں اگر خدا تعالیٰ نے آل محمد میں سے ایک شخص کو طول عمر عنایت کیا تو تعجب کیا ہے؟ حالانکہ اہل اسلام کو دجال کے موجود ہونے اور قریب قیامت ظہور کرنے سے بھی انکار نہیں ہے۔ کتاب شواہد النبوت کے صفحہ ۶۷ میں ہے کہ خاندان نبوت کے گیارہویں امام حسن عسکری علیہ السلام میں زہر سے شہید کر دیے گئے تھے۔ ان کی وفات پر ان کے صاحبزادے محمد ملقب بہ مہدی شیعوں کے آخری امام ہوئے، مولوی امیر علی لکھتے ہیں کہ خاندان رسالت کے ان اماموں کے حالات نہایت دردناک ہیں، نظام متوکل نے حضرت امام حسن عسکری کے والدین کو قید کر لیا تھا۔ اور وہاں ان کی وفات تک ان کو نظر بند رکھا تھا۔ (پھر زہر سے ہلاک کر دیا تھا) اسی طرح متوکل کے جانشینوں نے بدگمانی اور حسد کے مارے حضرت امام حسن عسکری کو قید رکھا تھا، ان کے کس صاحبزادے محمد المہدی جن کی عمر اپنے والد کی وفات کے وقت پانچ سال کی تھی۔ خوف کے مارے اپنے گھر کے قریب ہی ایک غازیں چھپ گئے اور غائب ہو گئے، الخ ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ جس غار میں امام مہدی کی غیبت بتائی جاتی ہے۔ اُسے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ (نور الابصار جلد ۱ ص ۱۱۱) علامہ ابن حجر مکی کا ارشاد ہے، کہ امام مہدی سراب میں غائب ہوئے ہیں۔ "فلم یعرف این ذهب" پھر معلوم نہیں کہاں نشتر لے گئے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۲)۔

جمہور علماء اسلام امام مہدی کے وجود

غیبت امام مہدی پر علماء اہل سنت کا اجماع

کو تسلیم کرتے ہیں، اس میں شیعہ اور

سنی کا سوال نہیں۔ ہر فرقہ کے علماء یہ مانتے ہیں کہ آپ پیدا ہو چکے ہیں اور موجود ہیں، ہم علماء اہل سنت کے اسامیہ ان کی کتابوں اور مختصر اقوال کے درج کرتے ہیں (۱) علامہ محمد بن طلحہ شافعی کتاب مطالب السؤل میں فرماتے ہیں کہ امام مہدی سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں جو بغداد سے ۲۰ فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ (۲)

علامہ علی بن محمد بن صباح مالکی کی کتاب فصول المہدیہ میں ہے کہ امام حسن عسکریؑ کی رھویں امام نے اپنے
 بیٹے امام ہمدی کی ولادت بادشاہ وقت کے خوف سے پوشیدہ رکھی۔ (۳) علامہ شیخ عبدالعزیز بن
 احمد حشاب کی کتاب تاریخ موالیہ میں ہے کہ امام ہمدی کا نام محمد اور کنیت ابو القاسم ہے۔
 آپؑ آخری زمانہ میں ظہور و خروج کریں گے۔ (۴) علامہ نجی الدین ابن عربی حنبلی کی کتاب فتوحات
 میں ہے کہ جب دنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی تو امام ہمدی ظہور کریں گے۔ (۵) علامہ شیخ عبد الوہاب
 شعرانی کی کتاب ایواقیت و الجواہر میں ہے کہ امام ہمدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے ہیں۔
 آپ اس وقت یعنی ۲۵۵ھ ہجری میں اُن کی عمر ۷۰۶ سال کی ہے، یہی مضمون علامہ بدرخشانی کی کتاب
 مفتاح النجاة میں بھی ہے (۶) علامہ عبدالرحمن جامی حنفی کی کتاب شواہد النبوت میں ہے کہ امام ہمدی
 سامرہ میں پیدا ہوئے ہیں اور اُن کی ولادت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔ وہ امام حسن عسکریؑ کے موجودگی
 میں غائب ہو گئے ہیں۔ اسی کتاب میں ولادت کا پورا واقعہ حکیمہ خاتون کی زبانی مندرج ہے۔
 (۷) علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب مناقب الائمہ میں ہے کہ امام ہمدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری
 میں پیدا ہوئے ہیں۔ امام حسن عسکری نے اُن کے کان میں اذان و اقامت کہی سے اور حضورؐ سے
 عرصہ کے بعد آپ نے فرمایا کہ وہ اُس ملک کے سپرد ہو گئے۔ جن کے پاس حضرت موسیٰؑ بیچنے میں تھے۔
 (۸) علامہ جمال الدین محدث کی کتاب روضۃ الاحباب میں ہے کہ امام ہمدی ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری
 میں پیدا ہوئے اور زمانہ معتد عباسی میں بمقام ”سمرن رائے“ از نظر برارایا غائب شد۔ لوگوں کی
 نظر سے سرباب میں غائب ہو گئے۔ (۹) علامہ عبدالرحمن صوفی کی کتاب مرآة الامراء میں ہے کہ
 آپ بطن نرجس سے ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (۱۰) علامہ شہاب الدین دولت آبادی
 صاحب تفسیر بحر مواج کی کتاب ہدایت السعداء میں ہے کہ خلافت رسول حضرت علیؑ کے واسطے سے
 امام ہمدی تک پہنچی آپ ہی آخری امام ہیں (۱۱) علامہ نصر بن علی جھمی کی کتاب موالیہ امیر میں ہے
 کہ امام ہمدی نرجس خاتون کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں (۱۲) علامہ ملا علی قاری کی کتاب مرقات
 شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ امام ہمدی بارہویں امام ہیں شیعوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ اہل سنت اہل بیت
 کے دشمن ہیں (۱۳) علامہ جواد ساہلی کی کتاب براہین سبابطیہ میں ہے کہ امام ہمدی اولاد فاطمہ سے
 ہیں، وہ بقولے ۲۵۵ھ ہجری میں پیدا ہو کر ایک عرصہ کے بعد غائب ہو گئے ہیں۔ (۱۴) علامہ شیخ حسن
 عراقی جن کی تعریف کتاب الواقع میں ہے کہ انھوں نے امام ہمدی سے ملاقات کی ہے (۱۵) علامہ
 علی خواص جن کے متعلق شعرانی نے ایواقیت میں لکھا ہے کہ انھوں نے امام ہمدی سے ملاقات کی
 ہے (۱۶) علامہ شیخ سعد الدین کا کہنا ہے کہ امام ہمدی پیدا ہو کر غائب ہو گئے ہیں۔ دور آخر زمانہ آشکا
 گرد۔ اور وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوں گے۔ جیسا کہ کتاب مقصد اقصیٰ میں ہے (۱۷) علامہ علی اکبر

ابن ہسداشہ کی کتاب مکاشفات میں ہے کہ آپ پیدا ہو کر قطب ہو گئے ہیں (۱۸) علامہ احمد ملاذنی
 احادیث لکھتے ہیں کہ آپ پیدا ہو کر محبوب ہو گئے ہیں (۱۹) علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سالہ
 نوادریں ہیں، محمد بن حسن (المہدی) کے بارے میں شیعوں کا کہنا درست ہے (۲۰) علامہ شمس الدین
 جزیری نے بحوالہ مسلمات بلاذری اعتراف کیا ہے۔ (۲۱) علامہ علامہ الدولہ احمد سمنانی صاحب تاریخ
 خمیس در احوال النفس نفیس اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امام ہمدی غیبت کے بعد ابدال پھر قطب ہو
 گئے (۲۳) علامہ نور اللہ بحوالہ کتاب بیان الاحسان لکھتے ہیں کہ امام ہمدی تکمیل صفات کے لیے غائب
 ہوئے ہیں۔ (۲۴) علامہ ذہبی اپنی تاریخ اسلام میں لکھتے ہیں کہ امام ہمدی ۲۵۶ھ میں پیدا ہو کر
 معدوم ہو گئے ہیں (۲۵) علامہ ابن حجر مکی کی کتاب صواعق محرقة میں ہے کہ امام ہمدی المنتظر پیدا
 ہو کر سرداب میں غائب ہو گئے ہیں (۲۶) علامہ عصر کی کتاب ذبیات الاعیان کی جلد ۲ ص ۴۵۱ میں
 ہے کہ امام ہمدی کی عمر امام حسن عسکری کی وفات کے وقت ۵ سال کی تھی وہ سرداب میں غائب
 ہو کر پھر واپس نہیں ہوئے۔ (۲۷) علامہ سبط ابن جوزی کی کتاب تذکرہ خواص الاممہ کے ص ۲۴۷ میں
 ہے کہ آپ کا لقب القائم، المنتظر، الباقی ہے۔ (۲۸) علامہ سعید اللہ ام تسری کی کتاب ریح المطالب
 کے ص ۲۷۷ میں بحوالہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان مرقوم ہے کہ آپ اسی طرح زندہ و باقی
 ہیں جس طرح عیسیٰ، خضر، ایلس و غیر ہم زندہ اور باقی ہیں۔ (۲۹) علامہ شیخ سلیمان تمندوزی نے
 کتاب تیلیح المودۃ ص ۳۹۳ میں (۳۰) علامہ ابن خشاب نے کتاب موالید اہل بیت میں (۳۱)
 علامہ شلنجی نے نور الابصار کے ص ۱۵۲ طبع مصر ۱۲۲۲ھ میں بحوالہ کتاب البیان لکھا ہے کہ امام ہمدی
 غائب ہونے کے بعد اب تک زندہ اور باقی ہیں اور ان کا وجود کے باقی، اور زندہ ہونے میں کوئی
 شبہ نہیں۔ وہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں۔ جس طرح حضرت عیسیٰ، حضرت خضر، اور حضرت ایلس
 وغیر ہم زندہ اور باقی ہیں۔ ان اللہ والوں کے علاوہ وجال، البیس بھی زندہ ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید
 صحیح مسلم، تاریخ طبری وغیرہ سے ثبوت سے لہذا لا امتناع فی بقاۃ۔ ان کے باقی اور زندہ
 ہونے میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ علامہ علی کی کتاب کشف الظنون کے ص ۲۰۵ میں
 لکھتے ہیں کہ کتاب البیان فی اخبار صاحب الزمان ابو عبد اللہ محمد بن یوسف کنجی شافعی کی تصنیف
 ہے (علامہ فاضل روز بہان کی ابطال الباطل میں ہے کہ امام ہمدی قائم و منتظر ہیں وہ آفتاب
 کی مانند ظاہر ہو کر دنیا کی تاریکی، کفر زائل کر دیں گے (۳۳) علامہ علی مستفی کی کتاب کفر الصالح کی
 جلد ۱ کے ص ۱۱۲ میں ہے کہ آپ غائب ہیں ظہور کر کے ۹ سال حکومت کریں گے (۳۴) علامہ جلال الدین
 سیوطی کی کتاب درمشور جلد ۳ ص ۲۳ میں ہے کہ امام ہمدی کے ظہور کے بعد عیسیٰ نازل ہوں گے وغیرہ

امام مہدی کی غیبت اور آپ کا وجود و ظہور قرآن مجید کی روشنی میں

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت اور
آپ کے موجود ہونے اور آپ کے طول عمر
نیز آپ کے ظہور و شہود اور ظہور کے بعد

سارے دین کو ایک کر دینے کے متعلق ۹۴ آیتیں قرآن مجید میں موجود ہیں، جن میں سے اکثر
دونوں فریق نے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح بے شمار خصوصی احادیث بھی ہیں تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو
غایتہ المقصود و غایتہ المرام علامہ ہاشم بحرانی و نیابیح المودۃ، میں اس مقام پر صرف دو تین
آیتیں لکھتا ہوں۔ ۱۔ آپ کی غیبت کے متعلق اللہ ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدًی
للمتقین ۵ الذین یؤمنون بالغیب ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے
ہیں کہ ایمان بالغیب سے امام مہدی کی غیبت مراد ہے۔ نیک بخت ہیں وہ لوگ جو ان کی غیبت
پر صبر کریں گے اور مبارک باد کے قابل ہیں۔ وہ سمجھدار لوگ جو غیبت میں بھی ان کی محبت پر قائم
رہیں گے۔ (نیابیح المودۃ ص ۳۷ طبع ممبئی) آپ کے موجود اور باقی ہونے کے متعلق "جعلھا
کلمۃً باقیۃً فی عقبہ" ہے۔ ابراہیم کی نسل میں کلمہ باقیہ کو قرار دیا ہے جو باقی اور زندہ رہے گا
اس کلمہ باقیہ سے امام مہدی کا باقی رہنا مراد ہے اور وہی آل محمد میں باقی ہیں۔ (تفسیر حسینی علامہ
حسین واعظ کاشفی ص ۲۶) ۲۔ آپ کے ظہور اور غلبہ کے متعلق "ینظہر علی الدین کلمہ"
جب امام مہدی بحکم خدا ظہور فرمائیں گے تو تمام دینوں پر غلبہ حاصل کر لیں گے یعنی دنیا میں سوا ایک
دین اسلام کے کوئی اور دین نہ ہوگا۔ (نور الابصار ص ۵۳ طبع مصر)۔

امام مہدی کا ذکر کتب آسمانی میں

حضرت داؤد کی زبور کی آیت ۲۷ م موز ۹۷ میں ہے کہ آخری زمانہ میں جو انصاف کا مجسمہ
انسان آئے گا، اس کے سر پر ابر سایہ لگن ہوگا۔ کتاب صغیائے پیغمبر کے فصل ۳ آیت ۹ میں ہے۔
آخری زمانے میں تمام دنیا متحد ہو جائے گی۔ کتاب زبور م موز ۱۲ میں ہے، جو آخر الزمان آئے گا،
اس پر آفتاب اثر انداز نہ ہوگا۔ صحیفہ شعبا پیغمبر کے فصل ۱۱ میں ہے کہ جب نور خدا ظہور کرے گا
تو عدل و انصاف کا ڈکنا بچے گا۔ شیر اور بکری ایک جگہ رہیں گے، چیتا اور بزغالہ ایک ساتھ چریں گے
شیر اور گوسالہ ایک ساتھ رہیں گے، گوسالہ اور مرغ ایک ساتھ ہوں گے، شیر اور گائے میں دوستی
ہوگی۔ طفل شیر خوار سانپ کے بل میں ہاتھ ڈالے گا اور وہ کانٹے کا نہیں پھیرا اسی صفحہ کے فصل ۲ میں
ہے کہ یہ نور خدا جب ظاہر ہوگا، تو تلوار کے ذریعہ سے تمام دشمنوں سے بدلہ لے گا صحیفہ تنجاس
حرف الف میں ہے کہ ظہور کے بعد ساری دنیا کے بت مٹا دیے جائیں گے، ظالم اور منافق ختم کر

دیسے جائیں گے۔ نپلمور کرنے والا کبیر خدا (نرسن) کا بیٹا ہوگا۔ تو ریت کے سفر انبیاء میں ہے کہ مہدی
 ظہور کریں گے۔ عیسیٰ آسمان سے اتریں گے، وصال کو قتل کریں گے۔ انجیل میں ہے کہ مہدی اور عیسیٰ
 وصال اور شیطان کو قتل کریں گے۔ اسی طرح کمال واقعہ جس میں شہادت امام حسین اور ظہور مہدی
 علیہ السلام کا اشارہ ہے۔ انجیل کتاب دانیال باب ۱۲ فصل ۹ آیت ۲۲ روایتے میں موجود ہے
 (کتاب الوسائل ص ۱۲۹ طبع ممبئی ۱۳۳۹ھ)۔

امام مہدی کی غیبت کی وجہ

مذکورہ بالا تحریروں سے علماء اسلام کا اعتراف ثابت
 ہو چکا یعنی واضح ہو گیا کہ امام مہدی کے متعلق جو عقائد
 اہل تشیع کے ہیں وہی منصف مزاج اور غیر متعصب اہل تسنن کے بھی ہیں اور مقصد اصل
 کی تائید قرآن کی آیتوں نے بھی کر دی، اب رہی غیبت امام مہدی کی ضرورت اس کے متعلق
 عرض ہے کہ (۱) خلاق عالم نے ہدایت خلق کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور کثیر التعداد ان
 کے اوصیاء بھیجے۔ پیغمبروں میں سے ایک لاکھ تیس ہزار ۹ سو ننانوے انبیاء کے بعد چونکہ
 حضور رسول کریم تشریف لائے تھے۔ لہذا ان کے جملہ صفات و کمالات و معجزات حضرت محمد
 مصطفیٰ اعلم میں جمع کر دیئے گئے تھے اور آپ کو خدا نے تمام انبیاء کے صفات کا جلوہ بظاہر بنایا
 بلکہ خود اپنی ذات کا مظہر قرار دیا تھا اور چونکہ آپ کو بھی اس دنیائے فانی سے ظاہری طور پر
 جانا تھا۔ اس لیے آپ نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو ہر قسم کے کمالات سے بھر پور کر دیا
 تھا۔ یعنی حضرت علیؑ اپنے ذاتی کمالات کے علاوہ نبوی کمالات سے بھی ممتاز ہو گئے تھے۔
 سرور کائنات کے بعد کائنات عالم میں صرف ایک علیؑ کی ہستی تھی جو کمالات انبیاء کی حامل تھی
 آپ کے بعد سے یہ کمالات اوصیاء میں منتقل ہوتے ہوئے امام مہدی تک پہنچے۔ بادشاہ وقت
 امام مہدی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اگر وہ قتل ہو جاتے تو دنیا سے انبیاء و اوصیاء کا نام و نشان
 مٹ جاتا اور سب کی یادگار بیک ضرب شمشیر ختم ہو جاتی اور چونکہ انھیں انبیاء کے ذریعہ سے
 خداوند عالم متعارف ہوا تھا۔ لہذا اس کا بھی ذکر ختم ہو جاتا۔ اس لیے ضرورت تھی کہ ایسی ہستی کو
 محفوظ رکھا جائے جو جملہ انبیاء اور اوصیاء کی یادگار اور تمام کے کمالات کی مظہر ہو (۲) خداوند عالم
 نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔ "وجعلنا کلمۃ باقیتنا فی عقبہم" ابراہیم کی نسل میں کلمہ
 باقیہ قرار دے دیا ہے۔ نسل ابراہیم دو فرزندوں سے چلی ہے ایک اسحاق اور دوسرے اسماعیل
 اسحاق کی نسل سے خداوند عالم جناب عیسیٰ کو زندہ و باقی قرار دے کر آسمان پر محفوظ کر چکا تھا۔
 اب یہ مقتضائے انصاف ضرورت تھی کہ نسل اسماعیل سے بھی کسی ایک کو باقی رکھے اور وہ بھی زمین
 پر کیونکہ آسمان پر ایک باقی موجود تھا، لہذا امام مہدی کو جو نسل اسماعیل سے ہیں زمین پر زندہ اور باقی

رکھا اور انھیں بھی اسی طرح دشمنوں کے شر سے محفوظ کر دیا جس طرح حضرت عیسیٰ کو محفوظ کیا تھا (۳) یہ مسلمات اسلامی سے ہے کہ زمین حجت خدا اور امام زمانہ سے خالی نہیں رہ سکتی (اصول کافی ۱۳۰ طبع نوکشور) چونکہ حجت خدا اُس وقت امام مہدی کے سوا کوئی نہ تھا، اور انھیں دشمن قتل کر دینے پر تلے ہوئے تھے اس لیے انھیں محفوظ و منور کر دیا گیا۔ حدیث میں ہے کہ حجت خدا کی وجہ سے بارش ہوتی ہے اور انھیں کے ذریعہ سے روزی تقسیم کی جاتی ہے (بخاری ۴) یہ مسلم ہے کہ حضرت امام مہدی جملہ انبیاء کے منظر تھے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ انھیں کی طرح اُن کی غیبت بھی ہوتی یعنی جس طرح بادشاہ وقت کے مظالم کی وجہ سے حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے عہد حیات میں مناسب مدت تک غائب رہ چکے تھے۔ اسی طرح یہ بھی غائب رہتے۔ (۵) قیامت کا آنا مسلم ہے اور واقعہ قیامت میں امام مہدی کا ذکر بتانا ہے کہ آپ کی غیبت مصلحت خداوندی کی بنا پر ہوتی ہے (۶) سورۃ انا انزلناہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول ملائکہ شب قدر میں ہوتا رہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ نزول ملائکہ انبیاء و اوصیاء ہی پر ہوا کرتا ہے۔ امام مہدی کو اس لیے موجود اور باقی رکھا گیا ہے تاکہ نزول ملائکہ کی مرکزی غرض پوری ہو سکے، اور شب قدر میں انھیں پر نزول ملائکہ ہو سکے۔ عید میں ہے کہ شب قدر میں سال بھر کی روزی وغیرہ امام مہدی تک پہنچادی جاتی ہے اور وہی اسے تقسیم کرتے رہتے ہیں (۷) حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ دوسری بات ہے کہ عام لوگ اس حکمت و مصلحت سے واقف نہ ہوں۔ غیبت امام مہدی اسی طرح مصلحت و حکمت خداوندی کی بنا پر عمل میں آئی ہے۔ جس طرح طواف کعبہ، رمی جمرہ وغیرہ ہے، جس کی اصل مصلحت خداوند عالم ہی کو معلوم ہے (۸) امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانا ہے کہ امام مہدی کو اس لیے غائب کیا جائے گا تاکہ خداوند عالم اپنی ساری مخلوقات کا امتحان کر کے یہ جاننے کے نیک بندے کون ہیں اور باطل پرست کون لوگ ہیں (اکمال الدین) (۹) چونکہ آپ کو اپنی جان کا خوف تھا اور یہ طے شدہ ہے کہ ”من خاف علی نفسه احتجاج الی الاستتار“ کہ جسے اپنے نفس اور اپنی جان کا خوف ہو وہ پوشیدہ ہونے کو لازمی جانتا ہے۔ (المترضی) (۱۰) آپ کی غیبت اس لیے واقع ہوئی ہے کہ خداوند عالم ایک وقت معین میں آل محمد پر جو مظالم کئے گئے ہیں۔ ان کا بدلہ امام مہدی کے ذریعہ سے لے گا۔ یعنی آپ عہد اول سے لے کر بنی امیہ اور بنی عباس کے ظالموں سے مکمل بدلہ لیں گے۔ (اکمال الدین)۔

علامہ شیخ قندوزی بلخی حنفی قرطاب
ہیں کہ سید مصیر فی کا بیان ہے کہ

غیبت امام مہدی جعفر جامعہ کی روشنی میں

ہم اور افضل بن عمر، البصیر، امان بن قثلب، ایک دن صادق آل محمدؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ زمین پر بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اے محمد! تمھاری غیبت کی خبر نے میرا دل بے چینی کر دیا ہے۔ میں نے عرض کی، حضور خدا آپ کی آنکھوں کو کبھی نہ رولائے، بات کیا ہے، کس لیے حضور گریہ کناں میں فرمایا۔ اے سیدیر! میں نے آج کتاب "بحضر جارج" میں بوقت صبح امام مہدی کی غیبت کا مطالعہ کیا ہے، اے سیدیر! یہ وہ کتاب ہے جس میں علیہ ساکن و مایکتون کا اندراج ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے سب اس میں لکھا ہوا ہے۔ اے سیدیر! میں نے اس کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ ہماری نسل سے امام مہدی ہوں گے۔ پھر وہ غائب ہو جائیں گے۔ اور ان کی غیبت نیز عمر بہت طویل ہوگی۔ ان کی غیبت کے زمانہ میں مومنین مصائب میں مبتلا ہوں گے اور ان کے امتحانات ہوتے رہیں گے اور غیبت میں تاخیر کی وجہ سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہونے ہوں گے۔ پھر فرمایا: اے سیدیر! سنو! ان کی ولادت حضرت موسیٰ کی ولادت کی طرح ہوگی۔ اور ان کی غیبت عیسیٰ کی مانند ہوگی اور ان کے ظہور کا حال حضرت نوح کے مانند ہوگا اور ان کی عمر حضرت حضرت کی عمر جیسی ہوگی (نیابح الموق) اس حدیث کی مختصر شرح یہ ہے، کہ (۱) تاریخ میں نے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا کہ میری سلطنت کا زوال ایک مولود بنی اسرائیل کے ذریعہ ہوگا۔ تو اُس نے حکم جاری کر دیا کہ ملک میں کوئی عورت حاملہ نہ رہنے پائے۔ اور کوئی بچہ باقی نہ رکھا جائے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ۴۰ ہزار بچے شہداء کئے گئے۔ لیکن خدا نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی تمام ترکیبوں کے باوجود پیدا کیا، باقی رکھا اور انھیں کے ہاتھوں سے اُس کی سلطنت کا تختہ الٹوا دیا۔ اسی طرح امام مہدی کے لیے ہوا کہ تمام بنی امیہ اور بنی عباسیہ کی سعی بلیغ کے باوجود آپ بطن زرجس خاتون سے پیدا ہوئے اور کوئی آپ کو دیکھ نہ سکا۔ (۲) حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمام یہودی اور نصرانی متفق ہیں کہ آپ کو سولی دے دی گئی اور آپ قتل کے بجائے، لیکن خداوند عالم نے اُس کی رو فرادی اور کہہ دیا کہ وہ نہ قتل ہوئے ہیں اور نہ ان کو سولی دی گئی ہے۔ یعنی خداوند عالم نے اپنے پاس بلا لیا ہے اور وہ آسمان پر اس و امان خدا میں ہیں۔ اسی طرح حضرت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں بھی لوگوں کا کہنا ہے کہ پیدا ہی نہیں ہوئے۔ حالانکہ وہ پیدا ہو کر حضرت عیسیٰ کی طرح غائب ہو چکے ہیں (۳) حضرت نوح نے لوگوں کی نافرمانی سے عاجز آکر خدا کے عذاب کے نزول کی درخواست کی۔ خداوند عالم نے فرمایا کہ پہلے ایک درخت لگاؤ وہ پھل لائے گا۔ تب عذاب کروں گا۔ اسی طرح نوح نے سات مرتبہ کیا بالاخر اس تاخیر کی وجہ سے آپ کے تمام دوست و موالی اور ایمان دار کافر ہو گئے۔ اور صرف ستر مومنین رہ گئے۔ اسی طرح غیبت امام مہدی اور تاخیر

ظہور کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ لوگ فرما رہے ہیں اور ائمہ علیہم السلام کی تکذیب کر رہے اور عوام مسلم بلاوجہ اعتراضات کر کے اپنی ماقبت خراب کر رہے ہیں اور شاید اسی وجہ سے مشہور ہے کہ جب دنیا میں چالیس مومن کامل رہ جائیں گے۔ تب آپ کا ظہور ہوگا۔ (۴) حضرت خضر جو زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک زندہ اور موجود رہیں گے۔ انھیں کی طرح حضرت امام مہدی بھی زندہ اور باقی ہیں اور قیامت تک موجود رہیں گے اور جب کہ حضرت خضر کے زندہ اور باقی رہنے میں مسلمانوں کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام مہدی کے زندہ اور باقی رہنے میں بھی کوئی اختلاف کی وجہ نہیں ہے۔

غیبتِ صغریٰ و کبریٰ اور آپ کے سفر | آپ کی غیبت کی دو حیثیت تھی، ایک صغریٰ اور دوسری کبریٰ غیبت

صغریٰ کی مدت ۵، یا ۴ سال تھی۔ اس کے بعد غیبتِ کبریٰ شروع ہوگئی۔ غیبتِ صغریٰ کے زمانہ میں آپ کا ایک نائب خاص ہوتا تھا۔ جس کے زیرِ اہتمام ہرقسم کا نظام چلتا تھا۔ سوال و جواب، خمس و زکوٰۃ اور دیگر مراحل اسی کے واسطے طے ہوتے تھے بخصوصی مقامات محروسہ میں اسی کے ذریعہ اور سفارش سے سفر اور مقرر کئے جاتے تھے۔

سب سے پہلے جنہیں نائب خاص ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ان کا نام نامی و اسم گرامی حضرت عثمان بن سعید عمری تھا۔ آپ حضرت امام علی نقی علیہ السلام اور امام حسن عسکری علیہ السلام کے معتمد خاص اور اصحابِ خلص میں سے تھے۔ آپ قبیلہ بنی اسد سے تھے آپ کی کنیت ابوہریرہ تھی، آپ سامرہ کے قریب عسکر کے رہنے والے تھے۔ وفات کے بعد آپ بغداد میں دروازہ جلد کے قریب مسجد میں دفن کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد حکم امام علیہ السلام آپ کے فرزند، حضرت محمد بن عثمان بن سعید اس عظیم منزلت پر فائز ہوئے، آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ نے اپنی وفات سے ۲ ماہ قبل اپنی قبر کھدوا دی تھی، آپ کا کونا تھا کہ میں یہ اس لیے کر رہا ہوں کہ مجھے امام علیہ السلام نے بتا دیا ہے اور میں اپنی تاریخ وفات سے واقف ہوں۔ آپ کی وفات جمادی الاول ۳۳۰ھ میں واقع ہوئی اور آپ ماں کے قریب بمقام دروازہ کوفہ سربراہ دفن ہوئے۔ پھر آپ کی وفات کے بعد بواوسطہ مرحوم حضرت امام علیہ السلام کے حکم سے حضرت حسین بن روح اس منصبِ عظیم پر فائز ہوئے جعفر بن محمد بن عثمان سعید کا کونا سے اگر میرے والد حضرت محمد بن عثمان نے میرے سامنے حضرت حسین بن روح کو اپنے بعد اس منصب کی ذمہ داری کے متعلق امام علیہ السلام کا پیغام پہنچایا تھا حضرت حسین بن روح کی کنیت ابو قاسم تھی آپ محمدؐ کو نبوت کے رہنے والے تھے۔ آپ خفیہ طور پر حبلہ مالکِ اسلامیہ کا دورہ کیا کرتے تھے۔ آپ دونوں فرقوں کے نزدیک محمدؐ ثقہ صالح

اور این قرار دیئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات شعبان ۳۲۶ھ میں ہوئی اور آپ محلہ نوبخت کو قدم میں مدفون ہوئے ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد حکم امام علیہ السلام حضرت علی بن محمد السمیری اس عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ آپ کی کنیت ابو الحسن تھی، آپ اپنے فرائض انجام دے رہے تھے، جب وقت قریب آیا تو آپ سے کہا گیا کہ آپ اپنے بعد کا کیا انتظام کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اب آئندہ یہ سلسلہ قائم نہ رہے گا۔ (مجالس المؤمنین ص ۵۹ و جزیرہ خضر ص ۱۰ و الوار الحینیہ ص ۵۵)۔ تلابامی اپنی کتاب شواہد النبوت کے ص ۲۱۲ میں لکھتے ہیں کہ محمد السمیری کے انتقال سے ۶ یوم قبل امام علیہ السلام کا ایک فرمان ناجیہ مندرجہ سے برآمد ہوا۔ جس میں ان کی وفات کا ذکر اور سلسلہ سفارت کے ختم ہونے کا تذکرہ تھا۔ امام ہمدی کے خط کے عیون الفاظ یہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

”یا علی بن محمد عظمہ اللہ اجرا خزانک فیک فانک میت ما بنیک و میں سنتہ ایام فاجمع امرک ولا ترض الی احد یقوم مقامک بعد وفاتک فقل وقعت الغیبتہ التامۃ فلا ظہور الا بعد اذن اللہ تعالیٰ و ذالک بعد طول الامد الخ ترجمہ :- اے علی بن محمد! خداوند عالم تمہارے بارے میں تمہارے بھائیوں اور دوستوں کو اجڑھیل عطا کرے، تمہیں معلوم ہو، کہ تم چھ یوم میں وفات پانے والے ہو، تم اپنے انتظامات کر لو۔ اور آئندہ کے لیے اپنا کوئی قائم مقام تجویز و تلاش نہ کرو۔ اس لیے کہ غیبت کبریٰ واقع ہو گئی ہے اور اذن خدا کے بغیر ظہور ناممکن ہوگا۔ یہ ظہور بہت طویل عرصہ کے بعد ہوگا۔“

غرض کہ چھ یوم گزرنے کے بعد حضرت ابو الحسن علی بن محمد السمیری بتاریخ ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ انتقال فرما گئے۔ اور پھر کوئی مخصوصی سفیر مقرر نہیں ہوا اور غیبت کبریٰ شروع ہو گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان سفار کے اسماء بھی درج ذیل کر دیئے جائیں۔ جو انھیں لوآب خاص کے ذریعہ اور سفارش سے بحکم امام ممالک محروسہ مخصوصہ میں امام علیہ السلام کا کام کرتے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔

(۱) بغداد سے حاجز۔ بلالی۔ عطار۔ (۲) کوفہ سے عامی (۳) اہواز سے محمد بن ابراہیم بن مہربان (۴) ہمدان سے محمد ابن صباح (۵) رے سے بسامی واسدی (۶) آذربائیجان سے قسم بن علی (۷) نیشاپور سے محمد بن شاذان (۸) قسم سے احمد بن اسحاق۔ (غایبہ المقصود جلد ۱ ص ۱۲)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت کے بعد

حضرت امام مہدی علیہ السلام کی غیبت چونکہ خداوند عالم کی طرف سے بطور لطف خاص عمل میں آئی تھی، اس لیے آپ خدائی خدمت میں ہمہ تن منہمک ہو گئے اور غائب ہونے کے بعد آپ نے دین اسلام کی خدمت شروع فرمادی مسلمانوں، مومنوں کے خطوط کے جوابات دینے۔ ان کی بوقت ضرورت ہماری کرتے اور انہیں راہ راست دکھانے کا فریضہ ادا کرنا شروع کر دیا۔ ضروری خدمات آپ زمانہ غیبت صغریٰ میں بواسطہ سفار یا بلا واسطہ اور زمانہ غیبت کبریٰ میں بلا واسطہ انجام دیتے رہے اور قیامت تک انجام دیتے رہیں گے۔

۳۰۷ھ ہجری میں آپ کا حجرِ اسود نصب کرنا

علامہ الربلی لکھتے ہیں کہ زمانہ نیابت میں بعد حسین بن روح، ابوالقاسم حضرت بن محمد بن قولویہ بالادۃ حج بغداد گئے اور وہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج کرنے کا فیصلہ کے ہوئے تھے۔ لیکن وہ بغداد پہنچ کر سخت علیل ہو گئے، اسی دوران میں آپ نے سنا کہ قرامطہ نے حجرِ اسود کو نکال لیا ہے اور وہ اُسے کچھ درست کر کے ایام حج میں پھر نصب کریں گے۔ کتابوں میں چونکہ پڑھ چکے تھے کہ حجرِ اسود صرف امام زمانہ ہی نصب کر سکتا ہے جیسا کہ پہلے آنحضرت صلعم نے نصب کیا تھا، پھر زمانہ حجاج میں امام زین العابدین نے نصب کیا تھا۔ اسی بنا پر انھوں نے اپنے ایک کرم فرما "ابن ہشام" کے ذریعہ سے ایک خط ارسال کیا اور اُسے کہہ دیا کہ جو حجرِ اسود نصب کرے اُسے یہ خط دے دینا۔ نصبِ حجر کی لوگ سعی کر رہے تھے۔ لیکن وہ اپنی جگہ پر قرار نہیں لیتا تھا کہ اتنے میں ایک خوب صورت نوجوان ایک طرف سے سامنے آیا اور اُس نے اُسے نصب کر دیا اور وہ اپنی جگہ پر مستقر ہو گیا۔ جب وہ وہاں سے روانہ ہوا تو ابن ہشام اُن کے پیچھے ہو لیے۔ راستے میں انھوں نے پلٹ کر کہا اے ابن ہشام، تو جعفر بن محمد کا خط مجھے دے دے۔ دیکھ اُس میں اُس نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ وہ کب تک زندہ رہے گا۔ اُس سے کہہ دینا کہ وہ ابھی تیس سال اور زندہ رہے گا یہ کہہ کر وہ نظروں سے غائب ہو گئے۔ ابن ہشام نے سارا واقعہ بغداد پہنچ کر جعفر بن قولویہ سے بیان کر دیا۔ غرض کہ وہ تیس سال کے بعد وفات پا گئے۔ (کشف الغمہ ص ۱۳۳) اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں موجود ہیں۔

علامہ عبدالرحمن ملا جامی رقمطراز ہیں کہ ایک شخص اسماعیل بن حسن ہرقلی جو لوہا سی علم میں مقیم تھا اُس کی ران پر ایک زخم نمودار ہو گیا تھا جو ہر زمانہ بہار میں اُبل آتا تھا جس کے علاج سے تمام دُویا کے اطباء عاجز اور قاصر ہو گئے تھے۔ وہ ایک دن اپنے بیٹے شمس الدین کو ہمراہ لے کر تیسری رضی الدین علی بن

طاؤس کی خدمت میں گیا۔ انھوں نے پہلے تو بڑی سعی کی، لیکن کوئی چارہ کار نہ ہوا۔ پھر طبیب بہکوتا
 تھا کہ یہ چھوڑا "رگ اکل" پر ہے، اگر اسے نشتر دیا جائے تو جان کا خطرہ ہے اس لیے اس کا علاج
 ناممکن ہے۔ اسماعیل کا بیان ہے کہ "چون از اطبا یائوس شدم عزیمت مشہد شریف" سرزن لائے
 کردم۔ جب میں تمام اطباء سے یائوس ہو گیا تو سامرہ کے سرداب کے قریب گیا، اور وہاں بہر
 حضرت صاحب الامر کو متوجہ کیا۔ ایک شب دریائے جہل سے غسل کر کے واپس آ رہا تھا کہ چار سوار
 نظر آئے، ان میں سے ایک نے میرے زخم کے قریب ہاتھ پھیرا اور میں بالکل اچھا ہو گیا میں ابھی
 اپنی صحت پر تعجب ہی کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک سوار نے جو سفید ریش تھے کہا کہ تعجب کیا ہے
 تجھے شفا دینے والے امام ہمدی علیہ السلام ہیں، یہ سن کر میں نے ان کے قدموں کا بوسہ دیا اور وہ
 لوگ نظروں سے غائب ہو گئے۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۲ و کشف الغمہ ص ۱۳۲)۔

اسحاق بن یعقوب کے نام امام عصر کا خط

علاء طبرسی جو امام محمد بن یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ اسحق بن
 یعقوب نے بذریعہ محمد بن عثمان عمری حضرت امام ہمدی
 علیہ السلام کی خدمت میں ایک خط ارسال کیا جس میں کئی
 سوالات مندرج تھے۔ حضرت نے بجز خود جواب تحریر فرمایا اور تمام سوالات کے جوابات تحریراً
 عنایت فرمادیئے جس کے اجزاء یہ ہیں :-

(۱) جو ہارا منکر ہے، وہ ہم سے نہیں (۲) میرے عزیزوں میں سے جو مخالفت کرتے ہیں،
 ان کی مثال ابن لوح اور برادران یوسف کی ہے (۳) قحار یعنی جو کی شراب کا پینا حرام ہے۔
 (۴) ہم تمہارے مال صرف اس لیے (بطور خمس قبول کرتے ہیں کہ تم پاک ہو جاؤ اور عذاب سے نجات
 حاصل کر سکو (۵) میرے ظہور کرنے اور نہ کرنے کا تعلق صرف خدا سے ہے جو لوگ وقت ظہور مقرر
 کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں جھوٹ بولتے ہیں (۶) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ امام حسین قتل نہیں ہوئے وہ کافر
 جھوٹے اور گمراہ ہیں (۷) تمام واقع ہونے والے حوادث میں میرے سفار پر اعتماد کرو، وہ میری طرف
 سے تمہارے لیے محبت ہیں اور میں حجج اللہ ہوں (۸) محمد بن عثمان "امین اور ثقہ ہیں اور ان کی تحریروں
 میری تحریر ہے (۹) محمد بن علی ہر یار ہوا زنی کا دل انشاء اللہ بہت صاف ہو جائے گا اور انھیں کوئی
 شک نہ رہے گا (۱۰) گانے والی کی اہرت و قیمت حرام ہے (۱۱) محمد بن شادان بن نعیم ہمارے
 شیعہوں میں سے ہیں (۱۲) ابوالخطاب محمد بن ابی زینب اجود طحون ہے اور ان کے ماننے والے
 بھی طحون ہیں۔ میں اور میرے باپ دادا اس سے اور اس کے باپ دادا سے ہمیشہ بے زار رہے
 ہیں۔ (۱۳) جو ہارا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں (۱۴) خمس ہمارے سادات
 شیعہ کے لیے حلال ہے (۱۵) جو لوگ دین خدا میں شک کرتے ہیں وہ اپنے خود قدم دار ہیں (۱۶) میری

غیبت کیوں واقع ہوئی ہے۔ یہ بات خدا کی مصلحت سے متعلق ہے اس کے متعلق سوال بیکار ہے۔ میرے آباؤ اجداد دُنیا والوں کے شکبجہ میں ہمیشہ رہے ہیں لیکن خدا نے مجھے اس شکنجہ سے بچالیا ہے جب میں ظہور کروں گا بالکل آزاد ہوں گا۔ (۱۷) زمانہ غیبت میں مجھ سے فائدہ کیا ہے؟ اس کے متعلق یہ سمجھ لو کہ میری مثال غیبت میں ویسی ہے، جیسے آریں چھپے ہوئے آفتاب کی۔ میں ستاروں کی مانند اہل ارض کے لیے امان ہوں۔ تم لوگ غیبت اور ظہور سے متعلق سوالات کا سلسلہ بند کرو اور خداوند عالم کی بارگاہ میں دعا کرو کہ وہ جلد میرے ظہور کا حکم دے، اسے اسحق! تم پر اور ان لوگوں پر میرا سلام ہو جو ہدایت کی اتباع کرتے ہیں۔ (اعلام الوردی ص ۲۵۵ مجالس المؤمنین ص ۱۹۰، کشف الغمہ ص ۱۱۱)۔

علماء کا بیان ہے کہ حضرت امام عصر علیہ السلام نے جناب شیخ مفید ابو عبد اللہ محمد بن محمد بن نعمان کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا ہے۔

شیخ محمد بن محمد سدد کے نام امام زمانہ کا مکتوب گرامی

جس میں انھوں نے شیخ مفید کی مدح فرمائی ہے اور بہت سے واقعات سے موصوف کو آگاہ فرمایا ہے۔ اُن کے مکتوب گرامی کا ترجمہ یہ ہے۔

میرے نیک برادر اور لائق محب، تم پر میرا سلام ہو۔ تمھیں دینی معاملہ میں خلوص حاصل ہے اور تم ہمارے بارے میں یقین کامل رکھتے ہو۔ ہم اُس خدا کی تعریف کرتے ہیں جس کے سوا کوئی جہو نہیں ہے۔ ہم درود بھیجتے ہیں حضرت محمد مصطفیٰ اور اُن کی پاک آل پر ہماری دعا ہے کہ خدا تمھاری توفیقات دینی ہمیشہ قائم رکھے اور تمھیں نصرت حق کی طرف ہمیشہ متوجہ رکھے۔ تم جو ہمارے بارے میں صدق بیانی کرتے رہتے ہو، خدا تم کو اس کا اجر عطا فرمائے۔ تم نے جو ہم سے خطا و کوتاہی جاری رکھا اور دوستوں کو فائدہ پہنچایا، وہ قابل مدح و ستائش ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تم کو دشمنوں کے مقابلہ میں کامیاب رکھے۔ اب ذرا ٹھہر جاؤ، اور جیسا ہم کہتے ہیں اُس پر عمل کرو۔ اگرچہ ہم ظالموں کے امکانات سے ڈور ہیں۔ لیکن ہمارے لیے خدا کافی ہے جس نے ہم کو ہمارے شیعہ مومنین کی بہتری کے لیے ذرائع دکھا دیے ہیں۔ جب تک دولت دُنیا فاسقوں کے ہاتھ میں رہے گی۔ ہم کو تمھاری تہلیل پہنچتی رہیں گی اور تمھارے معاملات کے متعلق کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ ہم اُن لغزشوں کو جانتے ہیں جو لوگوں سے اپنے نیک اسلاف کے خلاف ظاہر ہو رہی ہیں۔ (شاید اس سے اپنے چچا جعفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے) انھوں نے اپنے عہدوں کو پس پشت ڈال دیا ہے، گویا وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ تاہم ہم ان کی رعایتوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ اُن کے ذکر بھولنے والے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ان پر نصیحتیں نازل ہو جاتیں اور دشمنوں کو غلبہ

حاصل ہو جاتا، پس اُن سے کہو کہ خدا سے ڈرو اور ہمارے امر و نہی کی حفاظت کرو اور اللہ اپنے نور کا کامل کرنے والا ہے، چاہے مشرک کیسے ہی کراہت کریں۔ تقیہ کو پکڑے رہو، میں اُس کی نجات کا ضامن ہوں جو خدا کی مرضی کا راستہ چلے گا۔ اس سال جمادی الاول کا مہینہ آئے گا تو اس کے واقعات سے عبرت حاصل کرنا تمہارے لیے آسمان و زمین سے روشن آیتیں ظاہر ہوں گی، مسلمانوں کے گروہ حزن و قلق میں بقیام عراق پھنس جائیں گے۔ اور اُن کی بد اعمالیوں کی وجہ سے رزق میں تنگی ہو جائے گی۔ پھر یہ ذلت و مصیبت شریروں کی ہلاکت کے بعد دور ہو جائے گی۔ ان کی ہلاکت سے نیک اور مستحق لوگ خوش ہوں گے۔ لوگوں کو چاہیے کہ وہ ایسے کام کریں جن سے اُن میں ہماری محبت زیادہ ہو۔ یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جب موت یکایک آجائے گی تو باب تو بند ہو جائے گا۔ اور خدائی قدر سے نجات نہ ملے گی۔ خدا تم کو نیکی پر قائم رکھے، اور تم پر رحمت نازل کرے۔

میرے خیال میں یہ خط عند غیبت کبریٰ کا ہے، کیونکہ شیخ مفید کی ولادت ۱۱ ذیقعد ۳۳۶ھ اور وفات ۳ رمضان ۴۱۳ھ میں ہوئی ہے اور غیبت صغریٰ کا اختتام ۱۵ شعبان ۳۲۹ھ میں ہوا ہے۔ علامہ کبیر حضرت شہید ثالث علامہ نور اللہ شوشتری مجالس المؤمنین کے ص ۲۰۶ میں لکھتے ہیں کہ شیخ مفید کے مرنے کے بعد حضرت امام عصر نے تین شعر ارسال فرمائے تھے جو مرحوم کی قبر پر کندہ ہیں۔ چار دکھائے خصوصی اور سات دکھائے عمومی کے علاوہ جن لوگوں نے حضرت امام عصر علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ ان

ان حضرات کے نام جنھوں نے زمانہ غیبت صغریٰ میں امام کو دیکھا ہے

کے اسماء میں سے بعض کے نام یہ ہیں :-

بغداد کے رہنے والوں میں سے (۱) ابوالقاسم بن رئیس (۲) ابو عبد اللہ ابن مشرورخ -
 (۳) مسرور الطباخ (۴-۵) احمد و محمد بسران حسن (۶) اسحاق کاتب از نو بخت (۷) صاحب الفراء
 (۸) صاحب الصرة المختومہ (۹) ابوالقاسم بن ابی جلیس (۱۰) ابو عبد اللہ الکندی (۱۱) ابو عبد اللہ الجندی
 (۱۲) ہارون الفرازہ (۱۳) النیلی (ہمدان کے باشندوں میں سے) (۱۴) محمد بن کثمر (۱۵) جعفر بن
 ہمدان (دینور کے رہنے والوں میں سے) (۱۶) حسن بن ہروان (۱۷) احمد بن ہروان (از صغمان)
 (۱۸) ابن باز سالہ (از ضمیر) (۱۹) زیدان (از قم) (۲۰) حسن بن نصر (۲۱) محمد بن محمد (۲۲) علی بن محمد
 بن اسحاق (۲۳) محمد بن اسحاق (۲۴) حسن بن یعقوب (از رے) (۲۵) قاسم بن موسیٰ (۲۶) فرزند قاسم
 بن موسیٰ (۲۷) ابن محمد بن ہارون (۲۸) صاحب الحصاة (۲۹) علی بن محمد (۳۰) محمد بن یعقوب کلینی،
 (۳۱) ابو جعفر الرقار (از قزوین) (۳۲) مرواس (۳۳) علی بن احمد (از فارس) (۳۴) الجرجوج،
 (از شہرور) (۳۵) ابن الجحال (از قدس) (۳۶) مجروح (از مرو) (۳۷) صاحب الالف دینار (۳۸)

صاحب المآل والرقۃ البیضا (۳۹) البوثابت (ازیشاپور) (۴۰) محمد بن شعیب بن صالح (ازیرین)
 (۴۱) فضل بن یزید (۴۲) حسن بن فضل (۴۳) جعفری (۴۴) ابن الأعمی (۴۵) شمشاطی (ازمصر) (۴۶)
 صاحب المولودین (۴۷) صاحب المآل (۴۸) ابو حار (از نصیبین) (۴۹) ابو محمد ابن الوجتا ،
 (از اہواز) (۵۰) الحسینی (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۲۱) -

زیارتِ ناجیہ اور اصول کافی

کہتے ہیں کہ اسی زمانہ غیبتِ صغریٰ میں ہاجرہ مقدسہ سے ایک ایسی زیارت برآمد ہوئی ہے جس میں تمام شہدارِ کربلا کے نام اور ان کے قاتلوں کے اسماء ہیں۔ اسے "زیارتِ ناجیہ" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اصول کافی جو کہ حضرت ثقتہ الاسلام علامہ کلینی المتوفی ۳۲۵ ھ کی ۲۰ سالہ تصنیف ہے۔ وہ جب امام عصر کی خدمت میں پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا: "ہذا کتاب لشیعتنا" یہ ہمارے شیعوں کے لیے کافی ہے۔ زیارتِ ناجیہ کی توثیق بہت سے علمائے کبار نے کی ہے جن میں علامہ طبرسی اور مجلسی بھی ہیں۔ دوائے سباسب بھی آپ ہی سے مروی ہے۔

غیبتِ کبریٰ میں امام مہدی کا مرکزی مقام

امام مہدی علیہ السلام چونکہ اسی طرح زندہ اور باقی ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت ادریسؑ، حضرت خضرؑ، حضرت الیاسؑ، نیز وہ جبال بطلال، یا ہوج ماجوج اور ابلیس لعین زندہ اور باقی ہیں اور ان سب کا مرکزی مقام موجود ہے۔ جہاں یہ رہتے ہیں مثلاً حضرت عیسیٰؑ چوتھے آسمان پر (قرآن مجید) حضرت ادریسؑ جنت میں (قرآن مجید) حضرت خضر اور الیاس، صحیح الجہنم یعنی دریائے فارس و روم کے درمیان پانی کے قصر میں (عجائب نقض علامہ عبد الواحد ص ۱۶۲) اور وہ جبال بطلال طبرستان کے جزیرہ مغرب میں (کتاب غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۲) اور یا ہوج ماجوج - بحیرہ روم کے عقب میں دو پہاڑوں کے درمیان (غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۲) اور ابلیس لعین، استعمار ارضی کے وقت والے پایہ تخت ملتان میں (کتاب ارشاد الطاہر علامہ انور درویش ص ۲۳۳) تو لامحالہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا بھی کوئی مرکزی مقام ہونا ضروری ہے۔ جہاں آپ تشریف فرما ہوں اور وہاں سے ساری کائنات میں اپنے فرائض انجام دیتے ہوں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ زمانہ غیبت میں حضرت امام مہدی علیہ السلام (جزیرہ خضر اور بحر ابیض) میں اپنی اولاد اپنے اصحاب سمیت قیام فرمائیں اور وہیں سے باعجاز تمام کام کیا کرتے اور ہر جگہ پہنچا کرتے ہیں، یہ جزیرہ خضر، سر زمین ولایت بربر میں درمیان دریائے آندلس واقع ہے یہ جزیرہ محمود آباد ہے، اس دریا کے ساحل میں ایک موضع بھی ہے جو شکل جزیرہ ہے

اُسے اُنڈلس والے (جزیرہ لقصہ) کہتے ہیں، کیونکہ اُس میں ساری آبادی شیعوں کی ہے۔ اس تمام آبادی کی خوراک وغیرہ جزیرہ خضر سے براہ بحر بیض سال میں دو بار ارسال کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ جہاں آرا۔ ریاض العلماء، کفایت المہدی، کشف القناع، ریاض المؤمنین، غایت المقصود، رسالہ جزیرہ خضر اور بحر بیض اور مجالس المؤمنین۔ علامہ نور اللہ شوشتری و بحار الانوار، علامہ مجلسی کتاب شہداء علامہ حسین واعظ کا تفسیر ۲۳۹ میں امام ہمدی کے اقصائے بلاد مغرب میں ہونے اور اُن کے شہروں پر تصرف رکھنے اور صاحب اولاد وغیرہ ہونے کا حوالہ ہے۔ امام شہنشی علامہ عبدالمومن نے بھی اپنی کتاب نور الابصار کے ص ۱۵۲ میں اس کی طرف بحوالہ کتاب جامع الفنون اشارہ کیا ہے، غیاث اللغات کے ص ۷۲ میں ہے کہ یہ وہ دریا ہے جس کے جانب مشرق چین، جانب غربی میں، جانب شمالی ہند، جانب جنوبی دریائے محیط واقع ہے۔ اس بحر بیض و خضر کا طول ۱ ہزار فرسخ اور عرض پانچ سو فرسخ ہے۔ اس میں بہت سے جزیرے آباد ہیں جن میں ایک سرانذیب بھی ہے اس کتاب کے ص ۱۹۵ میں ہے کہ ”صاحب الزمان“ حضرت امام ہمدی علیہ السلام کا لقب ہے۔ علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ آپ جس مکان میں رہتے ہیں اُسے ”بیت الحمد“ کہتے ہیں۔ (اعلام الوری ص ۲۶۳)

جزیرہ خضر آئیں امام علیہ السلام سے ملاقات

پہنچے ہیں۔ اُن میں سے شیخ صالح، شیخ زین العابدین علی بن فاضل مازندرانی کا نام نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ آپ کی ملاقات کی تصدیق، فضل بن یحییٰ بن علی طبعی کوئی و شیخ عالم عامل شیخ شمس الدین بیچ علی و شیخ جلال الدین، عبد اللہ ابن عوام علی نے فرمائی ہے۔ علامہ مجلسی نے آپ کے سفر کی ساری روایت ایک رسالہ کی صورت میں ضبط کیا ہے۔ جس کا مفصل ذکر بحار الانوار میں موجود ہے رسالہ جزیرہ خضر کے ص ۱ میں ہے کہ شیخ اجل سعید شہید بن محمد کی اور میر شمس الدین محمد اسد اللہ شوشتری نے بھی تصدیق کی ہے۔

مولف کتاب ہذا کہتا ہے کہ حضرت کی ولادت حضرت کی غیبت، حضرت کا ظہور وغیرہ جس طرح رمز خداوندی اور راز الہی ہے اسی طرح آپ کی جائے قیام بھی ایک راز ہے جس کی اطلاع عام ضروری نہیں ہے، واضح ہو کہ کولمبس کے ادراک سے قبل بھی امریکہ کا وجود تھا۔

امام غائب کا ہر جگہ حاضر ہونا

احادیث سے ثابت ہے کہ امام علیہ السلام جو کہ منظر العجائب حضرت علی کے پوتے میں ہر مقام پر پہنچتے اور ہر جگہ اپنے ماننے والوں کے کام آتے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ بوقت ضرورت خود ہی لوگوں سے ملتے ہیں لوگ انھیں دیکھتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ انھیں پہچان نہ سکیں۔ (غایت المقصود)۔

امام مہدی اور حج کعبہ

یہ مسلمات سے ہے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہر سال حج کعبہ کے لیے مکہ معظمہ اسی طرح تشریف لے جاتے ہیں جسی طرح حضرت خضر و ایسا جاتے ہیں۔ (سراج القلوب ص ۷۷) علی احمد کوفی کا بیان ہے کہ میں طواف کعبہ میں مصروف و مشغول تھا کہ میری نظر ایک نہایت خوبصورت نوجوان پر پڑی، میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ اور کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا "انا المہدی وانا القاسم" میں مہدی آخر الزماں اور قائم آل محمد ہوں۔ غام ہندی کا بیان ہے کہ میں امام مہدی کی تلاش میں ایک مرتبہ بغداد گیا، ایک پل سے گزرتے ہوئے مجھے ایک صاحب ملے اور وہ مجھے ایک باغ میں لے گئے اور انھوں نے مجھ سے ہندی زبان میں کلام کیا اور فرمایا کہ تم ۱۸ سال حج کے لیے نہ جاؤ، ورنہ نقصان پہنچ جائے گا۔ محمد بن شاذان کا کہنا ہے کہ میں ایک دفعہ مدینہ میں داخل ہوا تو حضرت امام مہدی علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، انھوں نے میرا پورا نام لے کر مجھے پکارا، چونکہ میرے پورے نام سے کوئی واقف نہ تھا اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ میں نے پوچھا آپ کون ہیں؟ فرمایا میں امام زمانہ ہوں۔ علامہ شیخ سلیمان قندوزی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن صالح نے کہا کہ میں نے غیبت کبریٰ کے بعد امام مہدی علیہ السلام کو حجر اسود کے نزدیک اس حال میں کھڑے ہوئے دیکھا کہ انھیں لوگ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ (نیایح المودۃ)۔

حضرت شیخ عبداللطیف صاحب مدنی کا کہنا ہے کہ میرے والد شیخ ابراہیم

زمانہ غیبت کبریٰ میں امام مہدی کی بیعت

کا شمار حلب کے مشائخ عظام میں تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میرے مصری استاد نے بیان کیا کہ میں نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ (نیایح المودۃ باب ۸۵ ص ۳۹۲)۔

امام مہدی کی موتین سے ملاقات

رسالہ جزیرہ مفسر کے ص ۱۶ میں بحوالہ احادیث سے ہر مومن کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ موتین انھیں مصلحت خداوندی کی بنا پر اس طرح نہ پہچان سکیں جس طرح پہچانا چاہیے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے اس مقام پر میں اپنا ایک خواب لکھ دوں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کل جبکہ میں امام زمانہ کے حالات لکھ رہا ہوں۔ حدیث مذکورہ پر نظر ڈالنے کے بعد فوراً ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ مولا سب کو دکھائی دیتے ہیں، لیکن مجھے آج تک نظر نہیں آئے، اس کے بعد میں بستر استراحت پر گیا اور سونے کے ارادے سے لیٹا، ابھی نیم نہ آئی تھی تو قطع طور پر نیم بیداری کی حالت تھی کہ ناگاہ میں نے دیکھا کہ میرے مکان سے جانب مشرق تا بعد نظر ایک قوسی خط پڑا ہوا ہے یعنی شمال کی جانب کا سارا حصہ عالم پہاڑ ہے اور

اُس پر امامِ ہمدی علیہ السلام برہنہ تلوار لیے کھڑے ہیں اور یہ کہتے ہوئے کہ "نصفِ دنیا آج ہی فتح کروں گا" شمال کی جانب ایک پاؤں بڑھا رہے ہیں۔ آپ کا قد عام انسانوں کے تمد سے ڈیڑھ ٹھا اور جسم دوہرا ہے، بڑی بڑی سرنگیں آنکھیں اور چہرہ انتہائی روشن ہے آپ کے پٹے کٹے ہوئے ہیں اور سارا لباس سفید ہے اور وقت عصر کا ہے۔

یہ واقعہ ۲۰ نومبر ۱۹۵۸ء شب یکشنبہ بوقت ۲ ۱/۲ بجے شب کا ہے۔

علا محمد باقر داماد کا امامِ عصر سے استفادہ کرنا

ہمارے اکثر علماء علمی مسائل اور مذہبی و معاشرتی مراحل حضرت امام زمانہ ہی سے طے کرتے آئے ہیں۔ علا محمد باقر داماد جو ہمارے عظیم القدر مجتہد تھے۔ ان کے متعلق ہے کہ ایک شب آپ نے صریح نجف اشرف میں ایک مسئلہ لکھ کر والا اُس کے جواب میں ان سے تحریر کیا گیا کتھا را امام زمانہ اس وقت مسجد کوفہ میں نماز گزار ہے تم وہاں جاؤ، وہ وہاں جا پہنچے، خود بخود دروازہ مسجد کھل گیا۔ اور آپ اندر داخل ہو گئے۔ آپ نے مسئلہ کا جواب حاصل کیا اور آپ مطمئن ہو کر برآمد ہوئے۔

جناب بحر العلوم کا امام زمانہ سے ملاقات کرنا

کتاب قصص العلماء مؤلفہ علامہ تنکا بنی ص ۵۵ میں مجتہد اعظم کربلائے معلیٰ جناب آقا سید محمد ہمدی بحر العلوم کے تذکرہ میں مرقوم ہے کہ ایک شب آپ نماز میں اندرونِ حرم مشغول تھے کہ اتنے میں امام عصر اپنے اب و جد کی زیارت کے لیے تشریف لائے جس کی وجہ سے ان کی زبان میں کلمت ہوئی اور بدن میں ایک قسم کا عرشہ پیدا ہو گیا۔ پھر جب وہ واپس تشریف لے گئے تو ان پر جو ایک خاص قسم کی کیفیت طاری تھی وہ جاتی رہی۔ اس کے علاوہ آپ کے اسی قسم کے کئی واقعات کتاب مذکور میں مندرج ہیں۔

امامِ ہمدی علیہ السلام کا حمایتِ مذہب فرمانا

واقعه اتار

والد زید یہ خیال رکھتے تھے۔ ایک دن ان کے والد عطاوہ نے کہا کہ میں سخت علیل ہو گیا ہوں اور اب بچنے کی کوئی امید نہیں۔ ہر قسم کے اطباء کا علاج کر چکا ہوں، اسے نورِ نظر! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر مجھے تمہارے امام نے شفا دے دی، تو میں مذہبِ امامیہ اختیار کر لوں گا۔ یہ کہنے کے بعد جب یہ رات کو بستر پر گئے تو امام زمانہ کا ان پر ظہور ہوا، امام نے تمام مرض کو اپنے ہاتھ سے مٹس کر دیا اور وہ مرض جاتا رہا عطاوہ نے اسی وقت مذہبِ امامیہ اختیار کر لیا اور رات ہی میں جا کر اپنے فرزند

باقی علوی کو خوشخبری دے دی۔

اسی طرح کتاب جو اہل البیان میں ہے کہ بحرمان کا والی نصرانی اور اس کا وزیر خارجی تھا، وزیر نے بادشاہ کے سامنے چند تازہ انار پیش کئے جن پر خلفا کے نام علی الترتیب کندہ تھے۔ اور بادشاہ کو یقین دلایا کہ ہمارا مذہب حق ہے اور ترتیب خلافت منشا قدرت کے مطابق درست ہے بادشاہ کے دل میں یہ بات کچھ اس طرح بیٹھ گئی کہ وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ وزیر کا مذہب حق ہے اور امامیہ راہ باطل پر گامزن ہیں، چنانچہ اُس نے اپنے خیال کی تکمیل کے لیے جملہ علماء امامیہ کو جو اُس کے عہد حکومت میں تھے بلا بھیجا اور انہیں انار دکھا کر اُن سے کہا کہ اس کی زد میں کوئی حقول دلیل لاؤ، ورنہ ہم تمہیں قتل کر کے تمام مذہب کو خراج و بٹن سے اکھاڑ دیں گے، اس واقعہ نے علماء کرام میں ایک عجیب قسم کا ہيجان پیدا کر دیا، بالآخر سب علماء آپس میں مشورہ کے بعد ایسے دس علماء پر متفق ہو گئے جو ان میں نسبتاً مقدر تھے اور پروگرام یہ بنایا کہ جنگل میں ایک ایک عالم بوقت شب جا کر امام زمانہ سے استعانت کرے، چونکہ ایک شب کی مدت و مدت ملی تھی اس لیے پریشانی زیادہ تھی غرض کہ علماء نے جنگل میں جا کر امام زمانہ سے فریاد کا سلسلہ شروع کیا۔ دو عالم اپنی اپنی مدت، فریاد و فغان ختم ہونے پر جب واپس آئے اور تیسرے عالم حضرت محمد بن علی کی باری آئی تو آپ نے بدستور صحرا میں جا کر مصیلت بچھا دیا، اور نماز کے بعد امام زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام ہو کر واپس آتے ہوئے انہیں ایک شخص راستے میں ملا۔ اُس نے پوچھا۔ کیا بات ہے کیوں پریشان ہو، آپ نے عرض کی امام زمانہ کی تلاش ہے اور وہ تشریف لائیں رہے۔ اُس شخص نے کہا: "انا صاحب العصر فاذکر حاجتک" میں ہی تمہارا امام زمانہ ہوں، کو کیا کہتے ہو؟ محمد بن علی نے کہا کہ اگر آپ صاحب العصر ہیں تو آپ سے حاجت بیان کرنے کی ضرورت کیا، آپ کو خود ہی علم ہوگا۔

اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ سنو! وزیر کے فلاں مکہ میں ایک لکڑی کا صندوق ہے اس میں مٹی کے چند سانچے رکھے ہوئے ہیں۔ جب انار چھوٹا ہوتا ہے وزیر اس پر سانچہ چڑھا دیتا ہے۔ اور جب وہ بڑھتا ہے تو اس پر وہ نام کندہ ہو جاتے ہیں جو سانچہ میں کندہ ہیں۔ محمد بن علی! تم بادشاہ کو اپنے ہمراہ لے جا کر وزیر کے دہل و فریب کو واضح کر دو، وہ اپنے ارادہ سے باز آجائے گا اور وزیر کو ہزا دے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وزیر برخاست کر دیا گیا۔ (کتاب بیایع الاخبار ملا اسماعیل سنواری ص ۱۵۰ و سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۳۶ طبع نجف اشرف)۔

امام عصر کا واقعہ کہ بلا بیان کرنا

حضرت امام مہدی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ "کھیت حص" کا کیا مطلب ہے تو فرمایا کہ اس میں کئی

سے کہ بلا (کا) سے ہلاکت عسرت (سی) سے زید طعونی (ع) سے عطش حسینی (ہی) سے صبر آل محمد مراد ہے۔ آپ نے فرمایا کہ آیت میں جناب ذکر یا کا ذکر کیا گیا ہے۔ جب ذکر یا کو واقعہ کر بلا کی اطلاع ہوئی تو وہ تین روز تک مسلسل روتے رہے۔ (تفسیر صافی ص ۱۶۹)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے طول عمر کی بحث

بعض مشتشرقین و ماہرین اعمار کا کنا ہے کہ "جن کے اعمال و کردار اچھے ہوتے ہیں اور جن کا صفائے باطن کامل ہوتا ہے اُن کی عمریں طویل ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء فقہاء اور صلحاء کی عمریں اکثر طویل دیکھی گئی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ طول عمر مہدی علیہ السلام کی یہ بھی ایک وجہ ہو، ان سے قبل جو آئمہ علیہم السلام گزرے وہ شہید کر دیے گئے، اور ان پر دشمنوں کا دسترس نہ ہوا، تو یہ زندہ رہ گئے اور اب تک باقی ہیں۔ لیکن میرے نزدیک عمر کا تقرر و تعیین دست ایزد میں ہے اُسے اختیار ہے کہ کسی کی عمر رکھے کسی کی زیادہ اُس کی معین کر وہ مدت عمر میں ایک پل کا بھی تفرقہ نہیں ہو سکتا تواریخ و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے بعض لوگوں کو کافی طویل عمریں عطا کی ہیں۔ عمر کی طوالت مصلحت خداوندی پر مبنی ہے۔ اس سے اُس نے اپنے دوست اور دشمن دونوں کو نوازا ہے۔ دوستوں میں حضرت عیسیٰ، حضرت ادریس، حضرت خضر، حضرت ایاس اور دشمنوں میں سے ابلیس، یعین، و جال بطل، یا جوج ماجوج وغیرہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ چوتھو کی قیامت اصول دین اسلام سے ہے اور اس کی آمد میں امام مہدی کا ظہور خاص حیثیت رکھتا ہے۔ لہذا اُن کا زندہ و باقی رکھنا مقصود رہا ہو، اور اُن کے طول عمر کے اعتراض کو رد اور رفع و رفع کرنے کے لیے اُس نے بہت سے افراد کی عمریں طویل کر دی ہوں۔ مذکورہ افراد کو جانے دیجئے۔ عام انسانوں کی عمروں کو دیکھتے بہت سے ایسے لوگ ملیں گے جن کی عمریں کافی طویل رہی ہیں، مثال کے لیے ملاحظہ ہو:-

- (۱) لقمان کی عمر ۳۵۰۰ سال (۲) عروج بن عتیق کی عمر ۳۳۰۰ سال اور بقولے ۳۶۰۰ سال۔
- (۳) ذوالقرنین کی عمر ۳۰۰۰ سال (۴) حضرت نوح و (۵) ضحاک و (۶) طہورت کی عمریں ۱۰۰۰ سال
- سال (۷) قینان کی عمر ۹۰۰ سال (۸) ہملاتیل کی عمر ۸۰۰ سال (۹) نفیل بن عبداللہ کی عمر ۷۰۰ سال
- سال (۱۰) ربیع بن عمر فسطح کاہن کی عمر ۶۰۰ سال (۱۱) حاکم عرب عامر بن ضرب کی عمر ۵۰۰ سال
- (۱۲) سام بن نوح کی عمر ۵۰۰ سال (۱۳) حرث بن مضاض جبرہ کی عمر ۴۰۰ سال (۱۴) ارفخشذ کی
- عمر ۳۰۰ سال (۱۵) زید بن زید کی عمر ۴۵۶ سال (۱۶) سلمان فارسی کی عمر ۴۰۰ سال (۱۷) عمر بن وکی
- کی عمر ۴۰۰ سال (۱۸) زبیر بن جناب بن عبداللہ کی عمر ۴۳۰ سال (۱۹) حرث بن ضیاع کی عمر ۳۰۰
- سال (۲۰) کعب بن محمد کی عمر ۳۹۰ سال (۲۱) نصر بن دھمان بن سلیمان کی عمر ۳۹۰ سال (۲۲) قیس

بن ساعدہ کی عمر ۲۸۰ سال (۲۳) عمر بن ربیعہ کی عمر ۳۳۳ سال (۲۴) اکثم بن ضعیف کی عمر ۳۳۶ سال -
 (۲۵) عمر بن طفیل عدوانی کی عمر ۲۰۰ سال تھی (غایتہ المقصود ص ۱۰۳ اعلام اوردی ص ۲۷)۔ ان لوگوں کی
 طویل عمروں کو دیکھنے کے بعد یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ ”چونکہ اتنی عمر کا انسان نہیں ہوتا، اس لیے
 امام ہمدی کا وجود ہم تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ امام ہمدی علیہ السلام کی عمر اس وقت ۳۹۲ھ میں صرف
 گیارہ سو اڑتیس سال کی ہوتی ہے۔ جو مذکورہ عمروں میں سے لقمان حکیم اور ذوالقرنین جیسے مقدس
 لوگوں کی عمروں سے بہت کم ہے۔

الغرض قرآن مجید، اقوال علماء اسلام اور احادیث سے یہ ثابت ہے کہ امام ہمدی پیدا ہو کر
 غائب ہو گئے ہیں اور قیامت کے قریب ظہور کریں گے، اور آپ اسی طرح زمانہ غیبت میں بھی حجت
 خدا ہیں جس طرح بعض انبیاء اپنے عہد نبوت میں غائب ہونے کے دوران میں بھی حجت تھے (حجائب
 القمص ص ۱۹۱) اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپ زندہ اور باقی موجود ہیں، کیونکہ جس کے پیدا ہونے
 پر علماء کا اتفاق ہو اور وفات کا کوئی ایک بھی غیر متعصب عالم قائل نہ ہو اور طویل العمر انسانوں کے
 ہونے کی مثالیں بھی موجود ہوں تو لامحالہ اُس کا موجود اور باقی ہونا ماننا پڑے گا۔ دلیل منطقی سے
 بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ لہذا امام ہمدی زندہ اور باقی ہیں۔

ان تمام شواہد اور دلائل کی موجودگی میں جن کا ہم نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے، مولوی محمد امین
 مصری کا رسالہ ”طلوع اسلام“ کراچی جلد ۱۲ ص ۲۵۳ میں یہ کہنا کہ
 ”شیعوں کو ابتداءً روئے زمین پر کوئی ظاہری مملکت قائم کرنے میں کامیابی نہ ہو سکی،
 ان کو تکلیفیں دی گئیں اور پراگندہ اور منتشر کر دیا گیا تو انھوں نے ہمارے خیال کے
 مطابق امام منتظر اور ہمدی وغیرہ کے پُر امید عقائد ایجاد کر لیے تاکہ عوام کی دھماں
 بندھی رہے“

اور مولا اخوند درویشہ کا کتاب ارشاد الطالبین ص ۳۹۶ میں یہ فرمانا کہ :-

”ہندوستان میں ایک شخص عبداللہ نامی پیدا ہوگا جس کی بیوی ایمنہ (آمنہ) ہوگی،
 اُس کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام محمد ہوگا۔ وہی کو فرج جا کر حکومت کرے گا...
 لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام ہمدی وہی ہیں جو امام حسن عسکری کے فرزند ہیں۔ الخ

حد درجہ مضحکہ خیز، افسوسناک اور حیرت انگیز ہے، کیونکہ علماء فریقین کا اتفاق ہے کہ ”المہدی من
 ولد الامام الحسن العسکری“ امام ہمدی حضرت امام حسن عسکری کے بیٹے ہیں اورہ اشعبا
 ۲۵۵ھ میں پیدا ہو چکے ہیں، ملاحظہ ہو، اسعاف الراغبین، وفيات الاعیان، روضۃ الاحباب
 تاریخ ابن الورودی، منابع المودۃ، تاریخ کامل، تاریخ طبری، نور الابصار، اصول کافی، کشف الغمہ

جلال العیون، ارشاد مفید، اعلام الوری، جامع عباسی، صواعق محرقة، مطالب السؤل، شواہد النبوت
ارجح المطالب، بحار الانوار، مناقب وغیرہ۔

نعل ایک یہودی تھا، جس سے حضرت عائشہ، حضرت عثمان کو تشبیہ دیا کرتی تھیں، اور رسول اسلام علیہ السلام

حدیث نعل اور امام عصر

کے بعد فرمایا کرتی تھیں :- اس نعل اسلامی عثمان کو قتل کر دو۔ (ملاحظہ ہو، نہایت اللغۃ علامہ ابن اثیر جزری ص ۲۲۱) یہی نعل ایک دن حضور رسول کریم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرواڑ ہوا مجھے اپنے خدا، اپنے دین، اپنے خلفاء کا تعارف کرائیے، اگر میں آپ کے جواب سے مطمئن ہو گیا، تو مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضرت نے نہایت طبع اور بہترین انداز میں خلاق عالم کا تعارف کرایا، اس کے بعد دین اسلام کی وضاحت کی "قال صدقت" نعل نے کہا آپ نے بالکل درست فرمایا پھر اس نے عرض کی مجھے اپنے وطن سے آگاہ کیجئے اور بتائیے کہ وہ کون ہے یعنی جس طرح ہمارے نبی حضرت موسیٰ کے وحی یوشع بن نون ہیں اُس طرح آپ کے وحی کون ہیں؟ آپ نے فرمایا میرے وحی علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن و حسین پھر حسین کے صلب سے نبیئے قیامت تک ہوں گے۔ اُس نے کہا سب کے نام بتائیے آپ نے بارہ ناموں کے نام بتائے، ناموں کو سننے کے بعد وہ مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے کتب آسمانی میں ان بارہ ناموں کو اسی زبان کے الفاظ میں دیکھا ہے۔ پھر اُس نے ہر وحی کے حالات بیان کئے، کربلا کا ہونے والا واقعہ بتایا۔ امام مہدی کی غیبت کی خبر دی اور کہا کہ ہمارے بارہ اسباط میں سے لادئی بن بریغی غائب ہو گئے تھے۔ پھر مدتوں کے بعد ظاہر ہوتے اور از سر نو دین کی بنیادیں استوار کیں۔ حضرت نے فرمایا اسی طرح ہمارا بارہواں جانشین امام مہدی محمد بن حسن طویل مدت تک غائب رہ کر ظہور کرے گا۔ اور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ (غائتہ المقصودہ ص ۱۲۳ بحوالہ ائمہ المسلمین جمہوری)۔

علامات ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق ارباب عصمت کے ارشادات

امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے بیشتر علامات ظاہر ہوں گے، پھر آخر میں آپ کا ظہور ہوگا۔ مغرب و مشرق پر آپ کی حکومت ہوں۔ زمین خود بخود تمام دفائن اگل دے گی، دنیا کی کوئی ایسی زمین نہ باقی رہے گی جس کو آپ آباد نہ کریں۔ علامات ظہور میں چند یہ ہیں۔

- (۱) عورتیں مردوں کے مشابہہ ہوں گی۔ (۲) مرد عورتوں جیسے ہوں گے (۳) عورتیں زمین جیسی چیزیں گھوڑے سائیکلوں پر سواری کرنے لگیں گی۔ (۴) نماز جان بوجھ کر قضا کی جانے لگے گی۔
- (۵) لوگ خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے (۶) قتل کرنا معمولی چیز سمجھا جائے گا (۷) شہود

کا زور ہوگا (۸) زنا عام ہوگا (۹) اچھی اچھی عورتیں بست نہیں گی (۱۰) جھوٹ بولنا حلال سمجھا جائے گا۔
 (۱۱) رشوت عام ہوگی (۱۲) شہوت نفسانی کی پیروی کی جائے گی (۱۳) دین کو دنیا کے بدلے بیچا جائے گا
 (۱۴) عزیزداری کی پرواہ نہ ہوگی (۱۵) احمقوں کو عامل بنایا جائے گا (۱۶) برواری کو کمزوری و بزدلی
 پر مشمول کیا جائے گا (۱۷) ظلم فخر کے طور پر کیا جائے گا (۱۸) بادشاہ و امرا فاسق و فاجر ہوں گے۔
 (۱۹) وزیر جھوٹے ہوں گے (۲۰) امانت دار خائن ہوں گے (۲۱) ہر ایک کے مددگار ظلم پرور ہوں گے
 (۲۲) قاریان قرآن فاسق ہوں گے (۲۳) ظلم و جور عام ہوگا (۲۴) طلاق بہت زیادہ ہوگی۔
 (۲۵) فسق و فجور نمایاں ہوں گے (۲۶) فریبی کی گواہی قبول کی جائے گی (۲۷) شراب نوشی عام
 ہوگی (۲۸) اغلام بازی کا زہر ہوگا (۲۹) سخی یعنی عورتیں عورتوں کے ذریعہ شہوت کی آگ بجھائیں
 گی (۳۰) مال خدا و رسول کو مال غنیمت سمجھا جائے گا (۳۱) صدقہ و خیرات سے ناجائز فائدہ
 اٹھایا جائے گا (۳۲) شہریوں کی زبان کے خوف سے نیک بندے خاموش نہیں گے (۳۳)
 شام سے سفیانی کا خروج ہوگا (۳۴) یمن سے یبانی برآمد ہوگا (۳۵) مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام
 مکہ زمین دھنس جائے گی۔ (۳۶) مکن اور مقام کے درمیان آل محمد کی ایک معزز ذرہ نقل ہوگی
 (نور الابصار ص ۱۵۵ طبع مصر) (۳۷) بنی عباس میں شدید اختلاف ہوگا۔ (۳۸) اشعنان کو
 سورج گرہن اور اسی ماہ کے آخر میں چاند گرہن ہوگا۔ (۳۹) زوال کے وقت آفتاب تا وقت عصر
 قائم رہے گا۔ (۴۰) مغرب سے آفتاب نکلے گا (۴۱) نفس ذکیہ اور ستر صالحین کا قتل (۴۲) مسجد
 کوفہ کی دیوار خراب و برباد کر دی جائے گی (۴۳) خراسان کی جانب سے سیاہ جھنڈے برآمد ہوں
 گے (۴۴) مصر میں ایک مغربی کا ظہور ہوگا (۴۵) ترک جزیرہ میں ہوں گے (۴۶) روم رطلہ میں
 پہنچ جائیں گے (۴۷) مشرق میں ایک ستارہ نکلے گا جس کی روشنی مغرب تک پھیلے گی (۴۸) ایک
 شرعی ظاہر ہوگی جو آسمان اور سورج پر غالب آجائے گی (۴۹) مشرق سے ایک زبردست آگ
 بھڑکے گی جو ۳ یا ۷ روز باقی رہے گی اور بروایت شبلنجی ص ۲۵ وہ آگ مغرب تک پھیل کر عالم کو
 تہس نہس کر دے گی (۵۰) عرب مختلف بلاد پر قابو پالیں گے اور عجم کے بادشاہ کو مغلوب کر دیں
 (۵۱) مصری اپنے بادشاہ و حاکم کو قتل کر دیں گے۔ (۵۲) شام تباہ و برباد ہو جائے گا (۵۳) قیس
 عرب کے جھنڈے مصر پر لہرائیں گے (۵۴) خراسان پر ہینی کندہ کا پرچم لہرائے گا (۵۵) فرات کا پانی
 اس درجہ چڑھ جائے گا کہ کوفہ کی گلی کوچوں میں پانی ہوگا (۵۶) ۶۰ عدد مدعیان نبوت ظاہر ہوں گے
 (۵۷) ۱۳ نفر اولاد ابوطالب سے دعویٰ امامت کریں گے (۵۸) بنی عباس کا ایک عظیم شخص بمقام
 حولا و خانیقین نذر آتش کیا جائے گا (۵۹) بغداد میں کرنج جیسا پل بنایا جائے گا (۶۰) سیاہ آندھی
 کا آنا (۶۱) زلزوں کا آنا (۶۲) اکثر مقام پر زمین کا دھنس جانا (۶۳) موت فجاءۃ یعنی ناگہانی موت

کا زیادہ ہونا (۶۴) جان و مال اور ثمرات کی تباہی (۶۵) چینیوں اور یورپیوں کی کثرت جو کھیتی کو
 کھا جائیں (۶۶) غلہ کا کم آگنا (۶۷) باہمی کشت و خون کی کثرت (۶۸) اپنے بیدوں سے لوگوں
 کا نافرمان ہونا (۶۹) اپنے سرداروں کو قتل کرنا (۷۰) بعض گروہ کا سورا اور بندر کی صورت میں
 مسخ ہونا (۷۱) آسمان سے ایک آواز کا آنا جسے تمام اہل زمین سنیں گے (۷۲) آسمانی آواز کا ہر
 زبان والے کے کان میں اسی کی زبان میں پہنچنا (۷۳) بعض صورتوں کا مقام عین الشمس میں ظاہر
 ہونا (۷۴) ۲۴ بارشوں کا پلے درپلے ہونا (۷۵) زمین کا زندہ ہو کر اپنے تمام معلومات ظاہر کرنا
 (کشف الغمہ ص ۳۳) (۷۶) اچھائی اور بُرائی ایک نظر سے دیکھی جائے گی (۷۷) بُرائی کا حکم اپنی
 اولاد کو دیا جائے گا اور اچھائی سے روکا جائے گا (۷۸) لالچ کی وجہ سے باطن خراب ہو جائیں
 گے (۷۹) خوفِ خدا دل سے نکل جائے گا (۸۰) قرآن کا صرف نشان رہ جائے گا (۸۱) مسجدیں
 آباد و گہرا بیت سے خالی ہوں گی (۸۲) فقہا فتنہ پرور ہوں گے (۸۳) عورتوں سے مشورہ لیا جائے گا
 (۸۴) گناہ ٹھہر کھلایا جائے گا (۸۵) بد عہدی عام ہوگی (۸۶) عورتوں کو تجارت میں شریک
 کیا جائے گا (۸۷) ذلیل ترین شخص قوم کا سردار ہوگا (۸۸) گانے والیوں کا زور ہوگا (۸۹) اُس
 زمانے کے لوگ اگلوں پر بلا و جبر لعنت کریں گے (۹۰) جھوٹی لوگوں ہی دی جائے گی (۹۱) حق ختم ہو
 جائے گا۔ باطل فروغ پائے گا (۹۲) قرآن ایک کہنہ کتاب سمجھی جائے گی۔ (۹۳) دین اذہا
 کر دیا جائے گا۔ (۹۴) بدکاری اعلان کے ساتھ کی جائے گی (۹۵) فسق و فجور میں جس کی مرح کی
 جائے گی خوش ہوگا (۹۶) لڑکے عورتوں کی طرح اُجرت پر استعمال ہوں گے (۹۷) محصیت پر
 مال خرچ کرنے والے کو ٹوکنا نہ جائے گا (۹۸) ہمسایہ ہمسایہ کو اذیت دے گا (۹۹) نیکی کا حکم کرنے
 والا ذلیل رہے گا (۱۰۰) نیکی کے راستے چھوڑ دیے جائیں گے۔ (۱۰۱) بیت اللہ معطل کر دیا
 جائے گا (۱۰۲) عورتیں اہم بنیں قائم کریں گی (۱۰۳) لوگ عورتوں کی طرح کھنکھی کریں گے۔ مردوں
 کو شرمگاہوں کا معاوضہ ملے گا (۱۰۵) مومن سے زیادہ صاحب مال کی عزت ہوگی (۱۰۶) عورتیں
 اپنے شوہروں کو مردوں کے ساتھ بد فعلی مجبور کریں گی (۱۰۷) عورتوں کی دلالی کرنے والے معتز
 سمجھے جائیں گے (۱۰۸) مومن غمگین اور ذلیل ہوگا (۱۰۹) حرام کو حلال کیا جائے گا (۱۱۰) دین میں خود رانی
 کی جائے گی (۱۱۱) معاصی کے لیے پردہ شب کی ضرورت نہ ہوگی (۱۱۲) بڑے بڑے مال خدا کی محصیت
 میں صرف ہوں گے (۱۱۳) حکام دینداروں سے جوڑ بھالیں گے (۱۱۴) بیخ فیصلہ میں رشوت میں گے
 (۱۱۵) حرام عورتوں سے زنا کیا جائے گا جیسے مال بینیں (۱۱۶) مرد اپنی زوجہ کی حرام کمائی کھائے گا۔
 (۱۱۷) عورتیں اپنے مردوں پر حکومت کریں گی (۱۱۸) مرد اپنی زوجہ اور لونڈی کو کرایہ پر چلائے گا۔
 (۱۱۹) شریف کو ذلیل سمجھا جائے گا (۱۲۰) حکام میں اُس کی عزت ہوگی جو آل محمد کو بُرا کہے گا (۱۲۱)

قرآن پڑھنا اور سننا بارہوگا (۱۲۲) پھل خوردی عام ہوگی (۱۲۳) غیبت کو اچھا سمجھا جائے گا (۱۲۴) حج اور جہاد خدا کے لیے نہیں دیگر مقاصد کے لیے کیا جائے گا (۱۲۵) بادشاہ یعنی برسر اقتدار طبقہ مومن کو کافر کے لیے ذلیل کرے گا۔ (۱۲۶) ویران آبادی سے بدل جائے گا (۱۲۷) ناپ تول میں کمی لوگوں کا ذریعہ معاش ہوگا (۱۲۸) لوگ ریاست طلبی کے لیے اپنے کو بدزبانی میں مشہور کریں گے تاکہ خوف کے مارے حکومت ان کے سپرد کر دی جائے (۱۲۹) نماز باسکلی مسک کر دی جائے گی (۱۳۰) مال شیر کے باوجود زکوٰۃ نہ دی جائے گی۔ (۱۳۱) میت قبر سے نکالی جائے گی (۱۳۲) قبر سے کھنچ کر بیچا جائے گا (۱۳۳) انسان صبح و شام نشہ میں ہوگا (۱۳۴) چوپالیوں کے ساتھ بد فعلی کی جائے گی (۱۳۵) چوپائے چوپالیوں کو بچاڑ کھائیں گے (۱۳۶) لوگ جانناز پر برہمنہ جائیں گے (۱۳۷) لوگوں کے قلوب سخت ہو جائیں گے (۱۳۸) لوگوں کی آنکھیں بیچائی کریں گی (۱۳۹) ذکر خدا لوگوں پر بار ہوگا۔ (۱۴۰) مال حرام عام ہوگا (۱۴۱) نماز صرف ریا و سمعہ یعنی دکھانے کے لیے پڑھی جائے گی (۱۴۲) فقیہ دین کے ماسوا دوسرے کاموں کے لیے فقہ حاصل کرے گا (۱۴۳) لوگ غاصب کا ساتھ دیں گے (۱۴۴) حلال روزی کمانے والے کی مذمت کی جائے گی (۱۴۵) طالب حرام کی مدح کی جائے گی۔ (۱۴۶) حرمین شریفین میں ایسے عمل ہوں گے جو منشاے خداوندی کے خلاف ہوں گے (۱۴۷) آکلات غنا مکہ و مدینہ میں عام ہو جائیں گے (۱۴۸) حق کی ہدایت کو منع کیا جائے گا (۱۴۹) لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھیں گے اور اہل شران کی اقتدار کریں گے چاہے وہ کچھ کریں (۱۵۰) نیکی کے راستے غالی ہو جائیں گے۔ (۱۵۱) میت کا مضحکہ اڑایا جائے گا (۱۵۲) ہر سال بڑائیوں میں نمایاں اضافہ ہوگا (۱۵۳) مجالس میں صرف مالدار کی عزت کی جائے گی (۱۵۴) فقیروں کو مضحکہ کے طور پر مال دیا جائے گا۔ (۱۵۵) آسمانی مخلوق سے کوئی خوف نہ کھائے گا (۱۵۶) مرد اور عورتیں سب کے سامنے خواہشات نفسانی کی آگ بکھائیں گے (۱۵۷) اپنی عورت کے خوف سے کوئی شریف کسی کو روک لوگ نہ سکے گا (۱۵۸) مہیبت میں مال خوشی سے صرف کیا جائے گا، لیکن خدا کی راہ میں بالکل نہ دیا جائے گا۔ (۱۵۹) والدین کی طرف سے اولاد کو عاق کرنا عام ہو جائے گا (۱۶۰) والدین اپنی اولاد کی نگاہ میں سبک ہوں گے (۱۶۱) اولاد اپنے والدین پر اقتدار کرنے میں خوشی محسوس کرے گی (۱۶۲) عورتیں ملک و حکومت پر غالب ہو جائیں گی (۱۶۳) فرزند اپنے باپ پر بہتان باہر لگائیں گے (۱۶۴) لڑکا ماں باپ پر بدعا کرے گا۔ (۱۶۵) فرزند ماں باپ کے جلد مرنے کی تمنا کرے گا۔ (۱۶۶) انسان جس دن کوئی گناہ نہ کرے گا اس دن تکلیف رہے گا (۱۶۷) بادشاہ گرانی کے لیے قلعہ روکے گا۔ (۱۶۸) اعزاز کا مال فریب سے تقسیم کیا جائے گا (۱۶۹) جوار کھیل جائے گا (۱۷۰) شراب کے ذریعہ سے مریضوں کا علاج کیا جائے گا (۱۷۱) اچھائی اور بُرائی دونوں کی تلقین برابر حیثیت رکھے گی۔

(۱۴۲) منافق اور دشمن خدا کی ہوا بندھے کی اور اہل حق مقہور رہیں گے (۱۴۳) اہمیت لے کر اذیان کسی جائے گی اور عرض لے کر نماز پڑھائی جائے گی (۱۴۴) خدا سے نہ ڈرنے والے مسجدوں پر قابض ہوں گے۔ (۱۴۵) مسجدوں میں نااہل جمع ہو کر غیبتیں کریں گے (۱۴۶) بدست رکھی طور پر جماعت میں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے (۱۴۷) یتیموں کا مال کھانے والے کی مدح کی جائے گی (۱۴۸) ناقص حکم خدا کے خلاف فیصلہ کرے گا (۱۴۹) حکام لالچ کی وجہ سے غائبوں پر بھروسہ کریں گے (۱۵۰) میراث بدکاری میں صرف کی جائے گی (۱۵۱) منبروں پر تقویٰ کا ذکر کیا جائے گا لیکن واعظ خود عن نہیں کریں گے (۱۵۲) نماز کے اوقات کی پروا نہ کی جائے گی (۱۵۳) صدقہ و خیرات خوشنودی خدا کے لیے نہیں صرف سفارش پر دیا جائے گا (۱۵۴) انسان کا مقصود و حیات صرف پیٹ پالنا اور عیش کرنا ہوگا (۱۵۵) حق کی نشانیاں مٹ جائیں گی (۱۵۶) بھائی بھائی سے حسد کرے گا (۱۵۷) اپنے دوستوں کے ساتھ خیانت کی جائے گی (۱۵۸) دلوں میں زہر کی طرح بکتر دوڑ جائے گا (۱۵۹) زہد ختم ہو جائے گا (۱۶۰) لوگوں کی شکلیں انسانی اور دل شیطانی ہو جائیں گے (۱۶۱) ان کی عمریں کلیل اور ان کی تمنائیں کثیر ہوں گی (بحار الانوار جلد ۱۲ ص ۱۷۴ طبع ایران) (۱۶۲) کینزوں سے شورے کئے جائیں گے (۱۶۳) نیچے منبروں پر بیٹھیں گے (۱۶۴) ایسے حاکم ہوں گے کہ جب ان سے کوئی بات کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ (۱۶۵) حکام شرفا کے مال کو اپنا مال سمجھیں گے (۱۶۶) عورتوں کی آبروریزی کریں گے (۱۶۷) کچھ چیزیں مشرق سے اور کچھ مغرب سے لائی جائیں گی جن سے امت کا امتحان کیا جائے گا (۱۶۸) مسجدیں نقش و نگار سے مزین کی جائیں گی (۱۶۹) قرآن مجید سجائے جائیں گے (۲۰۰) مسجدوں کی میناریں بلند بنائی جائیں گی (۲۰۱) مرد سونا استعمال کریں گے (۲۰۲) ریشمی کپڑے پہنیں گے (۲۰۳) چیتے کی کھال کا فرش بنائیں گے (۲۰۴) سود خوری ظاہر نظر ہوگی (۲۰۵) حد شرعی جاری نہ کی جائے گی (۲۰۶) شریا فراد حکم ہوں گے (۲۰۷) مالدار تفریح کے لیے غریب دکھاوے کے لیے متوسط تجارت کے لیے حج کریں گے (۲۰۸) قرآن مجید ٹرے سے پڑھا جائے گا (۲۰۹) ولدا لڑنا کی کثرت ہوگی (۲۱۰) خوشامد بہت زیادہ رائج ہوگی (۲۱۱) لباس پر فخر و مباہات کیا جائے گا (۲۱۲) امرار شطرنج کھیلیں گے (۲۱۳) قاریان قرآن اور عباد ایک دوسرے پر لعنت کریں گے (۲۱۴) مالدار فقروں سے دور بھاگیں گے (۲۱۵) مملکت نظم و نسق میں وہ لوگ ذلیل ہوں گے۔ جن کو اس سے حس و مس نہ ہوگا۔ (۲۱۶) زمین اطراف سے دھنس جائے گی (تفسیر علی بن ابیہیم قسمی ص ۱۲۶) (۲۱۷) زندے انسانوں سے باتیں کرنے لگیں گے (۲۱۸) لوگوں سے ان کے کوڑے اور جوتے کلام کرنے لگیں گے (۲۱۹) انسان کی رائیں بولنے لگیں گی اور وہ اس کے گھر کے لوگوں نے جو کچھ کیا ہوگا گھر کے مالک سے بتانے

لگیں گی، (نیاریح المہودۃ ص ۳۱ بحوالہ ترمذی) (۲۲۰) سفیانی، خراسانی، یمانی کا خروج ایک ہی
 دن، ایک ہی مہینہ، ایک ہی سال میں ہوگا (۲۲۱) حکومت شام، خمس فلسطین، اردن فلسطین
 پر غالب آجائے گی (۲۲۲) طوفان کا زور ہوگا (۲۲۳) وادی یابس سے، "ابن اکثرہ الکباد"
 خروج کرے گا (۲۲۴) مومنین کا امتحان خوف، جوع، نقص اموال، نقص النفس، نقص ثمرات
 سے ہوگا (۲۲۵) شام کا "قریب" جابیہ" زمین میں دھنس جائے گا (۲۲۶) قتل نفس زکیہ کے
 ۱۰ دن بعد امام ہمدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا (اعلام الوریٰ طبری ص ۲۶۲ طبع مبدی ۱۳۱۲ھ)
 (۲۲۷) دنیا میں جھگڑے بکھیرے بے انتہا ہوں گے (۲۲۸) نئے نئے فتنے پیدا ہوں گے (۲۲۹)
 آمدورفت کے راستے بند ہو جائیں گے (۲۳۰) لوگ ایک دوسرے کو لوٹتے لگیں گے (ارجح المظاہر
 ص ۴۲) (۲۳۱) مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی ہوگی (۲۳۲) حجاز سے آگ نکلے گی (۲۳۳)
 مسجدوں سے (لاؤڈ سپیکر وغیرہ کے ذریعہ سے) آوازیں بلند ہوں گی (۲۳۴) ریشمی لباس مرد
 پہننے لگیں گے (۲۳۵) مشرق مغرب اور جزیرہ عرب میں زمینیں دھنس جائیں گی (۲۳۶) یمن
 اور عدنان سے آگ بھڑکے گی، (مشکوٰۃ ص ۶۱) - (۲۳۷) اچھے لوگ ختم ہو جائیں گے اور بربروں
 کی کثرت ہوگی (۲۳۸) مقدرات الہی کی مخالفت عام ہوگی (۲۳۹) مال کے لانے لے جانے
 والے چوری کریں گے (۲۴۰) حرام خوری عام ہوگی (۲۴۱) گرانی حد سے بڑھ جائے گی (۲۴۲) دریا
 خشک ہو جائیں گے (۲۴۳) بارش بند ہو جائے گی (۲۴۴) اہل بربر زرد چھنڈا لے کر مصر پہنچ جائیں
 گے (۲۴۵) صحیح اولاد سے ایک شخص خروج کرے گا (۲۴۶) برسر عام عورتوں کی چھاتیوں سے کھیلا
 جائے گا (۲۴۷) سفید پنڈلیوں کی عورتیں برہنہ منگولوں پر ملیں گی (۲۴۸) ایک منی بادشاہ "حسن" نامی
 یمن سے خروج کرے گا (۲۴۹) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، قرص آفتاب کے قریب
 آسمان پر ایک ہاتھ ظاہر ہوگا (۲۵۰) حج کا راستہ بند کر دیا جائے گا (۲۵۱) مردوں سے بدغلی کے لیے
 مقوی غذائیں کھائی جائیں گی (۲۵۲) دولت کے زور سے حکومت حاصل کی جائے گی (۲۵۳) جھوٹی
 قسم کھانا پیش میں داخل ہوگا (۲۵۴) ذبیحہ اندوزی ہوگی (۲۵۵) مسجد برائنا جو جنگ نہ والی کے
 بعد حضرت علیؑ نے راہب کے ذریعہ سے بنائی تھی تباہ کر دی جائے گی (۲۵۶) قزوین میں ایک کافر
 کی عظیم حکومت ہوگی (۲۵۷) مکریت سے ایک شخص "عوف سلمی" نامی خروج کرے گا (۲۵۸) مقام
 قرقیاب میں جنگ عظیم ہوگی (۲۵۹) ترک میدان جنگ میں اتر آئیں گے (۲۶۰) اہل ناقوس "نصارائی"
 کی حکومت عالم پر چھایا جائے گی (۲۶۱) اسلامی ممالک میں بے شمار کلیتے بنائے جائیں گے۔ (کتاب
 الوسائل الحاج محمد علی ص ۲۰۷ طبع مبدی ۱۳۲۹ھ) عورتیں اونٹ کے کوہان کی طرح سر کے بال
 بنائیں گی (۲۶۳) عورتیں ایسے کپڑے پہنیں گی کہ برہنہ معلوم ہوں گی (۲۶۴) عورتیں زینت کر کے باہر

بکلا کریں گی (بحار الانوار)۔ (۲۶۵) لڑکے لیے بال رکھیں گے (۲۶۶) بیوقوف تفریح کے لیے استعمال
کے جائیں گے (۲۶۷) مسجدیں خوبصورت بنائی جائیں گی (۲۶۸) بڑی بڑی عمارتیں بنائی جائیں گی
(۲۶۹) قومہ کی مختلف قسمیں استعمال ہوں گی (۲۷۰) لوگ سواریوں سے ٹکرا کر مرے گا (۲۷۱) لوگ
رات میں سوئیں گے اور صبح کو فرود ہوں گے (۲۷۲) رویت حلال پر اختلاف ہوں گے (۲۷۳)
لوگ آلات فنا جیب میں رکھ کر گھومنا کریں گے (۲۷۴) ہندو مت کی وجہ سے تباہ ہوگا۔ اور بت
کی تباہی چین کی وجہ سے ہوگی (مناقب)۔ (۲۷۵) مصر میں امیر الامرا کا قیام ہوگا (۲۷۶) عربوں
کی حکومت چھین جائے گی۔ (کشف الغمہ) (۲۷۷) عدن کی گمرانی سے آگ نکلے گی۔ (رسالہ غیبیہ
طوسی ص ۲۸۱)۔ (۲۷۸) دنیا میں جشیوں کی حکومتیں قائم ہو جائیں گی (۲۷۹) شام میں حبشی گھس
جائیں گے تب ظہور ہوگا (الزام الناصب ص ۱۸۳)۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور موفور السرور

حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے پہلے جو علامات ظاہر ہوں گے ان کی تکمیل کے
دوران ہی میں نصاریٰ فتح ممالک عالم کا ارادہ کر کے اٹھ کھڑے ہوں گے اور بیشتر ممالک پر قابو
حاصل کرنے کے بعد ان پر حکمرانی کریں گے۔ اسی زمانہ میں ابوسفیان کی نسل سے ایک ظالم پیدا ہوگا جو عرب
و شام پر حکمرانی کرے گا۔ اس کی ولی تمنا یہ ہوگی کہ سادات کے وجود سے ممالک محروسہ خالی کر
دیے جائیں۔ اور نسل محمدی کا ایک فرزند بھی باقی نہ رہے چنانچہ وہ سادات کو نہایت بیدوزی
سے قتل کرے گا۔ پھر اسی اشار میں بادشاہ روم کو نصاریٰ کے ایک فرقہ سے جنگ کرنا پڑے گی۔
شاہ روم ایک فرقہ کو ہنونا بنا کر دوسرے فرقہ سے جنگ کرے گا اور شہر قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا۔
قسطنطنیہ کا بادشاہ وہاں سے بھاگ کر شام میں پناہ لے گا، پھر وہ نصاریٰ کے دوسرے فرقہ کی
معاذت سے فرقہ مخالف کے ساتھ نبرد آزما ہوگا۔ یہاں تک کہ اسلام کو زبردست فتح نصیب
ہوگی۔ فتح اسلام کے باوجود نصاریٰ شہرت دیں گے کہ "صلیب" غالب آگئی، اس پر نصاریٰ
اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی اور نصاریٰ غالب آجائیں گے۔ بادشاہ اسلام قتل ہو جائے گا۔
اور ملک شام پر بھی نصرانی بھندڑا لہرانے لگے گا اور مسلمانوں کا قتل عام ہوگا۔ مسلمان اپنی جان
بچا کر مدینہ کی طرف کوچ کریں گے اور نصرانی اپنی حکومت کو وسعت دیتے ہوئے خیمہ تک پہنچیں گے
اسلامیوں عالم کے لیے کوئی پناہ نہ ہوگی۔ مسلمان اپنی جان بچانے سے عاجز ہوں گے اس وقت
وہ گروہ درگروہ سارے عالم میں امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کریں گے، تاکہ اسلام محفوظ رہ
سکے اور ان کی جانیں بچ سکیں اور عوام ہی نہیں بلکہ قطب، ابدال اور اولیا جستجو میں مشغول و مصروف

ہوں گے کہ نگاہ آپ مکہ معظمہ میں رکن و ستار کے درمیان سے برآمد ہوں گے۔ (قیامت نامہ قدوۃ المحبتین شاہ
رفیع الدین دہلوی ص ۳ طبع پشاور ۱۹۲۶ء) علماء فریقین کا کہنا ہے کہ آبِ قریہ "کریم" سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ
سے ظہور فرمائیں گے (غایتہ المقصود ص ۱۶۵، نور الابصار ص ۱۵۲) علامہ کنجی شافعی اور علی بن محمد صاحب
کفایتہ الاثر کا بحوالہ ابوہریرہ بیان ہے کہ حضرت سرور کائنات نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام مہدی
قریہ (کریم) - (جو مدینہ سے بطرف مکہ تینس میل کے فاصلہ پر واقع ہے) (مجموع البحرین ص ۳۵) نکل کر
مکہ معظمہ سے ظہور کریں گے، وہ میری زرہ پہنے ہوں گے۔ میری تلوار لگائے ہوں گے اور میرا عمامہ
باندھے ہوں گے۔ اُن کے سر پر ابر کا سایہ ہوگا اور ملک آواز دیتا ہوگا کہ یہی امام مہدی ہیں۔
ان کی اتباع کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ جبرئیل آواز دیں گے اور "ہووا" اس کو ساری کائنات
میں پہنچانے گی اور لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائیں گے (غایتہ المقصود ص ۱۶۵)۔

لغات سروری ص ۵۳ میں ہے کہ آپ قصبہ خیرواں سے ظہور فرمائیں گے معصوم کا فرمانا ہے
کہ امام مہدی کے ظہور کے متعلق کسی کا کوئی وقت معین کرنا فی الحقیقت اپنے آپ کو علم غیب میں
خدا کا شریک قرار دینا ہے۔ وہ مکہ میں بے خبر ظہور کریں گے، اُن کے سر پر زرد رنگ کا عمامہ ہوگا۔
بدن پر رسالت تاب صلح کی چادر اور پاؤں میں انھیں کی نعلین مبارک ہوگی۔ وہ اپنے سامنے چند
بھینس رکھیں گے، کوئی انھیں پہچان نہ سکے گا۔ اور اسی حالت میں یکہ و تنہا بغیر کسی رفیق کے کوہِ ثور
میں آجائیں گے۔ جس وقت عالم سیاہی شب کی چادر اوڑھ لے گا اور لوگ سو جائیں گے اُس وقت
ملائکہ صف بہ صف اُن پر اتریں گے۔ اور حضرت جبرائیل و میکائیل انھیں نوید الہی سنائیں گے۔
کہ اُن کا حکم تمام دنیا پر جاری و ساری ہے۔ یہ بشارت پاتے ہی امام علیہ السلام شکر خدا بجا لائیں
اور رکن حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر باواز بلند نوا دیں گے کہ اے وہ گروہ
جو میرے مخصوص اور بزرگوں سے ہو اور وہ لوگو! جن کو حق تعالیٰ نے روئے زمین پر میرے ظاہر
ہونے سے پہلے میری مدد کے لیے جمع کیا ہے۔ "آجاؤ" یہ ندا حضرت کے اُن لوگوں تک خواہ وہ
مشرق میں ہیں یا مغرب میں پہنچ جائے گی اور وہ لوگ یہ آواز سن کر چتر ندون میں حضرت کے پاس جمع
ہو جائیں گے یہ لوگ ۳۱۳ ہوں گے، اور نقیب امام کہلائیں گے۔ اُسی وقت ایک نور زمین سے آسمان
تک بلند ہوگا جو صفحہ دنیا میں ہر مومن کے گھر میں داخل ہوگا جس سے اُن کی طبیعتیں مسرور ہو جائیں
گی۔ مگر مومنین کو معلوم نہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کا ظہور ہوا ہے۔ صبح امام علیہ السلام ص ۳۱۳،
اشخاص کے جو رات کو ان کے پاس جمع ہو گئے تھے کعبہ میں کھڑے ہوں گے اور دیوار سے تکیہ لگا کر
اپنا ہاتھ کھولیں گے جو موسیٰ کے بیڑیہ کی مانند ہوگا اور کہیں گے کہ جو کوئی اس ہاتھ پر بیعت کرے گا، وہ
ایسا ہے گویا اُس نے "ید اللہ" پر بیعت کی۔ سب سے پہلے جبرئیل شرف بیعت سے شرف ہوں گے۔

ان کے بعد ملائکہ بیعت کریں گے پھر مقدم الذکر نقباء (۳۱۳) بیعت سے مشرف ہوں گے۔ اس نمل اور
 اثر و حام میں مکہ میں تہلکہ مچ جائے گا اور لوگ حیرت زدہ ہو کر ہر سمت سے استفسار کریں گے کہ یہ کون
 شخص ہے، یہ تمام واقعات طلوع آفتاب سے پہلے سرانجام ہو جائیں گے، پھر جب سورج چڑھے
 گا، تو قرص آفتاب کے سامنے ایک منادی کرنے والا ظاہر ہوگا اور باوا بلند کہے گا جس کو تمام
 ساکنان زمین و آسمان سنیں گے کہ ”اے گروہ علاتی یہ ہمدی آل محمد ہیں، ان کی بیعت کرو، پھر
 ملائکہ اور (۳۱۳) آدمی تصدیق کریں گے اور دنیا کے ہر گوشہ سے جوق در جوق آپ کی زیارت کے لیے
 لوگ روانہ ہو جائیں گے، اور عالم پر حجت قائم ہو جائے گی، اس کے بعد کسٹس ہزار افراد بیعت کریں
 گے۔ اور کوئی یہودی اور نصرانی باقی نہ چھوڑا جائے گا۔ صرف اللہ کا نام ہوگا اور امام ہمدی کا کام
 ہوگا۔ جو مخالفت کرے گا اس پر آسمان سے آگ برسے گی اور اسے جلا کر خاکستر کر دے گی۔ (نور الابصار
 امام شیلنجی شافعی ص ۱۵۵، اعلام الوری ص ۲۶۳)۔

علمائے لکھا ہے کہ ۲۷ مخلصین آپ کی خدمت میں کوفہ سے اس قسم کے پہنچ جائیں گے جو کام
 بنائے جائیں گے۔ جن کے اسماء (کتاب منتخب بصائر) یہ ہیں۔ یوشع بن نون، سلمان فارسی، ابو جابر
 انصاری، مقداد بن اسود، مالک اشتر، اور قوم موسیٰ کے ۱۵ افراد اور سات اصحاب کف (اعلام
 الوری ص ۲۶۳، اور شامیہ ص ۵۳۶) علامہ عبدالرحمن جامی کا کہنا ہے کہ قطب، ابدال، عرفار سب آپ
 کی بیعت کریں گے، آپ جانوروں کی زبان سے بھی واقف ہوں گے اور آپ انسانوں اور جنوں
 میں عدل و انصاف کریں گے۔ (شواہد النبوت ص ۲۱۹) علامہ طبرسی کا کہنا ہے کہ آپ حضرت داؤد کے
 اصول پر احکام جاری کریں گے، آپ کو گواہ کی ضرورت نہ ہوگی۔ آپ ہر ایک کے عمل سے بالامام
 خداوندی واقف ہوں گے۔ (اعلام الوری ص ۲۶۳) امام شیلنجی شافعی کا بیان ہے کہ جب امام ہمدی
 کا ظہور ہوگا تو تمام مسلمان خواص اور عام خوش و مسرور ہو جائیں گے۔ ان کے کچھ وزراء ہوں گے جو
 آپ کے احکام پر لوگوں سے عمل کرائیں گے۔ (نور الابصار ص ۱۵۳، بحوالہ فتوحات مکیہ) علامہ حلبی کا
 کہنا ہے کہ اصحاب کف آپ کے وزراء ہوں گے (سیرت حلبیہ) حموی کا بیان ہے کہ آپ کے
 جسم کا سایہ نہ ہوگا۔ (غیابۃ المقصود جلد ۲ ص ۱۵) حضرت علی کا فرمان ہے کہ انصار و اصحاب امام
 ہمدی، خالص امت والے ہوں گے (ارح المطالب ص ۲۶۹) اور آپ کے گرد اس طرح لوگ جمع ہو جائیں
 گے جس طرح شہد کی گھٹی اپنے ”عیسوی“ بادشاہ کے گرد جمع ہو جاتی ہیں۔ (ارح المطالب ص ۲۶۹)
 ایک روایت میں ہے کہ ظہور کے بعد آپ سب سے پہلے کوفہ تشریف لے جائیں گے اور وہاں کے کثیر افراد
 قتل کریں گے۔

ظہور آشکے بعد

ظہور کے بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوں گے۔ ابراہیم اسحاق آپ کے سر مبارک پر ہوگا، آسمان سے آواز آتی ہوگی کہ ”یہی امام مہدی ہیں“ اُس کے بعد آپ ایک منبر پر جلوہ افروز ہوں گے۔ لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیں گے اور دین حق کی طرف آنے کی سب کو ہدایت فرمائیں گے۔ آپ کی تمام سیرت پیغمبر اسلام کی سیرت ہوگی اور انھیں کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں گے۔ ابھی آپ کا خطبہ جاری ہوگا کہ آسمان سے جبریل و میکائیل آکر بیعت کریں گے، پھر ملائکہ آسمانی کی عام بیعت ہوگی۔ ہزاروں ملائکہ کی بیعت کے بعد وہ ۳۱۳ مومنین بیعت کریں گے جو آپ کی خدمت میں حاضر ہو چکے ہوں گے۔ پھر عام بیعت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ دس ہزار افراد کی بیعت کے بعد آپ سب سے پہلے کوثر تشریف لے جائیں گے، اور دشمنان آل محمد کا قلع تھک کریں گے۔ آپ کے ہاتھ میں عصا تے موسیٰ ہوگا جو اتر دے گا کام کرے گا اور نوار حائل ہوگی عین الحیات (جلسہ ۹۲) تواریخ میں ہے کہ جب آپ کوثر پہنچیں گے تو کئی ہزار کا ایک گروہ آپ کی مخالفت کے لیے نکل پڑے گا، اور کہنے لگا کہ ہمیں بنی فاطمہ کی ضرورت نہیں، آپ واپس جاسیے یہ سُن کر آپ تلوار سے اُن سب کا قصہ پلک کر دیں گے اور کسی کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ جب کوئی بھی دشمن آل محمد اور منافق وہاں باقی نہ رہے گا تو آپ ایک منبر پر تشریف لے جائیں گے اور واقعہ کربلا کا ذکر کریں گے یعنی مجلس حسین پڑھیں گے۔ اُس وقت لوگ موگریہ ہو جائیں گے اور کئی گھنٹے تک رونے کا سلسلہ جاری رہے گا۔ پھر آپ حکم دیں گے کہ مشہد حسین تک نہ فرات کاٹ کر لائی جائے اور ایک مسجد کی تعمیر کی جائے۔ جس کے ایک ہزار درہم ہوں، چنانچہ ایسا ہی کیا جائے گا۔ اس کے بعد آپ زیارت سرور کائنات کے لیے مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔ (اعلام الوری ص ۲۱۳، ارشاد مفید ص ۵۳۲ نور الابصار ص ۱۵۵)۔

قدوة المحمدين شاہ رفیع الدین رقمطراز ہیں کہ حضرت امام مہدی جو علم لدنی سے بھرپور ہوں گے جب مکہ سے آپ کا ظہور ہوگا اور اس ظہور کی شہرت اطراف و اکناف عالم میں پھیلے گی تو افواج مدینہ و مکہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گی اور شام و عراق و یمن کے ابدال اور اولیاء خدمت شریف میں حاضر ہوں گے اور عرب کی فوجیں جمع ہو جائیں گی، آپ اُن تمام لوگوں کو اُس خزانہ سے مال دیں گے جو کعبہ سے برآمد ہوگا۔ اور مقام خزانہ کو ”تاج الکعبہ“ کہتے ہوں گے، اسی اثنا میں ایک شخص خراسانی عظیم فرج لے کر حضرت کی مدد کے لیے مکہ معظمہ کو روانہ ہوگا، راستے میں اس لشکر خراسانی کے مقدمہ الجیش کے کمانڈر منصور سے نصرانی فوج کی ٹکر ہوگی، اور خراسانی لشکر نصرانی فوج کو پسپا کر کے

حضرت کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ایک شخص سفیانی جو نبی کلب سے ہوگا۔ حضرت سے مقابلہ کے لیے لشکر عظیم ارسال کرے گا۔ لیکن بیکم خدا جب وہ لشکر مکہ معظمہ اور کعبہ منورہ کے درمیان پہنچے گا اور پہاڑ میں قیام کرے گا تو زمین میں وہیں دھنس جائے گا۔ پھر سفیانی جو دشمن آل محمد ہوگا نصاریٰ سے ساز باز کر کے امام مہدی سے مقابلہ کے لیے زبردست فوج فراہم کرے گا۔ نصرانی اور سفیانی فوج کے انہی نشان ہوں گے اور ہر نشان کے نیچے ۱۲ ہزار کی فوج ہوگی۔ ان کا دار الخلافہ شام ہوگا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام بھی مدینہ منورہ ہوتے ہوئے جلد سے جلد شام پہنچیں گے جب آپ کا ورود مسعود دمشق میں ہوگا، تو دشمن آل محمد سفیانی اور دشمن اسلام نصرانی آپ سے مقابلہ کے لیے صف آرا ہوں گے، اس جنگ میں فریقین کے بے شمار افراد قتل ہوں گے۔ بالآخر امام علیہ السلام کو فتح کامل ہوگی، اور ایک نصرانی بھی زمین شام پر باقی نہ رہے گا۔ اُس کے بعد امام علیہ السلام اپنے لشکریوں میں انعام تقسیم کریں گے اور ان مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے واپس بلا لیں گے جو نصرانی بادشاہ کے ظلم و جور سے عاجز آکر شام سے ہجرت کر گئے تھے۔ (قیامت نامہ ص ۵۳۳)

اس کے بعد آپ مکہ معظمہ واپس تشریف لے جائیں گے اور مسجد سہلہ میں قیام فرمائیں گے (ارشاد ص ۵۳۳)

اس کے بعد مسجد الحرام کو از سر نو بنائیں گے اور دنیا کی تمام مساجد کو شرعی اصول پر کر دیں گے ہر بدعت کو ختم کریں گے اور ہر سنت کو قائم کریں گے، نظام عالم درست کریں گے اور شہروں میں جو ہیں ارسال کریں گے، انصرام و انتظام کے لیے وزیر روانہ ہوں گے۔ (اعلام الوری ص ۲۶۲، ۲۶۳)۔

اس کے بعد آپ مومنین، کاملین اور کافرین کو زندہ کریں گے، اور اس زندگی کا مقصد یہ ہوگا کہ مومنین اسلامی عروج سے خوش ہوں اور کافرین سے بدلہ لیا جائے۔ ان زندہ کئے جانے والوں میں قابیل سے لے کر امت محمدیہ کے فراعنہ تک زندہ کئے جائیں گے، اور ان کے کئے کا پورا پورا بدلہ انھیں دیا جائے گا۔ جو جو ظلم انھوں نے کئے ان کا مزہ چکھیں گے۔ غریبوں، مظلوموں اور سکیوں پر جو ظلم ہوا ہے۔ اُس کی (ظلم کو) نزا دی جائے گی، سب سے پہلے جو واپس لیا جائے گا وہ یزید بن معاویہ ملعون ہوگا اور امام حسین علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ (غایۃ المتصنوع)۔

دجال، دجال، دجل سے مشتق ہے جس کے معنی فریب کے ہیں اس کا اصل نام صائف، باپ کا نام صائد، ماں کا نام کابستہ

دجال اور اُس کا خروج

معروف قضا ہے، یہ عہد رسالت مآب میں بمقام تیب جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، چہار شنبہ کے دن بوقت غروب آفتاب پیدا ہوا ہے، پیدائش کے بعد آٹا غانا بٹھ رہا تھا، اُس کی داہنی آنکھ پھوٹی مٹھی اور بائیں آنکھ پیشانی پر چمک رہی تھی، وہ چند دنوں میں کافی بڑھ کر دعویٰ خدائی کرنے لگا، سرور کائنات جو حالات سے برابر مطلع ہو رہے تھے۔ انھوں نے

مسلمان فارسی اور چند اصحاب کو لیا اور بمقام تیبہ جا کر اُس کو تبلیغ کرنا چاہی، اُس نے بہت بُرا بھلا کہا اور چاہا کہ حضرت پر حملہ کر دے۔ لیکن آپ کے اصحاب نے مدافعت کی، آپ نے اُس سے یہ فرمایا تھا کہ خدائی کا دعویٰ چھوڑ دے اور میری نبوت کو مان لے۔ علمائے کبار نے لکھا ہے کہ دجال کی پیشانی پر خط یزدانی «الکافر باللہ» لکھا ہوا تھا اور آنکھ کے ڈھیلے پر بھی (کاف، ف، ر) مرقوم تھا۔ غرض کہ آپ نے وہاں سے مدینہ منورہ واپس تشریف لانے کا ارادہ کیا۔ دجال نے ایک سنگ گراں جو پہاڑ کی مانند تھا حضرت کی راہ میں رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت جبریل آسمان سے آئے اور اُسے ہٹا دیا۔ ابھی آپ مدینہ پہنچے ہی تھے کہ دجال لشکر عظیم لے کر مدینہ کے قریب جا پہنچا۔ حضرت نے بارگاہِ اہدیت میں عرض کی، خدایا! اسے اُس وقت تک کے لیے مجبوس کر دے، جب تک اسے زندہ رکھنا مقصود ہے، اسی دوران میں جناب جبریل آئے اور انھوں نے دجال کی گردن کو پشت کی طرف سے پکڑ کر اٹھایا اور اُسے لے جا کر جزیرہ طبرستان میں مجبوس کر دیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ جبریل اُسے لے کر جانے لگے تو اُس نے زمین پر دونوں ہاتھ مار کر تحت الشریح تک کی دو منھنی خاک لے لی، اور اُسے طبرستان میں ڈال دیا۔ جبریل نے سرور کائنات کے سوال کے جواب میں کہا کہ آپ کی وفات سے ۹۷۰ سال بعد یہ خاک عالم میں پھیلے گی اور اسی وقت سے آثارِ قیامت شروع ہو جائیں گے۔ (غایۃ المقصود ص ۶۲، ارشاد الطالبین ص ۳۹۲) پیغمبر اسلام کا ارشاد ہے کہ دجال کو مجبوس ہونے کے بعد تمہارا مرنے جو پہلے نصرانی تھا، جزیرہ طبرستان میں پختہ خود دیکھا ہے۔ اس کی علامات کی تفصیل کتاب صحاح المصابیح، زہرۃ الریاض، صحیح بخاری صحیح مسلم میں موجود ہے۔

غرض کہ اکثر روایات کے مطابق دجال حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور فرمانے کے ۱۸ یوم بعد خروج کرے گا (مجمع البحرین ص ۵۶) وغایۃ المقصود جلد ۲ ص ۶۹۔ ظہور امام اور خروج دجال سے پہلے تین سال تک سخت قحط پڑے گا۔ پہلے سال ۱۰ بار خش اور ۱۰ زراعت ختم ہو جائے گی دوسرے سال آسمان وزمین کی برکت و رحمت ختم ہو جائے گی۔ تیسرے سال بالکل بارش نہ ہوگی، اور سارا دنیا والے موت کی آغوش میں پہنچنے کے قریب ہو جائیں گے۔ دنیا ظلم و جور، اضطراب و پریشانی سے بالکل پرہوگی۔ امام مہدی کے ظہور کے بعد ۱۸ دن میں کائنات نہایت اچھی سطح پر پہنچی ہوگی۔ کہ ناگاہ دجال ملعون کے خروج کا غلغلہ اُٹھے گا۔ وہ بروایت انخوند درویشہ ہندوستان کے ایک پہاڑ پر نمودار ہوگا اور وہاں سے آواز بلند کرے گا۔ «میں خدائے بزرگ ہوں، میری اطاعت کرو» یہ آواز مشرق و مغرب میں پہنچے گی۔ اس کے بعد ۳ یوم یا بروایت ۲۰ یوم اسی پر تقسیم رہ کر لشکر تیار کرے گا پھر شام و عراق ہوتا ہوا اصفہان کے ایک قریب «یہودیہ» سے خروج کرے گا۔ اُس کے ہمراہ

بہت بڑا لشکر ہوگا، جس کی تعداد ستر لاکھ مرقوم ہے۔ چین، دیو، پرسی، شیطان ان کے علاوہ ہوں گے۔ وہ ایک گدھے پر سوار ہوگا۔ جو بائق رنگ کا ہوگا۔ اُس کے جسم کا بالائی حصہ سُرخ، ہاتھ پاؤں تازا نوسیاہ اس کے بعد سے ہم تک پھیلے ہوگا۔ اُس کے دونوں کانوں کے درمیان ۲۰ میل کا فاصلہ ہوگا۔ وہ ۲۱ میل اونچا اور ۹۰ میل لمبا ہوگا۔ اُس کا ہر قدم ایک میل کا ہوگا۔ اُس کے دونوں کانوں میں خلق تشریحی ہوگی۔ چلنے میں اُس کے بالوں سے ہر قسم کے باجوں کی آواز آئے گی، وہ اسی گدھے پر سوار ہوگا۔ سواری کے بعد جب وہ روانہ ہوگا تو اُس کے داہنے طرف ایک پہاڑ ہوگا جو ہمراہ چلا رہے گا۔ اُس میں نہریں میوہ جات اور ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی، اور بائیں جانب ایک پہاڑ ہوگا جس میں ہر قسم کے سائب پھتو ہوں گے، وہ لوگوں کو انہیں چیزوں کے ذریعہ سے بہکائے گا اور کئے گا کہ میں خدا تعالیٰ جو میرا حکم مانے گا جنت میں رکھوں گا جو نہ مانے گا اُسے جہنم میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح جالیس نوم میں ساری دنیا کا چکر لگا کر اور سب کو بہکا کر امام مہدی علیہ السلام کی اسکیم کو ناکامیاب بنانے کی سعی میں وہ خانہ کعبہ کو گرانا چاہے گا اور ایک عظیم الشکر بھیج کر کعبہ اور دینہ کو تباہ کرنے پر مامور کرے گا اور خود بارہ کوثر روانہ ہوگا۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ کوثر جو امام مہدی کی آماجگاہ ہے اُسے تباہ کر دے۔ چون ان یحییٰ نزدیک کوثر برسد امام محمد مہدی با ستیصال او برسد۔ لیکن خدا کا کرنا دیکھتے کہ جب وہ کوثر کے قریب پہنچے گا، تو حضرت امام مہدی علیہ السلام خود وہاں پہنچ جائیں گے، اور اُسے حکم خدا تعالیٰ سے اُٹھا دیں گے۔ غر حکہ گھمسان کی جنگ ہوگی اور شام تک پھیلے ہوئے لشکر پر امام مہدی علیہ السلام زبردست حملے کریں گے، بالآخر وہ ملعون آپ کی ضربوں کی تاب نہ لا کر شام کے مقام عقبہ رفیق یا بمقام کد جمعہ کے دن تین گھنٹی دن چڑھے مارا جائے گا۔ اُس کے مرنے کے بعد دس میل تک دجال اور اُس کے گدھے اور لشکر کا خون زمین پر جاری رہے گا۔ علما کا کانا ہے کہ قتل دجال کے بعد امام علیہ السلام اُس کے لشکریوں پر ایک زبردست حملہ کریں گے اور سب کو قتل کر ڈالیں گے۔ اُس وقت جو کافر زمین کے کسی گوشہ میں چھپے گا، وہ آواز دے گا کہ فلاں کافر یہاں روپوش ہے۔ امام علیہ السلام اُسے قتل کر دیں گے۔ آخر کار زمین پر کوئی دجال کا ماننے والا نہ رہے گا۔ (ارشاد الطالبین ص ۲۹۷، غائتہ المقصودہ جلد ۲ ص ۷۷، عین الحیات ص ۱۲۹، کتاب الوسائل ص ۱۸۱، قیامت نامہ ص ۷، معارف الملائک ص ۳۷۸، صحیح مسلم، لمعات شرح مشکوٰۃ بعد الحقی، مرقعات شرح مشکوٰۃ، مجمع البحار) بعض روایات میں ہے کہ دجال کو حضرت عیسیٰ بحکم حضرت مہدی علیہ السلام قتل کریں گے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام سنت کے قائم کرنے اور بدعت کے مٹانے نیز انصاف و انتظام عالم میں شہنشاہ و مصلحت

نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام

ہوں گے کہ ایک دن نماز صبح کے وقت بروایت نماز عصر کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے منارہ شرقی پر نزول فرمائیں گے۔ حضرت امام ہمدی ان کا استقبال کریں گے۔ اور فرمائیں گے کہ آپ نماز پڑھائیے، حضرت عیسیٰ کہیں گے کہ یہ ناممکن ہے، نماز آپ کو پڑھانی ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام ہمدی علیہ السلام امامت کریں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ (نور الابصار ۱۵۲ غایۃ المقصود ۱۰۴-۱۵۲ بحوالہ المسلم وابن ماجہ مشکوٰۃ ۲۵۸) اس وقت حضرت عیسیٰ کی عمر چالیس سالہ جوان جیسی ہوگی۔ وہ اس دنیا میں شادی کریں گے، اور ان کے دو لڑکے پیدا ہوں گے۔ ایک کا نام احمد اور دوسرے کا نام موسیٰ ہوگا۔ (اسعاف الراغبین بر حاشیہ نور الابصار ص ۱۴۵، قیامت نامہ ص ۱۰۰ بحوالہ کتاب الوفا ابن جوزی و مشکوٰۃ ص ۲۶۵ و سراج القلوب ص ۶۶)۔

امام ہمدی اور عیسیٰ ابن مریم کا دورہ اس کے بعد حضرت امام ہمدی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاوا، ممالک کا دورہ کرنے اور حالات کا جائزہ لینے کے لیے برآمد ہوں گے اور دجال ملعون کے پہنچائے ہوئے نقضانات اور اس کے پیدا کئے ہوئے بدترین حالات کو بہترین سطح پر لائیں گے، حضرت عیسیٰ خنزیر کو قتل کرنے، صلیبوں کو توڑنے اور لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا انصرام و بندوبست فرمائیں گے۔ عدل ہمدوی سے بلاد عالم میں اسلام کا ڈنکا بجے گا اور ظلم و ستم کا تختہ تباہ ہو جائے گا۔ (قیامت نامہ قدوة المحمدين ص ۵ بحوالہ صحیح مسلم)۔

حضرت امام ہمدی کا قسطنطنیہ کو فتح کرنا روایت میں ہے کہ امام ہمدی علیہ السلام قسطنطنیہ، چین اور جبل و عیلم کو فتح کریں گے، یہ یورپی قسطنطنیہ ہے جسے استنبول کہتے ہیں اور جس پر اس زمانہ میں نصاریٰ کا قبضہ ہوگا۔

اور ان کا قبضہ بھی مسلمان بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد ہوا ہوگا۔ چین اور جبل و عیلم پر بھی نصاریٰ کا قبضہ ہوگا اور وہ حضرت امام ہمدی سے مقابلہ کا پورا انتظام کریں گے، چین جس کو عربی میں صین کہتے ہیں اس کے بارے میں روایت کے حوالہ سے علامہ طبرانی نے مجمع البحرین کے ص ۱۵۱ میں لکھا ہے کہ صین ایک پہاڑی ہے۔ مشرق میں ایک مملکت ہے۔ کو فہ میں ایک موضع ہے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ ساری چینوں فتح کی جائیں گی، ان کے علاوہ سندھ اور ہند کے مکانات کی طرف بھی اشارہ ہے، بہر حال امام ہمدی علیہ السلام شہر قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوں گے اور ان کے ہمراہ جو ستر ہزار بنو اسحاق کے نوجوان ہوں گے انھیں دریائے روم کے کنارے، نھر میں جا کر اسے فتح کرنے کا حکم ہوگا، جب وہ وہاں پہنچ کر فصیل کے کنارے نعرہ تکبیر لگائیں گے تو خود بخود راستہ

پیدا ہو جائے گا اور یہ داخل ہو کر اُسے فتح کر لیں گے، کفار قتل ہوں گے اور اُس پر پورا پورا قبضہ ہو جائے گا۔ (نور الابصار ص ۱۵۵ بحوالہ طبرانی، غایۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۵۲ بحوالہ ابو نعیم، اعلام الوری، بحوالہ امام جعفر صادق ص ۲۶۳، قیامت نامہ بحوالہ صحیح مسلم)۔

یا جوج ماجوج اور ان کا خروج | قیامت صغریٰ یعنی ظہور آل محمد اور قیامت کبریٰ کے درمیان دجال کے بعد یا جوج اور ماجوج کا خروج ہوگا۔ یہ سد سکندری سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جائیں گے اور دنیا کے امن و امان کو تباہ و برباد کر دینے میں پوری سعی کریں گے۔

یا جوج ماجوج حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد سے ہیں، یہ دونوں چار سو قبیلوں اور امتوں کے سردار اور سربراہ اور وہ ہیں، ان کی کثرت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا مخلوقات میں ملائکہ کے بعد انھیں کثرت دی گئی ہے، ان میں کوئی ایسا نہیں جس کے ایک ایک ہزار اولاد نہ ہو۔ یعنی یہ اُس وقت تک مرتے ہی نہیں جب تک ایک ہزار بہادر پیدا نہ کر لیں۔ یہ تین قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جو تاڑ سے زیادہ لمبے ہیں، دوسرے وہ جو لمبے اوپر چوڑے برابر ہیں جن کی مثال بہت بڑے ہاتھی سے دی جاسکتی ہے۔ تیسرے وہ جو اپنا ایک کان بچھاتے اور دوسرا اڑھتے ہیں۔ ان کے سامنے لوہا، پتھر، پہاڑ تو وہ کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ حضرت نوح کے زمانہ میں نیا کے اخیر میں اُس جگہ پیدا ہوئے ہیں، جہاں سے پہلے پہل سورج نے طلوع کیا تھا۔ زمانہ فترت سے پہلے یہ لوگ اپنی جگہ سے نکل پڑتے تھے اور اپنے قریب کی ساری دنیا کو کھاپی جاتے تھے۔ یعنی ہاتھی، گھوڑا، اونٹ، انسان، جانور، کھیتی باڑی، غنم، کچھ سامنے آتا تھا سب کو ختم کر جاتے تھے۔ وہاں کے لوگ ان سے سخت تنگ اور عاجز تھے، یہاں تک کہ زمانہ فترت میں حضرت عیسیٰ کے بعد بروایت جب ذوالقرنین اُس منزل تک پہنچے تو انھیں وہاں کا سارا واقعہ معلوم ہوا اور وہاں کی مخلوق نے ان سے درخواست کی کہ ہمیں اس بلا سے بے درمان یا جوج ماجوج سے بچائیے۔ چنانچہ انھوں نے دو پہاڑوں کے اُس درمیانی راستہ کو جس سے وہ آیا کرتے تھے۔ حکم خدا لوہے کی دیوار سے جو دو سو گز اونچی اور پچاس یا ساٹھ گز چوڑی تھی بند کر دیا۔ اسی دیوار کو "سد سکندری" کہتے ہیں۔ کیونکہ ذوالقرنین کا اصل نام سکندر اعظم تھا، سد سکندری کے لگ جانے کے بعد ان کی خوراک سانپ قرار دی گئی، جو آسمان سے برستے ہیں۔ یہ تابلظہور امام مہدی علیہ السلام اسی میں مضمور رہیں گے، ان کا اصول اور طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی زبان سے سد سکندری کو ساری رات چات کر کاٹتے ہیں، جب صبح ہوتی ہے اور دھوپ لگتی ہے تو بٹ جاتے ہیں پھر دوسری رات کٹی ہوئی دیوار بھی پُر ہو جاتی ہے اور وہ پھر اُسے کاٹنے میں لگ جاتے ہیں۔

مگر خدا سے یہ لوگ امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں غرور کریں گے دیوار کٹ جائے گی اور یہ نکل پڑیں گے۔ اُس وقت کا عالم یہ ہوگا کہ یہ لوگ اپنی ساری تعداد سمیت ساری دُنیا میں پھیل کر نظامِ عالم کو درہم برہم کرنا شروع کر دیں گے، لاکھوں جاہل ضالچ ہوں گی اور دُنیا کی کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی جو دکھائی اور پی جا سکے، اور یہ اس پر تصرف نہ کریں۔ یہ بلا کے جنگجو لوگ ہوں گے دُنیا کو مار کر دکھا جائیں گے اور اپنے تیرا آسمان کی طرف پھینک کر آسمانی مخلوق کو مارنے کا حوصلہ کریں گے اور جب اُدھر سے حکمِ خدا تیرا آئے گا تو یہ بہت خوش ہوں گے اور آپس میں کہیں گے کہ اب ہمارا اقتدار زمین سے بلند ہو کر آسمان پر پہنچ گیا ہے۔ اسی دوران میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کی برکت اور حضرت عیسیٰ کی دعا کی وجہ سے خداوند عالم ایک بیماری بھیج دے گا۔ جس کو عربی میں ”نعف“ کہتے ہیں، یہ بیماری ناک سے شروع ہو کر طاعون کی طرح ایک ہی شب میں اُن سب کا کام تمام کر دے گی۔ پھر اُن کے مردار کو کھانے کے لیے ”عنقا“ نامی طاہر پیدا ہوگا، جو زمین کو اُن کی گندگی سے صاف کرے گا۔ اور انسان اُن کے تر و کمان اور قابل سوختنی آلاتِ حرب کو سات سال تک جلا میں گے۔ (تفسیر صافی ص ۲۴۸ مشکوٰۃ ص ۳۶۶ صحیح مسلم ترمذی، ارشاد الطالبین ص ۲۹۸، غایۃ المقصود جلد ۲ ص ۶۶، مجمع البحرین ص ۲۶۶، قیامت نامہ ص ۶۸)

امام مہدی علیہ السلام کی مدتِ حکومت اور خاتمہ دُنیا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا پایہ تخت شہر کوفہ ہوگا۔ مکہ میں آپ کے نائب کا تقرر ہوگا۔ آپ کا دیوان خانہ اور آپ کے اجراء حکم کی جگہ مسجد کوفہ ہوگی۔ بیت المال، مسجد سہلہ قرار دی جائے گی۔ اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا۔ (صحیح الیقین ص ۱۲۵) آپ کے عہدِ حکومت میں مکمل امن و سکون ہوگا۔ بکری اور بھیڑ، گائے اور شیر، انسان اور سانپ، زمہیل اور چوہے سب ایک دوسرے سے بے خوف ہوں گے (درغشور سیوطی جلد ۳ ص ۲۳) معاصی کا ارتکاب بالکل بند ہوگا اور تمام لوگ پاکباز ہو جائیں گے۔ جہل، جبن، بخل کافر ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہوگی۔ ظلم دُنیا سے مٹ جائے گا۔ اسلام کے قالب بے جان میں رُوح تازہ پیدا ہو جائے گی۔ دُنیا کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی، نہ کوئی اور مذاہب ہوگا۔ صرف اسلام ہوگا۔ اور اُنسی کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ آپ دعوتِ بالسیف دیں گے جو آپ کے درپے نزاع ہوگا قتل کر دیا جائے گا۔ جزیرہ موقون، ہوگا۔ خدا کی جانب سے شہر عکا کے ہرے میدان میں مہمانی ہوگا، ساری کائنات مسترتوں سے مملو ہوگی۔ غرضکہ عدل و انصاف سے دُنیا بھر جائے گی، (الیواقیت الجواہر جلد ۲ ص ۱۲۵)۔

دُنیا کے تمام مظلوموں کو ملائے جائیں گے اور اُن پر ظلم کرنے والے حاضر کئے جائیں گے، حتیٰ کہ کون محمد
 شریف لائیں گے اور اُن پر ظلم کے پاؤں توڑنے والے ملائے جائیں گے حضرت امام علیہ السلام مظلوموں
 کی دادرسی فرمائیں گے اور ظالم کو کیفر و کردار تک پہنچائیں گے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
 وسلم ان تمام امور میں نگرانی کا فریضہ ادا فرمانے کے لیے جلوہ افروز ہوں گے۔ اسی دوران میں حضرت
 عیسیٰ علیہ السلام اپنی سابقہ ارضی ۳۳ سالہ زندگی میں ۷ سالہ موجودہ ارضی زندگی کا اضافہ کر کے
 چالیس سال کی عمر میں انتقال کر جائیں گے اور آپ کو روضہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم میں دفن
 کر دیا جائے گا۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۶۲۳۔ سراج القلوب ص ۷۷، عجائب القصاص ص ۲۳) اس کے
 بعد حضرت امام مہدی علیہ السلام کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور حضرت امیر المؤمنین نظام کائنات
 پر حکمرانی کریں گے جس کی طرف قرآن مجید میں ”حابتنا الارض“ سے اشارہ کیا گیا ہے۔ اب رہ
 گیا یہ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق سخت اختلاف
 ہے۔ ارشادِ مجید کے ۵۳۳ میں سات، سال اور ۵۳۷ میں آٹھ سال اور اعلام الوریٰ کے ۳۶۵
 میں ۱۹ سال، مشکوٰۃ کے ۳۶۲ میں ۹، ۸، ۷ سال، نور الابصار کے ۱۵۲ میں ۱۰، ۹، ۸، ۷
 سال۔ غایت المقصود جلد ۲ ص ۱۶۲ میں بحوالہ جلیبۃ الاولیاء، ۹، ۸، ۷ سال اور ینابیح المودۃ شیخ
 سلیمان قندوزی بلخی کے ۳۳۳ میں بیس سال مرقوم ہے۔ میں نے حالات احادیث، اقوال علماء
 سے استنباط کر کے بیس سال کو ترجیح دی ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک سال و نٹن سال کے برابر ہوں
 (ارشادِ مجید ص ۵۳۳، نور الابصار ص ۱۵۵) غرض کہ آپ کی وفات کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام
 آپ کو غسل و کفن دیں گے اور نماز پڑھا کر دفن فرمائیں گے، جیسا کہ علامہ سید علی بن عبد الحمید نے
 کتاب انوار المصیبۃ میں تحریر فرمایا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہدِ ظہور میں قیامت سے پہلے
 زندہ ہونے کو رجعت کہتے ہیں۔ یہ رجعت ضروریاتِ مذہبِ امامیہ سے ہے۔ (مجمع البحرین ص ۲۲۲)۔
 اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہور کے بعد حکمِ خدا شدید ترین کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین حضرت رسول کریم
 آئمہ طاہرین، بعض انبیاء سلف برائے انظار و دولتِ حقِ محمدی دُنیا میں پلٹ کر آئیں گے۔ (تکلیف
 الملکین فی اصول الیدین ص ۲۵) اس میں ظالموں کو ظلم کا بدلہ اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا جائے گا۔
 اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا کہ ”لیظلمہ علی الدین کلمہ“۔ دُنیا میں صرف ایک اسلام رہ
 جائے گا۔ (معارف الملئۃ الناجیہ والناریہ ص ۳۸) امام حسین علیہ السلام کا مکمل بدلہ لیا جائے گا۔
 (غایت المقصود جلد ۱ ص ۱۸۶ بحوالہ تفسیر عیاشی) اور دشمنانِ آلِ محمد کو قیامت میں عذابِ اکبر سے
 پہلے رجعت میں عذابِ ادنیٰ کا مزہ چکھایا جائے گا (حق الیقین ص ۱۴۷ بحوالہ قرآن مجید)۔ شیطان
 سرور کائنات کے ہاتھوں سے نہ فرات پر ایک عظیم جنگ کے بعد قتل ہوگا۔ آئمہ طاہرین کے ہر عہدِ حکومت

میں اچھے بُرے زندہ کئے جائیں گے اور حضرت امام ہمدی علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ ہوں گے ان کی تعداد چار ہزار ہوگی (غایبۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۷۱، شہدار کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اُس سے آیت کے حکم نکل نفس ذائقۃ الموت) کی تکمیل ہو سکے اور انھیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے (غایبۃ المقصود جلد ۱ ص ۱۷۱) اسی رجعت میں بوعده قرآنی آل محمدؑ کو حکومت عامہ عالم دی جائے گی، اور زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جس پر آل محمدؑ کی حکومت نہ ہو، اس کے متعلق قرآن مجید میں: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" و" یرثھا ان من علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم العارثین" موجود ہے (حق الیقین ص ۱۲۶)۔

اب رہ گیا یہ کہ کائنات کی ظاہری حکومت و وراثت آل محمدؑ کے پاس کب تک رہے گی اس کے متعلق ایک روایت آٹھ ہزار سال کا سوال دے رہی ہے اور پتہ یہ چلتا ہے کہ امیر المؤمنینؑ، حضرت محمد مصطفیٰ اصل اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر نگرانی حکومت کریں گے اور دیگر ائمہ ظاہرین ان کے وزراء اور سفراء کی حیثیت سے ممالک عالم میں انتظام و انصرام فرمائیں گے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ہر امام علی الترتیب حکومت کریں گے۔ حق الیقین وغایبۃ المقصود۔ حضرت علیؑ کے ظہور اور نظام عالم پر حکمرانی کے متعلق قرآن مجید میں بصراحت موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

” انخرجنالہم دابۃ من الارض“ (پ ۲۰ رکوع ۱۶)

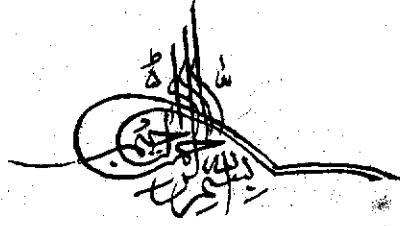
علائے فریقین یعنی شیعہ و سنی کا اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد حضرت علیؑ علیہ السلام ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ میزان الاعتدال علامہ ذہبی و معالم التنزیل علامہ نجوی و حق الیقین علامہ مجلسی و تفسیر صافی علامہ محسن فیض اُس کی طرف توریث میں بھی اشارہ موجود ہے۔ (تذکرۃ المعصومین ص ۲۲۶)۔ آپ کا کام یہ ہوگا کہ آپ ایسے لوگوں کی تصدیق نہ کریں گے جو خدا کے مخالف اور اس کی آیتوں پر یقین نہ رکھنے والے ہوں گے۔ . . وہ صفا اور مروہ کے درمیان سے برآمد ہوں گے، ان کے ہاتھ میں حضرت سلیمان کی انگوٹھی اور حضرت موسیٰ کا عصا ہوگا۔ جب قیامت قریب ہوگی تو آپ عصار اور انگشتری سے ہر مومن و کافر کی پیشانی پر نشان لگائیں گے۔ مومن کی پیشانی پر "ہذا مومن حقا" اور کافر کی پیشانی پر "ہذا کافر حقا" تحریر ہو جائے گا۔ ملاحظہ ہو: کتاب ارشاد الطالبین اخوند درویزہ ص ۱۱۱ و قیامت نامہ قدوة المحدثین علامہ رفیع الدین ص ۱۱۱۔ علامہ بنوی کتاب مشکوٰۃ المصابیح کے ص ۲۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ دابۃ الارض دوپہر کے وقت نکلے گا، اور جب اس دابۃ الارض کا عمل درآمد شروع ہو جائے گا تو باب توبہ بند ہو جائے گا اور اس وقت کسی کا ایمان لانا کارگر نہ ہوگا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت

علی مسجد میں سو رہے تھے، اتنے میں حضرت رسول کریم تشریف لائے، اور آپ نے فرمایا "قم
یا دا بستا اللہ" اس کے بعد ایک دن فرمایا: "یا علی اذنا کان اخرجک اللہ الخ" اے علی!
جب دنیا کا آخری زمانہ آئے گا، تو خداوند عالم تمہیں برآمد کرے گا۔ اس وقت تم اپنے دشمنوں
کی پیشانیوں پر نشان لگاؤ گے۔ (مجمع البحرین ص ۱۲۴) آپ نے یہ بھی فرمایا: کہ علی "دابرة الجنة"
ہیں۔ لغت میں ہے کہ دابرة کے معنی پیروں سے چلنے پھرنے والے کے ہیں۔ (مجمع البحرین ص ۱۲۴)۔

کثیر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آل محمد کی عمرانی جسے صاحب ارجم المطالب نے بادشاہی
لکھا ہے اُس وقت تک قائم رہے گی جب تک دنیا کے ختم ہونے میں چالیس یوم باقی رہیں گے۔
(ارشاد مفید ص ۱۳۴ و اعلام الوری ص ۲۶۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چالیس دن کی مدت قبروں
سے مردوں کے نکلنے اور قیامت کبریٰ کے لیے ہوگی جسر و نشر، حساب و کتاب، صور و ٹھونکن
اور دیگر لوازم قیامت کبریٰ اسی میں ادا ہوں گے۔ (اعلام الوری ص ۲۶۵) اس کے بعد حضرت علی
علیہ السلام لوگوں کو جنت کا پروانہ دیں گے۔ لوگ اُسے لے کر پُل صراط پر سے گزریں گے۔ (صواعق
محرقة علامہ ابن حجر مکی ص ۵۵ و اسعاف الراغبین ص ۵۵ بر حاشیہ نور الابصار) پھر آپ حوض کوثر کی
نگرانی کریں گے۔ جو دشمن آل محمد حوض کوثر پر ہوگا، اُسے آپ اٹھادیں گے۔ (ارجم المطالب ص ۵۶)
پھر آپ لوہار اکھر یعنی محمدی جھنڈے لے کر جنت کی طرف چلیں گے، پیغمبر اسلام آگے آگے ہوں گے۔
انبیاء اور شہداء و صالحین اور دیگر آل محمد کے ماننے والے پیچھے ہوں گے۔ (مناقب اخطاب النبی
قلبی و ارجم المطالب ص ۵۶)۔ پھر آپ جنت کے دروازے پر جائیں گے اور اپنے دوستوں کو بغیر
حساب داخل جنت کریں گے اور دشمنوں کو جہنم میں بھونک دیں گے۔ (کتاب شفا قاضی عیاض و
صواعق محرقة) اسی لیے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت
عثمان اور بہت سے اصحاب کو جمع کر کے فرمادیا تھا کہ علی زمین اور آسمان دونوں میں میرے وزیر ہیں
اگر تم لوگ خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو تو علی کو راضی کرو۔ اس لیے کہ علی کی رضا خدا کی رضا اور علی
کا غضب خدا کا غضب ہے۔ (مودۃ القرنی ص ۵۵-۶۲) علی کی محبت کے بارے میں تم سب کو
خدا کے سامنے جواب دینا پڑے گا اور تم علی کی مرضی کے بغیر جنت میں نہ جاسکو گے اور علی سے کہہ
دیا کہ تم اور تمہارے شیعوں "خیر البریہ" یعنی خدا کی نظر میں اچھے لوگ ہیں۔ یہ قیامت میں خوش ہوں گے
اور تمہارے دشمن ناشاد و نامراد رہیں گے، ملاحظہ ہو (کنز العمال جلد ۶ ص ۱۱۸ و تحفہ اشاعتیہ
ص ۶۰۳ تفسیر فتح البیان جلد ۱ ص ۲۲۳)۔ والسلام

سید نجم الحسن کراروی

کوچہ مولانا صاحب، پشاور سٹی



قطعة تاریخ

کتاب چودہ سارے

از

عزیز الشہزادہ جناب مومن علی صاحب مومن جے پوری مقیم پشاور

مے پیشوا، ہم کو معصوم سارے

چمکتے رہیں گے مقررہ سارے

زمانے میں ظلمت تھی گویا جو ہوتے

نہ برون شریعت کے چودہ سارے

چارده نورشید پاکیزه

تبیخ و فکر بلند خاقانی سرمد حضرت سید جگر کاظمی (پیشاورد)
 دارشان علوم شیرانی
 پارہ ہائے کتاب ناطقِ حق!
 حاملانِ کتاب کمنونی
 اے ز آدم بہ عیسیٰ مریم
 مدعا تے درودِ مصطفوی
 بہر کونینِ اسوۂ حسنہ
 ہر یکے رحمتے پے تکوین
 تا محمد شد از محمد چوں
 باد بر روح شان درود و سلام
 بروہ جسم الحسن چہ سعی عجب
 طبع ذکر چہ سارہ معصوم
 چارده بہبران ز عرشِ کریم
 از سر احمد اے جگر خوانی

۴۸ ج ۱۳

قطعه تاریخ

تبیخ و فکر بلند فروق سرمد حضرت کوب تبریزی (پیشاورد)
 فاضل عصر، قبلہ جسم الحسن
 کردہ تصنیف نسخہ زیب
 حرفِ حرفش بہشتِ قلب و نظر
 سطر سطرش لانی منظوم
 سال طبعش شد از سر اخلاص
 ذکر تقدیس چہارہ معصوم

۵۹ ۶ ۱۹